مستند ترین اور شہرۂ آفاق کتاب کا اردو ترجمہ

مع اضافات

قصص و حالات نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴

ترجمہ

مولانا ابو طلحہ محمد اصغر مغل فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

طبع اول دارالاشاعت
طباعت جنکیل پرنٹنگ پریس ۳ آرام باغ، کراچی
ناشر:- دارالاشاعت کراچی ۱

ملنے کے پتے:

دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم۔ کورنگی۔ کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی۔ کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲

فہرست مضامین

ضمیمہ قصص الانبیاء — حالات وقصص نبی آخر الزماں ﷺ

الحمدلله الذی ارسل الرسل لھدایة الناس والصلوة والسلام علی راس الرسل والھادی لجمیع الناس وعلی جمیع الانبیاء والرسل الذین ھم خلاصة الناس وعلی ال محمد واصحابه وعلی من تبعھم من جمیع الناس

عرض مترجم

خدائے قدوس نے اپنے مقدس کلام میں اپنی محبوب ہستیوں کو عجب طرح سے بار بار یاد فرمایا، اور اپنے بندوں کو ان کے مہکتے تذکرے اجاگر کرنے کی بھرپور رغبت دلائی، بارہا فرمایا فلاں پیغمبر کو ان تذکروں کے ساتھ یاد کرو۔

فلاں رسول کو ان جانفشانیوں کے ساتھ یاد کرو۔

بلاشبہ اسی مقدس جماعت کی بدولت خدائے بزرگ و برتر نے انسانیت کو ضلال و کفر کی گھٹاٹوپ تاریکیوں سے نکال کر اجالا بخشا۔

انہی کے طفیل، انہی کے مرہون منت انسانیت کو اشرف المخلوقات کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی۔

نیلگوں چھت تلے زمین کے سینے پر بسنے والی مخلوق میں یہی واحد ایسا پاکیزہ گروہ ہے جو لغزش و عصیاں کی آلائشوں سے بالکل منزہ ومبرا ہے بلکہ اس کی بو سے بھی کوسوں دور ہے۔ قصہ مختصر یہ جماعت خلاصہ تخلیق اور کائنات کا محور و مرکز ہے، تبھی تو خدائے لازوال نے اپنی سب سے عظیم کتاب کو ان کی سیرت کے خاکوں سے مزین فرمایا۔

یقیناً انہی ستودہ صفات ہستیوں کی سیرت نگاری میں ان گنت اہل علم نے قلم اٹھایا اور قلم کی جولانیاں اور کاوشیں زیب قرطاس کر دیں، اور الحمدللہ تحقیقی اور مستند کتابیں بھی معرض وجود میں آئیں، جن کے مصنفین نے درست راہ پر گامزن رہتے ہوئے منزل کو جالیا۔

لیکن افسوس اس میدان میں لکھی گئی بیشتر کتب غلو اور مبالغہ آرائی اور من گھڑت و من پسند باتوں سے پر ہیں، جن کے مصنفین نے انبیاء کے متعلق متعدد مقامات پر بے سر و پا باتیں درج کر ڈالی ہیں، اور محض قصوں کو دلچسپ اور شیریں کرنے کے لئے اکثر اسرائیلی روایات کے چشموں سے مواد فراہم کیا ہے، جو بسا اوقات قرآن و سنت کے بھی متقابل آجاتا ہے۔ اور قصوں کے درمیان تصنع و تکلف کے ساتھ تسلسل کی باگ کو جگہ جگہ گرہیں لگائی ہیں اور ان بے سود کوششوں میں بعض اوقات ایسی باتیں بھی سپرد صفحات کر دی ہیں، جو عبائے نبوت و رسالت کو داغدار کرتی ہیں۔

کتاب ہذا کے مؤلف: ابوالفداء اسماعیل بن کثیرؒ کو اللہ عزوجل اپنی بے پایاں رحمتوں کی آغوش میں ٹھکانہ نصیب کرے، موصوف کی شخصیت نادمشما کی تعریف کی چنداں محتاج نہیں ہے سات صدیاں بیت جانے پر بھی موصوف کی رفعت علمی کا شہرہ ہے۔

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی دنیائے تحقیق واستناد میں مسلم وغیر مسلم تمام طبقوں میں مسلّم اور قابل قدر ہے، تاریخ، تفسیر اور حدیث میں خصوصاً درجۂ امامت کی بلندیوں تک رسائی تھی، موصوف مصنفؒ کی البدایہ جو تقریباً بارہ جلدوں پر مشتمل ہے تاریخ اسلام کا مرقع خزینہ ہے، اسی طرح موصوف کی گرانقدر تالیف تفسیر ابن کثیر کو تمام تفاسیر میں ام التفاسیر کا وقیع مرتبہ حاصل ہے، جس کے حوالے کتاب ہذا میں متعدد مقامات پر پیش کئے گئے ہیں۔

اور موصوفؒ نے اس میدان یعنی قصص الانبیاء میں جداگانہ طرز کو ملحوظ قرطاس رکھا ہے اور زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سے مواد فراہم کر کے کتاب کو مستند ترین درجہ تک پہنچادیا ہے، پھر احادیث رسول کے ذخائر کو کھنگال کر صحیح احادیث کا انتخاب فرمایا ہے، جہاں کہیں اسناد حدیث میں لچک ہے، وہاں نقد وجرح کی کسوٹی پر ان کو پرکھا ہے، پھر اقوال سلف صالحین سے روشنی حاصل کی ہے، اور جہاں کہیں مشہور اہل علم سے اس جولانگاہ میں تسامح ہوا، یا عوام الناس میں جو غیر ثابت شدہ باتیں پھیل گئی ہیں وہاں قارئین کو اچھی طرح بیدار کیا ہے۔

سب سے اہم گزارش بندہ مترجم کی نظر میں یہ ہے کہ اس راہ میں تحقیقی کام کرنے والے مسافروں کو علامہ ابن کثیرؒ کی اس قصص کے مطالعہ بغیر چارہ کار نہیں، موصوفؒ نے جابجا ایسی علمی تحقیقات زیب قرطاس کی ہیں، جن سے بیشتر کتب خالی ہیں، اور قرآن واحادیث واقوال صالحین کا منتشر مواد یکجا کر دیا ہے۔

کتاب کی گوناگوں خصوصیات اور مصنف کے بلند علمی مقام کی وجہ سے عرب کے بہت سے کتب خانے صدیوں سے اس کو طباعت کے عمدہ لباس میں مزین کرتے آرہے ہیں، مگر افسوس کہ سات صدیاں بیت جانے پر بھی ابھی تک اردو زبان میں اس کا ترجمہ نہیں ہوا تھا، جس کی وجہ سے اردو کتب خانے اس عظیم علمی سرمائے اور گرانمایہ پونجی سے یکسر خالی تھے، بعض مخلص احباب نے بندہ مترجم[1] کی توجہ کو اس جانب مبذول کروایا کہ اگر اردو دان طبقہ کے لئے سلیس اردو قالب میں اس عظیم کتاب کو منتقل کر لیا جائے تو کثیر عوام وخواص اس سے بہرہ مند ہوں گی، مگر بندہ طفل مکتب کو اپنی تعلیمی مصروفیات کی بناء پر فرصت میسر نہ تھی، نیز کتاب بھی اپنی ضخامت میں خاصا وقت طلب کر رہی تھی، بالآخر اللہ کے فضل وکرم سے مشکوٰۃ شریف کے تعلیمی سال کے اختتام پر تعطیلات میں اس کا اکثر حصہ ترجمہ کیا، اور یوں دھیرے دھیرے کتاب کا مکمل ترجمہ سپرد قلم ہو گیا، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور بندہ اپنے اساتذہ کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ جن کی کاوشوں کے طفیل بندہ حقیر میں یہ کچھ استعداد پیدا ہوئی، احقر چونکہ ابھی طفل مکتب ہے لہذا اپنی علمی کم مائیگی کا بصد معترف ہے، بلکہ اس بے علم کو علم کے ساتھ تضاد کے سوا کیا نسبت؟...... صرف اور صرف اللہ عزوجل کی ذات پر بھروسہ ہے اور اپنے مشفق اساتذہ کی عنایتوں اور دعاؤں کا مضبوط سہارا ہے اور بارگاہ ایزدی سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ اپنے اہل علم اساتذہ کے ساتھ قربت کی وجہ سے کچھ علمی مہک اس بے

---

[1] مولانا محمد اصغر مغل

کیف کو بھی معطر کر جائے۔

خیر جو کچھ اس تہی دامن کے پاس تھا وہ قارئین کی نذر کر دیا ہے اور محض اللہ کے فضل سے یہ انتہائی کٹھن کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب کے ترجمہ میں چند چیزوں کا خیال رکھا ہے، خاص طور پر یہ کہ احادیث کی اسانید اور ان پر کی گئی جرح وتعدیل کو حاشیے میں آراستہ کر دیا ہے، کیونکہ ان کا متن میں درج کیا جانا عام قارئین کو الجھن اور اکتاہٹ میں ڈالتا، مگر امانت کا تقاضا تھا کہ گہوارہ کتاب کو بھی اس وقیع علمی شئی سے ویران نہ کیا جائے، لہٰذا ان کو حاشیے میں ذکر کر کے بذریعہ ارقام متن کے ساتھ ان کا تعلق وابستہ کر دیا ہے۔

نیز مصنفؒ نے چونکہ سرور کائنات ﷺ کی سیرت پر علیحدہ مستقل کتاب تالیف فرمائی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کتاب میں آپ کے تذکرے کو نہ چھیڑا تھا، مگر اس گلستان کا اصل گل تو آپ کی ہی ذات گرامی تھی، جس سے گلستان کی بہار ہے اور تمام رونقیں اور رعنائیاں آپ ہی کے وجود مجسم سے ہیں، تو اس لئے بندہ نے حضور کی شان میں کچھ الفاظ کا نذرانہ اخیر کے صفحات پر پیش کر دیا ہے، جو تقریباً تیس چالیس صفحات ہیں لیکن مکمل کتاب مصنف ابن کثیرؒ کی ہے، جو پیشوائے عالم ہیں اور بندہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور کچھ ترتیب دی ہے اور آخری صفحات کو احقر نے لکھا ہے لہٰذا دونوں حصص کے مابین کوئی مناسبت تلاش کرنا بے سود ہوگا، کہاں اوج ثریا اور کہاں بستیوں میں خاک ثری، وہ رشک کائنات یہ اپنے وجود ہی میں رسوا، بھلا رفعت سماوی اور پستیٔ ارض میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔؟

آخر میں بندۂ ملتجی کا بارگاہ رب العزت میں ہر ہر رواں شکر گزار ہے اور اپنے اساتذہ اور جمیع اہل خانہ کے لئے دعاگو ہے کہ اللہ رب العزت اپنی ان محبوب ہستیوں کے طفیل ہم سب کو اپنی چادر رحمت میں ڈھانپ لے، اور قلم عفو کو ہماری لغزشوں اور خطاؤں پر کھینچ دے۔

اور بندے کی اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نواز دے۔

جئنا ببضاعة مزجٰة فاوف لنا الكيل، وتصدق علينا

العبد الفقير الى الله

محمد اصغر مغل

عفى عنه وعن والديه وعن اساتذته

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات مصنف

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام و نسب :- اسماعیل نام، ابو الفداء کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے، سلسلہ نسب یہ ہے اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع القیسی البصری ثم الدمشقی۔

آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبد الوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ولادت و تعلیم و تربیت :- آپ کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک بستی ہے اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے، ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا، والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشو و نما ہوئی ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی بعد میں شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبد الرحمٰن فرازی المتوفی ۷۲۹ھ اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب کی مختصر کو زبانی یاد کیا اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبد الرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب المتوفی ۷۴۹ھ سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس زمانہ کے مشہور اساتذہ فن سے کی علامہ سیوطی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حجارؒ اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔

حجارؒ کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔(۱) عیسیٰ بن المطعم۔ (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر المتوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الاسدی المتوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن سویدی المتوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی المتوفی ۷۴۹ھ۔

لیکن آپ کو سب سے زیادہ استفادہ کا موقع محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن مزی

شافعی مصنف تہذیب الکمال المتوفی ۷۴۲ھ سے ملا، اور حافظ صاحب نے آپ سے خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کر دیا تھا۔

اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ مضبوط کر دیا، سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، طویل مدت تک حاضر خدمت رہے اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی، اور اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دیوسی وانی اور ختنی وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی:- امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ علامہ ابن الماعد حنبلی، ابن حبیب سے ناقل ہیں کہ علم تاریخ اور علم حدیث اور علم تفسیر کا علم آپ پر منتہی ہے۔

اور مشہور مورخ علامہ ابو المحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری لکھتے ہیں حدیث تفسیر، فقہ میں ان کو بڑی معلومات تھی۔

اور حافظ ابو المحاسن حسینی فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، تفسیر اور نحو میں ماہر تھے اور رجال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔

علماء کا آپ کی حدیث میں خراج تحسین:- حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مغلطائی، ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں تکنے والے اور موتلف و مختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں۔

اور حافظ ذہبی نے المعجم المختص میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے کہ ان کو رجال متون حدیث اور فقہ کیساتھ اعتنا ہے، انھوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی، اور آگے بڑھ گئے۔

اور حافظ ابن ناصر الدین دمشقی فرماتے ہیں کہ حافظ عماد الدین علم حدیث کے معتمد عالم اور علم تاریخ اور علم تفسیر کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

درس و افتاء، ذکر الٰہی، شگفتہ مزاجی:-

حافظ صاحب کی تمام عمر درس و افتاء اور تصنیف اور تالیف میں بسر ہوئی حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے، بڑے ذاکر شاغل تھے، آپ کی طبیعت بڑی شگفتہ تھی لطیفہ گو اور خوش طبع تھے۔

وفات:- اخیر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی اور جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے، آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں، اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ لہو بھی ملا دیتے تب بھی اے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑے تھے۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں دو صاحبزادے چھوڑے تھے، ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی اور دوسرے بدر الدین ابو البقاء محمد یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں، انھوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی، ان دونوں کا تذکرہ حافظ ابن فہد نے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات :-

آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے چند کتب یہ ہیں۔

(۱)...... تفسیر میں، تفسیر القرآن العظیم، جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے۔

(۲)...... تاریخ میں البدایہ والنہایہ، جس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

(۳)...... فن رجال میں التکمیل

(۴)...... طبقات الشافعیہ جس میں فقہاء شافعیہ کا تذکرہ ہے۔

علم حدیث میں اختصار علوم الحدیث

(۵)...... شرح صحیح بخاری جو نا مکمل ہے۔

(۶)...... الاحکام الکبیر جو کتاب الحج تک ہے یہ احکام کی احادیث کے متعلق ہے

(۷)...... مسند الشیخین، اس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے متعلق احادیث کو لکھا ہے۔

(۸)...... السیرت النبویہ، یہ سیرت نبوی پر طویل کتاب ہے۔

قصص النبیین یہ کتاب قرآن سے لئے گئے انبیاء کے قصوں پر مشتمل ہے تقریباً تحقیقی اعتبار سے کوئی قصص انبیاء کی کتاب اس سے آگے ہو کیونکہ مصنف نے سب سے زیادہ قرآن سے اسکا انتخاب کیا ہے، اور ضعیف روایتوں اور احادیث کو ترک کر دیا ہے اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر قرآن کی آیتوں کو ذکر کیا ہے، اور یہ مصنف کی عظمت ہے اور آپ نے فقہ اور معتمد علیہ چیزوں کا بہت خیال رکھا ہے جو آپ کی عادت تھی اسی بناء پر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو کر دارالاشاعت کراچی سے منظر عام پر آ رہا ہے۔

العبد الفقیر الی اللہ

محمد اصغر مغل خیرپور میرس سندھ

ابو البشر حضرت آدم علیہ السّلام کے بارے میں جو قرآن میں نازل ہوا[1]

قرآن میں ہے اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں، انھوں نے کہا کیا آپ اس (زمین) میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتے ہیں، جو خرابیاں کرے، اور خون ریزی کرتا پھرے، اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور (پھر خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور (پھر) اللہ نے آدم کو سب (چیزوں) کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے لائے اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟ تو انھوں نے کہا! تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے تب خدا نے (آدم) کو حکم فرمایا کہ اے آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں؟ میں نے تم سے نہ کہا تھا، کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو، اور جو تم چھپاتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے، اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو، تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کر دیا، اور غرور میں آکر کافر بن گیا، اور (پھر) ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو)، لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے، پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے بہکا دیا، اور جس (عیش و نشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا، تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے، پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا، بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے، ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا،

---

[1] حضرت آدم کے بارے میں قرآن میں پچیس مرتبہ ذکر آیا ہے، جو پچیس آیتوں میں ہے دیکھئے،

سورۃ	آیات	تعداد
سورۃ بقرہ ۲	آیت نمبر ۲۱، ۲۲، ۳۴، ۳۵، ۳۷	۵
آل عمران ۳	آیت نمبر ۲۳، ۵۹	۲
المائدہ ۵	آیت ۲۷	۱
الاعراف ۷	آیت نمبر ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۷۲	۷
الاسراء ۱۷	آیت ۶۱، ۷۰	۲
الکہف ۱۸	آیت ۵۰	۱
مریم ۱۹	آیت ۵۸	۱
طہ ۲۰	آیت ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱	۵
یس ۳۶	آیت ۶۰	۱
	ٹوٹل آیت	۲۵

کیونکہ) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔
اور جنھوں نے (اسکو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے ہیں، (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[1]

اور قرآن میں فرمان باری ہے، عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے، کہ اس نے (پہلے آدم کا) مٹی سے قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا، تو وہ (انسان) ہو گیا[2]

اور قرآن میں ہے :- لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (پھر) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے، اور خدا سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت روائی کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع محبت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔[3]

یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ فرمایا :- اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔[4]

اور قرآن میں ہے :- وہ خدا ہی تو ہے، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔[5]

اور قرآن میں ہے :- اور ہم نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو! تو (سب نے) سجدہ کیا، لیکن ابلیس، کہ وہ سجدہ کرنے میں (شامل) نہ ہوا، خدا نے فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھ کو سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ نے فرمایا تو (بہشت سے) اتر جا، تجھے لائق نہیں کہ تو یہاں غرور کرے، پس نکل جا تو ذلیل ہے، اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت عطا فرما، جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے، (پھر) شیطان نے کہا! مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا، پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ خراب کروں گا) اور آپ ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے، (خدا نے) فرمایا، نکل جا یہاں سے حقارت زدہ مردود، جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے، میں ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اور (پھر ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور جہاں چاہو (اور جو چاہو) تناول کرو، مگر اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا، تاکہ ان کے پردہ کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں، کھول دے اور کہنے لگا! تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف

---

[1] مذکورہ تمام ترجمہ سورۃ بقرہ کی آیت ۳۰ سے ۳۹ تک کا تھا۔
[2] سورۃ آل عمران آیت ۵۹۔
[3] سورۃ نساء آیت ۱۔
[4] سورۃ حجرات آیت ۱۳۔
[5] سورۃ اعراف آیت ۱۸۹۔

اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ جیتے نہ رہو، اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں، غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انھوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھالیا تو ان کے پردے کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے پر چپکانے لگے، (اور ستر چھپانے لگے) تب ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی، کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہ کیا تھا اور بتلا نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ دونوں عرض کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے، (خدا نے) فرمایا (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور تمہارے لئے ایک وقتِ (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان ہے، (اور) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں تمہارا مرنا اور اسی سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔[1]

اور قرآن میں ہے :- اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے، اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔[2]

اور قرآن میں ہے :- اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے، اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے، بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا، اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا، کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں، جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا، تو فرشتے سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان (نہ مانا اور) اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا (خدا نے فرمایا) اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے اس کو سجدہ کروں، (خدا نے) فرمایا، یہاں سے نکل جا تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی)، (اس نے) کہا پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے، جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ وقت مقرر کے دن تک (اس نے) کہا پروردگار! جیسا تو نے مجھے راستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) مزین کر کے دکھاؤں گا، اور ان کو بہکاؤں گا، مگر ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر میرا زور نہیں)

(خدا نے) فرمایا! کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہ سیدھا راستہ ہے، جو میرے (مخلص) بندے ہیں، ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ تو ان کو گناہ میں ڈال سکے) یا گمراہوں میں سے کر سکے جو تیرے پیچھے چل پڑیں، اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے، اس کے سات دروازے ہیں، ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئیں ہیں۔[3]

اور قرآن میں ہے :- اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا، بولا، بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، (اور پھر ازراہ طنز)

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۱ تا ۲۵۔ [2] سورۂ طہٰ آیت ۵۵ [3] سورۂ حجر آیات ۲۶ تا ۴۴۔

کہنے لگا، کہ دیکھ تو، یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس (آدم کی تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا، خدا نے فرمایا! (یہاں سے) چلا جا! جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا، تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے، اور ان میں سے جن کو تو بہکا سکے، اپنی آواز سے بہکاتا رہ! اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ، اور ان کے مال میں اور اولاد میں شریک ہوتا رہ، اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ، اور جو وعدے بھی شیطان ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے، (اے شیطان) جو میرے مخلص بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز، اور کافی ہے۔[1]

اور دوسری جگہ قرآن مقدس میں ہے۔

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا، تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا، دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے (خدا کی دوستی کا) برا بدلہ ہے۔[2]

دوسری جگہ قرآن عزیز میں ہے۔

اور ہم نے پہلے آدم سے عہد کیا تھا، مگر وہ (اس کو) بھول گئے، اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے، مگر ابلیس نے انکار کر دیا، ہم نے فرمایا، اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، تو کہیں یہ تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوا دے، پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔

یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو، نہ ننگے، اور یہ کہ نہ پیاسے رہو، نہ دھوپ لگے، تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، اور کہا آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت نہ بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی ختم نہ ہو، تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا، تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں، اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا، تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے، پھر اس کے پروردگار نے ان کو نوازا، تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی، اور سیدھی راہ بتائی، فرمایا کہ تم یہاں سے نیچے اتر جاؤ! تم میں بعض، بعض کے دشمن ہوں گے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے، تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہو گا، اور نہ تکلیف میں پڑے گا، اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اس کی زندگی، تنگ ہو جائے گی، اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا، خدا فرمائے گا! ایسا ہی (ہونا چاہئے) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں، تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح ہم آج تجھ کو بھلا دیں گے۔[3]

اور قرآن مقدس میں ہے:- کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے، جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے، مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا، جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا، میری طرف تو یہی وحی

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل ۶۱ تا ۶۵۔ [2] سورۂ کہف آیت ۵۰ [3] سورۂ طٰہٰ آیات ۱۱۵، ۱۲۶۔

کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا، میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا، تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر شیطان اکڑ بیٹھا، اور کافروں میں ہو گیا، (خدا نے) فرمایا! اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آگیا؟ یا تو اونچے درجے والوں میں ہے؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اسے مٹی سے پیدا کیا، (خدا نے) فرمایا، یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی، کہنے لگا میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے، جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں، فرمایا سچ ہے، اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں سب سے جہنم کو بھر دوں گا، (اے پیغمبر) کہہ دو، میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں، یہ (قرآن) تو اہل عالم کیلئے نصیحت ہے، اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔[1]

اب تک قرآن کی متفرق جگہوں سے حضرت آدم کے متعلق ترجمہ آیات پیش کیا گیا۔ اور اسکی تفسیر کے متعلق تفصیل سے ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں، کلام کر چکے ہیں۔ یہاں بھی ان آیات کے مضمون کے متعلق کچھ احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اس قصہ پر دلالت کریں گی۔ اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

خلافت ارضی کے بارے میں گفتگو :-

اللہ عزو جل نے فرشتوں کو فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔[2] تو اس خلافت و نیابت سے مراد یہ ہے کہ، تم انسان ایک دوسرے کے آپس میں خلیفہ ہو گے، جیسے دوسری آیت میں ہے: اور وہ وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا[3] اور دوسری جگہ قرآن میں فرمایا، اور تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا۔[4]

---

[1] سورۂ ص آیات ۶۷ تا ۸۸

[2] بقرہ ۳۰۔

[3] انعام ۱۶۵۔

[4] نمل ۶۲۔ احقر اصغر کے ناقص خیال میں ہے کہ اللہ نے پہلے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا، پھر آگے انکی اولاد بعد والی، پہلے والوں کی خلیفہ بنتی چلی گئی اور یہ جو آیات ذکر کی گئیں ان میں یہ ممانعت کہیں نہیں ہے کہ اللہ نے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، اور تبھی تو حضرت آدم کو سجود ملائکہ قرار دیا، اس میں بھی اشارہ ہے کہ یہ میرا خلیفہ ہے۔

پھر حضرت آدم کا خلیفہ انکے بعد کے نبی کو بنایا، پھر یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی اکرم محمد ﷺ تک پہنچا کیونکہ خلافت سے مراد تھا کہ زمین پر یہ میری طرف سے ھدایت الٰہی کا کام سر انجام دیں گے اور یہ چیز انبیاء کے حق میں ہے۔ پھر حضور کے بعد خلفاء کا سلسلہ چلا اور در حقیقت حضور کی خلافت تا قیامت ہے، اور آپکی وفات کے بعد آپکی ہی خلافت چلے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت انکے انبیاء کرتے تھے۔ ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا۔ اور خبردار، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں میرے خلیفہ ہوں گے۔ اور بہت ہوں گے۔ احقر مترجم

تخلیق آدم کی فرشتوں سے گفتگو :۔

پھر اللہ عزوجل نے تعظیم کے طور پر، حضرت آدم اور انکی اولاد کی پیدائش کی خبر دی۔ جسطرح اہم اور عظیم الشان کاموں کی پہلے سے خبر دی جاتی ہے تو اس پر فرشتوں نے بات کی وضاحت اور اسکی حکمت اور وجہ معلوم کرنے کیلئے سوال کیا، اور کوئی اعتراض یا عیب لگانے کی غرض سے یہ سوال نہ تھا جیسا کہ بعض نابلد مفسرین کا خیال ہے (جو کہ غلط ہے) تو فرشتوں نے یوں سوال کیا۔ (اے اللہ) کیا آپ زمین میں اسکو بنانا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد مچائے اور خون بہائے۔[1]

مفسر قرآن حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو اس بات کا علم (کہ حضرت انسان دنیا میں فساد وخونریزی کرے گا) اس طرح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں جنوں نے فساد اور خون خرابہ مچار کھا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے آباد تھے، پھر انہوں نے خونریزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کا لشکر بھیج دیا ان فرشتوں نے جنات کو مار مار کر سمندر کی جزیروں (اور ویران علاقوں) میں بھگا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی بات منقول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے لوح محفوظ سے اطلاع پائی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات فرشتوں کو انکے دو ساتھی فرشتوں (ھاروت ماروت) نے بتادی تھی۔ اور ان دونوں کو یہ بات اوپر والے فرشتے سجل نے بتائی تھی۔[2]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکو انسان کی اس فطرت کا علم اس طرح ہوا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ اس مخلوق کو مٹی سے پیدا کیا جارہا ہے تو ضرور مٹی کے اوصاف اسمیں آئیں گے۔

تو فرشتوں نے کہا کہ ہم آپکی تسبیح کرتے ہیں اور آپکی پاکی بیان کرتے ہیں۔[3]

یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہیں گے ہم میں سے کوئی آپکی نافرمانی نہیں کریگا تو اگر اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے مقصود آپکی عبادت ہے تو ہم کبھی بھی دن رات میں آپکی عبادت سے نہیں تھکتے۔ (ہم سے یہ کام لیجئے)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں مقصود ہیں مثلاً عنقریب اس سے انبیاء کرام علیھم السلام کو پیدا کیا جائیگا۔ اسی طرح صدیقین کو شہداء کو صالحین کو بھی پیدا کیا جائیگا۔

علم کی بناء پر آدم کو فضیلت :۔

پھر اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور شرف کو علم کی وجہ سے بلند فرمایا اور بیان فرمایا کہ اور

---

[1] سورۃ بقرہ آیت ۳۰

[2] اسکو ابن ابی حاتم نے حضرت ابو جعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ھے۔

[3] سورۃ بقرہ آیت ۳۰۔۳۱

ہم نے آدم کو تمام نام سکھلا دیئے۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نام تھے جنکو لوگ آپس میں جانتے ہیں جیسے انسان ٗ جانور ٗآسمان، سمندر، پہاڑ، اونٹ، گدھا، وغیرہ وغیرہ

اور حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے نام سکھائے تھے جیسے پیالہ، تقدیر یہاں تک جو ریح آواز کے ساتھ پیچھے سے نکل جاتی ہے اسکا نام اور جو بغیر آواز کے نکلتی ہے اسکا نام بھی بتادیا۔

اور فرماتے ہیں کہ ہر جانور، ہر پرندے اور ہر چیز کے نام سکھائے تھے۔ اور حضرت سعید، حضرت ابن جبیر ،اور قتادہ وغیر ھم ایک[2] کے علاوہ سب کا یہ کہنا ہے۔

اور حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ کے نام سکھائے تھے اور عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ انکو انکی اولاد کے نام بھی سکھادیئے تھے[3] اور صحیح یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے انواع وغیرہ کے نام اور انکے کاموں کے نام سکھائے تھے جیسے انسان، چوپایہ، زمین، اور انکے کام وغیرہ، خواہ وہ چھوٹی چیزیں ہوں یا بڑی۔

اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور امام مسلمؒ سعید اور ھشام کے طریق سے قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن ملک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن مومنین جمع ہونگے اور کہیں گے کاش اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری کوئی سفارش کرے پھر وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابو البشر ہیں اللہ عزوجل نے آپکو اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور ہر چیز کے آپ کو نام بتائے۔[4]

آگے فرمان خداوندی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔[5] حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا کہ پروردگار ایسی کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائیں جو ہم سے زیادہ جانتی ہو تو پھر انکی اس مذکورہ طریقہ سے آزمائش کی گئی ان کنتم صادقین "اگر تم سچے ہو" کا یہی مطلب ہے کہ اگر تم مذکورہ خیال میں سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

(اسکے بارے میں بزرگوں کے اور بھی اقوال ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کردیئے ہیں۔)

تو پھر فرشتوں نے عرض کیا کہ (اے) پروردگار تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں ہے سوائے اسکے جو آپ نے ہم کو سکھایا۔ بے شک آپ علم (و) حکمت والے ہیں[6] یعنی آپکے علم کو آپکے سکھائے بغیر کوئی حاصل نہیں کرسکتا۔ جیسے دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا یعنی وہ اللہ کے علم سے ذرہ برابر بھی احاطہ نہیں کرسکتے

---

[1] اور یہاں کہیں بھی یہ تصریح نہیں ملتی کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ اسلام کو تنہائی میں یہ اسماء سکھائے تھے جسکی وجہ سے فرشتوں کو نہ پتہ چلا۔ اگر ایسی بات ہو تو فرشتوں سے پوچھنے کا کیا جواز؟ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کے سامنے ہی یہ تعلیم دی تھی لیکن فرشتوں میں اسکو حاصل کرنے اور اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ جیسے بھوک کا انکو کیا پتہ جس سے انکو ذائقہ کا بھی علم ہو۔

[2] وہ مجاہد بن مکی ابوالحجاج متوفی ۱۰۳ھ ہیں۔ طبقات ج ۳۰ ۳۴۳ [3] تفسیر طبری ج ۱ص ۱۷۰

[4] بخاری، کتاب التفسیر سورہ بقرہ [5] سورہ بقرہ آیت ۳۰ [6] سورہ بقرہ آیت ۳۲

مگر جتنا اللہ چاہے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اے آدم انکو انکے اسماء کی خبر دے جب آدم نے انکو انکے ناموں کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا! کہ کیا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی غائب باتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپا کر کرتے ہو۔ یعنی اللہ پاک پوشیدہ باتوں کو بھی اسی طرح جانتے ہیں جسطرح ظاہر کو۔ اور کہا گیا ہے کہ ظاہر کو جاننے سے مراد فرشتوں کی اس بات کو جاننا ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ "کیا آپ زمین میں اسکو بناتے ہیں جو اسمیں فساد مچائے گا" اور پوشیدہ کو جاننے سے مراد "ابلیس کا اپنے دل میں کبر و بڑائی کو چھپانا ہے۔ یہ قول حضرت سعید ابن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک، ثوری، ابن جریر رحمھم اللہ کا ہے۔

اور ابو العالیہ، ربیع، حسن، قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے فرمان "جو تم پوشیدہ رکھتے ہو" اس سے مراد فرشتوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے زیادہ جاننے والے اور اکرام والے کو پیدا نہ فرمائے گا۔

فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرانا:-

اسکے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کر دیا اور بڑائی کی[2]۔

تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرانا یہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے بڑے عظیم اکرام اور اعزاز کی بات ہے۔

جب انکو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اسمیں روح پھونکی جس کے فرمان ہے کہ پس جب ہم نے اسکو درست کر دیا اور اسمیں اپنی روح پھونک دی تو (حکم دیا کہ) اسکے لئے سجدہ ریز ہو جاؤ[3]۔ تو یہاں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار طرح سے انکو شرف و مرتبت سے نوازا۔ اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا، اشیاء کے ناموں کے علم سے نوازا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام جب ملاء اعلیٰ میں اکٹھے ہوئے اور انکا آپس میں مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ آپ آدم ہیں، ابو البشر ہیں، آپکو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپکو فرشتوں کا مسجود بنایا، آپکو ہر چیز کا علم عطا فرمایا۔

اسی طرح اہل محشر بھی قیامت کے روز حضرت آدم علیہ اسلام کو عرض کریں گے۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اور ہم نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۳۵۵

[2] اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو اور سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سجدے عبادت کیلئے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک و کفر ہے اور کفر و شرک کسی بھی شریعت میں جائز نہیں تھا۔ للذا اصاف معلوم ہوتا ہے کہ قدیم انبیاء کے زمانہ میں اس سجدہ کا وہی حکم ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، دست بوسی اور برائے تعظیم کھڑے ہونے کا حکم ہے پھر وہ سجدہ شریعت محمدی میں منسوخ ہوگیا۔ اور سجدہ، رکوع، اور ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہونا ممنوع ہوگیا۔

[3] سورۃ حجر آیت ۲۹

ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا (خدا) نے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی بنایا ہے[1]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابلیس نے قیاس آرائی اور اجتہاد کیا اور اس طرح سب سے پہلا شخص قیاس کرنے والا ابلیس ہوا[2]

اور محمد بن سیرینؒ بھی فرماتے ہیں کہ اول شخص جس نے قیاس آرائی کی وہ ابلیس ہے اور سورج و چاند کی پرستش بھی صرف قیاس کی بناء پر جاری ہوئی یہ دونوں قول ابن جریرؒ نے روایت کئے ہیں[3]

اس کا مطلب یہ ہیکہ ابلیس نے اپنے اور آدم کے درمیان (عقل کے زور سے) قیاس آرائی کی۔ لہٰذا اپنے وجود کو آدم کے وجود سے اشرف و اعلیٰ سمجھا اور سجدہ کرنے سے رک گیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسکو اور سارے فرشتوں کو جاری ہو چکا تھا۔ (تو یہاں شرعی حکم کے ہوتے ہوئے) اس ابلیس نے قیاس آرائی کی اور جب صریح حکم خداوندی آجائے تو قیاس لڑانا فاسد اور لغو ہوتا ہے۔ اور پھر یہ قیاس بذات خود بھی غلط اور خام خیالی پر مبنی ہے۔ اسلئے کہ مٹی آگ سے زیادہ نفع مند اور بہتر ہوتی ہے کیونکہ مٹی میں عاجزی و مسکنت، بردباری، خشیت ہوتی ہے اور یہ چیزوں کی نشو نما بھی کرتی ہے (کیونکہ تقریباً ہر چیز مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کو پسند بھی ایسی ہی صفات ہیں جو مٹی میں ذکر ہوئیں) بخلاف آگ کے اسمیں طیش،، بھڑک، تیزی جلانا وغیرہ صفات ہیں (جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جسکی وجہ سے اسکو جہنم کا ذخیرہ بنایا)

اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مزید شرف و اعزاز بھی دیا (جو ملعون ابلیس کو حاصل نہ تھا) کہ حضرت آدمؑ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اپنی روح مبارک پھونکی۔ اسی وجہ سے فرشتوں کو یوں حکم دیا (ترجمہ) اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر کو پیدا فرمانے والا ہوں تو جب میں اسکو درست کردوں اور اسمیں اپنی روح پھونک دوں تو اسکے لئے سجدہ میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل ہو۔ پروردگار نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا چیز مانع ہوئی کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا تو ابلیس نے کہا کہ میں اس بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جسکو آپ نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا تو پروردگار نے فرمایا کہ نکل جا تو بے شک تو مردود ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت (برستی) رہے گی۔[4]

تو شیطان ملعون اس لعنت و حقارت کا مستحق ہوا کیونکہ اس نے آدم پر عیب لگایا اور انکو حقیر جانا۔ اور امر الٰہی کی مخالفت کی اور صریح حکم خداوندی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑائی کی وجہ سے قیاس آرائی کی اور حق کو چھوڑ کر راندہ درگاہ ہوا۔

اور سجدہ تو نہیں کیا لیکن اسکے بعد بھی جو اپنی بڑائی اور اکڑ اھٹ بیان کی اور انسانوں کو بہکانے کا کہا وہ اسکے پہلے گناہ سے بڑھکر ہوا (گویا گناہوں کی ظلمتوں میں دھنستا چلا گیا)

---

[1] سورۃ اعراف آیت ۱۱۔۱۲ [2] احقر اصغر عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے قیاس کیا تھا، لہٰذا صحیح قیاس کرنے والوں پر یہ ہے کوئی عیب نہیں لگتا۔ [3] تفسیر طبری ج ۸ ص ۹۸ [4] سورۃ حجر ص ۲۸ تا ص ۳۵

جیسے کہ اللہ عزو جل نے فرمایا(ترجمہ)اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے کہا: کہ کیا میں اسکو سجدہ کروں؟ جسکو آپ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور (ازارہ طنز) کہنے لگا دیکھو یہی (آدم) وہ ہے جسکو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر آپ مجھ کو قیامت کے روز تک مہلت عطا فرمائیں تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اسکی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا جا یہاں سے چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کریگا تو تم سب کی جگہ جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جسکو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ۔ اور اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور انکے مال و اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدہ کرتا رہ۔ اور شیطان جو ان سے وعدہ کرتا ہے سب دھوکا ہے جو میرے مخلص بندے ہیں انپر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز ہے۔[1]

اور سورۂ کہف میں یوں فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان (سب نے) سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی تو کیا (اے لوگو) تم اسکو اور اسکی ذریت کو دوست بناتے ہو مجھے چھوڑ کر؟

یعنی وہ شیطان مردود اللہ کی فرماں برداری سے جان بوجھ کر عناد و تکبر کی بناء پر دور ہو چلا اور اسوجہ سے ہوا کہ اسکی طبیعت و مادہ خبیثہ نے اس سے خیانت کی کیونکہ آگ کا مادہ اور اسکی طبیعت ہی ایسی ہے جسکی طرف شیطان محتاج ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جن بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آدم ان چیزوں میں سے تھا جو تمہارے اوصاف ہیں (یعنی ہر آدم ایسی مٹی سے پیدا ہوا ہے جسکی صفات اسمیں ہیں)[2]

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کبھی بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اور شہر بن حوشبؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس جنوں میں سے تھا جب جنوں نے زمین میں خون خرابہ مچایا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر کو بھیج دیا فرشتوں نے جنوں کو زمین کی آبادی سے ویرانی میں اور سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا اور یہ ابلیس ان جنوں میں سے تھا جسکو قید کیا گیا تھا تو اسکو پکڑ کر آسمان پر لے گئے اور یہ وہیں رہنے لگا پھر جب ایک عرصہ کے بعد آدمؑ کو پیدائش کے بعد مسجود بنایا گیا تو یہ ساجد بننے سے رک گیا اور ملعون قرار پایا۔

اور حضرت عبداللہ[3] بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور ابن عباسؓ اور صحابہ کی ایک جماعت اور سعید بن مسیبؒ وغیرہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمان دنیا میں فرشتوں کا سردار تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکا نام عزازیل تھا اور ابن عباسؓ ہی سے ایک روایت میں ہے کہ اسکا نام حارث (بھی) تھا۔ اور نقاشؒ فرماتے ہیں کہ اسکی کنیت ابو کردوس تھی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۱ تا ۶۵ [2] صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب فی احادیث متفرقۃ۔

[3] یہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں کنیت ابو عبدالرحمٰن الذھلی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی اسد الغابۃ ج ۳ ص ۳۸۴ اور الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۰

فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی ایک جماعت میں سے تھا جسکو جن کہا جاتا تھا۔ اور یہ جماعت جنت کے داروغوں (منتظموں) کی تھی اور یہ شیطان انکا بڑا سردار تھا اور ان سب میں علم وعبادت میں سب سے آگے تھا اور یہ چار پروں والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو شیطان مردود بنادیا[۱]

اور اللہ عزوجل اپنے کلام مقدس میں سورۃ صٓ میں فرماتے ہیں (ترجمہ) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ جب اسکو درست کرلوں اور اسمیں اپنی روح پھونک دوں تو اسکے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان نے تکبر کیا اور کافروں میں ہو گیا۔ (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اسکے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے روکا۔ کیا تو غرور میں آگیا ہے؟ یا تو اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسکو مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے روز تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔ کہنے لگا اے پروردگار مجھے اس روز تک (جب لوگ اٹھائے جائیں) مجھے مہلت دے۔ کہا: تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے (وہ) کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں انکو بہکاتا رہوں گا۔ سوائے انکے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ کہا سچ ہے اور میں (بھی) سچ کہتا ہوں۔ کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دونگا[۲]

اور سورۂ اعراف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) شیطان نے کہا مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (انکو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا پھر آگے سے، پیچھے سے، اور دائیں سے، اور بائیں سے، (غرض ہر چہار طرف سے) آؤں گا[۳] (اور ان کو بہکاؤں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔[۴]

یعنی کہ آپ نے مجھے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا تو میں اسکا بدلہ ان انسانوں سے نکالوں گا (کیونکہ یہ سبب بنے ہیں) اور ہر طرح سے اور ہر طرف سے انکو گمراہ کرنے کیلئے گھات لگا کر بیٹھوں گا۔ لہٰذا نیک بخت وسعادت مند وہ ہے جو شیطان کی مخالفت کرے اور بدبخت وہ ہے جو اسکی پیروی کریگا۔

امام احمد[۵] رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ھاشم بن قاسم نے بیان کیا انکو ابو عقیل عبداللہ بن عقیل نے انکو موسیٰ بن مسیبؒ نے اس طرح بیان کیا کہ سالم بن ابی جعد سے مروی ہے وہ سبرہ بن فاکیہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ سبرہؓ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک شیطان ابن آدم کے لئے راستوں میں بیٹھا ہے۔[۶]

---

[۱] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۸ [۲] سورۃ صٓ آیت ۷۱ تا ۸۵۔

[۳] اسوجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو نظر نیچی رکھنی چاہیئے کیونکہ نیچے اور اوپر کی طرف سے شیطان نہیں بہکا سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں طرف شیطان نہ کہہ سکا۔ (مترجم)

[۴] اعراف آیت ۱۶۔۱۷

[۵] یہ امام احمد بن حنبل شیبانی مروزیؒ ابو عبداللہ ہیں جو ۲۴۱ھ میں وفات فرما گئے شذرات الذھب ج ۲ ص ۱۹۶۔

[۶] احمد نے اپنی مسند میں ج ۳ ص ۴۸۳ پر اور نسائی نے کتاب الجھاد میں بیان کیا ہے۔

مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ اسلام کو سجدہ کیلئے کن کن فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ آیا وہ تمام فرشتے ہیں جیسے کہ عام آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہی جمہور کا بھی قول ہے۔ یا صرف زمینی فرشتے مراد ہیں؟ جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اسمیں انقطاع ہے اور سیاق میں اجنبیت ہے، اگرچہ بعض متاخرین نے اسکو ترجیح دی ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر وہی پہلی والی بات ہے اور حدیث بھی اسپر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تو یہاں عام ہے کہ فرشتوں کے کسی خاص گروہ کو حکم نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم

اور اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو فرمان کہ اھبط منھا [۱] جنت سے نیچے اتر جا اور اخرج منھا [۲] یعنی جنت سے نکل جا۔ یہ آیتیں دلیل ہیں اس بات پر کہ ابلیس آسمان پر تھا پھر اسکو نیچے اترنے کا حکم جاری ہوا اور اس عظیم مرتبے و درجے اور مقام سے نکلنے کا حکم فرمایا جو عبادت و طاعت کی وجہ فرشتوں کے ساتھ اسکو حاصل تھا اس طرح اس صورت و مرتبت کو اسکی نافرمانیوں کی وجہ سے چھین لیا گیا۔

آدم و حوا کی جنت میں رہائش :-

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اور انکی بیوی جنت میں سکونت فرمائیں اور فرمایا (ترجمہ) اور ہم نے آدم کو کہا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے [۳]

اور سورۃ اعراف میں فرمایا (ترجمہ) فرمایا پروردگار نے (شیطان کو!) نکل جا اس جنت سے حقارت زدہ دھتکارہ ہوا ابلیس جو بھی ان (انسانوں) میں سے تیری پیروی کرے گا تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ [۴] اور فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں (سب) نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ تو ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوادے پھر تو تم محروم ہو جاؤ گے اور بے شک جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی اور نہ تو ننگا ہو گا، اور نہ تجھے اسمیں پیاس لگے اور نہ دھوپ [۵]

ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش جنت میں حضرت آدم کے داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا (ترجمہ) اور اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو [۶]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے حضرت آدم علیہ اسلام کو کہ آپ نے اپنے آپکو اور ہم کو جنت سے کیوں نکلوایا؟

امام مسلمؒ اپنی صحیح میں ابن ملک اشجعیؒ سے جنکا نام سعد بن طارق ہے وہ ابی حازم مسلم بن دینار سے اور

---

[۱] سورۃ اعراف آیت ۱۳
[۲] سورۃ اعراف آیت ۱۸
[۳] سورہ بقرہ آیت ۳۵
[۴] سورۃ اعراف آیت ۱۸۔ ۱۹
[۵] سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹
[۶] سورۃ اعراف آیت ۱۹

حضرت ابی حازمؒ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح ابو مالک ربعی سے، ربعی حذیفہؓ[1] سے روایت کرتے ہیں۔ یہ دونوں صحابی رسول فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ (قیامت کے روز) انسانوں کو جمع فرمائیں گے۔ پھر جب مومنین کیلئے جنت آراستہ کی جائیگی تو تمام مومنین حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔ اے ہمارے (سب کے) والد (محترم) ہمارے لئے جنت کھلوا دیجئے تو حضرت آدمؑ فرمائیں گے تم کو جنت سے میری لغزشوں ہی نے تو نکلوایا ہے۔[2]

اور یہ حدیث بڑی قوی دلیل ہے اس بات پر کہ یہ جنت جنت الماویٰ تھی (اور یہ نظر سے خالی نہیں ہے)

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہیں تھی:-

اور دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سکونت ملی وہ دائمی جنت نہیں تھی اسلئے کہ اسمیں ایک درخت کے پھل کو کھانے سے منع کیا گیا (جبکہ اصل جنت میں کسی چیز کی روک ٹوک نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس جنت میں حضرت آدمؑ سوئے تھے جبکہ جنت میں نیند نہیں، اسلئے بھی کہ حضرت آدم علیہ اسلام کو پھر اس جنت سے نکالا گیا (جبکہ اصل جنت میں جب کوئی داخل ہوگیا تو اس کیلئے وہاں سے نکلنا نہیں)

اور اسلئے بھی کہ ابلیس لعین اس جگہ میں داخل ہو گیا تھا (جبکہ جنت میں شیطان ابلیس کا داخلہ ممنوع ہے)

تو یہ سب باتیں اس بات کو منع کرتی ہیں کہ وہ جنت جنت الماویٰ تھی۔ اور یہی قول حضرت ابی ابن کعب، عبداللہ بن عباس، وھب ابن منبہ، سفیان بن عیینہؒ وغیرہ کا ہے۔

اور ابن قتیبہؒ نے بھی المعارف میں اسکو اختیار کیا ہے، اور قاضی منذر بن سعید بلوطی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی ذکر کیا اور اس مسئلہ میں جداگانہ ایک تصنیف بھی فرمائی اور اسکو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور انکے اصحاب سے بھی نقل کیا ہے۔

اور ابو عبداللہ محمد بن عمر دارمی بن خطیب[3] نے اپنی تفسیر میں ابو القاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی سے نقل کیا ہے اور قرطبی نے بھی معتزلہ اور قدریہ سے اسکو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

اور اسحاق[5] بن یسار نے اس بات کو صراحتہ بیان فرمایا ہے اور یہ ان آیات سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سدیؒ نے ابی صالحؒ و ابی مالکؒ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے اور مرہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے اور دیگر لوگوں نے بھی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا پھر (تنہا) آدم کو داخل جنت کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں پریشان رہتے تھے اور اجنبیت محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کیلئے کوئی ساتھی (بیوی) نہیں تھی جس سے وہ راحت وسکون حاصل کریں تو ایک مرتبہ تھوڑی سی دیر سوئے جب بیدار ہوئے تو اپنے سر کے پاس ایک عورت کو

---

[1] یہ حذیفہ بن یمان حسین بن جابر عبسی ہیں جو ۳۶ھ میں وفات پاگئے، اسد الغابہ ج ا ص ۴۶۳، تھذیب التھذیب ج ا ص ۲۱۹۔
[2] صحیح مسلم کتاب الایمان: باب ادنی جنتی کا جنت میں درجہ۔
[3] یہ ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین بن حسن رازی ہیں۔ لقب فخر رازی ۶۰۶ھ میں وفات پاگئے۔
[5] اسحاق بن یسار ابو بکر المطلبی (تہذیب التھذیب ج ۱۳ ص ۲۳)

بیٹھے پایا۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا تو حضرت آدم علیہ اسلام نے اس سے سوال کیا من انت؟ تو کون ہے؟ کہا کہ میں ایک عورت ہوں پوچھا کہ تو کیوں پیدا کی گئی ہے؟ کہا تا کہ آپ مجھ سے سکون و راحت حاصل کریں تو فرشتے جو کھڑے دیکھ رہے تھے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی وسعت علمی کا اندازہ لگانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا اسکا نام کیا ہے؟ کہا حواء۔ فرشتوں نے پوچھا کہ حواء کیوں؟ کہا کہ اسلئے کہ یہ حسی (جاندار) چیز سے پیدا کی گئی ہے۔

اور محمد بن اسحاق حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حواء حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئی جبکہ یہ سو رہے تھے پھر اس شگاف کو جہاں سے حضرت حواء پیدا کی گئی بالکل گوشت سے برابر کر دیا گیا۔

اس بات کی تائید خود اللہ جل شانہ کے فرمان سے ہوتی ہے فرمایا! پروردگار نے (ترجمہ) اے لوگو ڈرو اس اپنے پروردگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اسکی بیوی کو پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔[1]

اور دوسری جگہ فرمایا (ترجمہ) وہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اسکی بیوی کو پیدا فرمایا تا کہ وہ اس (بیوی) سے راحت و سکون حاصل کرے پس جب (کوئی) مرد کسی عورت پر چھا جاتا ہے تو عورت کو ہلکا سا حمل ٹھر جاتا ہے جسکو اٹھائے چلتی پھرتی ہے۔[2]

صحیحین میں زائدہ حدیث سے ہے مسیرہ اشجعی، ابو حاتم سے اور ابو حاتم حضرت ابو ھریرہ [3] سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ (نرمی اور) خیر خواہی کا برتاؤ رکھو بے شک عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں زیادہ ٹیڑھا حصہ بالائی حصہ ہوتا ہے (جہاں سے اسکی پیدائش ہے) تو پس اگر تم اسکو سیدھا کرنے لگو گے تو تم اسکو توڑ دو گے۔ (یعنی طلاق ہو جائے گی) اور اگر چھوڑ دو گے تو برابر ٹیڑھی (ہی) رہیگی لہذا (بس) عورتوں کی ساتھ خیر خواہی کا معاملہ رکھو (یہ بخاری کے الفاظ ہیں)[4] اور مفسرین کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا کہ ولا تقربا هذه الشجرة[5] کہ اس درخت کے قریب نہ جانا تو وہ کونسا درخت تھا۔

شجر ممنوعہ کی تفصیل:- اسکے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انگور کا تھا اور ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ شعبی، جعدہ بن ھبیرہ، محمد بن قیس، اور سدی سے اور ابن مسعودؓ سے اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ وہ درخت گندم کا تھا۔ اور ابن عباس حسن بصری وھب بن منبہ، عطیہ کوفی، ابی مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمن بن ابی لیلی سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ گندم ہی تھی۔ اور وھب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس درخت کا ایک ایک پھل اور دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے میٹھا تھا اور امام ثوریؒ ابی حصین سے وہ ابی مالک سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں کھجور کے درخت سے ممانعت کی گئی تھی۔

---

[1] سورۃ نساء آیت ۱ [2] سورۃ اعراف آیت ۱۸۹

[3] انکا اصل نام عبدالرحمن بن صخر دوسی ہے ۵۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۷۸) الاصابہ ج ۱ ص ۵۴۳۔

[4] صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب حضرت آدم علیہ السلام اور انکی ذریت کی پیدائش۔ صحیح مسلم کتاب الرضاع باب عورتوں کے بارے میں وصیت (الوصیۃ بالنساء) [5] سورۃ بقرۃ آیت ۳۵

اور ابن جریرؒ حضرت مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ زیتون کا درخت تھا۔ اور قتادہؒ اور جریجؒ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت تھا جسکے کھانے سے انسان ناپاک ہو جائے اور ناپاک آدمی جنت میں کہاں برداشت کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ اختلاف قریبی ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اسکے ذکر اور اسکے متعین کرنے کو مبہم رکھا کہ وہ کونسا درخت تھا اگر اسکے ذکر کرنے میں مصلحت اور فائدہ ہوتا تو ہم کو ضرور بتا دیا جاتا جس طرح دوسری بعض چیزوں کو بھی قرآن میں مبہم رکھا گیا ہے۔

اسکے علاوہ اس بارے میں بھی علماء کا اختلاف رہا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام داخل کیے گئے تھے وہ جنت آیا آسمان میں تھی؟ یا زمین میں (تھی) تو یہ اختلاف بھی ایسا ہے جس سے نکلنا اور اسکا حل کرنا مناسب ہے۔ تو لیجئے سنئے۔

حضرت آدم علیہ اسلام کی جنت آسمان میں تھی یا زمین میں :-

اسمیں جمہور علماء کا یہ فرمان ہے کہ وہ آسمان میں تھی اور جنت الماوی (دائمی) تھی (جسکا نام قرآن میں بھی لیا گیا ہے) اسلئے کہ ظاہری آیات اور احادیث نبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (ترجمہ) اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو[1]

اس آیت میں الجنتہ پر الف لام داخل کیا گیا ہے یہ عمومیت کیلئے بھی نہیں اور نہ معہود لفظی کیلئے ہو سکتا ہے تو ہر حال میں یہ معہود ذھنی کیلئے ہوگا اور وہ شرعاً جنت الماوی کی جگہ ہے۔

اور یہ بات موجودہ توارۃ میں صراحتہ مذکور ہے۔ اور اس مسئلہ میں جن اسلاف علماء کا اختلاف ہے وہ ابو محمد بن حزم[2] نے کتاب (الملل والنحل) میں اور ابو محمد بن عطیہ نے اپنی تفسیر اور ابو عیسی رماتی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اور جمہور سے پہلا قول یہ منقول ہے کہ وہ جنت اصل ہے اور آسمان میں ہے۔

اور ابو القاسم الاغلب اور قاضی ماوردی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ وہ جنت جسمیں حضرت آدم علیہ السلام کو ٹھرایا تھا، اسمیں اختلاف ہے کہ آیا وہ دائمی جنت تھی یا اللہ تعالیٰ نے اسکو عارضی بنو لیا تھا اور اسکو آزمائش و امتحان کی جگہ بنایا تھا اور وہ دائمی جنت نہیں جو ہمیشگی بدلے کا گھر ہے[3]

اور پھر یہ اختلاف کہ وہ جنت آسمان میں تھی اسلئے کہ اس سے نیچے اتارا گیا تھا۔ اور یہ حضرت حسنؒ کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی اسلئے کہ اسمیں دونوں نے امتحان لیا گیا کہ درخت مخصوص سے روکا گیا (اور آزمائش کا گھر زمین ہے) اور یہ ابن یحییٰ کا قول ہے۔ اور یہ ابلیس کو سجدہ کرنے کے حکم سے بعد کی بات ہے (واللہ اعلم)

تو یہ کلام تین اقوال پر مشتمل ہے اور قاضی ماوردی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ابو عبداللہ رازی نے اپنی تفسیر میں چار اقوال نقل کئے ہیں۔ تین تو وہ جو

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ٣٥ [2] یہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب ہیں جو فارسی الاصل تھے۔ ٤٥٧ میں وفات پائی وفیات الاعیان ج ا ص ٣٤٠، طبقات الحفاظ ص ٤٣٦ [3] کارن ص ١٨

ماوردی نے ذکر کئے ہیں اور چوتھا توقف کا ہے۔

اور یہ قول بھی ہے کہ وہ جنت ہے تو آسمان میں لیکن وہ دائمی نہیں تھی بلکہ عارضی تھی اسکو ابو جبائی سے روایت کیا گیا ہے۔[1]

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت زمین پر ہی تھی۔ انکی طرف سے ایک سوال ہوتا ہے جو لائق جواب ہے وہ کہتے ہیں کہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ابلیس نے جس وقت سے سجدہ کرنے سے منہ موڑا تو اللہ عزوجل نے اسکو اپنی بارگاہ الھیہ سے دھتکار دیا اور اسکو وہاں سے اترنے اور نکل جانے کا حکم فرمایا۔

اور جاننا چاہئے کہ یہ حکم شرعی نہ تھا جسکی مخالفت ممکن ہو بلکہ یہ حکم تکوینی تھا جو ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔[2]

تو اللہ تعالیٰ کا شیطان کو یہ نکلنے واترنے کا حکم فرمانا حکم تکوینی تھا فرمایا: نکل اس (جنت) سے حقارت زدہ ہو کر[3]

اور فرمایا: اتر جا اس (جنت) سے پس تیرے لائق نہیں کہ اسمیں بڑائی کرے[4]

اور فرمایا: نکل اس سے بے شک تو مردود ہے[5]

اور مذکورہ آیتوں میں فیھایا منھا کی ضمیر جنت کی طرف یا آسمان کی طرف یا اس کے مرتبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ہر سہ صورت میں حکم تکوینی تقاضا کرتا ہے کہ جہاں سے اسکو دھتکار دیا گیا وہاں یہ نہیں ٹھہر سکتا، نہ بطور ٹھہرنے کے اور نہ بطور گذرنے کے۔

(تو آپ غور کریں) ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا یعنی (شیطان اور امی حواء و آدم علیہ السلام کا اجتماع ہوا ہے۔ کیونکہ آیات میں ہیکہ اس نے آدم کو وسوسے میں ڈالہ اور یوں خطاب کیا (ترجمہ)

کیا میں تم کو دائمی (زندگی دینے والا) درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہی والا جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔[5]

اور شیطان نے کہا (ترجمہ) تمہارے پروردگار نے نہیں منع کیا تم کو اس درخت سے مگر صرف اسی واسطے کہیں تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اور دونوں کو قسم اٹھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کیلئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پھر دونوں کو دھوکے کی راہ پر ڈال دیا۔[6]

تو ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ابلیس انکے ساتھ پھر بھی انکی جنت میں اکٹھا ہوا۔

تو اس اشکال کا جواب یوں بھی دیا گیا ہے وہ وہاں سے گذر سکتا تھا ٹھہر نہیں سکتا تھا لہٰذا گذرنے میں اس نے بہکایا دوسرا جواب یہ ہیکہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دونوں کو وسوسے میں مبتلا کیا یا آسمان

---

[1] تفسیر فخر رازی ج ۳ ص ۴

[2] اسکی مثال یوں سمجھ سکتے ہیں کہ نماز، روزہ کا حکم حکم شرعی ہے تو کوئی اسکو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا اور نہیں پڑھتا، اور حکم تکوینی وہ ہے جو ہمارے اختیار میں نہ ہو جیسے ہمارا مرنا، جینا یا مصیبت وغیرہ کا پیش آجانا اور سورج وچاند وغیرہ کا اپنے اپنے وقت پر طلوع وغروب ہونا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کی بدولت ہو رہا ہے جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوتا اور نافرمانی نہیں ہو سکتی یہ حکم کافر، مسلمان، جاندار، غیر جاندار سب پر ایک طرح کا چلتا ہے۔ (مترجم)

[3] سورۃ اعراف آیت ۱۸ [4] سورۃ اعراف آیت ۱۳

[5] سورۃ ص آیت ۷۷ [6] سورۃ طہٰ آیت ۱۲۰ [7] سورۃ اعراف آیت ۲۰ تا ۲۲

کے نیچے سے انکو ورغلایا۔ لیکن ان تینوں جوابات میں کچھ نظر (لچک) ہے واللہ اعلم

اور وہ لوگ جو زمین پر جنت ہونے کے قائل تھے جن کی طرف سے مذکورہ سوال واعتراض بھی ہوا، وہ زمین پر جنت ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں جسکو عبداللہ بن الامام احمد نے زیادات میں ھدبہ بن خالد سے اور ھدبہ نے حماد بن مسلم سے انہوں نے حمید سے حمید نے حسن بصری سے حسن نے یحیٰی بن حمزہ سعدی سے یحیٰی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ اسلام کا وقت وفات قریب آن پہنچا تو انکو جنت کے انگور کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو آپکے بیٹے اسکی تلاش میں نکلے راستہ میں انکو فرشتے ملے تو فرشتوں نے پوچھا اے اولاد آدم کہاں کا ارادہ ہے۔؟

انہوں نے کہا کہ ہمارے والد معظم کو جنتی انگور کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو فرشتوں نے کہا کہ واپس چلو بس تم آدم کو کافی ہوگئے۔ تو سب واپس لوٹے تو فرشتوں نے روح قبض کرلی پھر فرشتوں ہی نے غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انکی نماز جنازہ پڑھائی پیچھے فرشتوں نے صفیں مرتب کیں، پھر انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کر دیا پھر اولاد کو کہا کہ یہ تمہاری سنت (طریقہ) ہے تمہارے مردوں کیلئے۔

اور اسطرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر زمین پر جنت نہ ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے جنتی انگور کی تلاش میں زمین پر کیوں پھرتے ؟ واللہ اعلم۔

اور جن علماء کا یہ فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین پر تھی ان کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ (ترجمہ) اے آدم آپ اور آپکی بیوی جنت میں رہو[1] تو یہاں اس آیت میں الجنۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس پر الف لام داخل کیا گیا ہے جبکہ اسکا کوئی معہود پہلے نہیں گذرا جس سے کوئی متعین جنت مراد لی جائے۔لھذا یہ الف لام متعین طور پر عہد ذھنی کیلئے ہوگا (جسکا حاصل یہ ہوا کہ یہاں صراحتہ کسی خاص جنت کا ذکر نہیں ہے) لیکن اس بارے میں سیاق وسباق کے کلام سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔ وہ اسطرح کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین سے پیدا کئے گئے اور پھر کہیں یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ پھر انکو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین ہی پر تھی۔ اور الجنۃ میں الف لام سے مراد بھی زمینی جنت ہے۔ اور ہاں یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا بھی تو زمین پر رہنے کیلئے کیا گیا تھا جیسے کہ قرآن کریم نے بیان کیا (ترجمہ) بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں[2] اور اس خیال کے علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ پر آیا ہے (ترجمہ) بے شک ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی[3]

اور یہاں بالکل ظاہر ہے کہ جنت سے مراد زمین کا باغ ہے۔ تو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی جنت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بھی الجنۃ پر الف لام ہے اسکا کوئی معہود لفظی نہیں گذرا بلکہ سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معہود ذہنی کیلئے ہے اور اس سے مراد باغ ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی۔

---

[1] سورۃ بقرہ آیت ۳۵ [2] سورۃ بقرہ آیت ۳۰ [3] سورۃ القلم آیت ۱۷

لیکن اسپر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یوں کیوں حکم دیا گیا کہ اھبطوا منھا کہ جنت سے اتر جاؤ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آیت اور حکم آسمان سے اترنے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اسطرح قرآن میں کئی جگہ ھبوط کا لفظ آیا ہے لیکن وہاں یہ مراد نہیں ہے۔ جیسے کہ قیل ینوح اھبط [1] حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کو اترو اور یہ حکم تب ہوا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں تھے اور وہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تھی اور پانی زمین کی سطح سے خشک ہو چکا تھا۔ تو پھر حکم خداوندی نازل ہوا کہ زمین پر اترو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اتارو اور تم اور ان پر خداوند قدوس کی برکتیں ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو حکم ہو رہا ہے اھبطوا مصر [2] کہ شہر میں اترو۔ اور قرآن میں ایک اور جگہ یہی لفظ آیا ہے وان منھا لما یھبط من الخ [3] یعنی بعضے پتھر ایسے ہوتے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے علاوہ احادیث اور لغت میں بھی یہ لفظ بہت جگہ آیا ہے لیکن یہ معنی مراد نہیں لیا گیا ہے کہ آسمان سے اترو۔

اور اسی خیال کے حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ ھبوط کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں۔ پھر بھی یہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کے زمین پر ہونے سے مانع نہیں ہے۔ بلکہ دونوں باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ اسطرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کی سکونت کی جگہ یعنی جنت زمین کے باقی حصوں میں سے بلندی پر واقع تھی اور وہاں جنت کی تمام آرائش و سہولیات موجود تھیں اور وہ جگہ درختوں، پھلوں، سایوں، نعمتوں، اور خوشیوں سے بھی مزین تھی جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہاں تم پر یہ (آسائش) ہیکہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے [4]

یعنی آپکے باطن کو بھوک لاحق نہ ہوگی اور آپکا ظاہر کپڑوں سے محتاج نہ ہوگا۔ اور آگے فرمایا اور یہ کہ نہ پیاسے رہو، اور نہ دھوپ کھاؤ۔ یعنی آپکے باطن کو پیاس کی گرمی نہ چھوئے گی اور آپکے ظاہر کو سورج کی گرمی نہ چھوئے گی۔ اور یہ قرآن کی وضاحت وبلاغت ہے پہلے بھوک اور ننگ کو ساتھ بیان کیا پھر پیاس اور دھوپ کو ساتھ بیان کیا۔ اسلئے کہ دونوں کی آپس میں مناسبت وربط ہے۔

لیکن جب حضرت آدمؑ سے لغزش صادر ہوگئی تو ان جنتی آرائش سے آپکو ایسی زمین میں اتار دیا گیا، جہاں محنت و مشقت، بدقسمتی و سختی، امتحان وآزمائش تھی اور وہاں لوگوں کے اندر دین میں، اخلاق میں، اعمال میں، معیشت میں، اقوال میں، افعال میں غرض ہر چیز میں ایک دوسرے سے اختلاف و پھوٹ تھا جو عذاب کی ایک قسم ہے۔

تو خیر اس مذکورہ بات سے یہ مدعا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ زمینی جنت میں تھے پھر لغزش کی وجہ سے ان کو زمینی مشقت میں ڈال دیا گیا۔

اور اسی طرح اللہ کا قرآن میں یہ فرمان ہے کہ تمہارے لئے زمین میں ایک مقرر وقت تک ٹھکانہ ہے [5] تو اس فرمان سے بھی حضرت آدمؑ کو لازم نہیں آتا کہ پہلے حضرت آدمؑ آسمان میں تھے پھر زمین میں بھیجا

---

[1] سورۃ ہود آیت ۴۸
[2] سورۃ بقرہ آیت ۶۱
[3] سورۃ بقرہ آیت ۷۴
[4] طٰہٰ آیت ۱۱۸۔ ۱۱۹
[5] سورۃ بقرہ ۳۶

گیا کیونکہ اسطرح تو بنی اسرائیل کو بھی یوں حکم ہوا۔

اور ہم نے اس (فرعون کے مرنے) کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم کو لپیٹ کر لے آئیں گے۔ تو دیکھئے کہ یہاں بھی زمین میں رہنے کا فرمایا تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ یہ آسمان سے اتارے گئے تو اسی طرح حضرت آدمؑ کو بھی زمین پر رہنے کا جو حکم ہے، اس سے یہ نہیں مراد ہو سکتا کہ آسمان سے زمین میں آنے کا حکم ہے۔

تنبیہ :- یاد رکھنا چاہئے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ رائے وخیال سے منکرین جنت و جہنم کی تائید کسی طرح نہیں ہوتی کیونکہ اس رائے سے یہ کہاں لازم آتا ہے؟ اور کہاں سمجھ آتا ہے؟ کہ یہ آج کے اندر جنت و جہنم کے وجود کے منکر ہیں، بلکہ اس خیال کے بزرگوں اور علماء سے آج میں بھی جنت و جہنم کا وجود منقول و ثابت ہے۔

جیسا کہ بہت ساری آیات واحادیث صحیحہ اس عقیدے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہو گئے، ساتھ میں انکی زوجہ محترمہ حضرت حواء بھی تھیں۔ تو پھر ابلیس لعین نے دونوں کو پھسلانا چاہا، قرآن میں ہے۔ پھر شیطان نے دونوں کو اس (جنت) سے پھسلایا (اور) پھر وہ دونوں جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے شیطان نے انکو نکلوادیا۔ [۱] یعنی نعمت ورحمت، تر و تازگی وخوشی وسرور سے نکلوا کر محنت ومشقت، تکالیف وآلائش میں ڈلوادیا۔ اس طرح کہ شیطان ملعون نے دونوں کے دلوں میں وسوسے مزین کرنا شروع کر دیئے جیسے قرآن نے فرمایا: پھر ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا تاکہ انکے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے، اور کہنے لگا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو۔ [۲] یعنی تمہارے رب نے تم کو اس درخت کے کھانے سے صرف اسلئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، کیونکہ اگر تم اس درخت سے کھاؤ گے تو اسی طرح ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو خوب یقین دلانے کیلئے قسم اٹھالی قرآن میں ہے۔ اور شیطان نے دونوں کے سامنے قسم اٹھالی کہ بے شک میں تم دونوں کیلئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ [۳]

اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا۔ تو شیطان نے انکے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں؟ (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (پھل دے) اور (ایسی) بادشاہت، کہ کبھی زائل نہ ہو۔ [۴] یعنی میں تم کو ایسا درخت بتاتا ہوں کہ اگر اس سے کھالیا جائے تو یہ تمہاری نعمتیں فرحتیں آسائشیں ہمیشہ کیلئے ہو سکتی ہیں اور آپکو ایسی بادشاہت مل سکتی ہے جو کبھی فنانہ ہوگی اور نہ اسمیں کبھی کمی آئے گی۔ اور یہ بات محض دھوکہ اور فریب اور جھوٹ کا پلندہ تھا حقیقت کے ساتھ اسکا کوئی واسطہ نہ تھا۔

اور اسکا مطلب تھا کہ جب اس سے آپ کچھ کھالیں گے تو آپکو دائمی زندگی مل جائے گی۔

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۳۶ [۲] اعراف ۲۰۔ [۳] اعراف ۲۱۔
[۴] سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۰

اور شاید ایسا ہو بھی سکتا ہو جیسے کہ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بے شک جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اسکے سائے میں سو سال تک چلتا رہے پھر بھی اس سائے کو طے نہ کر سکے۔ (وہ) دائمی (زندگی کا) درخت ہے۔ اسی طرح یہ بات غندر اور حجاج سے بھی مروی ہے اور انہوں نے شعبہ سے اسکو روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد طیالسی نے بھی اپنی مسند میں شعبہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ غندر نے حضرت شعبہ سے پوچھا کہ وہ واقعی ہمیشگی (زندگی) کا درخت ہے؟ تو شعبہ نے فرمایا دونوں جلہ حدیث میں یہ (ہمیشگی کے درخت کی) بات نہیں ہے، امام احمد کا اسمیں منفرد قول ہے۔

اور جب شیطان لعین نے قسم کھالی تو پھر حضرت آدمؑ کو اللہ کے نام کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ اللہ کی قسم اٹھا رہا ہے اور مسلمان عام طور پر اس موقع پر جہاں اللہ کا نام ہو وہاں یقین کر لیتے ہیں۔ تو حضرت آدمؑ بھی شیطانی دھوکے میں آگئے قرآن میں ہے۔ پھر (مردود نے) دھوکا دیکر انکو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھالیا تو انکے ستر کی چیزیں کھل گئیں۔ اور بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے[1] اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو انپر انکی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔[2]

اور حضرت حواء علیہا السلام نے اس پھل کے کھانے میں پہل کی تھی۔ اور پھر حضرت آدمؑ کو بھی کھانے پر اکسایا۔ واللہ اعلم

اور اسی پر محمول ہے اور اسی بات کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جو بخاری میں حضرت ابو ہریرہ، حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت نہ سڑتا اور حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی خیانت نہ کرتی معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو اس ممنوع پھل کھانے پر حضرت حواء نے اکسایا تھا۔

اور یہ حدیث مختلف طریق سے کئی حدیثوں میں منقول ہے۔

اور آسمانی کتاب تورات جو آجکل اسرائیلیوں کے ہاتھ میں ہے اسمیں ذکر ہے کہ حضرت حواء کو اس پھل کے کھانے پر سانپ نے اکسایا تھا، اور وہ سانپ اچھی اور عمدہ نسل والا تھا[3] تو حواء نے اسکی بات مانتے ہوئے وہ پھل کھالیا پھر حضرت آدم کو بھی کھلایا اور تورات میں ابلیس کا (اس موقع پر) ذکر نہیں ہے۔ تو پھر دونوں کی آنکھیں کھلیں اور پتہ چلا کہ دونوں ننگے ہیں، پھر زیتون کے پتے اپنے بدنوں پر چپکانے لگے اور معتوب ہو گئے۔ تورات میں دونوں کے ننگے ہونے کا ذکر ہے۔ اور وھب بن منبہ کا قول بھی اس طرح ہے کہ دونوں کا لباس محض شروع سے ایک روشنی سی تھی جو دونوں کی شرم گاہوں کو چھپائے ہوئی تھی۔

---

[1] اعراف آیت ۲۲ [2] سورہ طہٰ آیت ۱۲۱

[3] امام قرطبی حضرت وھب کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابلیس جنت میں یوں داخل ہوا کہ وہ سانپ کے منہ میں گھس گیا، اور اسوقت سانپ چوپایہ ہوتا تھا اونٹ کی طرح اور بہت عمدہ شکل ہوتی تھی۔ اور منقول ہے کہ یہ سانپ جنت میں حضرت آدمؑ کا خادم تھا، لیکن اس نے شیطان کو حضرت آدمؑ پر قدرت دیکر حضرت آدمؑ سے خیانت کی ج ۱ ص ۲۶۷

لیکن خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ موجودہ تورات جو اہل کتاب کے پاس ہے یہ تحریف شدہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ سمجھنا کہ تورات میں ہے کہ شروع سے حضرت آدمؑ ننگے تھے صحیح نہیں یہ تقریبا تحریف شدہ بات ہے کیونکہ قرآن مقدس میں ہے، شیطان نے دونوں سے انکے لباس اتروا دیئے، تاکہ ان پر انکی شرم گاہوں کو کھول دے، اور آسمانی کتابوں کی خبروں میں تضاد نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت ابی بن کعبؓ حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو لمبے قد والا اور گھنے بالوں والا پیدا فرمایا تھا گویا کہ وہ کھجور کا گھنا درخت ہے، پھر جب آدمؑ نے اس درخت سے چکھ لیا تو انکا لباس اتر گیا، پھر سب سے پہلے انکی شرم گاہ ظاہر ہوئی، جب انکی نظر اپنی شرم گاہ پر پڑی تو جنت میں بھاگنے لگے راستے میں ایک درخت میں بال پھنس گئے پھر آدمؑ نے اپنے کو چھڑانا چاہا تو تب رحمٰن عزوجل نے ندا دی اے آدمؑ: مجھ سے بھاگتے ہو؟ تو آدمؑ نے جب رحمٰن کا کلام سنا تو عرض کیا: اے پروردگار: نہیں بلکہ شرم کی وجہ سے (بھاگ رہا ہوں) اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو فرمایا کہ وہ جنت کے پتے اپنے پر چپکانے لگے، اس سے مراد زیتون کے درخت کے پتے ہیں۔

اور اس قول کی اسناد بھی صحیح ہے اور یہ بات اہل کتاب سے بھی منقول ہے جیسے کہ گذرا اگرچہ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ وہ درخت عام ہے، لیکن مذکورہ بات کو قبول کرنے سے کوئی منع و رکاوٹ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارے باپ آدمؑ کھجور کے درخت کی طرح قد آور تھے، ساٹھ ہاتھ انکا قد تھا، بہت زیادہ اور لمبے لمبے بال تھے، (لباس سے) ستر چھپا ہوا تھا، پھر جب جنت میں ان سے لغزش صادر ہوگی تو، انکی شرم گاہ ان پر کھل گئی پھر جنت سے نکلے تو (راستے میں) ایک درخت نے بالوں سے انکو الجھا لیا، پھر انکے پروردگار نے انکو آواز دی اے آدمؑ: مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں بلکہ آپ سے شرم و حیا کی وجہ سے اس چیز پر، جس کا مجھ سے ارتکاب ہوا، آپکی قسم اے پروردگار (یہی بات ہے)

مذکورہ روایت ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور اسمیں آگے جاکر حسن بصری ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی ملاقات نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے ابن عساکر نے یہ حدیث سعید ابن ابی عروبہ کے طریق سے نقل کی جس میں یحیٰ بن حمزہ ابی بن کعب سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لھذا یہ سند و روایت زیادہ صحیح ہے۔

اور انکے علاوہ خیثمہ بن سلیمان کے طریق سے بھی اسکو نقل کیا جسمیں راوی صحابی حضرت انس مرفوعا نقل کرتے ہیں۔

پھر پروردگار قرآن میں فرماتے ہیں۔ اور انکو انکے پروردگار نے آواز دی، کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے منع نہ کیا تھا؟ اور میں نے کہہ نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ تو پھر دونوں نے عرض کیا اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہم کو معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحمت نہ کریں گے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔[1]

---

[1] اعراف آیت ۲۲۔ ۲۳

یہ اپنی غلطی کا اعتراف اور اس سے ندامت ورجوع اور بارگاہ خداوندی میں عاجزی، وانکساری اور اپنی فقیری واحتیاجی کا بیان ہے۔ اور آپکی اولاد میں سے بھی جو اس رازونیاز کے ساتھ خدا کی بارگاہ، میں گڑگڑائے گا وہ بھی دنیاوآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا۔

پھر پروردگار آدم وحواء کو فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ اتر جاؤ تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہونگے، اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک مقرر وقت تک ٹھرنا ہے۔[1]

تو یہ آدم وحواء کو حکم تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساتھ میں سانپ بھی اس حکم میں داخل تھا اور انکو حکم ہوا ۔ وہ جنت سے نکلیں اسطرح کہ انکے آپس میں فساد ودشمنی جاری رہے گی۔

اور سانپ کے بارے میں مذکورہ بات پر اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے سانپ کے مارنے کا حکم فرمایا۔ تو یہ اسی وجہ سے ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

جب سے ہم نے ان (سانپوں) کے ساتھ جنگ مول لی ہے تب سے ہم ان سے صلح نہیں کرتے۔[2]

اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تثنیہ کے صیغے اھبطا سے مراد جمع ہی ہے جیسے قرآن میں دوسری جگہ آیا،

داؤد وسلیمٰن اذیحکمٰن فی الحرث اذنفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین[3]

تو یہاں لحکمهم میں جمع کی ضمیر مذکور ہوئی جبکہ مراد دو ہیں۔

اور سورۂ بقرہ کی آیت ۳۶ میں تو فرمایا! تم اتر جاؤ، تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے پھر آیت ۳۸ ور ۳۹ میں فرمایا! اور ہم نے کہا، اس جنت سے تم سب اتر جاؤ، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو، جس نے میری ہدایت کی اتباع کی، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو بعض مفسرین نے فرمایا! پہلے، اترنے کے حکم سے مراد ہے! جنت سے آسمان دنیا پر اترنے کا حکم اور دوسرے اترنے کے حکم سے مراد ہے! آسمان دنیا سے زمین پر۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ پہلے ہی حکم میں یہ فرمان ہے، اور تم اترو، تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ہی حکم میں زمین کی طرف کا حکم ہے، واللہ اعلم

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ صرف لفظوں میں اس کو مکرر ذکر کیا گیا ہے ورنہ معناً ایک ہی مرتبہ کا حکم مراد ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہر دفعہ میں حکم سے نیا فائدہ مقصود ہو، کیونکہ پہلے حکم میں باہمی دشمنی کا ذکر فرمایا، اور دوسرے حکم میں فرمایا کہ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ صاحب جنت ہوگا اور نیک بخت ہوگا، ورنہ وہ صاحب جہنم ہوگا اور بدبخت ہوگا۔

اور اس طریقے کو قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور حافظ ابن عساکر، مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے دو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم اور حواء کو میرے پڑوس سے نکالو! تو جبرئیل نے سر سے تاج اتارا اور میکائیل نے پیشانی سے (عزت کا) ٹیکا اتارا، پھر یہ کسی درخت کی ٹہنی میں پھنس گئے، تو انھوں نے خیال کیا بس اب تو جلدی سے عذاب میں پکڑے گئے ہیں، اور پھر اپنا سر جھکا لیا، اور پکارنا شروع ہو گئے معافی،

---

[1] اعراف ۲۴ [2] امام احمد نے اپنی مسند میں اسکو تخریج فرمایا ج ۱ ص ۲۳۰ [3] الانبیاء آیت ۷۸

معافی، تو اللہ عزوجل نے فرمایا (اے آدم) کیا مجھ سے بھاگ کر جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا بلکہ اے میرے آقا آپ سے حیا کی وجہ سے۔

اور امام اوزاعی[1] حسان یعنی ابن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم جنت میں سو سال ٹھہرے، اور ایک روایت میں ہے، ساٹھ سال ٹھہرے، اور جنت سے نکالنے پر ستر سال روتے رہے، اور اپنے گناہ پر بھی پھر ستر سال تک روتے رہے پھر اپنے بیٹے ہابیل کے قتل پر بھی چالیس سال تک آہ وزاری کرتے رہے، ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

[2] اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا! حضرت آدم کو دحنا زمین پر اتارا گیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔

اور حضرت حسنؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا! حضرت آدم ہند میں اترے، اور حضرت حواء جدہ میں اور ابلیس، بصرہ سے چند میلوں کے فاصلے پر دستیمان مقام میں اترا، اور سانپ اصبہان میں، ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے

اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں! کہ حضرت آدم جنت سے ہند اترے تو ان کے پاس حجر اسود بھی تھا، اور جنت کے درختوں کے پتوں کی ایک مٹھی بھی تھی، پھر حضرت آدم نے ان پتوں کو ہند میں پھیلا دیا اور یہ خوشبودار درخت انہی کی پیداوار ہیں۔

اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدم صفاء پہاڑی پر اترے، اور حضرت حوا مروہ پہاڑی پر اتریں، ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

[3] اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم کو جنت سے زمین پر اتارا گیا، تو ان کو ہر چیز کی صنعت وکاریگری سکھادی گئی، اور جنت کے پھلوں کو بطور توشے کے ساتھ کر دیا، تو یہ تمہارے موجود پھل در حقیقت ان کی اصل جنت کے پھلوں سے ہے، ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ سڑتے ہیں اور وہ ہمیشہ صحیح رہیں گے۔

[4] اور امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! حضرت آدم جنت میں صرف عصر اور مغرب کے درمیانی وقت تک رہے ہیں اور حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

اور صحیح مسلم میں زہری کی حدیث، اعرج سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ! حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے بہترین دن، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی، اور اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اور اسی دن جنت سے ان کو نکالا گیا۔ [5]

---

[1] اوزاعی وہ عبد الرحمن بن عمرو ابو عمرو الاوزاعی ہیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائی (طبقات الحفاظ ص ۷۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸) [2] وقال ابن ابی حاتم! حدثنا ابو زرعہ، حدثنا عثمان بن ابی شیبہ، حدثنا جریر، عن سعید، عن ابن عباس۔

[3] قال عبدالرزاق، قال معمر اخبرنی عوف، عن قسامہ بن ذهیر، عن ابی موسیٰ اشعری. [4] قال الحاکم فی مستدرکہ: انبانا ابوبکر بن بالویہ، عن محمدبن احمد بن النضر، عن معاویہ بن عمرو، عن زائدہ، عن عمار بن ابی معاویہ البجلی عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس [5] کتاب الجمعة باب فضل یوم الجمعة

اور صحیح (بخاری) میں ایک دوسری وجہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی، نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں اور اسی (جمعے کے) دن میں قیامت قائم ہوگی۔

[1] اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی، اور اسی میں ان کا جنت میں دخول ہوا، اور اسی میں ان کو جنت سے نکالا گیا، اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔

[2] اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! کہ حضرت آدم و حواء کو ننگا اتارا گیا تھا، ان پر جنت (کے درختوں) کے پتے تھے، پھر حضرت آدم کو تپش لاحق ہوئی، تو بیٹھ کر رونا شروع ہو گئے اور فرمایا! اے حواء مجھے گرمی نے تکلیف میں ڈال دیا ہے تو پھر حضرت جبرئیل روئی لے کر نازل ہوئے اور پھر حضرت جبرئیل نے حواء کو فرمایا کہ اس کو کات کر سوت بنالو، پھر ان کو سکھایا اور پھر حضرت آدم کو (کاتے ہوئے سوت سے دھاگا بنانا اور پھر) کپڑا بنانے کا حکم فرمایا، اور یہ صنعت سکھائی، اور فرمایا کہ حضرت آدم جنت میں اپنی بیوی (حضرت حواء) سے ہمبستری نہ فرماتے تھے حتی کہ جب اپنی لغزش کی بناپر جنت سے اتارے گئے اور زمین پر پھر دونوں جدا جدا سوتے تھے ایک وادی بطحاء میں تھا دوسرا کسی اور کونے میں حتی کہ پھر حضرت جبرئیلؑ، حضرت آدمؑ کے پاس آئے اور حکم فرمایا کہ اپنی بیوی کے پاس آئیں، اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے پھر ان کو مباشرت سکھلائی، پھر بعد میں حضرت جبرئیل حضرت آدم کے پاس آئے، اور ان سے پوچھا کہ حواء کو کیسا پایا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا، بہت اچھا۔

لیکن یہ مذکورہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا (نبی علیہ السلام تک اسطوں کا پہنچنا) بھی بہت ہی منکر ہے، اور بعض سلف کے کلام میں ہے کہ (اس حدیث کے راویوں میں سعید بن میسرہ وہ ابو عمران بکری، بصری ہے، جس کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے، اور ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ من گھڑت حدیثیں روایت کرنے والا ہے، اور ابن عدیؒ فرماتے ہیں اس کا معاملہ تاریک ہے۔ [3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :- پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے، پھر اللہ آدم علیہ السلام پر متوجہ ہوا (یعنی آدم کی توبہ قبول فرمائی) بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ [4] اور حضرت آدم نے جو کلمات سیکھے، وہ کون سے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ وہ یہ کلمات ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [5]

اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہمیں معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ہم ضرور خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔

یہ مروی ہے مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابو العالیہ اور ربیع بن انس اور حسن اور قتادہ اور محمد بن کعب اور خالد

---

[1] وقال احمد! حدثنا محمد بن مصعب، حدثنا الاوزاعی، عن ابی عمار، عن عبداللہ بن فروخ، عن ابی ھریرہ

[2] فاما الحدیث الذی رواہ ابن عساکر من طریق ابی القاسم البغوی حد ثنا محمد بن جعفر الور کان، حدثنا سعید بن میسرہ عن انس، قال.......

[3] اور علامہ سیوطی نے الدر میں ج ا ص ۱۳۸ پر اس کو تخریج فرمایا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[4] سورۃ بقرہ آیت ۳۷۔ [5] اعراف ۲۳۔

بن معدان اور عطاء خراسانی اور عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ان تمام حضرات سے۔[1]

[2] اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، اے میرے پروردگار! اگر میں توبہ کرلوں اور رجوع کرلوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا میں جنت میں واپس لوٹا دیا جاؤں گا؟ تو رب نے فرمایا جی ہاں۔

تو یہ ہے وہ بات کہ حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے۔

لیکن یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے

اور ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں

اللهم لا اله الا انت سبحانك و بحمدك، رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انك خير الراحمين، اللهم لا اله الا انت سبحانك و بحمدك، رب انی ظلمت نفسی فتب علی انك انت التواب الرحيم [3]

(ترجمہ) اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں اے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس میری مغفرت فرما دے، بے شک آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری توبہ قبول فرما بے شک آپ بہت توبہ قبول کرنے والے رحیم ہیں۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کلمات جو آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سیکھے، وہ یہ ہیں! حضرت آدم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا! اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا نہیں فرمایا؟ کہا گیا! کیوں نہیں؟ بالکل، پھر عرض کیا! اور کیا آپ نے مجھ میں اپنی روح مبارک نہیں پھونکی؟ جواب دیا گیا، کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا: اور میں چھینکا تو آپ نے کہا کہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، اور بے شک آپ کی رحمت کیا آپ کے غضب پر سبقت نہیں لے جاتی؟ جواب ملا کیوں نہیں؟ بالکل، پھر عرض کیا! اور کیا آپ نے میری تقدیر میں لکھ نہیں دیا تھا کہ میں ایسا ایسا کروں گا؟ جواب ملا، کیوں نہیں؟ بالکل، تو پھر عرض کیا تو بس اگر میں توبہ تائب ہو جاؤں، تو کیا آپ مجھے جنت میں واپس لوٹا دیں گے؟ جواب ملا: جی ہاں۔

پھر امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو تخریج نہیں فرمایا۔[4]

[5] اور حضرت عمر [6] سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت آدم سے لغزش صادر ہو گئی، تو انھوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار میں آپ سے محمد کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیں، اللہ رب العزت نے فرمایا تو نے محمد کو کیسے جان لیا؟ جبکہ اس کو اب تک

---

[1] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹۳ . [2] وقال ابن ابی حاتم ! حدثنا علی بن الحسن بن اسکاب، حدثنا علی بن عاض، عن سعید بن ابی عروبه عن قتاده عن الحسن عن ابی بن کعب . [3] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹٤

[4] المستدرک ج ۲ ص ۵۴۵ [5] وروی الحاکم ایضا والبیهقی و ابن عساکر من طریق عبدالرحمن بن زید بن اسلم، عن ابیه عن جده عن عمر بن الخطاب قال (ابن کثیر) .

[6] عمر وہ ابو حفص عدوی، الفاروق ہیں۔ ۲۳ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ (اسد الغابہ ج ۴۔ ص ۱۴۵، الاصابہ ج ۲ ۵۱۱، طبقات الحفاظ ص ۳۔

میں نے پیدا نہیں فرمایا۔

حضرت آدم نے عرض کیا! اے پروردگار...... میں نے اس طرح جان لیا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور آپ نے مجھ میں جان ڈالی، تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش پر لکھا دیکھا تھا۔ لا الله الا الله محمد رسول الله، تو میں نے جان لیا تھا کہ جس ذات کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوا ہے، اس سے بڑھ کر آپ کے نزدیک اور کوئی محبوب نہیں ہو سکتا۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلے سے مجھ سے مانگ لیا تو پس میں نے تیری بخشش کر دی، اور اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا[1]

اور یہ واقعہ اس آیت کے مضمون پر دلالت کرتا ہے اور آدم سے اپنے رب کی لغزش صادر ہو گئی، اور وہ بہک گئے، پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر اپنی مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوا اور ان کو سیدھی راہ بتلائی۔ طہ ۲۔۱۲۱

---

[1] مستدرک حاکم میں اس پر تصحیح نہیں دی گئی ہے اور اس حدیث کو طبرانی نے معجم صغیر میں ج ۲ ص ۳۔۸۲ پر نقل فرمایا اور فرمایا: حضرت عمر سے اس اسناد کے ساتھ روایت کی جاتی ہے اور احمد بن سعید نے اس کے ساتھ تفرد اختیار کیا ہے) اور اس کی سند میں جو عبدالرحمن بن زید بن اسلم وہ تمامہ سے ضعیف ہیں۔

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ

[1] حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ، حضرت آدم سے ہمکلام ہوئے: اور فرمایا آپ ہی ہیں وہ؟ جن کی لغزش کی بناء پر انسانوں کو جنت سے نکالا گیا، اور آپ نے ان کو اس نصیب سے محروم کر دیا۔

پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو فرمایا آپ وہ (عظیم شخصیت ہیں) جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (اتنی مرتبت کے باوجود) آپ مجھے ملامت کرتے ہیں، اس بات پر جس کو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری قسمت میں لکھ دیا تھا؟

حضور ﷺ نے فرمایا تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔[2]

[3] اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! حضرت آدم و موسیٰ کی باہمی، مناظرانہ گفتگو ہوئی، تو حضرت آدم کو حضرت موسیٰ نے فرمایا، آپ آدم ہیں اور آپ کو آپ کی لغزش نے جنت سے نکالا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا: اور آپ موسیٰ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنی رسالت، اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا پھر آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟

حضور ﷺ نے فرمایا، پس حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے، آپ نے دو مرتبہ یوں فرمایا۔[4] اور دوسرے طریق سے یوں بھی روایت مروی ہے۔

[5] کہ حضرت ابو ہریرہ، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا، اے آدم آپ ہی ہیں وہ جن کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اور اس میں اپنی روح مبارک پھونکی، اور آپ نے لوگوں کے ساتھ فریب دہی کی، اور ان کو جنت سے نکلوادیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ پھر وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا، پھر آپ مجھے ملامت کرتے ہیں اس بات پر جس کو میں نے کیا اور اللہ

---

[1] قال البخاری: حدثنا قتیبہ، حدثنا ایوب بن النجار، عن یحیی بن ابی کثیر، عن ابی سلمه عن ابی هریرةؓ ..... متن. [2] وقدرواه مسلم عن عمرو الناقد، والنسائی عن محمد بن عبدالله بن یزید، عن ایوب بن النجار به قال ابو مسعود، دمشقی! ولم یخرجا عنه (ایوب بن النجار) فی الصحیحین سواه.

[3] وقال الامام احمد! حدثنا ابو کامل، حدثنا ابراهیم، حدثنا ابو مهتاب، عن حمید بن عبدالرحمن، عن ابی هریرة

[4] قلت وقد روی هذا الحدیث البخاری و مسلم من حدیث الزهری عن حمید بن عبدالرحمن، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ بنحوه. [5] وقال الامام احمد، حدثنا معاویة بن عمرو، حدثنا زائده، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ....

نے وہ میرے لئے زمین آسمان کی پیدائش سے پہلے لکھ دی تھی؟ تو آدم، موسیٰ پر غالب آگئے۔[1]

اور امام احمد فرماتے ہیں! کہ حضرت ابو ہریرہ سے سنا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہمیں نقصان میں ڈال دیا؟ اور آپ نے ہمیں جنت سے نکلوادیا؟ تو حضرت آدم نے جواب مرحمت فرمایا: اے موسیٰ آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی ہمکلامی کے لئے چنا اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے چنا، اور آپ کے لئے اپنے ہاتھ سے (کتابِ تورات) لکھی تو کیا آپ (اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد) مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میرے لئے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ ڈالی تھی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ پر غالب آگئے۔[2]

[3] اور بخاری میں ہے کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا، اے آدم آپ ہمارے (جدِ امجد) والد ہیں، آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا، اور ہمیں جنت سے نکلوادیا، تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور آپ کو تورات مرحمت فرمائی، تو کیا آپ؟ مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں، جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری قسمت میں لکھ دی تھی؟ تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے، حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے، حضرت آدم، حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ (اس طرح تین بار فرمایا)[4]

[5] اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا آدم کی موسیٰ سے ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا، اور آپ کو جنت میں ٹھکانا دیا۔ پھر آپ نے وہ کچھ کیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ موسیٰ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنا ہمکلام بنایا، اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا، اور آپ پر تورات نازل فرمائی، تو کیا میں پہلے ہوں؟ یا تقدیر؟ فرمایا نہیں بلکہ تقدیر پہلے ہے، تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔

---

[1] قالوقد رواه الترمذی والنسائی جمیعا عن یحیی بن حبیب بن عدی، عن محمدبن سلیمان، عن ابیه عن الاعمش به، قال الترمذی و هو غریب عن حدیث سلیمان التیمی عن الاعمش قال، وقدرواه بعضهم عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید، قلت، هکذا رواه الحافظ ابوبکر البزار فی "مسنده" عن یحیی بن مثنی، عن معاذ بن اسد، عن الفضل بن موسیٰ، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید، ورواه البزار ایضاً: حدثنا عمرو بن علی الفلاس، حدثنا ابومعاویه، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی هریره، اوابی سعید عن النبی ﷺ ذکر نحوه.

[2] وقال احمد حدثنا سفیان عن عمرو سمع طاوسا، سمع اباهریرة. [3] وهکذا رواه البخاری عن علی بن المدینی، عن سفیان قال، حفظناه من عمرو، عن طاوس قال. [4] قال سفیان، حدثنا ابو الزناد، عن الاعرج، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ .. وقد رواه الجماعة الا ابن ماجة من عشر طرق، عن سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار، عن عبدالله بن طاوس، عن ابیه، عن ابی هریره، عن النبی ﷺ نحوه.

[5] وقال احمد، حدثنا عبدالرحمن، حدثنا حماد، عن عمار، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ قال

[1] اور گذشتہ روایت تو ابوہریرہ سے عمار کی تھی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ۔ [2] محمد بن سیرین حضرت ابوہریرہ سے یوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت آدم سے حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور اپنی جنت میں آپ کو ٹھکانہ بخشا، اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، پھر آپ نے کیا جو کیا؟ تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب عنایت فرمایا! آپ وہ ہیں؟ جس سے اللہ نے کلام کیا اور اس پر اپنی کتاب تورات نازل فرمائی؟ فرمایا: جی ہاں۔ تو پھر حضرت آدم نے فرمایا! تو کیا آپ اس میں یہ لغزش، میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھی نہیں پاتے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر حضور نے فرمایا: آدم، موسیٰ پر غالب آگئے، آدم، موسیٰ پر غالب آگئے۔ [3]

[4] اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: یزید بن ہرمز نے فرمایا کہ میں نے (بھی) حضرت ابوہریرہؓ کو یہ فرماتے سنا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کے آپس میں بحث ہوئی، حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، آپ ہیں وہ جن کو اللہ عزوجل نے اپنے دست (قدرت) سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ اپنی جنت میں آپ کو سکونت عطا فرمائی، پھر آپ نے اپنی لغزش کی بناء پر، انسانوں کو زمین پر اتار دیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا، آپ موسیٰ ہیں، آپ کو اللہ عزوجل نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا، اور آپ کو الواح (تختیاں) عطا فرمائیں، جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، اور آپ کو سرگوشی اور راز و نیاز کے لئے اپنے قریب کیا، تو کیا آپ کو علم ہے؟ کہ اللہ نے وہ تورات (میری پیدائش سے) کتنا عرصہ پہلے لکھی تھی؟ فرمایا، جی ہاں، چالیس سال تو حضرت آدم نے فرمایا، تو کیا آپ نے اس میں یہ لکھا (نہیں) پایا؟ اور آدم نے اپنے پروردگار کا حکم پورا نہ کیا، اور وہ بھٹک گیا، حضرت موسیٰ نے جواب دیا، جی ہاں پایا ہے تو حضرت آدم نے فرمایا، تو کیا اب آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے سے میرے ذمے لکھ دی تھی؟ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، آدم، موسیٰ پر غالب آگئے۔ [5]

[6] اور امام احمد فرماتے ہیں، کہ حضرت ابی سلمہ کی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، حضرت آدم و موسیٰ کی بحث ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، اے آدم آپ ہیں وہ

---

[1] قال احمد، وحدثنا عفان، حدثنا حماد، عمار بن ابی عمار، عن ابی هریره، عن النبی ﷺ..... وحمید، عن الحسن، عن رجل قال حماد اظنه جندب بن عبدالله البجلی عن النبی ﷺ قال لقی آدم موسی فذکر معناه.

[2] وقال احمد، حدثنا حسین، حدثنا جویر، هوابن حازم، عن محمد، هو ابن سیرین، عن ابی هریرهؓ.

[3] وکذارواه حماد بن زید عن ایوب، وهشام بن سیرین، عن ابی هریرةؓ رفعه، وکذا رواه علی بن عاصم، عن خالد، وهشام، عن محمد بن سیرین و هذا علی شرطهما من هذه الوجوه.

[4] وقال ابن ابی حاتم! حدثنا یونس بن عبدالاعلی، انبانا ابن وهب، اخبرنی، انس بن عیاض، عن الحارث عن ابی ذباب، عن یزید بن هرمز سمعت اباهریرةؓ یقول قال رسول الله ﷺ

[5] قال الحارث، وحدثنی عبدالرحمن، بن هرمز بذلك، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ و قدرواه مسلم عن اسحاق بن موسی الانصاری، عن انس بن عیاض عن الحارث بن عبدالرحمن نحوه.

[6] وقال احمد: حدثنا عبدالرزاق، انبانا معمر، عن الزهری، عن ابی سلمة، عن ابی هریره قال

جس نے اپنی ذریت واولاد کو جہنم میں داخل کرادیا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا، اے موسیٰ آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے چنا، اور تورات آپ پر نازل فرمائی، تو کیا آپ نے (اس میں) پایا کہ میں اتارا جاؤں گا؟ فرمایا جی ہاں۔ تو حضور نے فرمایا پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔[1]

اور حضرت موسیٰ کی یہ بات کہ آپ نے اپنی اولاد کو جہنم میں داخل کروادیا، اس میں اجنبیت ہے (بظاہر یہ منقول نہیں)

[2] یہ مذکورہ تمام روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھیں، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ یوں مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی، اے میرے پروردگار ہمیں آدم دکھلائیے، جنہوں نے ہم کو اور اپنے آپ کو بھی جنت سے نکالا۔ تو اللہ رب العزت نے حضرت آدمؑ انکو دکھلادیئے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: آپ آدم ہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔ پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا: آپ ہی ہیں وہ جن میں اللہ نے اپنی روح پھونکی، اور آپکو فرشتوں سے سجدہ کروایا، اور آپکو تمام نام سکھائے؟ فرمایا: جی ہاں۔ تو پھر حضرت موسیٰ نے ملامت کی کہ پھر آپکو کس چیز نے اس بات پر اکسایا کہ آپ نے ہم کو بھی، خود کو بھی جنت سے نکلوادیا؟ تو حضرت آدمؑ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ کون ہیں؟ کہا:۔ میں موسیٰ ہوں۔ آدمؑ نے فرمایا: آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر، موسیٰ ہیں؟ آپ ہی سے اللہ نے پردے کے پیچھے سے راز ونیاز کی؟ اور آپ کے اور اپنے درمیان کوئی قاصد نہیں مقرر کیا؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: جی ہاں (ایسا ہی ہے) تو پھر حضرت آدمؑ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے اس بات پر مورد الزام ٹھراتے ہیں، جو اللہ عزوجل کی طرف سے، مجھ پر پہلے سے لکھی جاچکی تھی؟

پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمؑ موسیٰ پر غالب آگئے، آدم، موسیٰ پر غالب آگئے۔[3]

[4] اور ایک دوسرے طریقے سے یہ روایت حضرت ابن عمرؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا (غالب گمان یہی ہے، کہ آپؓ نے حضورؐ سے سن کر فرمایا ہوگا کہ) حضرت آدمؑ وموسیٰؑ کی ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰؑ نے حضرت آدمؑ کو فرمایا: آپ انسانیت کے باپ ہیں، آپکو اللہ نے جنت میں رہائش دی، اور اپنے فرشتوں کو آپکے لئے سجدہ ریز کیا، تو حضرت آدمؑ نے فرمایا: کیا آپ میرے بارے میں (وہ لغزش) لکھی نہیں پاتے؟

---

[1] وهذا على شرطهما ولم يخرجاه من هذا الوجه وفي قوله ادخلت ذريتك النارنكارة، فهذا طرق هذاالحديث عن ابى هريره، رواه عنه حميد بن عبدالرحمن، وذكوان ابو صالح السمان، وطاوٗس بن كيسان، و عبدالرحمن بن هرمز الاعرج و عمار بن ابى عمار، و محمد بن سيرين، وهمام بن منبه، ويزيد بن هرمز، وابو سلمة بن عبدالرحمن

[2] وقدرواه الحافظ ابويعلى الموصلى فى "مسنده" من حديث امير المومنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه فقال حدثنا الحارث بن المسكين المصرى، حدثنا عبدالله بن وهب، اخبرنى هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن ابيه، عن عمر بن الخطاب، عن النبى ﷺ

[3] ورواه ابو داود، عن احمد بن صالح المصرى، عن ابن وهب، [4] قال ابو يعلى: وحدثنا ابو يعلى بن المثنى حدثنا عبدالملك بن الصباح المسمعى حدثنا عمران، عن الرديني عن ابى مجلز عن يحيى ابن يعمر عن ابن عمر عن عمر قال ابو محمد، اكبر ظنى انه رفعه. قال التقى . . .

تو بس آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آگئے۔ آدمؑ، موسیٰؑ پر غالب آگئے۔

اور اس اسناد میں کوئی حرج (اور کمی) نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] (الغرض یہ حدیث کئی سندوں سے، کتب حدیث میں مذکور ہے۔ جسکی بناء پر اسکے مضمون کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ لیکن توجہ کیجئے کہ

قدیم زمانے میں دو گمراہ فرقے قدریہ، اور جبریہ مشہور تھے، قدریہ کا تو کہنا تھا، کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اللہ کے فعل کا اسمیں کوئی دخل نہیں، یعنی انسان جو چاہے کر سکتا ہے اللہ چاہے یا نہ چاہے، جبکہ دوسرا فرقہ جبریہ اس کے برعکس یہ کہتا تھا کہ انسان مجبور محض ہے، خود کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ پتھر کی طرح ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں، کیونکہ صحیح، اسلامی عقیدہ جو قرآن واحادیث سے ماخوذ ہے وہ یہ ہے، کہ اللہ سب چیزوں کا خالق ہے

خواہ انسان کے اعمال، افعال کیوں نہ ہوں، جیسے کھانا کمانا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پھر اللہ نے بندے کو ایک گونہ اختیار مرحمت فرمایا ہے کہ چاہے تو کرے، چاہے نہ کرے۔ جیسے حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ انسان کو کس قدر اختیار ہے ؟ آپ نے فرمایا! اپنا ایک پاوں اٹھاؤ! سائل نے اٹھالیا:۔ پھر آپ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھاؤ۔ سائل نے عرض کیا: ایسے تو نہیں ہو سکتا۔ تو پھر آپؓ نے فرمایا کہ بس یہ اسطرح ہے (یعنی نہ پورا مجبور ہے، نہ پورا مختار ہے) تو خیر، اب عرض یہ کرنا ہے کہ یہ احادیث جن میں حضرت موسیٰؑ و آدمؑ کے درمیان مناظرہ ہوا، تو اس حدیث کے ظاہر سے ان فرقوں کے عقائد پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مترجم اصغر۔) تو اس وجہ سے فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ہی انکار کر دیا ہے کیونکہ یہ انکے فاسد عقائد کی تائید نہیں کرتی۔

اور فرقہ جبریہ نے اس سے اپنے غلط عقیدے پر بڑے شدومد کیساتھ دلیل پکڑی ہے۔

اگرچہ ظاہری طور پر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت آدمؑ نے اپنی لغزش کو تقدیر پر منحصر کیا: اگرچہ ایسا نہیں ہے، اسکا جواب ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے جواب میں تقدیر پر سہارا اس وجہ سے لیا، کہ وہ توبہ کر چکے تھے اور توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اسکا کوئی گناہ ہو ہی نہیں (الحدیث)

(لہذا گناہ کرتے وقت کسی کو یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا ہے، سراسر غلط ہے اور گناہ ہے، مترجم) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا، کیونکہ وہ ان سے بڑے تھے اور پہلے تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ انکے باپ تھے اسلئے کہہ دیا۔ اور کہا گیا ہے یہ دونوں پیغمبر مختلف شریعتوں کے حامل تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ دونوں عالم برزخ میں تھے اور لوگوں کے وہم و گمان کے خلاف ان سے تمام تکلیف (شرعی) ہٹادی گئی تھی۔

---

[1] وقد تقدم رواية الفضل بن موسى لهذا الحديث عن الاعمش، عن ابى صالح عن ابى سعيد، ورواية الامام احمد له عن عفان، عن حماد بن سلمه، عن حميد، عن الحسن عن رجل، . قال حماد: اظنه جندب بن عبدالله البجلى، عن النبى ﷺ ولقى آدم موسى،، فذكر معناه

اور تحقیقی بات یہ ہے، کہ یہ حدیث بہت سے لفظوں کے ساتھ منقول ہے اور کچھ ایسی احادیث معناً بھی ہیں لہٰذا اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا سراسر ہٹ دھرمی ہے اور یہ احادیث خواہ صحیحین میں ہوں یا کسی اور کوئی حدیث کی کتاب میں ان سب کا خلاصہ ہے، کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدمؑ کو موردِ الزام ٹھیر لیا اسوجہ سے کہ انہوں نے اپنے کو اور اولاد کو جنت سے نکلوادیا۔ جس پر آدمؑ نے فرمایا، میں نے تم کو جنت سے نہیں نکالا، کیونکہ وہ اخراج میرے پھل کھانے پر صادر نہیں ہوا تھا، بلکہ میرا، اور تمہارا وہاں سے نکلنا، میری پیدائش سے بھی پہلے اللہ عزوجل نے لکھ دیا تھا، مقرر کر دیا تھا، لہٰذا آپ کا مجھے ملامت کرنا، زیادہ سے زیادہ اس پر ہو سکتا ہے کہ مجھے اس پھل کے کھانے سے روکا گیا تھا۔ لیکن میں نے وہ پھل کھالیا، اور اس پر جنت سے نکالنا یہ میرے فعل کی وجہ سے نہیں ہوا لہٰذا میں نے نہ ہی تم کو، نہ خود کو جنت سے نکلوایا۔ یہ تو محض اللہ کی قدرت وصنعت میں تھا اور اللہ کی اسمیں حکمت وراز پوشیدہ ہیں، لہٰذا آدم موسیٰؑ پر غالب آگئے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ہی جھٹلا دیا ہے، یہ سراسر ہٹ دھرمی اور عناد ہے۔ کیونکہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متواتر منقول ہے۔ اور آپؓ کی روایت، حفظ، وضبط مسلم واعلیٰ ہے۔

اور انکے علاوہ دوسرے اصحاب رسول سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ جیسے کہ ذکر ہوئی۔

اور ابھی کچھ پہلے جو اکٹھے چند جواب ذکر کیئے گئے، وہ حقیقت میں لفظوں ومعنوں کے اعتبار سے بعید ہیں۔ نیز ان بعض جواب میں فرقہ جبریہ کی تائید ہوتی ہے۔

اور ان جوابات میں چند باتیں قابل غور بھی ہیں۔

ایک تو یہ کہ موسیٰؑ کسی ایسے معاملے پر ملامت نہیں کر سکتے جس سے انکے کرنے والے نے توبہ کرلی ہو۔

دوسرا یہ کہ خود حضرت موسیٰؑ سے ایک جان کا قتل صادر ہو گیا تھا، جسکا انکو حکم بھی نہ تھا، لہٰذا انہوں نے اس سے توبہ کی (اے میرے پروردگار: میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے لہٰذا مجھے بخش دیجئے۔ لہٰذا پروردگار نے اسکو بخش دیا[1]

تیسرا یہ کہ اگر حضرت آدمؑ کو ملامت پر جواب میں تقدیر کی بات کہی جائے تو ہم یہ دروازہ ہر گناہ کے مرتکب کیلئے نہیں کھول سکتے، کہ وہ کہتا پھرے کہ تقدیر میں تھا، اور پھر ہم اس سے حدود وقصاص کو اٹھادیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تقدیر کا نوشتہ گناہ پر دلیل بن سکتا تو، چھوٹے بڑے گناہ پر ہر کوئی دلیل پکڑتا جس سے بہت سے مفاسد کے دروازے کھل جاتے۔

اس وجہ علماء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ نے جواب میں تقدیر کے ساتھ معصیت پر دلیل نہیں پکڑی بلکہ اپنی مصیبت پر دلیل پکڑی ہے (کہ تقدیر میں یہ مصیبت مجھ پر لکھی تھی، جو آن پڑی۔ ورنہ گناہ کے بعد تو خود انہوں نے بارگاہ رب العزت میں ستر سال تک رو رو کر گناہ کی معافی مانگی اور عرض کیا۔

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے تو یہاں عرض کیا، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔! مترجم)

---

[1] القصص آیت ۱۶

ان احادیث کا تذکرہ، جو حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئیں

[1] امام احمد فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو موسیٰؓ، حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو ایک مٹی سے پیدا فرمایا، جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی، لہذا بنی آدمؑ بھی زمین کے مطابق ہوئے، گورے، کالے، سرخ، اور ان کے درمیان، اور برے اچھے، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اور انکے درمیان۔

[2] یہ روایت تو تھی محمد بن جعفر کے طریق سے، اور یہ ھوذۃ کے طریق سے بھی منقول ہے، ھوذۃ عوف سے وہ قسامہ بن زہیر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اشعری کو کہتے ہوئے سنا، کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ نے آدمؑ کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی لہذا آدم کی اولاد بھی، زمین کی طرح ہوئی، گورے، سرخ، کالے، درمیانی، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اور درمیانی، اور برے، اچھے، درمیانی [3]

[3] اور ابن مسعود اور دوسرے کچھ اصحاب رسول ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں! اللہ عزوجل نے جبرائیل کو زمین کی طرف بھیجا، تاکہ اس سے کچھ مٹی اٹھالائے، زمین حضرت جبرائیل کو عرض کرنے لگی، میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، اس بات سے کہ آپ مجھ سے کچھ (مٹی اٹھاکر) کم کریں، یا مجھے عیب دار کریں، تو حضرت جبرائیل خالی واپس لوٹ گئے۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار: اس نے آپ کے نام سے پناہ مانگ لی تھی۔ لہذا میں نے اسکو پناہ دیدی۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت میکائیلؑ کو بھیجا۔ تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، اور انہوں نے بھی پناہ دیدی، اور بارگاہ خداوندی میں اسطرح عرض کردیا، جیسے حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا تھا۔ پھر اللہ رب العزت نے حضرت عزرائیلؑ کو بھیجا، تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، حضرت عزرائیل نے فرمایا: میں بھی تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، کہ میں خالی ہاتھ لوٹ جاؤں، اور اللہ کے حکم کو پورا نہ کروں، لہذا عزرائیل نے روئے زمین (کی مختلف جگہوں) سے مٹی اٹھالی، اور اسکو ملالیا، اور یہ مٹی سفید، سیاہ، سرخ، رنگ کی

---

[1] قال الامام احمد: حدثنا یحیی ومحمد بن جعفر، حدثنا عوف، حدثنی قسامة بن زهیر، عن ابی موسی، عن النبی ﷺ، [2] ورواه ایضا عن هوذة، عن عوف، عن قسامة بن زهیر، سمعت الاشعری [3] وكذا رواه ابو داؤد والترمذی وابن حبان فی ,, صحیحه،، من حدیث عوف بن ابی جمیله الاعرابی، عن قسامة بن زهری المازنی البصری، عن ابی موسی عبدالله بن قیس الاشعری عن النبی ﷺ بنحوه وقال الترمذی حسن صحیح وقد ذكر السدی عن ابی مالك وابی صالح، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود، وعن ناس من اصحاب رسول الله ﷺ قالوا.

تھی۔ لہٰذا اسوجہ سے بنی آدم بھی مختلف رنگوں کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عزرائیل اسی مٹی کو لیکر چڑھے، اور پھر پانی کے ساتھ اسکو گوندھا، حتیٰ کہ وہ لیس دار چپکتی مٹی بن گئی پھر پرودگار اللہ رب العزت نے فرمایا:۔

میں مٹی سے، ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، تو جب میں اسکو درست کرلوں، اور اسمیں اپنی روح پھونک دوں، تو تم اسکے آگے سجدے میں گر پڑنا [۱]

پھر اللہ عزوجل نے اسکو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، تاکہ ابلیس اسپر اپنی بڑائی نہ کرسکے، پہلے تو ایک جسم انسانی پیدا فرمادیا، اور محض اسی صورت میں بغیر روح کے وہ چالیس سال پڑا رہا۔

اور وہ وقت درحقیقت جمعے کے دن کے بقدر تھا، فرشتے اسکے پاس سے گذرتے جاتے تھے، اور دیکھ کر گھبراتے تھے، اور سب سے زیادہ گھبرانے والا ابلیس تھا، یہ اسکے پاس سے گذرتا تو اسکو مارتا، جس کی وجہ سے اس جسم سے ایسی آواز نکلتی جیسے کھنکھناتی مٹی کی ٹھیکری سے آواز نکلتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے اور اللہ نے انسان کو کھنکھناتی، مٹی جو ٹھیکری کی طرح تھی اس سے پیدا فرمایا [۲]

پھر ابلیس اس جسم کے منہ سے اندر داخل ہوا اور پیچھے کے مقام سے نکل آیا اور فرشتوں کو کہا تم اس سے نہ ڈرو، بے شک تمہارا رب بے نیاز ہے، اور یہ تو اندر سے خالی ہے، اگر میں اسپر مسلط ہوگیا تو میں ہی اسکو ہلاک کرڈالوں گا۔

پھر جب وہ وقت آگیا جسمیں اللہ نے اسکے اندر روح پھونکنی تھی، تو اللہ رب العزت نے فرشتوں سے فرمایا! جب میں اسمیں روح پھونک لوں، تو تم سب اسکے آگے سجدہ ریز ہو جانا۔

پھر اللہ عزوجل نے اسمیں روح پھونکی، تو پہلے روح سر میں داخل ہوئی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی تو فرشتوں نے عرض کیا، الحمد اللہ کہئے تو حضرت آدمؑ نے، الحمد اللہ کہا،

پھر اللہ رب العزت نے حضرت آدمؑ کو کہا، رحمک ربک، تجھ پر تیرا پرودگار رحم کرے۔

پھر جب روح آنکھوں میں پہنچی، تو حضرت آدمؑ نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا، پھر جب روح پیٹ میں پہنچی، تو حضرت آدمؑ کو فوراً بھوک محسوس ہوئی، اور پھر یہ جنت کے پھلوں کی طرف لپکے، جبکہ ابھی روح پاؤں تک نہ پہنچی تھی، تو اس وقت اللہ نے فرمایا

خلق الانسان من عجل [۳] انسان جلدی (کے مارے) سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہے پھر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اس سے انکار کردیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو اور اسطرح قصہ پورا کیا۔ (تو یہ پورا قصہ مذکورہ سند سے اور اسکے علاوہ بھی دوسری [۴] سندوں سے کئی صحابہ سے منقول ہے)

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے کئی اجزاء تو اگرچہ احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن اکثر باتیں اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

[۵] امام احمد فرماتے ہیں! حضرت انسؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب

---

[۱] سورۂ ص آیت ۷۱ تا ۷۲   [۲] سورۂ رحمٰن آیت ۱۴
[۳] سورۂ الانبیاء آیت ۳۷   [۴] سورۂ حجر آیت ۳۰ تا ۳۱

[۵] فقال الامام احمد: حدثنا عبدالصمد، حدثنا حماد عن ثابت، عن انس، ان النبی ﷺ قال

اللہ عزوجل نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا، تو جب تک اللہ نے چاہا، اسکو یونہی (بلا روح کے) چھوڑے رکھا، تو ابلیس خیالاً اسمیں چکر لگا کر آیا، تو جب اسکو اندر سے کھوکھلا پایا، تو سمجھ لیا کہ یہ اپنے پر قابو نہ رکھ سکے گا۔

[1] اور ابن حبانؒ بھی اپنی صحیح میں ایک دوسری سند سے حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب آدمؑ میں روح پھونکی گئی، تو روح پہلے سر میں پہنچی (بذریعہ ناک) تو انکو چھینک آئی، تو حضرت آدمؑ نے (فوراً) کہا "الحمد لله رب العلمين"

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی جواب میں فرمایا "يرحمك الله"

[2] اور حافظ ابوبکر بزار فرماتے ہیں کہ حضرت ابی ہریرہؓ سے منقول ہے! فرمایا! جب اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا تو انکو چھینک آئی، جس پرانہوں نے "الحمد لله" کہا، تو جواب میں انکے پروردگار نے انکو فرمایا، رحمك ربك يا آدم" تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے اے آدمؑ:۔

اور اس حدیث کی سند میں کوئی کمی (حرج) نہیں ہے [3]

[4] اور حافظ ابویعلیٰ فرماتے ہیں! حضرت ابوہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

اللہ عزوجل نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اسکو گارا بنا کر چھوڑے رکھا حتیٰ کہ جب وہ سڑا ہوا گارا بن گیا، تو اللہ نے اسمیں شکل وصورت بنائی، پھر اسکو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے والا ہو گیا، پھر ابلیس اسکے پاس سے گذرتا تو کہتا توبڑے عظیم کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے، پھر اللہ عزوجل نے اسمیں اپنی روح مبارک پھونکی، تو پہلے پہلے اعضاء جن میں روح (جان) پڑی وہ آنکھیں، اور ناک تھی، جس سے حضرت آدمؑ کو چھینک آئی، پھر اللہ نے انکو رحمت کے کلمات (الحمد اللہ وغیرہ) کہنا سکھلائے، پھر اللہ نے خود فرمایا "يرحمك ربك" تجھ پر تیرا پروردگار رحمت کرے (اے آدمؑ) پھر فرمایا اے آدمؑ اس (فرشتوں کی) جماعت کے پاس جا اور ان سے بات چیت کر اور دیکھ، وہ کیا کہتے ہیں۔

تو حضرت آدمؑ چل کر انکے پاس آئے اور ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا، وعليك السلام ورحمة الله وبركاته، کے آپ پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔

یہاں اللہ نے فرمایا: اے آدمؑ یہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے پروردگار میری اولاد: یہ کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا: اے آدم میرے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو اختیار کر لو: تو آدمؑ نے عرض کیا: میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں، اور میرے رب کے دونوں ہاتھ بابرکت ہی ہیں۔

---

[1] وقال ابن حبان في صحيحه : حدثنا الحسن بن سفيان، حدثنا هدبة بن خالد ، حدثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن انس بن مالك ان لنبي....... [2] وقال الحافظ ابو بكر البزار! حدثنا يحي بن محمد بن سكن، حدثنا حبان بن هلال، حدثنا مبارك بن فضالة، عن عبيدالله، عن حبيب، عن حفص. هوابن عاصم بن عبيدالله بن عمربن الخطاب. عن ابي هريره رفعه قال.....

[3] وهذا الا سنادلاباس به: ولم يخرجوه.. [4] وقال الحافظ ابو يعلى: حدثنا عقبة بن مكرم، حدثنا عمرو بن محمد، عن اسماعيل بن رافع، عن المقبري، عن ابي هريره ،ان رسول الله ﷺ قال.....

پھر اللہ نے اپنی ہتھیلی پھیلادی، دیکھا تو انسان (ہی انسان) ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے مونہوں سے روشنی نکل رہی تھی، اور ایک آدمی کے نور نے تو حضرت آدمؑ کو تعجب میں ڈال دیا تو حضرت آدم نے پوچھا اے پروردگار یہ کون ہے فرمایا تیرا بیٹا داؤد ہے عرض کیا: اے پروردگار: آپ نے اسکی عمر کتنی رکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال، تو آدمؑ نے عرض کیا: اے پروردگار میری عمر سے انکی عمر کو بڑھادیجئے، یہاں تک کہ وہ سو سال ہو جائے۔ تو اللہ نے ایسا فرمادیا، اور گواہ بھی بنادیئے۔ پھر جب حضرت آدمؑ کا آخرت کی طرف کوچ کرنے کا وقت آیا، تو اللہ عزوجل نے ملک الموت کو انکے پاس بھیجا، تو آدمؑ نے فرمایا: کیا میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں رہ گئے؟

تو ملک الموت نے عرض کیا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داودؑ کو نہیں دیدیئے تھے؟ حضرت آدمؑ نے انکار فرمادیا، اور انکی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے، اور وہ بھول گئے تھے، تو انکی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔[1]

اس مذکورہ حدیث کو ابو بکر بزار، امام ترمذی، اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ساتھ میں امام ترمذی اور نسائی نے کچھ کلام کیا ہے۔ اور ایک دوسرے صحابی عبداللہ بن سلامؓ سے بھی یہ حدیث منقول ہے۔

[2] اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمالیا، تو انکی کمر پر اپنا دست (قدرت) پھیرا، تو انکی پشت سے ہر وہ جان نکل پڑی، جسکو بھی اللہ نے قیامت تک انکی اولاد میں سے پیدا فرمانا تھا، اور ہر انسان کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا، پھر اللہ نے ان سب کو حضرت آدمؑ کے سامنے کیا، تو آدمؑ نے عرض کیا: اے پروردگار یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے پھر حضرت آدم نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی روشنی ان کو تعجب میں ڈال رہی تھی تو آدم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے پوچھا فرمایا یہ تیری اولاد کی آخری امتوں میں سے ہوگا، اور اسکو داودؑ کہا جائے گا، حضرت آدمؑ نے پھر پوچھا اے پروردگار: آپ نے اسکی، کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کیا: اے پروردگار اسکو میری عمر سے چالیس سال زیادہ کردیجئے۔

پھر جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو ملک الموت انکے پاس پہنچ گئے، تو حضرت آدمؑ نے فرمایا کیا میری عمر سے چالیس باقی نہیں رہ گئے؟ عرض کیا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داودؑ کو نہیں دیدیئے تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدمؑ نے انکار فرمادیا، تو انکی اولاد بھی انکار کرتی ہے، اور آدمؑ بھول گئے تھے، تو انکی اولاد بھی بھولتی ہے، اور حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوگئی تھی، تو انکی اولاد سے بھی خطائیں ہوتی رہتی ہیں۔[3]

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

---

[1] وقدرواه الحافظ ابو بكر البزار والترمذی والنسائی فی ,, اليوم والليلة ،، من حديث صفوان بن عيسى، عن الحارث بن عبدالرحمن بن ابی ذباب، عن ابی سعيدالمقبری، عن ابی هريره عن النبی ﷺ وقال الترمذی حديث حسن غريب من هذاالوجه. وقال النسائی : حديث منكر. وقدرواه محمد بن عجلان، عن ابيه عن ابی سعيد المقبری، عن عبدالله بن سلام. [2] وقال الترمذی : حدثنا عبد بن حميد حدثنا ابو نعيم، حدثنا هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن ابی صالح ، عن ابی هريره قال، رسول الله ﷺ .....الخ

[3] ثم قال الترمذی، حسن صحيح وقدروی من غير وجه عن ابی هريره عن النبی ﷺ . ورواه الحاكم فی ,, مستدركه ،، من حديث ابی نعيم الفضل بن دكين، وقال : صحيح علی شرط مسلم ولم يخرجاه.

اولادِ آدمؑ میں مریضوں اور جنتیوں اور جہنمیوں کا ذکر :-

[1] ابن ابی حاتم بھی، حضرت ابو ہریرہ سے اسکو مرفوعاً روایت کرتے ہیں، اور وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ پھر اللہ نے تمام اولاد کو حضرت آدمؑ کے سامنے کیا، اور فرمایا اے آدمؑ یہ تیری اولاد ہے، اور ان میں (مختلف بیماریوں کے لوگ بھی تھے مثلاً) جذامی، ابرصی، اندھے، اور بھی مختلف اقسام کی بیماریوں والے تھے، تو آدمؑ نے عرض کیا : اے پروردگار یہ، میری اولاد کے ساتھ آپ نے کیوں کیا ہے ؟ فرمایا تاکہ میری نعمتوں کا شکر کریں۔ پھر آگے داؤدؑ کا قصہ مذکور ہے۔

اور یہ حدیث ابن عباس کی روایت سے بھی آئی ہے۔

[2] اور امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابو درداءؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا، توجب پیدا فرمالیا، پھر انکے دائیں شانے پر ہاتھ مارا، جس سے انکی سفید اولاد جیسے موتی ہوں، وہ نکل آئی اور بائیں شانے پر ہاتھ مارا اس سے ان کی سیاہ اولاد جیسے کوئلے ہوں وہ نکل آئی، پھر پروردگار نے دائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا یہ جنت میں جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، پھر بائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا یہ جہنم کی طرف جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

[3] ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت حسن سے منقول ہے فرمایا : اللہ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا جب پیدا فرمالیا، تو انکی دائیں جانب سے جنتی لوگوں کو نکالا اور بائیں جانب سے جہنمی لوگوں کو نکالا اور سب کو زمین پر ڈال دیا، جن میں سے اندھے، بہرے اور مختلف بیماریوں والے تھے۔

تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا : اے پروردگار آپ نے میری اولاد کو برابر برابر کیوں نہ فرمایا؟ فرمایا : اے آدمؑ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میرا شکر کیا جائے۔ [4]

[5] اور اسکو ابو حاتم اور ابن حبان بھی اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا : جب اللہ پاک نے آدمؑ کو پیدا فرمایا، اور ان میں روح بھی پھونک دی تو انکو چھینک آئی، انہوں نے الحمد للہ کہا، تو یوں اللہ کی اجازت و تعلیم کے ساتھ سب سے پہلے انکی زبان سے اللہ کی حمد نکلی، پھر انکو انکے پروردگار نے فرمایا : "یرحمك ربك یا آدمؑ" "اے آدمؑ تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے، اب تو ان فرشتوں کے پاس جا اور انکی مجلس میں شریک ہو، اور سلام کر، تو حضرت آدمؑ نے جا کر "السلام علیکم" کہا۔ فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمة الله، پھر آدمؑ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گئے، تو اللہ نے فرمایا یہ تیرا اور تیری اولاد کے درمیان سلام ہوگا اور اللہ نے اپنے دست مبارک سمیٹ کر فرمایا۔ دونوں میں سے ایک کو

---

[1] ورویٰ ابن ابی حاتم من حدیث عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه عن عطاء بن یسار، عن ابی هریرة مرفوعاً فذکره وفیه . [2] وقال الامام احمد فی "مسنده" حدثنا الهیثم بن خارجه ، حدثنا ابوربیع عن یونس بن میسرة ، عن ابی ادریس، عن ابی الدرداء، عن النبی ﷺ قال...... [3] وقال ابن ابی الدنیا: حدثنا خلف بن هشام ، حدثنا الحکم بن سنان، عن حوشب ، عن الحسن قال [4] هکذا روی عبدالرزاق عن معمر، عن قتاده، عن الحسن بنحوه. [5] وقد رواه ابو حاتم وابن حبان فی " صحیح "فقال: حدثنا محمد بن اسحاق بن خزیمة، حدثنا محمد بن بشار ، حدثنا صفوان بن عیسی، حدثنا الحارث بن عبدالرحمن بن ابی زناب، عن سعید المقبری، عن ابی هریره قال، قال رسول الله ﷺ

اختیار کرلو! تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا: میں اپنے پروردگار کے دائیں ہاتھ کو اختیار کرتا ہوں، جبکہ میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں۔ پھر اللہ نے اپنے ہاتھ پھیلادیئے، تو ان میں آدمؑ اور اسکی اولاد نظر آئی۔ آدمؑ نے پوچھا: اے پروردگار یہ کیا ہے؟ فرمایا: تیری اولاد ہے، اور اسوقت ہر انسان کی عمر اسکی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی تھی۔ اور ان میں ایک بہت روشن چمکدار آدمی تھا۔ اور اسکی عمر صرف چالیس سال لکھی ہوئی تھی، تو حضرت آدمؑ نے پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا فرزند داؤد ہے۔ تو حضرت آدم نے عرض کیا اے پروردگار اس کی عمر کو بڑھائیے فرمایا یہ لکھا جاچکا ہے تو عرض کیا: پھر میں نے اپنی عمر سے ساٹھ سال انکو دیئے: فرمایا صحیح ہے۔ تو جنت میں رہ، تو جب تک اللہ نے چاہا حضرت آدمؑ جنت میں رہے۔ پھر وہاں سے اتار دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے حضرت آدمؑ اپنے آپ کو بہت ملامت فرمایا کرتے تھے۔ پھر آخر عمر میں انکے پاس ملک الموت آئے، تو حضرت آدمؑ نے ان سے فرمایا: تونے تو بہت جلدی کرلی؟ میری عمر تو ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔ عرض کیا: جی ہاں، لیکن ان میں سے آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دیدیئے تھے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے انکار فرمایا تو انکی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے۔ اور وہ بھول گئے تھے، تو انکی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔ تو اس دن سے گواہوں، اور لکھنے کا حکم فرمادیا گیا۔

[1] امام بخاری نقل کرتے ہیں، کہ حضرت ابوہریرہ، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا، تو انکا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر اللہ نے انکو فرمایا: جا اور اس (فرشتوں کے) گروہ پر سلام کر، پھر وہ جو جواب دیں، اسکو سن، وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ تو حضرت آدمؑ نے جاکر انکو السلام علیکم فرمایا، انہوں نے بھی جواب دیا" وعلیکم السلام ورحمة الله" تو فرشتوں نے سلام کے جوب میں ورحمة الله کے الفاظ بڑھائے۔ (جو حضرت آدمؑ سے کم ہوگئے تھے تو) جو بھی حضرت آدمؑ کی صورت پر جنت میں داخل ہوتا ہے پس وہ اب تک (اس سلام کو) کم کرتا رہتا ہے۔ (جو صحیح نہیں ہے)

اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری کتاب الاستیذان میں روایت کیا ہے۔ [2]

[3] اور امام احمد، حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدمؑ کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، اور چوڑائی سات ہاتھ تھی۔ اس حدیث کو روایت کرنے میں امام احمد منفرد ہیں، مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے، کہ جب قرض کی آیت نازل ہوئی، تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلا شخص، جس نے انکار کیا، وہ حضرت آدمؑ تھے۔

اللہ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو انکی کمر پر ہاتھ پھیرا، جس سے انکی تمام اولاد جو قیامت تک آنیوالی تھی، سب نکل آئی۔ اور ہر ایک حضرت آدمؑ کے سامنے آتا رہا، حضرت آدمؑ نے ان میں ایک چمکتا شخص دیکھا، پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا تیرا بیٹا داؤد ہے۔ پھر پوچھا اے پروردگار اسکی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: ساٹھ

---

[1] وقد قال، البخاري: حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابي هريره عن النبي ﷺ ..... [2] عن يحي بن جعفر، ومسلم، عن محمد بن رافع، كلا هما عن عبدالرزاق به

[3] وقال الامام احمد، حدثنا روح، حدثنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن ابي هريره ان النبي ﷺ قال..... وقال الامام احمد! حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمه، عن علي بن زيد، عن يوسف بن مهران، عن ابن عباس .....

سال: عرض کیا: اے پروردگار اسکی عمر بڑھا دیجئے، فرمایا نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تیری عمر سے اسکو کچھ زیادتی کر دی جائے۔

اور حضرت آدمؑ کی عمر ایک ہزار سال تھی، (حضرت آدمؑ نے چالیس سال داؤد کو دیدیئے تو) اللہ نے اسپر فرشتوں کو گواہ بنالیا، اور لکھ کر محفوظ فرمادیا، پھر جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو فرشتے انکی روح قبض کرنے انکے پاس پہنچے، حضرت آدمؑ نے فرمایا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ چالیس سال تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دیدیئے تھے؟ فرمایا: نہیں میں نے تو نہیں دیئے۔ پھر اللہ نے اسپر اس لکھی ہوئی تحریر کو ظاہر کیا، اور فرشتوں کی گواہی کو پیش کیا.....

[1] اور ایک دوسرے طریق سے بھی مسند احمد میں حضرت ابن عباس کی حضور ﷺ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اول شخص جنھوں نے انکار فرمایا وہ آدمؑ ہیں۔ "آپ نے اسکو تین بار فرمایا" اور اللہ پاک نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا، تو انکی کمر کو چھوا، جس سے انکی تمام اولاد نکل آئی، تو اللہ نے انکو حضرت آدمؑ پر پیش کیا۔ ان میں، حضرت آدمؑ نے ایک روشن چمکتا شخص دیکھا: تو عرض کیا: اے پروردگار اسکی عمر کو بڑھا دیجئے: فرمایا: نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے تو اپنی عمر میں سے کچھ اسکو دیدے، تو حضرت آدمؑ نے چالیس انکو دیدیئے، تو اللہ نے اسکو لکھ کر فرشتوں کو گواہ بنالیا۔ پھر اللہ نے جب انکی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا، تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا: ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں کہا گیا: وہ تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دیدیئے تھے۔ حضور نے فرمایا: پھر حضرت آدمؑ نے انکار کر دیا، جس پر اللہ نے لکھی ہوئی تحریر ظاہر کی، اور گواہ قائم کیئے، پھر داؤد کیلئے بھی اللہ نے سو سال پورے کر دیئے اور حضرت آدمؑ کیلئے بھی ہزار سال پورے کر دیئے۔ احمدؒ اور علی بن زید اس حدیث میں منفرد ہیں۔ اور علی بن زید جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں انکی حدیث میں نکارت ہے۔

اور طبرانی میں حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ جب دین کی آیت نازل ہوئی، تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلا شخص جس نے انکار کیا، وہ آدمؑ تھے۔ تین مرتبہ فرمایا۔ اور آگے قصہ ذکر کیا۔

عہد بنی آدم:۔

موطا امام مالک [2] میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے سوال کیا گیا، کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

واذا خذ ربك من بنی آدمؑ من ظهور هم ذريتهم

واشهد هم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى

(ترجمہ) اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے، یعنی ان کی پیٹھوں سے انکی اولاد نکالی، تو انکو [3] انکی جانوں پر گواہ بنالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا، ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

---

[1] وقال احمد: حدثنا اسود بن عامر، حدثنا حماد بن سلمه، عن علی بن زید، عن یوسف بن مهران، عن ابن عباس، قال، قال رسول الله ﷺ ......

[2] وقال الامام مالك بن انس فی "موطئه" عن زيد بن ابی انيسه ان عبدالحميد بن عبدالرحمن بن زيد بن الخطاب، اخبره عن مسلم بن يسار الجهنی ان عمر بن الخطاب سئل عن هذه الآيته [3] سورۂ اعراف آیت ۱۷۲

اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا، تو انکی کمر کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوا، جس سے انکی اولاد نکلی آئی۔ پروردگار نے فرمایا: یہ جنت کیلئے ہیں، اور یہ اہل جنت کے کام کریں گے۔ پھر دوبارہ انکی کمر کو چھوا، تو اس سے (دوسری) اولاد نکلی، پھر فرمایا: یہ جہنم کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اہل جہنم کا عمل کریں گے۔ (یہاں آکر) ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ، بندے کو جنت کیلئے پیدا فرماتے ہیں، تو اسکو اہل جنت کے کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کو اہل جہنم کیلئے پیدا فرماتا ہے تو اس کو اہل جہنم کے کاموں میں لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ اہل جہنم کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے، اور پھر جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔[1]

یہ تمام احادیث اس بات پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کو آدم کی پیٹھ سے چھوٹی، چھوٹی چیونٹیوں کی طرح نکالا، اور انکو دو قسموں میں تقسیم فرمایا۔ اہل دائیں، اہل بائیں۔

اور فرمایا یہ جنت کیلئے، ہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور یہ جہنم کیلئے ہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

اور سورۂ اعراف کی آیت "الست بربکم" کو اس واقعے پر محمول کرنا، اسمیں بھی نظر ہے

اور اگرچہ اس بارے میں مسند احمد میں بھی حدیث مروی ہے[2] کہ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم کی پشت والی اولاد سے نعمان نامی میدان میں عرفہ کے روز عہد لیا پھر ان کو پشت سے نکالا، اور وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے۔ پھر اللہ نے ان تمام کو حضرت آدم کے سامنے پھیلا دیا۔ پھر انکی طرف توجہ فرما کر گفتگو فرمائی: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں کہ (تو ہمارا پروردگار ہے۔ اور یہ اقرار اسلئے کرایا تھا تاکہ یہ نہ) کہو کہ ہم کو تو اس کی کوئی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا، اور ہم تو انکی اولاد تھے، انکے بعد (پیدا ہوئے)

تو کیا جو کام، اہل باطل کرتے رہے، آپ اسکے بدلے ہمیں ہلاک فرماتے ہیں؟[3]

---

[1] وهكذا رواه الامام احمد وابو داود والترمذى والنسائى وابن جرير وابن ابى حاتم، وابو حاتم ابن حبان فى ،، صحيحه،، من طرق، عن الامام مالك به. وقال الترمذى هذا حديث حسن ومسلم بن يسار لم يسمع عمر. وكذا قال ابو حاتم وابوزرعة، زادا بوحاتم: وبينهما نعيم بن ربيعه. وقدرواه ابو داود، عن محمد بن مصفى، عن بقية ا م (بقية بن الوليد يدلس فى الحديث. قالوا: اذاروى عن الشاميين فحديثه صحيح ("الضعفاء" لا بن الجوزى حرف الباء) خط)، عن عمر بن جثعم، عن زيد بن ابى انيس، عن عبدالحميد بن عبدالرحمن بن زيد بن الخطاب، عن مسلم بن يسار، عن نعيم بن ربيعه، قال كنت عندعمر بن الخطاب وقدسئل عن هذه الآية فذكر الحديث. قال الحافظ الدار قطنى: وقد تابع عمر بن جثعم ابوفروة بن يزيد بن سنان الرهاوى، عن زيد بن ابى انيسه قال، وقولهما اولى بالصواب من قول مالك رحمه الله. [2] حدثنا حسين بن محمد، حدثنا جرير بن حازم عن كلثوم بن جبر عن سعيد بن جبير عن ابن عباس [3] سورة إعراف آیت ۱۷۲ تا ۱۷۳ [4] فهو باسناد جيد قوى على شرط مسلم، رواه النسائى، وابن جرير والحاكم فى "مستدركه" من حديث حسين بن محمد المروزى به. وقال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه الا انه اختلف فيه على كلثوم بن جبير، فروى عنه مرفوعاً. وكذاروى عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس موقوفاً. وهكذارواه العوفى والو البى والضحاك وابو جمرته، عن ابن عباس من قوله وهذا اكثر واثبت والله اعلم. وهكذا من اروى عن عبدالله بن عمر موقوفاً ومرفوعاً والموقوف اصح.

[1] اور جمہور حضرات کا خیال ہے کہ اللہ عزوجل نے آدم سے توحید پر عہد لیا تھا۔ اور دلیل میں مسند احمد کی روایت پیش کرتے ہیں! کہ انس بن مالک، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی جہنمی سے کہا جائے گا، کہ اگر زمین کی ساری ملکیت کا تو مالک ہو تو کیا تو وہ سب کچھ دے کر اپنے آپ کو جہنم سے چھڑانا چاہے گا؟ (وہ کہے گا ضرور) تو پھر اللہ عزوجل فرمائیں گے: میں نے تو تجھ سے اس سے بھی بہت آسان چیز طلب کی تھی، میں نے تجھ سے آدمؑ کی پشت میں عہد لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے گا۔ لیکن تو نہ مانا اور میرے ساتھ شرک کر بیٹھا۔ شیخین نے اسکو شعبہ کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے۔

[2] حضرت ابی بن کعب سے، اس آیت (اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم سے، انکی پشتوں میں ہی سے انکی اولاد سے، عہد لیا) اور اس کے بعد کے بارے میں مروی ہے، کہ اللہ نے ازل میں، تمام آدم کی اولاد کو جمع فرمایا، جو بھی قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔

پھر انکو (کس مرحلے میں) پیدا فرمایا، اور انکی صورت بنائی۔ پھر ان سے بولنا چاہا پس وہ بول پڑے اور ان سے عہد و پیمان لئے، اور انکو انکی جانوں پر گواہ بنالیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں[3] پھر پروردگار نے فرمایا، میں تمہارے (اس قول) پر ساتوں آسمانوں کو، ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں، اور تمہارے باپ آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں، تاکہ کہیں تم قیامت کے روز نہ کہہ دو کہ ہمیں تو علم ہی نہ تھا۔ تو ابھی سے) جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہرانا اور میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا، وہ تم کو ڈرائیں گے میرے عہد و پیمان سے۔

اور تم پر میں اپنی کتاب (بھی) نازل کرونگا۔ تو سب نے (بیک آواز ہو کر) کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ) ہی ہمارے پروردگار، اور ہمارے معبود ہیں آپکے سوا، ہمارا کوئی پروردگار نہیں، اور نہ آپکے سوا ہمارا کوئی معبود ہے۔ تو اسطرح انہوں نے اسی دن اطاعت کا اقرار کر لیا۔

پھر اللہ نے سب کے والد امجد حضرت آدمؑ کو اوپر اٹھایا، اور آدم نے اپنی تمام اولاد کی طرف دیکھا۔ جس میں غنی بھی تھے، فقیر بھی تھے۔ اچھی صورت والے بھی تھے، اور دوسرے بھی تھے۔ یہ کچھ دیکھ کر حضرت آدمؑ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی: اے پروردگار اگر آپ اپنے بندوں کے درمیان برابری فرمادیتے تو؟ اللہ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔ اور پھر حضرت آدمؑ نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو (اندھیرے میں) چراغوں کی طرح تھے، انکو نور نے ڈھانپ رکھا تھا۔ پھر خاص، طور پر انبیاء سے دوبارہ عہد لیا گیا، جو نبوت و رسالت کے متعلق تھا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت قرآنی کا (ترجمہ) اور جب ہم نے نبیوں سے عہد و پیماں لیا اور آپ سے (بھی اے محمد) اور نوح سے، اور ابراھیم سے، اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے۔ اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا ہے[4]

---

۱ قال الامام احمد: حدثنا حجاج، حدثنی شعبہ،، عن ابی عمران الجونی، عن انس بن مالک، عن النبی ﷺ، قال ..... الخ

۲ وقال ابوجعفر الرازی؛عن الربیع بن انس، عن ابی العالیہ، عن ابی بن کعب، فی قولہ تعالی "واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهور هم ذريتهم" (الاعراف ۱۷۲ م) ۳ الاعراف ۱۷۲ ۴ سورہ احزاب آیت ۷

(اور پہلا جو عہد لیا گیا تھا کہ میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں، اور میں ہی تنہا معبود ہوں۔

تو ہر انسان کی فطرت دنیچر اسی پر رکھی گئی ہے کہ پیدائشی طور پر وہ توحید کا قائل ہو۔) اسی بارے میں اللہ کا قرآن کریم میں فرمان ہے۔ تو تم سب، یکسو ہو کر دین پر سیدھے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اختیار کیئے رکھو، خدائی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا[1]

اور فرمایا: یہ اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں[2]

اور فرمایا: اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا۔ اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا[3] [4]

ذلت ابلیس :۔

پہلے گذر چکا کہ جب حضرت آدم کیلئے فرشتوں کو سجدے کا حکم کیا گیا، تو تمام نے حکم کی اطاعت کی۔ لیکن ابلیس نے نافرمانی کی۔ کیونکہ اسکو آدمؑ پر حسد تھا، اور ان سے دشمنی تھی۔ جس کی وجہ سے اللہ نے اسکو دھتکار دیا، اور اپنی رحمت سے ہمیشہ کیلئے دور کر دیا۔ اور اپنی بارگاہ الہیہ سے اسکو نکال دیا اور ذلیل و خوار شیطان مردود کہا ہوا زمین پر پٹخ دیا۔

[5] اور مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے۔ اور پھر سجدہ کر لیتا ہے، تو شیطان الگ ہو کر رونے پیٹنے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس، ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا، جس سے وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ اور مجھے سجدے کا حکم ملا، پر میں نے نافرمانی کی پس میرے لیے جہنم ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا۔[6]

آدمؑ کے جنت میں ٹھہرنے کا وقت :۔

جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہو گئے، خواہ وہ جنت زمین میں ہو، یا آسمان میں یا جہاں کہیں ہو اختلاف کے مطابق، تو وہاں جنت میں، یہ دونوں حضرات آدمؑ و حواء علیہما السلام بڑی عیش و عشرت کے ساتھ، جہاں چاہتے کھاتے پھرتے۔ لیکن جب اس درخت کے پھل کو کھالیا، جس سے انکو روکا گیا تھا، تو انکا عزت و عظمت والا لباس اتار لیا گیا، اور انکو زمین پر اتار دیا گیا۔ اور اترنے کا اختلاف، پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

اور جنت میں کتنا وقت ٹھہرے، اسکے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ دنیاوی دنوں میں سے ایک دن کا بھی کچھ حصہ ٹھہرے۔

اور پہلے مسلم کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوعاً روایت گذر چکی ہے کہ (اور آدم جمعے کے دن کی

---

[1] سورہ روم آیت ۳۰ [2] نجم آیت ۵۶ [3] اعراف آیت ۱۰۲

[4] رواہ الائمۃ، عبداللہ بن احمد، وابن ابی حاتم، وابن جریر و ابن مردویہ، فی تفاسیرہم من طریق ابی جعفر ورری عن مجاھد، وعکرمہ، وسعید بن جبیر، والحسن البصری، وقتادہ، والسدی، وغیر واحد من علماء السلف بسیاقات توافق ھذہ الاحادیث [5] وقد قال الامام احمد حدثنا وکیع ویعلی ومحمد ابنا عبید، قالوا: حدثنا الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی ہریرہ قال..... [6] ورواہ مسلم من حدیث وکیع وابی معاویہ عن الاعمش

گھڑیوں میں سے ایک گھڑی میں پیدا ہوئے۔ اور ابو ہریرہؓ ہی سے مروی شدہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ اسی دن میں آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔

تو وہ دن جس میں پیدا ہوئے، اگر اسی میں نکالے گئے اور وہ ایام بھی انہی دنیا کے ایام کے بقدر طویل ہوں۔ تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ وہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن اسمیں نظر (غلطی کا امکان) ہے۔ اور اگر ان کا جنت سے نکلنا اس دن کے علاوہ ہو، جس میں وہ پیدا کئے گئے اور وہ چھ ایام دنیا کے چھ ہزار سال کے بقدر رہوں، جیسے کہ ابن عباس، مجاہد، ضحاک، ابن جریر سے مروی ہے تو پھر حضرت آدم کا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل مدت تک ثابت ہوگا، اور علامہ جریر فرماتے ہیں! کہ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعے کے دن کے آخری وقت میں پیدا ہوئے، یعنی جمعے کے دن کی ایک آخری گھڑی میں پیدا ہوئے، اور ایک گھڑی اس دن کی تراسی سال چار مہینے کی ہوتی تھی اور پیدائش سے پہلے محض گارے کی بنی ہوئی شکل پر چالیس سال کا عرصہ گذرا، اور (پیدائش کے بعد) زمین پر اترنے سے پہلے جنت میں تراليس سال اور چار مہینے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب اس اعتبار سے انکا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل عرصہ ہوگا۔

[1] اور حضرت عطاء بن رباح کا قول ہے، کہ حضرت آدمؑ جب زمین پر اترے تو انکے پاوں زمین میں تھے اور سر آسمان میں تھا، پھر اللہ نے انکو کم کیا، حتی کہ صرف ساٹھ ہاتھ رہ گئے۔

اور حضرت ابن عباس سے بھی اس کے مثل مروی ہے۔

لیکن اس بات میں (غلطی کا ہی زیادہ امکان ہے اور) نظر ہے کیونکہ پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو انکا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ اور مخلوق مسلسل (قد میں اب تک) کم ہوئی جارہی ہے۔ اور اس حدیث کی صحت پر بالکل اتفاق بھی ہے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ شروع میں انکا قد ساٹھ ہاتھ تھا اس سے زیادہ نہ تھا۔ اور مخلوق جب سے مسلسل قد کاٹھ میں گھٹتی جارہی ہے اب تک۔ اور ابن جریر، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدمؑ ٹھیک میرے عرش کے مقابل (زمین میں) میرا عزت کا گھر ہے، لہذا وہاں جا اور میرے لئے اسمیں ایک گھر بنا، اور اسکا طواف کر جیسے میرے فرشتے اس عرش پر اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور پھر اللہ نے ایک فرشتہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا، جس نے آدم علیہ السلام کو وہ جگہ بتلائی، اور (حج کے) طریقے سکھائے، اور ذکر کیا کہ یہاں پر (طواف وغیرہ میں) جو قدم بھی آپ اٹھائیں گے وہ قدم آپ کو اللہ کے قریب کر دے گا۔

دنیا میں آدمؑ کا پہلا کھانا اور لباس :-

اور حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے، کہ حضرت آدمؑ نے زمین پر آنے کے بعد جو سب سے پہلا کھانا کھایا وہ یہ تھا، کہ حضرت آدمؑ کے پاس حضرت جبرائیلؑ آئے، اور گندم کے سات دانے ساتھ لائے۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یہ اس درخت (کے پھل) سے ہے جس سے آپکو روکا گیا تھا۔ لیکن آپ نے تناول کر لیا تھا۔ فرمایا تو اب میں اسکا کیا کروں؟ عرض کیا انکو زمین میں بو دیجئے حضرت آدمؑ نے بو

---

[1] وقدروی عبدالرزاق، عن هشام عن حسان، عن سوار خبر عطاء بن ابی رباح.....

دیئے، اور وہ دانے (ان دنیا کے دانوں سے) لاکھ درجہ وزن زیادہ رکھتے تھے، تو وہ دانے اگ آئے۔ حضرت آدمؑ نے فصل کی کٹائی کی، پھر دانوں کو (بھوسی) سے جدا جدا کیا، پھر صفائی کی، پھر پیسا، پھر آٹا گوندھا پھر کہیں جا کر روٹی پکائی، اور اسطرح عظیم محنت ومشقت اور تھکن کے بعد کہیں جا کر اسکو کھایا، اور اللہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے، فرمان ہے: پس کہیں وہ (شیطان) تم کو جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تو محروم ہو جاؤ گے۔[1]

اور پہلا لباس بھیڑ کی اون کا تھا، پہلے تو دونوں میاں بیوی نے اس اون کو کاٹا پھر اسکو چرخے پر کاتا پھر حضرت آدمؑ نے اس سے اپنے لئے ایک جبہ بنایا۔ اور حواء کے لئے ایک لمبی قمیض اور اوڑھنی۔

اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا جنت میں انکے کوئی اولاد ہوئی تھی یا نہیں

ایک قول یہ ہے جنت میں انکی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ زمین پر آکر ہوئی ہے اور ایک قول (ضعیف) یہ ہے کہ قابیل اور اسکی جڑواں بہن جنت میں پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم

اور علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حواء کو ہر پیٹ یعنی ہر دفعہ کی امید سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور حکم تھا کہ ہر جوڑے کی دوسرے جوڑے کے ساتھ ایک دوسرے سے شادی کرائی جائے یعنی اس دفعہ جو لڑکا لڑکی پیدا ہوئے بعد میں جو اکھٹے پیدا ہونگے پہلا لڑکا اس لڑکی کے ساتھ اور یہ لڑکی پہلے لڑکے کے ساتھ شادی کریں گے۔ اور ساتھ پیدا ہونے والی (وہ درحقیقت بہن ہوتی تھی اور اس) سے نکاح حرام تھا۔

---

[1] طٰہٰ آیت ۱۱۷

آدم علیہ السّلام کے فرزندان، قابیل و ہابیل کا قصہ

قرآن کریم میں خداوند ذوالجلال کا فرمان ہے :-

اور (اے محمد) ان کو آدم کے دو بیٹوں (قابیل، ہابیل) کے سچے حالات پڑھکر سنا، کہ جب ان دونوں نے (خدا کی بارگاہ میں) کچھ (نیاز) قربانی کی تو ایک کی قربانی تو قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو قابیل ہابیل سے کہنے لگا میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا اللہ متقیوں ہی سے (قربانی) قبول فرمایا کرتا ہے اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں قتل کرنے کیلئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا میں تو اللہ سے خوف کرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ بھی اٹھائے اور اپنے گناہ بھی، اور تو دوزخیوں میں سے ہو جائے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اسکے نفس نے اسکو بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اس نے اس (ہابیل) کو قتل کر ڈالا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر خدا نے ایک کوا بھیجا، تاکہ اسے دکھائے کہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے (تو قابیل) کہنے لگا ہائے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا، کہ اس کی طرح ہو جاتا، تاکہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر وہ پشیمان ہوا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے بارے میں ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورۃ المائدہ کے اندر (مذکورہ آیت کے تحت) کافی کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اور اسپر اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں اور اس بارے میں جو کچھ پہلے علماء نے بیان کر دیا ہے، اسکا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں (انشاءاللہ)

[1] ابن عباس اور ابن مسعود اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ ہر پیٹ کے لڑکے کی دوسرے پیٹ کی لڑکی سے شادی فرمادیا کرتے تھے۔ تو ہابیل نے اس وجہ سے ارادہ کیا کہ وہ قابیل کی بہن سے شادی کرے۔ لیکن قابیل ہابیل سے بڑا تھا اور قابیل کی بہن بھی خوبصورت تھی، تو قابیل نے ارادہ کیا کہ اسکو ہی اپنی بہن سے شادی کرنے پر فوقیت ہے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے (شریعت کے موافق) قابیل کو حکم دیا کہ اپنی بہن کی شادی ہابیل سے ہونے دو، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ تو آدمؑ نے دونوں کو حکم فرمایا دونوں قربانی کریں۔ پھر حضرت آدمؑ خود مکہ، حج کیلئے جانے لگے اور آسمانوں سے اپنی اولاد کی حفاظت کرنے کیلئے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر زمین اور پہاڑوں سے حفاظت طلب کی لیکن انھوں نے بھی انکار کر دیا تو بڑے بھائی قابیل نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

پھر جب حضرت آدمؑ چلے گئے تو دونوں بھائیوں نے راہ خدا میں قربانی کی۔ ہابیل نے تو ایک عمدہ، فربہ جانور، راہ خدا میں قربان کیا، جو بکری تھی، کیونکہ یہ بکریوں والے تھے۔ اور قابیل زراعت والے تھے لہذا اس نے ردی فصل کا ایک گٹھا قربانی میں دیا۔ تو آگ نازل ہوئی۔

---

[1] ذکر السدی، عن ابی مالک، وابی صالح عن ابن عباس، وعن مرۃ، عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابۃ

اور اس نے قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا "یعنی قبول نہ ہوئی" اور ہابیل کی قربانی کو جلا گئی تو قابیل غضب ناک ہو گیا۔ اور کہا میں تجھے قتل کر دوں گا مگر یہ کہ تو میری بہن سے نکاح کرنے سے باز آجائے۔ تو ہابیل نے کہا : بے شک اللہ پرہیز گاروں (کی قربانی ہی) سے قبول فرمایا کرتے ہیں۔

[1] عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں! خدا کی قسم مقتول (ہابیل) قابیل سے زیادہ طاقت ور تھا لیکن اسکو حیاو شرم مانع رہی کہ اپنے بھائی کی طرف قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

اور ابو جعفرؒ ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ دونوں کی قربانی کے (قبول ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں فکر مند تھے۔ اسوجہ سے قابیل نے حضرت آدمؑ کو کہا! آپ نے ہابیل کیلئے دعا کی تھی تبھی اسکی قربانی قبول ہوئی ہے، اور میرے لئے آپ نے دعا نہیں فرمائی۔ اور پھر قابیل نے ہابیل کو دھمکی وغیرہ دی۔

پھر جب کسی رات ہابیل کو کھیت میں دیر ہو گئی : تو حضرت آدمؑ نے قابیل کو بھیجا کہ کیوں دیر ہو گئی ہے ؟ تو قابیل چلا گیا، اور ہابیل کو پالیا، تو قابیل نے ہابیل کو کہا : تیری قربانی قبول ہو گئی میری (کیوں) نہ ہوئی ؟ تو ہابیل نے کہا : اللہ عزوجل پرہیز گاروں کی قربانی قبول فرمایا کرتے ہیں۔ تو یہ سن کر قابیل غصے میں بھڑک اٹھا، اور اسکے پاس لوہا تھا اس سے ہابیل کو مارا، اور قتل کر دیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے پتھر کی ایک چٹان، ہابیل کے سر پر مار کر اسکو ہلاک کیا۔، جبکہ ہابیل سویا پڑا تھا۔ اور اسطرح قابیل نے بھائی کا سر کچل ڈالا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے ہابیل کا گلا گھونٹا تھا اور اسطرح اسکو کاٹا جیسے درندے کرتے ہیں، جس سے وہ مر گیا۔ واللہ اعلم۔

قابیل نے بھائی کو دھمکی دی تو ہابیل نے کہا : (فرمان خداوندی ہے) اگر تو میری طرف قتل کے ارادے سے ہاتھ بڑھائے گا تو میں اپنا ہاتھ تیرے قتل کیلئے نہ بڑھاوں گا۔ بے شک میں اللہ سے خوف کرتا ہوں۔ [2] تو ہابیل کا یہ قول بہت ہی حسن اخلاق، وسعت ظرفی اور خوف و خشیتِ خداوندی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اپنے بھائی سے برائی کا ارادہ نہ کرے، خواہ بھائی کرے۔

اسی وجہ سے بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ثابت ہے۔ فرمایا : جب دو مسلمان اپنی تلوار سونتے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا : یارسول اللہ یہ قاتل تو صحیح ہے لیکن مقتول کیوں ؟ فرمایا : یہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر خواہشمند تھا۔

اور آگے بھی اللہ عزوجل ہابیل بھائی کے قول کو ذکر کرتے ہیں : بے شک میں ارادہ کرتا ہوں، کہ تو میرے اور اپنے گناہ اٹھائے (اور اسطرح) تو جہنمی ہو جائے۔ اور یہ ظالمین کا بدلہ ہے [3] یعنی مراد ہے کہ میں تجھے قتل کرنے کا خیال ترک کرتا ہوں، اگرچہ میں تجھ سے قوی اور بہادر ہوں، اسلئے کہ میں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ (اور اسطرح) تو میرا گناہ بھی اور اپنا گناہ بھی اٹھائے گا۔ میرا گناہ یعنی میرے قتل کا گناہ اور تیرا گناہ یعنی وہ گناہ جو تو پہلے کر چکا ہے سب اٹھائے گا۔ یہ تفسیر مجاہد، سدی ابن جریر وغیرہ کی ہے۔

اور یہاں یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ مقتول کے گناہ قاتل پر محض اسکے قتل کی وجہ سے لاد دیئے

---

[1] وروی عن ابن عباس من وجوہ اخر، وعن عبداللہ بن عمر. وقال عبداللہ بن عمرو

[2] مائدہ ۲۸۔ [3] مائدہ آیت ۲۹

جائیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں کا وہم ہے۔ اسلئے کہ ابن جریرؒ نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے اور وہ حدیث جسکو بعض ناواقف لوگ پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قاتل مقتول پر کوئی گناہ نہیں چھوڑتا۔ تو اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ہے نہ صحیح سند کے ساتھ نہ حسن کے ساتھ اور نہ ہی ضعیف کے ساتھ۔

ہاں: لیکن قیامت میں بعض لوگوں کے ساتھ ایسا اتفاق پیش آسکتا ہے کہ مقتول، قاتل سے اس ظلم کا بدلہ طلب کرے، لیکن قاتل کی تمام نیکیاں بھی اس ظلم کو پورا نہ کرسکیں تو پھر مقتول کے گناہ اس قاتل کے سر پر لاد دیئے جائیں۔ جیسے کہ صحیح حدیث سے تمام مظالم میں ایسی نوعیت کی تائید ہوتی ہے۔ اور قتل ان میں سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کو تفصیل کے ساتھ ہم اپنی تفسیر میں بیان کرچکے ہیں، اور اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں۔

مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی ان سب حدیث کی کتابوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا، حضرت عثمان بن عفان کے خلاف دشمنوں کے فتنے میں، یہ قول منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا، اسمیں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑے ہونے والا، چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

تو (حضرت سعد نے) پوچھا اگر میرے گھر میں کوئی داخل ہوکر میری طرف قتل کیلئے دست درازی کرے تو پھر کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا تو ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جانا[1]

اور ایک دوسری روایت میں حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا آدمؑ کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی طرح ہو جا:

اچھا یہ تو مقتول ہابیل کے بارے میں کچھ تعریفی بات تھی، لیکن قابیل، تو اسکے بارے میں[2] مسند احمد میں ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل نہیں کی جاتی مگر آدمؑ کے پہلے لڑکے پر بھی اس کے خون کا بوجھ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کی سنت جاری کی۔

اور دمشق کے شمال میں ایک جبل قاسیون (پہاڑ) ہے اسمیں ایک غار ہے جسکا نام مغاۃ الام کہا جاتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ اور یہ بات اہل کتاب سے ملی ہوئی ہے۔ اس کی صحت کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اور حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ وہ یعنی احمد بن کثیر صالح انسان تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور حضرت ہابیل کو خواب میں دیکھا۔ تو انہوں (احمد بن کثیر) نے ہابیل سے قسم لی کہ کیا یہی وہ جگہ ہے؟ جہاں اس کا خون بہا ہے تو ہابیل نے قسم اٹھالی۔ اور کہا کہ انہوں (یعنی

---

[1] ورواہ ابن مردویہ عن حذیفۃ بن الیمان مرفوعاً کن کخیر ابنی آدم، وروی مسلم و اھل السنن الاالنسائی، عن ابی ذرنحو ھذا

[2] فقد قال الامام احمد: حدثنا ابو معاویہ وکیع، قالا حدثنا الاعمش، عن عبداللہ بن مرۃ، عن مسروق، عن ابن مسعود قال...... ورواہ الجماعۃ سوی ابی داود من حدیث الاعمش بہ وھکذاروی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وابراھیم النخعی انھما قالا مثل ھذا سواء

ہابیل) نے اللہ سے دعا کی ہے کہ اس جگہ کو دعا کی قبولیت کی جگہ بنا دے تو اللہ نے اسکو قبول کر لیا، اور حضور ﷺ نے ہابیل کی تصدیق فرمائی اور (احمد) کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ ہر جمعرات کو اس جگہ کی زیارت فرمایا کرتے ہیں

لیکن یہ خواب ہے اگر احمد بن کثیر سے صحیح ثابت ہو بھی جائے تب بھی خواب ہی ہے۔ اس پر حکم شرعی ہرگز مرتب نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ کا فرمان ہے کہ پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا اور وہ زمین کو کریدنے لگا تاکہ اس (قابیل) کو دکھائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے، تو (قابیل نے) کہا ہائے افسوس میں تو اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو گیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپالوں پھر وہ پشیمان ہوا۔[1]

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب قابیل اپنے بھائی کو قتل کر چکا تو ایک سال تک پشت پر اس کو لادے پھر تارہا، اور دوسرے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سو سال تک اٹھائے پھرتا رہا، اور برابر اسی طرح رہا، یہاں تک کہ اللہ نے دو کووں کو بھیج دیا۔ سدیؒ اپنی سند کے ساتھ صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کوے دونوں بھائی تھے، پھر دونوں لڑنے لگے حتی کہ ایک نے دوسرے کو ہلاک کر دیا، پھر وہ قتل کے بعد زمین کی طرف جھکا اور اس کو کھودنے لگا، پھر گڑھے میں کوے کو ڈالا اور اس کو دفن کر دیا اور چھپادیا، تو جب قابیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پکار اٹھا، ہائے افسوس کہ میں اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو گیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپالوں۔[2]

پھر قابیل نے کوے کی پیروی کرتے ہوئے بھائی کو دفن کر کے چھپایا۔

اہل تاریخ و سیرت نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم کو اپنے فرزند ہابیل پر سخت رنج و غم ہوا، اور اس کے بارے میں شعر کہا، جو ابن جریر ابن حمید سے نقل کرتے ہیں۔

تغیرت البلاد ومن علیها فوجه الارض مغبر قبیح

علاقے اور ان کے اہل بدل گئے پس زمین کا چہرہ بھی غبار آلود اور برا ہو گیا

تغیر کل ذی لون وطعم وقل بشاشة الوجه الملیح

اور ہر رنگ و ذائقے والی چیز بھی بدل گئی اور خوبصورت چہرے کی بشاشت بھی کم پڑ گئی اس پر آدمؑ کو جواب دیا گیا۔

اباهابیل قد قتلا جمیعا وصار الحی کالمیت الذبیح

اے ہابیل کے باپ، بے شک دونوں ہی قتل ہو گئے ہیں اور زندہ تو ذبح کئے ہوئے مردار کی طرح ہے۔

وجاء بشرة قد کان منها، علی خوف فجاء بها یصیح

اور اس زندہ نے خوف کے ساتھ ایسی برائی کی ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی چیخ و پکار میں مبتلا ہو گیا ہے۔

لیکن ان اشعار کی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے میں خطا کا امکان ہے، کیونکہ حضرت آدمؑ نے اپنے حزن و ملال کو اپنی زبان میں ہی ظاہر کیا ہو گا، پھر کسی نے ان الفاظ و کلام کو ان اشعار کی صورت میں کہہ دیا ہے، اور بھی اس میں کئی اقوال ہیں، واللہ اعلم۔

---

[1] [2] مائدہ ۳۱

اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قابیل کو اس کے کئے کی سزا جلد ہی مل گئی تھی اس طرح سے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران کے ساتھ چمٹ گئی، اور سورج جہاں پھرتا اس کا چہرہ بھی از خود ادھر ہی گھوم جاتا، یہ اپنے بھائی کے ساتھ حسد، سرکشی، اور گناہ کی وجہ سے اس کو رسوائی و عذاب ملا اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کی سزا دنیا میں جلد دیدیں اور آخرت میں بھی صاحب گناہ کے لئے عذاب کا ذخیرہ تیار کر رکھیں مگر سرکشی (اور ظلم) اور قطع رحمی (یعنی رشتے داری توڑنا)

اولادِ آدم کا بڑھنا

جو تورات کتاب اس وقت (یعنی مصنف کے زمانے میں جو تقریباً آٹھویں صدی ہجری تھی، اور اب تو اور زیادہ ان کتابوں میں تحریف کا خدشہ ہے) اہل کتاب کے ہاتھوں میں ہے اس میں میں نے دیکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے قابیل کو ڈھیل دی، اور مہلت عطا فرمائی، اور سرزمین نود نامی جگہ پر اس کو سکونت دی، جو عدن[1] شہر کے مشرق میں واقع ہے اور وہاں کے لوگ نود کو قنین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو خیر وہاں قابیل کے ہاں ایک لڑکا خنوخ پیدا ہوا، خنوخ سے عندر پیدا ہوا، اور عندر سے محوایل پیدا ہوا اور محوایل سے متوشیل پیدا ہوا۔

پھر اس متوشیل نے دو عورتوں سے شادی کی عدا اور صلا، عدا کے ہاں ایک لڑکا ابل نامی پیدا ہوا، اور یہ پہلا شخص ہے دنیا میں جس نے خیمے لگا کر کھلے آسمان تلے مصنوعی چھت کا سایہ حاصل کیا اور مال کی ذخیرہ اندوزی کی، اور اس عدا سے ایک لڑکا توبل بھی پیدا ہوا، اور وہ بھی پہلا شخص ہے جس نے دنیا میں سارنگی بربط اور طبلہ بنایا۔

اور متوشیل کی دوسری بیوی صلا سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام توبلقین تھا اور یہ بھی پہلا شخص ہے جس نے لوہے اور تانبے کی صنعت ایجاد کی، اور صلا سے ایک لڑکی نعمیٰ نامی بھی پیدا ہوئی۔

اور تورات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضرت آدمؑ اپنی بیوی کے پاس (مباشرت کی غرض سے) گئے، جس سے بیوی کے ہاں ایک صاحبزادہ نے جنم لیا، اور ماں نے اس کا نام شیث پکارا، اور کہا کہ یہ نام اس وجہ سے ہے کیونکہ یہ میرے پہلے بیٹے ہابیل کے بدلے اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور پھر شیث کے ہاں انوش پیدا ہوا۔

علماء نے کہا ہے کہ جب حضرت آدم کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت آدم کی عمر مبارک ایک سو تیس سال تھی، اور اس کے بعد آٹھ سو برس حیات رہے اور جب حضرت شیث کے ہاں انوش کی پیدائش ہوئی، تو حضرت شیث کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی، اور حضرت شیث اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور اس دوران انوش کے علاوہ اور کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئے۔

پھر انوش کے ہاں قینان پیدا ہوئے، اس وقت انوش کی عمر نوے سال کی تھی، اور اس کے بعد وہ آٹھ سو پندرہ برس زندہ رہے، اور کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئے۔

اور جب قینان کی عمر ستر سال ہوئی تو اس کے ہاں مہلائیل لڑکا پیدا ہوا اور قینان اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہے اور اس دوران بہت سی اولاد ہوئی اور پھر جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو اس کے ہاں

[1] یمن اور حضر موت کے حدود پر اسی نام کے ساتھ یہ شہر اب بھی مشہور ہے۔

ایک لڑکا یرد پیدا ہوا اور مہلائیل اس کے بعد آٹھ سو تیس سال زندہ رہے جس میں بہت سی اولاد ہوئیں، پھر جب یرد کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو یرد کے گھر خنوخ پیدا ہوا اس کے بعد یرد آٹھ سو سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد پیدا ہوئی، پھر جب خنوخ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو اس کے ہاں ایک لڑکا متوشلخ پیدا ہوا اور اسکے بعد خنوخ بھی آٹھ سو سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد نے جنم لیا، اور جب متوشلخ کی عمر ایک سو ستاسی سال ہوئی تو اسکے لامک لڑکا پیدا ہوا اور متوشلخ اس کے بعد سات سو بیاسی سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد ہوئیں، پھر جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی سال ہوئی تو اس کے ہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت نوحؑ کی پیدائش کے بعد بھی لامک باپ پانچ سو پچانوے سال زندہ رہے، اور بہت سی اولاد ان سے بڑھی، پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو ان کے گھر سام، حام، یافث پیدا ہوئے۔

یہ اہل کتاب کی کتاب سے کچھ لیا گیا ہے اور اس کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد محفوظ ہونے میں خطا کا امکان ہے جیسے کہ بہت سے علماء نے اس کو ذکر کیا ہے اور اہل کتاب پر طعن بھی فرمایا ہے۔

اور امام ابو جعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں بعض مذکورہ لوگوں سے ذکر کیا ہے، کہ حواء نے حضرت آدم کی چالیس اولاد کو بیس امیدوں سے جنم دیا ہے، اس کو ابن اسحاق نے ذکر کیا، اور ان کے نام بھی ذکر کئے، واللہ اعلم اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک سو بیس دفعہ حضرت حواء باامید یعنی حاملہ ہوئیں اور ہر دفعہ میں ایک لڑکا ایک لڑکی جنم دیا سب سے پہلے قابیل اور اس کی بہن قلیما اور سب سے آخر میں عبد المغیث اور اس کی بہن ام المغیث تھی، پھر اس کے انسانیت کثیر ہو گئی، اور پھیل گئی، اور زمین میں ادھر ادھر جابسے اور آگے بھی افزائش نسلِ انسانی ہوتی رہی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیئے۔[1]

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات نہ ہوئی جب تک کہ انھوں نے اپنی اولاد کی اولاد، پھر ان کی اولاد نہ دیکھ لی، اور تقریباً چار لاکھ جانیں دیکھ کر پھر وفات پائی، واللہ اعلم۔

اور قرآن مقدس میں فرمان الٰہی ہے وہ وہی ذات تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا فرمایا تاکہ وہ اس سے سکون (وراحت) حاصل کرے، پھر جب کوئی مرد اپنی بیوی کو ڈھانپ لیتا ہے، تو اس کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے، جس کو لے کر وہ چلتی پھرتی ہے، پھر جب وہ کچھ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں (میاں بیوی) اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر آپ نے ہم کو صالح اولاد عطا فرمادی تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب پروردگار ان کو صالح اولاد عطا فرمادیتا ہے تو دونوں اس (پروردگار) کیلئے شریک بناتے ہیں، اس چیز میں جو (اللہ نے) ان کو عطا فرمائی، پس اللہ بالا و برتر ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔[2]

اور جہاں سے میاں بیوی کے ازدواجی تعلق کا ذکر ہے وہاں سے کلام حضرت آدم کی طرف سے منتقل ہو کر عام انسانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے، یعنی شخصیت سے جنسیت کی طرف انتقال ہے، جیسے دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے، اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک قرار والی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا ہے۔[3] تو یہاں بھی پہلے تو حضرت آدم کی تخلیق کا ذکر ہے پھر عام انسان کی تخلیق کا، تو یہاں بھی شخصیت

[1] سورۂ نساء آیت ا۔ [2] اعراف آیت ۱۸۹۔ [3] مومنون ۱۲۔۱۳

سے جنسیت کی طرف انتقال ہے۔ (یا دونوں جگہ تعمیم بعد التخصیص ہے)

اسی طرح دوسری جگہ قرآن مقدس میں ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) کے ساتھ زینت بخشی اور ان (چراغوں) کو شیطانوں کو مارنے کیلئے آلہ بنایا[1] تو یہاں مارنے میں بھی وہی چراغ مراد نہیں ہیں جو آسمان کی زینت ہیں بلکہ یہاں بھی عینیت، شخصیت سے جنسیت کی طرف عود وانتقال ہے۔

لیکن اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے جو تقریباً صحت سے بہت دور ہے کہ [2] حضرت سمرۃ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! جب بھی حواءؑ کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ابلیس چکر لگاتا اور حواء کا کوئی بچہ نہ بچتا، تو شیطان نے ان کو کہا کہ اس کا نام عبد الحارث رکھو (حارث چونکہ شیطان کا نام بھی رہا ہے) تو تمہارا بچہ زندہ رہے گا تو حواء نے عبد الحارث (یعنی حارث کا بندہ) نام رکھ دیا، جس سے بچہ زندہ رہا، اور یہ شیطان کے وسوسے اور اس کے شر سے تھا۔

اس حدیث کو اسی طرح ترمذی، ابن جریر، اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ذکر کیا ہے اور اسی آیت کے تحت، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے، اور تمام جگہوں مین عبد الصمد بن عبد الوارث کی روایت سے ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے لور شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی، اور ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حسن غریب ہے اور ہم اس کو صرف عمر بن ابراہیم کی حدیث سے جانتے ہیں، اور بعض نے اس کو عبد الصمد سے روایت تو کیا ہے لیکن حضور ﷺ تک اس کی سند نہیں پہنچائی یعنی مرفوع نہیں ہے اور یہ علت بڑی ردو قدح والی ہے کہ یہ حدیث صحابی پر موقوفاً مروی ہے، اور زیادہ ظاہر ہے اور لگتا ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ملی ہوئی ہے اور اسی طرح یہ موقوفاً ابن عباس سے بھی مروی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کعب احبار اور ان کے اصحاب سے مروی ہے واللہ اعلم۔

سب سے بڑی بات! یہ غور کریں کہ سند میں اس حدیث کے راوی حسن بصری ہیں لیکن وہ خود اس آیت کی تفسیر اس حدیث کے خلاف کرتے ہیں، لہذا اگر ان سے یہ مروی ہوئی تو وہ کبھی اس کا خلاف نہ کرتے۔

اور دوسری اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم و حواءؑ کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ فرمایا تاکہ ان سے کثرت سے افزائش نسل ہو، تو یہ بات حدیث سے کیسے ثابت ہو سکتی ہے، لہذا گمان، نہیں بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تک اس کی نسبت کرنا خطا ہے اور درست یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، واللہ اعلم، اور تفسیر میں بھی اس کی نسبت کچھ گزر چکا ہے۔

پھر یہ غور بھی کریں کہ حضرت آدم و حواء اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، اس لئے کہ آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے ہی پیدا فرمایا تھا، اور اس میں خود روح پھونکی تھی، اور فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرایا تھا، اور ہر چیز کے ناموں کی تعلیم دی تھی، اور اپنی جنت میں ٹھکانہ مرحمت فرمایا تھا تو ان باتوں کے باوجود یہ اللہ کیساتھ کیسے شرک کر سکتے ہیں، نیز اللہ کو سب باتوں کا علم ہے اگر یہ بات ہوتی تو اللہ عزوجل ان عظیم شرف و مرتبے کے کاموں سے ان کو کیسے نواز سکتے تھے، اور آگے آنے والی حدیث میں غور کریں، کہ ابن حبانؒ

---

[1] سورۂ ملک آیت ۵۔ [2] اس حدیث کے راوی یوں ہیں امام احمد اس کو روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عبد الصمد نے بیان کیا ان کو عمر بن ابراہیم نے ان کو قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا اور حسن بصری نے سمرہ سے روایت کیا ہے۔

اپنی صحیح میں ابی ذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا، تین سو تیرہ کی جماعت ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان میں سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدمؑ عرض کیا یارسول اللہ وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، پھر اس میں روح پھونکی، پھر اس کو درست و برابر فرمایا۔

تو پھر ایک عظیم پیغمبر و رسول سے یہ فعل کیسے سرزد ہو سکتا ہے، جو شرک ہے۔

[۱] اور طبرانی میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو فرشتوں میں سے سب سے بہتر کی خبر نہ دوں؟ وہ حضرت جبرئیل ہیں اور نبیوں میں افضل آدم ہیں۔ اور دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے، اور مہینوں میں افضل رمضان کا مہینہ ہے اور راتوں میں افضل لیلۃ القدر کی رات ہے اور عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہے لیکن اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے، [۲] کئی بڑے محدثین نے اس حدیث کے ایک راوی رافع بن ھرمز کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور کعب احبار فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسا کوئی نہ تھا، جس کی داڑھی ہو سوائے حضرت آدم کے آپ کی داڑھی مبارک سیاہ تھی، اور جنت میں ایسا کوئی نہ تھا جس کی کنیت ہو، سوائے حضرت آدم کے ان کی کنیت دنیا میں ابوالبشر ہے اور جنت میں ابو محمد ہے۔

[۳] اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا، تمام اہل جنت، جنت میں اپنے ناموں سے پکارے جائیں گے سوائے حضرت آدم کے، ان کو ابو محمد کنیت سے پکارا جائے گا۔ [۴]

اور صحیح بخاری و مسلم میں معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت آدم کے پاس سے گزرے، حضرت آدم پہلے آسمان پر تھے، تو رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ حضرت آدم کے دائیں طرف بھی لوگوں کی جماعتیں ہیں، اور بائیں طرف بھی، اور حضرت آدم جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ کہا کہ یہ حضرت آدمؑ ہیں اور یہ سب ان کی اولادوں کی روحیں ہیں اور جب دائیں طرف دیکھتے ہیں جو جنتی ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں جو جہنمی ہیں تو روتے ہیں۔ [۵]

[۶] اور حسان بن حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کی عقل آپ کی تمام اولاد کے برابر تھی اور حضور ﷺ نے معراج میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرنے کی خبر یوں دی، کہ میں یوسفؑ کے پاس سے

---

[۱] وقال الطبراني، حدثنا ابراهيم بن نائلة الاصبهاني، حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا نافع بن هرمز، عن عطاء بن ابى رباح، عن ابن عباس، قال قال الخ.

[۲] وهذا اسناد ضعيف، فان نافعا اباهرمز، كذبه ابن معين و ضعفه احمد، ابوزرعة و ابو حاتم ابن حبان و غير هم والله اعلم. [۳] وقدروى ابن عدى من طريق شيخ ابن ابى خالد، عن حماد بن سلمة، عن عمرو بن دينار عن جابر بن عبدالله مرفوعاً. [۴] ورواه ابن عدى من على بن ابى طالب، وهو ضعيف من كل وجه، والله اعلم

[۵] وهذا الحديث معنى [۶] وقال ابوبكر البزار، حدثنا محمد بن المثنى، حدثنى يزيد بن هرون، انبانا هشام بن حسان، عن الحسن قال.....

گزرا دیکھا تو ان کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا، علماء اس کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ یہ نصف حسن حضرت آدمؑ کے حسن کا نصف تھا اور یہ بات بہت مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور خود صورت بھی بنائی اور اپنی روح پھونکی، لہٰذا سب سے حسین پیدا ہونا انہی کے لائق ہے۔

[1] اور حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے جنت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا، اے پروردگار یہ ہمارے لئے کردیجئے کیونکہ آپ نے بنی آدم کیلئے تو دنیا پیدا فرمائی ہے جس میں وہ کھائیں گے پئیں گے۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا: میری عزت کی قسم، میری بزرگی کی قسم، نہیں، میں اس کو بناؤں گا اس کی صالح اولاد کیلئے، جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور جیسے میں اس کو حکم کرتا ہوں وہ بجالاتا ہے۔

اور بخاری و مسلم میں کئی سندوں سے حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

علماء نے اس حدیث کے بارے میں اور اس کے مطلب کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور کئی مسلک اس میں ذکر کیے ہیں، لیکن یہ ان کی تفصیل و تشریح کی جگہ نہیں، واللہ اعلم۔

---

[1] قد روينا عن عبدالله بن عمرو، وابن عمر ايضا موقوفاً و مرفوعاً ..... الخ

حضرت آدم علیہ السّلام کی وفات اور آپؑ کا اپنے فرزند حضرت شیثؑ کو وصیت

شیث کا معنی ہے اللہ کا عطیہ ،اور حضرت آدم و حواء علیھما السلام دونوں ماں باپ نے اس کو یہ نام اس لئے دیا کیونکہ اللہ نے ان کو یہ ہابیل کے بدلے عطا فرمایا تھا، اور یہ بہت بڑے پیغمبر گزرے ہیں، حضرت ابو ذرؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے ایک سو صحیفے نازل فرمائے، اور چار کتابیں نازل فرمائیں، اور (صرف) حضرت شیث پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے فرزند حضرت شیث کو وصیت و نصیحت فرمائیں اور دن رات کی گھڑیوں کی پہچان کروائی، اور ان او قات کی عبادتوں کی تعلیم دی اور اس کے بعد ایک بڑے طوفان کے وقوع کی پیش گوئی فرمائی، اور کہا جاتا ہے کہ آج تمام لوگوں کے نسب حضرت شیث علیہ السلام پر انتہا کو پہنچتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اولاد آدم بالکل ختم ہو گئی تھی، واللہ اعلم اور جمعے کے دن جب حضرت آدمؑ وفات پاگئے، تو فرشتے حنوط خوشبو لے کر حضرت آدم کے پاس آئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے جنت کا کفن لائے پھر آدم علیہ السلام کے فرزند حضرت شیث نے اس کفن میں ان کو کفنایا ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب سات دنوں راتوں تک گرہن رہے۔

[1] ابن ضمرۃ سعدی کہتے ہیں کہ میں نے مدینے میں ایک بزرگ کو دیکھا، جو وعظ فرما رہے تھے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا یہ ابی بن کعب ہیں تو انھوں نے (ابی بن کعب) نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو کہا۔

اے بیٹو: جنت کے پھلوں کو کھانے کا دل چاہ رہا ہے تو بیٹے چلے گئے، تاکہ جنت کے پھل تلاش کر کر لائیں، سامنے سے ان کو فرشتے مل گئے جن کے ساتھ کفن اور خوشبو تھی، اور (قبر کھودنے کے آلات) بیلچے، پھاوڑے، ٹوکری وغیرہ اشیاء تھیں تو فرشتوں نے آدم کے بیٹوں سے پوچھا: اے بنی آدم کہاں اور کس چیز کی تلاش میں جارہے ہو؟ کہا ہمارے والد مریض ہیں اور جنت کے پھل کھانے کو ان کا جی کر رہا ہے، تو فرشتوں نے کہا، واپس چلو تمہارے والد کا وقت پورا ہو گیا ہے، تو سب واپس آگئے حضرت حواء نے فرشتوں کو دیکھا تو پہچان لیا (کہ یہ فرشتے ہیں اور کس مقصد کے لئے آئے ہیں) تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے پناہ مانگنے لگیں (تاکہ فرشتے چھوڑ دیں) تو حضرت آدم نے حضرت حواء کو فرمایا مجھے چھوڑ دو اپنے پاس سے، میں تجھ سے پہلے کا پیدا ہوا ہوں، لہذا میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان راستہ خالی کر دو۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کرلی، اور پھر غسل دیا، کفن دیا خوشبو لگائی۔

---

[1] وقد قال عبدالله ابن الامام احمد: حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا حماد بن سلمة عن حميد، عن الحسن، عن يحيیٰ، هوابن حمزه السعدی ، قال ......

پھر گڑھا کھودا قبر بنائی اور پھر حضرت آدم پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر میں رکھا، اوپر سے مٹی ڈالی، پھر کہا اے آدم کی اولاد یہ تمہاری سنت اور طریقہ ہے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

[1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔

اور حضرت ابو بکرؓ نے بھی حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھانے میں چار تکبیریں کہیں اور حضرت صہیب نے حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ [2]

اور اہل علم کا ان کی قبر کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ اس پہاڑ کے پاس مدفون ہیں جہاں وہ ہند میں اس کے پاس اترے تھے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ میں جبل ابی قبیس کے پاس ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان کا وقت قریب آیا تو حضرت نوح نے اماں حواء اور ابا آدم علیہ السلام کی نعش مبارکوں کو اٹھا کر بیت المقدس میں دفن کرادیا تھا اس کو ابن جریر نے نقل فرمایا ہے۔

ابن عساکرؒ بعض اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام کا سر مسجد ابراہیم کے پاس ہے اور پاؤں بیت المقدس کی چٹان کے پاس، اور حواءؑ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے صرف ایک سال بعد ہی وفات پاگئیں تھیں۔

اور حضرت آدمؑ کی عمر کی مقدار کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، لیکن پہلے ہم ابن عباسؓ والی ہریرہؓ کی حدیث سے ذکر کر چکے ہیں کہ لوح محفوظ میں ان کی عمر ایک ہزار سال لکھی ہوئی تھی، اور اس بات کے وہ معارض و مقابل نہیں ہو سکتی جو تورات میں ہے کہ حضرت آدم نو سو تیس سال زندہ رہے اس لئے کہ وہ کتاب تورات میں تحریف کر چکے ہیں، اور ان کا یہ قول طعن شدہ اور مردود ہے کیونکہ وہ مخالف ہے اس حق کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور محفوظ ہے جبکہ وہ کتاب تورات میں طرح طرح کی تبدیلی کر چکے ہیں۔

اور ہاں دونوں کے درمیان موافقت و جمعیت بھی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ اگر وہ جو تورات میں ہے اگر محفوظ مان لیا جائے اور اس طرح وہ من جانب اللہ ہو گا تو ہم یہ کہیں گے کہ اس مدت سے مراد وہ مدت ہے جو جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد انہوں نے بسر کی، اور وہ نو سو تیس سال شمسی ہوں گے، اور یہ قمری اعتبار سے نو سو ستاون سال بنیں گے، اور ان میں وہ تراليس سال جمع کر لئے جائیں گے جو جنت میں بسر کئے، اس طرح ہزار سال والی ہماری حدیث اور نو سو تیس سال تورات میں مذکور، دونوں صحیح ہو جائیں گے۔

عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وفات فرما گئے تو مخلوق خدا سات دنوں تک گریہ وزاری میں مصروف رہی ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا۔

پھر جب حضرت آدم وفات پا چکے تو ان کے معاملات کے نگہبان حضرت شیث علیہ السلام بن آدمؑ بنے، وہ بھی نبی تھے، اور پہلے حدیث گزر چکی کہ حضرت ابی ذر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے شیثؑ پر پچاس صحیفے نازل فرمائے تھے۔

---

[1] وروى ابن عساكر من طريق شيبان بن فروخ، عن محمد بن زياد، عن ميمون بن مهران، عن ابن عباس، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال، الخ . [2] قال ابن عساكر و رواه غيره عن ميمون فقال عن ابن عمر

جب حضرت شیث علیہ السلام کی وفات کا وقت بھی قریب آن پہنچا تو انھوں نے بھی اپنے فرزند انوش کو معاملات سپرد کر دیئے، انوش کے بعد اس کا ولی عہد قینن بنا، اس کے بعد قینن کا فرزند مہلائیل بنا، اور ایرانی عجمی لوگ انہی کے بارے میں خیال رکھتے تھے کہ یہ سات ولایتوں کے بادشاہ بنے اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے جنگلات کا قلع قمع کر کے شہروں اور قلعوں کی بنیاد ڈالی، اور انہی نے شہر بابل اور شہر سوس کو آباد کیا۔

اور ابلیس اور اس کے لشکریوں جنوں وغیرہ کو بھی مار مار کر زمین کی آبادی سے بھگا کر ویرانیوں اور گھاٹیوں میں دھکیل کیا، اور جنوں کی شریر مخلوق میں سے بہت سوں کو قتل کیا، اور ان کا ایک بڑا عظیم تاج بھی تھا، اور یہ لوگوں کو وعظ بھی فرماتے تھے، ان کی بادشاہی چالیس سال رہی۔

جب ان کی بھی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے اپنے فرزند خنوخ کو اپنے بعد کے کاموں کی وصیت کی، اور مشہور اقوال کے مطابق یہی خنوخ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ السلام تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

حضرت ادریس علیہ السّلام کا قصہ

قرآن مجید میں فرمان خداوندی ہے، اور (اے نبی) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے نبی تھے، اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔[1]

اللہ عزو جل نے حضرت ادریسؑ کی تعریف فرمائی اور ان کو وصف نبوت اور صدیقیت سے موصوف فرمایا، اور یہ مذکورہ خنوخ ہی ہیں اور کئی علماء کے بیان کردہ حضور ﷺ کے نسب میں یہی آگے جاکر مل جاتے ہیں اور حضرت آدم و شیث علیہما السلام کے بعد سب سے پہلے نبوت انہی کو عطا ہوئی اور علامہ ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ دنیا کا پہلا شخص جس نے قلم کے ساتھ لکھا حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں، انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کے تین سو آٹھ سال دیکھے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث میں جو نبی مذکور ہیں وہ یہی ہیں، حدیث یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم نے حضور ﷺ سے خط رمل کے لکھنے کے بارے میں سوال کیا؟ (جس میں ریت پر کچھ خاص لکیریں کھینچ کر کچھ معلوم کیا جاتا ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک ایک پیغمبر تھے جنھوں نے یہ لکھا، لہذا جس شخص کا خط ان کے موافق ہو جائے تو اچھا ہے، اور علماء تفسیر والاحکام میں سے اکثر کا کہنا ہے کہ پہلے شخص جنھوں نے دین کے بارے میں وعظ و خطاب کا سلسلہ ڈالا وہ یہی ہیں، اور ان کو ہرمس الہرامسہ کے نام سے پکارتے تھے، اسی وجہ سے ان کی طرف بہت سے جھوٹے من گھڑت قصوں کی نسبت کردی گئی جس طرح دوسرے انبیاء اولیاء حکماء کی طرف بھی کی گئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے ان کو اونچے رتبہ پر بلند کیا، اس سے کیا مراد ہے، صحیح بخاری و مسلم میں معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معراج کی رات آسمانوں میں ان کے پاس سے گزر ہوا اور یہ چوتھے آسمان میں تھے۔

[2] ہلال بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا کہ اس (مذکورہ) آیت کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت کعبؓ نے فرمایا: اللہ عزو جل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، کہ میں تمھیں ہر روز تمام بنی آدم کے اعمال کے برابر درجات دیتا ہوں، شاید مراد اس وقت اپنے زمانے کے تمام بنی آدم ہیں، تو حضرت ادریسؑ نے چاہا کہ پھر تو اعمال میں اور اضافہ ہونا چاہئے پھر جب ان کے پاس ان کے دوست فرشتے آئے تو انھوں نے ان سے کہا کہ اللہ نے میرے پاس ایسے ایسے وحی بھیجی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ ملک الموت سے بات کروں (اور پوچھوں کہ کب تک میری زندگی اور باقی ہے؟) تاکہ مزید میرے اعمال نامے میں ہر روز کے اتنے اتنے درجے بڑھ جائیں تو فرشتے نے ان کو پروں پر اٹھایا اور

---

[1] مریم ۵٦، ۵۷ [2] وقد روی ابن جریر عن یونس، عن عبدالاعلی، عن ابن وهب، عن جریر بن حازم، عن الاعمش، عن شمر بن عطیه، عن هلال بن یساف قال

لے کر آسمان کی طرف بلند ہو گیا تو جب یہ چوتھے آسمان میں پہنچے تو ان کی ملک الموت سے ملاقات ہو گئی جو اتر رہے تھے حضرت ادریسؑ کے دوست فرشتے نے ملک الموت سے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کی، تو ملک الموت نے پوچھا ادریس کہاں ہیں؟ تو فرشتے نے کہا میری پشت پر، ملک الموت نے کہا واہ تعجب ہے، مجھے پروردگار کی طرف سے کہہ کر بھیجا گیا کہ ادریسؑ کی روح چوتھے آسمان میں قبض کر لو، تو میں نے کہا، وہ تو زمین میں ہیں، ان کی روح چوتھے آسمان میں کیسے قبض کروں؟ تو پھر ملک الموت نے وہیں ان کی روح قبض کر لی، تو یہ ہے مطلب اللہ عزوجل کے اس فرمان کا۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔

ابن ابی حاتم نے بھی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ادریسؑ نے دوست فرشتے سے کہا کہ ملک الموت سے میرے بارے میں سوال کر کہ میری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ تو فرشتے نے ملک الموت سے سوال کیا، جبکہ حضرت ادریس بھی ساتھ تھے، تو ملک الموت نے کہا کہ میں جب تک اس کو دیکھ نہ لوں تو نہیں جان سکتا (اور بتا سکتا) پھر ملک الموت نے حضرت ادریسؑ کو دیکھ لیا تو فرشتے سے کہا آپ مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کر رہے ہیں جس کی زندگی سوائے پلک جھپکنے کے وقت کے برابر اور زیادہ نہیں رہی، پھر فرشتے نے پر کے نیچے حضرت ادریس کو دیکھا تو ان کی وفات ہو چکی تھی اور فرشتے کو کچھ علم نہ ہوا۔

اور یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے، اور اس کے بعض راویوں میں نکارۃ ہے اور اسی آیت کے بارے میں مجاہدؒ، ابن ابی نجیح کے قول کو نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں پر اٹھا لئے گئے ہیں لیکن ان کی وفات نہیں ہوئی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام لیکن اگر یہ مراد ہے کہ اب تک وفات نہیں ہوئی تو اس کلام میں کچھ لچک ہے کیونکہ پہلی روایت کے یہ بات معارض ہو گی، اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ دنیا سے آسمان پر زندہ اٹھائے گئے لیکن وہاں روح قبض کر لی گئی ہے تو پھر پہلی روایت جو حضرت کعب احبار سے منقول ہے، اس میں اور اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہو گا، واللہ اعلم

اور اس آیت کے بارے میں عوفیؒ، حضرت ابن عباسؓ کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا، حضرت ادریسؑ چھٹے آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے پھر وہاں وفات ہوئی اور حضرت ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے۔

لیکن متفق علیہ حدیث یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے اور مجاہدؒ اور بہت سے حضرات کا یہی قول ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس آیت سے مراد ہے کہ ان کو جنت میں اٹھا لیا گیا ہے اور کہنے والے کہتے ہیں کہ ان کو اپنے والد یرد بن مہلائیل کی زندگی میں ہی اٹھا لیا گیا تھا۔

اور بعض حضرات نے یہ خیال بھی کیا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے۔

امام بخاریؒ حضرت ابن مسعودؓ و حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت

الیاس[۱] علیہ السلام ہی حضرت ادریسؑ ہیں اور اس بارے میں وہ دلیل لیتے ہیں اس حدیث سے جو زہریؒ حضرت انسؓ سے معراج کی حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ حضرت ادریسؑ کے پاس سے گزرے تو حضرت ادریس نے حضور ﷺ کو فرمایا مرحبا ہو صالح بھائی کو اور صالح نبی کو۔

تو یہاں انھوں نے حضور کو یوں نہیں کہا جس طرح حضرت ابراہیمؑ وآدمؑ نے کہا تھا کہ مرحبا ہو صالح نبی کو اور صالح بیٹے کو، تو اگر یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوتے تو ان سے حضور ﷺ کا نسب ملتا اور یہ بیٹے کے لفظ سے پکارتے۔

لیکن یہ بات اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی کیونکہ کبھی راوی کا حافظہ جید (عمدہ) نہیں ہوتا، یا اگر روایت صحیح بھی ہو تو تب بھی حضرت ادریس کے قول سے یہ مراد ہو سکتا ہے کہ انھوں نے تواضع اور عاجزی کی بناء پر بھائی سے پکارا ہو اور حضور ﷺ کے سامنے اپنے کو والدیت کے مقام میں کھڑا کرنا مناسب نہ جانا ہو، اور دوسرے دو پیغمبر آدم علیہما السلام وابراہیم علیہ السلام کی اور بات ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تو ہیں ہی تمام انسانوں کے والد "ابو البشر" اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ رحمٰن کے دوست ہیں خلیل الرحمٰن اور آپ علیہ السلام کے بعد سب سے اولوالعزم بڑے پیغمبر، لہٰذا ان پر ان کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

---

[۱] اس نبیؑ کا نام بھی قرآن میں سورۂ ص میں مذکور ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

حضرت نوح علیہ السّلام کا قصہ

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ :-

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے۔ نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ، (خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں)، بن یرد بن مہلائیل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام۔

ان کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد میں ہوئی ابن جریر وغیرہ کا یہی قول ہے، اور اہل کتاب کے ہاں ایک سو چھیالیس سال کا وقفہ ہے لیکن حضرت آدم و نوح کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں ابن حبان کا یہی قول ہے اور اس کی نسبت سے ایک روایت بھی وہ نقل کرتے ہیں کہ [1] ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال عرض کیا، یارسول اللہ کیا آدم نبی تھے؟ فرمایا جی ہاں ان کو خدا سے کلام کا بھی شرف حاصل ہے پھر عرض کیا تو اچھا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا دس قرون (زمانے) [2] اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانے تھے اور سب (زمانے والے) اسلام پر تھے، تو اگر قرن میں (زمانے) سے مراد سو سال ہوں جیسے کہ (لغت) اور اکثر لوگوں کے نزدیک یہی مقدم ہے تو پھر ضروری طور پر دونوں نبیوں کے درمیان ہزار سال کا عرصہ ہوگا لیکن حضرت ابن عباس کے فرمان کے مطابق کہ وہ اسلام پر تھے، یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف یہ دس زمانے والے (مسلمان) ہی ہوں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کچھ اور اہل زمانہ بھی ہوں جو اسلام پر نہ ہوں (کیونکہ قرآنی آیت کے مطابق حضرت نوح کی بعثت کے وقت بہت سے مشرکین بھی تھے)

لیکن ابی امامہ کی حدیث صرف دس زمانوں کے انحصار پر دلالت کرتی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے اسلام کی زیادتی ذکر فرمائی ہے، تو حضرت ابن عباسؓ کا یہ فرمان ان اہل تاریخ اور اہل کتاب کے اقوال کو رد کرتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ قابیل اور اس کی اولاد آگ کے پرستار ہو گئے تھے، واللہ اعلم۔

اور اگر حدیث کے زمانوں سے مراد ہم لوگوں کے گروہ لیں، یعنی ایک زمانہ ایک پشت تک کے لوگوں کے لئے ہو، جیسے قرآن میں ہے، اور ہم نے نوحؑ کے بعد کتنے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے [3] اور دوسری جگہ ہے، پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو پیدا کر دیا۔ [4] اور جگہ ہے اور ان سے پہلے ہم نے کتنے گروہ ہلاک کر دیئے، [5] اور حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، الحدیث

تو پھر دس زمانوں سے مراد کئی ہزار سال ہونگے اور دونوں نبیوں کے درمیان کئی ہزار سال کا وقفہ ہوگا،

---

[1] قال ابو حاتم بن حبان فی صحیحه حدثنا محمد بن عمر بن یوسف، حدثنا محمد بن عبدالملك بن زنجویه، حدثنا ابو توبة، حدثنا معاویة بن سلام، عن اخیه زید بن سلام سمعت ابا سلام ابا امامة،

[2] وهذا علی شرط مسلم ولم یخرجه

[3] سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۷۔ [4] سورۂ مومنون آیت ۳۱۔ [5] مریم ۷۴۔۹۸

کیونکہ اس وقت لوگوں کی عمریں طویل ترین ہوتی تھیں (جیسے حضرت آدم کے قصے میں کئی پشتوں کا ذکر ہوا کہ تقریباً ہر آدمی ہزار ہزار سال کی عمر کے قریب گزرا) واللہ اعلم

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے اس وقت بھیجا، جب بتوں اور شیطانوں کی عبادت کی جانے لگی، اور لوگ گمراہی اور ضلالت کے گڑھوں میں دھنس گئے، تب اللہ نے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ان کو رسول بنا کر بھیجا، تو اس طرح یہ پہلے رسول ہوئے جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے، جیسے کہ قیامت کے روز اہل محشر بھی کہیں گے۔

(اور ان سے پہلے کے تینوں حضرات آدم و شیث و ادریس پیغمبر دنبی تھے)

اور ابن جبیر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی قوم کو بوراسب کہا جاتا تھا۔

اور ان کی بعثت کے وقت کی عمر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول ہے پچاس سال عمر تھی دوسرا قول ہے تین سو پچاس سال عمر تھی، تیسرا قول ہے جس کو ابن جریرؒ نے نقل کیا کہ چار سو اسی سال عمر تھی، اور تیسرا قول حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی منسوب ہے۔

نوح علیہ السّلام کے بارے میں قرآنی آیات

اللہ نے ان کے اور ان کی قوم کے قصے کو قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے اور ان کی قوم کے کافروں پر عذاب، طوفان نوح، کشتی وغیرہ بہت سے امور کو مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے اعراف، یونس، ھود، انبیاء، مومنوں، شعراء، عنکبوت، صافات، قمر، پوری سورۂ نوح ان تمام سورتوں میں ان کے قصے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے (ان سے) کہا اے میری برادری کے لوگو خدا کی عبادت کرو اس کے سواء تمہارا کوئی معبود نہیں، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے تو جو ان کی قوم میں سردار تھے، وہ کہنے لگے ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں، انھوں نے کہا اے قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو، کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی، تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم پرہیزگار ہو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو تو بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا (ترجمہ) (اے محمد ﷺ) اور ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سناد و جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! اگر تم کو میرا تمہارے اندر رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت

[1] سورۂ اعراف آیت ۵۹ تا ۶۴۔

کرنا ناگوار ہو تو میں تو خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں تم اپنے شریکوں کی ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تم کو معلوم ہو جائے اور کسی سے) پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو مجھے مہلت نہ دو، اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو خدا کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں، لیکن ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کی ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچالیا اور انہیں (زمین مین) خلیفہ بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا، تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیا انجام ہوا۔[1]

اور اللہ عزوجل نے سورۃ ھود میں فرمایا (ترجمہ) اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انھوں نے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور (پیغام پہنچانے کے لئے) آیا ہوں، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت دردناک عذاب کا خوف ہے تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنی درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور تعمق سے) اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہے جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو، اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال وزر کا خواہاں نہیں ہوں میرا صلہ تو خدا کے ذمہ ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو، اور برادران ملت اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) خدا سے (بچانے کے لئے) کون میری مدد کر سکتا ہے، بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ خدا ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا، جو ان کے دلوں میں ہے اسے خدا خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں، انھوں نے کہا کہ نوح تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر نازل کرو نوح نے کہا اس کو تو خدا چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے، اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے کہہ دو کہ اگر میں نے دل سے بنالیا ہے تو میرے گناہوں کا وبال مجھ پر اور جو تم گناہ کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں، اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو یہ کام کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ،

---

[1] سورۃ یونس آیت ۷۱-۷۳

اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے تو نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا ہر قسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا (یعنی دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو، اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے، (نوح نے) کہا کہ خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھیں) اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو (کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں میں شامل نہ ہو، اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جالگوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا، انھوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر خدا رحم کرے اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا، اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا، تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت، اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے (تو اس کو بھی نجات دے) آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ سب سے بہتر حاکم ہیں، خدا نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے، وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان مت ہو، نوح نے کہا پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اگر آپ مجھے نہیں بخشیں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میں تباہ ہو جاؤں گا، حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہاری جماعت پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ، اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محفوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا، یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور (نوح کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) پیشتر انھوں نے ہمیں پکارا ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی، اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان پر نصرت بخشی، وہ بے شک برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔[2]

---

[1] سورۃ ھود آیت ۳۵ تا ۴۹۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ مومنون میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی تمہارا معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور خدا چاہتا تو فرشتے اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی، اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو (نوح نے کہا) کہ پروردگار ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے آپ میری مدد فرمائیں پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم آپہنچے اور تنور (پانی سے) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھالو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نسبت ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (خدا کا شکر کرنا اور) کہنا کہ یہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی، اور (یہ بھی) دعا کرنا اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ پر اتاریو اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں، بے شک اس قصے میں نشانیاں ہیں اور ہم تو آزمائش کرنے والے ہیں۔ [۲]

اور اللہ تعالیٰ سورۃ شعراء میں فرماتے ہیں (ترجمہ) قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس کام کا صلہ تم سے نہیں مانگتا میرا صلہ تو خدائے رب العالمین ہی پر ہے اور خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو، وہ بولے کیا ہم تم کو مان لیں اور تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہوئے ہیں۔ (نوح نے) کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش تم سمجھو، اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں، انھوں نے کہا کہ نوح اگر تم باز نہیں آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے، (نوح نے) کہا کہ پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا، سو تو میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ (عذاب نازل کرنے کا) فرمادے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچالے، پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے ان کو بھی بچالیا، پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا، بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ [۳]

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس (۹۵۰ سو سال) رہے، پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے پکڑا، اور وہ ظالم تھے پھر ہم نے نوح اور کشتی والوں کو نجات دی، اور کشتی کو اہل عالم کے لئے نشانی بنادیا۔ [۴]

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم کو نوح نے پکارا سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں، اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی، اور ان کی

---

[۱] سورۃ الانبیاء آیت ۷۶۔۷۷
[۲] سورۃ المومنون آیت ۲۳ تا ۳۰
[۳] سورۃ شعراء آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲۔
[۴] سورۃ العنکبوت آیت ۱۴۔۱۵۔

اولاد کو ایسا کیا کہ وہ باقی رہ گئے اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا، (یعنی) تمام جہان میں (کہ) نوح پر سلام ہو، نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا[1]

اور اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں (ترجمہ) ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انھوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی، تو انھوں نے پروردگار سے دعا کی کہ (بارالہا) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے، پس ہم نے زور کے مینہ سے اپنے آسمان کے دہانے کھول دیئے، اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا، اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے، اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا کر چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے، سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟[2]

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق ایک مکمل سورۃ نوح کے نام سے نازل فرمائی جو کہ دو رکوع پر مشتمل ہے، (ترجمہ) شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت کر دو انھوں نے کہا کہ بھائیو میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں، کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا، (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا، جب خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی، کاش تم جانتے ہوتے، جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے جب جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے، پھر میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا، اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا، اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے مینہ برسائے گا، اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تم کو باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہا دے گا، تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) میں پیدا کیا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا اور سورج کو چراغ ٹھہرایا، اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا، پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور اسی سے تم کو نکال کھڑا کرے گا، اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا، تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو، (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں

---

[1] سورۃ صافات آیت ۷۲۔ ۷۵۔
[2] سورۃ القمر آیت ۹ تا ۱۷

دیا، اور انھوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں، اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود، اور سواع، اور یغوث، اور یعوق اور نسر[1] کو کبھی ترک نہ کرنا، (پروردگار) انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تو تو ان کو اور گمراہ کردے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب (پہلے) غرقاب کردیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، تو انھوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور (پھر) نوح نے یہ دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے، اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی، اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لاکر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور تباہی بڑھا۔[2]

اور ہم نے اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں تمام آیات کے متعلق گفتگو کی ہے، اور ان تمام آیات مذکورہ کا خلاصہ اور تشریح و مطلب آگے بیان کریں گے (انشاء اللہ) اور اسی طرح ان کے متعلق احادیث اور بزرگوں کے اقوال کو بھی ذکر کریں گے۔

اور قرآن پاک میں مختلف مقامات پر حضرت نوح علیہ السلام کی مدح اور ان کے مخالفین کی مذمت بھی ذکر کی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح (علیہ السلام) اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمان (علیہم الصلوۃ والتسلیمات) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد (علیہ السلام) کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کرچکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے اور موسیٰ (علیہ السلام) سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔ (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید میں فرمایا (ترجمہ) اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کردیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے، اور ہم نے ان کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشے (اور) سب کو ہدایت دی، اور پہلے نوحؑ کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤدؑ و سلیمان اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ (علیہم الصلوۃ والتسلیمات) کو بھی، اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی یہ سب نیکوکار تھے اور اسمٰعیلؑ اور الیسع (علیہ السلام) اور یونسؑ اور لوط (علیہ السلام) کو بھی، اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی، اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی،

---

[1] ود اور سواع، یغوث، یعوق اور نسر بتوں کے نام ہیں (مترجم)

[2] مکمل سورۃ نوح

[3] سورۃ النساء آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵۔

اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا...... الخ[۱] اور ان کا قصہ سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سورہ براۃ میں فرماتے ہیں (ترجمہ) کیا ان کو ان لوگوں کے (حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عادؑ اور ثمود (علیہما السلام) کی قوم اور ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے اور خدا تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔[۲] اور ان کا قصہ سورہ یونس اور ھود میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا (ترجمہ) بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عادؑ اور ثمودؑ کی قوم اور جو ان کے بعد تھے، جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، (جب) ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کے بارے میں قوی شک میں ہیں۔[۳]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ اسراء میں فرمایا (ترجمہ) اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے[۴] اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا، (ترجمہ) اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا، اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا کافی ہے۔[۵] اور ان کا قصہ سورۃ انبیاء اور سورۃ المومنون اور شعراء اور عنکبوت میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم (علیہم السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) سے اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔[۶]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ صٓ میں فرمایا (ترجمہ) ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں، اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی، یہی وہ گروہ ہیں ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آواقع ہوا۔[۷]

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں (ترجمہ) ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بے ہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہیں تاکہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا، اور اسی طرح کافروں کے بارے میں بھی تمہارے پروردگار کی بات پوری ہو چکی ہے کہ وہ اہل دوزخ (میں سے) ہیں۔[۸]

۱۔ سورۃ الانعام آیت ۸۳ تا ۸۷۔
۲۔ سورۃ توبہ آیت ۷۰۔
۳۔ سورۃ ابراہیم آیت ۹۔
۴۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۔
۵۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۸
۶۔ سورۃ احزاب آیت ۸۔
۷۔ سورۃ صٓ آیت ۱۲۔۱۳۔
۸۔ سورۃ المومن آیت ۵ تا ۶۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (ترجمہ) اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا حکم) نوح کو دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔[۱]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (ترجمہ) ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں والے اور ثمود کی قوم جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی (بھی) اور بن کی قوم اور تبع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید بھی پوری ہو کر رہی۔[۲]

اور سورۃ الذاریات میں فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) اور اس سے پہلے ہم قوم نوح کو (ہلاک کر چکے تھے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔[۳]

اور سورۃ نجم میں فرمایا (ترجمہ) اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہلاک کر ڈالا کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔[۴] اور سورۃ القمر میں ان کا واقعہ گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں دوسری جگہ فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم نے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلہ) کو وقتاً فوقتاً جاری رکھا تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں سے خارج از اطاعت ہیں۔[۵]

اور سورۃ تحریم میں فرماتے ہیں (ترجمہ) خدا نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کی ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔[۶]

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ، حال احوال قرآن و احادیث سے ماخوذ ہے، اور یہ تو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانوں کا فاصلہ تھا، یعنی دس پشتیں تھیں اور سب اسلام پر تھے، بخاریؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور قرن (زمانے) سے مراد گروہ ہے یا مدت سو سالہ پھر ان دس اسلامی زمانوں کے بعد ایسے اور لوگ پیدا ہو گئے کہ یہ آخری لوگ بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ (قوم نوح والے) کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، اور ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر (ان تمام معبودوں میں سے) کسی کو نہ چھوڑنا اور در حقیقت یہ نام ان سے پہلے نیک لوگوں کے نام تھے، جب یہ دنیا سے چلے گئے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کی مجلسوں میں جاؤ اور ان کے جیسے دوسرے ہمشکل بنا کر انہی کے نام سے رکھ لو، تو انھوں نے ایسا کر دیا لیکن عبادت نہ کی، پھر جب یہ لوگ بھی چلے گئے تو ان کے بعد والے آئے اور علم بھی اٹھ چکا تھا تو پھر یہ اپنے آباء و

۱۔ سورہ شوریٰ آیت ۱۳۔ ۲۔ سورہ ق آیت ۱۲ تا ۱۴۔ ۳۔ سورۃ الذاریات آیت ۴۶۔
۴۔ سورۃ النجم آیت ۵۲۔ ۵۔ سورۃ الحدید آیت ۲۶۔ ۶۔ سورۃ التحریم آیت ۱۰

اجداد کی یادگاروں کو پوجنے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ بت بعد میں عرب قوم میں بھی رائج ہو گئے تھے، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے۔

[1] ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن قیس سے مروی ذکر کرتے ہیں، حضرت آدم و نوح علیھما السلام کے درمیان سب اقوام صالح اور مسلمان گزریں اور ان کے پیروکار بھی ان کی اتباع کرنے والے تھے، پھر جب یہ سب چلے گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا اگر ہم ان کی صورتیں بنالیں تو ان کی یاد میں ہم (اپنے پروردگار حق کی) صحیح عبادت کرسکیں گے، تو انھوں نے ان کی شکلیں بنالیں تو جب یہ بھی وفات پاگئے اور دوسرے لوگ آگئے، تو ابلیس نے ان کو وسوسے میں ڈالا اور کہا کہ ہمارے پہلے آباء جنھوں نے ان کو بنایا وہ بھی انہی کی عبادت کرتے تھے اور انہی سے بارش (اور دوسری چیزیں) طلب کرتے تھے، لہذا سب ان کی عبادت میں لگ گئے۔

ابن ابی حاتم، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ (اللہ کے فرمان میں ان کے معبودوں کے جو نام ہیں) ود، یغوث، یعوق، سواع، نسر یہ سب حضرت آدم کی اولاد ہیں، اور ان سب میں سے بڑا اور نیک صالح ود تھا۔

[2] حضرت ابو جعفر باقر نماز پڑھ رہے تھے آپ کے گرد کچھ لوگ جمع تھے انھوں نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا، تو جب حضرت ابو جعفر باقر نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا تم نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا، بہر حال وہ ایسی زمین میں قتل ہوا ہے، جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کی گئی، وہ غیر اللہ ود، تھا (جس کا سورۃ نوح میں ذکر آیا) جو بہت نیک صالح مرد تھا، اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ اس کی قبر کے اردگرد جھک پڑے اور قبر کی زمین وہ بابل کے شہر میں تھی، تو انھوں نے اس کی قبر پر گریہ وزاری میں ماتم برپا کردیا، ابلیس لعین نے جب ان کے اس قدر غم و فکر کو دیکھا تو ایک انسانی صورت میں ان کے پاس آیا، اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اس مرد پر بہت آہ و زاری میں مصروف ہو، تو کیا میں تمہارے لئے اس مرد صالح کی صورت نہ بنادوں؟ جس کو تم اپنی مجلس گاہ میں سجا کر رکھ دو، اور دیکھ دیکھ کر اس کی یاد میں اپنے کو تسکین دو، سب نے کہا کیوں نہیں؟ تو شیطان لعین نے اس کی صورت بنادی تو لوگوں نے اس کو اپنی مجلس گاہ میں رکھ دیا، اور برابر اس کا ذکر چھیڑے رکھتے، تو شیطان نے (ترقی کرتے ہوئے) جب دیکھا کہ یہ ان کی یاد وذکر میں بہت ہی منہمک ہیں تو ان سب کو کہا کیا میں تم سب کے لئے ایک ایک اس کی شکل نہ بنادوں تم سب اپنے اپنے گھر رکھ لینا، تو سب نے کہا صحیح ہے تو شیطان نے سب کو ایک ایک شکل بنادی، تو گھروں میں ان کا ذکر و یاد رہتی جب ان کی اولاد ہوئی اور انھوں نے اپنے آباء کو دیکھا، اور آباء نے بھی ان کو وصیت کی کہ ہمارے بعد اس کا ذکر یاد رکھنا، تو جب آباء چلے گئے تو ان کی اولاد نے اس کو اپنا معبود بنالیا، تو اس طرح سب سے پہلے یہ غیر اللہ دنیا میں معبود غیر حق بنایا گیا جس کا نام ود تھا، جس نے خود

---

[1] وقال ابن جریر فی تفسیرہ حدثنا ابن حمید، حدثنا مهران، عن سفیان، عن موسی، عن محمد بن قیس، قال

[2] قال ابن ابی حاتم، حدثنا احمد بن منصور، جدثنا الحسن بن موسی، حدثنا یعقوب عن ابی المطهر، قال ذکروا عند ابی جعفر، هوالباقر، وهو قائم یصلی یزید بن المهلب قال فلما انفتل من صلاته ......الخ

اپنے کو اللہ کا ادنی بندہ غلام بنا کر رکھا تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام بتوں کی ابتداء جن کو بھی لوگوں نے پوچھا ان سب کی ابتداء اس بت سے پڑی، اور مذکور ہے کہ جب اس شکل کو کافی عرصہ گزر گیا تو اس کے پجاریوں نے اس کو ایک مجسمے کی شکل میں بنالیا پہلے تو صرف صورت تھی، اس طرح ان کا معبود پہلے سے مضبوط وثابت ہو گیا، اور اس کے علاوہ دوسرے بت جن کا قرآن میں اسی کے نام کے ساتھ ذکر ہے (توان دوسرے تمام بتوں کی ابتدا) اسی سے پڑی، پھر جب کچھ عرصہ بیت گیا توان کے پجاریوں نے ان بتوں ،اپنے معبودوں کو مزید ترقی دی، اس طرح سے کہ پہلے تو یہ محض صورتیں تھے اب ان کے باقاعدے مجسمے بناڈالے تاکہ یہ مضبوط وثابت ہو جائیں اور اب تک توان کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت ہورہی تھی، پھر نعوذ باللہ اللہ کی عبادت کو بالکل ترک کر کے ان پر مرمٹے اور بتوں کی عبادت میں ان کے پجاریوں کے بہت سے مسلک ہیں جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور اللہ ہی کے لئے اس پر تمام تعریفیں اور احسان ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جو انھوں نے حبشہ کی زمین میں دیکھا تھا، جس کو ماریہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور دونوں ام المومنین نے اس کے حسن اور اس کے اندر لگی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا، تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، وہ لوگ ایسے تھے جب ان میں سے کوئی نیک صالح شخص وفات کر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر ایک مسجد (سجدہ گاہ) بنالیتے، پھر اس شخص کی صورت بنا کر اس میں رکھ لیتے یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق تھے۔

تو پہلے رسول جو ارض دنیا کی طرف بھیجے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے۔[1] کہ شفاعت کے بارے میں ہے کہ حضرت ابی ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، قیامت کے دن لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ ابو البشر (انسانیت کے باپ) ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو حکم کیا، تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا، تو کیا آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے ہاں سفارش نہ کریں گے؟ کیا آپ نہیں ملاحظہ فرمارہے کہ ہم کس مصیبت سے دوچار ہیں اور کیا تکلیف ہم کو پہنچ رہی ہے؟ تو حضرت آدمؑ فرمائیں گے میرا پروردگار آج کے دن سخت غضب میں ہے، اتنے غضب میں نہ پہلے کبھی ہوئے اور نہ کبھی بعد میں ہوں گے، اور میرے پروردگار نے مجھے اس درخت سے منع فرمایا تھا، لیکن مجھ سے نافرمانی ہو گئی، (ہائے) میری جان (ہائے) میری جان، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم جاؤ نوح کے پاس۔

پھر یوں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول تھے، اللہ نے آپ کو عبداً شکوراً شکر گزار بندے کا لقب عطا فرمایا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس قدر ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کیا آپ اپنے پروردگار کے پاس ہماری سفارش نہ کریں گے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے؟ آج کے

---

[1] من حدیث ابی حیان، عن ابی زرعة بن عمرو بن جریر، عن ابی ھریرة

دن میرا پروردگار سخت غضب میں ہے، اتنے غضب میں نہ پہلے کبھی آئے اور بعد میں کبھی ہوں گے، میرا نفس، میرا نفس، آگے پوری حدیث طویل مذکور ہے جیسے کہ امام بخاری نے حضرت نوح کے قصے میں اس کو راویت کیا ہے۔

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ یہ پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے تینوں حضرات حضرت آدم و شیث، ادریس علیہم السلام سب نبی و پیغمبر تھے۔

بہر حال جب اللہ عزوجل نے حضرت نوح کو بھیجا یعنی رسالت عطا فرمائی، تو آپ نے اپنی قوم کو خالص اللہ کی عبادت کے لئے بلایا، اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی صنم (بت)، کسی شکل، کسی شیطان کو نہ پوجو، اور اس ایک ذات کی وحدانیت کا اعتراف کرلو اور اس بات کو تسلیم کرلو کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اسی طرح دوسرے پیغمبروں نے بھی توحید وغیرہ کی دعوت دی اور بقیہ تمام پیغمبر و رسل انہی کے آل اولاد ہیں، جیسے قرآن میں ہے اور ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو باقی رہنے والوں میں کر دیا۔[1] اور دوسری جگہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے اور ہم نے ان دونوں (نوح و ابراہیم) کی اولاد میں نبوت کو باقی چھوڑا، یعنی حضرت نوح کے بعد کے تمام انبیاء و رسل سب انہی کی اولاد سے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یعنی وہ خود بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان کے بعد کے تمام انبیاء و رسل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے اور ان کے واسطے سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

تمام انبیاء کو توحید کی دعوت کے لئے کہا گیا

[2] قرآن کریم میں ہے:- اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی (خالص) عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔ [3] اور قرآن میں ہے، اور (اے محمد) جو اپنے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کرلو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے؟ کہ ان کی عبادت کی جائے، [4] اور فرمایا، اور (اے پیغمبر) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو۔ [5] اور اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کہا، اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف اور ڈر ہے،[6] اور ایک جگہ ہے نوح نے کہا نہ عبادت کرو مگر اللہ ہی کی میں تم کو تکلیف دہ دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ [7] اور نوح نے کہا، اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا پس تم نہیں ڈرتے، [8] اور جگہ ہے حضرت نوح نے فرمایا اے قوم بے شک میں تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو.....[1]

تو ان آخری چار جگہوں میں اللہ نے حضرت نوح کی اپنے قوم کو دعوت کو ذکر فرمایا جو توحید اور خالص

---

[1] صفات ۷۷ [2] الحدید ۲۶۔ [3] نحل ۲۶۔ [4] سورۃ زخرف آیت ۴۵۔
[5] الانبیاء ۲۵۔ [6] اعراف ۵۹۔ [7] ھود آیت ۲۶ [8] مومنون آیت ۲۳۔

عبادت الٰہی پر مبنی تھی، خصوصاً سورۃ نوح میں ذکر ہے کہ کس طرح انھوں نے اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے سمجھایا اور دن رات ایک کر کے سمجھایا، خفیہ سمجھایا اعلانیہ سمجھایا، کبھی رغبت کے ساتھ سمجھایا، کبھی وعید کے ساتھ سمجھایا، لیکن افسوس قوم کی بدبختی کہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئی اور یہ عظیم دعوت انہیں کارگر نہ ہوئی بلکہ اکثر لوگ حضرت نوح سے دشمنی پر اتر آئے، اور اپنی دشمنی ہر وقت وہر آن جاری رکھی، اور اپنی سرکشی، عداوت گمراہی میں دھنستے چلے گئے، اور بتوں کی عبادت میں اور زیادہ سے زیادہ لگ گئے، اور ان کے مقابلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی ذات پر کیچڑ اچھالا ان پر عیب لگائے اور ان پر ایمان لانے والوں کو طعنہ بازی کی، اور ان سب مومنین کو زمین میں گاڑنے اور وطن سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیں اور پھر صرف دھمکیوں پر بس نہیں بلکہ عملی قدم اٹھائے، اور طرح طرح سے ستایا، قرآن میں ہے، آپ کی قوم کے (سربرآوردہ لوگوں کی) جماعت نے کہا ہم تو بے شک تجھ (نوح) کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (نوح علیہ السلام نے) کہا: اے قوم میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے اور لیکن میں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول (قاصد) ہوں (یعنی جیسا تمہارا خیال ہے کہ میں گمراہ ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو سیدھے راستے پر ہوں اور اللہ رب العلمین کا قاصد ہوں) میں تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغامات، اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[۲]

اور یہ رسول کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے علوم کا حامل ہوتا ہے اور نہایت عمدہ صاف، فصیح بلیغ، خیر خواہانہ گفتگو کرتا ہے۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کے بارے میں وہ کفر کے نمائندے کہتے ہیں قرآن میں ہے، اور ہم نہیں دیکھتے تجھ کو، کہ تیری اتباع (و پیروی) کی ہو (کسی نے) سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا، اور کمزور رائے والے ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضل نہیں دیکھتے بلکہ ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں۔[۳]

انکو اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے۔[۴] اور پھر انھوں نے اسکے پیروکاروں پر طرح طرح کے عیب لگائے اور انہیں اپنے سے گھٹیا پست درجے کی مخلوق سمجھا، اور کہا گیا ہے کہ وہ پیروکار، عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آنے والے تھے۔

اور کمزور لوگوں کے مال وغیرہ کے اعتبار سے ہرقل کے دربار میں بھی جب کسی نے اسلام کے عناد میں کہا کہ حضور کے پیروکار تو ضعیف و کمزور لوگ ہیں تو ہرقل بادشاہ نے کہا، ہاں واقعی ایسا ہی ہوگا کیونکہ انکو کوئی مانع نہیں ہوتا، کہ وہ اسلام لے آئیں، (بخلاف امراء اور شرفاء کے ان کو اپنی عزتوں اور اموال کے ضائع ہونے کا خوف ہو جاتا ہے)

اور کفار نے جو کہا کہ حضرت نوح کے متبعین کمزور رائے والے ہیں اس سے ان کی مراد تھی کہ انھوں نے محض دعوت سن کر لبیک کہہ دیا، اور کوئی غور فکر نہ کیا، جبکہ یہ چیز جو انھوں نے عیب کی سمجھی وہ بالکل

---

[۱] نوح ۳ تا ۱۴ ایک [۲] اعراف ۶۰۔ [۳] ھود ۲۷۔
[۴] آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول کے انسان ہونے پر تعجب وانکار کرتے ہیں۔

تعریف کے لائق صفت ہے، کیونکہ حق تو ظاہر ہوتا ہے کسی نظر و فکر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ جیسے ہی وہ ظاہر ہوتا ہے اس کی اتباع اور پیروی واجب ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کی تعریف فرماتے ہیں، فرمایا میں نے جس کو بھی اسلام کی طرف بلایا (کم از کم اس نے) ایک مرتبہ تو ہچکچاہٹ کی مگر ابوبکرؓ انھوں نے (ذرہ بھر بھی) تاخیر نہ کی اسی وجہ سے جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کا ذکر چھڑا اور حضرت ابوبکرؓ کا اس کے لئے نام آیا تو لوگوں نے فوراً تیزی سے بیعت کے لئے لبیک کی اور کوئی سوچ وبچار غور فکر نہ کی۔

اس لئے کہ ان کی افضلیت و شرافت باقی تمام لوگوں پر روز روشن کی طرح کھلی تھی، اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے جب ارادہ فرمایا کہ صراحت کے ساتھ، خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز فرمادیں تو یہ کہہ کر رہنے دیا کہ اللہ اور مومنین سبھی (ہر کسی کا انکار) کریں گے سوائے حضرت ابوبکر کے (لہذا لکھنے کی کیا ضرورت ہے ؟) اور حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم کا حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کو کہنا کہ ہم تم کو اپنے پر کوئی فضیلت والا نہیں پاتے، اس سے ان کی مراد تھی، کہ جب تم ایمان کے ساتھ موصوف ہو چکے ہو تو پھر بھی ہم اپنے پر تمہاری کوئی فضیلت و بڑائی نہیں دیکھتے، اور کوئی بڑی چیز ظاہر نہیں ہوتی، قرآن میں ہے۔

پس حضرت نوح کی قوم کے کافروں کی جماعت نے کہا ہم تجھ کو صرف اپنے جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں اور ہم آپ کو نہیں دیکھتے کہ آپ کی اتباع کی ہو سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا لوگ ہیں اور ہلکی رائے والے ہیں، اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں، (حضرت نوح نے) کہا، تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، جس سے تم کو اندھا کر دیا گیا ہو، تو کیا پس ہم تم کو چمٹادیں (ہدایت) اور جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو ؟ (ایسا نہیں ہو سکتا) [۱]

تو اس طرح ان سے نرمی و لطف کے ساتھ خطاب کیا، اور دعوت حق میں ملنساری سے کام لیا جیسے اللہ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے لئے حکم دیا قرآن میں ہے (اے موسیٰ و ہارون) اس کو نرم بات کہو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا، (اللہ سے) ڈر جائے۔ [۲]

اور قرآن میں حضور کو بھی اسی طرح حکم ہوا، (اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھے (طریقے سے) نصیحت کرو اور ان سے گفتگو اس طریقے سے کرو جو اچھا ہے۔ [۳]

(تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کو کس طرح نرمی و محبت سے وعظ و نصیحت کا حکم ملا)

تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو یہ فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے ؟ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور رب نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی، ہو (تو کیا پھر بھی تم انکار کرو گے ؟) تو اس سے مراد ہے یعنی رب نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے، آگے قرآن میں جس سے تم اندھے کر دیئے گئے ہو، یعنی تم اس نبوت کو سمجھ نہیں سکے اور تم نے اس کی طرف ہدایت نہیں حاصل کی، (آگے فرمان ہے)

---

[۱] ھود ۷ ۲ تا ۸ ۷ [۲] طہٰ ۴۴۔ [۳] نحل ۱۲۵۔

تو پھر کیا ہم یہ ہدایت تمہیں چپٹا دیں اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو، یعنی ہم جبراً تم کو ہدایت دیدیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو، ایسا نہیں ہو سکتا، آگے فرمان ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے کہا) اے قوم میں تم سے اس پر کسی بدلے کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔[1]

یعنی میں اس وعظ و نصیحت پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، اور یہ وعظ و نصیحت جبکہ تمہارے لئے بہت مفید ہے۔

آگے حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں ان کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں ہوں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ کافروں مالداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ تم ان گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹادو پھر ہم آپ کی بات شاید سنیں، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا، اسی طرح قریش کے متکبر کفار نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اپنے پاس سے گرے پڑے ان لوگوں کو دور کردو جیسے حضرت عمار، صہیب، بلال، خباب، وغیرہ وغیرہ تو انھوں نے یہ فرمائش کی، اس پر اللہ عزوجل کی غیرت جوش میں آئی اور فوراً اس سے منع فرمایا، اور یہاں تک منع فرمایا کہ آپ مومنین سے اپنی آنکھوں کو بھی نہ جھکائیں یعنی بالکل مومنین کی طرف متوجہ رہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور (نہ یہ کہتا کہ) میں غیب کا علم جانتا ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

یعنی بلکہ میں اللہ کا بندہ انسان اور رسول ہوں اور مجھے اسی قدر علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا، اور میں صرف اتنی قدرت رکھتا ہوں جتنی اللہ نے مجھے قدرت دی ہے، اور نہ میں اپنی جان ہی کا مالک ہوں اس کو نفع دینے میں یا نقصان سے بچانے میں، مگر جو اللہ چاہے، آگے فرمایا: اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں عیب لگاتیں ہیں (یعنی مومنین) ان کو میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اللہ تمہیں بھلائی نہ دے گا، اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے، (لہذا اگر میں ان کو ان کی دل شکنی کی کوئی بات کہوں جیسے تم کہہ رہے ہو تو) پھر میں ظالمین میں سے ہو جاؤں گا،[2] یعنی میں ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں ان کے لئے کوئی بھلائی نہ ہوگی اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی، اور ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ ہی ان کو اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا، اگر اچھائی ہوگی تو اچھا بدلہ دے گا، اور اگر برائی ہوگی تو برا بدلہ ہوگا۔

اسی طرح دوسری جگہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی آپس میں ہم کلامی ہوئی قرآن میں ہے (کافروں نے) کہا کیا ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کی اتباع گھٹیا لوگوں نے کی ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، مجھے اس کا کوئی علم نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (جس پر تم ان کو گھٹیا کہہ رہے ہو) اگر تمہیں شعور ہو تو (جان رکھو) ان کا حساب میرے پروردگار کے ذمے ہے، اور میں تو (ان) مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں، میں تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں[3] تو الغرض ان کے اور ان کی قوم کے درمیان اسی طرح مناظرہ جھگڑا چلتا رہا جیسے قرآن نے کہا پس حضرت نوح ان میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے پھر ان کو طوفان

---

[1] ھود ۲۹ [2] ھود ۳۱۔ [3] شعراء ۱۱۱ سے ۱۱۵۔

نے پکڑ لیا اور وہ ظالم لوگ تھے۔[۱]

اور اس طویل ترین مدت میں جو کئی صدیوں پر مشتمل ہے گنے چنے افراد کے سوا کوئی اسلام نہ لایا۔ کافر قوم اس قدر ہٹ دھرمی پر مصر تھے کہ جب وہ انتقال کرتے تو اپنی آل اولاد کو وصیت کر جاتے کہ اس (نوحؑ) پر ایمان ہرگز نہ لانا، بلکہ اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ لڑائی جاری رکھنا، اور ہر کافر والد کی اولاد جب عقل وشعور کی منزل کو پہنچ جاتی تو والد اس کو نصیحت و تعلیم کرتا کہ نوحؑ پر ایمان ہرگز نہ لانا، اور جب تک زندہ رہو اس نصیحت پر عمل پیرا رہنا۔

اور ان کی طبیعتیں ایمان کو انکار کرتی رہیں، اور قبول حق سے روگردانی کرتی رہیں اور اسی وجہ سے فرمایا قرآن میں اور وہ نہ جنم دیتے مگر فاجروں کافروں کو۔[۲]

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ تک کہا قرآن میں ہے (اور انھوں نے) کہا اے نوح آپ نے ہم سے جھگڑا مول لے لیا ہے اور ہم سے جھگڑا بہت زیادہ کھڑا کر دیا ہے، پس جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو (یعنی عذاب، وہ لے آیئے اگر آپ سچے ہیں، فرمایا (نوح نے) اور کچھ نہیں اس کو اللہ چاہے تو (ضرور) لائے گا اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔[۳]

یعنی اللہ عزوجل اس عذاب بھیجنے پر قادر ہے وہ خوب قادر مطلق ہے، اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اور نہ اس کو کسی کی پرواہ ہے، بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کو فرمادے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور تم کو میرا نصیحت کرنا نفع نہیں دے گا، اگر میں تمہارے لئے خیر خواہی کا ارادہ بھی کروں اور اللہ تمہارے ساتھ یہ ارادہ نہ فرمائیں (تو پھر میرا نصیحت کرنا کچھ سود مند نہیں) یہی تمہارا پروردگار ہے اور اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے[۴] یعنی اگر اللہ کسی کے ساتھ ہدایت کا ارادہ نہ فرمائیں تو کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا وہی ہے جو چاہے تو ہدایت دے، چاہے تو گمراہ کرے، اور وہ جو چاہے کرنے والا ہے اور زبردست حکمت والا ہے، خوب جاننے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے، اور کون گمراہی کا مستحق ہے اور اللہ کی حکمت بہت عمدہ اور کارگر ہے اور اس کی حجت بہت وزنی ہے۔

فرمایا: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم سے ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر بس وہی لوگ جو ایمان لا چکے ہیں، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے، ان کافروں کی تکالیف سے کہ اب ان کی پرواہ نہ کرو کہ وہ ایمان لے آئیں۔ جو ایمان لا چکے ہیں انہی پر اکتفا کرو، اور فرمایا: لہٰذا جو وہ فعل کرتے ہیں آپ اس سے غم میں نہ پڑیں۔[۵]

یہ حضرت نوحؑ کو تعزیت و تسلی ہے، کہ آپ زیادہ فکر نہ کریں جو ایمان لا چکے لا چکے، اب انکی تکالیف کی پرواہ نہ کریں، کیونکہ مدد خداوندی قریب ہے، اور اس مدد کی خبر عجیب ہے، وہ یہ ہے فرمایا: اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہماری نگہبانی میں بناؤ، اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔[۱]

---

[۱] عنکبوت ۱۴ [۲] ا۔ نوح آیت ۲۷۔ [۳] ھود ۳۲۔ ۳۳۔
[۴] ھود ۳۴۔ [۵] ھود ۳۶

اور یہ کشتی کا حکم اور ان پر عذاب کی تیاری جب ہوئی، جب حضرت نوح علیہ السلام ان کی اصلاح ،کامیابی، سے مایوس ہو گئے اور دیکھ لیا کہ ان میں کوئی بھلائی کا ذرہ تک نہیں، اور وہ ان کی مخالفت، اذیت، تکذیب (جھٹلانے) یعنی ہر طرح سے ان کو تنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں، تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے عالم مایوسی میں بارگاہ خداوندی میں ان کے خلاف فریاد رسی چاہی، اور اللہ کے غضب کو ان پر دعوت دی، تو اللہ نے بھی اپنے مظلوم معصوم بندے کی دعوت پر لبیک کہا، اور ان کی طلب کو قبول کیا، اللہ نے فرمایا اور ہم کو (بڑی بے چارگی اور مصیبت کے عالم میں) نوح نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں، اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔[۲] اور فرمایا: (نوح علیہ السلام نے) کہا پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا اس لئے تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ فرمادے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات عطا فرمادے۔[۳] اور فرمایا: پس (نوحؑ نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں لہذا میری مدد فرمایئے۔[۴] اور فرمایا (نوح نے) عرض کیا اے پروردگار میری مدد کیجئے اس سے جو وہ مجھے جھٹلاتے ہیں۔[۵]

تو ان تمام جگہوں میں مذکور ہے کہ حضرت نوحؑ نے کس بے بسی کے عالم میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کی، جو قبول ہوئی اللہ نے فرمایا ان کی خطاؤں کی بناء پر وہ کفار غرق کر دیئے گئے، پھر جہنم میں داخل کر دیئے گئے، پس انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے (اپنے معبودوں کو) مددگار نہ پایا، اور نوح نے کہا: پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ رہنے دیجئے، اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرینگے اور نہ جنم دیں گے مگر فاسق کافروں کو۔[۶]

اس طرح ان کے کفر و فسق کی مصیبتیں ان کے نبی کی بد دعا سے ان پر ٹوٹ پڑیں، اور اس وقت اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمادیا کہ ایک کشتی بنالو، اور وہ کشتی ایسی عظیم اور بڑی ہو کہ نہ اس سے پہلے کبھی بنی نہ بعد میں بنے گی۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے فرمادیا کہ جب اللہ کا عذاب آجائے اور وہ کافروں نافرمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے، تو پھر وہ ان مجرمین سے ہٹایا نہ جائے گا لہذا آپ پھر کہیں نرمی میں آکر عذاب سے ان کے لئے پناہ مانگیں اور واپس اپنی بات سے رجوع کریں تو ایسا نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ شاید ہو سکتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم پر عذاب کے وقت نرمی و رحم آجائے، اس لئے کہ خبر اور اطلاع، خود مشاہدے جیسی تو نہیں ہوتی، تو پروردگار نے یہ فرمایا۔

اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجئے گا بے شک وہ غرق کئے جائیں گے تو حضرت نوحؑ حکم خداوندی کے مطابق کشتی بنانے میں مصروف ہو گئے اور جب بھی کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، کیونکہ وہ عذاب کے اترنے کو ناممکن اور بعید سمجھتے تھے، (اور کہتے تھے کہ یہاں تو پانی ہے نہیں، یہ نوح کشتی چلائے گا کہاں) تو پروردگار نے بھی فرمایا، اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو، تو ہم بھی تم سے

---

[۱] ھود ۳۷۔ [۲] انبیاء ۷۶۔ [۳] شعراء ۱۱۷ تا ۱۱۸۔
[۴] قمر ۱۰۔ [۵] مومنون ۲۶۔ ۲۹۔ [۶] نوح ۲۵ تا ۲۷

مذاق کریں گے، جیسے تم کرتے ہو (یعنی اس کا بدلہ چکھائیں گے) [۱] اور اس وقت بھی ہم تم سے مذاق کرتے ہیں اور تم پر تعجب کرتے ہیں کہ کیسے تم اپنے کفر وفسق پر ہٹ دھرمی کے ساتھ قائم ہو، جس کا بدلہ تم کو ابھی ابھی اچھی طرح ملنے والا ہے، اللہ نے فرمایا: پس بہت ہی جلد تم جان لوگے، کہ جس شخص کے پاس بھی عذاب آئے گا جو اس کو ذلیل کر کے رکھ دے گا اور اس پر دائمی عذاب اتر جائے گا۔ [۲]

اور ان کی کافرانہ، فاسقانہ، سخت طبیعتیں جو دنیا میں عناد کی انتہا کو پہنچ گئی تھیں، وہ اسی طرح بروز قیامت بھی سرے سے یہی انکار کر بیٹھیں گی کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا تھا جیسے بخاری شریف میں ہے۔ [۳] حضرت ابو سعیدؓ، روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو حاضر کیا جائے گا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوح سے پوچھیں گے کیا آپ نے اپنی رسالت کو پہنچادیا تھا؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے جی ہاں اے پروردگار: پھر اللہ پاک حضرت نوحؑ کی قوم سے پوچھیں گے کہ کیا اس نے تم تک بات پہنچادی تھی؟ وہ کہیں گے، نہیں، ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوحؑ سے فرمائیں گے، کون آپ کی گواہی دے گا، وہ عرض کریں گے، محمد اور اس کی امت (حضور ﷺ نے فرمایا پھر ہم گواہی دیں گے کہ بے شک انھوں نے اپنی امت کو دعوت پہنچادی تھی، اور اس قرآنی آیت کا یہی مطلب ہے فرمایا، اور اس طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا، تاکہ تم (قیامت کے دن) لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ بن جائیں گے۔ [۴]

اور آیت میں ''وسط'' لفظ سے مراد ہے عادل، تو یہ امت (اپنی سرفرازی کی بنا پر) اس اولو العزم پیغمبر و رسول کے حق میں قیامت کے روز گواہی دے گی، جو بالکل صادق مصدوق ہیں، اور امت محمدیہ یہ گواہی دے گی کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اور اس پر اپنا حق جاری کیا، اور اس کی دعوت کا حکم فرمایا، اور انھوں نے بھی ہر ممکن طریقے سے یعنی پوری طرح سے اس دعوت کے فریضے کو کما حقہ ادا کر دیا ہے اور کوئی ذرہ بھر کسر نہیں چھوڑی، جو بات بھی ان کے دین کے اعتبار سے نفع مند ہو سکتی تھی پہنچادی، پھر اس کا ان کو حکم دیا، سمجھایا اور جو بات بھی ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، اس سے ان کو روکا، منع کیا، ڈرایا اور اسی طرح تمام رسولوں کا معاملہ ہے، یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال تک کے فتنے کے نکلنے اور اس سے بچنے کی خبر و تاکید کی، اگرچہ ان کے زمانے میں اس کا نکلنا بھی متوقع نہیں تھا، پھر بھی ان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان پر رحم کھاتے ہوئے اطلاعاً بتادیا جیسے بخاری شریف میں۔ [۵] حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف کی جیسے کہ وہ اس کا مستحق ہے، پھر دجال کا ذکر فرمایا، فرمایا میں تم (سب) کو اس سے ڈراتا ہوں، اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس نے اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرلیا ہے، نوح علیہ السلام نے

---

[۱] هود ۳۸۔ [۲] هود ۳۹۔

[۳] كما قال البخارى حدثنا موسى بن اسماعيل، حدثنا عبدالواحد بن زياد، حدثنا الاعمش، عن ابى صالح، عن ابى سعيد ...... الخ [۴] سورہ بقرہ ۱۴۳ [۵] قال البخارى، حدثنا عبدان، حدثنا عبدالله، عن يونس، عن الزهرى، قال سالم، قال ابن عمر.

بھی اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا، لیکن میں اس کے بارے میں ایک ایسی بات خاص تم کو بتاتا ہوں، جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی، وہ یہ ہے کہ وہ دجال کانا ہوگا (اور خدائی کا دعوی کرے گا) اور جبکہ بے شک اللہ کانا نہیں ہے۔ اور ایک اور روایت[1] بخاری و مسلم میں اسی طرح کی یوں ہے، حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خبر رکھو میں تم کو دجال کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں۔ جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائی، وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہوگا، اور اپنے ساتھ وہ جنت اور جہنم جیسی چیز لائے گا، اور وہ جس کو جنت کہہ رہا ہوگا وہ درحقیقت ایک جہنم ہوگی، اور میں تم کو ڈراتا ہوں جس طرح نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔[2]

یہ کچھ تفصیل دجال کی اس بات پر ذکر کی گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب کچھ بتادیا تھا لیکن آخرت میں پھر بھی وہ دنیا کی طرح ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے گی اور انکار کرے گی)

تو بہر حال جب حضرت نوحؑ کی بد دعا قبول ہوگئی اور حکم خداوندی آیا کہ کشتی بناؤ، تو بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے ان کو یہ بھی حکم فرمایا کہ فلاں درخت اگاؤ۔ جس سے کشتی بنائی جائے گی، تو حضرت نوحؑ نے وہ درخت اگایا اور سو سال تک اس کا انتظار کیا پھر اس کو کاٹ کر چھیلا، ہموار کیا اس میں بھی ایک قول کے مطابق سو سال اور دوسرے قول کے مطابق چالیس سال کا عرصہ لگ گیا، واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاقؒ، حضرت ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ لکڑی ساگوان کی لکڑی تھی، اور دوسرے قول کے مطابق وہ لکڑی صنوبر درخت کی تھی، اور دوسرا قول تورات کے موافق ہے۔ حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں حضرت نوحؑ کو حکم ملا تھا کہ اس کی لمبائی اسی گز ہو، اور کشتی کے اندرونی اور بیرونی حصوں پر تارکول (ڈامر) اچھی طرح ملا جائے، اور اسکے سامنے کا حصہ بلندی کو اٹھا ہوا ہو، تاکہ وہ پانی کو چیر سکے۔

اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کشتی کی لمبائی تین سو گز تھی اور چوڑائی پچاس گز تھی اور یہ تورات میں ہے میرے دیکھنے کے مطابق۔ اور حسن بصریؒ بھی فرماتے ہیں کہ کشتی کی لمبائی چھ سو گز تھی اور چوڑائی تین سو اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کی لمبائی بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو گز تھی اور ایک قول ہے کہ لمبائی دو ہزار گز تھی، اور چوڑائی سو گز تھی۔

(اور یہ اختلاف لمبائی اور چوڑائی میں تو ہے) لیکن اونچائی میں سب فرماتے ہیں کہ وہ تیس گز اونچائی کی تھی، اور اس میں تین منزلیں تھیں ہر منزل دس گز کی، سب سی نچلی منزل جانوروں اور وحشی جانوروں کے لئے تھی، درمیانی انسانوں کے لئے تھی، اور سب سے اونچی چرند پرند کے لئے اور دروازہ چوڑائی میں تھا، اور اس کے اوپر پورا ایک ڈھکن تھا جس سے وہ بند کر دی جاتی تھی۔[3]

---

[1] وهذا الحديث في الصحيحين ايضا من حديث شيبان بن عبدالرحمن عن يحيى بن ابى كثير عن ابى سلمة بن عبدالرحمن، عن ابى هريرة الخ.

[2] بلفظ البخاری.

[3] گویا آج کل کے زمانے کے مطابق وہ عظیم آبدوز تھی، جبھی اللہ نے حضرت نوحؑ کو حکم فرمایا تھا کہ اوپر نیچے ہر جگہ تارکول مل دینا تاکہ پانی اندر نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (حضرت نوح نے) کہا پروردگار میری مدد کیجئے اس سے جو وہ مجھے جھٹلاتے ہیں۔[1]
اور فرمایا، مومنین بے شک کامیاب ہو گئے۔[2]

مراد ہے کہ نوح نے ہم سے مدد مانگی تھی ہم نے ان کی مدد کی جس سے وہ کامیاب ہو گئے اس طرح سے کہ ہم نے ان کو نجات پانے کے رستے کا حکم دیا کہ کشتی بناؤ اور ہم اس کی نگہبانی کریں گے، اور ہمارے روبرو یہ کام سرانجام دو، تاکہ ہم آپ کی صحیح طریقے سے رہنمائی کریں (اور اس کے ذریعے تم اس طوفان سے بچ جاؤ)

فرمایا: پس جب ہمارا عذاب آجائے اور تنور ابل پڑے تو کشتی میں سوار ہو جا (اور ساتھ لے لے) ہر چیز سے دو دو (یعنی نر و مادہ) جوڑا اٹھالو، اور ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی، مگر جس کے بارے میں (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے گزر چکا ہے، ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عذاب کے نازل ہونے سے پہلے ہی حضرت نوحؑ کو فرمایا کہ جب عذاب آجائے تو تم اپنے ساتھ کشتی میں ہر چیز کا ایک ایک جوڑا یعنی ہر حیوان سے ایک جوڑا ساتھ کر لینا، اور تمام قسم کے کھانے پینے بھی ساتھ کر لینا تاکہ ان کی قسم و نسل باقی رہے، اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ رکھنا، ہاں مگر جن کے متعلق پہلے فیصلہ نازل ہو چکا ہے یعنی کافر اگرچہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ہو، اس کے بارے میں آپ کی دعا نہ سنی جائے گی اور ہر کافر پر عذاب اترنا ضروری ہے، اور اس سے وہ بچ نہیں سکتا، اور پھر تاکید کے ساتھ حکم بھی فرمایا کہ مجھ سے کافروں ظالموں کے متعلق گفتگو بھی نہ کرنا، ان پر اس ذات کا عذاب اتر کر رہے گا جو چاہے کرے۔

تنور سے کیا مراد ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک تو اس سے روئے زمین ہی مراد ہے، تو مطلب ہو گا کہ زمین کی تمام اطراف سے پانی چشمے کی طرح ابلے گا حتی کہ تنور جو کہ آگ کا چشمہ ہے وہ بھی پانی پھینکے گا، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ تنور ہند میں ایک چشمہ ہے وہ مراد ہے، شعبیؒ سے مروی ہے کہ کوفہ میں ایک چشمہ ہے، اور قتادہ سے مروی ہے جزیرہ میں ایک چشمہ ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد ہے صبح کی پو پھٹنا اور صبح کا روشن ہونا، تو مطلب ہو جائے گا کہ اے نوح جب صبح روشن ہو جائے تو تم کشتی میں سواری کی تیاری شروع کر دینا، لیکن یہ قول غریب ہے۔

اور جو اللہ کا فرمان ہے:

یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب آگیا اور تنور ابل پڑا، تو ہم نے (نوح کو) کہا: اس میں سوار کرالے ہر قسم (کے جانوروں کے) جوڑے، اور اپنے گھر والوں کو مگر جن کے بارے میں (عذاب کی) بات پہلے گزر چکی ہے (ان کو سوار نہ کرائیے) اور مومنوں کو بھی، اور ان کیساتھ ایمان لانیوالے بہت ہی کم تھے[3] پہلا حکم عذاب کے نزول سے پہلے تھا، اور یہ حکم عذاب اترنے کے وقت ابتداء میں تھا کہ کشتی میں ہر چیز کے جوڑے سوار کرالو۔

اور اہل کتاب کی کتاب میں یوں ذکر ہے کہ جو جانور کھائے جاتے ہوں یعنی حلال ان کے سات سات جوڑے سوار کر لو اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا ایک ایک جوڑا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے منافی

---

[1] شعراء ۲۶۔ [2] مومنون ۱۔ [3] ھود ۴۰

ہوگی، جو اللہ نے فرمایا "اثنین" اور یہ منافی تب ہوگی جب ہم اثنیں یعنی دو کو مفعول بنائیں لیکن اگر اثنین کو زوجین کی تاکید بنائیں اور مفعول بہ محذوف قرار دیں تو کوئی اختلاف نہیں واللہ اعلم۔ بعض نے ذکر کیا ہے جو ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ کشتی میں سب سے پہلے پرندے سوار کئے گئے اور حیوانات کے اندر سے سب سے آخر میں گدھا داخل ہوا، اور ابلیس بھی گدھے کی دم کے ساتھ لٹک کر اندر داخل ہوا۔

اور زید بن اسلمؒ[ل] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جب نوحؑ نے کشتی میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا سوار کرلیا، تو حضرت نوحؑ کے ساتھیوں نے کہا ہمارے ساتھ تو شیر بھی ہے، لہذا دوسرے جانور کیسے امن سے رہیں گے؟ تو اللہ عزوجل نے شیر کو بخار میں مبتلا کردیا (جس سے اس کی اکڑ فوں کم ہوگئی) اور یہ زمین پر پہلی مرتبہ بخار اترا تھا، پھر نوحؑ کے ساتھیوں نے چوہے کی شکایت کی اور کہا کہ چوہے ہمارے ساز و سامان اور دوسرے کھانے پینے کی اشیاء خراب کررہے ہیں تو اللہ عزوجل نے شیر کے دل میں خیال ڈال دیا تو اس نے چھینک ماری، جس سے ایک بلی نکل آئی، اور چوہے اس کی وجہ سے سیدھے ہوگئے، اور یہ حدیث مرسل ہے (لیکن یہ خبر ظاہر میں بھی اجنبی معلوم ہوتی ہے اور یہ نبوت کا کلام نہیں ہوسکتا اور پتہ نہیں کہ حضرت ابن ابی حاتم جو صاحب علل حدیث بھی ہیں انھوں نے اس کو کیسے ثابت کردیا، اور حضرت مصنف نے بھی اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی)

اور اللہ نے جو فرمایا: مگر جس کی نسبت میرا فیصلہ عذاب کا گزر چکا (اس کے متعلق کوئی دعا نہ کرنا)؛ یعنی کافر لوگوں کے بارے میں دعا قبول نہ ہوگی، اور انہی میں حضرت نوح علیہ السلام کا خود کا بیٹا "یام" بھی تھا جو غرق ہوگیا۔

اور اللہ نے فرمایا (سوار کرلو) ان کو جو ایمان لے آئے، یعنی آپ کی امت کے جو افراد بھی ایمان سے سرفراز ہوگئے اور وہ بہت ہی تھوڑے تھے۔ فرمایا، اور اس کیساتھ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے سے افراد۔[ٹ] اور یہ تھوڑے سے افراد بھی جب ایمان لائے جب بہت طویل مدت ان میں ایمان کی محنت کی، اور ان کو دن رات دعوت دی، مختلف طریقوں سے گفتگو فرماکر کبھی عذاب و وعید سے ڈرا کر کبھی ترغیب اور بشارت سناکر (الغرض ہر طرح سے ان کو ساڑھے نو سو سال تک دعوت دیتے رہے پھر بھی صرف چند افراد ایمان لائے، اور وہ کتنے تھے؟ کشتی میں حضرت نوحؑ کے ساتھ کتنے سوار ہوئے؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ۸۰ تھے اور ان کے ساتھ ان کی عورتیں (بچے) بھی تھے، اور کعب احبار سے مروی ہے وہ ۷۲ تھے، اور ایک قول ہے وہ صرف دس تھے، اور ایک قول ہے کہ حضرت نوح اور ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں اور چوتھی یام کی بیوی بھی ساتھ تھی، اور یام خود کافروں کے ساتھ کشتی سے باہر تھا، تو صرف یہ حضرت نوح کا گھرانہ کشتی میں تھا، لیکن یہ بات قرآنی آیت کے بالکل مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل و عیال کے ساتھ مومنین کو بھی سوار کرنا، تو آیت سے معلوم ہوا کہ اہل و عیال کے علاوہ مومنین تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ کل سوار سات تھے۔

[ل] وقال ابن ابی حاتم، حدثنا عبداللہ بن صالح، حدثنی اللیث، حدثنی ھشام بن سعد عن زید بن اسلم، عن ابیہ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال...... الخ [ٹ] ھود ۴۰

اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد یہ تھی حام، سام، یافث، یام اور اس یام کا نام اہل کتاب نے کنعان رکھا ہے جو کافروں کے ساتھ غرق ہو گیا تھا۔

اور ان سب کی ماں، حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ طوفان سے پہلے وفات کر گئی تھی، اور ایک قول ہے وہ غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گئی تھی، اور ان افراد میں تھی جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: مگر جن کی نسبت میرا فیصلہ عذاب دینے کا گزر چکا ان کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا، اور اہل کتاب کے نزدیک وہ کشتی میں سوار تھی تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کافرہ ہو گئی ہو، یا اس کو قیامت کے دن تک مہلت دیدی گئی ہو کہ وہاں اس کا فیصلہ ہوگا، اب چاہے زندہ رہے، لیکن پہلا قول پھر بھی زیادہ صحیح ہے کہ وہ غرق ہو گئی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ کافروں (میں سے کسی کو) زمین پر بستا نہ چھوڑ۔[1]

پھر کشتی میں سواری کے بارے میں اللہ نے دعا پڑھنے کا حکم فرمایا کہ پس جب تو اور تیرے ساتھ ایمان لانے والے کشتی پر برابر (سوار) ہو جاؤ تو کہہ (دو) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی، اور (یہ دعا بھی) پڑھنا پروردگار مجھے بابرکت جگہ میں اتار اور تو اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔[2]

تو اللہ نے یہاں حضرت نوحؑ کو حکم فرمایا کہ اللہ کی تعریف کرو اس بات پر کہ اس نے تمہارے لئے اس کشتی کو مسخر و تابع کر دیا، اور اس کے ذریعے نجات عطا فرمائی اور ان کے اور ان کی ظالم قوم کے درمیان صحیح فیصلہ فرمادیا، اور ان مخالفین مکذبین سے حضرت نوحؑ کی آنکھیں ٹھنڈی فرمادیں، اسی طرح ایک جگہ اور فرمایا: اور وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا فرمایا، اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوئے ہو، تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو، اور جب اس پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو، تو یہ کہو سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس کو تابع کر دیا (ورنہ) ہم اس کو بس میں کرنے والے نہیں تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اسی طرح کاموں کی ابتداء میں دعا بسم اللہ وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ کام خیر و برکت سے صحیح انجام کو پہنچے اور اس کی انتہا اچھائی کیساتھ ہو، جیسے جب حضور ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے آپ کو فرمایا: اور (یہ دعا) کہئے رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۔[3]

اے پروردگار مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو، اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو، اور اپنے پاس سے قوت و زور کو میرا مددگار بنائیو۔

تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھی اسی طرح دعا کی وصیت کی گئی، اور فرمایا: سوار ہو جاؤ اس کشتی میں (اس دعا کے ساتھ) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[4] یعنی اللہ کے نام ہی کے ساتھ اس کا چلنا

---

[1] نوح ۲۶۔
[2] مومنون ۲۸۔۲۹
[3] بنی اسرائیل آیت ۸۰
[4] ھود ۴۱

ہے اور اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا پروردگار بہت مغفرت کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے، (تو یہاں بھی دعا کی تاکید کی گئی جس کا مطلب ہے) اللہ کے نام ہی پر اس کا چلنا ہے اور اسی کے نام پر اس کا اپنے انجام اور سفر کی انتہا کو پہنچنا ہے، اور میرا پروردگار (ہم مومنین پر) بہت ہی مغفرت و رحم کا معاملہ فرمانے والا ہے بخلاف مجرم قوم کے ان سے عذاب ہٹانے والا نہیں، بلکہ ان کے حق میں انتقام لینے والا ہے اور عذاب کو کافروں سے واپس نہیں کرتا، جنھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کے بجائے غیر کی پرستش کی۔

اور کشتی کے چلنے کے بارے میں اللہ نے فرمایا: اور وہ کشتی ان کو لے کر (پانی کی طوفانی) موجوں میں پہاڑوں کی طرح چلتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی بارش برسائی کہ زمین نے کبھی پہلے آسمان کو اس طرح برستا نہ دیکھا ہوگا، اور نہ کبھی پھر برستا دیکھے گی آسمان سے پانی ایسے برس رہا تھا جیسے مشکیزوں کے منہ کھل گئے ہوں (اور اسی پر بس نہیں) بلکہ زمین کے بھی تمام سوتے سوراخ اور اطراف سے پانی کے چشمے دھڑا دھڑ کھول دیئے فرمان خداوندی ہے، پس (نوح نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں لہٰذا میری مدد فرمایئے، تو بس ہم نے تیز بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو چشموں (کی صورت) میں کھول دیا، پس پانی (تباہی کے ساتھ) ایک کام (کافروں کو ڈبونا) جو مقدر ہو چکا تھا اس پر جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو (مع اس کے اہل اور مومنین وغیرہم کے) ایک کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں اور کیلوں سے تیار کی گئی تھی، جو ہماری ہی نگہبانی میں چل رہی تھی، یہ بدلہ اس کا جس سے کفر کیا گیا، [1] یعنی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی (اس وجہ سے وہ بخیر وعافیت سلامت رہی)

ابن جریرؒ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ قبطی (مصر کے نصرانیوں کی جماعت کے) حساب سے مہینے کی تیرہویں تاریخ کو یہ طوفان آیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جب پانی طغیانی کی حد کو پہنچ گیا تو بے شک ہم نے تم کو کشتی میں سوار کرا دیا تاکہ اس کو تمہارے لئے نصیحت (کی چیز) بنائیں اور اس کو محفوظ کر لیں۔ [2]

مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی پہاڑ کی چوٹی اور زمین کی پندرہ گز بلندی تک پہنچ گیا تھا اور یہی اہل کتاب کے نزدیک قول ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی اسی گز تک زمین پر بلند ہو گیا تھا، اور پوری زمین طولاً عرضاً سخت نرم، پہاڑ گھاٹیاں ریتیلے میدان، سب پانی میں غرق ہو گئے تھے، اور روئے زمین پر کوئی زندہ آنکھ اس منظر کو دیکھنے والی نہ رہی تھی، نہ کوئی چھوٹا نہ بڑا، بلکہ تمام نیست و نابود ہو گئے تھے، اور امام مالک، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (طوفان سے بچنے کے لئے) اس وقت کے تمام لوگ محفوظ جگہوں اور پہاڑوں پر پہنچ گئے اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ (رہائش کی تمام محفوظ جگہیں طوفان سے بچنے کے لئے) لوگوں سے پر ہو گئیں تھیں، کوئی ٹکڑا خالی نہ بچا تھا، یہ دونوں قول ابن ابی حاتم نے روایت کئے ہیں۔

اور انہی غرق ہونے والوں کے اندر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا یام کنعان بھی تھا قرآن فرماتا ہے اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ (ان سے) علیحدہ تھا (اور کہا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ نہ ہو، (بیٹے نے) کہا میں پہاڑ کی طرف پناہ پکڑ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا، تو (حضرت نوح نے)

---

[1] قمر ۱۰ تا ۱۴ [2] الحاقہ ۱۱ تا ۱۲ [3] ھود ۴۲۔۴۳

فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے مگر جس پر اللہ رحم کرے (اور اتنی بات ہوئی تھی کہ) دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔[۱]

اور یہ بیٹا یام تھا جو سام، حام، یافث کا بھائی تھا، اور اس کا نام کنعان بھی کہا جاتا ہے اور یہ کافر تھا اور غیر صالح اعمال کا مرتکب تھا، لہٰذا اپنے والد کی اس کے دین و مذہب میں مخالفت و نافرمانی کی، جس سے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا، جبکہ اس کے باپ کے مخالف نسب والے کامیاب ہو گئے، کیونکہ وہ دین و مذہب میں موافق تھے۔

آگے فرمان خداوندی ہے اور کہا گیا، اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک ہو گیا، اور (عذاب کا) فیصلہ پورا ہو چکا، اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور کہا گیا پھٹکار ہو ظالم قوم پر۔[۱]

یعنی جب زمین اللہ کے دشمنوں سے فارغ ہو گئی اور اس پر کوئی غیر اللہ کا پجاری نہ رہا، تو پھر اللہ نے حکم دیا کہ زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان تھم جا برسنے سے، اور پانی خشک ہو گیا اور عذاب مکمل ہو گیا جو اللہ کی قدرت میں ان پر اترنا تھا وہ اتر گیا اور پھر قدرت کی زبان سے ان کو لعنت و پھٹکار کی گئی، کہ تم کو رحمت و مغفرت خداوندی سے دوری ہو۔

دوسری جگہ قرآن میں ہے، پس کافروں نے حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے اس کو نجات دی اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے ان کو بھی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا، بے شک وہ اندھی قوم تھی۔[۲] ایک اور جگہ فرمایا، پس کافروں نے اس (نوحؑ) کو جھٹلایا تو ہم نے اس کو اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان سب کو نجات دیدی، اور ان کو پیچھے (باقی) رہنے والا بنا دیا اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا، پس دیکھا کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا،[۳] اور فرمایا اور ہم نے اس (نوحؑ) کی مدد کی اس قوم سے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ بری قوم تھی ہم نے ان سب کو غرق کر دیا،[۴] اور فرمایا: ہم نے اس (نوحؑ) کو اور جو بھری ہوئی کشتی میں اس کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور پھر اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس میں (عقل مند لوگوں کیلئے) نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک تیرا پروردگار تو بہت زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے،[۵] اور فرمایا پھر ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور ان کو جہاں والوں کیلئے نشانی بنا دیا[۶] فرمایا: پھر ہم نے دوسرے (کافر) لوگوں کو غرق کر دیا۔[۷] اور یہ فرمایا: اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑ دیا، پس ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا، پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور بے شک ہم نے قرآن کو ذکر کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا۔[۸] اور پروردگار نے فرمایا: وہ اپنے خطاؤں (کی پاداش) میں غرق کر دیئے گئے پھر جہنم میں داخل کر دیئے گئے، پس انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی مددگار نہیں پائے اور نوح علیہ السلام نے کہا پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ چھوڑ، بے شک اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو

---

[۱] ھود ۴۴۔ [۲] اعراف ۶۴۔ [۳] یونس ۷۳۔ [۴] الانبیاء ۷۷۔
[۵] شعراء ۱۱۹ تا ۱۲۲۔ [۶] عنکبوت ۱۵۔ [۷] شعراء ۶۶۔
[۸] قمر ۱۵ تا ۱۷

وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنم دیں گے مگر فاسق کافروں کو ہی۔ اللہ جو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اس نے حضرت نوح کی فریاد کو قبول کیا اور اسی [1] کیلئے تمام تعریفیں اور احسانات ہیں اور کافروں میں سے کوئی ایک باقی نہ رہا۔

[2] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر اللہ پاک نوحؑ کی قوم میں سے کسی پر رحم فرماتا تو (اس) بچے کی ماں پر رحم فرماتا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار سال ٹھہرے (یعنی پچاس سال کم) اور پھر سو سال شجر کاری فرمائی، اور وہ درخت بڑے ہوئے پھر ان کو کاٹا پھر ان سے کشتی بنائی، اس دوران کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے آپ کشتی خشکی میں بنا رہے ہیں۔

(یعنی خشکی کے لئے بنا رہے ہیں؟) تو یہ کیسے چلے گی، حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا عنقریب تم جان لو گے، جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے فارغ ہو گئے اور پانی نکلنا شروع ہو گیا، اور طغیانی کو پہنچنے لگا تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بچے پر بہت خوف ہوا اور یہ اس سے بہت ٹوٹ کر محبت کرتی تھی، تو یہ ماں اپنے بچے کو لے کر پہاڑ کی طرف چلی، جب پہاڑ کی تہائی بلندی پر پہنچ گئی تو پانی بھی اس حد تک پہنچ گیا، ماں پھر بچے کو لے کر اوپر چڑھی، حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی، لیکن پانی بھی اوپر چڑھتا رہا حتیٰ کہ پانی ماں کی گردن تک پہنچ گیا، لیکن ماں نے (اپنی مامتا سے بے تاب ہو کر) بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اوپر اٹھا لیا (یعنی سر سے بلند کر لیا) لیکن دونوں غرق ہو گئے تو اگر اللہ ان کافروں میں سے کسی پر رحم فرماتا تو اس بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔

یہ حدیث غریب ہے اور حضرت کعب احبار اور مجاہد اور کئی ایک سے اس قصے جیسی روایت منقول ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور کعب احبار جیسے حضرات رحمہم اللہ علیہم سے منقول ہے۔ واللہ اعلم

الغرض مقصود یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے کافرین میں سے کسی ایک کو بھی زمین کے تختے پر زندہ بستا نہ چھوڑا۔

لہٰذا بعض مفسرین کا یہ خیال کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ عوج بن عنق یا ابن عناق یہ حضرت نوحؑ سے پہلے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا، اور وہ کافر، متکبر، سرکش بھی تھا اور وہ بڑا آدمی تھا حتیٰ کہ کہتے ہیں اس کی ماں آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی اس نے اس کو زنا سے جنم دیا تھا اور وہ اپنے انتہائی لمبے قد کے ساتھ سمندروں کی گہرائی سے بھی مچھلی پکڑ لیتا اور اس کو سورج کی تپش میں بھونتا، اور نوح علیہ السلام جب کشتی میں تھے تو یہ ان سے کہتا یہ (کشتی) تیرا کیسا پیالہ ہے؟ اور اس طرح آپ علیہ السلام سے مذاق کرتا، اور بعض مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ اس کا قد تین ہزار تین سو پینتیس گز لمبائی تھی، یہ سب ہذیانی لغو اور بے سروپا بے اصل باتیں تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں کسی نے ذکر کر دیں ہیں، ان حکایتوں سے ہم کچھ ذکر نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ اعتماد سے گری ہوئی ہیں اور رکیک باتیں ہیں جو عقل و نقل کے بالکل خلاف ہیں، عقل

---

[1] نوح ۲۵ تا ۲۸

[2] وقد روی الامامان ابو جعفر بن جریر وابو محمد بن ابی حاتم فی تفسیر هما من طریق یعقوب بن محمد الذهری، عن قائد مولی عبداللہ بن ابی رافع ان ابراهیم بن عبدالرحمن بن ابی ربیعه اخبره ان عائشه۔

کے تو اس طرح خلاف ہے کہ دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تو اپنے کفر کی پاداش میں نیست و نابود ہو جبکہ ان کے والد مکرم امت کے نبی اور اہل ایمان کے قائد ہوں اور عوج بن عنق یا عناق اپنے سب سے زیادہ ظلم و سرکشی کے باوجود زندہ سلامت رہے، اور اللہ نے ان میں سے کسی بچے اور اس بچے کی ماں کو تو چھوڑا نہیں اور اس متکبر، سرکش، فاجر، فاسق شیطان کو چھوڑ دیا، اور نقل کے خلاف اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا:
پھر ہم نے دوسروں (تمام) کو غرق کر دیا[1] اور فرمایا (نوح نے بد دعا کی اور) کہا پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔[2] پھر یہ قد اور لمبائی اس حدیث کے مخالف ہے جو صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ پیدا فرمایا، پھر جب سے مخلوق مسلسل گھٹتی چلی آرہی ہے اب تک۔

تو یہ اس صادق مصدوق معصوم کی بات ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے، فرمایا کہ مخلوق جب سے اب تک مسلسل گھٹتی چلی آرہی ہے یعنی آپکے فرمانے تک بھی اور بلکہ قیامت تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کی اولاد میں آپ سے قد آور کوئی اور نہیں ہو سکتا، تو اس سچی خبر سے کیسے غافل رہا جا سکتا ہے اور اس کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے، اور کیسے اہل کتاب کے کافروں جھوٹوں کی بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جنھوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا، تحریف و تاویل کر ڈالی، مضامین کو ایک دوسرے کی جگہ رکھ دیا، تو جب خدائی کتاب کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو جو خبر ویسی ہی ہے اس پر یہ کتنے امانت دار ہو سکتے ہیں؟ جبکہ وہ خائن اور کذاب لوگ ہیں جن پر قیامت تک اللہ کی لعنت و پھٹکار برستی رہے گی، میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ عوج بن عناق کی خبر ان بعض زندیق، و فاجر و فاسق لوگوں کی افواہیں ہیں جو شرع کے انبیاء کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

پھر حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو اللہ سے عرض والتجا کی اس کا ذکر ہے اور وہ یہ تھی کہ حضرت نوحؑ نے اللہ سے اپنے بیٹے کے متعلق مغفرت و نجات کی عرض کی، اور سوال کا یہ طریقہ اور صورت تھی، کہ انھوں نے حالاً عرض کیا اے پروردگار آپ نے مجھ سے میرے اہل کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے، تو یہ بیٹا بھی اہل سے ہے اور وہ غرق ہو رہا ہے تو یہ علم و وضاحت چاہتے تھے کہ آیا وہ میرے اہل سے ہیں یا نہیں؟

تو جواب دیا گیا کہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے، یعنی جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا وہ ان میں سے نہیں ہے، کیونکہ ہم نے کہا تھا، اپنے اہل کو (سوار کر) مگر وہ جن کی نسبت میرے عذاب کا فیصلہ ہو چکا (یعنی کافر) ہے تو لہذا تیرا بیٹا کنعان یا م اہل میں سے نہیں ہے،[3] تو اس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ غرق ہو کر رہے گا اور اپنے کفر کا مزہ چکھے گا، اس وجہ سے قسمت اس کو اہل ایمان کے قافلے سے نکال لائی اور اپنے کفر کے گروہ کے ساتھ تباہ و غرق ہو گیا، پھر اللہ نے فرمایا: کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور اپنے اوپر برکتوں کے ساتھ، اور ان گروہوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں (برکتوں اور سلامتی کے ساتھ) اتریئے اور (دوسرے) گروہ ان کو ہم دنیا کا نفع دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب چھولے گا۔[4]

جب پانی روئے زمین سے خشک ہو گیا اور اس میں چلنا پھرنا، ٹھہرنا، ممکن ہو گیا تو پھر اللہ نے حضرت نوح

---

[1] شعراء ۶۶۔ [2] نوح ۲۶ [3] ھود ۴۰۔ [4] ھود ۴۸

علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ۔

کشتی سے اتر جاؤ جو بہت دور دور مسافت طے کر کے جودی پہاڑ پر ٹھہر چکی تھی، اور یہ پہاڑ جزیرہ کی زمین میں مشہور ہے اور یوں فرمایا کہ ہماری جانب سے سلامتی کے ساتھ، یعنی آپ پر اور جو امتیں بعد میں پیدا ہوں گی آپ کی اولاد سے سب پر سلامتی ہو، اس لئے کہ جو بھی اپنے ساتھ دوسرے مومنین تھے کسی کی نسل آگے نہیں چلی یہ تمام روئے زمین کی آل اولاد حضرت نوح کی نسل ہے اور اللہ نے بھی یوں ہی فرمایا کہ ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو بچا دیا کہ وہ ہی باقی رہنے والے ہیں۔[1] تو جو بھی آج روئے زمین پر انسان آباد ہے وہ حضرت نوحؑ کے تین لڑکوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہے وہ یہ ہیں سام، حام، یافث اور حضرت سمرۃؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، سام عرب کے باپ ہیں، حام حبشہ کے باپ ہیں اور یافث روم کے باپ ہیں، یعنی ان علاقوں کی نسلوں کے باپ ہیں۔[2]

[3] عمران بن حصینؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کے مثل فرمایا، اور عمران فرماتے ہیں کہ روم سے مراد یہاں روم اولیٰ ہے، جو یونانی ہیں اور رومی بن سبطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔

[4] سعیدؓ بن المسیب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین فرزند تھے سام، یافث، حام اور بقیہ تمام (دنیا کی) اولاد ان تین سے ہے، پس سام کی اولاد عرب، فارس (ایران) روم والے ہیں، اور یافث کی اولاد ترکی، صقالبہ، یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی، سوڈانی، اور بربری (تاتاری) ہیں۔

[5] سعید بن المسیب کی ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نوح علیہ السلام کی اولاد سام اور حام اور یافث تھی، پس سام کے ہاں سے عرب اور فارس اور روم والے ہوئے اور ان میں بھلائی ہے اور یافث کے ہاں سے یاجوج ماجوج اور ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے اور ان میں کوئی خیر نہیں ہے، اور حام کے ہاں سے قبطی بربری (تاتاری) اور سوڈان والے پیدا ہوئے۔[6]

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تین فرزند نوح کے ہاں طوفان کے بعد ہی پیدا ہوئے اور طوفان سے پہلے کنعان تھا جو غرق ہو گیا اور ایک اور لڑکا تھا عابد نام کا وہ اپنی موت مر گیا تھا۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ تینوں لڑکے مع اپنی عورتوں اور اپنی والدہ کے کشتی میں موجود تھے اور تورات میں بھی اسی کی وضاحت ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ حام نے کشتی میں اپنی بیوی سے مباشرت کی تھی، تو حضرت نوح نے ان کے لئے بد دعا کی کہ ان کی اولاد بری صورت پیدا ہو، تو پھر اس مباشرت سے ایک کالا لڑکا پیدا ہوا

---

[1] صافات ۷۷۔ [2] قال الامام احمد حدثنا عبدالوهاب، عن سعيد، عن قتاده، عن الحسن، عن سمرة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال، الخ۔ [3] ورواه الترمذى عن بشر بن معاذ العقدى عن يزيد بن ذريع، عن سعيد بن ابى عروبه، عن قتاده، عن الحسن، عن سمرة مرفوعاً نحوه۔ [4] وقال الشيخ ابو عمر بن عبدالله، وقدروى عن عمران بن حصين، عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله قال...... الخ [5] ثم روى من حديث اسماعيل بن عياش، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب انه قال ...... الخ [6] قلت و قال الحافظ ابوبكر البزار فى مسنده حدثنا ابراهيم بن هانى، واحمد بن حسين بن عباد ابوالعباس قال، حدثنا، محمد بن يزيد بن سنان، الرهاوى، حدثنى ابى عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب۔

اور وہ سوڈانیوں کا باپ بنا اس کا نام بھی کنعان تھا یعنی کنعان بن حام بن نوح اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حام نے اپنے والد کو سوتے ہوئے دیکھا اور ان کے ستر سے کچھ کپڑا اٹھا ہوا تھا تو حام نے اس کو ڈھکا نہیں لیکن بھائیوں نے ڈھک دیا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی کہ اس کی اولاد اس سے تبدیل ہو جائے اور اس کی اولاد اس کے بھائیوں کی غلام بنے تو پھر اس کے ہاں سوڈانی نسل کی افزائش ہوئی۔

[1] عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے ان سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو تا کہ آپ ہمارے لئے ایک ایسے آدمی کو زندہ فرمائیں جو ہمیں کشتی نوح کے متعلق تفصیل بتلائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے ایک تودے (ڈھیر) پر تشریف لائے اور اس مٹی میں سے ایک مشت بھر کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کس کی مٹی ہے ؟! انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کعب حام بن نوح کی مٹی ہے، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مٹی کے تودے پر اپنی لاٹھی ماری او کہا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا پس وہ اپنے سفید بالوں سے مٹی جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ کیا تو ایسی حالت میں مرا تھا ؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں میں تو جوانی کی حالت میں مرا تھا لیکن ابھی ابھی میں یہ سمجھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے جس کے خوف سے میں بوڑھا ہو گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ ہمیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرو، اس نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لمبائی میں بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو ۶۰۰ گز تھی، اور اس میں تین منزلیں تھیں پہلی منزل میں عام جانور اور جنگلی جانور تھے دوسری منزل میں انسان تھے تیسری منزل میں پرندے تھے، جب کشتی میں جانوروں کی لید وغیرہ کثرت سے جمع ہو گئی تو اللہ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہاتھی کی دم کو پکڑ کر جھنجھوڑو، حضرت نوح علیہ السلام نے جب اس کی دم کو جھنجھوڑا تو اس سے خنزیر (مذکر و مونث) پیدا ہو گئے اور فوراً لید اور غلاظت کی طرف لپکے، پھر جب چوہے نے کشتی کے ٹانکوں (سلائی) کو کاٹنا شروع کیا تو اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم شیر کے نتھنوں پر مارو، انھوں نے مارا تو شیر کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکلے اور چوہے کی طرف جھپٹے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں ؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا کہ وہ زمین والوں کے حالات معلوم کر کے لائے تو کوے نے جیسے ہی باہر مردار لاشوں کو دیکھا تو ان پر ٹوٹ پڑا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لئے بد دعا کی کہ تو ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے (یہی وجہ ہے کہ وہ انسانوں سے گھبراتا ہے جس کی وجہ سے آج تک کسی گھر میں اپنا ٹھکانہ نہیں بنا سکتا)

---

[1] ثم قال لاعلم یروی مرفوعاً الامن هذا الوجه تفرد به محمد بن یزید بن سنان عن ابیه، وقد حدث منه جماعت من اهل العلم و احتملوا حدثه و رواه غیره عن یحیی بن سعید مرسلا ولم یسنده، داغا جعله من قول سعید، قلت و هذ الذی ذکره ابو عمر هو محفوظ عن سعید قوله، وهکذا روی عن وهب بن منبه مثله والله اعلم و یزید بن سنان ابوفروه الرهاوی ضعیف بمرة لایعتمد علیه۔

[2] وذکر الامام ابو جعفر بن جریر من طریق علی بن یزید بن جدعان عن یوسف بن مهران عن ابن عباس الخ

اس شخص نے آگے کہا کہ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو خبر لینے کے لئے بھیجا تو وہ اپنی چونچ میں زیتون کا ایک پتہ اور اپنے پاؤں میں کیچڑ لایا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کبوتر کی گردن میں ایک ہری شاخ کا ہار ڈالا اور اس کے لئے دعا کی کہ تو خوشی اور امن میں رہے (یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے گھروں میں مانوس ہو کر اپنا مسکن اختیار کرتا ہے) راوی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم اس کو[1] اپنے گھر نہ لے چلیں تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیسے تمہارے ساتھ رہ سکتا ہے حالانکہ اس کا رزق دنیا میں ختم ہو چکا ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ، اس کے بعد وہ شخص مٹی ہو گیا۔

علباء بن احمد عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا عبداللہ ابن عباسؓ نے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسی اشخاص تھے اور ہر ایک کے ساتھ اس کا کنبہ بھی تھا اور یہ لوگ کشتی میں تقریباً ایک سو پچاس دن رہے، اور اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا تھا اور کشتی چالیس دن بیت اللہ کے گرد چکر لگاتی رہی اس کے بعد اس کا رخ جبل جودی کی طرف پھیر دیا گیا وہیں جاکر کشتی ٹھہر گئی، پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اہل زمین کی خبر لینے ایک کوے کو بھیجا تو کوے نے مردار دیکھے تو ان پر چھپٹ پڑا اور تاخیر کی جس کی وجہ سے کبوتر کو بھیجا تو کبوتر ایک زیتون کے پتے کو لے کر آیا اور اس کے پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے جس کو دیکھ کر حضرت نوحؑ نے اندازہ لگایا کہ زمین خشک ہو چکی ہے پھر حضرت نوحؑ جودی پہاڑ سے زمین پر اتر آئے اور پھر ایک بستی کو تعمیر کیا جس کا نام "ثمانین" رکھا (یعنی ۸۰ آدمیوں کی بستی) اسی دوران ایک مرتبہ صبح کو اٹھے تو ہر آدمی کی زبان بدل چکی تھی، (یعنی ۸۰ زبانیں ہو چکی تھیں) اور ان میں سے ایک زبان عربی کی تھی بقیہ زبانیں کوئی بھی ایک دوسرے کی نہیں سمجھ رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام ہر ایک کی ترجمانی فرماتے تھے۔

اور حضرت قتادہ رحمھم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قوم نوح کے یہ افراد رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے اور ایک سو پچاس دن چلتے رہے جن میں سے ایک مہینہ جبل جودی پر ٹھہرے رہے، پھر محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کشتی سے باہر آئے، اور ابن جریر ایک خبر مرفوع میں ذکر کرتے ہیں کہ اس دن یہ لوگ (شکریہ کے طور پر کہ اس دن ان کو سیلاب کے عذاب سے نجات حاصل ہوئی) روزہ رکھتے تھے۔

[2] حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ یہودیوں کے پاس سے گزرے کہ وہ لوگ یوم عاشورہ کو روزہ رکھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کس چیز کا روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے

---

[1] یعنی حضرت نوح کے اس بیٹے حام کو اپنے گھر لے چلیں۔

[2] وقال الامام احمد: حدثنا ابو جعفر، حدثنا عبدالصمد بن حبیب الازدی عن ابیہ حبیب بن عبداللہ عن شبل، عن ابی ھریرۃؓ،...... الخ.

نجات دی جبکہ فرعون کو غرق کردیا اور اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جبل جودی پر ٹھہر گئی تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں زیادہ حقدار ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی محبت میں روزہ رکھوں (جبکہ یہودی بھی رکھتے ہیں) اور نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص صبح کرے اس حالت میں کہ (اس نے صبح صادق کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو) اس کو چاہئے کہ وہ روزہ کی نیت کرلے اور جس شخص نے کچھ کھا پی لیا ہے اس کو چاہئے کہ احتراماً سارا دن کچھ نہ کھائے۔[1]

اس واقعہ میں بعض جاہلین نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ زائد توشہ بچ گیا تھا یعنی گندم کے دانے وغیرہ ان کو پیس لیا اور کھالیا تھا، اور انھوں نے اثمد کا سرمہ لگایا تا کہ کشتی میں کئی دن اندھیرے میں رہنے کے بعد باہر فضاء کی روشنی سے مستفید ہو سکیں، (اس قسم کی تمام باتیں صحیح نہیں ہیں) اور اس کے متعلق بعض بزرگوں سے اقوال منقول ہیں جو کہ بنی اسرائیل سے منقول ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور ان کی اقتداء بھی نہیں کی جاسکتی...... واللہ اعلم

اور محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح علیہ السلام کو روکنے کا ارادہ فرمایا تو زمین پر زبردست ہوائیں چلائیں جس سے پانی رک گیا اور چشمے ابلنا بند ہو گئے اور پانی کم ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ خشک ہو گیا۔

اہل توراۃ کے گمان کے مطابق کشتی جبل جودی پر رجب کی دسویں تاریخ کو ٹھہری اور دسویں مہینے (شوال) کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نمودار ہونا شروع ہو گئیں، اس کے چالیس روز گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کی کھڑکی کھولی اور ایک کوّے کو یہ جانچنے کے لئے بھیجا کہ دیکھو طوفان نے زمین پر کیسی تباہی مچائی ہے لیکن کوّا واپس نہ آیا (اس وجہ سے کہ وہ مرداروں کے کھانے میں مصروف ہو گیا) پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا تو کبوتر کچھ دیر کے بعد واپس آیا اور اس کے پاؤں وغیرہ پر کوئی ایسی علامت نظر نہیں آئی (جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کہیں بیٹھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی موجود تھا) نوح علیہ السلام نے کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر کبوتر کو پکڑا اور اندر داخل کردیا، پھر سات دن گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو دوبارہ بھیجا یہ معلوم کرنے کے لئے اب زمین کی کیا حالت ہے کبوتر فوراً تو واپس نہیں آیا لیکن شام کو واپس آیا اور اس کے منہ میں زیتون کا پتہ تھا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اب پانی سطح زمین سے کم ہو گیا ہے، پھر سات دن گزرنے کے بعد کبوتر کو بھیجا لیکن کبوتر واپس نہیں آیا اس سے نوح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ سطح زمین ظاہر ہو چکی (اس وجہ سے کبوتر نے کہیں ٹھکانہ پکڑ لیا ہوگا) اور جب طوفان کی ابتداء اور اس کبوتر کے بھیجنے کے درمیان ایک سال مکمل ہو گیا حتیٰ کہ دوسرے سال کا پہلا دن پھر گزر گیا تو سطح زمین کا ظہور شروع ہو گیا، جنگل بھی ظاہر ہو گیا، تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کا ڈھکن کھول دیا۔[2]

---

[1] وهذا الحديث لا شاهد في الصحيح من وجه آخر، والمستغرب ذكر نوح ايضا، ..... والله اعلم

[2] وهذا الذي ذكره ابن اسحاق هو بعينه مضمون سياق التوراة التي بايدي اهل الكتاب

اور ابن اسحاق نے یہ بھی فرمایا کہ دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی چھبیس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو یہ حکم دیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (ترجمہ) حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کی ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعت پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) نفع دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔[1]

اس کے متعلق اہل کتاب نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا اور حکم دیا کہ اب تم اور تمہاری بیوی تمہارے بیٹے اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں اور جمیع چوپائے باہر نکل آؤ تاکہ افزائش نسل ہو اور زمین میں انسانوں کی آبادی بڑھے، تو حضرت نوح علیہ السلام نے تمام لوگوں کو باہر نکالا اور پھر ایک مذبح خانہ بنایا[2] اور حلال چوپائے اور حلال پرندوں کی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آئندہ کبھی بھی اہل زمین پر ایسا زبردست طوفان نہیں آئے گا اور اس وعدہ کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک علامت مقرر فرمادی جس کو قوس قزح[3] کہا جاتا ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ قوس قزح اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوفان سے امن کا پیغام ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ قوس قزح اس بات کی علامت ہے کہ اب طوفان نوح جیسا طوفان نہیں آئے گا، (البتہ اگر اکا دکا کہیں طوفانی واقعات واقع ہو جائیں تو یہ اس روایت کے منافی نہیں ہیں)

بعض احمق اور جاہل لوگوں کی جماعت اور اہل ہند نے طوفان نوح کا انکار کیا ہے، جبکہ انہیں میں سے بعض لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طوفان نوح واقع ہوا تھا لیکن یہ طوفان بابل کی ایک بستی پر نازل ہوا ہم تک اس طوفان کا کوئی اثر نہیں پہنچا تھا، کیونکہ ہمیں یہ بادشاہت وغیرہ اپنے آباؤ اجداد یعنی کیومرثا (آدمؑ) سے ابھی تک متواتر ملتی چلی آئی ہے، یہ ان لوگوں کے قول ہیں جو زندیق، آتش پرست مجوسی، اور شیطان کے متبعین ہیں، اور یہ محض ادہام پرستی اور صریح جہالت اور کفر جلی ہے اور محسوس و مشاہد چیزوں پر ہٹ دھرمی اختیار کرنا ہے، اور آسمان و زمین کے پروردگار کی تکذیب کرنا ہے جو کہ واضح کفر ہے اور جبکہ تمام آسمانی مذاہب والے طوفان نوح کے وقوع پر متفق ہیں اور لوگوں سے تواتراً یہ بات ثابت ہے کہ طوفان نوح واقع ہوا تھا اور اس طوفان نے پوری روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جس کے نتیجہ میں کوئی بھی کافر زندہ نہیں بچا تھا سب غرق ہو چکے تھے۔

اور یہ نبی معصوم حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعا کا اثر تھا جو کہ ان کی یقینی تقدیر میں نافذ ہو چکا تھا، جس پر بے شمار قرآنی آیات ذکر کی گئی ہیں اس کے باوجود کوئی بغض و عناد کی وجہ سے طوفان نوح کا انکار کرے تو وہ صریح کفر و ضلالت و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے......؟

---

[1] سورہ ھود آیت ۴۸

[2] جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ

[3] یہ بارش کے دنوں میں آسمان پر تلوار کی شکل میں کئی رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

”حضرت نوح علیہ السّلام کی ذات مبارکہ کے متعلق کچھ ذکرِ خیر“

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا (ترجمہ) کہ بے شک نوح ہمارے شکر گزار بندے تھے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے رہتے تھے کھانے، پینے اور لباس غرض کہ ہر نعمت وغیر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

[۱] حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ عطا فرمادیتے ہیں جو کہ ہر کھانے اور ہر پینے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ [۲]

اور یہ تو ظاہری بات ہے کہ شاکر اس شخص کو کہتے ہیں جو کہ دل سے اور اپنے اعمال و جوارح سے ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں مصروف ومنہمک رہے جیسا کہ شاعر کا قول:-

افادتكم النعماء منى ثلاث يدى ولسانى والضمير المحجبا

(ترجمہ) فائدہ پہنچایا تجھ کو تیری نعمتوں نے میری طرف سے تین چیزوں کا میرے ہاتھوں کا اور میری زبان کا اور پوشیدہ قلب کا یعنی تیری نعمتوں کی وجہ سے میری زبان میرے ہاتھ میرا دل تیرے شکر وعظمت میں محو ہیں۔

شاعر نے بھی شکر کیلئے تین ہی چیزوں کو ذکر کیا ہاتھ، زبان اور دل، کہ شکر ان تین چیزوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کے روزہ کا تذکرہ

[۳] ابن ماجہ نے (باب صیام نوح علیہ السلام) کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”حضرت نوح علیہ السلام ایام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے۔

اور طبرانی نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”حضرت نوح علیہ السلام یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے آدھی زندگی روزے رکھے، (یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور

---

[۱] وقال الامام احمد، حدثنا ابو اسامه، حدثنا زكريا بن ابى زائدة عن سعيد ابن ابى بردة، عن انس بن مالك... الخ، [۲] وكذا رواه مسلم والترمذى والنسائى من حديث ابى اسامةؓ. [۳] حدثنا سهل بن ابى سهل، حدثنا سعيد بن ابى مريم، عن ابن لهيعته، عن جعفر بن ربيعته، عن ابى فرس، انه سمع عبدالله بن عمرؓ... الخ.

[۴] قال الطبرانى حدثنا ابو الزنباع روح بن فرج، حدثنا عمر بن خالد الحراى، حدثنا ابن لهيعته عن ابى قتادة عن يزيد بن رباح ابى فراس انه سمع عبدالله بن عمرؓ ... الخ

ایک دن چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور کبھی رکھتے تھے اور کبھی افطار کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا تذکرہ

[1] حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حج کے دوران وادی عسفان سے گزرے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ کون سی وادی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یہ وادی عسفان [2] ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اپنے سرخ اونٹوں پر گزرے جن کی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں اور ان کے جسموں پر طویل جبے تھے اور ان کی چادریں اون کی بنی ہوئی تھیں، اس حالت میں وہ بیت عتیق (قدیم گھر) کا حج کرنے چلے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ جو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی شخص آیا، اس پر عابدوں کا جبہ تھا (لیکن) وہ دیباج (ریشمی کپڑے) سے (کڑھائی کر کے) سجا ہوا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا، خبر رکھو کہ تمہارے اس ساتھی نے ہر شہسوار ابن شہسوار کو نیچا کر دیا، یا حضور ﷺ نے یہ فرمایا (راوی کو شک ہے) کہ یہ شخص ہر شہسوار ابن شہسوار کو پست کرنا چاہتا ہے اور چرواہے ابن چرواہے کو بلند کرنا چاہتا ہے راوی کہتے ہیں پھر حضور اکرم ﷺ نے اسکے دامن کو پکڑا (اور کھینچتے ہوئے) فرمایا اے شخص میں تجھ پر جاہلوں کا لباس دیکھ رہا ہوں، پھر فرمایا بے شک اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آگیا، تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی فرمایا میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں، دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تجھے لا الٰہ الا اللہ کا حکم کرتا ہوں بے شک اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک طرف پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں یہ کلمہ رکھ دیا جائے تو بے شک لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا، اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک حلقہ بن جائیں پھر بھی لا الٰہ الا اللہ ان پر بھاری ہو جائے گا۔ (اور دوسری بات جس کا حکم دیتا ہوں) وہ ہے سبحان اللہ و بحمدہ، بے شک یہ ہر چیز کو کفایت کرنے والی ہے اور مخلوق کو رزق اسی کے وسیلے سے ملتا ہے۔

اور میں تجھے روکتا ہوں دو چیزوں سے وہ ہیں شرک اور بڑائی، راوی کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور نے حضور

---

[1] وقال الحافظ ابو یعلی، حدثنا سفیان بن وکیع، حدثنا ابی، عن زمعۃ (وھو ابن ابی صالح) عن سلمۃ بن دران عن عکرمۃؓ عن ابن عباسؓ ......الخ

[2] یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

ﷺ سے سوال کیا یارسول اللہ شرک کو تو ہم نے جان لیا، لیکن یہ کبر (بڑائی) کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس دو عمدہ جوتے ہوں اور ان کے تسمے بھی اچھے ہوں؟ فرمایا! نہیں، پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ ہم میں کسی کے پاس عمدہ جوڑا ہو جس کو وہ پہنتا ہو؟ فرمایا نہیں پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ اس کے اصحاب ہوں اور وہ ان کے ساتھ بیٹھتا ہو؟ (یعنی وہ بڑا اسر دار یا لیڈر ہو یا کوئی اور صورت ہو جس سے لوگ اس کے گرد وپیش جمع ہوں تو کیا یہ بڑائی ہے)؟ فرمایا نہیں، پھر پوچھا گیا پھر یارسول اللہ بڑائی کیا چیز ہے؟

تو پھر فرمایا: حق سے انکار (اور ہٹ دھرمی کرنا) اور لوگوں کو حقیر سمجھنا[1]

یہ تھی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت و نصیحت۔

آپ کی عمر مبارک :-

اہل کتاب اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح کشتی میں سوار ہوئے تو ان کی عمر مبارک چھ سو سال تھی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اور اس میں یہ زیادتی بھی ہے کہ پھر کشتی سے اترنے کے بعد آپ نے زندگی کے ساڑھے تین سو سال بسر کئے، لیکن اس خیال و قول میں کچھ (غلطی کا امکان) ہے۔ کیونکہ اگر اس قول اور قرآنی مراد و مطلب کے درمیان ہم آہنگی و موافقت نہ ہو، تو یہ قول سراسر غلط ہوگا، اس لئے کہ قرآنی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نبوت ملنے کے بعد اور طوفان کی تباہی سے پہلے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے ہیں (کیونکہ قرآن میں فرمان باری ہے اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پھر وہ ان میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے رہے[2] تو اس سے یہ مصنف کا دعویٰ بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے) پھر اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان میں کتنے عرصہ ٹھہرے؟ واللہ اعلم اور اگر ابن عباسؓ کی روایت میں سے یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نوح کو پیغمبری چار سو اسی سال کی عمر میں ملی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال جئے، تو اس حساب سے ان کی زندگی سترہ سو اسی سال بنتی ہے۔

مرقد مبارک :-

ابن جریرؒ اور ازرقیؒ، عبدالرحمٰن بن سابط یا دوسرے تابعین سے روایت کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے، اور یہ بات اکثر ان متاخرین کے اقوال کے مقابلے میں زیادہ قوی اور ثابت ہے جو کہتے ہیں کہ بقاع شہر جو آج کل[3] "کرک نوح" سے مشہور ہے، وہاں ہے اور اسی وجہ سے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔

---

[1] وهذا اسناد صحيح ولم يخرجوه ورواه ابو القاسم الطبراني من حديث عبدالرحيم بن سليمان، عن محمد بن اسحاق، عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن عمر بن الخطاب، عن النبي ﷺ بنحوه والظاهر انه عن عبدالله بن عمرو بن العاص، كمارواه الطبراني واحمد، والله اعلم۔

[2] عنکبوت ۱۴۔ [3] یعنی مصنف کے زمانے میں مصنف م ۷۷۴

حضرت ہود علیہ السّلام کا قصہ

حضرت ہود علیہ السّلام کا قصہ

حضرت ہود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ دو طرح سے بیان ہوا ہے۔

پہلا نسب نامہ :- یہ ہے ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام اور یہی نسب نامہ یوں بھی بیان ہوا، عابر یعنی ھود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہیں۔

دوسرا نسب نامہ یہ ہے :- ہود بن عبد اللہ، بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام، ابن جریرؒ نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اور ان کا تعلق عاد قبیلے سے تھا جس کا نسب یوں ہے عاد بن عوص بن سام بن نوح اور یہ اعرابی (یعنی دیہاتی) لوگ تھے، اور پہاڑیوں اور ٹیلوں کی گھاٹیوں میں رہا کرتے تھے اور یہ علاقہ یمن میں تھا، جو عمان اور حضر موت کے درمیان ہے اور اس کو شحر کا نام دیا جاتا تھا، اور اس قبیلے کی وادی، مغیث نام سے تھی، اور اکثر یہ لوگ ایسے خیموں میں رہتے تھے، جو مضبوط اور بھاری ستونوں پر قائم ہوتے تھے جیسے قرآن مقدس بھی اس کی تائید کرتا ہے فرمایا! اے (مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پرور دگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا (برتاؤ) کیا، (قوم عاد سے مراد یعنی) ارم ہے، جو ستونوں والے تھے۔[1]

اور یہاں یہ بھی وضاحت فرمادی گئی کہ عاد سے کون سے عاد مراد ہیں؟ فرمادیا پہلے عاد مراد ہیں جن کا ارم نام بھی تھا، اور دوسرے عاد وہ بعد میں آئے، جس کا بیان عنقریب اپنے مقام پر ہونے والا ہے۔

تو فرمایا کہ یہ پہلے عاد ستونوں والے تھے اور آگے فرمایا ان کے جیسے (دنیا کے) شہروں میں (کوئی بھی) پیدا نہیں کئے گئے۔[2] اور اس سے کیا مراد ہے؟ کہ ان جیسے پیدا نہیں کئے گئے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ اس قبیلے جیسے اور لوگ پیدا نہیں کئے گئے (یعنی وہ انسان انتہائی قدآور اور زور آور تھے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے مسکن اور رہائش کی جگہیں بہت لمبے ستونوں والی تھیں، (جن کی مثل دنیا میں کوئی جگہیں نہیں بنائی گئیں)

اور اس ارم شہر کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ زمین میں گھومتا رہتا ہے کبھی ملک شام میں کبھی یمن میں، کبھی حجاز مقدس میں، کبھی اور کہیں لیکن ان کا یہ خیال حقیقت سے دور ہے، اور ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اور اس کی کوئی برہان نہیں جس کی طرف رجوع کیا جاسکے، اور نہ کوئی سند ہے جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔

اور حضرت ہود کس زبان کے تھے؟ تو حدیث کی کتاب صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ذرؓ نے حضور ﷺ سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہے جس میں انبیاء ورسولوں کا ذکر ہے تو اس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

انبیاء میں سے چار انبیاء عربی ہیں، ہود، صالح، شعیب، اور تیرا نبی اے ابو ذر (یعنی محمد ﷺ)

اور کہا جاتا ہے حضرت ہود علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنھوں نے عربی زبان میں گفتگو فرمائی، لیکن وہب بن منبہؒ کا خیال ہے کہ ان کے والد نے پہلے عربی میں گفتگو فرمائی، اور دوسرے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ پہلے شخص جنھوں نے عربی زبان میں گفتگو کی وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اور ایک قول ہے وہ حضرت

---

[1] [2] فجر آیت ۶۔۷۔۸

آدم ہیں اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اور بھی دوسرے اقوال ہیں، واللہ اعلم

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے جو عرب لوگ تھے ان کو "العرب العاربة" یعنی خالص عرب کہا جاتا تھا اور یہ بہت سے قبائل تھے، عاد ثمود، جرہم، طسم، جمیس، امیم، مدین، عملاق، عبیل، جاسم، قحطان، بنو یقطن وغیرہ (تو یہ قبائل خالص عرب تھے اور عربی ان کی اپنی زبان تھی) اور ان کے علاوہ وہ عرب جو عربوں میں داخل ہو کر عرب بنے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے عرب لوگ تھے، اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام یا اور جو فصیح عربی والا تھا، انھوں نے اس عربی زبان کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا، اور قوم جرہم، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ جب مکے کے بیابان علاقے میں چھوڑ دیئے گئے تھے تب وہاں آکر بسی تھی جس کا بیان اپنے مقام پر انشاء اللہ ضرور آئے گا، تاہم اگرچہ حضرت اسماعیلؑ نے عربی کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کو عربی میں بہت ہی فصاحت وبلاغت اور عمدہ بیان سے نوازا تھا، اور اسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی عربی زبان بہت شیریں اور فصیح بلیغ بولتے تھے۔

(تو خیر یہ حضرت ہود عربی تھے) اور ان کی قوم عاد، طوفان، نوح کے بعد سب سے پہلے بتوں کے پجاری بنے، اور ان کے معبودان باطلہ تین تھے، صدا، صمود، وھرا،

پھر اللہ عزوجل نے ان میں انہی کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا، آپ نے اپنی قوم کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی طرف بلایا، جیسے قرآن میں آیا ہے۔

(ترجمہ) اور اسی طرح قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا بھائیو خدا ہی کی عبادت کرو، اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں انھوں نے کہا میری قوم! مجھے میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں میں تمہیں خدا کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار، خیر خواہ ہوں کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم یاد تو کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا، پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم تنہا خدا کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ، ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے، ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو نجات بخشی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی، اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں[1]

اور سورۃ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم نے عاد کی طرف

[1] سورۃ اعراف آیت ٦٥ ۔ ج٢ ۔ ٧٢

ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم (شرک کر کے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو۔ میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں ؟ اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔ وہ بولے ہود (تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر دیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو)۔ تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنا چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں خدا پر اور جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسہ رکھتا ہوں (اور زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہاری طرف پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو بسالائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے، میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے، اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کی ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی، یہ وہی (عاد) ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا، تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی)۔ دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔[1]

اور سورۂ مومنون میں نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرماتے ہیں (ترجمہ) پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہیں میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا کہ) خدا ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار تو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے جس قسم کا تم کھانا کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی طرح کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے، کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے، زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر ہم نہیں اٹھائے جائیں گے، یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

(پیغمبر) نے کہا اے پروردگار انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر فرمایا کہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے تو ان کو (وعدۂ) برحق (کے مطابق) زور کی آواز نے آپکڑا تو ہم نے ان کو

---

[1] سورۂ ھود: آیت ۵۰ تا ۶۰۔

عذاب میں ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ سورۃ شعراء میں قصۂ حضرت نوحؑ کے بعد فرماتے ہیں (ترجمہ) (قوم) عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے انکے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمھیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔

مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے، وہ کہنے لگے ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے، یہ تو پہلے (انبیاء) لوگوں کے طریقے ہیں، (کہ وہ بھی تمہاری طرح قوموں کو ڈراتے تھے) اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا، تو انھوں نے ہود کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا بے شک اس میں نشانی ہے، اور ان میں (سے) اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔[2]

اور قرآن میں ایک اور مقام پر ہے (ترجمہ) جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور (وہ لوگ) کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت میں بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں، اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔[3]

اور قرآن میں دوسرے مقام پر ہے (ترجمہ) اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو، اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ، انھوں نے کہا (اس کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمھیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو، پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) انکے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے، جو ہم پر برس کر رہے گا، (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کیا کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے جو ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا گناہ گار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔[4]

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں (ترجمہ) اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی، وہ جس چیز پر بھی چلتی اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔[5] اور سورۂ نجم

---

[1] سورۃ المومنون آیت ۳۱۔۴۱ [2] سورۃ شعراء آیت ۱۲۳ تا ۱۴۰۔ [3] سورۃ حم سجدہ آیت ۱۵۔۱۶۔
[4] سورۃ الاحقاف آیت ۲۱ تا ۲۵۔ [5] سورۃ الذریت آیت ۴۱۔۴۲۔

میں فرمایا(ترجمہ)اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) نے عاد اول کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کو بھی، غرض کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی (اس میں) کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو پٹخ دیا، پھر ان پر جو (عذاب) چھایا..... چھایا، تو (اے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون سی کونسی نعمت پر جھگڑے گا۔[1]

اسی طرح سورہ قمر میں فرمایا(ترجمہ) (قوم) عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا، ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی، وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑ ڈالتی تھی گویا کہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں، سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا، اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا، تو کوئی (ایسا) ہے کہ سوچے (اور) سمجھے؟[2]

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا(ترجمہ)اور بہر حال رہ گئے عاد (کہ اللہ تعالیٰ) نے ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا خدا نے (آندھی کو) سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) پچھاڑے، (اور مرے) پڑے دیکھے گا(کہ) جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے (پڑے ہوئے ہیں) بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا(ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟(جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد (تھے) کہ (ان کے جیسے) دنیا کے تمام شہروں میں کوئی اور پیدا نہیں کئے گئے تھے، اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا؟) جو وادی (قری) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے، اور فرعون کی ساتھ (کیا کیا؟) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے اور ان میں بہت سی خرابیاں (اور فساد) برپا کرتے تھے، تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کو برسایا، بے شک تمہارا پروردگار گھات لگائے ہوئے ہے،[4]

اور اس طرح حضرت ہودؑ کا ذکر مبارک سورۃ براءت ۷۰۔ ابراہیم ۹۔ فرقان ۳۸۔ عنکبوت ۳۸، صٓ ۱۲۔ ق ۱۳۔ میں آیا ہے۔

اگرچہ ان تمام جگہوں پر ہم نے اپنی تفسیر میں اللہ کی حمد اور احسان کیساتھ تفسیر کی ہے پھر بھی یہاں انکا خلاصہ اور اس قصے کے متعلق دوسرے مزید اقوال بھی ذکر کریں گے۔

اور قوم ہود حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد پہلی قوم ہے، جو بت پرستی میں مبتلا ہوئی قرآن میں بھی ہے، (حضرت ہود اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں)اور یاد تو کرو، جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا، اور تم کو بہت پھیلاؤ اور کشادگی مرحمت فرمائی پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ نجات پالو۔[5] اور اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے تمام اہل زمانے میں قدآور، زورآور اور مضبوط بنایا ہے، اسی طرح سورۂ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا، پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی،[6] اور صحیح اقوال کے مطابق یہ جماعت حضرت ہود علیہ السلام کی ہی تھی، جبکہ بعض

---

[1] سورۃ النجم آیت ۵۰۔ تا ۵۵۔ [2] سورۃ القمر آیت ۱۸۔ تا ۲۲۔ [3] سورۃ الحاقہ۔ آیت ۶ تا ۸۔
[4] سورۃ الفجر آیت ۶ تا ۱۴۔ [5] اعراف ۶۹۔ [6] مومنون ۳۱

دوسرے مفسرین حضرات کے خیال کے مطابق یہ قوم قوم ثمود تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس مذکورہ سورۂ مومنون کی آیت کے کچھ بعد فرمان ہے! پھر ان کو ایک چیخ نے آپکڑا پھر (اس چیخ نے) ان کو کوڑا بناڈالا۔[۱] اور چیخ سے قوم ثمود ہلاک ہوئی ہے، جو حضرت صالحؑ کی قوم تھی اور حضرت ہودؑ کی قوم عاد تو تند تیز ہواؤں سے ہلاک ہوئی ہے جیسے قرآن میں ہے بہر حال عاد، توان کو تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔[۲] تو یہ تھی ان حضرات کی دلیل جو فرماتے ہیں کہ طوفان نوحؑ کے بعد قوم ثمود صفحۂ ہستی پر آباد ہوئی۔

اس کا جواب ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قوم عاد پر ہواؤں کے عذاب کے ساتھ چیخ کا عذاب بھی مسلط اور جمع ہوا ہو تو اسمیں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے کہ اہل مدین اصحاب الایکہ پر عذابوں کی کئی انواع جمع ہوگئیں تھیں۔لہذا عاد کے ثمود سے پہلے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

تو یہ قوم عاد سرکش متکبر کافروں کی قوم تھی، جو بتوں کی پرستش میں ہٹ دھرم اور حد سے گذرے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے انکی طرف انہی میں سے ایک آدمی کو بھیجا، جس نے انکو اللہ کی طرف بلایا اور انکو توحید واخلاص الٰہی کی دعوت دی۔ لیکن قوم عاد نے انکی مخالفت کی، جھٹلایا اور عیب لگائے، تو پھر اللہ نے بھی جو زبردست ہے، قدرت والا ہے، زبردست پکڑ کی۔

جب حضرت ہودؑ نے انکو اللہ کی عبادت اور اسکی اطاعت اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کیلئے بلایا اور اسپر انکو دین ودنیا کی بھلائی کے وعدے فرمائے، اور نافرمانی پر دنیا وآخرت کے عذابات سے ڈرایا۔ توانکی قوم نے کہا (قرآن میں ہے) تو حضرت ہودؑ کی قوم کے کافر لوگوں کی جماعت نے کہا بے شک ہم تو تجھ کو بیوقوفی میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں۔[۳] یعنی ہم جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی سے رزق اور مدد کی امید کی جاتی ہے آپ انکو چھوڑنے کی بات کر رہے ہیں تو یہ آپ کی سراسر بیوقوفی ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ آپ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تو حضرت ہودؑ نے جواب دیا: فرمایا: اے قوم میرے ساتھ کوئی بیوقوفی نہیں ہے اور لیکن میں جہانوں کے پرورد گار کی طرف سے رسول ہوں (القرآن[۴]) یعنی بات ایسے نہیں ہے جیسے تم خیال کر رہے ہو اور یقین کئے بیٹھے ہو بلکہ: میں تو تم کو اپنے پرورد گار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارے لئے خیر خواہ امانت دار ہوں۔[۵]

اور پہنچانا بھی صرف ایسا نہیں تھا کہ بس ذمہ داری پوری کر دی جائے، بلکہ فصیح بلیغ اور مختصر، عمدہ، جامع کلام کے ساتھ انکو سمجھایا اور ایسی باتوں کی طرف بلایا جن میں کوئی اختلاف اور التباس، اضطراب نہیں تھا اور انکو سیدھی راہ چلنے پر اکسایا، اور خوب اپنی قوم پر شفقت ونرمی نچھاور کی۔ اور سب باتوں کے باوجود کسی اجروانعام کے طلب گار نہ ہوئے۔ بلکہ محض خالص رضائے الٰہی اور اپنی قوم کی بھلائی، کو پیش نظر رکھا اور اجرت ومعاوضہ کی امید صرف اللہ سے رکھی۔ اسلئے کہ دین ودنیا کی تمام بھلائی اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے اور سب میں اس کی مرضی چلتی ہے اسی وجہ سے حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو یوں خطاب کیا: اے قوم میں تم سے اسپر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اسی پر ہے، جس نے مجھے پیدا کیا کیا، تم سمجھ نہیں رکھتے۔ القرآن[۶] یعنی کیا تمہیں کوئی

---

[۱] مومنون ۴۱۔ [۲] الحاقہ ۶ [۳] اعراف ۶۶ [۴] اعرف ۶۷
[۵] اعراف ۶۸ [۶] هود ۵۱

عقل نہیں ہے کہ تم صحیح غلط کو تمیز کر سکو، اور سمجھ سکو کہ میں تم کو اس واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں، جسکی گواہی تمہاری فطرت وطبیعت بھی دے رہی ہے جس پر تم کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ فطرت وطبیعت وہی دین ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا گیا اور پھر اسکی مخالفت کرنے والی ساری مخلوق تباہ وبرباد ہوگئی لہٰذا خبردار: میں بھی تم کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں، اور اسپر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا۔

بلکہ اسکی امید میں صرف اللہ سے رکھتا ہوں، جو نفع ونقصان کا مالک ہے۔ ایک دوسرے نبی کی اس بات کی تائید ایک مومن نے کی اور کہا: (اے قوم) جو شخص تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اسکی اتباع کرلو، اور (اتباع کرنے والے) لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں اور مجھے کیا ہے؟ کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ اور اسی کی طرف تم (سب بھی) لوٹائے جاؤ گے۔ (القرآن) [1]

تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے ان کا جواب دیا، کہنے لگے: اے ہودؑ تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا، اور ہم تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تیرے ساتھ برائی کا ارادہ کرلیا ہے۔ (القرآن) [2]

یعنی تو ہمارے لئے کوئی خلاف عادت، عجیب اور انہونی چیز، نہیں لایا، جو آپکی سچائی کی گواہی بن سکے لہٰذا ہم ایسے آدمی نہیں ہیں کہ محض تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔ اور جبکہ تونے اپنی بات پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں کی۔ اور کسی برہان سے بھی اسکو مضبوط نہیں کیا۔ بس ہم تو تجھ کو تیرے خیال میں مجنوں سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی ہمیں یہ لگتی ہے کہ ہمارے بعض معبود تجھ پر غصہ ہو گئے ہیں، جس سے تیری عقل اڑ گئی اور جنون تجھ کو لاحق ہو گیا ہے۔ تو پھر حضرت ہودؑ نے انکو جواب دیا: کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم کو بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے (ان معبودوں) سے بری ہوں، جن کو تم نے اللہ کے سوا شریک بنا رکھا ہے، پھر تم سب میرے (خلاف ہر طرح کے) مکر کرلو۔ پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔ [3]

یہ حضرت ہودؑ نے انکے کیلئے حد بندی فرمائی اور انکے معبودان باطلہ سے برآت ظاہر کی، اور انکی قباحت وشناعت بیان کی، اور واضح کردیا کہ وہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ وہ صرف پتھر ہیں جو پتھر کا حکم وہ انکا حکم۔ جو پتھروں سے کام ہوتا ہے، وہ ان سے ہو سکتا ہے۔ تو بس اگر تمہارے خیال کے مطابق وہ مدد کر سکتے ہیں، نفع پہنچا سکتے ہیں، نقصان سے بچا سکتے ہیں، تو میں ان سے بری ہوں، انپر لعنت کرتا ہوں، لہٰذا تم سب (اپنے معبودوں کے ساتھ بھی ملکر) میرے خلاف جو مکر وفریب کر سکتے ہو کرلو، اور مجھے سنبھلنے کا موقع بھی مت فراہم کرو۔ تم جسکو بھی اپنے ساتھ، میرے خلاف شامل کر سکتے ہو، اور اسکی مدد حاصل کر سکتے ہو کرلو۔ اور مجھے ایک گھڑی کی مہلت نہ دو بلکہ پلک جھپکنے کا موقع نہ دو۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور تمہاری (طاقت کے بارے میں) بھی کوئی فکر نہیں ہے اور نہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں بلکہ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور نہیں ہے کوئی جاندار چیز، مگر اسکی پیشانی کو وہ پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے [4] یعنی میں اللہ ہی پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں اور اسکی حمایت وتائید مجھے حاصل ہے پھر اس کی ذات پر اعتماد ہے، جسکی طرف جو بھی آس لگائے اور متوجہ ہو وہ ضائع نہیں ہوتا۔ لہٰذا مجھے اس

---

[1] یٰسین ۲۱۔ ۲۲ [2] ھود ۵۳۔ ۵۴ [3] ھود ۵۴۔ ۵۵ [4] ھود ۵۶

خالق کے سوا کسی مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اور میں اسکے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا، اور اسکے سوا کسی کے آگے جبین نیاز نہیں جھکاتا، بلکہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

اور حضرت ہودؑ کا یہ چیلنج دینا اور دوسروں کو عاجز کردینا ہی انکی دلیل و معجزہ تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اور وہ خود جہات اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی پرستش و پوجا پاٹ میں منہمک تھے۔ اور پھر وہ قوم حضرت ہودؑ کا کچھ نہ بگاڑ سکی بلکہ بال تک بیکا نہ کر سکی۔ تو یہی حضرت ہودؑ کے سچا ہونے کی دلیل وبرہان تھی۔ اور قوم کے خیال و مذہب کے بطلان پر دلیل تھی۔

اور بعینہ یہی دلیل حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان سے پہلے اپنی قوم کے روبرو پیش کی تھی۔ فرمایا: اے قوم: اگر تم کو میرا تم میں رہنا، اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا، ناگوار ہو، تو میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ ملکر ایک کام (جو میرے خلاف کرنا چاہو) مقرر کرلو اور وہ تمہاری ساری جماعت سے پوشیدہ نہ رہے (یعنی سب میرے خلاف متحد ہو جاؤ اور) پھر وہ کام میرے بارے میں کر گذرو، اور مجھے (کچھ) مہلت نہ دو (القرآن) [1]

اسی طرح اللہ کے دوست، ابراہیم خلیل اللہ نے بھی اپنی قوم کے سامنے ببانگ دہل فرمادیا:۔

اور مجھے ان سے کوئی خوف نہیں، جنکو تم (اللہ کے ساتھ) شریک کرتے ہو، مگر (وہی ہوگا) جو کچھ بھی میرا رب چاہے گا۔ میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو محیط کرتا ہے۔ تو کیا پس تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ اور میں کیسے خوف کر سکتا ہوں؟ ان سے جن کو تم نے شریک ٹھرایا ہے۔ اور تم بھی نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ جسکی اس نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں فرمائی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کونسا امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے ملایا نہیں، کیا انکے لئے امن (جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اسکی قوم پر عطا کی۔ ہم جسکے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت والا، ہے (اور) علم والا ہے۔ القرآن [2]

تو خیر پھر حضرت ہودؑ کی قوم سرکش نے جواب دیا: تو انکی قوم کے سردار جو کافر تھے، اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے، اور دنیاوی زندگی میں ہم نے انکو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو، اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے کا کہنا مان لیا تو گھاٹے والے ہو جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ القرآن۔ [3]

تو انہوں نے اس بات کو بعید از خیال و حقیقت سمجھا کہ ایک انسان رسول کیسے بن سکتا ہے؟ اور یہ شبہ واعتراض اکثر نئے اور پرانے جاہل لوگ کرتے آئے ہیں۔ جیسے قرآن فرماتا ہے، کیا لوگوں کو اس بات میں تعجب ہے؟ کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی، کہ اے پیغمبر تو لوگوں کو ڈرا (القرآن [4])

---

[1] یونس ۷۱ [2] انعام ۸۰ تا ۸۳ [3] المومنون ۳۳ تا ۳۵ [4] یونس ۲

اور فرمایا: اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو انکو ایمان لانے سے صرف اسی بات نے روکا، کہ کہنے لگے: کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دیجئے، کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور اطمینان کرتے تو ہم آسمان سے انپر فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (القرآن[۱])

تو اسی طرح ہودؑ نے بھی ان کو فرمایا: -کیا تم کو تعجب ہوا اس بات پر کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف ایک آدمی پر ذکر (وحی) آگئی جو تم میں سے ہے؟ تاکہ وہ تم کو ڈرائے (القرآن[۲]) یعنی یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اپنی رسالت سونپے۔

تو حضرت ہودؑ کی قوم کہنے لگی: - کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم زمین سے نکالے جاؤ گے؟ (یہ) بات جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بعید ہے اور (بہت) بعید ہے زندگی تو یہی ہماری بہت زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو بس ایک انسان ہے، جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اور ہم اسپر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (تو حضرت ہودؑ نے) کہا: پروردگار (میری قوم والے) مجھے جھٹلاتے ہیں، (اسپر) میری مدد فرما (القرآن[۳]) ان آیات سے معلوم ہوا کہ وہ قیامت کو جھوٹا سمجھتے تھے، اور بعید از حقیقت جانتے تھے۔ اور جسموں کے مٹی ہڈی ہو جانے کے بعد انکے اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یہ تو بہت بعید بات ہے، بہت بعید بات ہے۔ یعنی اس وعدے کا پورا ہونا مشکل ہے، دور ہے۔ بلکہ زندگی تو صرف یہی دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے ہیں جیتے ہیں پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی ایک قوم ختم ہوتی ہے دوسری آجاتی ہے اور بس۔ اور یہی خیال واعتقاد کمیونسٹ اور دہریہ لوگوں کا ہے۔ اور زندیقوں میں سے بعض جہلا بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ ماؤں کے رحم انسانوں کو اگل دیتے ہیں اور زمین کے رحم اسکو نگل لیتے ہیں۔ اور بس اسکے علاوہ کچھ نہیں۔ اور فرقہ دوریہ (اور آجکل کے ہندو لوگوں) کا یہ اعتقاد ہے کہ روحیں جب چلی جاتی ہیں تو پھر اسی جہان دنیا میں، چھتیس ہزار سال بعد واپس آجاتی ہیں۔

یہ تمام باتیں، جھوٹ، کفر، جہالت، گمراہی، اور باطل اقوال، اور فاسد خیال ہیں جن کی کوئی دلیل وبرہان نہیں بے سر وپا چیزیں ہیں۔ یہ کافر طبقے اپنی ان بے ہودہ باتوں کیساتھ صرف انہی لوگوں کو بھکا سکتے ہیں جو فاجر، فاسق، عقل وہدایت سے ناآشنا ہیں جیسے قرآن مقدس بھی فرماتا ہے۔

اور (وہ لوگ ایسے کام اور باتیں کرتے ہیں) تاکہ انکی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اس سے وہ راضی ہو جائیں۔ اور جو کام وہ کرتے تھے، یہ بھی کرنے لگے۔ (القرآن[۴])

(تو الغرض قوم ہود بالکل حضرت ہودؑ کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور اپنی عمارتوں اور دوسری آبادکاری میں لگے رہے)، تو پھر حضرت ہودؑ انکو اپنے وعظ مین نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کیا تم ہر بلند جگہ میں بلند وبالا عمارتیں۔ محلوں کی طرح کی بناتے ہو؟ یہ سب تم بے کار، عبث کام کر رہے ہو اس لئے کہ تم کو انکی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (محض اپنی شان وشوکت اور اپنی بڑائی کیلئے بنا رہے ہو اور یہ عظیم خیموں میں رہا کرتے تھے جن کو حد سے بڑھانے اور شان وشوکت اور اپنی بڑائی کے لئے بلند کرنے پر

---

[۱] بنی اسرائیل ۹۴-۹۵ [۲] اعراف ۶۳ [۳] مومنون ۳۵ تا ۳۹ [۴] الانعام ۱۱۳

حضرت ہودؑ نے انکو تنبیہ فرمائی) اور ان خیموں کے ستون بھی انتہائی عظیم الشان ہوا کرتے تھے جیسے قرآن نے فرمایا: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کیا (حشر) کیا عاد کے ساتھ جو ارم ہیں (اور وہ بلند) ستونوں والے تھے۔ انکے مثل علاقوں میں کوئی نہیں پیدا کیئے گئے۔[۱] اور یہ عاد پہلے عاد ہیں جنکو ارم بھی کہا جاتا تھا، اور یہ بلند ستونوں والے خیموں میں رہا کرتے تھے۔

اور بعض حضرات نے جو یہ خیال کیا ہے، کہ ارم شہر سونے چاندی کا ہے اور وہ شہروں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ تو یہ انہوں نے غلطی کی ہے اور خطا کی ہے۔ اور ایسی بات ہے جسکی کوئی دلیل نہیں (یعنی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے) اور قرآن میں انکے متعلق فرمان ہے: اور تم مصانع (یعنی کارخانے) بناتے ہو۔ شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے[۲] تو یہ جو حضرت ہودؑ کی قوم کے متعلق فرمایا: اس سے مراد یا تو محلات ہیں۔ یا پانی اکٹھا کرنے کی جگہیں ہیں۔ یا موت سے حفاظت کیلیے بڑے مضبوط محفوظ قلعے ہیں۔ اور یہ تم لوگ اسلیئے بناتے ہو تاکہ ان گھروں میں طویل طویل زمانہ آباد رہو گے۔ قرآن آگے فرماتا ہے، اور (اے قوم ہود) تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔ تو خدا سے ڈرو۔ اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اس اللہ سے ڈرو اس نے تمہیں مویشیوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے، میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ القرآن[۳]

اور قوم عاد نے اپنی کفریہ باتوں میں سے یہ بھی حضرت ہودؑ کو کہا کیا تو ہمارے پاس آیا ہے۔ تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اور انکو چھوڑ دیں جنکی عبادت ہمارے آباء کرتے آئے ہیں؟ پس تو لے آ ہمارے پاس وہ (عذاب) جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے، اگر تو سچوں میں سے ہے؟ (القرآن[۴])

یعنی کیا آپ ہمارے پاس اسلیئے یہ دعوت و تبلیغ لیکر آئے ہیں، کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں؟ اور اپنے آباء واجداد اور انکے طریقے کی مخالفت کریں؟ (ایسا ہم سے نہیں ہو سکتا)، پس اگر آپ اپنے قول و فعل میں سچے ہیں، تو اپنے کیے ہوئے وعدے کے مطابق ہم پر عذاب، و رسوائی لے آ: ہم آپکی اتباع نہیں کریں گے، اور نہ آپ پر ایمان لائیں گے، اور نہ آپکی تصدیق و حمایت کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا۔ ''کہنے لگے آپ نصیحت کریں یا نہ کریں، ہم پر برابر ہے۔ یہ صرف پہلے لوگوں (انبیاء) کے طریقے ہیں۔ اور ہم پر کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا''۔ القرآن[۵]

انکا یہ جو قول ہے کہ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ ہے یہ ترجمہ ہے اس قرآنی آیت کا ''ان ھذا الاخلق الاولین تو لفظ ''خلق'' کو خاء اور لام کے زبر کے ساتھ پڑھیں تو آیت کا مطلب ہوگا یہ باتیں صرف آپکی پیدا کردہ اور پہلے لوگوں کی کتابوں سے حاصل کردہ ہیں یہ تفسیر کئی صحابہؓ اور تابعین نے فرمائی ہے، اور اگر لفظ ''خلق'' کو خا اور لام کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو آیت کا مطلب ہوگا، یہ دین جس پر ہم قائم ہیں، یہ ہمارے آباء واجداد سے چلا آرہا ہے، اور ہم ہرگز اس سے انحراف نہیں کر سکتے، اور بدل نہیں سکتے۔ بلکہ ہمیشہ اسکو مضبوطی سے تھامے رہیں گے۔ اور اس سے اگلی آیت کہ ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ پچھلی آیت کے دونوں صورتوں

---

[۱] الفجر ۶ تا ۸ [۲] شعراء ۱۲۹ [۳] شعراء ۱۳۰ تا ۱۳۳ [۴] اعراف ۷۰
[۵] شعراء ۱۳۶ تا ۱۳۸

میں مناسب اور ربط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔

پھر انکو حضرت ہودؑ نے جواب مرحمت فرمایا:۔بے شک تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے (شرک کی) گندگی، اور غضب واقع ہو چکاہے۔

کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ جنکو تم نے اور تمہارے آباء نے گھڑ لیا ہے۔ جنکے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔پس (عذاب کا) انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (القرآن[1]) یعنی تم اپنی مذکورہ کفریہ بات کی وجہ سے، اللہ کی ناراضگی اور غصے اور برائی کے مستحق ہو چکے ہو، جس پر تم اور تمہارے آباء مصر ہو چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے اسکی کوئی دلیل بھی نازل نہیں فرمائی۔

تو پس کیا تم لوگ، اللہ وحدہ لاشریک لہ سے مقابلہ کرتے ہو اپنے بتوں کو اسکے ساتھ شریک کر کے جنکو تم نے خود تراشا ہے، اور پھر انپر خود ہی معبودوں کا نام دھر دیا ہے۔اور توحید کی حق بات کا تم انکار کرتے ہو۔اور باطل بات (شرک) پر ہٹ دھرم ہو چکے ہو؟ بس اب برابر ہے، تمہارے کرتوتوں سے میں تم کو ڈراؤں یا نہ ڈراؤں اب تو اللہ کے عذاب ہی کا انتظار کرو جو تم کو پکڑنے والا ہے وہ عذاب جو تم سے ہٹایا نہیں جائیگا، اور وہ رسوائی جو دور نہ ہوگی۔

اللہ نے فرمایا:۔(ہودؑ نے) عرض کیا: پروردگار میری مدد کیجئے اس بات کے ساتھ کے انہوں نے مجھے جھٹلادیا ہے۔(اللہ نے) فرمایا: عنقریب وہ پشیمان ہو جائیں گے۔

پھر ان کو چیخ نے آپکڑا (بطور عذاب) حق کے ساتھ، پھر ہم نے انکو کوڑا بنا ڈالا۔پس (اللہ کی رحمت سے) ظالم قوم کیلئے دوری ہے۔[2] اور فرمایا: اور (قوم ہود کے لوگ) کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے تاکہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دے؟ پس جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ۔ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ تو (ہودؑ نے) کہا (عذاب کے آنے کے وقت کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ مجھے تو جو دیا گیا ہے، وہ میں تمہیں پہنچاتا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا، جو انکی بستیوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچار کھی تھی (یعنی) آندھی جس میں دردناک عذاب ہے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔ پس وہ (ایسے) ہو گئے کہ انکے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں (القرآن[3])

اسکے علاوہ اللہ عزوجل نے انکے ہلاک کرنے کی خبر دی اور کئی جگہ بیان فرمایا ہے جو مجملاً مفصلاً گذر چکیں۔ جیسے کچھ ملاحظہ فرمائیں۔ پھر ہم نے اسکو اور اسکے ساتھیوں کو اپنی طرف سے رحمت سے نجات دیدی۔اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انکی جڑ کاٹ ڈالی۔اور وہ (واقعی) ایمان لانیوالے نہیں تھے (القرآن[4]) اور فرمایا: اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اسکے ساتھ ایمان لائے، انکو اپنی جانب سے نجات دیدی۔

اور (یہ کوئی ہلکی بات نہیں بلکہ) ہم نے انکو سخت عذاب سے نجات دی ہے۔اور یہ (تھے) عاد جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو (جھٹلادیا اور) انکار کر دیا۔ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اور انکے برعکس ہر

---

[1] اعراف ۷۱ [2] مومنون ۳۹ تا ۴۱ [3] الاحقاف ۲۲ تا ۲۵ [4] اعراف ۷۲

سرکش، ضدی کے حکم کی اتباع کرلی۔ اور اس دنیا میں بھی انپر پھٹکار کی گئی۔ اور قیامت کے دن (بھی خوب پھٹ پھٹکار برسے گی) خبردار: بے شک عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا پس عاد کیلئے جو ہودؑ کی قوم ہے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے (القرآن [۱]) اور فرمایا: ۔ پھر انکو حق کے (عذاب کے) ساتھ چیخ نے آپکڑا، پھر ہم نے انکو کوڑا کباڑ ڈالا، پس ظالم قوم کیلئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے (القرآن [۲]) اور فرمایا: پھر انہوں نے اس (ہودؑ) کو جھٹلایا، پھر ہم نے ان کو ہلاک کردیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور انکے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک تیرا پروردگار زبردست ہے (اور) رحم کرنے والا ہے۔ (القرآن [۳])

بہر حال انکی ہلاکت کی تفصیل کچھ یوں ہے جیسے اللہ نے فرمایا: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا جو انکی بستیوں کی طرف آرہا ہے، تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات کرنے والا ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچار کھی تھی۔

یعنی آندھی، جس میں دردناک عذاب ہے۔ (القرآن [۴])

تو یہ انکے عذاب کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ اور یہ لوگ خشک و قحط سالی میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے انہوں نے پانی طلب کیا، پھر انہوں نے بادل کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ رحمت کی بارش ہے جبکہ وہ عذاب کی بارش تھی۔ اسوجہ سے اللہ نے بھی یوں فرمایا: (نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جسکو تم جلدی مانگ رہے تھے۔ اور انکا عذاب کو مانگنا انکا یہ قول ہے پس (اے ہودؑ) جس سے تو ہمکو ڈراتا ہے وہ لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے (۵ قرآن) اسی طرح سورہ اعراف میں بھی آیت نمبر ۷۰ پر ذکر ہوا۔

اور اس مقام پر مفسرین وغیرہ نے وہ بات بھی ذکر کی ہے جو محمد بن اسحاق بن یسار نے نقل فرمائی ہے، جب قوم ہود نے ہر بات کا انکار کردیا، سوائے کفر باللہ کے، تو باران رحمت کو انپر تین سال تک روک دیا گیا۔ اور وہ بڑی مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس زمانے میں ان کافر لوگوں کو بھی اگر کوئی مصیبت آن پڑتی تھی تو وہ بھی اللہ ہی سے اس مصیبت سے رہائی کی دعا کرتے تھے۔ اور اسکے حرمت والے گھر یعنی بیت اللہ میں جا کر آہ وزاری کرتے۔ اور یہ رسم ورواج انکے ہاں مشہور تھا۔ اور اسوقت حرم کعبہ کی جگہوں میں قوم عمالیق مقیم تھی اور یہ قوم عمالیق، عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھی۔ اور اسوقت انکا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ اور معاویہ کی والدہ قوم عاد سے تھی جسکا نام جلہذہ بنت خیبری تھا۔

تو خیر قوم عاد نے بھی اس معروف طریقے کے مطابق، تقریباً ستر آدمیوں کا وفد بیت اللہ کی طرف بھیجا تاکہ یہ وفد وہاں پہنچ کر اپنی قوم کیلئے بارش کی طلب کرے تو یہ وفد، معاویہ بن بکر کے پاس مکہ کی عام آبادی میں پہنچا۔ اور اسکے ہاں ٹھہر گیا۔ اور ایک مہینہ تک قیام پذیر رہا۔ وہاں شراب نوشی (اور ہر طرح کی عیش وعیاشی چلتی) یہاں تک کہ معاویہ بن بکر کی دو رقاصہ لونڈیاں تھیں وہ انکو برہنہ ہو کر رقص دکھلاتیں۔ اور اسطرح عیش وعشرت میں ایک مہینہ پورا کردیا۔ اور جب انکا قیام معاویہ کے پاس طویل ہو گیا، تو معاویہ کو انکی واپسی کی فکر لاحق ہوئی لیکن ان کی قوم پر رحم آگیا، اور انکو لوٹنے کا کہنے سے شرم وحیا کی۔ آخر اس نے کچھ انکے

---

[۱] ہود ۵۸ تا ۶۰ [۲] المومنون ۴۱ [۳] الشعراء ۱۳۹۔ ۱۴۰ [۴] الاحقاف ۲۴
[۵] ہود ۳۲

متعلق شعر بنائے جسمیں اشارۃً انکو لوٹنے کا کہا گیا تھا، وہ شعر اس نے باندیوں کو دیئے کہ انکو اپنے گانے میں سنائیں، اشعار

خبردار: اے قیل تجھ پر افسوس ہو، کھڑا ہو کچھ نرمی اختیار کر۔

شاید کہ اللہ ہمیں بادلوں کی سخاوت دے

اور وہ بادل عاد کی زمین کو سیراب کر دیں۔ بے شک قوم عاد!

ایسے ہو گئے ہیں کہ وہ بات بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے

پیاس کی شدت کی وجہ سے، پس ہم امید نہیں رکھتے

نہ انکے کسی بوڑھے کی۔ نہ انکے کسی بچے کی زندگی کی

اور کبھی انکی عورتیں بھی بہت اچھی (صحت والی) تھیں

اب انکی عورتیں بھی خوب ایام (ماہواری) والی ہوگئیں ہیں

اور انکے مویشی جانور بھی سوکھے گھر آتے ہیں

اور عاد کیلئے (خیر کے) کسی حصے کی خوف وپرواہ نہیں کی جاتی

اور تم یہاں اپنی خواہشات اور چاہتوں کے ساتھ (عیش وعشرت میں) ہو

تمہارے دن، تمہاری راتیں، تمام (اسی میں گزرتے) ہیں

پس قوموں کے وفود میں سے ایک تمہاری قوم کا وفد ہے

جو نہ مبارک بادی کا مستحق ہے نہ کسی سلامتی کا

پھر قوم والے یہ اشعار سن کر متنبہ ہوئے کہ ہم یہاں کس مقصد کیلئے آئے ہیں۔ اور پھر حرم کی طرف کھڑے ہوئے۔ اور اپنی قوم کیلئے دعا کی۔ اور انکا بڑا، دعا کرانے والا وہ قیل بن عنبر تھا۔ تو اللہ نے انپر تین رنگوں کے بادل بھیج دیئے، سفید، سرخ، سیاہ پھر آسمان سے کسی غیبی منادی نے نداء دی کہ اپنے لئے یا اپنی قوم کیلئے ان بادلوں میں سے کوئی ایک منتخب کرلو، تو قیل نے کہا، میں سیاہ بادل پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ خوب بارش والا بادل ہے پھر کسی منادی نے ندا دی: تو نے ہلاکت وتباہی کو پسند کر لیا ہے اور تو نے قوم عاد میں سے کسی فرد کو باقی نہیں چھوڑا۔ نہ کوئی والد چھوڑا نہ والدہ۔ مگر تو نے اسکو تباہ وضائع کر دیا ہے۔

سوائے بنی لو نیہ ہرمد کے (یعنی صرف عاد قوم میں سے اس مذکورہ قبیلے کے لوگ بچ گئے ہیں)۔ کیونکہ یہ مکہ میں مقیم تھے۔ تو جو عذاب انکی قوم کو پہنچا یہ اس عذاب سے بچ گئے اور راوی فرماتے ہیں کہ جو اس بچی ہوئی قوم کے افراد تھے انکی ہی نسل سے ,, عاد اخری،، یعنی دوسرے عاد ہیں۔ تو ادھر اللہ نے سیاہ بادلوں کو قوم عاد کی طرف ہانک دیا، جو سیاہ بادل انکے نمائندے قیل بن عنبر نے منتخب کئے تھے۔ جبکہ ان میں ہولناک عذاب تھا۔ یہاں تک کہ بادل قوم عاد کی مغیث نامی بستی میں پہنچ گئے، وہاں لوگوں نے بادلوں کو دیکھ کر خوشیاں منانا شروع کر دیں۔ اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات کریں گے۔ تو اللہ نے فرمایا:۔ (نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جسکی تم نے جلدی لگا رکھی تھی۔ اس میں ایسی آندھی ہے جو اپنے

رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کردیگی[1]

لیکن ان افواہوں کے اندر ایک عورت نے صحیح بات کو سب سے پہلے سمجھ لیا۔ اور پہچان گئی کہ یہ تو عذاب اٹھائے ہوئے بادل ہیں۔ اس عورت کا نام "مہد" تھا۔ تو جب اس نے یہ دیکھ لیا تو چیخ و پکار کی پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب افاقہ ہوا، تو لوگوں نے اس سے پوچھا اے مہد تو نے کیا دیکھ لیا؟ کہا میں نے (اس بادل میں) آندھی دیکھی ہے جو آگ کی طرح ہے اور اسکے آگے آگے کچھ لوگ ہیں جو اسکو ہنکارتے ہیں۔

پھر اللہ نے ان پر یہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دنوں تک جاری رکھی۔ اور وہ بھی مسلسل رہی اور اس نے قوم عاد کے (یہاں) کسی فرد کو جیتا نہ چھوڑا۔

لیکن حضرت ہودؑ اپنے مومنین ساتھیوں کو لیکر ایک حظیرہ نامی بستی میں داخل ہو گئے۔ اور انکو کچھ ذرہ بھر عذاب نہ پہنچا۔ مگر (وہ خود اللہ کے عذاب کے خوف سے سہمے ہوئے تھے) انکی کھالیں نرم پڑ گئیں تھیں اور دلوں میں (خشیت خداوندی کی) لذت پا رہے تھے۔

اور قوم عاد پر آندھی آسمان و زمین کے درمیان تباہی مچا رہی تھی۔ پتھروں سے انکے دماغ نکال رہی تھی۔ الخ

امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں اس قصے کی مثل قصہ ذکر فرمایا ہے کہ حارث ابن حسان سے مروی ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی (کسی بارے میں) شکایت کرنے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں نکلا۔ تو مقام ربذہ میں جب پہنچا، تو وہاں بنی تمیم کی ایک بڑھیا (راستہ گم کئے) بیٹھی تھی، مجھے دیکھ کر کہنے لگی اے اللہ کے بندے مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حاجت ہے کیا آپ مجھے ان تک پہنچا سکتے ہیں؟ تو میں نے انکو سوار کر دیا۔ جب حضور ﷺ مسجد میں پہنچے۔ تو مسجد لوگوں سے بھری ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔

اور وہاں ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور بلالؓ تلوار لٹکائے، حضور ﷺ کے سامنے مودب کھڑے تھے۔ تو میں نے پوچھا لوگوں کا کیا مسئلہ ہے کیوں اکٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص کے لشکر کو کسی محاذ پر بھیج رہے ہیں۔

تو میں بیٹھ گیا، پھر حضور ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی آپؐ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی میں نے داخل ہو کر سلام کیا۔ تو حضور نے پھر پوچھا کہ تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی مسئلہ درپیش ہے کیا؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں ہماری انکے خلاف جنگ تھی۔ اور اب میں آرہا تھا کہ انکی ایک بڑھیا پر میرا گزر ہوا، جو وہاں جدا ہوئے بیٹھی تھی۔ تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں اسکو سوار کرا کر آپ تک پہنچا دوں؟ تو اب وہ دروازے پر موجود ہے۔ تو حضورؐ نے اس کے آنے کا حکم فرمایا۔ وہ داخل ہوئی۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان جنگ سے کوئی رکاوٹ بنا دیں تو؟ (اچھا ہو) اور اسکے لئے دھناء صحیح رہے گی کیونکہ وہ ہماری طرف ہے۔ تو حضور نے فرمایا: تو جس بڑھیا کو اٹھا کر لایا ہے بس اس کے ساتھ فیصلے کی کامیابی سمجھ (یعنی اسی کو میں فیصل بنا دیتا ہوں)۔ تو

---

[1] الاحقاف ۲۴-۲۵ [2] حدثنا زید بن الحباب، حدثنی ابو المنذر سلام بن سلیمان النحوی حدثنا عاصم بن ابی النجود، عن ابی وائل ..عن الحارث وهوابن حسان، ویقال ابن زید البکری، قال خرجت اشکو العلاء بن الحضرمی الی رسول ﷺ ......الخ

بڑھیا بولی پھر آپ کا یہ پریشان آدمی پریشان نہ رہے گا (طنز کیا)۔ تو میں نے کہا: میری پہلی ہی بات ہے میں نے اس (بڑھیا) کو عزت دی ہے اور اس کو (ویران جگہ سے) اٹھا کر لایا ہوں۔ اور اسکو موت کے منہ سے بچایا ہے۔ تو جب میں اس باندی کو اٹھا رہا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ میرے ہی خلاف خصم (مدعی) بن جائے گی۔ پس میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ عاد کے وفد والے کی طرح ہو جاؤں:- حضور ﷺ نے فرمایا بلے! یہ عاد کا وفد کیا تھا؟ حالانکہ رسول اکرم ﷺ مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔ لیکن پھر بھی لطف اندوز ہونے کیلئے مجھ سے پوچھا۔ تو میں نے عرض کیا

قوم عاد قحط میں مبتلا ہو گئی تو انہوں نے اپنا نمائندہ قیل (اور اسکے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا) تو یہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گذرا۔ اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا وہاں انکو معاویہ کی دو باندیاں گانا سناتیں تھیں۔ جن کو جرادتان کہا جاتا تھا۔ پھر جب مہینہ گزر گیا تو یہ جبل تہامہ کے پاس گیا۔ اور وہاں دعا کی

اے اللہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں کسی مریض کے پاس نہیں آیا کہ اسکی دوا وعلاج کروں، اور نہ کسی قیدی کے پاس آیا کہ اسکو فدیہ دیکر چھڑاؤں اے اللہ عاد کو سیراب کر جیسے پہلے آپ کرتے تھے

تو اس نے یہ دعا مانگی اور ادھر بادل چھا گئے پھر ندا آئی کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے،، تو اس نے سیاہ بادلوں کی طرف اشارہ کیا۔ تو پھر آواز دی گئی۔ انکو ہلاکت وتباہی کے ساتھ لے لے۔ اور اب تو نے عاد کے کسی فرد کو تباہی سے باقی نہ چھوڑا۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ انپر آندھی صرف اتنی سی بھیجی گئی تھی جتنی میری اس انگوٹھی میں سے گذر جائے۔ لیکن پھر بھی وہ تہس نہس ہو گئے۔

ابو وائل فرماتے ہیں یہ حدیث سچ ہے۔ اور اس وقت (یعنی حضور ﷺ کے زمانے میں) جب کوئی مرد یا عورت اپنے کسی مقاصد اور نمائندے کو بھیجتے تو یہ کہتے تھے کہ عاد کے نمائندے کی طرح نہ بننا۔[1]

لیکن اس حدیث سے عاد آخر یعنی بعد والے عاد (کی اصل) کے خاتمے کا بھی پتہ چلتا ہے (کیونکہ اسمیں کہیں مکہ اور اسمیں عاد کے ہونے پھر انکے نجات پانے کا ذکر نہیں ہے،) اور اسلئے بھی کہ پہلے جو ابن اسحاق کی روایت گزری اسمیں تو مکہ کا ذکر ہے۔ لیکن مکہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد وجود میں ظاہر ہوا۔ جب وہاں حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ نے رہائش پکڑی۔ اور قوم جرہم انکے پاس اتری۔ جیسے کہ آگے آئے گا۔ اور عاد اولی حضرت ابراہیمؑ سے بھی پہلے کے ہیں اور نیز یہ کہ اس پہلی روایت میں معاویہ بن بکر اور اسکے شعر کا تذکرہ ہے جبکہ یہ شعر عاد اولی کے زمانے سے بعد کا ہے۔ اور یہ اتنے پہلے لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں ہے اور یہ کہ وہاں بادلوں میں آگ کے شعلوں کا ذکر ہے جبکہ عاد اولی تو سخت ٹھنڈی ہواؤں سے ہلاک ہوئے تھے۔

اور ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ رضوان اللہ علیہم کا قول بھی ہے کہ وہ ہوا (سخت) ٹھنڈی تھی اور ہلاکت

---

[1] وهكذا رواه الترمذى عن عبدابن حميد، عم زيد بن الحباب به، ورواه النسائى من حديث سلام ابى المنذر عن عاصم بن بهدله، ومن طريقه رواه ابن ماجه وهكذا اوردهذاالحديث وهذا القصة غير واحد من المفسرين كابن جرير وغيره

خیز تھی، سخت طوفانی ہوا تھی۔

اور فرمان الٰہی ہے۔ ان پر (ہواؤں کو) سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل چلایا (القرآن[1]) یعنی پے در پے بغیر رکے اتنے دنوں تک آندھیاں تباہی پھیلاتی رہیں اور ان دنوں میں پہلا دن ایک قول کے مطابق جمعے کا دن تھا جبکہ دوسرے قول کے مطابق بدھ کا دن تھا۔

آگے فرمان الٰہی ہے۔ پس ان (بستیوں) میں تو قوم کو پچھاڑا ہوا ایسے دیکھے گا گویا کھجور (کے درختوں) کے کھوکھلے تنے ہیں (القرآن[2])۔ تو یہاں انکی لاشوں کو کھجور کے کھوکھلے تنوں کیساتھ مشابہت دی ایسے تنے جنکے سر نہیں ہوتے، اسلئے کہ قوم عاد میں کسی پر بھی آندھی آتی تو اسکو اٹھا کر پہلے فضاء میں بلند کرتی، پھر اوندھے منہ پٹخ دیتی، جس سے لاشیں بلا سر کے رہ جاتیں۔ اور (بار بار ایسا ہوتا) جیسے فرمان ہے بے شک ہم نے (انکے لئے) منحوس دن میں سخت آندھی (مسلسل) جاری رہنے والی بھیجی (القرآن[4]) یعنی برابر مسلسل ان پر عذاب خداوندی کا کوڑا برستا رہا (یہاں تک کہ وہ بلا سر کے لاشیں رہ گئے کیونکہ) آگے فرمان ہے: (وہ آندھی) لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔

اور قرآن میں جو فرمایا منحوس دن میں (انپر یہ عذاب برسنا شروع ہوا) وہ دن بدھ کا ہے، تو اسوجہ سے بعض لوگوں نے اس دن کو منحوس سمجھنا شروع کر دیا اور اس سے بدشگونی مراد لینے لگے تو یہ انکی فحش خطا ہے۔ اور قرآن کی مخالفت ہے۔ اسلئے کہ پھر تو دوسری آیت میں انہی کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ "ان پر منحوس دنوں میں سخت آندھی بھیجی۔ کیونکہ ایام نحسات۔" جمع کا صیغہ فرمایا۔ اور آگے پیچھے صاف تشریح ہے کہ وہ دن آٹھ تھے اور پے در پے مسلسل تھے۔ تو پھر سب دن منحوس ہو گئے اور اس لغوبات کا کوئی قائل نہیں اور آیت میں جو ان دنوں کے متعلق نحوست کے لفظ فرمائے وہ خاص اس قوم پر تھے۔ یعنی اس قوم عاد کیلئے یہ دن بڑے منحوس ثابت ہوئے۔

اور فرمان باری ہے: اور عاد میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے انپر بانجھ (نامبارک) ہوا چلائی[3]۔ یعنی ایسی ہوا جو کسی خیر و بھلائی کا سرچشمہ نہیں، اسلئے کہ وہ محض ہوا ہی تھی۔ نہ بارش کے بادلوں کو ہانکتی تھی اور نہ کسی شجر کو زرخیز کرتی تھی۔ بلکہ بانجھ تھی، کوئی خیر کا نتیجہ نہ تھی اسی وجہ سے آگے فرمایا: وہ ہوا جس پر آئی تھی اسکو نہیں چھوڑتی تھی مگر اسکو ریت کی طرح کر ڈالتی تھی[4]۔ یعنی پرانی تباہ شدہ چیز جس سے کوئی نفع نہ اٹھایا جاسکے ایسا کر ڈالتی تھی۔

اور صحیح بخاری و مسلم[5] میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری باد صبا کے ساتھ مدد کی گئی اور قوم عاد پیچھے والی (ہلاکت خیز) ہواؤں سے ہلاک کئے گئے۔

اور اللہ کا یہ جو فرمان سورۂ احقاف میں ہے۔

اور عاد کے بھائی (ہودؑ) کو یاد کرو، جب اس نے اپنی قوم کو (مقام) احقاف میں ڈرایا اور اس سے پہلے اور

---

[1] الحاقہ ۷ [2] الحاقہ ۸، [4] القمر ۱۹

[3] الذاریات ۴۱ [4] الزاریات ۴۲

[5] وفی الصحیحین من حدیث شعبہ عن الحکم عن مجاهد، عن ابن عباس عن رسو ل اللہ ﷺ

پیچھے بھی ڈرانے والے گذر چکے تھے۔ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے (القرآن [1]) تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عاد اولی ہو۔ اسلئے کہ آگے پیچھے کا کلام قوم ثمود کے کلام جیسا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس قصے میں تذکرہ عاد ثانیہ یعنی بعد والے عاد کا ہو۔ جیسے آگے حضرت عائشہ کی حدیث سے کچھ اشارۃ معلوم ہوگا۔

اور بہر حال یہ فرمان خداوندی ہے : پس جب انہوں نے اس (عذاب) کو (بصورت) بادل دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ [2]

توجب قوم عاد نے بادل کو دیکھا، جو فضاء میں چھار ہا تھا جیسے پانی کا بادل ہو۔ تو یہ بھی اسکو پانی کا بادل سمجھے، جبکہ وہ عذاب کا بادل تھا۔ انہوں نے اسکو رحمت سمجھا، جبکہ وہ عذاب اور زحمت تھا۔ انہوں نے اس سے خیر وبھلائی کی آس لگائی، جبکہ اس سے انتہائی شر وبرائی کو پایا۔ جیسے اللہ نے بھی فرمایا: (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جسکی تم نے جلدی لگار کھی تھی۔ پھر خود تشریح فرمادی کہ وہ آندھی ہے اسمیں ایسا عذاب ہے جو بڑا دردناک ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہاں عذاب سے وہ آندھی مراد ہو جو مسلسل تند وتیز ٹھنڈی، ہلاکت خیز سخت آندھی تھی اور سات دن آٹھ رات تک چلتی رہی۔ اور انہیں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑا، بلکہ ہر ایک کے پاس پہنچ گئی۔ حتی کہ انکے پاس غاروں، پہاڑوں کی گھاٹیوں، تک میں پہنچ گئی اور وہاں انکو اچک لیا، اور پھر نکال کر انکو بری طرح تباہ کیا۔ اور وہ گھر دمحلات جو قلعوں کی طرح مضبوط بنائے تھے۔ انکو انہی پر دے دے کر مارا۔ تو جسطرح انہوں نے اپنی طاقت وزور وقوت کے بل بوتے پر ڈینگیں ماریں اور کہا کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہوسکتا ہے ؟ اسی طرح اللہ نے بھی انپر ایسی ہوا وعذاب مسلط کیا جو ان سے کہیں زیادہ قوت وزور والا تھا۔ اور وہ سخت نقصان دہ آندھی وطوفان تھا۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ ان سخت آندھیوں اور جھکڑوں کے بعد، ان آندھیوں نے بادلوں کو ہنکالایا ہو۔ جس کو باقی ماندہ لوگ سمجھے ہوں کہ یہ بادل ہم پر رحمت کی برسات کریگا اور ہم اس طرح کچھ بچنے والے ہونگے۔ تو پھر اللہ نے انپر شعلے اور آگ برسائی ہو اور کئی ایک حضرات کا یہی خیال ہے۔ اور اسی طرح اصحاب مدین (شعیب کی قوم) کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ کہ انکو بھی عذاب سخت یخ ٹھنڈی ہواؤں، والا پھر آگ والا ابر سایا گیا تھا۔

اور یہ بہت سخت عذاب ہوتا ہے کہ ضد والی چیزوں کے ساتھ عذاب دیا جائے اور چہ جائیکہ ساتھ میں چیخ وچنگھاڑ کا عذاب بھی نازل کر دیا جائے۔ جس کا ذکر سورہ مومنوں میں ہوا (کہ پھر انکو چنگھاڑ نے آپکڑا اور پھر ہم نے (اس طرح) انکو کوڑا کر ڈالا)

[3] ابن عمرؓ، سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

وہ آندھی جسکے ذریعے قوم عاد ہلاک کی گئی۔ اللہ نے انپر انگوٹھی جتنی جگہ کے مثل ہوا کھولی تھی۔ پس، وہ ہوا پہلے دیہاتوں میں گئی اور وہاں کے لوگوں اور مویشیوں اور مالوں کو اٹھایا اور آسمان وزمین کے درمیان لے گئی۔

---

[1] الاحقاف ۲۱ [2] الاحقاف ۲٤ [3] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا محمد بن یحی بن الضدیس حدثنا ابن فضیل عن مسلم، عن مجاهد، عن ابن عمر قال ..... الخ

توعاد کے شہریوں نے یہ منظر دیکھا تو! کہنے لگے : یہ توبادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ پھر آندھی نے ان دیہات والوں کو شہر والوں پر پٹخ دیا۔

[1] اور ابن عباسؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : اللہ نے عاد پر آندھی صرف انگوٹھی جتنی جگہ جیسی کھولی تھی۔ جس آندھی نے انکے دیہاتیوں کو شہریوں کی طرف پہنچا دیا۔ پھر شہر والوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل جو ہماری بستیوں کی طرف آرہے ہیں ہم پر برسات کرنیوالے ہیں۔ جبکہ ان میں دیہات والے تھے پس دیہات والوں کو شہر والوں پر مار آگیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ آندھی انکی الماریوں کے اندر تک پہنچی اور دروازوں کے جھروکوں سے اندر جاکر تباہی کی اور دوسرے بعض کہتے ہیں کہ بغیر حساب کے آندھی آئی۔

لیکن اس حدیث کے حضور تک مسند ہونے میں یعنی مرفوع ہونے میں شک کا امکان ہے ، اور پھر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی مسلم ملائی پر بھی اختلاف کیا گیا ہے ، اور اسمیں اضطراب کی ایک قسم ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ہوا تیز چلتی تو رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگتے۔

اے اللہ میں تجھ سے اسکی خیر کا طلبگار ہوں اور جو اسمیں ہے اسکی خیر کا اور جو تو نے اس میں شر رکھا ہے تو اس سے اور اسکے شر سے میں آپکی پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب بادلوں سے آسمان غائب ہو جاتا تو حضور اکرم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور کبھی نکلتے کبھی داخل ہوتے ، کبھی آگے کبھی پیچھے (الغرض بہت پریشانی کا عالم چھا جاتا) پھر جب بارش برستی تو پھر خوشی طاری ہو جاتی تھی۔ تو حضرت عائشہؓ نے یہ کیفیت جان کر خدمت اقدس میں سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا : اے عائشہؓ کہیں ایسا نہ ہو جائے جو قوم عاد نے کہا تھا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی : جب (قوم عاد نے) اس (عذاب) کو (بصورت بادل) اپنی بستیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے ہم پر بارش کرنے والا۔ [2]

[3] اور حضرت عائشہؓ سے مسند احمد میں مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپکے دہان مبارک کا آخری حصہ نظر آنے لگ جائے آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔ اور جب کبھی بادل دیکھ لیتے یا آندھی دیکھ لیتے تو اسکا اثر آپکے چہرے میں بخوبی ظاہر ہو جاتا تھا۔ میں نے خدمت میں عرض کیا : ۔یارسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اس آس پر کہ بارش ہوگی۔ جبکہ میں آپکو دیکھتی ہوں کہ جب آپ ابر دیکھ لیتے ہیں تو اسکی (خوف و غم کی) کیفیت آپکے چہرہ اقدس میں ظاہر

---

[1] وقد رواه الطبراني عن عبدان بن احمد ،عن اسماعيل بن زكريا الكوفي، عن ابي مالك، عن مسلم الملائي عن مجاهد، وسعيد بن جبير ، عن ابن عباس قال..... ٤١. حدثنا ابو بكر الطاهر، حدثنا ابن وهب، قال سمعت ابن جريج حدثنا عن عطاء بن ابى رباح عن عائشة رضى الله عنه

[2] ورواه الترمذى والنسائي وابن ماجه، من حديث ابن جريج [3] طريق اخرى قال الامام احمد حدثنا هرون بن معروف، انبانا عبدالله بن وهب ، انبا ناعمرو وهو بن الحارث ان ابا النضر حدثه عن سليمان بن يسار ، عن عائشة...... الخ

ہو جاتی ہے؟ تو فرمایا اے عائشہ مجھے اطمینان نہیں ہے کہ اسمیں کہیں عذاب ہو اسلئے کہ قوم نوح بھی آندھی سے ہلاک ہوئی۔ اور اس قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو وہ بھی یہ کہنے لگے تھے کہ یہ بادل ہم پر بارش کریں گے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ قصوں کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے جیسے پہلے "واذکر اخاعاد" سے عاد ثانیہ کا قصہ مراد ہو سکتا ہے، اور آگے پیچھے کے کلام سے عاد اولی کا تذکرہ ہی مراد ہو گا (واللہ اعلم بالصواب) [1]

اور حضرت ہودؑ کے حج کا تذکرہ پہلے حضرت نوحؑ کے قصے میں کر آئے ہیں اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے حضرت ہودؑ کی قبر اطہر کی صفات مروی ہے (انہیں میں سے یہ بھی ہے) کہ وہ یمن کے علاقے میں ہے دوسرے بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ دمشق میں ہے اور دمشق کی جامع (مسجد) میں قبلے کی طرف دیوار کے احاطہ میں ایک جگہ ہے، بعض لوگوں کے خیال کے مطابق وہیں حضرت ہودؑ کی قبر اطہر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم دائما ابداً ابداً

---

[1] وهكذا رواه مسلم عن هارون بن معروف، واخرجه البخاري وابو داؤد من حديث ابن وهب

قوم ثمود کے پیغمبر
حضرت صالح علیہ السّلام کا قصہ

قوم ثمود کے پیغمبر

حضرت صالح علیہ السّلام کا قصہ

قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ۔

ثمود مشہور قبیلہ تھا، انکو ثمود انکے جد امجد ثمود کے نام کی وجہ سے کہا جاتا تھا جو جدیس کا بھائی تھا۔ اور ثمود و جدیس دونوں فرزند تھے عاثر بن ارم بن سام بن نوح کے۔

اور قوم ثمود خالص عرب (عرب عاربہ) تھے۔ حجر میں سکونت پذیر تھے، یہ حجاز مقدس اور تبوک کے درمیان ہے اور حضور ﷺ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے اسکے پاس سے گذرے تھے۔ ساتھ میں مسلمانوں کا لشکر جرار بھی تھا۔

اور یہ قوم ثمود قوم عاد کے بعد تھی۔ اور انہی کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

پھر اللہ نے انہی میں سے ایک اپنے بندے اور رسول کو بھیجا جو صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عاثر بن ارم بن نوح تھے۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے انکو اللہ کی طرف بلایا جو اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں، اور دعوت دی کہ بتوں کو خدا کیلئے شریک بنانا چھوڑ دیں۔ اور کسی کو بھی اسکے ساتھ شریک نہ کریں تو بس ایک جماعت نے انکی آواز پر لبیک کہا اور ایمان لے آئے۔

لیکن اکثر جمہور نے کفر کیا۔ اور اپنے قول و فعل کے ساتھ بری طرح پیش آئے حتی کہ حضرت صالحؑ کے قتل کا ارادہ کر بیٹھے۔ اور اس اونٹنی کو تو قتل کر ہی دیا جو اللہ نے انکے لئے حجت و دلیل اور اپنی نشانی بنا کر بھیجی تھی، تو پس اللہ نے بھی انکو سخت غالب قدرت والے کی طرح پکڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ترجمہ) اور قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی خدا کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے تو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑے گا اور یاد کرو (اللہ کو) کہ اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا اور تم نرم زمین سے (مٹی لیکر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو، بس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تو انکی قوم میں سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے، غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں جو چیز دیکر وہ بھیجے گئے ہیں ہم اسپر بلا شبہ ایمان رکھتے ہیں تو سرداران (مغرور) کہنے لگے جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اسکو نہیں مانتے آخر انہوں نے (اس) اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم

سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم خدا کے پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ تو انکو بھونچال نے آپکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے پھر صالح ان سے (ناامید ہو کر) پلٹے اور کہا کہ میری قوم! میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچادیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔ [1]

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا تو انھوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اسمیں آباد کیا! تو اس سے مغفرت طلب کرو اور اسکے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار نزدیک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا (بھی) ہے انہوں نے کہا کہ صالح اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں۔ اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔

(صالح نے) کہا قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اسکے سامنے میری کون مدد کریگا؟ تم تو (کفر کی (باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے (یعنی معجزہ ہے) تو اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آپکڑے گا مگر انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدہ اٹھالو یہ (ایسا) وعدہ ہے (جو) جھوٹا نہ ہو گا جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ انکے ساتھ ایمان لائے تھے انکو اپنی مہربانی سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک تمہارا پروردگار طاقتور (اور) زبردست ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انکو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ اور سن رکھو (تو) ثمود پر پھٹکار ہے [2] اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر میں فرمایا (ترجمہ) اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی ہم نے انکو نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے (کہ) امن (واطمینان) سے رہیں گے۔ تو صبح ہوتے ہوتے چیخ نے انکو آپکڑا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ انکے کچھ بھی کام نہ آئے۔ [3]

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے (ترجمہ) اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اسکی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (صالح کی نبوت کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اسپر ظلم کیا، اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں (وہ) ڈرانے کو (ہوتی ہیں) [4]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) (اور قوم) ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں اسکا

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۷۳ تا ۷۹۔ [2] سورۂ ھود آیت ۶۱ تا ۶۸ [3] سورہ حجر آیت ۸۰ تا ۸۴

[4] سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹

تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ (یعنی) باغ اور چشمے، اور کھیتیاں اور کھجوریں جنکے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں، اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو، تو خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو، اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

وہ کہنے لگے کہ تم جادوزدہ ہو، تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو (صالح نے) کہا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اسکے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری اور اسکو کوئی تکلیف نہ دینا نہیں تو تم کو سخت عذاب آپکڑے گا لیکن انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر نادم ہوئے پھر انکو عذاب نے آپکڑا بیشک اسمیں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اور ہم نے ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں (لڑنے) جھگڑنے لگے۔ (صالح نے) کہا کہ اے قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کیلئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ اور خدا کی بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگون ہیں (صالح نے) کہا کہ تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اور شہر میں (ایسے) نو شخص تھے جو ملک میں فساد برپا رکھتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے، کہنے لگے کہ خدا کی قسم اٹھاؤ کہ ہم رات کو اسپر اور اسکے گھر والوں پر شبخون (رات کا حملہ) ماریں گے پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں اور (اس طرح) وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور انکو کچھ خبر نہ ہوئی تو دیکھو ان کی چال کا انجام کیسا ہوا، ہم نے انکو اور انکی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا اب یہ انکے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں جو لوگ دانش (عقلمندی) رکھتے ہیں ان کیلئے اسمیں نشانی ہے ۰ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو سیدھا راستہ دکھایا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا تو ان کے اعمال کی سزا میں (بجلی کی) کڑک نے ان کو پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا اور جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے انکو ہم نے بچالیا۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اور ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا، اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اسکی پیروی کریں؟ یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائیگا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (اے صالح) ہم انکی آزمائش کیلئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم انکو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور انکو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہئے تو ان لوگوں نے اپنے رفیق (ساتھی) کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کو) پکڑ کر اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا

---

[1] سورۂ شعراء آیت ۱۴۱ تا ۱۵۹ [2] سورۂ النمل آیت ۴۵ تا ۵۳ [3] سورۂ حم سجدہ آیت ۱۷، ۱۸

کیسا ہوا ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ سوچ سمجھے ؟ [1]

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ترجمہ : قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا، جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت اٹھا، تو خدا کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اور اسکے پانی پینے کی باری (کے متعلق اللہ سے ڈرو) مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، تو خدا نے انکے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور (سب کو) ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) کو ان کے بدلہ لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں [2]

اکثر مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ اکٹھا فرمایا ہے۔ جیسے سورۃ براءت یعنی سورۃ توبہ آیت ۷۰، سورۃ ابراہیم آیت ۹، سورۃ فرقان آیت ۳۸ سورۃ ص آیت ۱۲۔ ۱۳، سورۃ ق آیت ۱۲ سورۃ النجم آیت ۵۱ سورۃ الفجر آیت ۸، ۹۔

اور کہا جاتا ہے کہ اہل کتاب (بنی اسرائیل) ان دونوں قوموں کی خبر سے واقف نہ تھے اور انکی کتاب تورات میں انکا ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ان دونوں قوموں کے بارے میں خبر دی ہے۔ جیسے سورۃ ابراہیم میں فرمان خداوندی ہے : اور کہا موسیٰ نے : اگر تم اور جو بھی زمین میں ہیں، تمام (اللہ کے ساتھ) کفر کرو تو اللہ بے شک بے پرواہ (اور) لائق حمد ہے۔ تو کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی، جو تم سے پہلے تھے، قوم نوح اور عاد اور ثمود (والے)، اور وہ لوگ جو انکے بعد آئے، جنکو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

انکے پاس انکے رسول واضح دلائل (معجزے) لیکر آئے۔ (سورۃ ابراہیم ۸۔۹)

ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا کلام حضرت موسیٰ ہی کا ہے اپنی قوم کو۔ لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں عاد و ثمود، عرب سے تھیں، تو انہوں نے انکی خبروں اور باتوں کو اچھی طرح محفوظ نہیں کیا۔

اور انکو یاد رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انکی خبر مشہور تھی۔ اور اس تمام کے بارے میں ہم اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں کافی قدر کلام کر چکے ہیں، اسپر اللہ کی حمد و احسان ہے۔

اور اب یہاں انکے قصے کو ذکر کرنا اور ان کے حالات کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بھی کہ انکا انجام کار کیسا ہوا؟ کیسے اللہ نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو اور اسپر ایمان لانے والوں کو نجات دی اور جنہوں نے اپنے کفر کے ساتھ ظلم کیا اور مسلمانوں پر سرکشی کی، اور اپنے رسول کی مخالفت کی انکی جڑ کاٹی۔

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ لوگ خالص عرب تھے۔ اور یہ قوم دنیا میں عاد کے بعد آئی لیکن انکے ہولناک انجام سے کچھ بھی عبرت نہ پکڑی۔ اسی وجہ سے انکے نبی نے انکو فرمایا : اللہ ہی کی عبادت کرو، اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل (معجزہ) آچکا ہے (وہ معجزہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تم اسکو چھوڑ دو (تاکہ) اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ اور اسکو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آن پکڑے گا، اور یاد کرو کہ (پروردگار نے) تم کو عاد کے بعد خلیفہ (پیچھے آنے

---

[1] سورۃ القمر آیت ۲۳ تا ۳۲ [2] سورۃ الشمس آیت ۱۱ تا ۱۵

والا) بنایا اور تم کو زمین پر ٹھکانا دیا۔ تم اس کی نرم (زمین) میں محلات بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ (لہٰذا اپنے پر) اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ (القرآن[۱])

یعنی تم کو اللہ نے عاد کے بعد بنایا تا کہ تم انکے دہشت ناک انجام سے خوب عبرت حاصل کرو۔ اور انکے کرتوتوں کےخلاف نیک عمل کرو، اور تمہارے لے یہ زمین مہیا کردی تم اس سے نرم حصے میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر بڑی مہارت سے اپنے گھروں کو بناتے ہو یعنی انکی صنعت وکاریگری میں اور انکے پختہ ومضبوط بنانے میں تم ماہر ہو، تو پس اس اللہ کی نعمت کا مقابلہ اسکے شکر اور عمل صالح کیساتھ کرو۔ اور اسکی تنہا عبادت کرو جسکا کوئی شریک نہیں اور اسکی مخالفت اور انکے حکم کی عدولی سے بچو ورنہ اسکا انجام تباہ کن ثابت ہوگا۔

اس وجہ سے پیغمبر نے انکو یوں نصیحت فرمائی۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ باغات اور چشموں میں۔ کھیتوں اور کھجوروں میں جنکے خوشے لطیف ونرم ہوتے ہیں (یعنی یہ چیزیں بہت حسن والی خوش منظر اور پکی ہوئی ہیں؟ کیا یہ سب تمہیں بلا مقصد کے دے دیا گیا؟ اور مزید کہ) اور پہاڑوں کو تراش کر ماہرانہ انداز سے گھر بناتے ہو؟ تو خدا سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو۔ اور حد سے تجاوز کرنیوالوں کی بات نہ مانو، جوملک میں فساد مچاتے ہیں، اور اصلاح نہیں کرتے (القرآن[۲])

اوریوں بھی انکو فرمایا: اے قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی نے تم کو زمین سے (نئے سرے سے) پیدا فرمایا: اور تمہیں اسمیں آباد کیا۔ (القرآن[۳]) یعنی تم کو پیدا فرمایا اور زمین سے پیدا فرمایا: پھر تمہیں کو اسکے لئے آباد کار بنایا۔ اور وہ زمین اپنی مال ودولت سمیت یعنی کھیتی، پھل وغیرہ کیساتھ تمہیں عطا فرمائی۔ لہٰذا جس نے تمکو یہ سب کچھ عطا فرمایا وہی خالق رزاق ہے، وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور اسکے سوا کوئی نہیں۔

قرآن میں ہے: پس اس سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف توبہ کرو بے شک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے (القرآن[۴]) یعنی جن بتوں کی پرستش میں تم منہمک ہو اس سے اپنے وجود کو صاف کرو۔ اور تنہا اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ، وہ تم سے اسکو قبول کرے گا۔ اور تمہاری لغزشوں سے درگذر فرمائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو یہ عمدہ نصیحت فرمائی تو قوم نے جواب دیا۔

کہنے لگے اے صالح: تو ہم میں اس سے پہلے امیدوں کا محور تھا۔ تو کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ہم ان (بتوں) کی عبادت نہ کریں جنکی عبادت ہمارے آباء اجداد کرتے آئے ہیں۔ اور جسکی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ہم تو اس میں شک وفریب میں ہیں (القرآن[۵])

تو حضرت صالحؑ نے فرمایا: اے قوم تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں؟ اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو پس اگر میں اسکی نافرمانی کروں تو کون مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا (اور) تم تو سوائے خسارہ کے مجھے اور کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ القرآن[۶])

اور حضرت صالحؑ کا اپنی قوم سے یہ بہترین نرم ولطف اندوز خطاب تھا۔ اور انکو خیر کی طرف بلانے کا

---

[۱] الاعراف ۷۴۔ ۷۴ [۲] الشعراء ۱۴۶ تا ۱۵۲ [۳] ھود ۶۱ [۴] ھود ۶۱
[۵] ھود ۶۲ [۶] ھود ۶۳

حسین وعمدہ طرز تھا۔ یعنی فرمایا: اگر بات اسی طرح حقیقت ہو جسطرح میں تمہیں سمجھا رہا ہوں تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ اور پھر تمہارا اللہ کے ہاں کیا عذر ہوگا، سوچو تو سہی اور اللہ عزوجل کے سامنے تمہیں کیا چیز چھٹکارا دلائے گی، جبکہ تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اسکی اطاعت کی طرف بلانے کو چھوڑ دوں؟ اور یہ دعوت کو ترک کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ میرے ذمے واجب ہے۔ اور اگر (بالفرض والمحال) میں اس دعوت کے کام کو چھوڑ بھی دوں تو نہ تم میں سے کوئی اور تمہارے علاوہ اس کے نقصان سے مجھے بچا سکتا اور نہ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری مدد کر سکتا۔ تو لہذا میں ہمیشہ مسلسل تم کو اس اللہ کی طرف بلاتا رہوں گا جو وحدہ لاشریک لہ ہے جسکا کوئی شریک نہیں، حتی کہ اللہ عزوجل میرے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ نازل فرمادیں۔

اور کفار کو حضرت صالحؑ کی ناپسندیدہ باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ کو کہا۔

اور کچھ نہیں، آپ تو صرف سحر زدہ لوگوں میں سے ہیں۔

یعنی آپ پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یعنی آپ جو ہمیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں تو کوئی عجیب سی بات ہے لہذا شاید آپ کو سحر ہو گیا ہے۔

اور جمہور کے نزدیک ''من المسحرین'' کا یہی معنی ہے کہ آپ مسحورین (جن پر سحر ہو گیا ہو) ان میں سے ہیں لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آپکے پاس سحر ہے، اور کوئی جن وغیرہ تابع کر رکھا ہے (جو یہ باتیں آپکو بتاتا ہے) یعنی آپ جادوگر ہیں۔

(تو پہلے قول کا خلاصہ تھا کہ آپ پر جادو ہو گیا ہے دوسرے قول کا خلاصہ ہے کہ آپ خود جادوگر ہیں)

لیکن پہلا قول زیادہ صحیح لگتا ہے، کیونکہ اس آیت کے بعد کافروں کا یہ قول مذکور ہے تو صرف ہماری طرح کا انسان ہے۔ لہذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی نشانی لے آ۔ تو انہوں نے اس طرح ان سے ایسی کوئی خلاف عادت نشانی طلب کی جو انکی صداقت کو ظاہر کر سکے۔ (تو اگر وہ حضرت صالحؑ کو جادوگر سمجھتے ہوتے تو یہ سوال نہ کرتے کیونکہ جادوگر کیلئے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے)

تو خیر (جب قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ سے ایسی کوئی نشانی طلب کی تو اللہ نے انکو عجیب طریقے سے عجیب اونٹنی عطا فرمائی جس کے بارے میں قصہ تو ابھی قریب ہی آتا ہے۔ لیکن اسکے بارے میں حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو جو نصیحت فرمائی وہ) فرمایا یہ اونٹنی ہے، اسکے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے، اور تمہارے لئے بھی ایک مقرر دن کی باری ہے۔ اور اسکو برائی کیساتھ نہ چھونا ورنہ تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑے گا (۱ القرآن)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل (معجزہ) آچکی ہے (اور وہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمہارے لئے نشانی ہے (میرے سچا ہونے کی) پس اسکو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسکو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑے گا (۲ القرآن) اور فرمایا: اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی (بطور) نشانی کے دی تو انہوں نے اسکے ساتھ ظلم کیا (القرآن ۳)

---

۱ الشعراء ۱۵۵۔ ۱۵۶ ۲ الاعراف ۷۳ ۳ اسراء ۵۱

اونٹنی کے پتھر سے نکلنے کا قصہ :-

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن قوم ثمود اپنی کسی محفل میں اکٹھی ہوئی۔ تو انکے پاس اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام آگئے، اور انکو اللہ کی طرف بلایا اور نصیحت کی اور ڈرایا اور صحیح بات کا حکم فرمایا۔ تو قوم ثمود کہنے لگی۔

اگر تو ہمارے لئے اس چٹان سے اونٹنی نکال دے (اور ساتھ میں قریب ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا) اور اسکی صفات ایسی ایسی ہوں، پھر اسکے عجیب عجیب اوصاف ذکر کئے۔ اور حد درجہ مبالغہ اور غلو کیا، اور یہ بھی کہا کہ وہ نکلتے ہی دس ماہ کی گابھن (بیاہنے کے قریب) ہو اور اتنی لمبی ہو اور اسکی صفت و کیفیت ایسی ایسی ہو (الغرض بڑی شرطیں لگائیں) تو پھر حضرت صالحؑ نے ان سے فرمایا: اگر میں تمہارے سوال کو پورا کردوں انہی صفات کے ساتھ جو تم نے کہیں، تو کیا پھر تم اسپر ایمان لے آؤ گے جو میں لیکر آیا ہوں؟ اور جسکے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اسکی تصدیق کر لوگے؟ تو قوم ثمود نے کہا: ہاں۔ پھر حضرت صالحؑ نے اس بات پر ان سے عہد و پیمان لے لئے۔

پھر جائے نماز پر کھڑے ہوئے اور جتنی مقدر میں تھی اتنی نماز پڑھی۔

پھر اپنے پروردگار سے دعا کی کہ انکا مطلوبہ سوال پورا ہو۔

تو اللہ مجیب الدعوات نے چٹان کو فرمایا کہ وہ پھٹ جائے اور اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی، طویل القامت، انہی صفات کے ساتھ نکلے جو انہوں نے مانگی تھیں یا اسی صفت پر نکلے جو انہوں نے بیان کیں۔

(اور اللہ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کن (ہوجا) کہہ دے تو فرمانے سے پہلے وہ وجود میں آجاتی ہے تو اسی طرح اونٹنی فوراً نکل آئی) پھر جب انہوں نے اسکو اسی طرح انہی صفات کے ساتھ موجود دیکھا، تو ایک عظیم الشان معاملہ پایا، ہیبت ناک منظر پایا، قدرت غالبہ کا نمونہ پایا، دلیل قاطعہ، اور برہان معجزہ کو پایا۔

(تو الحمد اللہ یہ نظارہ قدرت دیکھ کر) اکثر لوگ ایمان سے مشرف ہوگئے اور لیکن افسوس اکثر لوگ اپنے کفر و ضلالت پر بھی ہٹ دھرم رہے۔

اور ایمان لانے والوں کا رئیس سردار حضرت جندع بن عمرو بن محلات بن لبید بن جواس تھا اور یہ قوم ثمود کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھا۔ اور باقی مومنین بھی اسلام کے شرف کے ساتھ سردار ہوگئے تھے۔

پھر انکو بتوں کے پجاری اور رؤساء ذواب بن عمرو بن لبید، الحباب، اور رباب بن صعر بن جلمس نے اسلام سے روکا۔

اور ادھر جندع نے اپنے بھتیجے شہاب بن خلیفہ کو اسلام کی طرف بلایا یہ بھی سرداروں میں سے تھا اور اس نے اسلام کا ارادہ بھی کر لیا لیکن کافروں نے روک لیا اور یہ انکی طرف مائل ہوگیا اور کفر پر ہی قائم رہا اسپر مسلمانوں کے ایک مرد، مہرش بن غنمہ بن ذمیل نے اشعار کہے۔

ال عمرو کی جماعت نے
شہاب کو پیغمبر کے دین کی طرف بلایا

وہ شہاب سارے ثمود کا عزیز تھا
پھر اس نے ارادہ بھی کرلیا کہ دعوت قبول کرے اور اگر وہ قبول کرلیتا

تو ہم میں وہ صالح اور عزیز ومحبوب ہو جاتا
لیکن ذواب والوں نے اپنے ساتھی کے ساتھ عدل نہیں کیا

اور لیکن آل حجر کے سرکش لوگ
اپنی ہدایت سے پیٹھ دے کر بھاگ گئے مکھی کی طرح

تو پھر جب اونٹنی عظیم الشان جسم وہیئت وخلقت والی ظاہر ہوئی تو پیغمبر خداوندی حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کو کہاهذه ناقة الله یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔

تو اونٹنی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا، اسکی شرافت وعظمت اور اسکی نشانی کو جتلانے وبتلانے کیلئے تھا۔ جیسے بیت اللہ بھی ہے اور اسی طرح اللہ اپنے محبوب پیغمبر کو "عبدہ" اپنا بندہ فرماتے ہیں۔ جبکہ تمام اللہ کے بندے ہیں تو یہ عظمت شان کو ظاہر کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔

تو خیر صالحؑ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور تمہارے لئے نشانی ہے اس بات کی کہ میں جن چیزوں کو لے کر آیا ہوں (توحید وعبادت الہی وغیرہ) وہ سب بالکل سچ ہے۔ اور یہ چونکہ اللہ کی اونٹنی ہے تو فرمایا اسکو چھوڑدو، اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ اور اسکو برائی (تکلیف پہچانے کی غرض) سے نہ چھونا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پکڑے گا (ہود ۶۴)

تو فی الحال تو اتفاق ہو گیا کہ یہ اونٹنی ان سب کے درمیان کھلی آزاد پھرے جہاں چاہے جسکی زمین میں چاہے چرنے۔ اور پانی پر ایک دن کے بعد ایک دن آئے۔ اور جس دن یہ پانی پر آتی تھی، اس دن سارے کنویں کا پانی پی جاتی تھی۔ تو لوگ اپنی حاجت اگلے دن پوری کرتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ اونٹنی اتنا دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم ثمود کو کافی ہو جاتا تھا۔ اور وہ پیتے بھی تھے۔ (اور اسکے پانی کی باری تو خدا نے ہی باری مقرر فرمادی تھی فرمایا) اسکے لے پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے (بھی) ایک مقرر دن پینے کی باری ہے۔[1]

(تو یہ بھی حقیقت میں انکی سرکشی اور منہ مانگے معجزے کی بناء پر انکے لئے آزمائش تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: بے شک ہم نے اونٹنی کو بھیجا انکے لئے آزمائش بنا کر۔ پس (اے پیغمبر صالحؑ) انکا انتظار کر، اور صبر کر، اور انکو خبر دے دے کہ پانی انکے درمیان تقسیم ہے کہ ہر ایک (ایک دن) باری پر حاضر ہو (القرآن[2]) یعنی یہ اونٹنی انکے لئے امتحان ہے کہ کیا اب بھی ایمان لے آتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بات کا آپ پیغمبر انتظار کریں کہ انکا کیا رد عمل ہوتا ہے اور وہ جو آپ کو تکلیفیں پہنچائیں آپ انپر صبر کریں۔ عنقریب نتیجہ واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

---

[1] الشعراء ۱۵۵ [2] القمر ۲۷-۲۸ [3] اعراف ۷۷

جب یہ حالت انپر طویل ہو گئی، توانکی رائے اور معاملہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ اس اونٹنی کو ذبح کر دیں، تا کہ (اس سے جان چھوٹے اور) آرام و سکون حاصل ہو۔ اور انکو پانی وافر مقدار میں ملے۔ تو شیطان نے اسطرح انکے دل میں یہ باطل خیالات پیدا کر دیئے (اور وہ یہ ظلم کر بیٹھے) قرآن میں ہے پھر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کر لی اور کہنے لگے :اے صالح اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) سے تو ہم کو ڈراتا ہے وہ لے آ۔ [۱]

اور اس اونٹنی کے قتل کا ذمہ اٹھانے والا انکا رئیس قدار بن سالف بن جندع تھا۔ سرخ رنگت والا تھا اور اسکے جسم پر نیلے گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے یہ ولد الزناء یعنی حرامی بچہ تھا۔ چونکہ سالف بن جندع کے گھر پیدا ہوا اس لئے مشہور تو اسی کے اولاد سے تھا لیکن درحقیقت یہ دوسرے شخص سے پیدا شدہ تھا جسکا نام صیبان تھا۔ اور اس نے اونٹنی کو قتل تمام کی متفقہ رائے سے کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ ظلم تمام کی طرف منسوب ہوا کہ قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔

اور علماء مفسرین میں سے ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قوم ثمود کی دو عورتیں تھیں ایک کا نام صدوق بنت المحیا بن زہیر المختار تھا۔ اور یہ اونچے خاندان کی مالدار عورت تھی لیکن اس کا شوہر اسلام لا چکا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اس سے جدا ہو گئی تھی۔

تو اس نے اپنے چچازاد بھائی مصرع بن مہرج بن المحیا سے کہا کہ اگر تو اس اونٹنی کو ختم کر ڈالے تو میں تیرے لئے ہوں (اور یہ حسین خوبصورت تھی)

اور دوسری عورت کا نام عنیزہ بنت غنیم بن مجلز تھا اور کنیت ام عثمان تھی۔ اور یہ بھی کافرہ بڑھیا تھی، اسکے شوہر ذواب بن عمرو سردار سے اس کے ہاں خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ تو اس نے بھی ایک دوسرے شخص قدار بن سالف پر اپنی لڑکیاں پیش کیں کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو ان لڑکیوں میں جس کو چاہے اپنے لئے پسند کرے۔

تو یہ دونوں جوان اسکو قتل کرنے پر اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنی قوم میں حمایت و تائید کے لئے کوشش کرنے لگے۔ تو قوم ثمود میں سے دوسرے سات آدمیوں نے بھی انکا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ اور یہ اس طرح نو افراد ہو گئے۔ قرآن میں بھی ذکر آیا: شہر میں نو آدمیوں کی جماعت تھی جو زمین میں فساد مچاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے (القرآن [۱]) اور پھر باقی قبیلے والوں سے بات کی۔ تو انہوں نے بھی انکی سرکشی یعنی اونٹنی کو قتل کرنے کو خوب سراہا اور انکی بات کو قبول کیا اور حمایت و تائید کی۔

تو یہ (نو آدمیوں کی جماعت) اونٹنی کیلئے گھات لگا کر تاک میں بیٹھ گے۔ جب اونٹنی گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی (اور انکے قریب سے گذرنے لگی) تو مصرع نامی شخص نے کمان سیدھی کی اور اونٹنی پر تیر چلادیا۔ اور تیر جا کر اونٹنی کی پنڈلی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔

پھر قبیلے کی عورتیں اونٹنی کو قتل کرنے پر قبیلے کو ملامت کے ساتھ برانگیختہ کرنے لگیں (کہ جلدی قتل کرو) اور اپنے چہروں کو پیٹنے لگیں۔ تو ان سب مردوں میں سے قدار بن سالف آگے بڑھا اور تلوار سونت کر

---

[۱] النمل ۴۸ [۲] وروى عبدالرزاق عن معمر، عمن سمع الحسن انه قال...... ۴۱

بڑی شدت سے وار کیا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یعنی پچھلے پاؤں سے اوپر کا حصہ) تو بیچاری اونٹنی لاچار ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اور ایک بہت زوردار چیخ ماری، تاکہ اس کا بچہ (جہاں کہیں ہو خبردار ہو کر ظالموں کے چنگل سے بھاگ جائے اور) محتاط ہو جائے۔ پھر ظالم قدار نے اپنے ظلم و سرکشی کو تیز کرتے ہوئے) اونٹنی کے سینے پر نیزہ مارا اور ذبح کر ڈالا۔

ادھر اسکا بچہ بھاگتا ہوا اونچے پہاڑ پر چڑھا اور چیخیں ماریں۔ (اور غائب ہو گیا) حسنؒ فرماتے ہیں کہ بچے نے یہ کہا تھا اے پروردگار: میری ماں کہاں گئی۔ پھر وہ بچہ چٹان میں داخل ہوا اور اسمیں غائب ہو گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ظالموں نے اسکا بھی پیچھا کیا تھا اور اسکو بھی کاٹ ڈالا تھا۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں! پھر انہوں (ثمودیوں) نے اپنے ساتھی (یعنی قتل کرنے والا قدار) کو بلایا اور پھر اس نے اونٹنی کو پکڑ کر اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں (القرآن[1]) اور رب تعالیٰ نے فرمایا: جب انمیں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا، اور اللہ کے رسول نے انکو کہا (یہ) اللہ کی اونٹنی ہے اور اسکے پانی کی باری ہے (تو اسکا خیال رکھو اور اسکو تکلیف دینے سے بچو لیکن) پھر انہوں نے اس (پیغمبر) کو جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر انکے پروردگار نے (بھی) انکے گناہ کی بدولت انپر عذاب (کا کوڑا) برسایا (اور) پھر انکو برابر کر دیا۔ اور وہ انکے انجام سے نہیں ڈرتا (القرآن[2]) مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن زمعہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ دیا پھر (صالحؑ کی) اونٹنی کا تذکرہ چھیڑا اور جس نے اسکو قتل کیا تھا اسکا ذکر کیا فرمایا: جب انمیں سے سب سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا۔ یعنی اونٹنی (کو ذبح کرنے) کیلئے ایک شخص کھڑا ہوا جو موذی تھا اپنی قوم میں سربرآوردہ اور زورآور تھا جیسے ابو زمعہ اپنی قوم میں[4]

[5] عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت علیؓ سے پوچھتے ہوئے۔ کیا میں تجھے لوگوں میں سب سے بدبخت کا نہ بتلاؤں؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا دو شخص ہیں۔ ایک تو ثمود کا سرخ رنگت والا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تھیں۔ اور دوسرا وہ شخص اے علی: جو تجھے یہاں (تلوار) مارے گا (یعنی سر پر) حتی کہ یہ جدا ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے اسکو روایت کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کرلی۔ اور کہا: اے صالح جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔ اگر تو رسولوں میں سے ہے تو اسکو لے آ (القرآن[6]) اور ان سرکشوں نے یہ کلام کر کے کفر کی انتہائی حدود کو کئی اعتبار سے چھولیا۔

ایک تو اسوجہ سے کہ اللہ نے ان کو اونٹنی کو برائی کے ساتھ چھونے سے بھی منع فرمایا تھا۔ اور وہ اونٹنی انکو اپنی طرف سے بطور نشانی کے عطا فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہوئے اونٹنی پر ظلم کیا اور اسکو مار ڈالا۔

---

[1] القمر ۲۹۔۳۰ [2] الشمس ۱۲

[3] قال الامام احمد حدثنا عبدالله بن نمير، حدثنا هشام. او عزوه. عن ابيه عن عبدالله بن زمعه قال:

[4] اخراجاه من حديث هشام به [5] وقال محمد بن اسحاق: حدثنى يزيد بن محمد بن خثيم، عن محمد بن كعب، عن محمد بن خثيم بن يزيد عن عمار بن ياسر قال....... [6] ۴۱ الاعراف ۷۷

اور اسپر مزید اضافہ یہ کیا کہ خود ہی جلدی اور فوراً عذاب کو مانگنے لگے۔
تو یہ دو وجھوں سے عذاب کے مستحق ہو گئے ایک تو یہ کہ اللہ نے انکو فرمادیا تھا کہ : اسکو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں قریبی عذاب پکڑ لے گا، ایک جگہ فرمایا عظیم عذاب پکڑے گا اور ایک جگہ فرمایا دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور تمام صورتیں واقع ہو کر رہیں۔
اور دوسری وجہ یہ کہ پھر خود ہی عذاب الہی کو جلد اور فوراً دعوت دینے لگے۔
اور یہ سب سے بڑی بات تھی کہ رسول علیہ السلام نے جب اپنی نبوت وسچائی پر یقینی دلیل اور معجزہ پیش بھی کر دیا اس کے باوجود بھی انھوں نے رسول کی تکذیب کی اسکو جھٹلایا۔ اور انکے دل میں علم یقین بھی پیدا ہو چکا تھا کہ یہ سچا رسول ہے لیکن کفر وضلالت اور عناد وسرکشی نے انکو کفر پر اکسایا، اور حق اور اپنے پر عذاب کے واقع ہونے کو یقینی خیال نہ کرنے دیا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا : پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو (حضرت صالح نے) فرمایا تم اپنے گھروں میں تین دن نفع اٹھالو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا (لے القرآن) مذکور ہے کہ جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تو سب سے پہلے ملعون قدار بن سالف نے اسکی کونچیں کاٹیں تھیں پھر وہ زمین پر گر پڑی تو تمام لوگ اپنی تلواریں لیکر اس مظلوم جانور پر ٹوٹ پڑے۔ پھر جب اونٹنی کے بچے نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی ان ظالموں سے خوفزدہ ہو کر بھاگا اور جا کر اونچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ زوردار چیخیں ماری۔
تو اسوجہ سے کہ بچے نے تین مرتبہ چیخیں ماریں تھیں حضرت صالح نے بھی اپنی نافرمان قوم کو عذاب سے تین دن کی مہلت بتائی یعنی اونٹنی پر ظلم والے دن کے سوا تین دن اپنی زندگیوں سے نفع اٹھالو۔ اور بس۔ لیکن (کفر دہ جو سر چڑھ کر بولے) اور ان کافروں نے اس وعدے کی بھی تصدیق نہ کی بلکہ شام ہوئی تو اپنے کفر پر مزید اضافہ کرتے ہوئے حضرت صالحؑ کے قتل کرنے کی ٹھان لی۔ کہ اسکو بھی اونٹنی کے ساتھ ملادیں قرآن میں ہے : کہنے لگے اللہ کی آپس میں قسمیں اٹھاتے ہوئے کہ ہم ضرور رات کو اسکو اور اسکے گھر والوں کو جالیں گے (القرآن ۲) یعنی رات کو اسکے گھر میں گھس کر اسکو قتل کر دیں گے۔ پھر اسکے قتل کا انکار کر دیں گے، اور سرے سے ہی انکار کر دیں گے اگر اسکے ورثاء اور اولیاء اسکا خون بہا یا قصاص طلب کرنے لگے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ان کاذکر ہے کہ پھر ہم اسکے ولی کو کہہ دیں گے کہ اسکے ہلاکت کی جگہ بھی ہم حاضر نہیں تھے۔ اور بے شک ہم سچے ہیں (سورہ النمل ۴۹) آگے اللہ نے فرمایا : انہوں نے مکر کیا تو ہم نے (بھی) مکر کیا اور انکو احساس بھی نہ ہوا پس دیکھ لے کہ انکے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے انپر اور انکی ساری (کافر) قوم پر (عذاب کی) تباہی ڈال دی پس یہ انکے گھر انکے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں بے شک اس میں جاننے والی قوم کیلئے (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ (النمل ۵۰ تا ۵۳)
تو خیر قوم ثمود اونٹنی کے قتل سے فراغت کے بعد حضرت صالحؑ کے قتل کے منصوبے جوڑنے لگی اور وہ بھی اسی رات کو۔ لیکن جیسا اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے مکر کیا تو ہم نے بھی مکر کیا اور انکو پتہ نہ چلا۔ اسکی تفصیل یوں ہوئی۔ کہ اللہ عزوجل نے انکی قوم سے بھی پہلے انپر پتھر برسائے اور انکے سر کچل ڈالے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں

لے ہود ۶۵ ۲: النمل ۴۹

نے صالحؑ اور اسکے اہل کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ تو اسطرح انکو انکی قوم سے تین دن پہلے ہی تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

(اور یہ دن بدھ کا تھا جس میں اونٹنی شہید ہوئی اور پھر رات کو وہ خاص کفریہ جماعت تباہ ہوئی اسکے بعد صبح ہوئی) یعنی جمعرات کا دن آیا تو یہ مہلت کے دنوں میں سے پہلا دن تھا، اس دن میں قوم ثمود کے چہرے زرد ہوگئے جسطرح حضرت صالحؑ نے انکو ڈرایا تھا، پھر جب شام ہوئی تو قوم ثمود کہنے لگی واہ مہلت کا ایک دن گزر گیا اور کافروں نے بجائے چہرے بدلنے کی نشانی سے ایمان لانے کے مذاق کرنا شروع کر دیا پھر جب اس سے اگلے دن یعنی جمعے کے دن صبح کی اور یہ مہلت کا دوسرا دن تھا تو انکے چہرے سرخ ہوگئے۔ جب شام کی تو پھر کافر کہنے لگے واہ مہلت کے دو دن گذر گئے پھر زندگی کی مہلت مین سے تیسرے دن صبح کی تو انکے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے پھر جب شام ہوئی تو کافر کہنے لگے واہ مہلت مکمل ہوگئی۔ گذر گئی۔ اور یہ ہفتے کا دن تھا۔ پھر جب اتوار کا دن شروع ہوا۔

تو محتاط و چوکنے ہو گئے اور خوفزدہ ہو گئے، اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگے کہ دیکھو اب انپر کونسا عذاب رسوائی اور برائی اترتی ہے؟ کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب انکے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اور کون سی جانب سے عذاب آئے گا؟

جب آفتاب طلوع ہوا تو آسمان سے ایک چنگھاڑ یعنی بہت سخت تیز چیخ کی آواز آئی جس سے یہ نیچے تک دہل گئے، اور روحیں خوف سے نکلنے لگیں، جانیں سسک سسک کر ختم ہونے لگیں حرکات سکنات ٹھنڈی پڑ گئیں، آوازیں بند ہوگئیں، حقائق واضح ہو گئے۔

پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ملے۔ محض جسموں کے ڈھیر تھے جن میں کسی میں روح کا ذرہ نہ رہا تھا۔ اور نہ کوئی حرکت باقی رہی تھی۔

اور مذکور ہے کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا سوائے ایک لڑکی کے، اور وہ بھی لنگڑی تھی پاوں سے معذور تھی اسکا نام کلبہ بنت سلق تھا اور ذریعہ بھی اسکو کہا جاتا ہے۔ اور حضرت صالحؑ سے سخت دشمنی رکھتی تھی اور کفر پر بھی سخت تھی۔ جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اسکی ٹانگیں صحیح ہوگئیں، اور وہ کھڑی ہو کر بھاگ پڑی۔ اور اسوقت اسکی رفتار بہت تیز تھی۔ اور پھر وہ عرب کے ایک قبیلے کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں اس نے قبیلے کو جو کچھ کہ دیکھا تھا اور جو عذاب اسکی قوم پر اترا تھا سب سنایا۔ پھر ان سے پانی طلب کیا انہوں نے پانی دیا۔ پھر جب پانی پی لیا تو یہ بھی مر گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گویا کہ وہ اس (علاقے) میں صحیح طرح آباد ہی نہیں ہوئے۔

خبردار بے شک ثمود نے اپنے پرودگار کے حکم سے کفر کیا خبردار پھٹکار ہے ثمود کیلئے [1] یعنی قدرت کی زبان نے انپر یہ آواز لگائی۔

[2] حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مقام حجر کے پاس سے گذرے تو فرمایا نشانیوں (معجزوں) کو مت طلب کرو بے شک قوم صالح نے انکو طلب کیا پس وہ (نشانی اونٹنی انکو مل گئی اور وہ) اس راستے سے پانی کیلئے آتی تھی اور اس راستے سے واپس جاتی تھی۔ پھر (قوم ثمود نے) اپنے پروردگار کے حکم

---

[1] هود، ٦٨

[2] قال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، حدثنا عبدالله بن عثمان بن خثيم، بن ابن زبير، عن جابر قال......الخ

سے سرکشی کی اور اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ انکا ایک دن پانی پیتی تھی اور (اس) دن وہ (سب) اسکا دودھ پیتے تھے پھر جب انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ دیں تو انکو ایک چیخ نے آپکڑا پس انمیں سے جو بھی آسمان کے نیچے تھا چیخ سے وہ ہلاک ہوگیا، سوائے ایک شخص کے جو حرم اللہ (یعنی مکے) میں تھا صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون تھا؟ فرمایا وہ ابورغال تھا پھر جب وہ حرم سے نکلا تو اسکو بھی وہی عذاب پہنچا جو اسکی قوم کو پہنچا تھا۔

یہ حدیث امام مسلم کی شروط کے مطابق ہے۔ لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہے واللہ اعلم

اور عبدالرزاقؒ بھی فرماتے ہیں کہ معمر نے کہا مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ ابورغال کی قبر کے پاس سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا: جانتے ہو یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ قبر ابورغال کی ہے۔ جو ثمود کا آدمی تھا۔ یہ اللہ کے حرم میں تھا تو حرم اللہ نے اسپر عذاب نہ اترنے دیا پھر جب یہ نکلا تو اسکو بھی وہی کچھ پیش آیا جو اسکی قوم کو پیش آیا۔ پھر یہ یہاں دفن کردیا گیا۔ اور اسکے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی تھی۔ پھر اسکے پاس ایک قوم نے پڑاؤ ڈالا اور اسکو اپنی تلواروں سے کھودا اور ٹہنی نکال لی

[1] زہریؒ فرماتے ہیں کہ ابورغال ہی قبیلہ ثقیف کا باپ تھا..... [2]

[3] حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کے ساتھ طائف کی طرف نکلے تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا جبکہ ہمارا ایک قبر پر سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ابورغال کی قبر ہے اور وہ ابو ثقیف ہے، اور ثمود سے تھا، اور اس حرم کی وجہ سے عذاب سے بچا رہا پھر جب وہاں سے نکلا تو اسکو بھی وہی عذاب پہنچا جو اسکی قوم کو پہنچا تھا۔ پھر یہیں وہ دفن کردیا گیا، اور اسکی نشانی یہ (تھی کہ) اس جگہ اسکے ساتھ ایک سونے کی ٹہنی دفن کی گئی تھی اگر تم اسکو کھودتے تو وہ اس کے ساتھ پالیتے (لیکن) پھر لوگوں نے اسمیں جلدی کی اور اس سے ٹہنی نکال لی۔ [4]

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں تردد ہے صحیح یہ لگتا ہے کہ یہ خود عبداللہ بن عمر کا قول ہو اور ویسے بھی اسکے راوی بجیر بن ابی بجیر اسمیں متفرد ہیں۔

لیکن پہلی مرسل حدیث اور جابرؓ کی حدیث میں اسکے لئے شاہد ملتا ہے واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر (پیغمبر نے) ان سے پیٹھ پھیر لی اور فرمایا: اے قوم بے شک میں تم کو اپنے پرودگار کا پیغام پہنچا چکا۔ اور تم کو (خیر خواہی کے ساتھ) نصیحت کرچکا، اور لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ [5]

یہ حضرت صالحؑ کے متعلق خبر دی ہے: کہ انہوں نے قوم کی ہلاکت کے بعد یہ کلمات فرمائے اور

---

[1] قال عبدالرزاق قال معمر قال الزهری ..... الخ [2] وهذا مرسل من هذا الوجه [3] وقد جاء من وجه آخر متصلا کما ذکره محمد بن اسحق فی السیرة عن اسماعیل بن امیة عن بجیر بن ابی بجیر قال سمعت عبدالله بن عمر یقول [4] وهکذا رواه ابو داؤد من طریق محمد بن اسحاق به قال شیخنا الحافظ ابو الحجاج المذی رحمه الله: هذا حدیث حسن عزیز قلت تفرد به بجیر بن ابی بجیر هذا، ولا یعرف الا بهذا الحدیث، ولم یرو عنه سوی اسماعیل بن امیه قال شیخنا: فیحتمل انه وهم فی رفعه وانمایکون من کلام عبدالله بن عمرو من زاملتیه والله اعلم [5] الاعراف ۷۹

اسوقت یہ انکے محلے سے کوچ فرما کر دوسرے کسی محلے کیطرف جارہے تھے اور زبان اقدس سے فرماتے جارہے تھے اے قوم بے شک میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا چکا اور تمہارے لئے خیر خواہی کر چکا۔

یعنی تمہاری ہدایت میں مجھ سے جتنا کچھ ہو سکا میں نے خوب کوشش کرلی۔ اور میں تمہاری ہدایت پر اپنے قول اپنے فعل اپنی نیت کے ساتھ بہت ہی حریص تھا۔ (لیکن تمہاری سرکشی آڑے آئی) اور لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ یعنی تمہاری طبیعت حق کو قبول کرنے والی نہیں ہے بلکہ اسکا ارادہ کرنے والی بھی نہیں ہیں۔ لہذا اسی وجہ سے تمہیں اس دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا، جو ہمیشہ اب تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور مجھے تمہارے چھٹکارے کی اب کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔ اور میں اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی اسکو تم سے دفع نہیں کر سکتا۔ اور میرے ذمے جو تمہارے لئے واجب تھا یعنی رسالت کا پہنچانا اور نصیحت کرنا وہ میں ادا کر چکا، اور تمہارے لئے خرچ کر چکا۔ لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے پیغمبر سرکار دوعالم حضرت محمد ﷺ نے بھی بدر کے کافر مقتولوں کو تین راتوں بعد فرمایا تھا، اور آپ انپر ٹھہر گئے تھے اور اپنی سواری پر سوار تھے اور رات کا آخری پہر تھا اور آپ نے کوچ کا حکم فرمادیا تھا پھر کوچ کرتے وقت آپ ان مقتولوں سے مخاطب ہوئے۔

اے کنویں والو: (چونکہ انکو قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا) کیا جو تم سے تمہارے پروردگار نے (سرکشی کی صورت میں عذاب کا) جو وعدہ فرمایا تھا، اسکو تم نے حق و ثابت پالیا؟ پس میں نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو حق (سچ) پالیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے خطاب میں اسوقت انکو یہ بھی فرمایا تھا۔

برا تھا نبی کا خاندان، (یعنی) تم اپنے نبی کیلئے۔ تم نے مجھے جھٹلایا لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے دیس سے نکالا، اور لوگوں نے مجھے ٹھکانا دیا، تم نے مجھ سے قتل و خونریزی کی اور لوگوں نے میری مدد کی پس نبی کا خاندان برا ہے، (یعنی) تم اپنے نبی کیلئے (برے نکلے)

تو حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ آپ ایسی قوم سے خطاب کر رہے ہیں جو ہلاک ہو چکی ہے؟ فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت صالحؑ وہاں سے اجڑ کر اللہ کے حرم میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر وہیں اقامت پذیر رہے یہاں تک اللہ کا بلاوا آگیا۔

[1] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ حج کے وقت وادی عسفان سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کون سی وادی ہے؟ عرض کیا وادی عسفان فرمایا یہاں سے ہود اور صالحؑ بھی گذرے تھے (اور وہ) اونٹنیوں پر سوار تھے جنکی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں۔ اور انکے جسم پر عبائیں تھیں اور سیاہ و سفید دھبوں والی چادریں تھیں۔ تلبیہ (اللھم لبیك الخ) پڑھتے ہوئے قدیم گھر (بیت اللہ) کا حج کرنے کیلئے جارہے تھے۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور طبرانی کی روایت سے حضرت نوحؑ کے قصے میں مذکور ہو چکی ہے اور اسمیں نوح اور ہود اور ابراہیمؑ کا تذکرہ ہے۔

---

[1] قال الامام احمد: حدثنا وکیع، حدثنا زمعه بن صالح، عن سلمة بن وھرام، عن عکرمه، عن ابن عباس قال

تبوک کے سال ارض ثمود کی وادی حجر سے نبی اکرم ﷺ کا گذر

[1] مسند احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ تبوک میں اترے تو قوم ثمود کے گھروں کے پاس مقام حجر میں اترے۔ تو جن کنوؤں سے قوم ثمود پانی بھرتی تھی۔آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی وہاں سے پانی بھرا، اس پانی سے آٹا گوندھا، اور اس پانی سے دیگچیاں چڑھائیں۔ لیکن پھر حضور اکرم ﷺ نے انکو حکم فرمایا: تو صحابہ نے دیگچیاں الٹ دیں، اور اس پانی سے گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کو لیکر آگے کوچ فرمایا: حتی کہ اس کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا جس کنویں سے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) پانی پیتی تھی۔

اور پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا کہ قوم ثمود جو عذاب سے ہلاک ہوئے انکے گھروں بستیوں میں نہ جائیں اور یہ فرمایا: میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو انکو پہنچا تھا لہذا انکے پاس نہ جاؤ۔

[2] اور مسند احمد میں ایک دوسرے طریق سے حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی منقول ہے: کہ حضور اکرم ﷺ مقام حجر میں تھے اور آپ نے یہ فرمایا: ان عذاب یافتہ لوگوں کے پاس نہ جاؤ مگر ہاں اسطرح (جاسکتے ہو کہ) روتے ہوئے جاؤ۔ لہذا (اسکے بغیر) انکے پاس نہ جاؤ (اس خوف سے کہ کہیں) تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو انکو پہنچا۔

اس حدیث کو صحیح بخاری و مسلم نے کئی وجہ سے تخریج فرمایا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب قوم ثمود کے گھروں کے پاس سے گذرے تو اپنے سر کو ڈھانپ لیا، اور سواری انتہائی تیز فرمادی۔ اور صحابہ کرام کو انکے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ سوائے رونے کی صورت میں لہذا اگر روتا نہ ہو تو انکے علاقوں میں داخل نہ ہو کہیں تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو انکو پہنچا۔

اسکو بھی بخاری و مسلم نے کئی طرح سے تخریج فرمایا ہے۔

اور اسی طرح ایک اور روایت بھی آئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
اگر تم رونہ سکو تو رونے کی صورت بنالو اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب پہنچ جائے جو انپر اترا تھا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

[3] اور مسند احمد میں عمرو بن سعد یا عامر بن سعد سے مروی ہے کہ جب غزوہ تبوک کا موقع پیش آیا تو لوگ اہل حجر کے مقام کی طرف تیزی سے جارہے تھے تو یہ بات رسول اکرم ﷺ کو پہنچی تو لوگوں میں منادی کرائی

---

[1] قال الامام احمد: حدثنا عبدالصمد، حدثنا صخر بن جویریہ، عن نافع، عن ابن عمر قال: .... الخ

[2] وقال احمد ایضا: حدثنا عفان، حدثنا عبدالعزیز بن مسلم، حدثنا عبداللہ بن دینار، عن عبداللہ بن عمر قال ...... الخ

[3] وقال الامام احمد: حدثنا یزید بن ہرون، حدثنا المسعودی، عن اسماعیل بن اوسط، عن محمد بن ابی کبشہ الانباری عن ابیہ. واسمہ عمرو بن سعد ویقال عامر بن سعد. رضی اللہ عنہ قال: ......الخ

الصلوۃ جامعۃ یعنی جمع کرنے والی نماز (اور یہ اعلان تب کروایا جاتا تھا جب لوگوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہوتا تھا)

تو راوی کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا آپ اپنے اونٹ کو روکے کھڑے تھے اور فرمارہے تھے تمہیں کیا ہے کہ تم ایسی قوم پر داخل ہوتے ہو، جس پر اللہ کا غضب اتر چکا ہے ؟ تو مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سے تعجب (وعبرت) پکڑتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: تو کیا میں تمہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز شخص نہ بتاؤں ؟ (وہ شخص وہ) مرد ہے جو تم میں سے ہے اور تم سے پہلے کی خبریں دیتا ہے اور بعد کی خبریں بھی دیتا ہے (یعنی خود آپکی ذات مبارکہ) پس مستقیم رہو اور سیدھے رہو۔ اسلئے کہ اللہ تمہیں (بھی) عذاب دینے میں کوئی پرواہ نہ فرمائے گا۔ اور عنقریب ایسی قوم آئے گی جو اپنے نفسوں کا کچھ بھی (عذاب الٰہی) سے دفاع نہ کرے گی۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے لیکن اسکو اور ائمہ نے تخریج نہیں فرمایا۔

(آجکل کے فیشن ایبل حضرات عذاب کی جگہوں میں پکنکیں مناتے ہیں بڑا عبرت کا مقام ہے)

مذکور ہے کہ قوم صالح کی عمریں طویل ترین ہوا کرتی تھیں۔ تو پہلے یہ گارے مٹی کے گھر بناتے تھے تو وہ ایک شخص کی موت تک ہی ویران وتباہ ہو جاتا تھا پھر انہوں نے پہاڑوں میں اپنے لئے تراش تراش کر گھر بنانا شروع کئے۔

مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ قوم ثمود نے جب حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی بطور نشانی طلب کی اور اللہ نے وہ انکو عطا فرمادی تو حضرت صالحؑ نے انکو حکم فرمایا کہ اسکا اور جو بچہ (ابھی سے) اسکے پیٹ میں ہے دونوں کا خیال رکھا جائے اور اگر اسکو برائی سے چھوئیں گے تو اللہ کا عذاب انکو گھیر لے گا۔

اور حضرت صالح علیہ السلام نے انکو یہ خبر بھی پہلے ہی سے دیدی تھی کہ وہ عنقریب اسکو کرہی ڈالیں گے اور یہی انکے ہلاک ہونے کا سبب بنے گا حتی کہ اسکی کونچیں کاٹنے والے شخص کی نشانی اور اوصاف بھی پہلے بتا دیئے تھے کہ وہ سرخ رنگت اور نیلے گہرے دھبوں والا ہوگا تو (شاید پھر مومنین) لوگوں نے دائیوں کو شہروں میں بھی پھیلا دیا کہ جو بچہ اس طرح کا پیدا ہو اسکو قتل کردیں۔ تو اسی طرح ایک زمانہ بیت گیا (یعنی کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا لہذا کوئی قتل بھی نہ ہوا) پھر ایک پشت ختم ہو گئی دوسری آگئی۔

پھر کسی ایک شہر کے رئیس نے دوسرے رئیس کی بیٹی کو پیغام نکاح دیا اور وہ راضی ہو گیا تو دونوں کے درمیان شادی ہو گئی پھر انکے ہاں اونٹنی کا قاتل پیدا ہوا جو قدار بن سالف تھا لیکن اسکے ماں باپ رئیس وسردار تھے تو اسوجہ سے دائیاں اسکے قتل پر قادر نہ ہو سکیں تو وہ ظالم بڑی سرعت سے پرورش پاتا گیا حتی کہ یہ ایک ہفتے میں اتنی پرورش ونشو نما پالیتا تھا، جتنی دوسرے ایک مہینے میں پائیں۔

یہاں تک کہ یہ بہت جلد قوم میں رئیس وسردار بن کر ابھرا۔ پھر اسکے دل میں اونٹنی کے قتل کا خیال فاسد پیدا ہوا۔ اور دوسرے آٹھ آدمیوں نے بھی اس (سرکشی سے ہم خیالی ظاہر کرتے ہوئے اس) کی اتباع کی اور وہ بھی سرکش اور سردار لوگوں میں سے تھے، اور انہی ظالموں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا بھی ارادہ کیا تھا۔

پھر جب اونٹنی کے قتل کا سانحہ پیش آچکا تو یہ بات حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی، تو حضرت صالحؑ اونٹنی کے غم میں روتے ہوئے انکے پاس آئے تو یہ سرکش لوگ آپ سے جھوٹے بہانے اور معذرت کرنے

لگے کہ یہ ہماری جماعت کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ یہ ہم میں سے چند لڑکوں نے کیا ہے تو آخر حضرت صالحؑ نے (درگذر کرتے ہوئے) فرمایا کہ اسکے بچے کو لے آؤ اور اسکے ساتھ اچھا سلوک کرو تا کہ اسکا بدلہ ہو جائے تو لوگ اس بچے کے پیچھے گئے تو وہ ادھر موجود ایک پہاڑ پر چڑھ گیا پھر جب لوگ اسکے پیچھے چڑھنے لگے تو وہ اور بلندی کی طرف چڑھا اور حتی کہ چوٹی پر پہنچ گیا اور پرندے اسکو چھونے لگے۔ تو بچہ بے چارہ رو پڑا اور اسکے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے پھر حضرت صالحؑ کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ چیخ ماری۔ تو اسوقت حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو فرمایا (قرآن میں ہے !اپنی زندگیوں سے اب صرف) تین دن تک اپنے گھروں میں نفع اٹھالو یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔(ہود ٦٥)

اور حضرت صالحؑ نے قوم کو خبر بھی دی کہ وہ آئندہ صبح کو زرد چہرے لئے اٹھیں گے پھر دوسرے دن سرخ چہرے، اور تیسرے دن سیاہ چہرے لئے اٹھیں گے پھر جب چوتھا دن آئے گا تو انکے پاس ایک زوردار چنگھاڑ آئے گی جسمیں ہر (طرح کی) بجلی کی کڑک دار آواز ہوگی جو انکو پکڑے گی پھر یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ملیں گے۔

لیکن اس روایت کے بعض حصوں میں شبہ کا امکان ہے اور قرآن کے ظاہر کی مخالفت ہے جیسے کہ ہم بیان کر چکے واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ کے دوست

یعنی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

نسب نامہ : ابراہیم بن تارخ ,, عمر ۲۵۰،، بن ناحور ,, ع ۱۴۸،، بن ساروغ ,, ع ۲۳۰،، بن راغو ,, ع ۲۳۹،، بن فالغ ,, ع ۴۳۹،، بن عابر ,, ع ۴۶۴،، بن شالح ع ۴۳۳،، بن ارفخشد ,, ع ۴۳۸،، بن سام ,, ع ۶۰۰،، بن نوح علیہ السلام

یہ اہل کی کتاب میں تصریح کے ساتھ بمع انکی عمروں کے نسب نامہ موجود ہے اور حضرت نوحؑ کی عمر کو یہاں بیان نہیں کیا گیا کیونکہ انکے بارے میں مفصل و مدلل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

[1] اور حافظ ابن عساکر نے اللہ کے دوست حضرت ابراہیم کی سوانح میں روایت کیا ہے کہ انکی والدہ ماجدہ کا نام امیلہ تھا اور اسکے بعد انکی ولادت کی خبر طویل ہے۔ اور کلبیؒ فرماتے ہیں انکی والدہ کا نام ''بونا'' بنت کربتا بن کرثی تھا اور یہ قبیلہ بنی ارفخشد بن سام بن نوح سے تھیں۔

اور ابن عساکر نے کئی وجہ سے حضرت عکرمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی کنیت ''ابو الضیفان'' تھی (یعنی مہمانوں کے باپ چونکہ کثرت میزبانی میں یہ بہت ہی آگے تھے۔ اسلئے یہ کنیت پڑ گئی۔ م)

علماء مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جب تارخ کی عمر ۷۵ سال کو پہنچ گئی تو انکے ہاں ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور انکے علاوہ دو لڑکے ناحور اور ہاران بھی انکے ہاں پیدا ہوئے اور ہاران کے ہاں حضرت لوطؑ پیدا ہوئے تھے، تو اسطرح حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہوئے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ منجھلے یعنی درمیانی بھائی تھے۔ اور ھاران اپنے والد کے زمانے ہی میں اسی سرزمین میں وفات کر گئے تھے جہاں انکی پیدائش ہوئی تھی اور وہ کلدانیین کی زمین ہے اور اس سے ان کی مراد بابل شہر ہے۔

اور اہل سیرت و تواریخ واخبار کے ہاں یہی زیادہ صحیح قول ہے [2]

اور حافظ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ غوطہ دمشق میں قاسیون کے پہاڑی علاقے میں ابرزہ نامی بستی کے اندر پیدا ہوئے لیکن بعد میں ابن عساکرؒ نے فرمایا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بابل شہر میں پیدا ہوئے اور اس بابل کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف اسلئے بھی منسوب کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کی مدد کیلئے یہاں تشریف لائے، تو یہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

(تو خیر بڑے بھائی تاحور بھی بابل میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آخری قول کے مطابق بابل میں پیدا ہوئے م)

اہل تواریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ سے شادی کی اور تاحور نے ہاران کی

---

[1] وحكى الحافظ ابن عساكر في ترجمه ابراهيم الخليل من ,, تاريخه،، عن اسحاق بن بشر الكاهلي صاحب كتاب ,, المبتداء ...... الخ [2] وصحح ذلك الحافظ ابن عساكر، بعد ماروى من طريق هشام بن عمار، عن الوليد، عن سعيد بن عبدالعزيز، عن مكحول، عن ابن عباس ..... الخ

بیٹی ملکا یعنی اپنے بھائی کی بیٹی سے شادی کی۔ اور اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ بانجھ تھیں اور کوئی اولاد انکے ہاں نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیمؑ اور انکی بیوی یعنی اپنی بہو سارہ، اور اپنے پوتے لوط بن ہاران کو لیکر کلدانیوں کی سرزمین بابل سے چلے گئے اور کنعانیوں کی سرزمین میں آباد ہوئے اور وہاں مقام حران میں اترے اور وہیں تارخ نے وفات پائی جبکہ انکی عمر دو سو پچاس سال تھی۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حران میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ انکی جائے پیدائش کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اسکے آس پاس کی جگہ ہے پھر یہ کنعانیوں کی سرزمین کا ارادہ لیکر چلے، اور وہ بیت المقدس کے شہر ہیں۔ تو وہاں یہ حضرات حران نامی جگہ میں آباد ہو گئے۔ اور اسوقت یہ جگہ بھی اور جزیرہ اور شام کی سرزمین بھی کلدانیوں کے زیر سایہ تھیں اور یہ سات سیاروں کی پوجاپاٹ کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے شہر دمشق کو شروع میں بنایا آباد کیا وہ بھی اسی دین پر تھے۔ یہ قطب شمالی کی طرف رخ کرتے تھے (جسطرح ہم کعبۃ اللہ کی طرف کرتے ہیں) اور اقوال وافعال میں کئی طرح سے سات سیاروں کی عبادت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے دمشق کے پرانے سات دروازوں میں سے ہر ایک پر ایک سیارے کی ہیکل بنا کر نصب کر رکھی تھی۔ اور انکے پاس عید اور تہوار کی رسوم مناتے تھے۔

اسی طرح حران شہر کے لوگ بھی انہی بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اسوقت روئے زمین پر جو بھی تھے سب کافر تھے۔ سوائے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے اور انکی بیوی سارہ اور انکے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ ہی وہ شخص ہیں جنکے ذریعے اللہ نے ان فتنوں اور شر کو زائل کیا اور ضلالت و گمراہی کو مٹایا۔ بے شک اللہ نے انکو بچپن ہی سے سیدھی راہ دکھلا دی تھی۔ اور اپنا رسول منتخب کر لیا تھا۔ پھر سن رسیدگی میں انکو اپنا دوست بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے (الانبیاء ۵۱)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمان خداوندی ہے: اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ کا طوفان باندھتے ہو۔ تو جن لوگوں کو خدا کے سوا تم پوجتے ہو، وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس خدا کے ہاں سے رزق طلب کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر اسکو لوٹائے گا اور یہ خدا کو آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کسطرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر خدا ہی پچھلی پیدائش کو پیدا کرے گا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے۔ اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور تم اسکو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار اور جن لوگوں نے خدا کی آیتوں سے اور خدا کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔

تو انکی قوم کے لوگ جواب میں صرف یہی بولے کہ اسے قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو مگر خدا نے اسکو آگ سے نجات دی۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں انکے لئے اسمیں نشانیاں ہیں۔

اور (ابراہیمؑ نے) کہا کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو دنیا کی زندگی میں باہمی دوستی کیلئے لے بیٹھے ہو پھر قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا پس انپر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیمؑ) کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔

اور ہم نے اسکو اسحٰق اور یعقوب دیئے، اور انکی اولاد میں پیغمبری اور کتب (مقرر) کر دی اور انکو دنیا میں بھی انکا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے اپنے باپ اور قوم کے ساتھ مناظرے کو ذکر فرمایا جسکو عنقریب ذکر کریں گے انشاء اللہ اور حضرت ابراہیمؑ کی پہلی دعوت اپنے والد کو تھی اور انکے والد بتوں کی پوجا کرتے تھے اسوجہ سے لوگوں میں وہ سب سے زیادہ نصیحت کے محتاج تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور دیکھیں اور نہ آپکے کچھ کام آسکیں۔ ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپکو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جایئے میں آپکو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ اے ابا شیطان کی پوجا نہ کیجئے بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے۔

اے ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپکو رحمٰن کا عذاب آپکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

اس نے کہا اے ابراہیم کیا تو مجھے اپنے معبودوں سے برگشتہ کرتا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو مجھ سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جا۔

ابراہیم نے السلام علیکم کہا (اور کہا) میں آپکے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ (سب سے) کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں۔ اور میں اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ اور مجھے امید (قوی) ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔

تو یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیٹے اور باپ کی گفتگو اور مناظرے کو ذکر فرمایا۔ اور کیسے بیٹے نے باپ کو حق کی طرف لطیف باتوں کے ساتھ اور حسین اشاروں کے ساتھ بلایا۔ اور ان بتوں کی برائی اور خرابی کو بیان فرمایا جو اپنے عابد کی نہ سن سکیں اور نہ اسکی جگہ کو دیکھ سکیں تو وہ اس عابد کو کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں؟ یا اسکے ساتھ بھلائی اور مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

پھر حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کو ہوشیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ نے مجھے جو ہدایت و علم عطا فرمایا ہے آپ اسکی اتباع کر لیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ چھوٹے ہیں قرآنی الفاظ یوں ہیں۔ اے میرے ابا ہے

شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپکے پاس نہیں آیالہذا آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں گا (مریم ۴۳) یعنی واضح اور نرم وآسان، ہموار راستے کی طرف آپ کی رہنمائی کروں گا جو آپکو دنیا و دین میں خیر تک پہنچادے گا۔

پس جب یہ رشد وہدایت انکے باپ پر پیش کی گئی اور یہ نصیحت وخیر خواہی ہدیہ کی گئی تو باپ نے بیٹے سے اسکو قبول نہ کیا اور نہ کچھ بھی فائدہ اس سے حاصل کیا بلکہ الٹا بیٹے کو ڈرایا دھمکایا اور کہا اے ابراہیم کیا تو مجھ کو اپنے معبودوں سے پھیرتا ہے؟ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جا۔ (مریم ۴۶) یعنی اب تو مجھ سے الگ ہو جا اور مجھ سے جدائی کو بڑھا دے۔

تو پھر بیٹے نے باپ کو کہا سلام علیک آپ پر سلامتی ہو۔ یعنی میری طرف سے آپکو کوئی ناپسندیدہ بات نہ پہنچے اور نہ میری طرف سے آپکو کوئی تکلیف پہنچے۔ بلکہ آپ میری جانب سے صحیح وسلامت رہیں۔ پھر بیٹے نے اس محبت واخلاص پر اور اضافہ کیا فرمایا: عنقریب میں آپکے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے (مریم ۴۷)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ وہ مجھ پر لطف کرنے والا ہے یعنی اس نے مجھ کو اپنی بندگی کی توفیق مرحمت فرمائی اور اپنے لئے اخلاص عطا فرمایا۔ اسو جہ سے آگے فرمایا:۔ اور میں تم سے اور جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو، جدا ہوتا ہوں۔ اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے مانگنے میں محروم نہ رہوں گا (مریم ۴۸) تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کیلئے وعدے کے مطابق دعائیں مانگیں۔ لیکن جب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے (اور دشمن ہی رہے گا) تو پھر بیٹے نے بھی باپ سے علیحدگی ظاہر کر دی جیسے فرمان باری بھی ہے: اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا، جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب انکو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے علیحدگی کر لی۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے[1]

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز ابراہیمؑ اپنے باپ آذر سے ملیں گے اور آذر کا چہرہ گرد وغبار اور گندگی سے اٹا ہو گا۔ تو ابراہیمؑ ان سے کہیں گے کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟ آذر بیٹے کو کہیں گے آج میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا۔ تو ابراہیمؑ (بارگاہ رب العزت میں) عرض کریں گے: اے پروردگار آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، اس دن آپ مجھے رسواء نہ فرمائیں گے۔ تو میرے والد کی رسوائی کے بعد میرے لئے کون سی بڑی رسوائی ہو گی؟ تو اللہ جل شانہ فرمائیں گے: بے شک میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے ابراہیم اپنے قدموں تلے دیکھ کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے کہ ایک مردار غلاظت میں لتھڑا پڑا ہے۔ بس پھر اسکو پیروں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[2]

---

[1] توبہ ۱۱۴ [2] وهكذا رواه، في قصة ابراهيم منفردا. وقال في التفسير وقال ابراهيم بن طهمان عن ابن ابى ذئب عن سعيد المقبرى، عن ابيه عن ابى هريره. هكذا رواه النسائى عن احمد بن حفص بن عبدالله، عن ابيه، عن ابراهيم بن طهمان به وقد رواه البزار عن حديث حماد بن سلمه عن ايوب، عن محمد بن سيرين، عن ابى هريره عن النبى ﷺ بنحوه وفى سياقه غرابة ورواه ايضاً من حديث قتاده. عن عقبه بن عبدالغافر، عن ابى سعيد عن النبى ﷺ بنحوه.

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : اور جب ابراہیم نے اپنے والد آذر کو کہا : کیا آپ بتوں کو معبود بناتے ہیں ؟ بے شک میں تو آپکو اور آپکی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔
(الانعام ۷۴)

تو اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر تھا جبکہ نسب بیان کرنے والوں میں سے جمہور حضرات جن میں ابن عباسؓ بھی ہیں، وہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک تارخ تھا تو پھر آذر کیا ہے ؟ تو ایک قول یہ ہے کہ آذر انکے بت کا نام تھا جسکی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے یہ انکا لقب پڑ گیا۔ اور مفسر ابن جریرؒ فرماتے ہیں آذر انکا نام تھا۔ اور شاید انکے دو نام تھے یا پھر ایک ان کا لقب تھا دوسرا نام تھا، واللہ اعلم۔

اور ابن جریر کا قول بھی احتمال کے درجے میں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور ہم اسطرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں جب رات نے انکو ڈھانپ لیا تو ایک ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو پکار اٹھے، اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر جب سورج کو بھڑکتے دیکھا تو کہنے لگے، میرا پروردگار یہ ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے : لوگو جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو، میں تو ان سے بیزار ہوں۔ میں نے تو سب سے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اسکی طرف متوجہ کر لیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اور انکی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی تو انہوں نے کہا کیا تم مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو ؟ حالانکہ اس نے مجھے سیدھا راستہ دکھلایا۔ اور جن چیزوں کو تم انکا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا سوائے اسکے جو میرا رب چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیوں ڈروں ؟ جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جسکی خدا نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق امن کا مستحق ہے اگر علم رکھتے ہو ؟ (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مشتبہ نہیں کیا انہی کیلئے امن اور وہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو انکی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ جسکے چاہتے ہیں، ہم درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت (اور) علم والا ہے (انعام ۷۵ تا ۸۴)

اور یہ کلام و مقام اپنی قوم سے بطور مناظرہ کے تھا۔ اور انکو سمجھانا مقصود تھا کہ یہ چمکدار ستارے سیارے وغیرہ معبود بننے کی صلاحیت و استعداد نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اللہ کے شریک بننے کی صلاحیت و استعداد رکھتے۔ اسلئے کہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں اور دھیرے دھیرے پروان کو چڑھے ہیں، اور یہ مصنوعات میں سے ہیں جو

اللہ کی تدبیر کے ساتھ انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں کبھی طلوع ہوتے ہیں، کبھی غائب ہوتے ہیں۔ اور اس عالم سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ پروردگار تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ کوئی پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی رہتی بلکہ وہ دائمی باقی اور لازوال ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، اور نہ اسکے سوا کوئی جہاں کا پالنے والا ہے۔

تو حضرت ابراہیمؑ نے پہلے تو قوم کے سامنے ستاروں سیاروں وغیرہ کی عدم صلاحیت بیان فرمائی ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے جو چمکدار کسی چیز کو دیکھا وہ زہرہ ستارہ تھا پھر اس سے زیادہ روشن چیز یعنی مہتاب کی طرف ترقی کی پھر اس سے بھی زیادہ روشن چیز یعنی آفتاب کی طرف ترقی کی جو نظر آنے والے تمام اجسامِ فلکی میں روشنی اور چمک دمک کے اندر سب سے زیادہ ہے۔ لیکن پھر انکے سامنے بالکل ظاہر ہو گیا کہ یہ سب کسی ذات کی طرف سے کام میں لگے ہوئے ہیں اسی کے حکم سے چلائے جاتے ہیں، اور اس کے حکم سے انکے اوقات مقرر ہیں اور وہی انکا کرنے والا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن اور آفتاب اور مہتاب، (لہذا) آفتاب اور مہتاب کی پرستش نہ کرو، اور (بلکہ) اس اللہ کو سجدہ کرو، جس نے انکو پیدا فرمایا ہے، اگر تم اس کی عبادت کرنے والے ہو (حٰم سجدہ ۳۷)

اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا، کہ جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہہ اٹھے یہ میرا پروردگار ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ (بھی) غائب ہو گیا تو کہا: اے قوم جن کو تم (خدا کا) شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں (اور) بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اس ذات کی طرف متوجہ کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس سے اسکی قوم نے جھگڑا کیا تو کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ جبکہ اس نے مجھے ہدایت بخشی ہے۔ اور میں ان (تمہارے معبودوں) سے نہیں ڈرتا جن کو تم اسکے ساتھ شریک کرتے ہو۔ مگر میرا پروردگار جو بھی چاہے۔[1] یعنی میں تمہارے ان معبودوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جسکو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ اسلئے کہ وہ کسی چیز کا نفع نہیں دے سکتے، اور نہ سن سکتے، اور نہ (کچھ تل بھر) عقل رکھتے ہیں بلکہ وہ خود ستاروں سیاروں کی طرح مخلوق اور ہمارے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یا پھر وہ معبود تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر ہیں، اور بس۔

اور ظاہری طور سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انکا ستاروں کے ساتھ نصیحت فرمانا یہ اہل حران کیلئے ہوگا کیونکہ وہی لوگ ان ستاروں سیاروں کی پرستش کرتے تھے۔ لہذا یہ وضاحت و تفصیل ان لوگوں کے قول کی تردید ہوگی جو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جب بچپن میں سرب مقام سے نکلے تب یہ الفاظ کہے تھے۔ جیسے کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ اسرائیلی خبروں سے نکلی ہوئی بات ہے جنکا کوئی اعتماد و اعتبار نہیں۔ خصوصاً جب وہ حق بات کے مخالف بھی ہوں۔ اور بہر حال بابل کے لوگ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور اہل بابل وہ لوگ ہیں جن سے حضرت ابراہیمؑ نے انکے بتوں کے بارے میں مناظرہ کیا، اور انکو توڑا اور انکی تذلیل توہین کی اور انکے باطل ہونے کی شناعت کو بیان کیا جیسے قرآن مقدس میں ہے:۔

---

[1] الانعام ۷۸ تا ۸۰

اور (ابراہیم نے) کہا اور کچھ نہیں، تم لوگ اللہ کے سوا اپنی دنیوی زندگی میں باہمی محبت کے واسطے بتوں کو پکڑتے ہو۔ پھر قیامت کے دن تمہارے بعض بعض کا انکار و کفر کریں گے اور تمہارے بعض بعض پر لعنت کریں گے، اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور تمہارے لئے (ان) مددگاروں میں سے کوئی نہ ہوگا۔

[1] اور دوسری جگہ قرآن میں ہے: اور ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم (انکے) حال سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا شکلیں ہیں جن (کی پرستش) کے لئے تم جھکے پڑے ہو۔ وہ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو انکی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ (ابراہیمؑ نے) کہا تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔ انہوں نے کہا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں یا آپ ہنسی کھیل کرنے والوں میں سے ہیں؟ (ابراہیمؑ نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ جس نے انکو پیدا فرمایا ہے۔ اور میں اس کا گواہ ہوں۔

اور خدا کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے چال چلوں گا۔ پھر انکو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا سوائے ایک بڑے کو۔ تاکہ وہ اسکی طرف (پوچھ گچھ میں) رجوع کریں۔

کافر کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔ کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو انکا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، وہ ابراہیم ہے۔ کہنے لگے اسے لوگوں کے روبرو لاؤ تاکہ لوگ اسپر گواہ ہوں (جب حضرت ابراہیمؑ آئے توبت پرستوں نے) کہا اے ابراہیم یہ کام ہمارے خداؤں کے ساتھ کیا تو نے کیا ہے؟ کہا بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا (ہوگا)۔ اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ جب انہوں نے اپنے آپ میں سوچ بچار کی تو (اپنے ہی کو) کہنے لگے: تم ہی ظالم لوگ ہو۔ پھر انکے سر نیچے ہو گئے۔ (اور کہا اے ابراہیمؑ) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں ہیں۔ کہا پھر تم خدا کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ کچھ بھی تمہیں فائدہ دے سکیں۔ اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تم پر اور خدا کے سوا جنکی تم پرستش کرتے ہو، تف ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ (تو وہ آپس میں) کہنے لگے اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسکو جلا ڈالو اور (اسطرح) اپنے خداؤں کی مدد کرلو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا چاہا تھا (مگر) ہم نے انکو ہی خسارے میں ڈال دیا۔

اور دوسری جگہ قرآن مقدس میں فرمایا گیا: اور انکو ابراہیم کا حال پڑھکر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔ تو کہا: کیا جب تم انکو پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو (اور) تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں مگر خدائے رب العالمین (وہ میرا دوست ہے)۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو مجھے شفاء (بھی) دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور اسی ذات سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ روز قیامت کو میرے گناہ بخشے گا۔ اے پروردگار مجھے علم و حکمت عطا فرما۔ اور صالحین میں فرما۔ (الشعراء ۶۹ تا ۸۳)

[1] العنکبوت ۲۵

اور سورۂ الصافات میں فرمایا: اور انہی کے گروہ میں سے ابراہیمؑ تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلیم (الطبع) دل لیکر آئے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ (گھڑ کر) اللہ کے سوا (دوسرے معبودوں کی عبادت) کا ارادہ کرتے ہو؟ اس رب العالمین کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ (کیا وہ تمہیں شرک پر معاف کردے گا؟)

پھر (ابراہیمؑ نے) ستاروں کی طرف ایک نظر کی۔ اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ پھر (کافر لوگ) ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے اور ابراہیم ان کے خداؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ پھر انکو دائیں ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کردیا۔ تو لوگ دوڑتے انکے پاس آئے۔ تو (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو؟ جنکو خود ہی تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو اور جنکو تم بناتے ہو، پیدا فرمایا ہے۔

تو وہ (آپس میں) کہنے لگے اس کیلئے ایک عمارت بناؤ (اور اسمیں آگ بھڑکا کر) پھر اسکو آگ میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی (مگر) ہم نے انکو زیر کردیا (الصافات ۸۳ تا ۹۸)

اللہ عزوجل حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا اور انکی ذلالت وحقارت کو بیان فرمایا اور یوں فرمایا یہ کیا شکلیں ہیں؟ جن کو (تم پوجنے پر) قائم ہو؟ یعنی کیوں انپر جھکے پڑے ہو اور انکے سامنے ذلت اختیار کی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے پھر جواب دیا: ہم نے اپنے باپ دادا کو انکی عبادت کرتے پایا ہے۔

تو انکی یہ کھوکلی دلیل صرف اپنے آباءواجداد کے کرتوت تھے اسکے علاوہ ان بتوں کی پرستش کی کوئی دلیل وحجت ان کے پاس نہیں تھی۔

تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں تھے۔[1] اسی طرح دوسری جگہ آیا: جب (ابراہیمؑ نے) اپنے والد اور اپنی قوم کو کہا کن کی تم عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ (گھڑ کر) سوائے اللہ کے اور معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟ تو تمہارا رب العالمین کے متعلق کیا خیال ہے؟[2]

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ تم نے غیر اللہ کی پرستش کی ہے تو جب اللہ سے ملاقات کروگے تو تمہیں پتہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے یہ بھی فرمایا:۔ کہا کیا جب تم (ان معبودوں کو) پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے آباء کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔[3]

تو اسطرح حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ وہ نہ کسی پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں، اور نہ کسی چیز کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور انکو ان بتوں کی عبادت پر اکسانے اور ابھارنے والی چیز صرف اور صرف اپنے آباءاجداد کی پیروی کرنا ہے۔

---

[1] الانبیاء ۵۴ [2] الصافات ۸۵ تا ۸۷ [3] الشعرا ۷۲ تا ۷۴

• اور پھر انکے آباء واجداد سے بھی زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے انکو یوں بھی فرمایا: کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم پرستش کرتے رہے ہو، تم اور تمہارے پہلے آباء بھی وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العلمین (میرا دوست ہے)[۱]

قوم جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت ابراہیمؑ کا کلام انکے لئے باطل وفاسد کن ہے اسلئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان سے برات ظاہر کی۔ اور انکے عیوب ونقائص فاش کئے۔ لہذا اگر وہ کچھ نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے تو حضرت ابراہیم کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح اگر کچھ اثر انداز ہو سکتے تو اثر کر دکھاتے (لیکن سب بے سود)

تو جواب میں قوم نے کہا :۔ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس حق لے کر آیا ہے یا تو ہنسی کھیل کرنے والوں میں سے ہے ؟[۲] یعنی یہ جو گفتگو آپ ہمارے خداؤں کے بارے میں کر رہے ہیں اور انکی برائیاں بیان کر رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے پھر ہمارے اگلے آباء واجداد کو لعن طعن و تشنیع ٹھہرا رہے ہیں، تو کیا یہ سب کچھ حق ہے یا آپ محض مذاق کر رہے ہیں ؟

پھر حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا :۔ کہا : بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا وہ پروردگار ہے، جس نے ان (تمام) کو پیدا فرمایا۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔[۳]

یعنی میں جو تم کو یہ کچھ کہہ رہا ہوں۔ یہی حق ہے۔ بے شک تمہارا معبود برحق وہ اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تمہارا بھی پروش فرمانے والا اور ہر چیز کا پرورش فرمانے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی پہلے نمونے کے پیدا فرمانے والا ہے۔ بس وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اسکا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اسپر گواہ ہوں۔

اور ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ نے انکو بتوں پر دھمکی بھی دی فرمایا :۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔[۴] یعنی جب تم اپنے تہوار، عید کے موقع پر سب چلے جاؤ گے تو ضرور تمہارے بتوں کو بتاؤں گا، جن کی تم عبادت کرتے ہو ؟۔

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات اپنے آپ میں کہی تھی اور انکو نہ سنائی تھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ انکے بعض لوگوں نے سن لی تھی۔

اور انکی ایک عید گاہ تھی، اور یہ اپنے تہوار کے موقع پر ہر سال وہاں جاتے تھے اور وہ بھی شہر سے باہر۔ تو جب وہ دن آیا تو حضرت ابراہیمؑ کے والد نے انکو کہا کہ چلو عید گاہ چلیں تو انہوں نے بہانہ کیا کہ میں تو بیمار ہوں۔ جیسے اللہ نے فرمایا۔ پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔[۵]

تو اسطرح حضرت ابراہیمؑ نے بات کر کے انکو ٹال دیا تاکہ پیچھے سے انکے خداوں کو سمجھائیں اور سبق دلائیں۔ اور اللہ کے دین حق کی مدد کریں اور بتوں کو پاش پاش کریں جو اسی کے لائق ہیں اور ان کو توہین وذلت کا مزہ دلائیں۔

لہذا جب لوگ عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلے تو یہ انکے شہر میں ٹھہر گئے، اللہ نے فرمایا۔ پھر وہ انکے

---

[۱] الشعراء ۷۵ تا ۷۷ [۲] الانبیاء ۵۵ [۳] الانبیاء ۵۶ [۴] الانبیاء ۵۷
[۵] الصافات ۸۸، ۸۹ [۶] الصافات ۹۱

خداوں کی طرف متوجہ ہو گئے[۱] یعنی خفیہ طور پر تیزی سے بتوں کے پاس گئے۔ دیکھا بت بڑی عظیم شان وشوکت میں ہیں، سامنے عجیب عجیب عمدہ عمدہ قسم کے کھانے بطور نذرانے کے رکھے ہیں۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے لطف لیتے ہوئے براہ مذاق استہزاءً انکو کہا) قرآن میں ہے: کیوں نہیں تم کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا بات نہیں کرتے؟ پھر انکی طرف داہنے ہاتھ کے ساتھ مارنے (اور توڑنے) میں مشغول ہو گئے[۱]

کیونکہ داہنا ہاتھ، قوی اور پکڑ میں مضبوط تیز، اور زیادہ کارگر ہوتا ہے، تو بس اپنے ہاتھ میں جو ہتھوڑا تھا اس سے خوب انکے خداوں کی خدمت کی اللہ نے فرمایا: پھر (ابراہیمؑ نے) انکو ریزہ ریزہ کر دیا۔[۲] یعنی پوری طرح سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا آگے فرمایا: سوائے انکے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اسکی طرف (پوچھ گچھ میں) رجوع کریں۔

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہتھوڑا اس باقی ماندہ بڑے بت کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا یعنی اشارہ دلاتے ہوئے کہ اس بڑے بت کو اس بات سے غیرت آئی کہ اس کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جائے۔

پھر لوگ اپنی عید گاہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ انکے خداوں پر کیا کچھ عذاب اتر چکا ہے، تو پوچھا قرآن میں ہے: کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (سلوک) کس نے کیا ہے؟ بے شک وہ تو ظالموں میں سے ہے[۳] تو اس موقعہ پر اگر انکو کچھ بھی عقل وسمجھ ہوتی تو انکے لئے بڑی ہدایت کی دلیل تھی۔ کہ جن خداوں کے آگے یہ جبین نیاز ٹیکتے ہیں، انپر تو عذاب نازل ہو چکا ہے۔ اگر وہ حقیقی خدا ہوتے تو کم از کم اپنے بد خواہ سے تو اپنا بچاؤ کر لیتے۔ مگر یہ سبق بھی بے سود رہا اور اپنی جہالت اور کم عقلی کی بناء پر کہنے لگے ہمارے خداوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ وہ تو کوئی بڑا ظالم ہے۔ پھر ایک نے کہا: ہم نے ایک جوان کو انکا (برائی کے ساتھ) ذکر کرتے سنا تھا، اسکو ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔[۴] یعنی وہ انکی برائی اور عیوب بیان کرتا ہے، لہذا وہی انکو توڑنے اور خراب کرنے والا ہو سکتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا: کہ اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔[۵]

تو لوگوں نے کہا۔ پھر تو اسکو لوگوں کے سامنے روبرو لاؤ تاکہ لوگ اسپر گواہی دے سکیں۔[۶]

یعنی ایک بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے لایا جائے تاکہ لوگ اسکی پہلی باتوں پر گواہی دیں، اور اسکی بات کو سنیں، پھر اپنے خداوں پر نازل شدہ عذاب کا بدلہ لیکر انکی مدد کریں۔

اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی بڑی خواہش اور عظیم مقصد تھا کہ تمام لوگوں کا اجتماع ہو اور انکی طرف توجہ ہو اور پھر یہ تمام بتوں کے پجاریوں کے سامنے انکے بتوں کی برائی و قباحت اور خرابی کو بیان کریں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کیلئے ملاقات اور مناظرے ومباحثے کا دن مقرر فرمایا تھا قرآن میں ہے: تمہارے وعدے کی جگہ زینت کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔[۷]

تو خیر جب حضرت ابراہیمؑ کی قوم جمع ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی لے آیا گیا تو انہوں نے کہا: کہنے لگے

---

[۱] سابق ۹۱ تا ۹۳ [۲] الانبیاء ۵۸ [۳] الانبیاء ۵۹ [۴] الانبیاء ۶۰
[۵] الانبیاء ۵۷ [۶] الانبیاء ۶۱ [۷] طہ ۵۹

اے ابراہیمؑ کیا یہ (سلوک) ہمارے خداؤں کے ساتھ آپ نے کیا کیا ہے؟ تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا بلکہ انکے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)[۱] بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس فرمان کا مطلب تھا کہ انکے بڑے نے مجھے چھوٹے بتوں کے توڑنے پر اکسایا ہے۔ لہذا گویا بڑے نے ہی کیا ہے۔

اور حضرت ابراہیمؑ نے انکو یوں بھی لاجواب کیا فرمایا: تم ان ہی سے سوال کرلو اگر یہ بولتے ہوں؟[۲]

اور حضرت ابراہیمؑ کا مقصد تھا کہ اسطرح انکے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ یہ تو بول بھی نہیں سکتے۔ اور پھر خود اعتراف کرلیں گے کہ یہ صرف اور صرف پتھر ہیں دوسرے عام پتھروں کی طرح۔

تو واقعی انکے دل میں یہ خیال تو آیا اور قرآن میں بھی ہے :۔ پھر وہ اپنے آپ میں (سوچ وبچار کے ساتھ) لوٹے پھر (ایک دوسرے کو) کہا بے شک تم ہی ظالم لوگ ہو[۳]

یعنی خود ہی اپنے کو ملامت وندامت کرنے لگے اور کہا تم ہی ظالم ہو کہ تم نے اپنے خداوں کے پاس کوئی محافظ، کوئی چوکیدار، نہیں چھوڑا۔

آگے فرمایا: پھر وہ اپنے چہروں پر جھک گئے تھے،[۴] حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یعنی پھر وہ اپنی سرکشی اور کفر ہی کی طرف دوبارہ واپس ہو گئے، تو اس صورت میں پہلی آیت میں جو انھوں نے اپنے آپ کو کہا کہ تم ہی ظالم لوگ ہو، تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان کی عبادت کرنے میں تم ظالم لوگ ہو، لیکن پھر وہ اپنی بات پر جمے نہیں بلکہ دوبارہ سرکشی اور فتنے کی طرف لوٹ گئے اور حضرت قتادہؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے سوال سے ان کو حیرت ہوئی اور برائی کا خیال پیدا ہوا پھر انھوں نے سر جھکا لئے اور کہا قرآن میں ہے :بے شک (اے ابراہیم) تو جانتا ہے کہ یہ (خدا) بولا نہیں کرتے۔[۵] یعنی جب تجھ کو پتہ ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے تو تم اس قسم کا سوال کیوں کرتے ہو؟

تو پھر حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اچھا جواب دیا :- کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہو جو تم کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ نقصان دے سکتے ہیں، تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟[۶] اس طرح فرمایا: لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی تیزی سے پیش آئے (تو حضرت ابراہیم نے) کہا: کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو؟ جن کو تم خود تراشتے ہو؟ یعنی تم ان خداؤں کو لکڑی اور پتھر وغیرہ سے تراش کر پھر اپنی چاہت وتمنا کے مطابق اپنے خداؤں کی شکل وصورت بنا کر خود ہی ان کے سامنے اپنی پیشانی ٹکا دیتے ہو تمہاری عقل کہاں اڑ گئی ہے؟ حالانکہ :-اللہ ہی نے تم کو اور جن (بتوں) کو تم بناتے ہو پیدا فرمایا ہے :[۷]

اور اس آخری آیت واللہ خلقکم وما تعملون میں ما خواہ مصدریہ ہو یا الذی کے معنی میں ہو، بہر صورت مطلب یہی ہوگا کہ تمہارے ساتھ یہ بھی مخلوق ہیں، تو پھر کیسے مخلوق اپنی سی دوسری مخلوق کی عبادت کر سکتی ہے؟ اور تم ان کی عبادت کرو یا یہ تمہاری عبادت کریں دونوں بات برابر ہیں تو لہذا یہ ایک دوسرے کی عبادت کرنا سرے سے باطل وبیکار ہے اور عبادت تو صرف خالق وحدہ لاشریک لہ کی ہی صحیح ہے اور وہی اس کا

---

[۱] الانبیاء ۶۲۔ ۶۳ [۲] الانبیاء ۶۲ تا ۶۳ [۳] الانبیاء ۶۴ [۴]-[۵] الانبیاء ۶۵۔
[۶] الانبیاء ۶۶ تا ۶۷ [۷] الصافات ۹۴ تا ۹۶

تنہا مستحق ہے۔

تو پھر وہ حضرت ابراہیم کے اس جواب پر لاجواب ہو کر اوچھے ہتھکنڈوں پر آتے ہوئے کہنے لگے اس کے لئے کوئی عمارت بناؤ (اور اس میں بہت تیز آگ بھڑکا کر) پھر اس کو اس میں ڈال دو، تو انھوں نے اس کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا تو ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔[۲]

تو جب وہ دلائل واقوال کی جنگ سے عاجز ہو گئے اور گفتگو مباحثے میں مغلوب و عاجز ہو گئے اور ان کے پاس کوئی حجت و دلیل نہ رہی اور کوئی شبہ تک نہ رہا، جس کو وہ اپنی دلیل و قوت میں پیش کر کے اپنی بے وقوفی اور سرکشی پر مدد لے سکیں۔

تو اس طرح اور اس سے بھی آگے کے واقعے سے اللہ نے اپنے کلمے کو بلند کر دیا اور اپنی دلیل و برہان کو غالب کر دیا وہ آگے والا واقعہ اس طرح ہوا قرآن میں ہے۔

(وہ لوگ) کہنے لگے اس کو جلا ڈالو اور (یوں) اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم نے کچھ کرنا ہے ؟ تو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا اور انھوں نے اس کے ساتھ مکر کیا، پھر ہم نے انہی کو خسارے والا بنا دیا۔[۳]

اور اس کام کی تحریک یوں شروع ہوئی کہ سب کافر، جہاں سے ہو سکے لکڑیوں کے انبار اکٹھے کرنے لگے، حتی کہ لکڑیاں جمع کرتے کرتے ایک مدت بیت گئی اور یہاں تک کہ اگر کوئی عورت بیمار پڑ جاتی تو وہ نذر و منت مانتی کہ اگر اس کو شفا ہو گئی تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کیلئے لکڑیوں کا گٹھا دے گی، پھر انھوں نے ایک عظیم لمبی چوڑی گہری خندق اور گڑھا کھودا اور سب لکڑیاں اس میں ڈال دیں، پھر اس میں آگ لگا دی آگ جلنا شروع ہوئی اور بھڑکنے لگی اور پھر شعلہ زن ہوئی اور اس کے شرارے اتنے بلند ہو گئے کہ اس جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

پھر جب اچھی طرح آگ اپنے غیض و غضب میں بھڑکنے لگی تو کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ایک پلڑے میں رکھا اور منجنیق بنانے والا ایک ہیزن نامی شخص تھا اور یہ دنیا کا پہلا انسان تھا جس نے منجنیق تیار کی، جس کی پاداش میں اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی رہے گا۔

تو پھر کافر لوگ حضرت ابراہیم کو پکڑ کر اس میں بٹھانے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو ورد زبان بنائے ہوئے تھے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک رب العلمین لک الحمد و لک الملک لاشریک لک

تو حضرت ابراہیم کو قید کر کے اور رسیوں سے باندھ کر کے منجنیق کے پلڑے میں رکھ دیا گیا، اور پھر اس کے ذریعے (تیزی اور طاقت کے ساتھ) آگ میں پھینک دیا گیا، تو پھر حضرت ابراہیم نے کہا

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

اسی طرح حضرت امام بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں پھینکا

---

[۱] الصافات ۹۴ تا ۹۶۔ [۲] الصافات ۹۷۔۹۸۔ [۳] الانبیاء ۶۸ تا ۷۰

جانے لگا تو انھوں نے یہی کہا تھا حسبنا اللہ و نعم الوکیل

اس طرح جب آقائے نامدار افضل الرسل محمد ﷺ کو کفار قریش کی طرف سے ڈرایا گیا تو حضور ﷺ نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے تھے، قرآن میں ہے، (کفار نے کہا) بے شک (کافر) لوگ آپ کے لئے (لڑائی کے ارادے سے) اکٹھے ہوگئے ہیں، لہذا ان سے خوف کرو، پھر اللہ نے ان (مومنین) کو ایمان میں اور بڑھادیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے پھر وہ (مسلمان) اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو کچھ تکلیف بھی نہ پہنچی۔[1]

[2] حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے (بارگاہ خداوندی میں) کہا۔

اے اللہ آپ آسمان میں تنہا ہیں اور میں زمین میں تیری عبادت کرنے والا تنہا ہوں۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہواء میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان سے ملے اور عرض کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا آپ کی طرف کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ اس وقت بارش والا فرشتہ (اضطراب و پریشانی کے عالم میں) کہہ رہا تھا کہ کب مجھے حکم ملے؟ اور پھر میں بارش برساؤں؟ لیکن اللہ کا حکم (بلاواسطے کے) زیادہ تیز تھا (یعنی اللہ نے خود ہی آگ کو حکم فرمادیا) قرآن میں ہے: ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔[3]

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اے آگ ایسی ہو جا کہ ان کو نقصان نہ پہنچائے اور (اسی وجہ سے) حضرت ابن عباسؓ اور ابو العالیہ فرماتے ہیں اگر اللہ تبارک و تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا، تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف پہنچتی۔

اور حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا اس روز کوئی شخص آگ سے نفع نہ اٹھا سکا (یعنی آگ سے تپش و گرمائش ختم کردی گئی جس کی بنا پر لوگ چولہے بھی گرم نہ کرسکے) اور فرمایا کہ اس روز آگ نے حضرت ابراہیم سے بندھی ہوئی رسی کے علاوہ اور کچھ نہ جلایا اور حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ تھے اور آپ کی جبین اطہر (پیشانی) سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور اس پسینے کے علاوہ ان کو اور کچھ نہ لاحق ہوا اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ سایہ کرنے والا فرشتہ بھی تھا، اور ایک میل تک سایہ اور ٹھنڈک اور سلامتی تھی اور سرسبز باغ گل گلزار بن گیا تھا، جبکہ آس پاس آگ اپنے شعلوں اور شراروں کے ساتھ بھڑک رہی تھی، اور لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن کسی کو اندر آنے کی سکت نہیں تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کی طرف نکل کر نہیں آرہے تھے۔

سبحان اللہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کہے ہوئے کلمات میں

---

[1] آل عمران ۱۷۳ تا ۱۷۴۔ [2] قال ابو یعلی حدثنا ابو هشام الرفاعی، حدثنا اسحاق بن سلیمان عن ابی جعفر الرازی، عن عاصم بن ابی النجود، عن ابی صالح، عن ابی هريرة. الخ [3] الانبیاء ۶۹

سے سب سے اچھے کلمات وہ ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو آگ کے اندر اس حالت میں دیکھنے کے وقت کہا۔[۱]

نعم الرب ربلك یا ابراھیم　　اے ابراہیم تیرا پروردگار بہترین پروردگار ہے

ابن عساکرؒ حضرت عکرمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب اپنے لخت جگر کو (یوں مہکتے گلزار میں) دیکھا تو اس نے پکارا۔

اے میرے بیٹے میں بھی تیرے پاس آنا چاہتی ہوں اللہ سے دعا کر کہ تیرے ارد گرد کی آگ کی حرارت سے مجھے نجات دے، تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا جی اماں، پھر آپ کی والدہ حضرت ابراہیم کی طرف چلیں اور آگ نے ان کو کچھ نہ کہا، پھر بیٹے کے پاس پہنچ کر بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا پھر واپس لوٹ آئیں۔

حضرت منہال بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ وہاں (گل گلزار) میں چالیس دن یا پچاس دن ٹھہرے اور انھوں نے فرمایا کہ دنوں اور راتوں میں میں نے ان سے اچھی زندگی نہیں گزاری اور میری تمنا رہی کہ میری تمام زندگی و حیات اسی کی طرح ہو جائے۔صلوات اللہ وسلام علیہ

تو الغرض کفار و مشرکین نے انتقام لینا چاہا مگر رسوا و ذلیل ہوئے اور بلند ہونا چاہا لیکن پست و خوار ہوئے غالب ہونا چاہا مگر مغلوب ہو گئے،

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے

اور انھوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پھر ہم نے ان کو خسارے والا کر دیا[۱] اور دوسری جگہ ہے ہم نے ان کو زیر کر دیا[۲]

تو اس طرح دنیا میں وہ خسارے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ کامیاب ہو گئے، اور آخرت میں ان کی آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہو گی، اور نہ وہ مبارک بادی اور سلامتی کے مستحق ہوں گے بلکہ ان کا مقام وہ ہو گا جو اللہ نے فرمایا: (ان کا ٹھکانہ جہنم) بے شک وہ برا ٹھکانا اور مقام ہے۔

[۳] بخاری میں ہے حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ ابراہیمؑ پر (جلنے والی آگ کو) پھونک مار رہی تھی۔

اور اس روایت کو مسلم نسائی ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔[۴]

[۵] اور مسند احمد میں بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

چھپکلی کو قتل کرو کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو پھونکیں مار رہی تھی راوی کہتے ہیں کہ پھر عائشہ بھی ان کو مارتی تھی۔

---

[۱] الانبیاء ۷۰.　[۲] الصافات ۹۸.　[۳] قال البخاری حدثنا عبداللہ بن موسی اوابن سلام عنه، انبانا ابن جریج عن عبد الحمید بن جبیر، عن سعیدبن المسیب عن ام شریك ...... الخ

[۴] ورواہ مسلم من حدیث ابن جریج واخر جه النسائی و ابن ماجه من حدیث سفیان بن عیینه کلا هما عن عبدالحمید بن جبیر بن شیبه به.　[۵] وقال احمد حدثنا محمد بن بکر، حدثنا ابن جریج، اخبرنی عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی امیه، ان نافعا مولی ابن عمر اخبرہ ان عائشهؓ، الخ.

[۶] وقال احمد حدثنا اسماعیل، حدثنا ایوب بن نافع، ان امراة دخلت علی عائشه...... الخ

[1] اور مسند احمد ہی میں ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں تو وہاں ایک نیزہ گڑا ہوا دیکھا تو عورت نے پوچھا یہ کیسا نیزہ ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں پھر حضرت عائشہ نے حضور ﷺ کی حدیث بیان کی کہ جب ابراہیمؑ آگ میں ڈال دیئے گئے تو تمام جاندار اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے چھپکلی کے یہ اس پر پھونکیں مار رہی تھی![1]

اور مسند احمد ہی میں ہے کہ ہمیں عفان نے اسے جریر سے جریر کو نافع نے بیان کیا کہ فاکہ بن مغیرہ کی باندی سائبہ کہتی ہیں میں عائشہؓ کے پاس گئی تو ان کے گھر ایک نیزہ رکھا دیکھا، تو میں نے عرض کیا اے ام المومنین اس نیزے کے ساتھ آپ کیا کرتی ہیں؟ فرمایا یہ ان چھپکلیوں کے لئے ہے اس کے ذریعے ہم ان کو مارا کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین میں کوئی جانور نہ تھا مگر وہ آگ کو بجھا رہا تھا، سوائے چھپکلی کے وہ اس پر پھونک رہی تھی، پھر رسول اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا۔[2]

حضرت ابراہیمؑ کے مناظرے کا ذکر اس شخص کے ساتھ جو مصنوعی عظمت و بڑائی کی چادر میں عظیم و جلیل ذات سے جھگڑتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا جبکہ وہ عاجز و کمزور بندوں میں سے محض ایک بندہ تھا

فرمان خداوندی ہے: (اے مخاطب) کیا تو نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا اس بات پر (گھمنڈ و اکڑ کرتے ہوئے) کہ اللہ نے اس کو ملک عطا فرمایا تھا تو ابراہیمؑ نے کہا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو اس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ، تو وہ کافر مبہوت رہ گیا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔[3]

اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے دوست کے مناظرے کا ذکر فرماتے ہیں اس جبار سرکش بادشاہ کے ساتھ جس نے اپنی ذات کے لئے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا، تو اللہ کے دوست نے اس کے دعویٰ اور دلیل کو باطل و زیر کر دکھایا، اور اس کی کثرت جہالت اور قلت عقل کو واضح کر دیا، اور چپ کی لگام لگادی اور دلیل و حجت کے ساتھ حق راستہ دکھلادیا۔

مفسرین اور علماء فرماتے ہیں یہ بادشاہ ملک بابل کا بادشاہ تھا، اور اس کا نام نمرود تھا اور اس کا نسب یوں تھا نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح اور مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ (ساری) دنیا کے بادشاہوں میں سے

---

[1] تفرد به احمد من هذا بن الوجهين [2] ورواه ابن ماجه عن ابی بكر بن ابی شیبه عن یونس بن محمد عن جریر بن حازم به [3] بقرہ ۲۵۸

ایک گزرا ہے۔

اور (مورخین و علماء کے اقوال کے مطابق) ایسے چار بادشاہ گزرے ہیں، دو مومن دو کافر، مومن تو ایک حضرت ذوالقرنین تھے، دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، اور کافر، ایک نمرود تھا، دو سرا بخت نصر تھا۔

اور یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نمرود بادشاہ نے اپنی سلطنت چار سو سال چلائی اور یہ بہت ہی سرکش و ظالم شخص تھا، اور دنیاوی زندگی میں خوب منہمک رہنے والا اور اس کو ترجیح دینے والا تھا۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا، تو جہالت و گمراہی اور بادشاہی کی خام خیالیوں نے اس کو صانع یعنی خداوند تعالیٰ ہی کے انکار پر کھڑا کر دیا اور پھر اللہ کے دوست حضرت ابراہیمؑ سے اس بارے میں جھگڑنا شروع ہو گیا، اور سرکشی میں یہاں تک پہنچا کہ خدائی کا دعویٰ کر دیا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (خدا کی صفت بیان کرتے ہوئے) فرمایا میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ تو (اس نے) کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔[1]

حضرت قتادہؒ سدیؒ، اور محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ نمرود نے جواب عملی طور پر یوں دیا تھا کہ دو ایسے شخص جن کے قتل کا حتمی فیصلہ کر دیا گیا تھا ان کو منگوالیا اور ایک کے قتل کا حکم دیدیا اور دوسرے کو معاف کر دیا، اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے بھی ایک کو زندہ کر دیا اور ایک کو مار دیا۔

جبکہ یہ فعل حضرت ابراہیمؑ کی بات کے مقابل اور معارض نہیں تھا اور صحیح جواب نہ تھا بلکہ مناظرے کے مقام سے ہی خارج تھا، کیونکہ اس بات کے مانع اور معارض بن ہی نہیں سکتا تھا۔

بلکہ یہ صرف بے وقوفی کا جواب تھا، اور مقصود سے منقطع تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے روزمرہ کے مشاہدات میں کسی کے مرنے کسی کے پیدا ہونے کے ساتھ دلیل لی تھی اور ان کے کرنے والے صانع پر اور یہ چیزیں بغیر کسی پیدا کرنے والے کے ہو نہیں سکتیں بلکہ ان تمام امور کا کوئی کرنے والا ضرور ہے جو ان کو پیدا بھی کرتا ہے پھر ان کو طرح طرح کے کاموں میں بھی لگاتا ہے جیسے ستاروں، سیاروں، ہواؤں، بادلوں اور بارشوں کو کام میں لگا رکھا ہے اور طرح طرح کے حیوانات کو پیدا فرما رکھا ہے، پھر ان کو مارتا بھی ہے بغیر ظاہری اسباب کے بخلاف انسان کے اگر وہ مارتا ہے تو کسی سبب کے ذریعے جیسے تلوار وغیرہ اور خداوند قدوس صرف اپنے ارادے سے سب کچھ کرتا ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے فرمایا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت طاری کرتا ہے جس کے جواب میں اس بے وقوف بادشاہ نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اور اس طرح اس نے خیال کیا کہ ان مشاہدات عالم کا کرنے والا میں ہی ہوں اور پھر دشمنی و مخالفت اور سرکشی پر اتر آیا۔

لیکن اگر اس آیت انا احی وامیت کہ میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، کی تفسیر وہ لی جائے جو حضرت قتادہ، سدی، اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ اس نے یہ بات اپنے منہ سے نہ کہی تھی بلکہ دو واجب القتل شخصوں کو بلا کر ایک کو بری کر دیا تھا اور دوسرے کو پھانسی لگوا دی تھی تو اگر یہ تفسیر مراد ہو تو پھر ظاہر ہے اس نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کا جواب بن

---

[1] البقرہ ۲۵۸

سکے، اس لئے کہ اس نے پھر نہ حضرت ابراہیم کے مقدمے (یعنی پہلی بات) کو رد کیا، اور نہ دلیل کا کوئی معارضہ اور توڑ کیا، بلکہ عملاً بے وقوفانہ جواب دیا، جس کی وجہ سے اس بادشاہ نے ظاہراً اپنے خیال میں حضرت ابراہیم کی دلیل کا توڑ پیش کردیا، لیکن پھر بھی حاضرین پر بات واضح نہ ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجود باری تعالیٰ پر دوسری دلیل پیش فرمائی، اور نمرود کے دعویٰ کو باطل کیا اور اس کے جواب کو مسترد کیا، اور فرمایا۔

بے شک اللہ ہی مشرق سے سورج نکالتا ہے، پس (اگر تو خدا ہے تو) تو اس کو مغرب سے لے آ، یعنی یہ آفتاب باری تعالیٰ کی طرف سے ہر روز مشرق سے نکلنے پر مامور و پابند ہے اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے اس کے خالق اور اس کے چلانے والے اور اس پر قدرت رکھنے والے نے اس کو متعین کر رکھا ہے اور وہ وہی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

لہٰذا اگر تو اپنے باطل خیال کے مطابق زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس کو بھی مغرب سے نکال کر دکھا؟ کیونکہ جو زندگی اور موت جیسی عظیم قدرت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ تو جو چاہے کر سکتا ہے اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، اور نہ اس پر کوئی غلبے والا بلکہ ہر چیز پر جبر و قہر کر کے اپنے زیر حکم کر سکتا ہے، پس اگر تو اپنی خام خیالی میں سچا ہے تو یہ کچھ کر دکھا؟ اور اگر تو نہ کر سکا تو تیرا وہم و خیال جھوٹا ہے، اور پھر تجھ سمیت ہر ایک جان لے گا کہ تو کسی بھی چیز پر قادر نہیں ہے بلکہ تو تو اس سے بھی عاجز اور کمتر ہے کہ ایک مچھر کو پیدا کر سکے (یہ تو دور کی بات ہے) بلکہ تو تو ایک مچھر سے اپنا انتقام بھی نہیں لے سکتا۔

تو اللہ کے دوست نے یہ دندان شکن سوال فرما کر اس بے وقوف کی جہالت و ضلالت اور جھوٹ کو اس کے دعویٰ میں روشن فرمادیا، اور جو اس نے اپنی جاہل قوم کے ہاں خدائی کی پوزیشن سنبھالی تھی اس کو باطل و زیر کر دیا، اور اس کے پاس کوئی ایسی دلیل و گفتگو نہ چھوڑی جس سے وہ اللہ کے دوست کو کچھ جواب دے سکے، بلکہ مبہوت و خاموش رہ گیا خود فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فبهت الذي كفر والله لا يهدي القوم الظلمين

پھر کافر حیران (اور ہکا بکا) رہ گیا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتے۔

مناظرہ کب ہوا؟

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان اسی روز ہوا تھا جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سلامت نکل کر تشریف لائے تھے اور حضرت ابراہیم کا اس کے ساتھ دوسرا کوئی دن متعین نہ تھا، اور ان دو کے درمیان یہ مناظرہ ہوا تھا۔

اور عبدالرزاق، معمر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس دن نمرود کے پاس غلہ تھا، اور لوگ وفد در وفد غلہ لینے کے لئے آرہے تھے، تو حضرت ابراہیم بھی غلے کے بہانے سے اس کے پاس گئے اور حضرت ابراہیم اور نمرود کی ملاقات صرف اسی روز ہوئی تھی۔

اور پھر ان دونوں کے درمیان مناظرہ شروع ہو گیا اور نمرود نے اور لوگوں کو تو غلہ دیا لیکن حضرت ابراہیم کو کچھ بھی نہ دیا بلکہ حضرت ابراہیم اس کے پاس سے (از خود) بالکل خالی واپس نکلے اور غلے کی کچھ مقدار بھی ساتھ نہ تھی، تو جب یہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو مٹی کے ایک ٹیلے پر گئے اور دو تھیلے مٹی کے بھر لئے اور کہا جب گھر والوں کے پاس جاؤں گا تو اس سے اہل خانہ کو شغل لگاؤں گا، پھر جب حضرت ابراہیم گھر پہنچے اور اپنی سواری کو اتار دیا اور چونکہ انتہائی تھکے ماندے تھے اس لئے ٹیک لگا کر سو گئے۔

تو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام تھیلوں کے پاس گئیں تو دیکھا وہ دونوں تھیلے عمدہ عمدہ طعام سے بھرے ہوئے ہیں، تو حضرت سارہ نے ان سے کھانا بنایا جب حضرت ابراہیمؑ نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کھانا تیار ہے تو (بے اختیار) بولے یہ تمہارے ہاں کہاں سے آگیا؟ تو حضرت سارہ نے عرض کیا، جو آپ لائے ہیں اس سے نکالا ہے پھر حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ رزق ان کو اللہ عزوجل نے عطا فرمایا ہے۔

حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس متکبر سرکش بادشاہ کی طرف فرشتے کو بھی بھیجا جس نے اس کو ایمان باللہ کی دعوت دی لیکن نمرود نے انکار کر دیا، دوسری مرتبہ پھر دعوت دی، پھر انکار کر دیا پھر تیسری مرتبہ بھی دعوت دی لیکن اس نے تیسری مرتبہ پھر ہٹ دھرمی کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا تم اپنے لشکر اکٹھے کر لو تو میں بھی اپنے لشکر اکٹھے کرتا ہوں پھر نمرود نے طلوع آفتاب کے وقت اپنے بے پناہ لشکر کو اکٹھا کیا، تو اللہ نے (اپنے لشکروں میں سے انتہائی کمزور جاندار لشکر یعنی) مچھروں کا ایک لشکر بھیج دیا اور وہ لشکر خدائی آفتاب کی روشنی اور چمک میں دکھتا بھی نہ تھا، اور پھر اللہ نے ان مچھروں کو اس (طمطراق ٹھاٹھیں مارتے) لشکر پر مسلط فرما دیا جس نے ان کے گوشت اور خون کو چاٹ کر رکھ دیا، اور بالکل کھا لیا حتیٰ کہ ان کو صاف چکنی ہڈی بنا کر رکھ دیا، اور ان مچھروں میں سے ایک، متکبر سرکش بادشاہ نمرود کے ناک کے بانسے میں گھس گیا، اور (اللہ نے اس کے ذریعے سے اس کو وہ عذاب چکھایا کہ) وہ مچھر چار سو سال تک اندر ہی رہا، اور نمرود اس ساری مدت میں اپنے (خدائی) سر کو مچھر سے پٹواتا رہا، حتیٰ کہ اللہ عزوجل و بزرگ و برتر نے اس کے ذریعے سے اس کو نیست و نابود فرما دیا۔

اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کا شام کے شہروں کی طرف ہجرت فرمانا اور مصری علاقوں میں داخل ہونا اور اراضی مقدسہ میں سکونت اختیار فرمانا

اللہ عزوجل کا فرمان ہے :- پھر اس (ابراہیم) پر لوط ایمان لایا اور (ابراہیم نے) کہا میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اور ہم نے اس کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا، اور ہم نے اس کی ذریت میں نبوت و کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے دنیا میں بھی اس کو اس کا اجر دیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوگا۔[1]

اور دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا :- اور ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں، اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا بطور) انعام عطا فرمایا، اور ہم نے تمام کو صالحین بنایا، اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں اور ہم نے آپ کی طرف بھلے کاموں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کی وحی کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔[2]

تو حضرت ابراہیم نے اپنی قوم (و وطن) کو خدا کی خوشنودی کے لئے خیرباد کہا، اور ان سے ہجرت کی، اور آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ بانجھ تھیں کوئی اولاد ان کے ہاں نہ ہوتی تھی، بلکہ حضرت ابراہیم کے ساتھ جو لڑکے تھے وہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے یعنی لوط بن ہاران بن آزر لیکن پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو صالح اولاد عطا فرمادی، اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپ کی اولاد کے لئے کتاب و نبوت مقرر فرمادی، حتی کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جو بھی پیغمبر آیا وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھا، اور جو بھی آسمانی کتاب آپ کے بعد کسی پیغمبر پر نازل ہوئی وہ پیغمبر ضرور آپ کی نسل و ذریت میں سے تھا، یہ آپ پر اللہ کا انعام اور اکرام تھا کیونکہ آپ نے اپنے دوست (رب کریم) کی خاطر اپنے شہروں کو چھوڑا، اپنے اہل کو چھوڑا اپنے عزیز و اقربا کو چھوڑا، اور پھر ایسے شہر کا رخ فرمایا جس میں اپنے پروردگار وحدہ ولاشریک کی عبادت پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو، اور دعوت الٰہی کا میدان بھی کھلا ہو۔

اور ایسی زمین جو آپ کے عزم و خیال میں تھی، وہ شام کی زمین ہے اور اسی کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے

الی الارض التی بارکنا فیھا للعالمین

(ہم نے ابراہیمؑ کو اور لوط کو) ایسی زمین کی طرف نجات دی (یعنی راستہ دیا) جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ حضرت قتادہؒ اور حضرت ابو العالیہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

اور حضرت عوفیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قرآنی آیت الی الارض، میں ارض سے مراد

[1] العنکبوت ۲۶۔۲۷۔ [2] الانبیاء ۷۱ تا ۷۳

ارض مکہ ہے، اور حضرت ابن عباسؓ اس کی تائید میں آگے فرماتے ہیں :- کیا آپ نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا، بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (یعنی کعبۃ اللہ)
جو جہان والوں کے لئے موجب برکت و ہدایت ہے۔[1]
اور کعب احبارؒ کا خیال ہے اس سے حران جگہ مراد ہے۔
اور ہم اہل کتاب سے نقل کرتے ہوئے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور آپ کے بھتیجے لوط اور آپ کے بھائی ناحور اور آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کی بھابھی یعنی ناحور کی بیوی ملکا یہ تمام بابل کے علاقے کو خیرباد کہہ کر حران نامی مقام میں اترے تھے، اور آپ کے والد تارخ یہیں وفات کر گئے تھے اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ دونوں شام کی طرف رخ کر کے چلے تھے، پھر راستے میں حران کے بادشاہ کی بیٹی سارہؓ سے ملاقات ہو گئی، اور حضرت سارہ اپنی قوم کے دین پر اعتراض کرتی تھیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ان سے شادی فرمالی، لیکن حضرت سارہؓ کی اس شرط پر کہ وہ کسی اور بیوی کے ساتھ ان کو غیرت میں نہ ڈالیں گے۔
ابن جریر نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ غریب ہے یعنی اس روایت میں کچھ شبہ کا امکان (اور لچک) ہے، کیونکہ زیادہ مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچازاد تھیں۔
یعنی ہاران کی بیٹی تھیں اور حیران علاقہ ہاران ہی کی طرف منسوب ہے۔
اور بعض لوگوں کا وہم و خیال ہے کہ سارہ آپ کے بھائی ہاران کی بیٹی تھی اور حضرت لوطؑ کی بہن تھی گویا آپ نے اپنی بھتیجی سے نکاح فرمایا اگرچہ اس بات کو سہیلی نے قتیبی اور نقاش سے روایت کیا ہے، لیکن یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے اور بغیر علم کے یہ بات کہی ہے اور پھر اس پر جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس وقت بھائی کی بیٹی سے نکاح مشروع و جائز تھا ان کی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کسی زمانے میں مشروع تھا جیسے علماء یہود سے منقول ہے تو پھر بھی حضرات انبیاء علیہم السلام اس کے مرتکب نہیں ہو سکتے، واللہ اعلم۔
اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم جب شام تشریف لائے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی (اور بشارت دی کہ) میں آپکے بعد زمین آپ کے پیچھے (آنے والی اولادوں) کو خلافت کے لئے مقرر کر دوں گا۔
تو حضرت ابراہیمؑ نے بطور شکرانے کے ایک مذبح خانہ بنایا، اور اس کے قبے کو بیت المقدس کے مشرقی حصے میں بنایا، پھر آپ نے کوچ فرمایا اور آپ بھوکے تھے۔ اور علاقہ قحط زدہ اور افلاس زدہ تھا تو اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ مصر کی طرف چلے گئے۔
اور بادشاہ کے ساتھ حضرت سارہ کے قصے کو علماء نے ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سارہؓ کو فرمایا تھا کہ بادشاہ کو کہہ دینا میں اس (ابراہیم) کی بہن ہوں (کیونکہ بادشاہ شوہر کو تو مروا دیتا تھا) بادشاہ کے خادموں نے ذکر کیا ہے کہ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو چھوڑ دیا تھا، اور پھر ان سب کو اپنے

---

[1] آل عمران ۹۶

علاقے سے نکال دیا تو یہ دوبارہ ارض مقدسہ و مبارکہ یعنی بیت المقدس اور اسکے آس پاس کی زمین کی طرف چل پڑے، اور حضرت ابراہیم کے ساتھ اس واپسی میں مویشی جانور غلام اور دیگر اموال تھے۔

بخاری میں[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین مواقع کے دو تو اللہ کے بارے میں (یعنی اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے) ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب قوم نے ان کو اپنے ساتھ عیدگاہ پر چلنے کیلئے کہا تو انھوں نے کہا میں بیمار ہوں اور مقصود تھا تاکہ یہ چلے جائیں تو خود ان کے خداؤں کو سبق سکھائیں، اور دوسرا جب کافروں نے پوچھا کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر نشر کس نے کیا تو آپ نے فرمایا ان کے بڑے نے، اور تیسرا جھوٹ جو سرزد ہوا ان کی ذات کے بارے میں، وہ یوں ہوا کہ ان کا اور سارہؑ کا گزر ایک ظالم جابر بادشاہ پر ہوا تو اس کو کسی نے مخبری کی کہ، یہاں ایک آدمی آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایسی عورت ہے جو لوگوں میں سب سے حسین ہے، تو بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کے پاس پیغام بھیجا اور اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہے تو آپؑ نے فرمایا میری بہن ہے پھر حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے سارہ۔ روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں ہے، اور یہ بادشاہ مجھ سے سوال کرتا تھا تو میں نے اس کو تیرے بارے میں کہہ دیا ہے کہ تو میری بہن ہے لہذا اب تو مجھے نہ جھٹلا دینا۔

تو بادشاہ نے حضرت سارہؑ کو بلاوا بھیجا، اور یہ اس کے پاس تشریف لے گئیں تو بادشاہ نے برے ارادے سے آپؑ کو پکڑنا چاہا تو وہ اپنی جگہ جکڑا گیا پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو کہا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے پھر میں آپ کو کوئی تکلیف و نقصان نہ دوں گا، تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور وہ اس قید و جکڑ سے رہا ہو گیا لیکن (وعدہ خلافی کرتا ہوا) پھر دوسری مرتبہ بری نیت سے آگے بڑھا اور قدرت خدا کی کہ پھر جکڑا گیا اور پہلے سے بھی سخت، اور پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے میں آپ کو نقصان نہ پہنچاؤں گا، تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور وہ چھوٹ گیا اور اپنے کسی خادم کو بلایا اور کہا تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے بلکہ کوئی شیطان لے کر آئے ہو، پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو مع ایک خادمہ کے واپس کر دیا اور وہ (خادمہ ہم سب امت محمدیہ کی ماں بنی) جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھیں۔

تو حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس واپس تشریف لائیں ابراہیمؑ کھڑے ہوئے نماز میں مشغول تھے تو صرف ہاتھ سے اشارتاً پوچھا کیا ہوا؟ تو حضرت سارہ نے جواب دیا، اللہ نے کافر کے مکر کو رد کر دیا اور فاجر کی برائی کو اس کے سینے میں دبا دیا۔

تو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو: یہی (ہاجرہ) تمہاری ماں ہیں۔[2]

(کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضور ہم سب کے روحانی مقدس باپ ہیں۔ م)

---

[1] وقال البخاری، حدثنا محمد بن یعقوب، حدثنا حماد بن زید، عن ایوب عن محمد، عن ابی هریرة قال...... الخ

[2] تفر دبه من هذا الوجه موقوفاً، وقد رواه الحافظ ابوبکر البزار، عن عمرو بن علی الفلاس، عن عبدالوهاب الثقفی، عن هشام بن حسام، عن محمد بن سیرین، عن ابی هریرة...... الخ

اور یہ مذکورہ روایت تو موقوف تھی یعنی صحابی کا فرمان تھا، حضور تک اس کی نسبت نہ تھی اور بخاری میں مذکور تھی لیکن بزار کی ایک روایت ہے جو مرفوع ہے یعنی حضور اکرم ﷺ تک اس کی نسبت ہے، کہ حضرت ابی ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، بے شک حضرت ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین جھوٹوں کے اور وہ سب اللہ کی ذات میں تھے (یعنی رضائے اللہ کی خاطر تھے) ایک تو ان کا یہ کہنا میں بیمار ہوں اور (دوسرا) یہ کہنا کہ ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے (اور تیسرا) یہ کہ وہ کسی جابر ظالم بادشاہ کی زمین میں چل رہے تھے تو ایک جگہ قیام فرمایا، تو سرکش (بادشاہ) کو خبر پہنچی اور کہا گیا کہ یہاں ایک مرد اور اس کے ساتھ لوگوں کی سب سے حسین عورت آئی ہوئی ہے، تو بادشاہ نے ابراہیمؑ کے پاس پیغام بھیجا اور عورت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ میری بہن ہے، تو ابراہیمؑ یہ جواب دے کر واپس حضرت سارہ کے پاس پہنچے تو ان کو فرمایا اس نے مجھ سے تیرے بارے میں سوال کیا تھا، تو میں نے کہہ دیا کہ تو میری بہن ہے۔

اور آج میرے اور تیرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے اور تو میری (دینی) بہن ہے لہذا اس کے پاس تو مجھے جھٹلانا مت

تو پھر سارہ بادشاہ کے پاس پہنچی تو بادشاہ (بدنیتی سے) آپ کے قریب ہوا تو وہیں جکڑا گیا پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر میں تجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا، تو حضرت سارہؓ نے دعا فرمائی تو وہ چھوٹ گیا لیکن وہ پھر آگے بڑھا تو پھر دوبارہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی سخت پکڑا گیا، اور پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے، میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا؟ تو حضرت سارہؓ نے پھر دعا فرمادی اور وہ پھر چھوٹ گیا، اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہوا۔ پھر بادشاہ نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ ایک شیطان کو لائے ہو اس کو نکالو اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

اور مسند احمد[1] میں یوں ہے حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ بولا سوائے تین جھوٹوں کے ایک تو اس وقت جب ان کو کافروں کے بتوں کی طرف (عید گاہ میں) بلایا گیا تو انھوں نے فرمایا میں تو بیمار ہوں، اور (دوسرا) ان کا یہ فرمانا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے، اور (تیسرا) ان کا حضرت سارہؓ کے متعلق یہ فرمانا وہ میری بہن ہے۔

(اور) فرمایا، حضرت ابراہیم اسی بستی میں داخل ہوئے جس میں کوئی بادشاہ تھا یا (فرمایا) کوئی (ظالم) سرکش تھا تو اس کو کہا گیا کہ ابراہیم لوگوں میں سب سے حسین عورت کے ساتھ رات کو (یہاں ہمارے علاقے میں) داخل ہوا ہے، تو بادشاہ نے آپ کی طرف بلاوا بھیجا (اور پوچھا) کہ یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا میری بہن ہے تو بادشاہ نے کہا اس کو بھیج، تو حضرت ابراہیم نے آکر اس کو بھیجا اور ساتھ میں فرمایا میری بات کو جھٹلانا مت، میں اس کو بتا کر آیا ہوں کہ تو میری بہن ہے اور روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

---

[1] قال الامام احمد، حدثنا علی بن حفص، عن ورقاء، هوا بوعمر و الیشکری، عن ابی ابی الزناد عن الاعرج، عن ابی هریرة الخ

تو حضرت سارہؑ بادشاہ کے پاس پہنچی، تو بادشاہ ان کی طرف کھڑا ہوا، لیکن حضرت سارہؑ وضو میں مشغول ہو گئیں اور نماز پڑھی اور بارگاہ رب العزت میں فریاد کی۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے شوہر کے علاوہ (ہر شخص سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو پھر آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ ہونے دیجئے گا۔

تو کافر وہیں دھنسنے لگا اور پاؤں تو دھنس ہی گئے ابو الزناد کہتے ہیں کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت ابی ہریرہ سے یہ بات بھی روایت کی ہے کہ حضرت سارہؑ نے اس وقت یہ دعا کی۔

اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسی نے اس کو قتل کیا ہے تو پھر وہ آزاد ہو گیا۔

لیکن پھر دوبارہ بدنیتی سے آگے بڑھا تو حضرت سارہؑ پھر وضو نماز میں مشغول ہوئیں اور دعا کی۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ اور آپ کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے سوا (ہر شخص سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو آپ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دیجئے، تو وہ کافر دھنسنا شروع ہو گیا اور پاؤں تک دھنس گیا، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس وقت انھوں نے عرض کیا اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے۔

تو پھر وہ آزاد ہو گیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ تیسری یا چوتھی مرتبہ میں پکار اٹھا کہ تم میرے پاس کسی شیطان کو لائے ہو، اس کو ابراہیم کے پاس واپس لے جاؤ، اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

تو حضرت سارہؑ واپس ہوئیں اور آکر حضرت ابراہیمؑ سے عرض کیا کیا آپ کو پتہ ہے کہ اللہ نے کافروں کے مکر کو پسپا کر دیا اور اس نے ایک لڑکی (ہاجرہ) بھی دیدی۔

امام احمد اس کے طریق میں منفرد ہیں اور یہ صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہے امام بخاری نے اسی کو کچھ مختصر طور پر ایک دوسری سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[1]

اور ابن ابی حاتم[2] نے یوں روایت فرمائی ہے کہ حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم کی تینوں باتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جس میں وہ دین سے ہٹے ہوں ایک تو ان کا قول میں بیمار ہوں، دوسرا بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا (ہوگا) تیسرا بادشاہ نے جب آپ کی بیوی کا خیال کیا تو آپ کا اس سے کہنا، وہ میری بہن ہے۔

تو ان احادیث میں بار بار جو آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا یہ میری بہن ہیں اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد تھی کہ وہ دین الٰہی میں بہن ہے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا اپنی زوجہ حضرت سارہ کو یہ فرمانا کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تیرے علاوہ اور کوئی مومن نہیں ہے، تو اس سے ان کی مراد تھی کہ دو میاں بیوی میرے اور تیرے علاوہ

---

[1] وقد رواہ البخاری عن ابی الیمان، عن شعیب بن ابی حمزہ، عن ابی الزناد، عن ابی ہریرۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ مختصرا

[2] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا سفیان، عن علی بن زید بن جدعان، عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال... الخ

کوئی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور وہ نبی بھی تھے لہذا اس کا یہی مذکورہ مطلب ہو گا۔

اور جب سے حضرت سارہ علیہا السلام ظالم بادشاہ کے پاس گئی تھیں تب سے مسلسل حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے، اور التجاء کر رہے تھے کہ اے اللہ میرے گھر والوں سے اس کو دفع کر، اور اس عذاب کو ٹال دے جس کا اس نے برائی کے ساتھ خیال کر رکھا ہے۔

اور اسی طرح حضرت سارہ علیہا السلام بھی وہاں برابر نماز میں مشغول تھیں۔

اس طرح کہ جب دشمن خدا ان کی طرف برائی کے ساتھ متوجہ ہونا چاہتا تو یہ وضو نماز میں مصروف ہو جاتیں اور مذکورہ دعا کرتیں، کیونکہ فرمان خداوندی ہے اور صبر وصلوٰۃ کے ساتھ (خدا سے) مدد طلب کرو، ۱ تو اللہ نے اس طرح حضرت سارہؓ کی حفاظت فرمائی اور یوں اپنے بندے، اپنے رسول اپنے محبوب اور اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام کی عزت وآبرو کو بچایا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ تین عورتیں نبوت والی گزری ہیں سارہؓ، ام موسیٰ، مریم علیہن السلام لیکن جمہور علماء کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ صدیقات تھیں نہ کہ نبیہ۔

مصنف ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض بزرگوں کے اقوال میں دیکھا ہے کہ حضرت سارہؓ جب سے حضرت ابراہیم کے پاس سے نکلی تھیں تب سے واپس آنے تک اللہ عزوجل نے دونوں کے درمیان رکاوٹیں ہٹا دیں تھیں یعنی حضرت ابراہیمؑ مسلسل حضرت سارہؓ کو دیکھ رہے تھے اور حضرت سارہ کے بادشاہ کے پاس ہونے کو مشاہدہ فرمارہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ کیسے اللہ عزوجل نے ان کے اہل کی حفاظت فرمائی اور اللہ پاک نے ان کیلئے یہ انتظام اس وجہ سے فرمادیا تھا تاکہ حضرت ابراہیم کا دل اطمینان وسکون اور پاکیزگی کے ساتھ برقرار رہے، اس لئے کہ حضرت ابراہیم حضرت سارہؓ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے دین پر تھیں، ان کی رشتے دار تھیں اور قدرت نے ان کو خوب حسن سے نوازا تھا، اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کے بعد حضرت سارہؓ تک کبھی کوئی عورت حضرت سارہؓ سے حسین نہیں گزری، اللہ ان سے راضی ہو، بے شک تمام تعریفیں اور احسانات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

اہل تواریخ نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت اس مصر کا فرعون یعنی بادشاہ، ضحاک کا بھائی تھا اور اپنے ظلم وستم میں انتہائی مشہور تھا، اور اس کا نام بتایا جاتا ہے سنان بن علوان بن عوتج بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ۔

اور ابن ہشام نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سارہؓ کا جس نے بھی برائی کے ساتھ ارادہ کیا تھا وہ عمرو بن امرئ القیس بن مایلون بن سبا تھا، اور وہ مصر کا حاکم تھا، علامہ سہیلی نے اس کو نقل فرمایا ہے پھر حضرت ابراہیم اس واقع کے بعد مصر کو چھوڑ کر یمن کی سرزمین میں آگئے تھے اور اسی سرزمین میں حضرت ابراہیمؑ ہیں، تو جب حضرت ابراہیم مصر سے واپس آئے تو ساتھ میں غلام، کثیر اموال، مویشی جانور، اور باندی حضرت ہاجرہؓ بھی تھیں۔

پھر حضرت ابراہیم کے حکم سے حضرت لوط اپنے مال وغیرہ کے ساتھ یہاں سے سرزمین غور کی طرف چلے گئے۔ غور، غور زغر کے ساتھ مشہور تھی، وہاں یہ سدوم شہر میں آباد ہوئے اور اس زمانے میں یہ شہر ام

---

۱ البقرہ ۴۵

البلاد کہلاتا تھا یعنی شہروں کی ماں، لیکن اس کے اہل شریر فاجر فاسق اور کافر لوگ تھے۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا کہ طویل نظر پھیلائیں اور شمال، جنوب، مشرق، مغرب کی طرف دیکھیں اور پھر خوشخبری دی کہ یہ ساری زمین میں نے آپ اور آپ کی آنے والی اولاد کے لئے مقرر کر دی ہے، اور فرمایا میں آپ کی اولاد کو اتنا بڑھادوں گا کہ وہ ریت کے ذرات جتنی ہو جائے گی۔

اور حضرت ابراہیم کو ملنے والی اس بشارت عظمی میں یہ امت محمدیہ بھی داخل ہے بلکہ حضرت ابراہیم کی تمام اولاد میں یہ زیادہ ہیں اور حضرت ابراہیم کی بشارت اس امت کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی۔

اور اس بات کی تائید حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا

بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، پھر میں نے اس کے مشارق و مغارب[۱] کو دیکھا، اور عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک اس کو میرے لئے سمیٹا گیا۔[۲]

اہل تاریخ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سرکش اور ظالم لوگوں کا ایک گروہ، حضرت لوط علیہ السلام پر مسلط ہو گیا اور انھوں نے آپ کو قید کر لیا اور آپ کے اموال ضبط کر لئے اور آپ کے مویشی جانوروں کو ہانک کر لے گئے پھر جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تو حضرت ابراہیمؑ تین سو اٹھارہ آدمیوں کا بھرپور لشکر لے کر ان کی طرف گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے پنجے سے چھڑایا، اور ان کے اموال واپس لئے، اور اللہ و رسول کے بہت سے دشمنوں کو تہ تیغ کیا اور شکست دیدی، اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کا پیچھا کیا حتی کہ شمال دمشق تک پہنچادیا اور وہاں مقام برزہ میں آپ کے لشکر نے پڑاؤ کیا، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ وہاں ایک مقام کا نام مقام ابراہیم جو ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے لشکر نے وہاں قیام کیا تھا، (اور عرض "م" ہے) کہ اہل کتاب کے ہاں تورات میں ہے، حضرت ابراہیم نے جس لشکر کو شکست دی وہ عیلام بادشاہ کا لشکر تھا، اور یہ سلطنت سدوم کا بادشاہ تھا تو حضرت ابراہیم نے اس کو پسپا کرتے کرتے پہاڑوں تک پہنچادیا تو اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ایک پیش کش کی کہ آپ مجھ سے مویشی جانور لے لیں (اور اتنا مال لے لیں) اور ہمیں چھوڑ دیں؟ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا، میں نے بلند و بالا پروردگار رب العلمین کی طرف ہاتھ اٹھالیا، اور میں تجھ سے ایک دھاگہ اور جوتے کا ایک تسمہ تک نہیں لیتا، کہ کہیں تو کہے میں نے ابراہیم کو مالدار کر دیا تو خیر پھر حضرت ابراہیم نصرت و فتح مندی کے ساتھ اپنے علاقے کو لوٹے، اور بیت المقدس کے علاقوں کے بادشاہوں نے آپ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ اور اپنی عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کا خوب استقبال کیا، اور پھر آپ اپنے علاقوں میں ٹھہر گئے، صلوٰۃ اللہ و سلام علیہ۔

---

[۱] مشرق و مغرب کی جمع ہے،

[۲] اخرجه الطبراني و عن سلمان و جابر بن عبدالله

حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل کی پیدائش

اہل کتاب کہتے ہیں : حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی بارگاہ میں نیک اولاد کا سوال کیا، اور اللہ نے بھی اس کی آپ کو خوشخبری عطا فرمائی، اور ہوا یوں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بیت المقدس کے علاقوں میں بیس سال بیت گئے، تو حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا۔

پروردگار نے مجھے تو اولاد سے محروم فرمادیا ہے لہٰذا آپ میری اس (ہاجرہ) باندی کو رکھ لیں، شاید اللہ اس سے مجھے اولاد مرحمت فرمادیں۔

توجب حضرت سارہؓ نے ہاجرہ آپؑ کو تحفہ میں دیدیں توآپؑ نے ان سے مباشرت فرمائی اور اسی وقت حضرت ہاجرہؓ امید سے ہوگئیں، تواس پر لوگوں میں باتیں شروع ہوئیں کہ یہ باندی تو اپنی آقا (سارہؓ) سے بھی بلند و عظیم مرتبت والی ہوگئی ہیں اس سے حضرت سارہؓ کو فطری طور پر سخت غیرت اٹھی، اور ابراہیمؑ کو اس کا شکوہ کیا تو حضرت ابراہیم نے سارہؓ کو فرمایا آپ اس کے ساتھ جو چاہیں کرلیں، جب یہ بات حضرت ہاجرہ کو پہنچی تو وہ ڈر گئیں، اور بھاگ پڑیں اور وہاں ایک چشمے پر ٹھہر گئیں تو تب ایک فرشتے نے آکر ان سے عرض کیا، آپ خوف نہ کیجئے اور آپ جس بچے کے ساتھ باامید ہوئیں ہیں اللہ عزوجل اس سے آپ کو بہت بھلائی عطا فرمائے گا، اور پھر فرشتے نے حضرت ہاجرہ کو واپسی کا کہا، اور خوشخبری دی کہ وہ ایک لڑکے کو جنم دیں گی، اور اس کا نام اسماعیل رکھنا، اور وہ لوگوں میں تنہا ہوگا، اس کا ہاتھ تمام پر ہوگا، اور تمام کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے (سوتیلے) تمام بھائیوں کے ملکوں کا مالک ہوگا، تو اس پر حضرت ہاجرہؓ نے اللہ عزوجل کا (بہت بہت) شکر ادا کیا۔

اور یہ خوشخبری صادق آتی ہے حضور اکرم ﷺ پر اس لئے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے عرب، لوگوں کے سردار بنے، اور شرقاً غرباً تمام ملکوں کے مالک ہوئے، اور اللہ عزوجل نے ان کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا، جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دیا گیا تھا، اور عرب کو یہ شرف حضور ﷺ کے تمام رسولوں پر اشرف ہونے کی وجہ سے ملا، اور آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کے متعلق بشارت کی برکت اور آپ کی کامل رسالت، اور تمام اہل ارض کے لئے آپ کی بعثت کی وجہ سے یہ شرف امت محمدیہ اور عرب کو حاصل ہوا۔

اور کہا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ نے حضرت اسماعیل کو جب جنم دیا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک اڑسٹھ سال تھی، اور ان کے تیرہ سال بعد حضرت سارہؓ کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہوئے اور جب حضرت ہاجرہؓ کے ہاں اسماعیلؑ پیدا ہوئے تبھی ساتھ میں اللہ نے حضرت سارہؓ سے بھی ایک لڑکے اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری مرحمت فرمادی تھی۔

تو مزید یہ خوشخبری سن کر حضرت ابراہیمؑ سجدے میں گر پڑے تھے، تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر مزید احسان کرتے ہوئے فرمایا: (اے ابراہیم دوست) اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری دعاوفریاد قبول کی، اور اس پر مزید میں نے برکتیں نازل کیں اور اس کی اولاد کو کثیر کیا اور بہت ہی بابرکت

بنایا، اور آگے۔ اس سے بارہ عظیم افراد پیدا ہوں گے اور اس کو میں ایک عظیم جماعت کا رئیس و سردار بناؤں گا۔

اور یہ خوشخبری بھی اس امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ پوری ہوتی ہے اور یہ بارہ عظیم افراد بارہ خلفاء راشدین حضرات ہیں، جن کی بشارت عبدالملک بن عمیر راوی کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں کہ آگے بھی کچھ فرمایا تھا لیکن میں اس کو سمجھ نہ سکا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا تو والد نے فرمایا کہ آگے فرمایا تھا وہ تمام قریش سے ہوں گے، صحیح بخاری و صحیح مسلم نے اس کو تخریج فرمایا ہے۔

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے، یہ امر (خلافت) برابر قائم رہے گا اور ایک روایت میں ہے یہ امر (خلافت) برابر غالب رہے گا، حتی کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور تمام قریش سے ہونگے۔

تو ان بارہ میں سے چار تو حضرات خلفاء راشدین ہیں یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم (اور احقر "م" کہتا ہے ان کے بعد حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن بن علی ہیں م) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی انہی میں سے ہیں اور باقی کچھ خلفاء بنی عباس سے ہیں اور ابراہیم کی بشارت اور حضور ﷺ کی حدیث میں بالترتیب بارہ مراد نہیں ہیں بلکہ صرف ان کا ہونا مراد ہے۔

اور رافضی اثنا عشری شیعہ جو اس سے بارہ امام مراد لیتے ہیں، وہ مراد نہیں ہو سکتے ان میں سے پہلے حضرت علی اور آخری غیر موجود ہیں بلکہ اس کے متعلق انتظار میں بیٹھے ہیں جو محض سراب ہے، دھوکا ہے اور وہ ان کے وہم و خیال کے مطابق محمد بن حسن عسکری ہے، تو یہ ان کا دعوی غلط ہے کیونکہ ان بارہ میں سوائے حضرت علی اور آپ کے فرزند حسن بن علی کے علاوہ اور کوئی خلافت کے منصب پر فائز نہ ہوا۔

(تو ان دونوں کے بارے میں ان کا دعویٰ صحیح ہے اور آخری جس کی انتظار میں شیعہ حضرات سیکڑوں سالوں سے بیٹھے ہیں، وہ تو محض ایک وہم اور دھوکا ہے اور ان کے علاوہ باقی حضرات ہمارے سب مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا گزرے ہیں لیکن شیعہ حضرات کی ان کے متعلق الٹی سیدھی باتیں سراسر غلط ہیں)

تو خیر مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت علی شامل ہیں اور حضرت حسنؓ بھی، اور حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہ سے خلافت کے مسئلے پر اختلاف ختم فرما کر حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی اور فتنے کی آگ کو بجھا دیا تھا، اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کی چکی کو ٹھنڈا کر دیا تھا، اور ان کے علاوہ باقی (نو) حضرات عام رعایا میں شامل ہیں ان میں کوئی امت میں منصب خلافت پر فائز نہ ہوا تھا، اور کسی معاملے میں حاکمیت پر قائم نہ ہوا تھا (ہاں ہمارے بزرگ و پیشوا ضرور رہے ہیں لیکن وہ بھی صحابہ کے درجے سے کم، نہ کہ شیعوں کے خیال کے موافق ہمارا خیال ہے "م"

اور آخری امام جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ محض سراب ہے دھوکا ہے اور ذہنوں میں وہم ہے اور نفسوں میں ہذیان ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نہ اس کا وجود اور نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

(اب ہم دوبارہ حضرت ابراہیمؑ کے قصے کی طرف لوٹتے ہیں تو مصنف فرماتے ہیں) پھر حضرت ہاجرہ کے ہاں جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور اس سے حضرت سارہ کو سخت غیرت آئی، تو پھر حضرت سارہ نے

حضرت ابراہیمؑ کو کہا اس کو مجھ سے کہیں اور لے جاؤ، تو حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور ان کے لال حضرت اسماعیلؑ کو لے گئے اور چلے........ چلے حتیٰ کہ ان کو اس جگہ اتار دیا جہاں آج مکہ شہر آباد ہے اور حضرت اسماعیل جب دودھ پیتے بچے تھے تو جب حضرت ابراہیم ان کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہؑ حضرت ابراہیم کی طرف کھڑی ہوئیں اور آپ کے کپڑوں سے چمٹ گئیں، اور عرض کیا۔

اے ابراہیمؑ آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟ جبکہ ہمارے پاس کوئی (کھانے پینے اور رہنے سہنے کا) سامان بھی نہیں ہے جس سے ہم گزر بسر کر سکیں؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا، ہاجرہ اصرار و اضطراب کے ساتھ پیچھے پڑ گئیں لیکن حضرت ابراہیم ہیں کہ جواب نہیں دے رہے تو پھر حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا۔

کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

تو حضرت ابراہیم نے پھر جواب دیا: جی

تو پھر حضرت ہاجرہ نے بھی کہا: پھر (کوئی پرواہ نہیں اور) وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا شیخ ابو محمد بن ابی زید اپنی کتاب ''النوادر'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہؑ جب حضرت ہاجرہ پر غیرت اور غصے میں آئیں تو قسم اٹھائی کہ وہ ان کے تین عضو ضرور کاٹیں گی، تو حضرت ابراہیم نے ان کو قسم سے سبکدوشی کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کردو، اور ختنہ کردو تو تم اس طرح قسم سے بری ہو جاؤ گی، حضرت سہیلیؒ فرماتے ہیں تو یہ ہاجرہؑ (دنیا کی) پہلی خاتون ہیں جن کی ختنہ ہوئی ہے،[1] اور اسی طرح وہ پہلی خاتون ہیں جن کے کانوں میں سوراخ کئے گئے اور یہ عورتوں کے لئے حسن وزینت بن گئی اور اسی طرح یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اپنا دامن سب سے زیادہ لمبا کیا تاکہ چلنے میں نشانات قدم مٹتے جائیں اور سارہؑ کو ان کی موجودگی کا پتہ نہ چلے (م)

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی ماں ہاجرہ کے ساتھ فاران کی چوٹیوں کی طرف ہجرت فرمانا اور وہاں بیت عتیق یعنی کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمانا

،[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماعیل (ہاجرہ) وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے کمر بند باندھا، (اور اس کو دراز کیا) تاکہ ان کے نشانات قدم مٹتے چلے جائیں اور حضرت سارہ کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو۔

پھر حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور ان کے شیر خوار فرزند اسماعیل کو لے کر چلے حتیٰ کہ بیت اللہ (کی جگہ) کے پاس لے گئے اور وہاں آج مسجد کی بالائی طرف جہاں زمزم کا کنواں ہے وہاں اس وقت ایک درخت

---

[1] یہ طریقہ عرب میں رائج تھا اور عجم کے لئے ایک تعجب خیز چیز ہے (م)

[2] قال البخاري قال عبدالله بن محمد، هو ابوبكر بن ابي شيبه، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن ايوب السختياني وكثير بن كثير بن المطلب بن ابي وداعه، يزيد احدهما على الآخر عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: ... الخ

تھا، ادھر اتار دیا، اور اس وقت اس مکہ کے علاقے میں ان کے سوا کوئی انسان نہ تھا (نہ بیت اللہ کی عمارت تھی نہ کوئی اور آبادی کی چیز بلکہ بیابان صحرا تھا حتی کہ) پانی تک نہ تھا تو حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھادیا، اور پاس ایک کھجور کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ رکھ دیا، اور اس کے بعد حضرت ابراہیم (بغیر کچھ گفتگو فرمائے) واپس ہونے لگے تو ام اسماعیل ان کے پیچھے ہو گئیں اور پوچھنے لگیں۔

اے ابراہیمؑ: آپ کہاں جارہے ہیں، اور ہمیں ایسی (بیابان) جگہ میں چھوڑے جارہے ہیں، جہاں نہ کوئی انسان[1] ہے اور نہ کوئی (اور زندگی کو باقی رکھنے والی) چیز ہے۔

تو حضرت ہاجرہ نے یہ فریاد بار بار کی، لیکن حضرت ابراہیم (ہیں کہ حکم خداوندی کی وجہ سے) توجہ نہیں فرمارہے ہیں، تو پھر آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا،

کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

پھر جا کر فرمایا: جی ہاں، تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا، پھر ہمیں وہ ضائع نہ فرمائے گا، اور یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ واپس اپنی جگہ آگئیں پھر حضرت ابراہیم بھی واپس مڑ کر چل پڑے حتی کہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچ گئے جہاں سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل ان کو نہ دیکھ سکتے تھے، تو وہاں حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا والتجا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے اور عرض کیا:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰة فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرون (سورہ ابراہیم ۳۷)

اور حضرت ام اسماعیل اس پانی سے خود بھی پیتیں، اور اپنے بچے کو بھی پلاتیں، حتی کہ مشکیزہ خالی ہو گیا، اور ماں کو بھی پیاس لگی، بیٹے کو تو لگنی ہی تھی، شیر خوار بچہ تھا، اور ماں ماںتا کی وجہ سے اپنی پیاس بھول کر باربار پریشانی کے عالم میں بچے کو دیکھتیں پھر جب بچے کی حالت ایسی ہو گئی کہ ماں سے دیکھا نہ گیا تو ماں بے قراری کے عالم میں اٹھیں اور قریب ہی ایک (صفا) پہاڑی تھی، اس پر جا کر چڑھیں اور آس پاس وادی میں کسی کو تلاش کرنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے یا پانی وغیرہ نظر آجائے لیکن سب بے سود، پھر اس طرح تڑپتے دل کے ساتھ واپس اتریں، اور جب وادی کے بیچ میں پہنچ گئیں تو اپنی قمیص مبارک کا کنارہ پکڑا جیسے انسان بھاگتے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے اور پھر انتہائی پریشانی کے ساتھ دوڑ پڑیں، اور وادی پار کر گئیں اور پھر مروہ پہاڑی پر چڑھیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں شاید کوئی نظر آجائے یا پانی وغیرہ مل جائے، لیکن بے فائدہ تو اس طرح ماں اپنی ماںتا اور دل کی تڑپ اور بے چینی کے ساتھ سات مرتبہ ان پہاڑیوں پر دوڑیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے لوگ دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہیں۔

تو حضرت اسماعیلؑ کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب (آخری مرتبہ) مروہ پر چڑھیں (تو کوئی آواز محسوس فرما کر) اپنے آپ کو کہا رک جا، پھر غور سے آواز کی طرف کان لگائے اور کہا شاید کوئی تیرے پاس

[1] اصل لفظ روایت میں انیس ہے نہ کہ انسان لیکن مراد انسان ہے

فریاد رس پہنچ گیا ہے، پھر زمزم کی جگہ دیکھا تو وہاں ایک فرشتے کو موجود پایا، پھر اس نے اپنی ایڑی کے ساتھ زمین کو کریدا، یا فرمایا کہ پھر اس نے اپنے پر زمین پر مارے تو پانی ظاہر ہو گیا، تو حضرت ہاجرہؑ اس کو گھیرنے لگیں اور حوض کی صورت میں اس کو جمع کیا، اور کہنے لگیں زم زم یعنی رک جا رک جا، اور پھر چلو بھر بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں، اور پانی چشمے سے پھر بھی ابل رہا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے کاش وہ زم زم (کہنا) چھوڑ دیتیں یا حضور نے یہ فرمایا، کاش وہ چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ بن جاتا، تو پھر حضرت ہاجرہ نے خود بھی پیا اور اپنے لخت جگر اسماعیل کو بھی پلایا، اور فرشتے نے حضرت ہاجرہ سے عرض کیا، آپ اس زمین میں خوف نہ کیجئے، بے شک یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ بچہ اور اسکے والد (دونوں ملکر) اس کی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہ فرمائیں گے۔

اور اس وقت بیت اللہ کی زمین تمام سطح زمین سے ابھری ہوئی تھی، اور پہلے کبھی سیلاب آئے تھے اور اس کے دائیں بائیں تک پہنچے تھے۔

الغرض حضرت ہاجرہؑ اپنے فرزند کے ساتھ اسی طرح زندگی بسر فرماتی رہیں، ایک مرتبہ ان کے پاس سے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ گزرا اور ان کی طرف سے (کچھ ہٹ کر) ہوتا ہوا مکہ کی نشیبی زمین میں قیام پذیر ہو گیا، وہاں سے انھوں نے پانی پر اڑنے والے پرندوں کو دیکھا تو کہہ اٹھے، یہ پرندے تو پانی پر آتے ہیں، اور جبکہ ہم اس وادی سے واقف ہیں یہاں کوئی پانی نہیں ہے، تو یہ دیکھ کر انھوں نے اپنا ایک یا دو ساتھی دوڑائے وہ اس جگہ پہنچے اور واپس آکر پانی کی خبر دی تو سب وہاں متوجہ ہو گئے اور چل پڑے، اور وہاں حضرت ہاجرہ پانی کے پاس موجود تھیں تو انھوں نے پوچھا کیا آپ اپنے پاس ہمیں اترنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گی؟

تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا: جی ہاں: لیکن پانی پر تمہاری ملکیت میں ہمارے ہاں کوئی حق نہ ہوگا، تو انھوں نے عرض کیا، صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ام اسماعیل نے اس (آبادی اور آثار زندگی یعنی دونوں چیزوں) کو پالیا، اور یہ (یہاں بھی) انس و محبت کی فضاء محسوس کرنے لگیں پھر قوم جرہم یہاں اترے اور اپنے گھر والوں کی طرف پیغام بھیج دیا تو وہ بھی وہاں سے انکے پاس آکر مل گئے اور یہ سب حضرات گھل مل کر رہنے لگے اور حضرت اسماعیلؑ جوان ہوئے اور قوم جرہم سے عربی زبان سیکھی، اور یہ ابھی جوانی میں سب کے نزدیک خوب خوبصورت اور وجاہت والے تھے، تو جب یہ عین بلوغت کو پہنچ گئے تو قوم جرہم نے اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔

اور اس عرصے میں حضرت ہاجرہ ام اسماعیل بھی عظیم قربانیاں دے کر اپنے پروردگار کے پاس چلی گئیں، پھر ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد ملنے کے لئے آئے، تو گھر میں حضرت اسماعیل کو موجود نہ پایا، تو ان کی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے کہا ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں، پھر حضرت ابراہیمؑ نے ان کی زندگی اور رہن سہن کے بارے میں پوچھا، تو شکوہ شکایت کرنے لگی کہ ہم

لوگ تنگی بڑی تنگی اور سختی میں مبتلا ہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا جب آپ کے شوہر آجائیں تو انہیں میرا سلام کہنا، اور میری طرف سے یہ بھی کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرلیں۔

جب حضرت اسماعیل واپس لوٹے تو انھوں نے کچھ محسوس کیا، اور پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا جی ہاں ایک بوڑھے سے شخص آئے تھے، انھوں نے ہم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہہ دیا ہم سختی و مشقت میں مبتلا ہیں، تو حضرت اسماعیلؑ نے پوچھا، تو پھر انھوں نے کچھ نصیحت کی، کہا جی ہاں انھوں نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں ان کی طرف سے آپ کو سلام کہہ دوں اور وہ آپ کو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرلو تو پھر حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا:- وہ میرے والد مکرم تھے اور وہ مجھے حکم کر گئے ہیں کہ میں تجھے جدا کردوں لہذا تو اپنے گھر والوں میں چلی جا، اور پھر اس کو طلاق دیدی، اور اس قبیلے میں سے ایک دوسری سے شادی فرمالی، پھر کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ دوبارہ تشریف لائے، اور اس دفعہ بھی حضرت اسماعیلؑ کو گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی بیوی کے پاس گئے اور اس سے سوال کیا اس نے بھی کہا وہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ نے دریافت فرمایا، تم کیسے (زندگی گزار رہے) ہو اور ان سے ان کی راحت و آرام اور ان کے رہن سہن کے بارے میں پوچھا تو بہو نے عرض کیا ہم خیر و عافیت کے ساتھ، فراخی و کشادگی میں ہیں، اور پھر اللہ کی تعریف و ثنا کی، حضرت ابراہیم نے دریافت فرمایا تمہارا کھانا کیا ہوتا ہے؟ کہا گوشت پوچھا تمہارا پینا کیا ہوتا ہے عرض کیا پانی، پھر حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ ان کے لئے گوشت و پانی میں برکت عطا فرمایئے

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اس دن حضرت اسماعیلؑ کے ہاں کوئی برتن بھی نہ تھا اگر ہوتا تو حضرت ابراہیم ان کے لئے اس میں (برکت کی) دعا فرماتے پھر حضور نے فرمایا: جب سے مکہ میں گوشت اور پانی دونوں (وافر مقدار میں) رہتے ہیں۔

تو حضرت ابراہیمؑ نے (اپنی اس نیک سیرت بہو کو) فرمایا، جب تیرا شوہر آجائے تو اس سے میرا سلام کہنا اور میری طرف سے انہیں حکم دینا کہ اپنے دروازے کی (اس) چوکھٹ کو برقرار رکھے تو جب حضرت اسماعیلؑ واپس تشریف لائے تو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے عرض کیا: جی ہاں: ایک اچھی صورت (و سیرت) والے بزرگ آئے تھے... اور پھر ان کی تعریف کی، تو انھوں نے مجھ سے آپ کے متعلق دریافت فرمایا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا کہ کیسے ہم زندگی گزار رہے ہیں؟ تو میں نے کہا خیر کے ساتھ، پھر حضرت اسماعیل نے پوچھا کچھ وصیت و نصیحت کر گئے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے گئے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو برقرار رکھنا۔ حضرت اسماعیل نے فرمایا!

وہ میرے والد مکرم تھے اور تم چوکھٹ ہو اور وہ مجھ حکم کر گئے ہیں کہ تجھے عقد میں رکھوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصے بعد پھر ملاقات کے لئے تشریف لائے (اور اس دفعہ میں حضرت اسماعیل کو موجود پایا) وہ زمزم کے قریب ایک ٹیلے پر تیر کو چھیل رہے تھے اور اسے درست کر رہے تھے، حضرت اسماعیلؑ نے اپنے والد مکرم کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے (بڑی گرمجوشی سے مصافحہ و معانقہ اور دوسرے

آداب) جو باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں وہ تمام آداب بجالائے، بیٹے نے باپ کے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ کیا اور باپ نے بیٹے کے ساتھ شفقت ورحمت کا معاملہ کیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند ارجمند کو فرمایا:۔

اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم فرمایا ہے تو حضرت اسماعیل نے عرض کیا رب کی طرف سے آپ کو جو حکم ملا ہے اس کو پورا کیجئے، والد مکرم نے فرمایا اس میں تیری مدد کی ضرورت ہے، عرض کیا بالکل میں حاضر ہوں، تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارد گرد کی ایک ابھری ہوئی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم فرمایا ہے۔

تو پھر باپ اور بیٹے نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا، بیٹا پتھر لاتا رہا، باپ بناء (تعمیر) کرتا رہا، حتی کہ جب دیواریں (قد سے) اونچی ہو گیں تو یہ خاص پتھر لائے، اس پر حضرلت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے اور اسماعیلؑ پتھر پکڑاتے رہے، اور زبان پر دونوں کے یہ الفاظ جاری رہے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

(اے) ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرمائیے بے شک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں (سورہ بقرہ ۱۲۷)

اور پھر (ایک طرف پوری ہونے کے بعد) دیگر اطراف میں بناء کرتے رہے اور گھومتے جاتے یہ الفاظ دونوں نے اپنی زبان پر جاری رکھے۔ ربنا تقبل...... الخ

یہ پوری روایت مذکورہ ایک طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور آپؓ ہی سے ایک دوسرے طریق[1] سے بھی یہ روایت منقول ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

جب ابراہیمؑ اور آپ کے اہل کے درمیان جو (گھریلو مسائل پیدا ہوئے) تو حضرت ابراہیم اسماعیل اور ام اسماعیل کو لے کر چلے اور ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا...... پھر اسی مذکورہ طرح سے اس روایت میں پورے قصے کو بیان فرمایا۔

تو یہ مذکورہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے اور اس کے بعض حصے حضور ﷺ کی طرف بھی منسوب ہیں اور بعض حصوں میں غرابت ہے، (اور اس روایت کی بعض باتوں کی بنا پر) لگتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ روایت اسرائیلیات سے ملی ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔

اور اہل تورات سے یہ بات منقول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اور جو بھی غلام ان کے پاس ہیں، تمام کی ختنہ کریں، اور یہ واقعہ آپ کی عمر کے ننانوے سال گزرنے کے بعد پیش آیا، تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر تیرہ سال بنتی ہے، اور حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کو فوراً کرتے ہوئے عمل کیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھوں نے (فرض) و واجب سمجھ کر

---

[1] حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا ابو عامر عبدالملك بن عمرو، حدثنا ابراهيم بن نافع، عن كثير بن كثير، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال:.... الخ

کیا، اسی وجہ سے علماء کے اقوال ہیں کہ یہ چیز مردوں پر واجب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے[1]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے [2] قدوم (آلے کے ساتھ اپنی) ختنہ فرمائی اور وہ (اس وقت) اسی سال کے تھے [3]۔

اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے (اپنی) ختنہ فرمائی۔ اور وہ بھی اپنی عمر کے اسی سال گزرنے کے بعد اور قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی۔

اور ایک قول کے مطابق قدوم آلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک جگہ کا نام ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہاں مذکورہ روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے اسی سال گزرنے کے بعد ختنہ فرمائی، تو اس سے زائد مدت کی نفی نہیں ہوتی۔

اور یہ اس لئے کہ آگے حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے تذکرہ میں ایک حدیث ذکر ہو گی کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حضرت ابراہیمؑ نے ختنہ فرمائی، جبکہ وہ ایک سو بیس سال کے تھے، اور اس کے بعد بھی اسی سال زندہ رہے، ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت فرمایا ہے۔

لیکن مذکورہ روایتوں میں کئی باتیں محل اشکال و تنقید ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان میں اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا ذکر نہیں آیا، اور وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں (لیکن بنی اسرائیل کے ہاں وہ حضرت اسحاقؑ ہیں اس وجہ سے انھوں نے حضرت اسماعیلؑ کا اس بارے میں ذکر نہ کیا) اور دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور اپنے لخت جگر کو وادی بیابان میں چھوڑنے کے بعد صرف تین مرتبہ چکر لگایا، اور ان میں پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تھے جب حضرت ہاجرہؓ کی وفات اور حضرت اسماعیلؑ کی پہلی شادی ہو چکی تھی، تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کو بچپن سے شادی تک کیسے چھوڑ دیا؟ کہ ان کے حالات کی بھی خبر نہ لیں، جبکہ آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا تھا (یعنی وہ طویل ترین سفر کو لمحوں میں طے کر لیتے تھے) اور یہ بھی کتابوں میں آیا ہے کہ جب وہ ان کی طرف جاتے تو براق پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے، تو ان سب باتوں کی بنا پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے حالات سے کیسے پیچھے رہتے تھے، جبکہ وہ بچہ اور ان کی ماں انتہائی ضرورت اور شدت حاجت میں مبتلا تھے۔

تو ان تمام باتوں کی بنیاد پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایتیں اسرائیلیات میں سے لی گئی ہیں، اور کچھ کچھ باتیں احادیث صحیح مرفوعہ میں سے ملائی گئیں ہیں اور ان اسرائیلی روایتوں میں قصہ ذبح بھی مذکور نہیں ہے، جبکہ ہم سورۂ صافات جہاں قصہ ذبح مذکور ہے وہاں مفصل کلام کر آئے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

---

[1] قال البخاری، حدثنا قتیبۃ بن سعید، حدثنا مغیرۃ بن عبدالرحمن القرشی، عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ..... الخ،

[2] قدوم ویسے تو کلہاڑے کو کہتے ہیں لیکن یہاں تیز دھار کوئی بھی آلہ مراد ہے۔

[3] وتابعہ عبدالرحمن بن اسحاق عن ابی الزناد، وتابعہ عجلان عن ابی ھریرۃ، ورواہ محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ، وھکذا رواہ مسلم عن قتیبۃ بہ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا قصہ

"علیہ الصلوٰۃ والسلام"

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا قصہ

"علیہ الصّلوٰۃ والسّلام"

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مبین میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور (ابراہیم علیہ السلام) بولے میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا، اے پروردگار مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو)۔ تو ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی، جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ (گویا) تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابرین میں پائیں گے، جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ان کا فدیہ دیا ایک بڑی قربانی سے اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا، کہ ابراہیم پر سلام ہو (اور) نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، اور ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی اور نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور آپ پر صریح ظلم کرنے والے یعنی (گناہ گار) بھی ہیں۔[1]

اللہ عزوجل اپنے دوست حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنے علاقے کو خیرباد کہا تو اپنے پروردگار کے حضور التجاء کی کہ اسے کوئی صالح اولاد عطا فرما دیجئے تو پروردگار نے خوشخبری سنائی کہ ان کے ہاں ایک بردبار (عقل مند) بچہ جنم لے گا، اور وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد یہی ہیں، اور اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک چھیاسی سال بیت چکی تھی، اور اس بات میں کسی مذہب والے کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد ہیں۔

تو حضرت اسماعیل کے بارے میں اللہ نے فرمایا فلما بلغ معه السعی[2] کہ جب وہ (اسماعیلؑ) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا، یعنی جوان ہو گیا اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا اور حضرت مجاہدؒ نے بھی اس کی تفسیر یوں ہی فرمائی ہے کہ یعنی جب وہ جوان ہو گئے اور اتنی طاقت وقوت کے حامل ہو گئے کہ اپنے والد کے ساتھ کام کریں۔

تو خیر جب حضرت اسماعیلؑ اپنی عمر کی اس بہار کو پہنچ گئے تو آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ ان کو اپنے لخت جگر کے ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث یوں مروی ہے کہ

---

[1] سورۃ الصافات آیت ۹۹ تا ۱۱۳
[2] سابق آیت ۱۰۲

انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

یہ عبید بن عمیر کا بھی فرمان ہے۔

اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے دوست کا امتحان تھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو جو ان کو بڑھاپے میں (بڑی دعاؤں کے بعد ملا ہے) اس کو ذبح کریں اور اس سے پہلے یہ عظیم امتحان بھی گزر چکا تھا کہ وہ اپنی محبوبہ بیوی حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند کو جنگل بیابان میں تن تنہا (بغیر کسی دنیوی آسرے کے) چھوڑ آئے، اور وہ جنگل بھی نہ تھا بلکہ صحراء خشک تھا، جہاں گھاس کا ذرہ نہ تھا، اور نہ کوئی دل بہلانے کی چیز، اور نہ کوئی کھیتی، اور نہ کوئی دودھ دینے والا جانور، پھر بھی حضرت ابراہیم اپنے دوست (اللہ عزوجل) کے امتحان پر پورا اترے اور دونوں کو اس جگہ محض توکل علی اللہ پر چھوڑ دیا، اور اللہ نے (بھی دوست سے قربانی مانگی تو سہی لیکن لی نہیں) بلکہ ان کے لئے کشادگی و فراخی کا راستہ کھول دیا، اور ایسی جگہ سے ان کو رزق دیا کہ جہاں ان کا گمان بھی نہ جاسکتا تھا، تو الغرض جب پہلی قربانی پوری ہو گئی اور دوست اس میں کامیاب اترا تو پھر اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے دوست ابراہیمؑ کو دوسری قربانی یعنی اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کا حکم ملا، اور یہ حکم ایسا تھا جو اللہ نے اپنے اس خاص دوست کو دیا تھا، اور حضرت اسماعیلؑ بھی اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھے، اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی پر لبیک کہا اور حکم کی فرماں برداری میں دوڑ پڑے۔

پھر حضرت ابراہیم نے یہ قربانی اپنے بیٹے پر پیش کی تاکہ حضرت اسماعیل اپنے دل کی خوشی اور آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کر دیں، ورنہ جبراً اور قہراً ذبح تو کرنا ہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ [1] القرآن

اے میرے پیارے بیٹے: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس تیرا کیا خیال ہے؟

تو عقل مند متحمل مزاج بیٹا اپنے والد کی فرماں برداری کے لئے فوراً بڑھا اور عرض کیا

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ [2]

اے میرے (پیارے) ابا جس کا آپ کو حکم کیا گیا ہے آپ کر ڈالئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے۔

اور اپنے والد اور در حقیقت بندوں کے پروردگار کے حکم کی یہ بہترین فرماں برداری ہے۔

آگے فرمان خداوندی ہے، فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ

اسلما کی دو تفسیریں ہیں، ایک تو ہے کہ وہ دونوں تابعدار ہو گئے اور اس قربانی کا عزم کر لیا، اور ایک تفسیر یہ ہے کہ دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اور تله للجبين کا مطلب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹا دیا (اور ایسا کیوں فرمایا؟) شاید اس لئے کہ تاکہ گدی کی طرف سے ذبح فرمائیں اور اس طرح ذبح کرتے وقت ان کے چہرے کو نہ دیکھ سکیں (کہ کہیں محبت پدری جوش میں آجائے) حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ کا یہی قول ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی مروی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کو اسی طرح لٹایا تھا جس طرح کہ عام

---

[1] [2] صافات ۱۰۲

قربانی کے جانوروں کو لٹایا جاتا ہے پیشانی زمین سے ملی رہ گئی تھی۔

ایک اور اسلما کی تفسیر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کا نام لیا اور تکبیر کہی (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہا) اور حضرت اسماعیلؑ جام موت پینے کے لئے حاضر و تیار ہو گئے تو اس طرح دونوں تابعدار ہو گئے۔ حضرت سدیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے چھری حضرت اسماعیلؑ کے حلق پر چلائی، لیکن چھری نے کچھ خراش تک نہ لگائی، کہا جاتا ہے کہ چھری اور حضرت اسماعیلؑ کی گردن کے درمیان کانسی کی سطح حائل ہو گئی تھی، واللہ اعلم

تو ایسے وقت میں اللہ عزوجل کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو آواز دی گئی۔

اَن یّٓا اِبرَاھِیمَ قَد صَدَّقتَ الرُّؤیَاءَ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجزِی المُحسِنِینَ ۱

(اور ہم نے آواز دی) کہ اے ابراہیم بے شک تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک اسی طرح ہم (بھی) محسنین کو اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

یعنی تیری فرماں برداری کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ اس میں بحسن وخوبی کامیاب ہوئے اور آپ نے اس کی اطاعت میں بہت جلدی کی، اسی طرح آپ کے لخت جگر نے بھی بہت ہی عمدہ قربانی پیش کی اپنے جسم و جان کو میری راہ میں ذبح ہونے کیلئے بے دریغ پیش کر دیا، جس طرح کہ آپ نے اے ابراہیم! اپنی جان کو جلانے کے لئے آگ کے سپرد کر دیا تھا اور جس طرح کہ اے ابراہیم! آپ اپنا مال مہمانوں کے لئے بے دریغ استعمال کرتے ہیں، اسی وجہ سے پروردگار نے بھی فرمایا۔

بے شک یہ کھلی اور عظیم آزمائش تھی۔ ۲ یعنی ایسی آزمائش تھی جس کی سختی اور مشکل صاف ظاہر تھی۔

(خیر حضرت ابراہیمؑ نے تو، اپنی طرف سے بیٹے کی بازی لگا دی، لیکن آگے کیا ہوا؟ فرمان باری ہے) اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو (بدلے میں) عظیم قربانی عطا کی۔ ۳

یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی قربانی کے بجائے ایک دوسرا جانور عطا فرما دیا (اور وہ جانور کون سا تھا؟) تو جمہور سے یہ مشہور ہے کہ وہ مینڈھا تھا اور سفید رنگ اور عمدہ آنکھوں اور سینگوں والا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے اس کو مقام ثبیر میں ببول کے درخت کے ساتھ بندھا دیکھا۔

۴ اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مینڈھے نے جنت میں چالیس سال چرا تھا۔

اور حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، کہ وہ جنت میں چرتا تھا، حتیٰ کہ وہاں سے ثبیر میں آیا اور اس پر (مائل بہ) سرخی رنگ اون تھا، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا ثبیر (ٹیلے) سے اتر کر حضرت ابراہیمؑ کی طرف آیا اور وہ عمدہ آنکھوں اور سینگوں والا تھا، اور ممیاتا ہوا نیچے اترا پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ذبح فرما دیا، اور یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت ہابیل نے دی تھی اور اللہ نے اس کو قبول فرمایا تھا، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقام منیٰ میں ذبح فرمایا تھا، اور عبید بن

---

۱ الصافات ۱۰۴-۱۰۵ ۲ سابقہ آیت ۱۰۶ ۳ سابقہ ۱۰۷

۴ قال النوری عن عبداللہ بن عثمان بن خیثم، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال

عمیرؒ فرماتے ہیں مقام ابراہیم پر ذبح کیا تھا۔
اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگلی بکرا تھا اور حضرت حسنؒ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑی بکرا تھا، اور اس کا نام جریر تھا۔
صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یہ صحیح مروی نہیں ہے۔
پھر جو یہاں اقوال مذکور ہیں وہ اکثر اسرائیلی روایتوں سے ماخوذ ہیں اور قرآنی رو سے اتنا معلوم ہوتا ہے اور وہی کافی ہے کہ یہ عظیم الشان کام تھا اور کٹھن امتحان تھا، پھر ابراہیم نے اللہ کے فضل سے مینڈھے کی قربانی دی اور حدیث کی رو سے وہ جانور مینڈھا تھا۔
[1] مسند احمد میں صفیہ بنت شیبہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور عورت نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کیوں یاد فرمایا ہے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو وہاں میں نے دو سینگ دیکھے تھے پھر میں تجھے حکم کرنا بھول گیا کہ ان کو ڈھک دو، لہذا اب جاؤ اور ان کو ڈھک دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو دوسری طرف مشغول کر دے۔
حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ وہ سینگ بیت اللہ میں لٹکے رہے حتی کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تھی تب وہ بھی جل گئے۔
اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ مینڈھے کا سر ہمیشہ سے کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکا رہتا تھا، اور وہ خشک ہو چکا تھا۔

اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والا کون تھا؟

حضرت ابراہیمؑ کے دونوں فرزندوں یعنی اسماعیل و اسحاق میں سے کونسا فرزند ذبیح اللہ تھا؟ یہ مذکورہ بات دلیل ہے اسپر کہ راہ خدا میں ذبح ہونے والے حضرت اسماعیلؑ ہیں اسلئے کہ یہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور حضرت اسحاقؑ کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کبھی اپنے بچپن میں مکہ میں تشریف لائے ہوں اور قرآن کریم کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ لگتا ہے کہ قرآن کریم نے اسپر تصریح فرما دی ہے "واللہ اعلم" کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں، کیونکہ اللہ نے پہلے ذبیح کا قصہ ذکر فرمایا پھر اسکے بعد فرمایا اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو پیغمبر اسحٰق کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ (سورہ صافات آیت ۱۱۲)
(اس جگہ اللہ نے پہلے ذبیح کا قصہ بیان فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰق کی پیدائش کی بھی خوشی سنائی۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے جسکا قصہ مذکور ہوا وہ حضرت اسماعیلؑ تھے) لیکن بعض لوگوں نے اس جگہ کافی تکلف کے ساتھ تاویل کرتے ہوئے مطلب کو بدلا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا

---

[1] قال الامام احمد، حدثنا سفیان، حدثنا منصور، عن خاله نافع، عن صفیته بنت شیبته قالت

منَ الصّٰلِحِینَ (صافات ۱۱۲) (میں نبیا اسحاق) سے حال ہے نہ کہ ولادت سے، تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ہم نے پہلے بچے کی نبوت کی بھی خوشخبری سنائی۔ تو آیت پہلے قصے کے ساتھ منسلک ہو جائے گی۔

جبکہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ محض تکلف ہے اور اسکا دارومدار اسرائیلی روایات ہیں جبکہ انکی کتاب میں بھی تحریف ہو چکی ہے۔ خصوصاً ایسی جگہوں میں تحریف ضرور ہے۔

انکے قول کے مطابق اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم فرمایا اور انکے ایک تورات کے تحریف شدہ نسخے کے مطابق اپنے پہلے بیٹے اسحاق کے ذبح کا حکم فرمایا تو وہاں لفظ اسحاق انکی طرف سے اضافہ ہے اور جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہ اکلوتے تھے نہ پہلے تھے۔ وہ صرف اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ یہی پہلے بیٹے تھے اور اکلوتے تھے۔

بعد میں پھر حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

اور اہل کتاب کو اس بات پر عرب سے حسد نے ابھارا ہے، اسلئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب کے باپ ہیں، وہ عرب جو حجاز مقدس میں رہتے تھے اور انہی میں سے ہمارے نبی اکرم محمد ﷺ ہیں۔ اور حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ کے والد ماجد ہیں اور حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا جسکی طرف بنی اسرائیل منسوب ہیں۔ تو اسوجہ سے بنی اسرائیل نے چاہا کہ یہ شرف و مرتبہ اپنی طرف کھینچ لیں پھر اس مذموم مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اللہ کی کتاب کو بھی بدل ڈالا۔ اور اسمیں اپنی طرف سے زیادتی کی۔ تو یہ قوم بنی اسرائیل بہتان باندھنے والی جھوٹی قوم ہے اور اپنے حسد کی بناء پر یہ اقرار نہیں کرتی کہ فضل و شرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

اور یہ بات کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے دوسرے لوگوں نے بھی کہی ہے اور اس بات کو انہوں نے یا تو حضرت کعب احبار سے نقل کیا ہے یا پھر اہل کتاب کے صحیفوں سے لیا ہے۔ واللہ اعلم اور یہ بات کہ وہ حضرت اسحاقؑ تھے حضور ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں بھی مروی نہیں ہے کہ اسکی بناء پر ہم قرآن کے ظاہر کو چھوڑ دیں۔ اور نہ ہی قرآن کی کسی بھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ تھے بلکہ قرآن سے مفہوم بلکہ گفتگو کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر غور و فکر کے وقت صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے۔

بہترین استدلال :-

ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔ اس بات پر حضرت کعب قرظیؒ نے بہت بہترین استدلال فرمایا ہے فرمایا کہ قرآن میں ہے

پھر ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی (سورہ ھود آیت ۷۱)

تو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسحاق کی پیدائش اور اسحاقؑ سے یعقوبؑ کی پیدائش کی خوشخبری دی یعنی بیٹے کی پیدائش سے پہلے ہی پوتے کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور پھر بالفرض اسحٰق کو بچپن میں ہی ذبح کرنے کا حکم ملا تو یعقوب پوتے کی خوشخبری کیسے مکمل ہو سکتی ہے کیونکہ باپ کیلئے پہلے ہی بچپن میں ذبح کا حکم مل گیا۔

(یا یوں کہیں کہ حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ کی آزمائش ہی کچھ نہ رہی کیونکہ انکو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابھی

اسحاق سے یعقوب جنم لیں گے لہذا آخر کار یہ ذبح نہیں ہونگے ،از مترجم) تو اس بات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ورنہ پہلی پیدائش یعقوب علیہ السلام کی بشارت کی مخالفت ہو گی۔ واللہ اعلم۔

لیکن علامہ سہیلیؒ نے اس استدلال پر اعتراض فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ وبشر نٰہُ باسحق یہ پورا جملہ ہے، تامہ ہے۔ اور آگے فرمان باری تعالیٰ ومن وراء اسحق یعقوب یہ دوسرا مستقل جملہ ہے۔ اور یہ بشارت کیلئے بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ عربی کی گرامر کے اعتبار سے کسی کلمے کو مجرور پڑھنا دوسرے پر عطف کرتے ہوئے یہ اسوقت صحیح ہے جب ثانی پر حرف جار کا اعادہ کیا جائے لہذا یوں کہنا صحیح نہیں ہے مررت بزید ومن بعدہ عمرو تو یہاں دیکھئے کہ عمرو کو زید پر عطف کیا جا رہا ہے، اور بغیر جار کے، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں یوں صحیح ہے۔ ومن بعدہ بعمرو تو اس قاعدہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے کہ آیت کا دوسرا حصہ ومن وراء اسحق یعقوب بھی پہلی مثال کی طرح ہے کیوں کہ آیت کے پہلے حصے میں باسحٰق باء کے ساتھ ہے اور یہاں یعقوب پر باء نہیں ہے لہذا یعقوب کا اسحٰق پر عطف کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ یہ فعل مقدر کے ساتھ منسوب ہے یعنی وو ھبنا لاسحاق یعقوب۔

اگرچہ اس اعتراض کی بناء پر ابن کعب قرظی کا استدلال ظاہراً کچھ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود علامہ سہیلی کے اس اعتراض میں شک کا امکان ہے۔

اور پھر علامہ سہیلی اپنی بات میں ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق ہیں اور اسکی دلیل یہ فرمان باری ہے۔

فلما بلغ معه السعي ۔[1] جب وہ (ذبیح اللہ) اس کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے علامہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑتے (کام کرتے تھے) جبکہ حضرت اسماعیلؑ تو ابراہیمؑ کے پاس تھے ہی نہیں، بلکہ یہ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں سکونت پذیر تھے۔ تو پھر کیسے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑنا کام کاج کرنا ہو گا۔

لیکن علامہ کی اس بات واستدلال میں بھی بہت ہی غور و فکر کی ضرورت ہے اسلئے کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر اکثر بیشتر اپنے اہل کی خبر لینے مکہ تشریف لیجاتے تھے پھر واپس لوٹ آتے تھے۔ واللہ اعلم۔

خیر جن لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ذبیح اللہ، حضرت اسحاق کو مانتے ہیں یا ایسی روایت ان سے ظاہراً مروی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

کعب احبارؒ کا تو فرمان ہے۔ اور ان حضرات سے مروی ہے حضرت عمرؓ عباسؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، مسروقؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، شعبیؒ، مقاتلؒ، عبید بن عمیرؒ، ابی میسرہؒ، زید بن اسلمؒ، عبد اللہ ابن شقیقؒ، زہریؒ، قاسمؒ، ابن ابی بردہ، و مکحولؒ، عثمان بن حاضرؒ، سدیؒ، قتادہؒ، حسنؒ، ابی ہذیلؒ، ابن سابطؒ اور علامہ ابن جریرؒ نے بھی اسکو اختیار فرمایا ہے لیکن یہ ان سے تعجب کی بات ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک انہی کے ساتھ ہے۔

---

[1] سورہ صافات آیت ۱۰۲۔

لیکن حضرت ابن عباسؓ سے صحیح طور پر جو مروی ہے اور اسی طرح ان مذکور لوگوں میں سے صحیح طرح اکثر لوگوں سے جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے۔ مجاہدؒ، سعیدؒ، شعبیؒ، یوسف بن مہرانؒ، عطاء اور حضرت ابن عباس سے کئی روایتیں اسی طرح مروی ہیں۔

[1]اور مفسر ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قربان ہونے والے حضرت اسماعیلؑ ہیں اور یہود کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ ہیں اور یہود اس میں جھوٹے ہیں اور عبداللہ بن امام احمد اپنے والد یعنی امام احمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے ابن ابی حاتم فرماتے ہیں میں نے (اپنے والد یعنی) ابی حاتم سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے۔

اور حضرت علی، ابن عمر، ابی ہریرہؓ، اور حضرت ابی الطفیل، سعید ابن المسیب سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابو جعفر محمد بن علی، ابو صالح ان تمام حضرات کا فرمان ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے۔

اور مفسر علامہ بغوی نے بھی ربیع بن انس اور کلبی اور ابی عمرو بن علاء رحمہم اللہ سے یہی روایت فرمایا ہے۔

(اور مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت امیر معاویہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور ان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کو یوں مخاطب کیا۔

یاابن الذبیحین اے دو ذبح ہونے والوں کے بیٹے تو رسول اکرم ﷺ اس پر ہنس دیئے۔

اور عمر بن عبدالعزیز، محمد بن اسحاق بن یسار رحمہم اللہ کا بھی یہی خیال و قول تھا اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے اسمیں کوئی شک نہیں ہے (کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں)

[2]محمد ابن کعب سے مروی ہے کہ وہ شام میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے پاس تھے تو انہوں نے اسماعیلؑ کے قصے کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا مذکورہ استدلال سنایا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا میرا یہی خیال ہے جو آپ کہہ رہے ہیں اور اس استدلال میں کوئی شک نہیں۔ پھر حضرت عمرؒ نے محمد ابن کعب کو شام میں ایک یہودی عالم کے پاس بھیجا (اس سے یہ بات ہوئی تو) وہ اسلام لے آیا اور پکا مسلمان ہو گیا تو حضرت عمرؒ نے اس سے پوچھا کہ ابراہیمؑ کے دو بیٹوں میں سے کس کیلئے ذبح کا حکم نازل ہوا؟ تو اس نے کہا واللہ اے امیر المومنین وہ اسماعیلؑ ہیں اور یہود اسکو جانتے بھی ہیں لیکن تم عرب پر حسد کرتے ہیں کہ تمکو تمہارے باپ کی وجہ سے یہ شرف حاصل ہو۔ الخ

---

[1] قال ابن جریر : حدثنی یونس ، انبا نا ابن وھب ، اخبرنی عمرو بن قیس، عن عطاء بن ابی ، رباح عن ابن عباسؓ انه قال ...... الخ

[2] وقال محمد بن اسحاق عن بریدہ عن سفیان بن فذوہ الاسلمی عن محمد ابن کعب .... الخ

حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ترجمہ) اور ہم نے انکو (ابراہیمؑ کو) اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہونگے) اور ہم نے انپر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد سے نیکو کار بھی ہیں اور آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں۔[1]

اور ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی زوجہ حضرت سارہؑ کو حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوشخبری دی جس وقت وہ ملائکہ قوم لوط کو انکے کفر اور فسق وفجور کی وجہ سے تہس نہس کرنے انکے علاقے مدائن کی طرف جارہے تھے۔ اور اسپر تفصیلی گفتگو عنقریب اپنے مقام پر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں فرمایا (ترجمہ) اور ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لیکر آئے تو سلام کہا اور انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیمؑ) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جب دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جارہے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو انکو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (انکے ہلاک کرنے کیلئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کی بیوی (جو پاس) کھڑی ہوئی تھی ہنس پڑی۔ تو ہم نے اسکو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں (فرشتوں) نے کہا کہ کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اسکی برکتیں ہیں وہ ہی تعریف کے لائق اور بزرگوار ہے۔[2]

اور اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا (ترجمہ) (اے محمد ﷺ) اور انکو ابراہیمؑ کے مہمانوں کا احوال سنادو جب وہ ابراہیمؑ کے پاس آئے تو سلام کہا (انہوں نے) کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپکو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں، وہ بولے جب مجھے بڑھاپے نے آپکڑا ہے تو تم خوشخبری دینے لگے؟ اب کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپکو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔[3]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا (ترجمہ) بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ انکے پاس آئے (یعنی فرشتے) تو سلام کہا، انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا تو ایسے لوگوں کو نہ جان نہ پہچان۔ پھر بھی اپنے گھر جاکر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے (اور کھانے کیلئے) ان کے آگے رکھ دیا، کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا، انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے اور انکو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری بھی سنائی۔ تو ابراہیمؑ کی بیوی چلاتی آئیں۔

---

[1] سورہ الصافات آیت ۱۱۲۔ ۱۱۳ [2] سورۃ ہود آیت ۶۹ تا ۷۳ [3] سورہ الحجر آیت ۵۱ تا ۵۶

انہوں نے کہا کہ (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خبردار ہے۔[1]

یہ فرشتے تین تھے، جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام، جب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو حضرت ابراہیم نے دیکھتے ہی ان کو مہمان سمجھا، لہذا پھر ان کے ساتھ مہمانوں والا برتاؤ خاطر تواضع کرنا شروع کردی، اور اپنی گایوں میں سے ایک بہترین عمدہ موٹا بچھڑا ان کے لئے ذبح کیا اور اس کو بھونا، پھر ان کو پیش کیا، لیکن حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ان کا تو کھانے کے متعلق کوئی ارادہ یا حرکت ہی نہیں ہے، کیونکہ فرشتے تو انسانی حاجتوں سے فارغ ہیں، تو حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا (کہ کہیں یہ دشمن تو نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے میں دشمن ایک دوسرے کا کھانا نہ کھاتے تھے) فرشتوں نے حضرت ابراہیم کی اس کیفیت کو بھانپتے ہوئے کہا، قرآن میں ہے، فرشتوں نے کہا (اے ابراہیم) خوف نہ کیجئے ہم تو (فرشتے ہیں اور) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[2] تاکہ ان پر عذاب برسائیں۔

اور اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام بھی مہمانوں کے سر کی طرف کھڑی تھیں، جیسا کہ عرب کے ہاں مہمانوں کے ساتھ اس وقت کا یہ رواج تھا، تو حضرت سارہ علیہا السلام نے عذاب کی خبر سنی تو ان پر خوف کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایسی آواز نکلی جس پر فرشتوں نے ان کو دوسری خوشخبری سنائی (تاکہ غم ختم ہوجائے) فرمان خداوندی ہے پھر ہم نے اس (سارہؓ) کو اسحاق کی خوشخبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی[3] اور اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فرشتوں کے ذریعے سے یہ خوشخبری سنوائی، حضرت سارہؓ نے سن کر تعجب کی وجہ سے آواز نکالی فرمان باری ہے، پھر اس کی بیوی آواز کی طرف متوجہ ہوئی پھر اپنے چہرے پر ہاتھ مارا،[4] یعنی جیسے عورتیں تعجب کے وقت آواز نکالتی اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتی ہیں، اس طرح حضرت سارہؓ نے بھی کیا اور کہا فرمان باری ہے: ہائے افسوس کیا میں (اولاد کو اب) جنم دوں گی جبکہ میں بوڑھی ہوچکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہوگئے ہیں؟[5] یعنی میں ایک تو بڑھیا ہوں پھر اس پر اضافہ یہ بھی ہے کہ میں بانجھ ہوں تو مجھے اولاد کیسے ہوگی یہ تو تعجب کی بات ہے اور جبکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہوگئے ہیں پھر اس تعجب کو الفاظ میں بھی ظاہر فرمایا، فرمان باری ہے (اور سارہ نے کہا) یہ تو تعجب خیز معاملہ ہے، فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ جبکہ (اے نبی کے) گھر والو تم پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں (برستی رہتی) ہیں بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے (اس کے لئے کوئی مشکل نہیں)۔[6]

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو بھی تعجب تو ہونا تھا لہذا جس اولاد کی تمنا اور دعائیں تھیں اس کی خوشخبری سنی اور پھر اس پر بے انتہا خوشی ہوئی اور ایسی عمدہ خبر سننے کو دوبارہ دل چاہا تو انہوں نے از راہ تعجب فرشتوں سے کہا، فرمان باری (ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے (اس کی) خوشخبری دیتے ہو؟ جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے پھر کس چیز کی خوشخبری دے رہے ہو؟ (فرشتوں نے) کہا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دی ہے، لہذا آپ

---

[1] سورۃ الذاریات آیت ۲۴ تا ۳۰ [2] سورۂ ہود ۷۰۔ [3] سورۂ ہود ۷۱۔
[4] سابقہ ۲۷۔ [5] ہود ۷۲۔ [6] ہود ۷۲

مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔[1]

اس طرح فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بھی دوبارہ خوشخبری دیتے ہوئے اس کو مزید تاکید اور مضبوط کر دیا اور دونوں کو بچے کے ساتھ خوشی میں سرشار کر دیا، اور یہ بچہ حضرت اسماعیلؑ کے بھائی حضرت اسحاقؑ تھے، اور اس کے بارے میں اللہ عزوجل نے علیم کا لفظ فرمایا کہ ہم نے علم والے بچے کی خوشخبری دی، اور یہ حضرت اسحاق کے بلند مقام اور صبر کے موافق ہے اور اسی طرح ان کی صفت وعدے کے پکے اور صابر ہونا بھی یہاں بتائی گئی، اور دوسری جگہ قرآن میں اس خوشخبری کو دگنا بیان کیا گیا فرمان باری ہے۔

پھر ہم نے اس (سارہؓ) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی[2] اور یہ وہی آیت ہے جس سے محمد ابن کعب قرظیؒ نے خوب استدلال فرمایا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ ؟ کیونکہ اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم جائز نہیں کیونکہ ان سے بعد میں اولاد ہونے کی خوشخبری پہلے ہی سنادی گئی ہے، اس کی تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے۔

اور فرشتوں کی تو خاطر تواضع کے بارے میں اہل کتاب کی غلط سلط باتیں ہیں من جملہ ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھنے ہوئے بچھڑے کے ساتھ مکہ سے منگوائی ہوئی روٹیاں گھی اور دودھ بھی پیش کیا اور فرشتوں نے اس کو کھایا بھی۔

جبکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ انھوں نے کچھ نہیں کھایا لہذا یہ ان کی غلط بات ہے اور ان کی طرف سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے اہل کو معلوم یوں ہوا تھا کہ فرشتے کھانا کھارہے ہیں اور کھانا ہوا میں اڑ رہا تھا (اور ختم ہو رہا تھا)

اور اہل کتاب کے ہاں ہے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا تیری بیوی سارا کو سارا نہ پکارا جانا چاہئے بلکہ اس کا نام سارہ ہے اور میں تجھے اس میں برکت دوں گا اس طرح کہ اس کے ذریعے تجھے بیٹا دوں گا اور اس بیٹے میں بڑی برکتیں رکھوں گا اور بہت سے قبیلے اور ان قبیلوں کے بادشاہ بھی اس سے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم اس خبر کو سن کر سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

کیا سو سال کے بعد میرے ہاں بچہ ہو گا؟ اور اب سارہؓ جنم دے گی جبکہ اس پر بھی نوے سال بیت چکے ہیں؟ اور حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، کاش اسماعیلؑ بھی اس طرح جئیں (تو کیا اچھا ہو یعنی جس طرح حضرت اسحاقؑ کی آگے نسل بڑھنے کی خوشخبری دی گئی تو یہ اسماعیل کے لئے بھی ہو تو بہت اچھا ہو) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہؓ تیرا ایک بچہ جنم دے گی۔

تو آپ اس کا نام اسحاق رکھنا اور وہ آئندہ آنے والے سال میں ان دنوں تک جنم لے لے گا اور اس کیساتھ اور اسکی اولاد کیلئے میرا عہد و پیمان چھوڑ جانا (کہ سب صرف میری ہی عبادت کریں گے)

اور اسماعیلؑ کے لئے بھی میں آپ کی دعا قبول کرتا ہوں اور اس پر برکتوں کی بارش کرتا ہوں اور اس کو اور اس کی اولاد کو بہت بڑھا دوں گا اور اس کی اولاد میں آگے چل کر بارہ عظیم انسان پیدا ہوں گے اور ایک عظیم

---

[1] سورۂ حجر ۵۴۔۵۵ [2] ہود ۷۱

جماعت (امت محمدیہ) ﷺ اس کے لئے کر دوں گا، اور ان بارہ کے بارے میں ہم پہلے تذکرہ کر آئے ہیں (کہ وہ حضور ﷺ کے چاروں خلفاء راشدین اور آگے کے بڑے منصف خلفاء مراد ہیں) واللہ اعلم۔

اور حضرت اسحاق کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے اسحاق کی خوشخبری دی اور اس کے بعد یعقوب کی۔ اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم وسارہ اپنے بیٹے اسحاق سے نفع اٹھائیں گے پھر اسحاق کے ہاں یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ابراہیمؑ وسارہؓ کی زندگی میں تاکہ دونوں اس سے بھی اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں جیسے کہ اپنے بیٹے کے ساتھ آنکھیں ٹھنڈی کریں گے، اور اگر ایسا نہ ہو کہ یعقوب اپنے دادا، دادی کی زندگی میں پیدا نہ ہوں تو پھر تو ان کے علاوہ بھی تمام آگے کی اولاد کے ساتھ بشارت ہوسکتی تھی حضرت یعقوب کی تخصیص کیا رہی، لہذا جب ان کو صراحۃً ذکر فرمایا تو معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب بھی اپنے جدامجد کی زندگیوں میں پیدا ہوں گے۔

ایک اور جگہ فرمان باری ہے۔

اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔[1]

اور دوسری جگہ فرمایا۔

پھر جب ابراہیم ان کافروں اور جس کی وہ خدا کے سوا عبادت کرتے تھے، سب سے جدا ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔[2]

اور یہ بات کہ حضرت یعقوب پوتے اپنے دادا ابراہیمؑ اور دادی سارہؓ کی زندگی میں پیدا ہوئے انشاء اللہ۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیحین میں ہے کہ[3] حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ مین سوال عرض کیا یارسول اللہ پہلی مسجد کون سی بنائی گئی آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں کے درمیان کتنی مدت تھی فرمایا چالیس سال پھر پوچھا کہ پھر کون سی (مسجد بنی)؟ فرمایا جہاں تمہیں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لو تمام مسجدیں (ان کے علاوہ) برابر ہیں (اور مسجد نبوی بھی تیسرے نمبر پر ہے اس کا بھی دوسری کئی حدیثوں میں آیا ہے م)

اور اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کی بنیاد حضرت یعقوبؑ نے رکھی تھی اور یہ وایلیا کی بیت المقدس ہے جس کو اللہ نے شرف ومرتبہ عطا فرمایا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ کے کعبۃ اللہ بنانے کے چالیس سال بعد پوتے نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تو ظاہر یہی ہے کہ یعقوبؑ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تھے)

تو ان دونوں باتوں کی آپس میں مطابقت ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب اسرائیل نے حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کے کعبے کو بنانے کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور یہ دونوں تعمیرات حضرت اسحاقؑ کے وجود کے بعد ہوئی ہیں اور یہ بات قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ جس میں حضرت ابراہیم دعا کرتے ہیں فرمان باری ہے۔

---

[1] الانعام ۸۴۔ [2] مریم ۴۹۔ [3] من حدیث سلیمان بن مهران الاعمش عن ابراهیم بن یزید التیمی عن ابیه عن ابی زر

اور جب ابراہیم نے عرض کیا اے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنا دیجئے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا، اے پروردگار انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک آپ غفور رحیم ہیں، اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو بغیر کھیتی (پانی) کی جگہ میں تیرے محترم گھر کے پاس چھوڑا ہے، پروردگار، تاکہ وہ نماز قائم کریں، لہذا لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دیں کہ وہ ان کی طرف کھنچے آئیں اور ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ اے پروردگار جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں آپ بخوبی جانتے ہیں، اور اللہ سے آسمان اور زمین کی کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا کئے بے شک میرا پروردگار پکار کا سننے والا ہے۔

پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے ہمارے پروردگار (ہماری اس) دعا کو قبول فرمائیے، ہمارے پروردگار، میری اور میری اولاد کی اور تمام مومنین کی حساب قائم ہونے کے روز بخشش فرما دیجئے۔[1]

(تو یہاں حضرت ابراہیم دعا فرما رہے ہیں اور شکر کر رہے ہیں کہ پروردگار نے مجھ بڑھاپے کے باوجود اسماعیل واسحاق عطا فرمائے)

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا جن کا تذکرہ ہم قرآن کی آیت کے تحت کر چکے ہیں۔

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحدمن بعدی۔ سورۂ ص ۳۵

اور اس کا بیان عنقریب انشاء اللہ حضرت سلیمان کے قصے میں بھی آجائے گا۔

تو خیر حدیث میں بناء کا جو ذکر آیا اسکے برعکس (جہاں کہیں حضرت سلیمان کے بیت المقدس تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے بیت المقدس کی نئی تعمیر فرمائی اور پہلے بھی تعمیر تھی، اور پہلے جیسے حدیث میں آیا کہ دونوں مسجدوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے جبکہ اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا جبکہ سوائے حضرت ابن حبانؒ کے اپنی تقسیمات وانواع کو بیان کرنے کے موقع پر، جو بالکل غیر موافق ونامناسب ہے جس کا کوئی قائل نہیں ہے، تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی تعمیر نئی تعمیر تھی۔

---

[1] ابراہیم ۳۵ تا ۴۱

قدیم گھر یعنی بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر خیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شرک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو (پاک) صاف رکھا کرو اور لوگوں کو حج کے لئے اعلان کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے، اونٹوں پر دور (دراز) راستوں سے چلے آئیں۔[1]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) (دنیا میں) پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے، (وہ) بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا، اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو شخص اس گھر تک جانے کی طاقت رکھے وہ اس کا حج کرے، اور جو اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔[2]

ایک اور مقام پر اللہ جل شانہ کا فرمان ہے (ترجمہ) اور جب پروردگار عالم نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے، خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، انھوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا، اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو، اور جب ابراہیم نے دعا کی اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں، ان کے کھانے کے لئے میوے عطا فرما، تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہو گا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا، (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لئے مجبور کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے، اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول فرما، بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا، اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتایئے اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما، بے شک آپ توجہ فرمانے والے مہربان ہیں، اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کرنا جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے، اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے، اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بے شک آپ غالب (اور) صاحب حکمت ہیں۔[3]

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے دوست، موحدین کے امام، انبیاء کے والد ماجد یعنی

---

[1] سورۃ الحج آیت ۲۶۔۲۷۔ [2] سورۃ آل عمران آیت ۹۶۔۹۷ [3] سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۴ تا ۱۲۹

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے اس قدیم گھر کی تعمیر فرمائی جس کو تمام لوگوں کے فائدے کے واسطے سب سے پہلی مسجد و گھر ہونے کا شرف حاصل ہے تاکہ لوگ آئیں اور اس میں اپنے معبود برحق کی پرستش کریں، اور حضرت ابراہیمؑ کو اس گھر کی تعمیر کا حکم اور رہنمائی اور اس کے بنانے میں مدد سب اللہ عزوجل کی طرف سے حاصل ہوئی۔

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بیان کے موقع پر ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو وحی فرمائی تھی۔

کہ کعبۃ اللہ بیت معمور کے عین مقابل اور سامنے ہے (بیت معمور آسمانوں میں فرشتوں کے لئے بیت اللہ و کعبۃ اللہ ہے جس کے ارد گرد ہر آن میں ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور پھر کسی فرشتے کی دوبارہ قیامت تک طواف کی باری نہیں آتی تو اس بیت معمور کے مقابل زمین پر کعبۃ اللہ ہے اس طرح سے کہ م) اگر بیت معمور گرے تو بالکل ٹھیک بیت اللہ پر گرے گا۔

اور اسی طرح ساتوں آسمانوں میں (اسی لائن کے اندر) عبادت خانے یعنی مساجد ہیں جیسا کہ بعض بزرگوں نے بیان فرمایا کہ ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں آسمان والے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بیت معمور آسمانوں میں ایسے ہے جیسے زمین پر کعبۃ اللہ۔

پھر اللہ نے (پہلی بات کے بعد) حضرت ابراہیمؑ کو حکم فرمایا کہ (آسمانوں میں) فرشتوں کے عبادت گھروں جیسا ایک گھر زمین والوں کے لئے زمین میں بناؤ، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی پہلے سے متعین جگہ سمجھا دی جو آسمانوں اور زمین کے پیدائش کے وقت سے متعین تھی جیسے صحیحین میں آیا کہ

بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے دن سے اس گھر کو محترم بنا دیا ہے پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے محترم رہے گا۔

اور حضور ﷺ سے کہیں بھی یہ مروی نہیں ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کے بنانے سے پہلے تعمیر شدہ تھا (یا کبھی تعمیر ہوا تھا) اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بنا ہوا تھا انھوں نے آیت سے یوں استدلال کیا ہے مکان البیت (حج ۲۶) یعنی اس کا مطلب ہے پہلے سے وہاں بیت یعنی عمارت تھی، (اس جگہ حضرت ابراہیم نے دوسری عمارت اٹھائی لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے وہاں بیت یعنی عمارت کی جگہ پہلے سے مقرر تھی اور جگہ بنی ہوئی نہ تھی بلکہ باقی جگہ سے کچھ ابھری ہوئی اور ظاہر تھی) اور آیت میں جو ہے مکان البیت اس سے مراد ہے کہ اللہ کے علم اور ارادے میں وہ جگہ بیت اللہ کے لئے مقرر تھی، اور حضرت آدمؑ سے ابراہیمؑ تک تمام کے نزدیک وہ جگہ مبارک اور عظمت والی مسلم تھی۔ (بعد میں عمارت بننے کے بعد اور مرتبہ و شرف بڑھ گیا)

اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے اس جگہ پر ایک قبہ سا بنایا تھا اور فرشتوں نے ان کو کہا تھا ہم آپ سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں اور کشتی نوح نے بھی تقریبا چالیس دن اس کے گرد طواف کیا تھا، لیکن یہ سب خبریں بنی اسرائیل سے مروی ہیں اور ان کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جائے، نہ تکذیب لہذا ان سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں ہے، ہاں اگر حق بات یعنی قرآن و حدیث ان کی تردید کریں تو وہ

ضرور مردود اور جھوٹی بات ہوں گی۔

تعمیر کعبۃ اللہ کا کچھ تذکرہ :۔

فرمان باری ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (اور وہ جہاں والوں کے لئے بابرکت اور ہدایت ہے، سورۂ آل عمران ۹۶

یعنی عام لوگوں کی ہدایت و برکت کے واسطے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ مکہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ بکۃ سے مراد محل کعبہ ہے۔

آگے فرمایا اس میں کھلی نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے یعنی اس بات پر کہ وہ حضرت ابراہیم کا تعمیر شدہ گھر ہے، اس پر کھلی نشانیاں ہیں ان میں سے مقام ابراہیم بھی ہے، مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی دیواروں کو بلند کیا تھا اور پہلے نیچے کھڑے ہو کر تعمیر فرمارہے تھے جب دیواریں بلند ہونا شروع ہوئیں تو اس کا سہارا لیا تھا اور یہ پتھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے لاکر رکھا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر عمارت کو مزید اٹھائیں، حضرت ابن عباسؓ کی طویل حدیث میں اسی طرح مذکور ہے پھر یہ پتھر اس زمانے سے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت تک کعبے کی دیوار کے ساتھ چپکا رہا پھر حضرت عمر نے اس کو تھوڑا وہاں سے دور کر دیا تاکہ طواف کے وقت رکاوٹ نہ ہو۔

اور ایسے کئی کاموں میں اللہ عزوجل نے حضرت عمرؓ کے فیصلے کی موافقت اور تائید فرمائی ہے ایک یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ہم مقام ابراہیم پر نماز کی جگہ بنالیں (تو اچھا ہو جائے) لیکن حضور ﷺ خاموش رہے پھر اللہ عزوجل نے قرآن میں نازل فرمادیا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، سورۂ بقرہ ۱۲۵ الغرض اس مقام ابراہیم میں پتھر پر اللہ کے دوست حضرت ابراہیمؑ کے نشانات قدم اول اسلام سے اب تک موجود ہیں جناب ابی طالب اپنے قصیدہ لامیہ میں اس کے متعلق کچھ اشعار فرماتے ہیں ایک شعر یہ ہے۔

وموطی ابراھیم فی الصخر رطبۃ   علی قدمیہ حافیا غیر ناعل

اور حضرت ابراہیم کے نشانات قدم پتھر میں تر و تازہ اور ظاہر ہیں اور بغیر جوتے کے ننگے ہیں۔

یعنی خلیل اللہ کے قدم مبارک پتھر میں کچھ گڑ گئے تھے اور وہ بغیر جوتے کے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے : اور ابراہیم واسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانے لگے (تو زبان سے ان کے یہ کلمات جاری تھے) ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرمالے بے شک آپ سننے (اور) جاننے والے ہیں۔[1]

اس سے دونوں بزرگوں کا انتہائی اخلاص اور اللہ عزوجل کی اطاعت و خوشنودی کو طلب کرنا بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جانفشانی کے ساتھ کام میں لگے ہوئے سوال کر رہے ہیں کہ ہماری اس محنت و سعی کو مشکور و مقبول فرمالے، پھر آگے بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں۔

ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے اپنی فرماں بردار جماعت (بنالے) اور

---

[1] سورۂ بقرہ ۱۲۷۔

ہم کو ہمارے عبادت کرنے کے طریقے بتادے اور ہم پر توجہ فرمایے شک آپ توجہ فرمانے والے (اور) مہربان ہیں۔ [1]

الحاصل حضرت ابراہیمؑ نے سب سے عظیم واشرف مسجد بنائی اور زمین کے سب سے اشرف ٹکڑے پر بنائی اور وہ بھی بے آب و گیاہ ویران صحرا میں پھر اپنے اہل کے لئے وہاں برکت کی دعا کی اور دنیاوی رزق حلال کی بھی کہ اللہ ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما، (کیونکہ یہ) زمین پانی درختوں پھلوں اور کھیتوں سے بالکل خالی تھی (تو پھلوں سے رزق عطا فرمانا اے اللہ یہ آپ کی کمال قدرت اور شان خدائی کا مظہر ہوگا جس کی بناء پر وہ تیرا شکر بجالائیں م) اور یہ بھی درخواست کی کہ اس علاقے کو محترم حرم (آنگن) بنادے اور امن وامان کا گہوارہ بنادے۔

پھر اللہ نے اپنے دوست کی درخواست والتجا کو قبول فرمایا، بے شک اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں پکارنے والوں کا فریادرس ہے، جس نے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کو قبول فرمایا اور ان کی طلب کو پورا فرمایا اور قرآن میں بھی اعلان کر دیا۔

کیا لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنادیا جبکہ لوگ اپنے آس پاس سے اڈتے چلے جاتے ہیں، سورۂ عنکبوت۔ ۶۷

اور فرمایا کیا ہم نے ان کو حرم امن کی جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر چیز سے پھلوں (کی وافر مقدار) آتی ہے جو ہماری طرف سے (ان کا) رزق ہے، سورۂ قصص ۵۷ ان دعاؤں کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک بہت بڑی اور پیاری دعا بھی فرمائی کہ اللہ عزوجل ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج دے جو انہی کی زبان کا ہو یعنی فصیح بلیغ عرب سے ہو، تاکہ اس طرح ان پر دین ودنیا دونوں عالم کی نعمتیں پوری ہو جائیں۔

اور اللہ بزرگ وبرتر نے اپنے دوست کی یہ خواہش اور مراد بھی پوری فرمادی اور ایک رسول ان میں یعنی مکہ والوں میں بھیج دیا اور وہ کونسا رسول ہے ؟

وہ جس کے ساتھ اللہ نے انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ ختم فرمادیا، اور اس کو وہ دین، مکمل طور پر عطا فرمادیا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں عطا کیا گیا، اور اس عظیم رسول کی دعوت پوری روئے زمین والوں کے لئے عام کردی خواہ وہ کسی زبان کے ہوں کسی علاقے کے ہوں کسی ہی صفات کے حامل ہوں قیامت تک تمام شہروں علاقوں اور تمام اطراف میں ان کی نبوت رکھ دی گئی، اور یہ اس عظیم پیغمبر کی تمام پیغمبر ورسل کے درمیان خاصیت تھی، کیونکہ اس میں بہت سے شرف واعزاز اکٹھے ہوگئے تھے ان کی ذات کا شرف ومرتبہ ان کے ساتھ بھیجی گئی چیز کی بلندی وکمال یعنی قرآن مقدس، اس کی زبان تمام روئے زمین کی سردار ان کی فصیح وبلیغ زبان (تمام زبانوں کی ماں) اور اس عظیم پیغمبر کی اپنی گناہ گار امت پر انتہائی نرمی وشفقت لطف ورحمت اور ان کے ماں باپ بھی عظیم ان کی جائے پیدائش بھی عظیم۔

اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی تو اللہ نے بھی ان کی اولاد میں اس عظیم رسول یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمادیا اور اس طرح حضرت ابراہیم کا آسمان والے کعبے بیت المعمور کے گرد طواف

---

[1] سابقہ ۱۲۸

کرنے والوں میں بھی بڑا اونچا اور عظیم الشان مرتبہ ہے اور بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کے لئے کعبۃ اللہ ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اس میں عبادت کرتے ہیں اور پھر قیامت تک ان میں سے کسی کی دوبارہ باری نہیں آتی۔

اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کی صفات ہم اپنی تفسیر میں سورۂ بقرہ کے تحت کر چکے ہیں اور اس کے متعلق احادیث و اقوال سلف بھی ذکر کئے ہیں، انہیں دیکھنے کا جس کا ارادہ ہو وہاں رجوع فرمالیں اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور انہی میں حضرت سدیؒ کا قول ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو اپنے گھر کو بنانے کا حکم فرمایا تو ان کو پتہ نہ چلا کہ اس کی جگہ کون سی ہے؟ حتیٰ کہ اللہ نے ہوا بھیجی جس کو خجوج کہا جاتا ہے اس کے دو پر تھے اور سر تھا اور وہ سانپ کی شکل میں تھی اس نے کعبے کی ارد گرد جگہ کو صاف کر دیا اور پہلی بنیادیں ظاہر کر دیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے وہاں کھدائی کی حتیٰ کہ بنیادیں رکھ دیں اور اس وقت اللہ نے فرمایا تھا۔

واذبوانا لابراھیم مکان البیت

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا ٹھکانہ دیا (یعنی وہ جگہ بتائی، حج ۲۶) پھر جب بنیادیں اٹھ چکیں اور رکن بنانے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو فرمایا اے میرے بیٹے کوئی عمدہ حسین پتھر لاؤ جس کو میں یہاں رکھوں حضرت اسماعیلؑ (کام کر کے بہت تھک چکے تھے عرض کیا) میں مشقت کی وجہ سے سست ہو چکا ہوں تو باپ نے فرمایا چلو میں اس کا بندوبست کرتا ہوں پھر حضرت ابراہیمؑ کے پاس حضرت جبرئیلؑ ہند سے حجر اسود لے کر آئے جو اس وقت اسود نہیں تھا بلکہ سفید یاقوت تھا اور انتہائی سخت سفید تھا ثغامہ کی گھاس کی طرح اور حضرت آدمؑ جنت سے لے کر اس کو اترے تھے اور اب یہ لوگوں کی خطاؤں کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہے اتنے میں حضرت اسماعیلؑ دوسرا پتھر لائے تو باپ کے پاس یہ پتھر رکھا پایا پوچھا اے ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟ فرمایا اس کو تجھ سے زیادہ چست شخص لایا ہے تو اس کو تعمیر کرتے ہوئے دونوں حضرات یہ دعا مانگ رہے تھے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم (بقرہ ۱۲۷)

ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت) کو قبول فرمالیجئے بے شک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ کعبۃ اللہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔

(اور وہ یہ ہیں حراطور، زیتا، جبل، لبنان، طور سینا۔ م)

آگے فرمایا کہ اس وقت ذوالقرنین زمین کے بادشاہ تھے وہ ان کے پاس سے گزرے اور یہ تعمیر میں مصروف تھے پوچھا کس نے تم کو اس کا حکم کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے پوچھا تمہاری بات کی مجھے تصدیق کون کرے گا؟ تو پانچ مینڈھوں نے گواہی دی کہ اللہ نے ہی ان کو اس کا حکم فرمایا ہے، تو ذوالقرنین ایمان لے آئے اور تصدیق کر دی۔

اور ازرقیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف

بھی کیا اور پھر عرصہ دراز تک بیت اللہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر پر برقرار رہا پھر قریش نے اس کی نئی تعمیر کی لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں سے جانب شمال جو شام کی طرف ہے، کم کر دیا۔

صحیحین میں[1] حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ کو) فرمایا کیا تو نہیں دیکھتی کہ تیری قوم نے جب کعبہ کو بنایا تو ابراہیمؑ کی بنیادوں سے اسے گھٹادیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ، ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کو کیوں نہیں لوٹادیتے؟ فرمایا اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو کر دیتا، اور ایک روایت میں اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی، یا فرمایا کفر کے قریب نہ ہوتی تو میں کعبۃ اللہ کے خزانے کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالتا اور اس کا دروازہ زمین کے برابر کر دیتا اور حجر اس میں داخل کر دیتا۔

بعد میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے زمانہ میں اسی طریقے پر کعبہ کو بنایا تھا جیسا حضور ﷺ کی خواہش تھی جس کی خبر ان کو ان کی خالہ حضرت عائشہؓ نے دی تھی، پھر جب حجاج نے تہتر ہجری میں ان کو شہید کر ڈالا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کو یہ لکھا تو انھوں نے خیال کیا کہ یہ تعمیر اس طرح سے ابن الزبیر نے اپنی طرف سے کی ہے لہذا اس کو واپس اپنی پہلی حالت پر لوٹانے کا حکم کر دیا تو پھر دوبارہ شامی دیوار کو توڑ دیا اور پتھر اس سے نکال دیا گیا اور دیوار بند کر دی اور کعبہ کے اندر پتھر بھر دیئے اور باب شرقی بلند کر دیا اور غربی بالکل بند کر دیا جیسے کہ آج تک اسی طرح نظر آتا ہے۔

پھر جب حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے بارے میں عبدالملک بن مروان والوں کو اطلاع ملی کہ ان کو یہ حضرت عائشہؓ نے بتایا تھا اور حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق یہ کام تھا تو یہ لوگ بھی اپنے کیئے پر سخت نادم ہوئے اور افسوس کیا کہ کاش اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیتے تو بہتر ہوتا۔

پھر جب مہدی بن منصور کا زمانہ خلافت آیا تو انھوں نے حضرت امام مالک بن انسؒ سے مشورہ کیا کہ کعبۃ اللہ کو حضرت عبداللہ ابن الزبیر کی تعمیر کردہ صورت پر لوٹادیا جائے تو کیسا ہے؟ حضرت امام مالک بن انس نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ ملوک (خلفاء) اس کو کھیل بنالیں گے یعنی جب کوئی بادشاہ آئے گا تو اپنے خیال کے مطابق اس کو بنائے گا، لہذا امام نے اس کو اسی حالت پر برقرار رہنے دیا جس پر آج تک ہے (اور اب پندرھویں صدی ہجری تک بھی اسی صفت پر ہے)

---

[1] من حديث مالك عن ابن شهاب، عن سالم، ان عبدالله بن محمد بن ابى بكر اخبر عن ابن عمر عن عائشه ...... الخ

اللہ عزوجل کا اپنے بندے اور رسول اور دوست کی تعریف فرمانا

فرمان باری تعالیٰ ہے : اور جب ابراہیمؑ کو اسکے پروردگار نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو ابراہیم نے ان کو پورا کردیا (پروردگار نے) فرمایا : میں تجھ کو لوگوں کے لئے پیشوابنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام نے) عرض کیا : اور میری اولاد سے ؟ فرمایا میرا وعدہ ظالمین کو نہیں شامل ہو سکتا۔[1]

جب حضرت ابراہیم نے اپنے پروردگار کے امتحانوں اور احکام کو احسن طریقہ سے پورا فرمادیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایسا مقتدا و پیشوابنادیا جس کی اقتداء کی جائے اور اس کی ہدایت کی فرماں برداری کی جائے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ یہ منصب امامت واقتداء اس کی اولاد میں باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور منصب امامت پر ان کو اور ان کی آنے والی ہستیوں کو فائز فرمادیا مگر اس نعمت عظمیٰ سے ظالم لوگوں کو علیحدہ کردیا اور صرف ان کی عالم باعمل قسم کی اولاد کو اس شرف و مرتبت کے لئے چن لیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کردیئے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو باقی رکھا اور اس کو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا، اور بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہوگا[2] دوسری جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد سے داوٗد سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، اور ہارون کو (ہدایت دی) اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس ہر ایک صالحین میں سے تھے، اور اسماعیل یسع، یونس اور لوط اور ہم نے ہر ایک کو جہاں والوں پر فضیلت دی، اور ان کے باپوں اور اولاد اور بھائیوں سے اور ان کو ہم نے قبول کیا اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔[3]

اور نوح کے بعد جو پیغمبر آیا سب اس کی اولاد سے آئے...... اور آگے اکثر انبیاء کو ذکر فرمایا ہے تو اس کی اولاد میں اس سے کون مراد ہے ؟

اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور قول مشہور یہی ہے اور لوط اگرچہ آپ کی اولاد میں سے نہیں لیکن بھتیجے تو ہیں اس لئے ان کے ساتھ (تغلیباً) ان کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں شمار کردیا گیا اور جو اس ضمیر کو حضرت نوح کی طرف لوٹاتے ہیں ان کی دلیل یہی ہے کہ حضرت لوط کا بھی اولاد میں ذکر ہے، جس کا جواب ہم نے دیدیا، واللہ اعلم

اور ایک جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں فرمایا :-

---

[1] سورہ بقرہ ۱۲۴۔ [2] العنکبوت ۲۷۔ [3] الانعام ۸۴ تا ۸۷

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (رسول بنا کر) بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ [1]

لہذا جو بھی آسمانی کتب نازل کی گئی اور کسی بھی پیغمبر پر، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور آپ کی اولاد میں سے ہی کسی پیغمبر پر نازل ہوئی، اور یہ ایسی نعمت عظمیٰ کا خلعت اللہ نے ان کو دیا ہے جس کے آگے تمام نعمتیں ہیچ ہیں اور ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے جس کا مقابلہ ممکن نہیں، اور یہ یوں ہوا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت سے دو عظیم صالح لڑکے عطا فرمائے، اسماعیلؑ ہاجرہ سے پھر اسحاق سارہ سے اور آگے اسحاق علیہ السلام سے یعقوبؑ پیدا ہوئے اور انہی کا لقب اسرائیل ہے اور انہی میں سے انبیاء کے اکثر تمام گروہ ہیں۔

ان میں نبوت بھی چلی اور بہت چلی، حتیٰ کہ ان کے انبیاء کی صحیح تعداد کوئی نہیں جانتا سوائے اس ذات کے جس نے ان انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کو رسالت و نبوت کے ساتھ خصوصیت مرحمت فرمائی یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

اور دوسری طرف حضرت اسماعیل ہیں ان کی اولاد میں عرب کی مختلف جماعتیں ہی پیدا ہوئیں جن کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا اور ان میں سے کوئی نبی نہیں ہوا سوائے ایک نبی کے جنھوں نے آکر تمام انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا اور وہ آدم کی تمام اولاد کے سردار بنے اور دنیا و آخرت میں بنی آدم کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوئے۔

یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی

حضور ﷺ پہلے مکی ہیں پھر مدنی، صلوات اللہ وسلامہ علیہ

تو حضرت اسماعیل کی پشت میں پوری شاخ کے اندر سوائے اس عظیم خزانے اور قیمتی موتی اور بیش قیمت ہار کے اور کوئی نہیں آیا، اور یہ ہی تمام گروہوں، جماعتوں کے سردار ہیں جن پر قیامت کے روز اولین و آخرین سب کے سب رشک کرتے ہوں گے حضور ﷺ سے صحیح مسلم میں مروی ہے آپ نے فرمایا۔

میں (قیامت کے روز) ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا جس کی طرف تمام مخلوق رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔

پھر حضور ﷺ نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور وہ بھی دونوں جہاں میں، اس عالم فانی میں بھی اور جس دن خداوند عالم کی تجلی ظاہر ہوگی اس دن بھی۔

[2] بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے جگر گوشوں یعنی حضرت حسنؓ و حسینؓ کو ایک تعوذ سکھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے والد (ابراہیمؑ بھی) ان کے ساتھ اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کو تعوذ بتلاتے تھے وہ یہ ہے

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ، من کل شیطان وھامۃ، ومن کل عین لامۃ

میں اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر شیطان اور وسوسے ڈالنے والے سے اور ہر بد نگاہ سے

---

[1] سورہ حدید ۲۶ [2] وقال البخاری: حدثنا عثمان بن ابی شیبہ، حدثنا جریر، عن منصور، عن المنهال، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اہل السنن نے اس کو منصور کی حدیث سے روایت فرمایا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور جب ابراہیمؑ نے (خدا سے) کہا اے پروردگار مجھے دکھائیں کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے؟ فرمایا! کیا تو (اس بات پر) یقین نہیں رکھتا؟ عرض کیا کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرے (خدا نے) فرمایا چار پرندے اپنے پاس لے لو (پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے، اور جان رکھو کہ خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ سوال بارگاہ الٰہی میں کیوں پیش کیا مفسرین کی طرف سے اس کے کئی اسباب ذکر کیے گئے ہیں جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور مکمل کلام کے ساتھ ان کو ثابت واضح کر دیا ہے اور حاصل یہ ہے کہ اللہ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا اور چار پرندے لینے کا حکم فرمایا وہ پرندے کون کون سے ہیں ان کے بارے میں تعیین میں اختلاف ہے کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں، اور ہر صورت میں مقصود سب سے حاصل ہو جاتا ہے پھر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اور ان کے پروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم فرمایا پھر بلانے کا فرمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کو بلایا تو ہر پرندے کا عضوء اس پرندے کے ساتھ آکر مل گیا حتی کہ ہر پر اپنے دوسرے پر کے ساتھ مل کر اپنے پرندے کے ساتھ جڑ گیا الغرض سب پرندوں کا جسم بالکل پہلی حالت پر آگیا، اور حضرت ابراہیمؑ اس دوران خدا کی قدرت کا مشاہدہ فرماتے رہے جس قدرت کا مطلب ہے کہ اللہ جس چیز کو کن یعنی ہو جا فرما دیتے ہیں وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اور غور کا مقام ہے کہ وہ پرندے سب کے سب دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کی طرف آئے نہ کہ اڑ اڑ کر تاکہ حضرت ابراہیم ان کی حالت کو اچھی طرح ملاحظہ و مشاہدہ کر لیں، اور ہاں حضرت ابراہیمؑ کو حکم ملا تھا کہ صرف ان کے سر اپنے پاس ہاتھ میں محفوظ رکھیں جس سے ہر پرندے کا جسم بغیر سر کے حضرت ابراہیم کے پاس پہنچا پھر حضرت ابراہیمؑ اس پرندے کا سر اس پر ڈالتے تو وہ سر اس کے ساتھ بالکل پہلی طرح مل جاتا، بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یہ سب کچھ کرنے والا ہے اور بے شک حضرت ابراہیمؑ اللہ کی قدرت کو مردوں کے زندہ کرنے پر خوب یقین کے ساتھ جانتے تھے جس میں کوئی شک نہ تھا لیکن انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کو پسند فرمایا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کریں لہٰذا اللہ نے ان کو قبول فرمایا اور ان کی خواہش پوری فرما دی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ توراۃ و انجیل ان کے بعد اتری ہیں (اور وہ پہلے گزر چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے، دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی، مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، اور ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک ہی (خدا) کے پیروکار تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، ابراہیم علیہ

السلام سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزمان) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور خدا مومنوں کا کارساز ہے۔[1]

اور اللہ جل شانہ نے یہود و نصاریٰ کے ہر ایک دعویٰ کو رد فرمایا، ان کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ ان کے دین پر نہ تھے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ان سے بری کر دیا اور ان کی کثرت جہالت اور کم عقلی کو اس طرح بیان فرمایا (ترجمہ) کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ اور انجیل کو حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل فرمایا۔[2] تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تمہارے دین پر ہوں، اور تمہیں تو تمہاری شریعت حضرت ابراہیمؑ کے کافی مدت کے بعد دی گئی (اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ افلا تعقلون کیا تم عقل نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرمادیا (ترجمہ) اور ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے پیرو کار تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔[3] (اس کے باوجود یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے یہ تو پرلے درجے کی بے وقوفی ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمایا کہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اللہ کے دین حنیف پر تھے، دین حنیف کہتے ہیں جس سے مقصود اخلاص ہو اور جان بوجھ کر باطل سے حق کی طرف انحراف کیا جائے اور یہ (دین حنیف) یہودی، عیسائی، اور مشرکین کے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔

اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا (ترجمہ) اور ابراہیمؑ کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان (بے وقوف) ہو، ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرہ) صلحاء میں ہوں گے، جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں، اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی (ہونے کی حالت میں) مرنا، بھلا جس وقت یعقوبؑ وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو وہ عمل کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیمؑ (اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک ہی خدا کے ماننے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی جانب سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں،

---

[1] سورہ آل عمران آیت ۶۵-۶۸۔ [2] سورہ آل عمران آیت ۶۵۔ [3] سورہ آل عمران آیت ۶۷

تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں خدا کافی ہے اور وہ سننے (والا) اور جاننے والا ہے (کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (ان سے) کہو کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ دے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور ہم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں، (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے (اے محمد ﷺ ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے یہ جماعت گزر چکی، انکو وہ (ملے گا) جو انھوں نے کیا، اور تم کو وہ جو تم نے کیا، اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔[۱]

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو یہودیت اور نصرانیت دونوں سے منزہ و مبرا اور بالکل جدا قرار دیدیا اور صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ وہ یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے اسی وجہ سے فرمایا۔

بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ ابراہیم کے قریب وہ ہیں جو اس کی اتباع کریں۔[۲] یعنی وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کی ملت مستقیم کو تھامے ہوئے ہیں خواہ ان کے زمانے میں ہوں یا ان کے بعد ایسے لوگ حضرت ابراہیم کے ساتھ ہیں اور ان میں خاص طور پر قابل ذکر جس کے بارے میں خود قرآن نے گذشتہ آیت کے ساتھ فرمایا وھذا لنبی یعنی محمد ﷺ کے لئے بھی اللہ نے وہی دین مشروع و مقرر فرمایا جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم کے لئے فرمایا تھا بلکہ اللہ نے حضور ﷺ کے ہاتھوں پر اس کو مزید اضافے اور زیادتی کے ساتھ مکمل فرمادیا اور حضور ﷺ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اور کسی نبی یا رسول کو نہیں دیا گیا جیسے اللہ نے فرمایا:

کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار نے مجھے سیدھا راستہ دکھادیا ہے یعنی دین حق، موحد ابراہیم کا مذہب ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کیلئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔[۳]

اور ایک جگہ فرمایا بے شک ابراہیم پیشوا اور خدا کے فرماں بردار تھے اور ایک طرف تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ بنایا تھا اور سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔[۴]

صحیح بخاری[۵] شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے بیت

---

[۱] سورۃ بقرۃ آیت [۲] آل عمران ۶۸۔ [۳] انعام ۱۶۱ تا ۱۶۳۔ [۴] نحل ۱۲۰ تا ۱۲۳

[۵] وقال البخاری حدثنا ابراهیم بن موسیٰ، حدثنا هشام، عن معمر، عن ایوب، عن عکرمه عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم ...... الخ

اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے حتیٰ کہ تصویروں کے مٹانے کا حکم فرمایا پھر وہ مٹادی گئیں اور حضور ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین نے کعبۃ اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیلؑ کے ہاتھوں میں تقسیم کے تیر (دے کر تصویریں بنارکھی) ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ ان پر لعنت کرے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے کبھی تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔

(حدیث میں استقسام بالاز لام کے الفاظ ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جب کوئی جانور ذبح کرتے تو کئی حصے دار ہو جاتے پھر کئی تیر پہلے سے وہ کعبۃ اللہ میں رکھتے تھے ہر ایک کا جدا جدا نام تھا اور کسی تیر پر زیادہ حصے تھے کس پر کم حصے تھے اور کسی پر کچھ حصہ نہ ہوتا تھا، مشرکین ان تیروں کو لے کر ایک تھیلے میں ڈال لیتے تھے پھر حصہ داروں میں سے ہر ایک کے نام پر ایک ایک تیر نکالتے تھے جس کے نام کے ساتھ زیادہ حصوں والا تیر نکلتا وہ بہت سعادت مند سمجھا جاتا حتیٰ کہ جس کے نام پر ایسا تیر نکلتا جس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تو وہ شخص منحوس سمجھا جاتا اور پھر اس کو دوسرے ساتھی لعن طعن کرتے تھے اور اس بدعت و شرک کی مشرکین کے ہاں بڑی وقعت تھی، اس لئے انھوں نے کعبۃ اللہ میں بھی نعوذ باللہ ابراہیم واسماعیل کی تصویروں میں یہ تیر پکڑا رکھے تھے تو اس کے بارے میں حضور ﷺ نے درج بالا کلمات فرما کر ان کی تردید کردی۔ م)[1]

اور بخاری کے بعض الفاظ یوں ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا۔

اللہ ان پر لعنت کرے، وہ اچھی طرح جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم و اسماعیلؑ) نے کبھی تیروں کے ساتھ یہ تقسیم نہیں کی۔

خیر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق توصیفی کلمات فرمائے کہ

ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یك من المشرکین شاکرا لانعمه اجتبٰه

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق امت کا لفظ فرمایا جس سے مراد ہے پیشوا و امام، ہدایت یافتہ بھلائی و خیر کا داعی، جس کے نقش قدم پر چلا جائے قانتا للہ یعنی اپنے تمام حالات حرکات و سکنات میں اللہ عزوجل کے آگے عاجزی و انکساری کرنے والا حنیفا یعنی حکمت و بصیرت پر مخلص، ولم یك من المشرکین شاکرا لا نعمہ۔[2] یعنی اپنے تمام اعضاء و جوارح دل و زبان اور اعمال کے ساتھ اپنے پروردگار کے شکر میں مستغرق و قائم اجتبہ یعنی اللہ عزوجل نے ان کو اپنی ذات اور اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔

اور ان کو اپنا دوست بنالیا ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں رکھ دی ہیں۔

ایک دوسری جگہ اللہ عزوجل اپنے دوست کی تعریف دوستی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا

ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم حنیفا واتخذ الله ابراهیم خلیلا[3]

اور دین کے اعتبار سے اس شخص سے کون اچھا ہوگا جس نے اللہ کے لئے اپنے چہرے (یعنی پوری ذات) کو تابع کردیا اور وہ احسان کرنے والا ہے اور اس نے یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی اتباع کی، اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں

---

[1] ولم یخرجہ مسلم۔ [2] سورہ نحل ۱۲۰۔۱۲۱ [3] سورۃ النساء ۱۲۵۔

کیونکہ وہ دین مضبوط اور صراط مستقیم پر گامزن تھے اور اپنے پروردگار کے تمام احکام پر کاربند تھے خود اللہ نے تائید و تصدیق فرمائی، فرمایا: وابراھیم الذی وفی [1]۔ اور ابراہیم نے (اپنے پروردگار کے احکام کو پورا) پورا ادا کیا۔

پچھلی آیت میں اللہ نے خود ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا ہے اور خلیل کا لفظ استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں انتہائی گہری محبت، جیسے کسی کہنے والے نے کہا۔

قدتخللت مسلک الروح منی ۔۔۔ وبذا سمی الخلیل خلیلاً

(اے محبوب) تو میری روح کے راستے (میں گہرائی کے اندر) داخل ہو چکا ہے اور اسی وجہ خلیل (ابراہیمؑ) کا نام خلیل رکھا گیا۔

اسی طرح رفاقت و محبت اور دوستی کا یہ مرتبہ کہیں بڑھ کر خاتم الانبیاء، سید الرسل محمد ﷺ نے بھی اللہ کے ہاں پایا چنانچہ صحیحین وغیرہ میں جندب البجلی اور عبداللہ بن عمرو اور ابن مسعود رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا

بے شک اللہ نے مجھ کو دوست بنالیا ہے۔

اور ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں اللہ کے دوست حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو: اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

لیکن (تمہیں مبارک ہو کہ میں) تمہارا ساتھی اللہ کا دوست ہوں۔

شیخین نے ابی سعد کی حدیث سے اس کو تخریج فرمایا ہے۔

[2] اور حضرت ابن الزبیرؓ، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ کی حدیث سے مروی ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری میں تخریج فرمایا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو اہل یمن کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں یہ قرات کی واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا

تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا بے شک ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں ہیں۔

[3] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھی بیٹھے تھے اور آپ کا انتظار کر رہے تھے، تو حضور ﷺ تشریف لائے، جب قریب پہنچے تو اپنے اصحاب کو آپس میں باتیں کرتے سنا ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے اپنا دوست منتخب فرمایا اور وہ حضرت ابراہیم اللہ کے دوست ہیں، دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب انگیز کیا بات ہوگی کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (بلاواسطہ) کلام کیا، ایک اور نے کہا عیسیٰؑ اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں، ایک نے کہا اللہ نے آدمؑ کو چنا ہے اور منتخب فرمایا ہے۔

---

[1] سورۂ نجم ۳۷۔ [2] وثبت ایضا من حدیث عبداللہ بن الزبیر وابن عباس وا بن مسعود و روی البخاری فی صحیحہ حدثنا سلیمان بن حرب، حدثنا شعبة، عن حبیب بن ابی ثابت، عن سعید بن جبیر، عن عمرو بن میمون قال ان معاذا [3] وقال ابن مردویہ حدثنا عبدالرحیم بن محمد بن مسلم حدثنا اسماعیل بن احمد بن اسید حدثنا ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی بمکة، حدثنا عبداللہ التحفی، حدثنا زمعتہ بن صالح عن سلمتہ بن وهرام عن عکرمہ عن ابن عباس قال الخ

یہ سن کر حضور ﷺ بھی ان کے پاس پہنچے اور فرمایا میں نے تمہاری آپس کی گفتگو سن لی ہے کہ تمہیں تعجب ہے کہ ابراہیم اللہ کے دوست ہو گئے اور حقیقت یہی ہے، اور موسیٰ اللہ سے سرگوشی کرنے والے ہیں اور یہ حقیقت ہے اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں اور یہ حقیقت ہے، اور آدم کو اللہ نے چنا ہے اور یہ حقیقت ہے۔

اور تم آگاہ رہو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور (مجھے) اس پر کوئی فخر نہیں، اور آگاہ رہو میں سب سے پہلے سفارش کروں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہو گی اور (مجھے اس پر بھی) کوئی فخر نہیں، اور میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کے دروازے کے حلقے کو حرکت دے گا جس سے اللہ دروازہ کھول دے گا پھر اللہ عزوجل مجھے داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ پہلے مومن فقراء ہوں گے اور قیامت کے روز میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن دوسری حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی دوسرے شواہد ہیں، واللہ اعلم۔

(حضور ﷺ نے اپنے لئے حبیب کا درجہ فرمایا اور جنت میں سب سے بڑا درجہ یہی محبت کا ہو گا، حبیب کا رتبہ دیکھیں کس قدر بلند ہے کہ ابراہیم دوست تو خود دعا کرتے ہیں والذی اطمع ان یغفرلی (حضرت ابراہیم فرماتے ہیں اللہ) وہ ہے جس سے میں اپنی مغفرت کی طلب رکھتا ہوں، اور محبوب محمد ﷺ کے بارے میں خود اللہ نے فرمایا کہ

لیغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وماتأخر

تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلوں گناہوں کی بخشش کر دے۔

(اور ویسے بھی دوست سے بڑھ کر محبوب ہوتا ہے دنیا کا عام مشاہدہ ہے۔ م)

اور امام حاکم اپنی مستدرک میں قتادہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

کیا تم اللہ سے ابراہیم کی دوستی کا انکار کرتے ہو؟ کیا موسیٰ سے راز و نیاز کا انکار کرتے ہو اور کیا محمد ﷺ سے زیارت خداوندی کا انکار کرتے ہو؟ صلوات اللہ والسلام علیہم اجمعین اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں[1]

کہ اسحاق بن یسار نے کہا جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا تو ان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا، حتیٰ کہ ان کے دل کی دھڑکنیں دور سے ایسے سنائی دیتی تھیں جیسے فضا میں پرندوں کے پھڑکنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم لوگوں کی مہمان نوازی بہت فرماتے تھے، ایک دن اسی غرض سے کسی کی تلاش میں نکلے لیکن کوئی ایسا نہ ملا جس کی مہمان نوازی کریں تو واپس گھر لوٹے وہاں ایک اجنبی آدمی کو کھڑا پایا، آپ نے پوچھا اے اللہ کے بندے میری اجازت کے بغیر کیسے میرے گھر میں داخل ہوئے؟ اس شخص نے جواب دیا میں اس گھر کے مالک (یعنی پروردگار) کی اجازت سے داخل ہوا ہوں آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے

[1] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا محمود بن خالد السلمی، حدثنا الولید، عن اسحاق بن یسار

پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کو خوشخبری دوں کہ اللہ نے اس کو اپنا دوست منتخب کر لیا ہے حضرت ابراہیمؑ نے (بڑی بے چینی اور محبت و شوق کے عالم میں فوراً) پوچھا وہ کون ہے؟ اللہ کی قسم اگر تو مجھے اس کا پتہ بتادے تو خواہ وہ دنیا کے آخری کنارے میں ہو، میں اس کے پاس پہنچوں گا پھر ہمیشہ کے لئے اس کا پڑوسی بن کر رہوں گا حتیٰ کہ موت آکر ہمارے درمیاں فراق و جدائی کر دے۔ اس نے کہا وہ بندے آپ ہی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (انتہائی تعجب سے) پوچھا میں؟ عرض کیا جی ہاں پوچھا وہ کس وجہ سے میرے پروردگار نے مجھ کو اپنا دوست بنایا، عرض کیا اس لئے کہ آپ لوگوں کو عطائیں کرتے ہیں اور کچھ پوچھتے نہیں ہیں، لئن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

الغرض اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کا تذکرہ قرآن میں جابجا فرمایا ہے، کہا گیا ہے کہ ایسی جگہیں ۳۵ ہیں، ان میں سے پندرہ تو صرف سورہ بقرہ میں ہیں اور اس کے علاوہ یہ پانچ اولوالعزم پیغمبران میں سے ایک ہیں جن کو تمام انبیاء میں سے بطور خاص فضیلت عطا فرمائی گئی ہے اور ان کا نام بھی علیحدہ سے واضح طور پر اللہ نے اپنے کلام مقدس میں سورۂ احزاب اور شوریٰ کے اندر ذکر فرمایا ہے سورۂ احزاب میں یوں فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا (آیت ۷)

اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا (ترجمہ) (اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین شروع کیا جس کی وصیت ہم نے نوح کو کی تھی اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا، اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی کہ دین کو (مضبوطی سے) قائم کرو اور اس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، (آیت ۱۳)

پھر بہت اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور اکرم ﷺ کے بعد تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔

(انھوں نے دنیا میں اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمایا تو اللہ نے بھی اسی کی مناسبت سے ان کو ابھی آسمانوں میں ایسا مقام عطا فرما رکھا ہے م) کہ جب حضور اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا کہ وہ ساتویں آسمان پر فرشتوں کے بیت اللہ یعنی بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے استراحت فرما ہیں (سبحان اللہ) وہ بیت معمور جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (اور اس کا طواف کرتے ہیں) لیکن پھر کبھی قیامت تک کسی فرشتے کی دوبارہ طواف کرنے کی باری نہیں آتی۔

شریک بن نمیر کی حضرت انسؓ سے مروی معراج کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔

ان کی اس بات پر بہت جرح کی گئی ہے یعنی بات کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتی اور پہلی بات بالکل صحیح ہے۔

[1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں۔

امام احمد اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

---

[1] وقال احمد، حدثنا محمد بن بشر، ثنا محمد بن عمرو، حدثنا ابو سلمة، عن ابی هريرة قال

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ابراہیم کی افضلیت پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لئے چھوڑ دی ہے جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم بھی۔

اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں روز قیامت کو اولاد آدم کا سردار ہوؤں گا اور کوئی فخر نہیں ہے (پھر حضور ﷺ نے لوگوں کے حضرت آدم سے سفارش کرنے کو ذکر فرمایا، پھر نوح سے پھر ابراہیم سے پھر موسیٰ سے پھر عیسیٰ سے، یہاں تک کہ تمام انکار کر دیں گے اور آخر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور جیسے ہی سفارش کی درخواست کریں گے حضور فرمائیں گے ہاں میں کروں گا...... الخ اور امام بخاری فرماتے ہیں[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ متقی ہے لوگوں نے عرض کیا ہم اس بارے میں سوال نہیں کر رہے تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے پیغمبر یوسف ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں لوگوں نے پھر عرض کیا ہم ان کے متعلق بھی سوال نہیں کر رہے آپ نے پوچھا تو کیا عرب کے قبیلوں کے بارے میں تم سوال کر رہے ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا ان میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے (یعنی آگے آگے تھے) وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں (لیکن) جب وہ سمجھ دار ہو جائیں گے[2] اور مسند احمد کتاب میں[3] حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کچھ فرق کے ساتھ یوں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں، امام احمد اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

[4] اور بخاری کی کتاب میں بھی اس طرح مگر دوسری سند کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔[5]

[6] بہر حال وہ حدیث جس کو امام احمد نے روایت فرمایا اس کا جواب حدیث کے بعد ذکر کرتے ہیں حدیث میں

---

[1] حدثنا علی بن عبداللہ، حدثنا یحییٰ بن سعید، حدثنا عبید اللہ، حدثنی سعید عن ابیہ عن ابی ہریرۃ...... الخ

[2] وھکذا رواہ البخاری فی مواضع اخر و مسلم والنسائی من طرق، عن یحیی بن سعید القطان عن عبید اللہ، وھو ابن عمر، العمری بہ، ثم قال البخاری قال ابو اسامہ و معتمر عن عبید اللہ، عن سعید، عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ، قلت و قد اسندہ فی موضع آخر من حدیثھما وحدیث عبدۃ بن سلیمان، والنسائی من حدیث محمد بن بشر اربعتھم عن عبید اللہ بن عمر، عن سعید، عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ولم یذکروا اباہ

[3] وقال احمد حدثنا محمد بن بشر، حدثنا محمد بن عمرو، حدثنا ابو سلمۃ عن ابی ہریرۃ...... الخ

[4] حدثنا عبدۃ حدثنا عبدالصمد بن عبدالرحمن، عن ابیہ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم...... الخ.

[5] تفرد بہ من طریق عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار، عن ابیہ عن ابن عمر بہ

[6] فاما الحدیث الذی رواہ الامام احمد حدثنا یحیی، عن سفیان، حدثنی مغیرۃ بن النعمان، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس...... الخ

ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ قیامت کے دن ننگے بدن اٹھائے جائیں گے بس سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

کمابدأنا اول خلق نعیدہ (الانبیاء ۱۰۴)

جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدائش کی اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے۔

شیخین نے اس کو صحیحین میں تخریج فرمایا ہے[1] اس حدیث سے ظاہراً حضرت ابراہیم کے حضور ﷺ پر افضل ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن صرف ایک معین فضیلت اس بات کے لئے کافی نہیں جبکہ پہلے حضور ﷺ کے افضل ہونے کے متعلق کتنے خصائص ذکر کئے جاچکے ہیں جن میں سے ایک مقام محمود بھی ہے جس پر قیامت کے روز اولین وآخرین سب رشک کریں گے۔

اسی طرح مسند احمد میں ایک دوسری حدیث میں۔[2] حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے کسی شخص نے عرض کیا، مخلوق میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم ہیں، اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔[3] اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے والد ماجد یعنی جد امجد کا خیال و پاس فرماتے ہوئے بطور تواضع اور انکسار کے یہ فرمایا تھا، اسی طرح حضور ﷺ نے ایک مقام پر یہ فرمایا مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو، اور ایک مرتبہ فرمایا مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن لوگوں پر (خوف سے) بے ہوشی طاری ہوجائے گی، اور میں سب سے پہلے ہوش وحواس میں آؤں گا، تو موسیٰ کو دیکھوں گا وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش وحواس میں آئے ہیں یا طور پر بے ہوشی کے بدلے ان کو اس بے ہوشی سے نجات مل گئی ہے۔

تو اس طرح کی تمام باتیں حضور صلوات اللہ وسلام علیہ کے تمام سے افضل اور سردار ہونے کے مخالف نہیں ہیں اور آپ ﷺ بے شک قیامت کے دن تمام اولاد آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابی بن کعب کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ...... جس دن تمام مخلوق میری طرف (یعنی میرے مرتبہ و مقام پر) رشک کرے گی حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ بھی۔

الغرض حاصل یہ نکلا کہ خدائے عزوجل کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضور اکرم محمد ﷺ کا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ، اسی وجہ سے نماز پڑھنے والے کو تشہد (التحیات کی حالت) میں حکم ملا جو صحیحین کی حدیث میں ثابت ہے حضرت کعب بن عجرہ وغیرہ صحابہ کہتے ہیں ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم نے جان لیا لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہو:

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد

---

[1] من حديث سفيان الثورى و شعبة بن الحجاج، كلاهما عن مغيرة بن النعمان النخعي الكوفي، عن سعيد بن جبير عن ابن عباس [2] قال الامام احمد حدثنا وكيع و ابو نعيم، حدثنا سفيان، هو الثورى، عن مختار بن فلفل عن انس بن مالك قال .... [3] رواه مسلم من حديث الثورى و عبدالله بن ادريس، وعلى بن مسهر، ومحمد بن فضيل اربعتهم عن المختار بن فلفل، وقال الترمذى حسن صحيح

اللھم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراھیم و على آل ابراھیم انك حمید مجید

تو یہاں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ پر بھی درود بھیجا گیا، یہ حضرت ابراہیم کی ارفع و اعلیٰ شان کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام انبیاء کو چھوڑ کر حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کا نام نامی ذکر کیا گیا۔

اسی طرح اللہ نے ان کی تعریف میں فرمایاو ابراھیم اللذی وفی اور ابراہیم نے (اپنے رب کے احکام کو پورا) پورا ادا کر دیا، اس کی تفسیر میں علمائے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو حکم ملے، انھوں نے سب حسن و خوبی سر انجام دیدیئے، اور ایمان کے تمام شعبے اور خصلتوں پر پوری طرح کاربند رہے۔

اور عظیم الشان اور بڑے بڑے اہم کام سر انجام دینے میں وہ چھوٹے چھوٹے احکام اور ذرا ذرا سی باتوں کے آداب سے بھی غافل نہیں رہتے تھے، اور بڑی مصلحتیں ان کو چھوٹی باتیں نہیں بھلاتی تھیں۔

[1] حضرت ابن عباس اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں فرمان باری ہے۔

واذا ابتلى ابراھیم ربه بكلمت فاتمھن (سورہ بقرہ ۱۲۴)

اور جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا تو حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دس چیزوں کی طہارت و پاکیزگی اور نظافت کے ساتھ آزمایا تھا پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ باقی جسم کے متعلق، سر کے متعلق یہ ہیں، مونچھوں کا کاٹنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک (کی صفائی رکھنا اور اس میں اچھی طرح) پانی ڈالنا، اور سر میں مانگ نکالنا اور جسم کے متعلق یہ ہیں، ناخنوں کا تراشنا، زیر ناف کے بال لینا، ختنہ کرنا، بغل کے بال لینا، پیشاب پاخانے کے بعد پانی کے ساتھ صفائی اور پاکی حاصل کرنا، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے اور سعید بن مسیب، مجاہد، شعبی، نخعی، ابو صالح، ابو جلد رحمہم اللہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فطری امور پانچ ہیں ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا بغل کے بال لینا۔

[2] اور صحیح مسلم اور سنن میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (سلیمہ) سے ہیں، مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی کو چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں اچھی طرح پانی ڈالنا (تاکہ خوب صاف ہو جائے) اور ناخنوں کو کاٹنا، اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا بغلوں اور زیر ناف کے بالوں کو لینا، اور پانی سے استنجا کرنا۔

اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر اور ان کی ختنہ کے بارے میں ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

اور مذکورہ باتوں سے مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ عزوجل کے لئے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادات عظیمہ میں منہمک رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنے بدن کی نظافت اور ستھرائی سے غافل نہ رہتے تھے، بلکہ بدن کے ہر عضو کو صفائی اور عمدگی کے ساتھ رکھتے تھے اور اس کی اصلاح اور

---

[1] قال عبدالرزاق انبانا معمر، عن ابن طاوس عن ابیه، عن ابن عباس...... الخ

[2] وفی صحیح مسلم و اھل السنن، من حدیث وکیع، عن زكریا ابن ابی زائده، عن مصعب بن شیبه العبدری المكی الحجبی عن طلق بن حبیب العنزی، عن عبدالله بن زبیر عن عائشه قالت ...... الخ

تحسین فرماتے تھے، اور جو عیب دار چیزیں اس پر آجاتی ان سے بھی عضو کو چھٹکارا دلاتے، خواہ بالوں کی زیادتی ہو ناخنوں کی یا دانتوں کی یا بدن کا میل کچیل ہو۔

تو مذکورہ باتیں من جملہ عظیم اور بڑی عبادتوں کے اس خدائی فرمان کی تشریح کرتی ہیں اور ابراہیم جس نے پورا ادا کر دیا۔

جنت میں حضرت ابراہیم کے محل کا ذکر :-

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک محل ہے، راوی کہتے ہیں کہ شاید حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ موتی کا ہے آگے حضور ﷺ نے فرمایا، اس میں کوئی جوڑ نہیں ہے اور وہ صرف اللہ عزوجل نے اپنے دوست حضرت ابراہیمؑ کیلئے بطور مہمان نوازی کے بنایا ہے [2]۔

حضرت ابراہیمؑ کے حلیے مبارک کا ذکر

[3] مسند احمد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھ پر انبیاءؑ کو پیش کیا گیا تو موسیٰ کی مثال دی ایسے لوگوں سے جن پر رشک و حسد کیا جاتا ہو (یعنی ان کے حسن و ملاحت کی وجہ سے) اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا، گویا میں نے (اپنے صحابی) عروہ بن مسعود کو دیکھا اور ابراہیم کو دیکھا وہ (میرے صحابی) دحیہ کے مشابہ تھے۔ امام احمد اس کے روایت کرنے میں اور ان الفاظ میں منفرد ہیں اور

[4] مسند احمد میں ہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا، عیسیٰؑ تو سرخ رنگ گھنگھریالے بال اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰؑ آدمؑ کی طرح قدآور اور بڑے جسم والے تھے...... پھر لوگوں نے پوچھا حضرت ابراہیمؑ؟ فرمایا اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھے)

[5] بخاری میں حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے دجال کا ذکر کیا اور پوچھا کیا اس کی پیشانی پر کافر یا اس کے حروف ک، ف، ر لکھے ہوں گے؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا میں نے (حضور ﷺ سے) اس کو نہیں سنا ہاں (البتہ کچھ انبیاء کے بارے میں میں نے حضور ﷺ سے ان کا حلیہ سنا ہے کہ) آپ نے فرمایا (ابراہیم (کو دیکھنا ہے) تو اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھ کو) اور حضرت موسیٰ

---

[1] قال الحافظ ابوبكر البزار، حدثنا احمد بن سنان القطان الواسطي و محمد بن موسى القطان قالا حدثنا يزيد بن هارون، حدثنا حماد بن سلمه عن سماك عن عكرمه، عن ابي هريرة

[2] قال البزار و حدثنا احمد بن جميل المروزي، حدثنا النضر بن شميل، حدثنا حماد بن سلمة عن سماك عن عكرمه عن ابي هريره عن النبي صلى الله عليه وسلم بنحوه...... ثم قال و هذا الحديث لانعلم من رواه عن حماد بن سلمة فاسنده الا يزيد بن هارون والنضر بن شميل، وغيرهما يرويه موقوفا، قلت لولا هذه العلة لكان على شرط الصحيح، ولم يخرجوه

[3] قال الامام احمد حدثنا يونس و حجين قالا، حدثنا الليث، عن ابي الزبير، عن جابر......

[4] وقال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائيل، عن عثمان، يعني ابن المغيرة، عن مجاهد عن ابن عباس

[5] وقال البخاري حدثنا بيان بن عمرو، حدثنا النضر، اخبر نا ابن عون، عن مجاهد، انه سمع ابن عباس ...... الخ

گھنگریالے بالوں والے اور آدم کی طرح قد آور تھے اور گویا میں دیکھ رہا ہوں وہ سرخ اونٹ جس کی مہار کھجور کی ہے اس پر سوار ہو کر وادی میں اتر رہے ہیں۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے متعلق اقوال

ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش مبارکہ نمرود بن کنعان کے زمانے میں ہوئی اور یہ نمرود ایک قول کے مطابق مشہور بادشاہ ضحاک ہی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے اس نے ہزار سال بادشاہی کی، اور یہ انتہائی جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ بنی راسب قبیلے کی اولاد میں سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

ایک مرتبہ اس کی بادشاہت کے زمانے میں ایک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی اور چمک دمک سورج چاند سے کچھ ہی کم تھی تو اس سے اہل زمانہ نمرود سمیت سب گھبرا اٹھے۔

نمرود نے نجومیوں اور کاہنوں کو اکٹھا کیا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا، تو انھوں نے کہا تیری رعیت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور تیری سلطنت کا زوال اسی کے ہاتھوں سے ہوگا، نمرود نے یہ خبر سن کر عام حکم جاری کر دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ جائے، اور ابھی سے جو بھی لڑکے پیدا ہوں وہ تمام قتل کئے جاتے رہیں۔

تو ان تمام بندشوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے جنم لیا، پھر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور کافروں کے پنجے سے ان کو محفوظ رکھا، حتیٰ کہ بھر پور جوانی کو پہنچ گئے، اور اللہ نے بہت عمدہ طریقے سے اور بہت جلد ان کی نشوونما فرمائی، جیسے کہ گزر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش :-

ان کی جائے پیدائش مقام سوس میں ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق بابل میں، اور ایک قول کے مطابق سواد میں "کوثیہ" کی طرف، اور پہلے حضرت ابن عباسؓ سے مروی گزر چکا ہے کہ وہ دمشق کے شرقی جانب "برزہ" میں پیدا ہوئے پھر جب اللہ عزوجل نے نمرود کو آپ کے ہاتھوں سے ہلاک کروا دیا تو آپ حران نامی علاقے کی طرف ہجرت فرما گئے پھر وہاں سے سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ایلیا (بیت المقدس کے شہر) میں سکونت اختیار فرمائی، اور (وہاں) ان کے ہاں حضرت اسماعیلؑ و حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

---

[1] و رواه البخاری ایضا و مسلم، عن محمد بن المثنی، عن ابن ابی عدی، عن عبدالله بن عون به، وهكذا رواه، البخاری ایضا فی کتاب الحج وفی اللباس، و مسلم جميعا عن محمد بن المثنی عن ابن ابی عدی، عن عبدالله بن عون به

پھر سرزمین کنعان میں حبرون بستی میں حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے وفات پاگئیں اور اس وقت حضرت سارہؓ کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی، اور یہ اہل کتاب کے مطابق ہے، حضرت سارہؓ کی وفات پر حضرت ابراہیمؑ کو بڑا حزن و ملال ہوا، اور سوگواری کی اور بنی حث قبیلے کے ایک شخص عفرون بن صخر سے ایک زمین چار سو دینار میں خریدی اور وہاں ان کو دفن فرمایا۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کی ایک لڑکی رفقا سے شادی کر دی اور رفقاء بتوئیل بن ناحور بن تارح کی بیٹی تھی، اور حضرت ابراہیم نے اپنے غلام کو لڑکی لینے کیلئے بھیجا تو وہ لڑکی کو لونٹ پر سوار کر کر بمع اس کی خادماؤں اور مرضعات کے لے آیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے خود ایک خاتون قطورا سے شادی فرمائی قطورا کے ہاں حضرت ابراہیمؑ سے کئی لڑکے زمران، یقشان، مادان، مدین، شیاق اور شوح پیدا ہوئے۔

پھر آگے اہل کتاب نے ان تمام کی اولاد کا ذکر کیا ہے جو سب قطورا کی اولاد میں شمار ہوئیں۔

اہل کتاب کی خبروں میں سے ابن عساکرؒ نے کئی بزرگوں سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس ملک الموت کے آنے کے بہت سے مختلف قصے نقل کئے۔

اور ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات اچانک آئی تھی، اسی طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کی وفات بھی اچانک آئی تھی، جبکہ اہل کتاب وغیرہ نے جو ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

اور اہل کتاب قصوں میں کہتے ہیں پھر حضرت ابراہیم بیمار پڑ گئے اور ایک سو پچھتر سال کی عمر میں وفات پاگئے اور اسی مذکورہ زمین میں مدفون ہوئے جو حبرون الحیثی بستی میں ہے اور عفرون الحیثی کی کھیتوں کے پاس اپنی بیوی حضرت سارہؓ کے عین پڑوس میں دفن کئے گئے اور ان کے کفن دفن، کا اہتمام ان کے دونوں پیغمبر بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ نے فرمایا، صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

اور ابن کلبی کے قول کے مطابق ایک یہ روایت آئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ دو سو سال حیات رہے۔

[1] ابن حبان نے اپنی سند میں فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم نے قدوم (آلے) کے ساتھ ختنہ فرمائی جبکہ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، اور اس کے بعد بھی آپ اسی سال حیات رہے۔ [2]

صاحب کتاب "صحیح ابن حبان" آگے کچھ جرح کے بعد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق سے مروی ہے کہ القدوم لفظ جو حدیث میں آیا اس سے علاقے کا نام مراد ہے جہاں ختنہ ہوئی۔

---

[1] فقال ابو حاتم ابن حبان في صحيحه انبا نا المفضل بن محمد الجندی بمكة، حدثنا علی بن زیاد اللخمی، حدثنا ابوقرة عن ابن جريج، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب، عن ابي هريرة...... الخ

[2] وقدرواه الحافظ ابن عساكر من طريق عكرمة بن ابراهيم و جعفر بن عون العمری، عن يحيى بن سعيد عن سعيد عن ابی هريرة موقوفا، ثم قال ابن حبان، ذكر خبر المدحض قول من زعم ان رفع هذا الخبر وهم، اخبر نا محمد بن عبدالله بن الجنيد، حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا الليث، عن ابن عجلان، عن ابيه عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال...... (ذكر الحديث كما تقدم انفا م) وقدرواه الحافظ ابن عساكر من طريق يحيى بن سعيد، عن ابن عجلان، عن ابيه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ

(اور مصنف ابن کثیرؒ فرماتے ہیں) کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ختنہ اسی سال کی عمر میں ہوئی اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک روایت حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ اسی سال کے تھے اور دونوں یعنی پہلی اور اس حدیث میں اس بات کے اندر کوئی تعرض اور اختلاف نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ حیات رہے۔

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے شخص ہیں جنھوں نے شلوار زیب تن فرمائی اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے مانگ نکالی، اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے زیر ناف بالوں کو کاٹا اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی، جبکہ ان کی عمر ایک سوبیس سال تھی اور اس کے بعد اسی سال زندہ رہے، اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور پہلے شخص ہیں جن کے بال سفید ہوئے۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے مشابہ ہے ابن حبان کے خلاف اور مالکؒ یحییٰ بن سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور لوگوں میں سب سے پہلے ختنہ کی اور لوگوں میں سب سے پہلے مونچھیں کاٹیں اور لوگوں میں سب سے پہلے بڑھاپے کو (بصورت سفیدی) دیکھا جب انھوں نے سفیدی کو دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار یہ کیا ماجرا ہے؟ فرمایا وقار (یعنی عزت و شرافت کی علامت) تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا اے پروردگار پھر تو اس کو اور زیادہ کر دیجئے۔

اور ان سے پہلے روایت میں تین چیزوں کا اضافہ ہے،

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ تینوں کی قبر اس عمارت میں ہے جس کو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے حبرون علاقے میں بنایا تھا۔

اور وہ حبرون شہر آج تک خلیل کے نام سے مشہور ہے اور یہ بات بالکل مستند اور تواتر کے ساتھ جماعت در جماعت بنی اسرائیل کے زمانے سے ہم تک چلی آئی ہے کہ تحقیق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قبر خلیل شہر میں ہے، باقی اس شہر میں کون سی جگہ وہ قبر ہے اس کے تعین میں کوئی محفوظ صحیح مستند خبر نہیں ہے، لہٰذا اس پورے علاقے کا لحاظ کرنا چاہئے اور پورا پورا احترام کرنا چاہئے اور اس کو کھودنا یا کھیتی وغیرہ کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیا پتہ حضرت ابراہیمؑ کی قبر یا کسی اور نبی کی قبر اس زمین کے نیچے ہو۔

ابن عساکرؒ نے وہب بن منبہ تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہب نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کی قبر اطہر کے پاس ایک پتھر پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

الهى جهولا امله يموت من جا اجله

جسکی امیدوں نے اس کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا، اور اس کا مقرر وقت آگیا وہ مر جائیگا

ومن دنا من حتفه لم تغن عنه حيله

اور جسکی موت خود آگئی، اس کو اس سے چھٹکارے کیلئے کوئی حیلہ و تدبیر کام نہ دے گی

---

[1] وقال محمدبن اسماعیل الحسانی الواسطی زادفی تفسیر وکیع عنه فیماذکره من الزیادات حدثناابو معاویه، عن یحییٰ بن سعید، عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة قال ..... الخ

وكيف يبقى آخرا من مات عنه اوله

اور دوسرا بعد والا شخص کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ اس سے پہلا شخص مر گیا ہے

والمرء لا يصحبه في القبر الاعمله

اور آدمی کے کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی اس کی قبر میں سوائے اس کے عمل کے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر :-

حضرت ابراہیمؑ کے ہاں سب سے پہلے حضرت ہاجرہؓ قبطیہ مصریہ سے ایک فرزند حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے پھر آپ کی چچازاد حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے ان کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے قطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی اور حضرت ابراہیمؑ سے اس کے ہاں چھ بچے ہوئے مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور چھٹے کا نام مذکور نہیں ہے، پھر حضرت ابراہیمؑ نے حجون بنت امین سے شادی فرمائی اور اس سے پانچ بچے ہوئے کیسان، سورج، امیم، لوطان، نافس

یہ تفصیل حضرت ابوالقاسم السہیلیؒ نے اپنی کتاب التعریف والاعلام میں ذکر فرمائی ہے۔

حضرت لوط علیہ السّلام کا قصہ

حضرت لوط علیہ السّلام کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ مبارک :-

حضرت ابرہیمؑ کی زندگی میں جو عظیم عظیم واقعات رونما ہوئے ان میں سے حضرت لوطؑ کا قصہ بھی ہے اور ان پر نازل ہونے والا قہر الٰہی بھی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے باپ کا نام ھاران بن تارح وہی مشہور آذر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے والد ہیں اسطرح حضرت لوط حضرت ابراہیمؑ کے بھائی کے لڑکے یعنی بھتیجے ہوئے۔ ابراہیمؑ، ھاران ، ناحور یہ تینوں بھائی ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضرت لوطؑ کے والد ہاران وہی شخص ہیں جنہوں نے حران شہر کی بنیاد ڈالی اور اسکو آباد کیا۔ لیکن یہ بات ضعیف ہے اور اہل کتاب کی تواریخ کے مخالف ہے۔ حضرت لوطؑ اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ کے علاقے سے انکے حکم اور اجازت کے ساتھ جلاوطن ہو کر سدوم شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ اور یہ علاقہ آباد اور کئی بستیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اسکے باشندے لوگوں میں سب سے زیادہ فاجر فاسق اور بدترین کافر لوگ تھے اور سیرت وکردار میں تمام دنیا سے بدتر تھے۔ راہ گیروں کو لوٹتے، اپنی مجالس و محافل میں سرعام بری بری بے ہودہ حرکتیں کرتے۔ اور کوئی برائی کرنے سے باز نہ آتے تھے۔

اور انہوں نے دنیا میں ایک ایسا گناہ ایجاد و جاری کیا کہ اولادآدم میں اس سے پہلے وہاں کسی کا خیال تک نہ گیا تھا۔ اور وہ لڑکوں سے برائی کرنا اور عورتیں جو اللہ نے اس کام کیلئے پیدا کی ہیں انکو چھوڑ دینا ہے تو حضرت لوط علیہ السلام نے انکو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔ اور ان فحاشی اور منکرات سے روکا۔ اور بے ہودہ حرکتوں سے انکو منع کیا۔ لیکن وہ بجائے ماننے کے اپنی سرکشی اور گمراہی پر ہٹ دھرم ہو گئے۔ اور اپنے کفر و فسق پر برابر عمل پیرا رہے۔

پھر اللہ نے بھی ان پر وہ عذاب نازل کیا جو واپس نہیں ہو سکتا تھا اور ایسا عذاب پہلے کسی پر نہ آیا تھا۔ اور عذاب کا آنا انکے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے اس عذاب کے ساتھ انکو جہاں والوں میں عبرت اور مثال بنا کر رکھ دیا جس سے لوگ نصیحت پکڑیں اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے انکے قصے کو اپنی کتاب مقدس میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔

سورۂ اعراف میں فرمایا :-

اور (یاد کرو) لوط کو جب اس نے اپنی قوم کو کہا : کیا تم ایسی برائی کرتے ہو جسکی طرف جہاں والوں میں سے کسی نے سبقت نہیں کی۔ تم ایسے لوگ ہو جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ بلکہ تم حد سے نکلنے والی قوم ہو۔ (لیکن) اور اسکی قوم کا جواب اور کچھ نہ تھا کہنے لگے انکو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ پاک بنتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط کو اور انکے اہل کو نجات دی سوائے انکی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں

میں سے تھی۔ اور (پھر) ہم نے ان پر (پتھروں کی بارش کا عذاب) برسادیا۔ دیکھ مجرموں کا انجام کیا ہوا؟ (آیت ۸۰ تا ۸۴)

اور سورۂ ہود میں اللہ عزوجل نے فرمایا:۔ اور ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لیکر آئے تو سلام کے بعد انہوں نے بھی سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہ ہوا تھا کہ ابراہیمؑ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ انکے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے تو انکو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (انکو ہلاک کرنے کیلئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھی ہنس پڑی پھر ہم نے اسکو اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی اس نے کہا ہائے: مجھے بچہ ہوگا جبکہ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو عجیب بات ہے انہوں نے کہا کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر تو خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں اور وہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے۔

جب ابراہیمؑ سے خوف جاتا رہا اور انکو خوشخبری مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے۔ بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ (ہم نے کہا) اے ابراہیمؑ اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے۔ اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلنے گا۔

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ انکے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے۔ اور پہلے ہی وہ شنیع فعل کیا کرتے تھے (لوط نے) کہا یہ جو میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لئے پاک ہیں تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی (بھی) شائستہ مرد نہیں ہے؟ وہ بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمیں حاجت نہیں ہے۔ اور ہماری غرض ہے ان (لڑکوں) سے تم (خوب) جانتے ہو۔ (لوط نے) کہا ہائے کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی؟ یا کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ آپ اپنے اہل کو لیکر رات کے کچھ حصے میں چل پڑیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہ اس پر بھی پڑے گی۔ اور وعدے کا وقت صبح ہے۔ اور کیا صبح کچھ دور ہے؟ تو جب ہمارے (عذاب کا) حکم آیا تو ہم نے اس (بستی کو الٹ کر) تہ وبالا کر دیا اور انپر پتھر کی (موسلادھار) کنکریاں برسائیں۔ جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

اور سورۂ حجر میں اللہ نے فرمایا: اور انکو ابراہیمؑ کے مہمانوں کے احوال سنادو۔ جب وہ ابراہیمؑ کے پاس آئے تو سلام کیا، تو (ابراہیم اور اس کے اہل نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا ڈریئے نہیں، ہم آپکو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ کہا کہ ہم آپکو سچی خوشخبری دیتے ہیں۔ آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا صرف گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے اے فرشتو تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ کہنے لگے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ انپر عذاب برسائیں) سوائے لوط کے گھر والوں کے ہم ان تمام کو نجات دینگے۔ مگر انکی بیوی اسکے لئے ہم نے پیچھے رہ جانا مقرر کر دیا ہے پھر

جب فرشتے لوط کے گھر گئے، (تو لوط نے) کہا تم اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم آپکے پاس وہ چیز لائے ہیں جسمیں لوگ شک کرتے تھے (یعنی عذاب خداوندی) اور ہم آپکے پاس یقینی بات لائے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ تو آپ رات کے کچھ حصے میں اپنے گھر والوں کو لے نکلیں۔ اور خود انکے پیچھے چلیں۔ اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور جہاں آپکو حکم ہو وہاں چلے جایئے۔ اور ہم نے لوط کو وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی اور اہل شہر خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان ہیں پس مجھے رسوانہ کرنا۔ اور خدا سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرو۔ کہنے لگے کیا ہم نے تجھ کو جہاں والوں (کی طرفداری اور حمایت) سے منع نہیں کیا؟۔ (لوط نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے شادی کرلو)۔ (اے محمدؐ) تمہاری جان کی قسم وہ اپنے نشے میں سرگرداں تھے۔ سو انکو سورج نکلتے چنگھاڑ نے آپکڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو تہہ وبالا کردیا، اور انپر کنکریاں برسائیں۔ بے شک اسمیں اہل فراست کیلئے نشانی ہے۔ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اسمیں ایمان والوں کیلئے نشانی ہے۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے نصیحت فرمانے کو بیان فرمایا:۔

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے انکے بھائی لوط نے کہا تم (خدا سے) کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارے لئے امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اسکا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم جہاں والوں میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ انکو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ کہنے لگے اے لوط (اس نصیحت بازی سے) اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کردیئے جاؤ گے۔ (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو انکے کاموں (کے انجام) سے نجات دے۔ تو ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو سب کو نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کردیا۔ اور اپنر (عذاب کا) مینہ برسایا۔ سو جو مینہ ان ڈرائے گئے لوگوں پر برسا وہ (انتہائی) برا تھا۔ بے شک اسمیں نشانی ہے اور انمیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ (آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵)

اور اللہ تعالیٰ نے اسی قوم لوط کا ذکر سورہ نمل میں بھی فرمایا۔ فرمایا:۔

اور لوط (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی کے کام کیوں کرتے ہو، جبکہ تم (اس کو برا) دیکھتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کے لئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہنے لگے، لوط کے گھر والوں کو شہر سے نکال دو یہ لوگ پاک بنتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے مقرر کردیا تھا، اور ہم نے ان پر (عذاب کا) مینہ برسایا، ڈرائے گئے لوگوں پر یہ برا مینہ تھا۔ (آیات ۵۴ تا ۵۸)

اسی طرح اللہ عزوجل نے سورۂ عنکبوت میں ابراہیمؑ ولوطؑ کے واقعہ کو اکٹھا بیان فرمایا۔

فرمایا:-اور لوط (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجیب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہل جہاں میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، کیا تم (شہوت کو پورا کرنے کے لئے) مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور (مسافروں کی) راہزنی کرتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے، اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔

تو (لوط نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجا کی اور) کہا اے پروردگار ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عنایت فرما

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لائے تو کہنے لگے اس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے ظالم ہیں، (ابراہیم نے) کہا اس میں تو لوطؑ بھی ہیں؟ کہنے لگے جو لوگ یہاں ہیں ہمیں سب کا معلوم ہے ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے، فرشتوں نے کہا کچھ خوف و رنج نہ کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے، مگر آپ کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی، ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب کا ٹکڑا نازل کرنے والے ہیں کیونکہ یہ فسق (و فجور) کرتے ہیں اور ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ (۲۸ تا ۳۵)

اور سورۂ صافات میں بھی تھوڑا اساذ کر فرمایا۔ فرمایا:-

اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے، جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو (اپنے عذاب سے) نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی، پھر ہم نے اوروں پر عذاب برسادیا، اور تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو، اور رات کو بھی تو کیا عقل نہیں رکھتے؟ (۱۳۳ تا ۱۳۸)

اسی طرح کچھ تھوڑا اساذکر سورۂ ذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے قصے کے بعد فرمایا: فرمایا:-

(ابراہیم نے) کہا اے فرشتو تمہارا (اور) کیا مقصد ہے؟ کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر (کنکری) پتھر برسائیں، جن پر حد سے گزرنے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشانیاں لگی ہوئی ہیں پھر ہم نے وہاں سے جتنے مومن تھے سب کو نکال لیا اور ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہ پایا، اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی۔ (۳۱ تا ۳۷)

اس عظیم واقعہ کو آخری بار اللہ نے اپنے کلام میں سورۃ القمر میں بیان فرمایا: فرمایا:-

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا، تو ہم نے ان پر کنکریاں بھری ہوائیں چلائیں سوائے لوط کے گھر والوں کے ان کو ہم نے پچھلی رات ہی بچالیا اپنے فضل سے، (اور) شکر کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، اور (لوط نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر انھوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا، اور ان سے ان کے مہمانوں کو لینا چاہا، تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹادیں، پس میرے عذاب اور ڈرانے کے

مزے چکھو۔

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے (اور یاد کرنے) کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟ (۳۳ تا ۴۰)

اللہ عزوجل نے حضرت لوطؑ اور ان کی قوم کے قصے کو اپنے کلام میں کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے اور حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالح علیہ السلام کیساتھ بھی ان کے قصے مذکور ہوئے ہیں۔

اور یہاں ہمارا بیان سے یہ مقصود ہے کہ ان تمام آیتوں اور دیگر احادیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں اس قصے کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پورے قصے کو بالتفصیل بیان کیا جائے، اس میں ہم اللہ عزوجل سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور ان قبیح افعال اور غلیظ حرکتوں سے ان کو روکا جن کا ابھی آیتوں میں تذکرہ ہوا، تو انھوں نے حضرت لوطؑ کی بات کو ٹھکرا دیا اور ایمان نہ لائے حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص بھی راہ راست پر نہ آیا، اور جن باتوں سے ان کو روکا گیا ان سے بھی باز نہ آئے، بلکہ اپنی حالت پر ڈٹے رہے اور اپنی سرکشی اور گمراہی کے گڑھے سے نکلنے کی پرواہ نہ کی، بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ اپنے خیر خواہ اپنے پیغمبر حضرت لوطؑ کو ہی اپنے دیس سے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور ان کو اپنے درمیان حقیر و کمزور گردانا، اور ان کا مذاق اڑایا اور جب حضرت لوطؑ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے تو ان بے عقلوں کا ایک ہی جواب ہوتا، نکال دو لوط کے گھر والوں کو یہ پاک بنتے ہیں۔[1]

اور پھر طرح طرح سے ان کو ستایا برائی کی تاکہ یہ نکل کر چلے جائیں اور یہ محض ان کا عناد بغض اور کفر تھا پھر اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر کی لاج رکھی اور ان کو عمدگی اور پاکیزگی اور عزت و شرافت کے ساتھ ان کے اہل سمیت وہاں سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے اور حضرت لوطؑ نے ان کو ان کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا، اور پھر اللہ عزوجل نے اس پورے علاقے کو ہمیشہ کے لئے ٹھاٹھیں مارتا بدبودار سمندر بنا دیا، جو حقیقت میں ان لوطیوں پر آگ بھڑک رہی ہے اور گرمی دھک رہی ہے اور اس کا پانی آج تک انتہائی کھارا کڑوا ہے۔

اور اس قوم لوط نے اپنے پیغمبر کو دیس سے نکال دینے کی دھمکی اس وقت دی جب کہ پیغمبر نے ان کو نئی ایجاد کردہ بے ہودہ فحش حرکت سے روکا، جس کی طرف پوری دنیا میں اس سے پہلے کبھی بھی کسی نے ارادہ نہ کیا تھا، پھر اللہ نے بھی ان کو پورے روئے زمین کے لئے ایک مثال و عبرت کا نمونہ بنا دیا۔

اور وہ صرف اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ راہ گیروں کو لوٹتے، دوستوں کے ساتھ خیانت کرتے، اور اپنی مجالس و محافل میں دوران گفتگو عجیب عجیب بری حرکتیں کرتے اور کچھ حیاء و شرم نہ کرتے، حتیٰ کہ اگر کسی کو پیٹ میں کچھ ہوا محسوس ہوتی تو از خود جان کر زور سے آواز کے ساتھ ہوا نکالتے، اور اپنے ہم نشینوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کرتے اور نہ اس کو برا سمجھتے اور اس کے علاوہ اکثر و بیشتر مجالس میں بڑی بری حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے اور پھر بھی کچھ ناپسندیدگی کا اظہار تک نہ ہوتا تھا اور کسی وعظ کی پرواہ نہ کرتے اور نہ کسی عقل والے

---

[1] النمل ۵۶

کی نصیحت کا لحاظ کرتے اور ان حرکتوں میں جانوروں کی طرح ہو چکے تھے بلکہ ان سے بھی کہیں بد تر، اور فی الحال اپنے گناہوں سے باز آنے کا کوئی خیال نہ تھا، گذشتہ برائیوں پر کوئی افسوس نہ تھا، اور نہ ہی آئندہ اپنی حرکتوں سے باز آنے کا کوئی ارادہ تھا، پھر اللہ نے بھی اسی کے مطابق بڑے زوردار عذاب سے ان کو بھونچال میں ڈال دیا بلکہ یہ عذاب بھی ان کی مانگ تھی، انھوں نے خود پیغمبر سے کہا تھا اور ؟ ؟" انتنا..... الخ" اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ [1] تو جس دردناک عذاب سے اللہ نے ان کو اب تک بچار کھا تھا خود ہی اس کی فرمائش کردی۔

تو ایسے موقع پر ان کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام نے بڑی بے بسی و بے کسی کے عالم میں خدائے ذوالجلال کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے اور رب العالمین اور اللہ لعلمین سے التجاء کی کہ میری مدد فرما اور مفسد قوم سے مجھے نجات عطا فرما۔

اللہ عزوجل کو بھی سخت غیرت آئی اور شدید غضب آیا، اور پھر اپنے قاصدو پیغمبر کی فریاد قبول کی اور ان کی مراد پوری کی اور اپنے اولوالعزم فرشتوں کو بھیجا، وہ پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ہاں گئے اور ان کو عقل مند لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری دی، پھر ان کو قوم لوط کے متعلق دردناک عذاب کی خبر بھی دی، فرمان باری ہے :(ابراہیم نے) کہا اے فرشتو تمہارا (اور) کیا کام ہے ؟ کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کنکر کے پتھر برسائیں، جو تیرے پروردگار کی طرف سے نشان زدہ ہیں حد سے گزرنے والوں کے لئے۔ [2]

اور دوسری جگہ پروردگار نے فرمایا اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہا ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے اہل ظالم لوگ ہیں (ابراہیم نے) کہا اس میں تو لوطؑ بھی ہیں، کہا ہم خوب جانتے ہیں اس میں کون ہیں، ہم لوطؑ کو اور اس کے اہل کو نجات دیں گے سوائے اس کی بیوی کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ [3]

اس پر حضرت ابراہیمؑ کا کیا ردعمل سامنے آیا کیونکہ وہ لوطؑ کے چچا تھے اس کو بھی قرآن میں ذکر کیا گیا فرمان باری ہے، پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کو خوشخبری بھی مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ [4]

یعنی حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لئے خلاصی اور چھٹکارے کی پرزور فرمائش کی، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے حضرت ابراہیم کی بات مان لیں گے اور لوٹ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ابراہیم بردبار نرم اور رجوع کرنے والے ہیں، اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ، بے شک تیرے پروردگار کا حکم آچکا ہے، بے شک ان پر وہ عذاب آچکا ہے جو (کسی طرح) واپس نہیں ہوگا۔ [5]

یعنی اے ابراہیمؑ اس بات کو رہنے دیں یہ تو اب ہو کر رہنے والی ہے اس کے علاوہ کوئی اور بات کریں فرمائش کریں، کیونکہ ان پر عذاب، ہلاکت اور تباہی واجب ہو چکی ہے۔

بے شک تیرے پروردگار کا حکم یعنی عذاب آچکا ہے جو واپس نہیں ہو سکتا، اور اس میں کچھ لچک نہیں پیدا

---

[1] عنکبوت ۲۹ [2] ذاریات ۳۱ تا ۳۴۔ [3] عنکبوت ۳۱ تا ۳۲۔
[4] ہود ۷۴۔ [5] ہود ۷۵ تا ۷۶

ہو سکتی، بے شک وہ عذاب ان پر آکر رہے گا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ، سدیؒ، قتادہؒ، محمد بن اسحاقؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے یوں فرما رہے تھے کیا تم اس بستی کو تباہ کرو گے، جس میں تین سو مومن ہیں، فرشتوں نے عرض کیا نہیں (یعنی اس میں تین سو مومن نہیں ہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا پھر کیا دو سو مومن ہیں؟ کہا نہیں فرمایا کیا چالیس مومن ہیں؟ جواب دیا نہیں، پوچھا کیا چودہ مومن ہیں؟ جواب دیا نہیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ مکالمہ یہاں تک چلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور کچھ نہیں اگر اس میں ایک بھی مومن ہو تو پھر تمہارا عذاب دینے کے متعلق کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا نہیں (یعنی ہم عذاب تو دیں لیکن باقی ان کو نکال لیں گے)

اسی آخری بات کو قرآن میں یوں ذکر کیا، ابراہیم نے کہا اس میں لوط ہیں فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں کہ اس میں کون ہیں۔[1]

اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار کیا آپ ان کو ہلاک فرمادیں گے جبکہ اس بستی میں پچاس نیک صالح مومن ہوں؟ اللہ نے فرمایا نہیں، میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جب کہ ان میں پچاس نیک ہوں، پھر حضرت ابراہیم دس پر اترے اور عرض کیا تو اللہ نے فرمایا، میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جبکہ ان میں دس نیک ہوں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

ولما جآءت رسلنا لوطاً سیٓء بھم وضاق بھم ذرعاً وقال ھذا یوم عصیب (ھود ۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہا آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے علماء مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے، جب یہ حضرت ابراہیم کے پاس سے واپس ہوئے تو حضرت لوطؑ کے علاقے یعنی سرزمین سدوم کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت ہی خوبصورت حسین لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے، اور درحقیقت اللہ عزوجل قوم لوط پر حجت قائم کرتے ہوئے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے، تو یہ لڑکے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آئے اور وقت، مغرب کا ہو چکا تھا تو حضرت لوط کو خوف ہوا کہ اگر میں ان کو مہمان نہ رکھوں گا تو یہ اس علاقے میں کسی اور کے پاس مہمان بنیں گے اور حضرت لوطؑ کو ان کے فرشتے ہونے کا بالکل خیال نہ تھا، بلکہ آپ ان کو عام انسان سمجھ رہے تھے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس وقت کی حالت بیان فرماتے ہوئے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ابن عباس، قتادہ، مجاہد، اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں حضرت لوطؑ پر یہ کٹھن اور مشکل آزمائش آچکی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کو انکار کروں تو یہ ان بدکاروں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور اگر رکھوں تو یہ پھر بھی چڑھ دوڑیں گے تو آخر کیسے ان مہمانوں کا ان شریروں سے بچاؤ کروں؟ اور بستی والے حضرت لوطؑ کو پہلے کہہ بھی چکے تھے کہ کوئی مہمان اپنے پاس نہ ٹھہرایا کرو بلکہ مہمانوں کا ہم خود ہی بندوبست کریں

---

[1] عنکبوت ۳۲

گے، تو الغرض حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے ایسی پیچیدہ صورت حال آگئی کہ اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نظر نہ آرہا تھا۔

حضرت قتادہ اس صورت حال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ، فرشتے انتہائی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے پاس آئے اور حضرت لوط علیہ السلام اس وقت (بستی سے باہر) اپنے کھیتوں میں کاشتکاری میں مصروف تھے، تو لڑکے بطور مہمان ان کی خدمت میں آئے، حضرت لوطؑ کو ان سے بہت سخت حیا و شرم آئی اور وہ ان کے آگے آگے چل پڑے اور بار بار ان سے اشارۃً ایسی باتیں کہہ رہے تھے جس سے وہ سمجھ کر لوٹ جائیں اور کسی اور بستی میں چلے جائیں، تو حضرت لوط نے اپنی اور باتوں کے ساتھ یہ بھی کہا اور کئی بار کہا تا کہ وہ سمجھ جائیں کہا، اللہ کی قسم میں روئے زمین پر اس بستی والوں سے زیادہ خبیث لوگ کوئی اور نہیں دیکھا، حضرت لوطؑ نے کئی بار اس بات کو کہا حتیٰ کہ چار مرتبہ فرمادیا، علما فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ملا تھا کہ بستی والوں کو اس وقت تک عذاب نہ کرنا جب تک خود ان کا پیغمبر ان کی برائی نہ بیان کر دے اور ان کے خلاف اس بے ہودہ حرکت کی گواہی دیدے۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے چل کر حضرت لوطؑ کی بستی تک پہنچے اور دوپہر کے وقت وہاں داخل ہوے جب سدوم شہر میں پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ملاقات ہوگئی، وہ اپنے اہل کے لئے پانی بھرنے یہاں پہنچی تھی اور حضرت لوطؑ کی دو صاحبزادیاں تھیں بڑی کا نام ریتا اور چھوٹی کا نام زغرتا تھا، تو فرشتوں نے لڑکی سے پوچھا ہم یہاں کہیں ٹھہر سکتے ہیں؟ لڑکی نے جواب دیا آپ یہیں رکیے میں واپس آکر بتاتی ہوں، درحقیقت لڑکی کو ڈر ہوا کہ اگر یہ قوم کے ہاتھ لگ گئے تو ان بے چاروں کی بڑی بے عزتی ہوگی، تو یہ اپنے والد ماجد یعنی حضرت لوطؑ کے پاس تشریف لائیں اور صورت حال کی خبر دی کہ اے ابا جان شہر کے باہر چند اجنبی نو عمر لڑکے ہیں اور وہ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، اور قوم کے لوگوں میں چہرے کے اعتبار سے بڑھ کر ان سے کوئی حسین نہیں ہے، تو کہیں ان کو قوم نہ پکڑ لے اور وہ پھر ان کو رسوا اور ذلیل کریں، جبکہ حضرت لوطؑ کو لوگوں نے مہمان ٹھہرانے سے منع کیا تھا، لیکن حضرت لوطؑ نے ان کی عزت و حرمت کا لحاظ کرتے ہوے بڑی بے چارگی سے ہاں کر دی اور ان کو چھپ چھپا کر اپنے گھر لے آئے اور اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو پتہ نہ چلنے دیا۔ لیکن ان کی بیوی کافروں سے خفیہ ملی ہوی تھی، اس نے آکر قوم کو خبر دی اور راز فاش کر دیا اور کہنے لگی لوط کے گھر میں ایسے لڑکے آئے ہیں کہ میں نے ان سے خوبصورت کبھی نہیں دیکھے، تو قوم والے مستی و مدہوشی میں تیزی سے دوڑتے آئے۔

آگے باری تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ اس سے پہلے بھی برے کام کرتے تھے۔ (تو لوط نے) کہا اے قوم یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاک و جائز ہیں (ہود ۷۸)، یعنی ان کا صرف یہی گناہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی اور کئی قسم کے فحاشی و منکرات میں بھی یہ منہمک رہتے تھے تو حضرت لوطؑ نے ان کو سمجھایا کہ عورتوں سے اپنی خواہش کو پوری کرو اور لڑکوں کے ساتھ بد تمیزی نہ کرو اور حضرت لوطؑ نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تو کیا حقیقت میں اپنی بیٹیوں کے لئے فرمایا تھا یا کچھ اور مطلب تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث

کے مطابق نبی اپنی امت کیلئے بمنزلہ مثل والد کے ہوتا ہے اپنی اولاد کیلئے فرمان الٰہی ہے، نبی مومنین کے لئے انکی جانوں سے زیادہ بہتر ہے اور نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں[۱] اور کئی صحابہ اور سلف صالحین فرماتے ہیں کہ یہاں خود بخود مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ نبی مومنین کا باپ ہے تو حضرت لوطؑ نے جو فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اپنی قوم کی عورتوں سے شادی کر کے اپنی خواہش پوری کرو۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام کے خطاب کو نقل فرمایا: کیا تم جہاں والوں میں سے لڑکوں کے پاس (خواہش پوری کرنے آتے) ہو، اور جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری عورتوں کو پیدا کیا ہے ان کو چھوڑتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والی قوم ہو۔[۲]

تو یہاں اللہ نے خواہش و لذت کا محل ان کی عورتوں کو بتایا تو لہٰذا حضرت لوطؑ کے قول میں بھی یہی عورتیں مراد ہوں گی یعنی جو حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ میری بیٹیاں، یعنی قوم کی عورتیں تمہارے لئے ہیں۔

اور حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، سدی محمد بن اسحاق ان تمام حضرات نے اس بات پر تصریح فرمائی اور اس کو اختیار فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔

اور دوسرا قول کہ اپنی حقیقی بیٹیوں کو مراد لیا ہے یہ بالکل غلط ہے اور اہل کتاب سے ماخوذ ہے اور یہ بات انھوں نے اپنے صحیفوں میں اپنی طرف سے بڑھائی اور تبدیل کی ہے، اور اسی طرح انھوں نے ایک اور خطا کی ہے اور کہا ہے کہ وہ فرشتے جو حضرت لوطؑ کے پاس آئے، دو تھے، اور وہ بھی عشاء کے وقت آئے تھے اور عشاء کا کھانا بھی حضرت لوطؑ کے پاس تناول کیا، (جبکہ قرآن سے پہلے معلوم ہوا کہ فرشتوں نے ابراہیم کے پاس کھانا نہیں کھایا (کیونکہ فرشتے ان حاجات سے دور ہیں)

اس طرح اہل کتاب نے اس قصے میں بہت بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔

تو خیر آگے حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو فرماتے ہیں، پس اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو کیا تم میں کوئی ایک درست آدمی بھی نہیں ہے؟ (ہود ۷۸)

اس آیت میں حضرت لوطؑ نے دو مقاصد ادا فرمادیئے پہلے تو ان کو اس فعل قبیح سے روکا کہ یہ فحش کام کرنے کے لائق نہیں ہے، پھر آگے فرشتوں کو ان پر گواہ بنادیا کہ ان میں کوئی بھی مومن اور صالح نہیں ہے، کہ کسی ایک میں تو بھلائی اور خیر ہو، بلکہ تمام بے وقوف فاجر فاسق طاقتور اور احمق کفار ہیں۔

اور فرشتوں کا مقصود بھی یہ تھا کہ بغیر انکے پوچھے خود حضرت لوط علیہ السلام ان کی برائی اور حقیقت کو ظاہر فرمادیں اور اس طرح ان پر حجت قائم ہو جائے۔

الغرض جب حضرت لوطؑ نے اپنی عزت کا ان سے سوال کیا کہ مجھے رسوانہ کرو تو ان ملعونوں نے جواب دیا (اے لوط) تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی خواہش نہیں ہے اور ہمارا ارادہ تو تو جانتا ہے۔ (ہود ۷۹)

اللہ کی ان پر لعنت ہو کس طرح ہٹ دھرمی کے ساتھ اور وہ بھی اپنے نبی کے سامنے بے ہودہ ارادے کو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں عورتوں کی خواہش نہیں بلکہ ہماری خواہش تو تو جانتا ہے کس قدر اوباشانہ کلام ہے،

---

[۱] احزاب آیت (۶) [۲] الشعراء ۱۶۵ تا ۱۶۶

اسی وجہ سے ان کے اس کلام کو سن کر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش مجھے تمہارے مقابلے پر طاقت ہوتی یا میں کسی محفوظ مضبوط قلعے کی طرف پناہ پکڑتا، (ہود ۸۰) تو یہ کلام حضرت لوطؑ کی بے کسی اور بے بسی کی کس قدر غمازی کرتا ہے وہ ظاہر ہے آپ کف افسوس ملتے ہیں اور فرماتے ہیں کاش مجھے تم سے نمٹنے کی طاقت ہوتی یا میرا بڑا خاندان ہوتا اور مددگار ہوتے جو تمہارے مقابلے پر میری مدد کرتے تو آج میں اپنے مہمانوں کی عزت بچالیتا اور ان پر پھر وہ عذاب نازل ہو جاتا جس کے وہ مستحق ہیں۔

اور حضرت لوطؑ نے جو فرمایا کہ کاش میں کسی مضبوط قلعے کی پناہ پکڑتا اس سے کیا مراد ہے؟ ایک حدیث میں بھی اس کا مطلب واضح فرمایا گیا ہے۔

۱ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ہم ابراہیم سے زیادہ حقدار ہیں کہ شک کریں اور اللہ (حضرت) لوط پر رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط قلع (یعنی اللہ) کی طرف سہارا پکڑنے والے ہیں اور اگر میں (حضرت یوسف کی بجائے) جیل میں ہوتا جتنا کہ حضرت یوسف ٹھہرے تو میں بلانے والے کے بلاوے کو قبول کر لیتا۔ ۲

(حضرت ابراہیم کے متعلق فرمان کا مطلب ہے کہ انھوں نے تسکین و اطمینان قلب کے لئے خدا کے حضور دعا کی تھی کہ آپ مجھے دکھائیں کہ کیسے آپ مردوں کو زندہ کر دیں گے، اگر بالفرض حضرت ابراہیم شک کرتے تو ہم کو شک کرنا زیادہ لائق ہوتا یعنی کہنا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم کا ایمان بالکل مضبوط اور شک و شبہ سے بالاتر تھا، اور آخری حصے میں حضرت یوسفؑ کے متعلق جو فرمایا اس کا مطلب ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں بادشاہ کی طرف سے رہائی کا پیغام آیا تو انھوں نے منع فرما دیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو ضرور قبول کر لیتا۔ م۔)

۱ اور ایک دوسری حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ لوط پر رحم فرمائے بے شک انھوں نے مضبوط ٹھکانے یعنی اللہ عزوجل کی طرف سہارا پکڑا لہذا اللہ نے پھر ان کے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں ثروت (مالداری و عزت) کے ساتھ بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اور شہر والے خوش خوش دوڑتے آئے (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان ہیں لہذا مجھے فضیحت نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، تو کہنے لگے کیا ہم نے تجھ کو جہاں والوں (کی طرفداری) سے منع نہ کیا تھا؟۔ کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم (اپنی خواہش) بجھانے والے ہو (تو قوم کی بیٹیوں سے شادی کے ساتھ پوری کر لو) ۳

ان آیتوں کے اندر حضرت لوطؑ نے ان کو اپنی بیویوں کے قریب ہونے اور اپنی اس فحش حرکت سے باز آنے کا فرمایا، لیکن یہ لوگ اپنی مستیوں اور نشے میں بدمست نہ ہٹے اور نہ لحاظ کیا، بلکہ جب بھی آپ ان کو روکتے تو وہ ان مہمانوں کے حصول میں اور آگے بڑھتے اور لالچ کرتے اور ان کو پتہ نہیں تھا کہ تقدیر میں ان کے لئے

---

۱ وقد قال الذی عن سعید بن المسیب و ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الخ.

۲ وقدرواہ ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ. ۱ وقال محمد بن عمرو بن علقمۃ عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ. ۳ ۷۸ تا ۷۹۔

لکھا جا چکا ہے کہ بس رات گزارنے کی دیر ہے صبح کو اپنے انجام تک پہنچ جائیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کی جان کی قسم کھا کر فرمایا (اے محمد) تیری زندگی کی قسم وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں (حجر ۷۲) اور اللہ نے فرمایا اور (لوط نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا پھر (بھی) انھوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا، اور انھوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے متعلق بہکایا، پھر ہم نے ان کو اندھا کر دیا پس چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا، اور پھر بے شک ان کو صبح صبح دائمی عذاب نے آپکڑا۔[۱]

مفسرین وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے دروازے کو بند کر رکھا تھا (اور مہمان اندر بٹھار کھے تھے) اور خود دروازے پر کھڑے ہو کر قوم کو ہٹا رہے تھے اور وہ بھیڑ اور ازدھام کے ساتھ دھکے پر دھکے مار رہے تھے اور آپ ان کو ساتھ ساتھ نصیحت فرماتے اور ان کو منع کرتے روکتے، اور اپنی پوری بے چارگی و انکساری ان کے ساتھ اختیار کر ڈالی لیکن بد کردار ملعونوں بے ہودہ لوگوں کو کچھ شرم و لحاظ نہ آیا تو اس وقت حضرت لوط نے بڑی غربت و بے بسی کے ساتھ یہ کہا کاش کہ میرے لئے تمہارے مقابلے پر کوئی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلع کا سہارا پکڑتا (ہود ۸۰) تو تم سے اچھی طرح اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا اور تم کو سمجھا دیتا۔

تو پھر فرشتوں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا اور کہا: اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں، یہ ہرگز تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے (ہود ۸۱) مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ان پر نکل پڑے اور اپنے پر کے ساتھ ان کے چہروں پر ایک وار کیا تو وہ اندھے ہو گئے حتی کہ کہا گیا ہے کہ ان کے چہروں پر آنکھوں کا نام و نشان بالکل ہی مٹ گیا، اور کچھ اثر اور نشانی تک باقی نہ رہا اور پھر وہ چیختے چلاتے دیواروں کو ٹٹولتے ٹٹولتے واپس دوڑے بھاگے لیکن ہٹ دھرمی کی انتہا کہ پھر بھی جاتے ہوئے اللہ کے پیغمبر حضرت لوط کو دھمکیاں دیتے جا رہے ہیں کہ کل آنے دو پھر دیکھ لیں گے۔

اسی کو اللہ نے فرمایا: اور انھوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے بارے میں بہکایا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا، اور صبح ہوتے ہی ان کو دائمی عذاب نے گھیر لیا۔

(القمر ۳۷ تا ۳۸)

اور عذاب کی صورت یہ ہوئی کہ پہلے تو فرشتے حضرت لوط کی خدمت میں کہنے لگے کہ آپ راتوں رات اپنے اہل کو لے کر نکل جائیے اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، یعنی جب عذاب کی آواز آئے تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہو اور حضرت لوط کو یہ بھی تاکید کی کہ آپ ان کے پیچھے چلیں آگے فرمایا الا امراتك سوائے تیری بیوی کے یہ نصب کے ساتھ ہے نصب کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید یہ فاسر باهلك سے مستثنیٰ ہو، تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ نکلئے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ولا یلتفت منکم احد سے مستثنیٰ ہو پھر مطلب ہوگا کہ وہ بیوی ساتھ چلتے ہوئے پیچھے دیکھے گی اور پھر اس کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو دوسروں کو پہنچا، اور اس امکان کی تقویت رفع کی قرات سے ہوتی ہے لیکن پہلا مطلب معنوی اعتبار سے زیادہ بہتر لگتا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والہیہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی

---

[۱] القمر ۳۶ تا ۳۸

بیوی کا نام (والفہ) تھا۔

فرشتوں نے ان سرکشوں، نافرمانوں، ملعونوں، جن کو اللہ نے ہر خائن و خاسر کے لئے مثال و نظیر بنادیا، ان کی ہلاکت کی خوشخبری دیتے ہوئے حضرت لوطؑ کو فرمایا: بے شک ان (پر عذاب) کے وعدے کا وقت صبح ہے کیا صبح قریب نہیں ہے؟ (ہود ۸۱)

پھر حضرت لوطؑ اپنے اہل جو صرف دو بیٹیوں پر مشتمل تھا، اور کوئی مرد نہ تھا۔

ان دو بیٹیوں کو لے کر حضرت لوطؑ نکلے اور کہا جاتا ہے ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ تھیں واللہ اعلم، تو جب یہ حضرات اپنے علاقے سے جدا ہو گئے اور سورج اپنی کرنوں کے ساتھ نکلا تو بس اس طلوع کے وقت قوم لوط پر اللہ کا وہ عذاب آ گیا جو واپس ہونے والا نہیں تھا اور وہ سخت عذاب تھا جس کو روکنا برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔

اہل کتاب کے ہاں یہ ہے کہ حضرت لوط کو فرشتوں نے جائے نکلنے کہ یہ حکم دیا تھا کہ وہ وہاں ایک پہاڑ پر چڑھ جائیں تو پھر حضرت لوط نے ان سے کہا کہ وہ قریبی بستی میں جانا چاہتے ہیں تو فرشتوں نے پھر کہا تھا کہ ٹھیک ہے آپ چلے جائیں ہم آپ کے وہاں پہنچنے کا انتظار کریں گے حتی کہ آپ وہاں پہنچ کر ٹھہر جائیں پھر ہم اس قوم پر عذاب برسائیں گے، تو مذکور ہے کہ حضرت لوطؑ ایک صوعر نامی بستی میں گئے جس کو لوگ غورزغر کہتے تھے، پھر جب سورج طلوع ہوا تو قوم لوط کو عذاب نے پکڑ لیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے بستی کو تہہ وبالا کر دیا اور ان پر کنکر کے پے در پے پتھر برسائے، جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ (بستی) ظالموں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ (ہود ۸۲۔۸۳)

یہ بستی سات شہروں پر مشتمل تھی (اور اس وقت بستی بڑے شہر بلکہ بہت بڑے علاقے کو بھی کہہ یا جاتا تھا) اور ان میں ایک قول کے مطابق چار سو انسان تھے اور ایک قول کے مطابق چار ہزار تھے اور ساتھ بں حیوانات وغیرہ بھی تھے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان تمام چیزوں سمیت زمین کو اس کے آس پاس سمیت، اپنے پر کے ایک کونے کے ساتھ اکھیڑا اور اوپر کیا حتی کہ آسمان کے بالکل قریب پہنچادیا یہاں تک کہ اہل آسمان نے ان بستی والوں کے مرغوں کی آوازیں سنیں اور ان کے کتوں کا بھونکنا سنا تو حضرت جبرئیلؑ نے وہاں تک لے جا کر اس بستی کو بالکل الٹ دیا تو اس طرح اس کے بالائی حصے کو نیچے کر دیا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں سب سے پہلے نیچے ان کے سردار اور بڑے شرفاء گرے، اس کے بعد پھر پتھروں کی ارش ہوئی اور پتھر کنکر کے تھے یعنی سخت اور مضبوط تھے (جیسے بجری کا پتھر ہوتا ہے) اور فرمایا منضود یعنی وہ پتھر پے درپے برسے اور آگے فرمایا "مسومة" یعنی ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر وہ لگے گا اور اس کا دماغ نکال دے گا، جیسے اللہ نے فرمایا، (وہ پتھر) تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے حد سے گزرنے والوں کے لئے۔[1] اور فرمایا وامطرنا علیهم مطرا فساء مطر المنذرین، اور ہم نے ان پر مینہ برسایا پس ڈرائے گئے لوگوں پر برا مینہ برسا۔[2] اور فرمایا:

---

[1] ذاریات ۳۴۔ [2] نحل ۵۸

اور اس بستی کو پتھروں سے ڈھک دیا گیا، اور وہ پتھر بھی کنکر کے تھے اور پے در پے برسے اور ہر ایک پر اس کے ساتھی کا نام بھی لکھا ہوا تھا، جو حاضرین تھے ان کو بھی لگے اور جو بستی سے دور کہیں سفر میں تھے یا جہاں کہیں تھے وہیں ان کو عذاب نے گھیر لیا، اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ قوم کے ساتھ رہ گئی تھی اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑی تھی۔

لیکن جب اس نے چنگھاڑ سنی اور شہر کے گرنے کی آواز سنی تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئی اور اپنے پروردگار کی مخالفت کرلی، اور یوں پکار اٹھی ہائے میری قوم، تو اس پر بھی پتھر لگا اور اس کا دماغ نکال دیا اور اس کو ان کی قوم کے ساتھ کردیا، اس لئے کہ وہ انہی کے دین پر تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر جو مہمان ہوتے یا کوئی اور بات ہوتی اس کی جاسوسی کے لئے اپنی قوم کی طرف سے منتخب تھی جیسے اللہ عزوجل نے دوسری جگہ اس کے متعلق فرمایا: فرمایا:- اللہ نے ان لوگوں کی مثال دی جنھوں نے کفر کیا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کے ساتھ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت تھیں لیکن دونوں بیویوں نے ان سے خیانت کی لہذا ان کو اللہ (کے عذاب) سے (اس نے) کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور ان کو کہا گیا جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔[1]

یعنی دونوں نے اپنے خاوندوں کے دین میں خیانت کی، لہذا دونوں جہنم میں جائیں گی، اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فاحشہ تھیں، ہرگز ہرگز نہیں کیونکہ اللہ کے کسی پیغمبر کے تحت کوئی فاحشہ بدکار عورت نہیں آسکتی، جیسے ابن عباسؓ اور دیگر سلف و خلف بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہو سکتی، اور جس نے اس کے خلاف کہا اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

جب حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر قصہ افک پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی، اور جنھوں نے برائی کا بہتان باندھا تھا اللہ نے ان پر تنبیہ کی اور ان پر عتاب نازل کیا اور آئندہ کے لئے اس سے بچنے اور ڈرنے کا حکم کیا گیا کہ نبی کے گھر والوں کے متعلق کبھی ایسا سوچو بھی مت، قرآن میں ہے۔

جب تم نے اس (بات) کو اپنی زبانوں کے ساتھ پایا، اور تم نے اپنے منہ کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا تم کو علم نہیں اور تم اسکو ہلکا سمجھتے رہے اور وہ اللہ کے نزدیک عظیم (گناہ) ہے اور جب تم نے اس بات کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں مناسب نہیں ہے کہ ہم اس بات کو کہیں تو پاک ہے، یہ بہتان عظیم ہے۔[2] یعنی نبی کا گھر اس بات سے پاک ہوتا ہے کہ ان سے اس قسم کی حرکت سرزد ہو۔

اور اللہ نے جو فرمایا اور وہ ظالموں سے دور نہیں ہے۔[3] یعنی یہ سزا ان لوگوں سے بھی دور نہیں ہے جو اس قوم کی مشابہت اختیار کریں اور لڑکوں سے بدفعلی کریں یعنی ان کو بھی یہ سزا مل سکتی ہے، اسی وجہ سے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس فعل کا مرتکب سنگسار کیا جائے برابر ہے کہ وہ شادی شدہ ہو یا نہیں، اس پر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اکثر آئمہ کا یہی مذہب ہے انھوں نے اس حدیث کے ساتھ بھی دلیل پکڑی ؛

---

[1] تحریم ۱۰
[2] نور ۱۵ تا ۱۶۔
[3] ہود ۸۳
[4] من حديث عمرو بن ابی عمرو عن عكرمة عن ابن عباس

ہے جس کو امام احمد نے اور اہل سنن نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔

اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اس مذہب کی طرف گئے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب کو اونچے پہاڑ کی چوٹی سے گرادیا جائے اور پھر اس پر پتھروں کی بارش کی جائے یعنی جیسے قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اسی طرح اس کے ساتھ کیا جائے، اور اللہ کے فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے، فرمان ہے:- اور یہ (سزا) ظالموں سے دور نہیں ہے۔

اور اللہ نے اس جگہ کو ایک انتہائی بدبودار سمندر بنادیا ہے جس کے پانی سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا اور نہ اس کے آس پاس کی زمین سے نفع حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بہت خراب اور اونچی نیچی ہے اور بالکل بیکار زمین ہے، اللہ نے اس کو عبرت، نشانی، مثال اور نصیحت بنادیا ہے جو اللہ کے منتقم ہونے کو خوب بتاتی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ ورسول کی مخالفت کریں اور اپنی خواہش کی پیروی کریں اور اپنے آقا کی نافرمانی کریں اور یہی جگہ مومنین کے لئے نجات پر دلیل ہے کہ اللہ ان کو ایسی جگہوں سے بچائے گا اور ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لے گا جیسے اللہ نے فرمایا بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک تیرا رب وہ غالب (اور) مہربان ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، پھر ان کو صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑ نے آپکڑا، پھر ہم نے اس (بستی) کو تہہ وبالا کر دیا، اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے، بے شک اس میں فراست والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور بے شک وہ (بستی) سیدھے راستے پر ہے، اس میں مومنوں کے لئے پریشانی ہے۔[2]

یعنی جو فراست کی نگاہ اور غور فکر کے ساتھ ان میں دیکھے گا کہ کیسے اللہ نے ان شہروں اور ان کے اہل کو تباہ کر دیا اور کیسے اللہ نے بڑی آبادی اور بسنے کے بعد ان کو خراب، تباہ، برباد کر دیا تو جو اس طرح سوچے گا اس کو اس سے بہت سبق و عبرت وایمان حاصل ہوگا۔

جیسے کہ ترمذی وغیرہ نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پھر حضور ﷺ نے ایک تلاوت فرمائی ان فی ذلك لآیات للمتوسمین اور خدا کا فرمان کہ وہ بستی سیدھے راستے پر ہے، یعنی وہ اب تک شارع عام پر ہے ہر آتا جاتا اس سے عبرت پکڑ سکتا ہے اسی وجہ سے آگے فرمایا[3]، اور تم ان پر دن کے وقت گزرتے ہو اور رات کے وقت تو پس کیوں عقل نہیں رکھتے؟

اسی طرح اللہ نے فرمایا اور ہم نے اس بستی سے ایک نشانی چھوڑ دی اس قوم کیلئے جو عقل رکھتی ہے[4] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ہم نے ان کو نکال لیا جو اس میں مومنین میں سے تھے، (اور) ہم نے اس میں ایک گھر کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی اور گھر نہ پایا، اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔[5]

---

[1] شعراء ۸۔۹۔ [2] حجر ۷۳ تا ۷۷۔
[3] صافات ۱۳۸۔ ۱۳۷۔ [4] عنکبوت ۳۵۔ [5] ذاریات۔ ۳۵۔ ۳۷

یعنی جو آخرت کے عذاب سے ڈرے اور رحمٰن سے غائبانہ ڈرے اور اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کرے اور اپنی خواہش کو رد کرے اس کے لئے ہم نے یہ بستی عبرت و نصیحت بنا دی ہے تا کہ وہ محارم اللہ سے بچے اور اس کی نافرمانیوں کو ترک کر دے اور قوم لوط کے مشابہ ہونے سے ڈرے۔

بے شک جس نے جس قوم کی شکل اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا، اگر کلی طور پر نہ ہو تو جزوی طور پر ہی سہی، ہوگا ضرور جیسے کسی نے کہا

فان لم تکونوا قوم لوط بعینهم فما قوم لوط منکم ببعید

یعنی اگر تم در حقیقت قوم لوط نہیں ہو لیکن پھر بھی قوم لوط تم سے دور تو نہیں ہے یعنی ان کی مشابہت ہو سکتی ہے۔

پس عاقل سمجھ دار اپنے رب سے ڈرنے والا وہ ہے جو اپنے رب کے حکم کو مانے اور رسول کی تعلیمات پر عمل کرے جن میں سے یہ بھی ہے بیویوں اور باندیوں سے خواہش کو تسکین دے، اور آگے شیطان مردود کی اتباع سے بچے کہ کہیں اس پر بھی عذاب نہ آن پڑے اور پھر وہ بھی اللہ کے اس فرمان کے تحت داخل ہو جائے۔

وما ھی من الظٰلمین ببعید (ہود ۸۳)

اور یہ (سزا) ظالموں سے (اب بھی) دور نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السّلام کا قصہ

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں بیان فرمایا (ترجمہ) اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا (تو) انھوں نے کہا (اے) قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری (طرح) کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو۔ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو خدا نے تم کو کثیر جماعت کر دیا اور دیکھ کہ (فساد) و خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کے ساتھ رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے مذہب میں آجاؤ، انھوں نے کہا کہ خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں تو بھی، اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ باندھا، اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کا ہوئے ہے، ہمارا خدا ہی پر بھروسہ ہے اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ جاؤ گے، تو ان کو (اچانک) بھونچال نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، (یہ لوگ) جنھوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے تھے کہ گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، (غرض) جنھوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے، تو شعیب ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں بھی اسی طرح بیان فرمایا (ترجمہ) اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انھوں نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر لے گا، اور (اے) میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو اگر تم کو

[1] سورۂ اعراف آیت ۸۵ تا ۹۳

(میرے کہنے کا) یقین ہو تو خدا کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

انھوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھلاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو، انھوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں (تو کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس کے بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور اے قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرادے کہ جیسی مصیبت نوحؑ کی قوم یا ہودؑ کی قوم یا صالحؑ کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں، اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔

بے شک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے، انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ (تو) انھوں نے کہا کہ قوم! کیا میرے بھائیوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے میرا پروردگار تو تمہارے تمام اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے، اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے، گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے، سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار تھی۔[1]

دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان فرمایا (ترجمہ) اور بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیبؑ کے لوگ) بھی گناہ گار تھے، تو ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا اور یہ دونوں شہر کھلے راستے پر (موجود) ہیں[2]

اور سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا (ترجمہ) اور بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، اور میں اس (کام) کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ (دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا، (تو) وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو، اور تم اور کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو، اگر تم سچے ہو تو آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا ہم پر لا گراؤ (شعیب نے) کہا جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے ان کو آپکڑا بے شک وہ بڑے ہی سخت دن

---

[1] سورۂ ہود آیت ۸۴ تا ۹۵۔ [2] سورۃ الحجر آیت ۷۸ تا ۷۹

کا عذاب تھا اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب اور (مہربان ہے)

اہل مدین خالص عرب قوم تھی اپنے شہر مدین میں آباد تھی اور یہ مدین شام کے اطراف میں سرزمین معان کے قریب ہے اور حجاز کی سرزمین بھی بحیرۂ لوط کے قریب سے اس کو چھوتی ہے، اور اہل مدین قوم لوط کے کچھ عرصے بعد تھے، اور مدین ایک قبیلے کے نام سے مشہور ہے اور وہ قبیلہ بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، ان کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام ابن میکیل بن یشجن ہیں ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ سریانی زبان بولتے تھے، لیکن اس میں کچھ شک کا امکان ہے یعنی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اور حضرت شعیب کا شجرۂ نسب یوں بھی ذکر کیا گیا ہے شعیب بن یشجر بن داوی بن یعقوب اور ایک دوسری طرح یوں ذکر کیا گیا ہے شعیب بن نویب بن عیفا بن مدین بن ابراہیمؑ۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیمؑ اسی طرح اور بھی ان کے نسب نامے مذکور ہیں، واللہ اعلم بالصواب

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ان کی دادی یا ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور حضرت شعیبؑ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی اور دمشق میں داخل ہوگئے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے فرمایا حضرت شعیبؑ اور بلعم ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر اس دن ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا، پھر ان دونوں مذکورہ شخصوں نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی پھر حضرت ابراہیمؑ نے دونوں کی شادی لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے ساتھ کردی، ابن قتیبہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے لیکن اس تمام تفصیل میں شک کا امکان ہے اور ابو عمرو بن عبد البر نے الاستیعاب میں سلمہ بن سعد العنزی کی سوانح ذکر کرتے وقت فرمایا ہے کہ سلمہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے کو قبیلہ عنزہ کی طرف منسوب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا عنزہ بہترین قبیلہ ہے جن پر ظلم کیا گیا تو (اللہ کی طرف سے) ان کی مدد کی گئی اور یہ شعیب کی قوم ہے اور موسیٰؑ کے سسرالی خاندان والے ہیں۔

پس اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس بات پر واضح دلیل ہوگی کہ حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے سسر ہیں اور حضرت شعیبؑ خالص عرب عاربہ میں سے ہیں جن کو عنزہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ عنزہ نہ ہوں گے جن کا نسب یوں ہے عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان، اس لئے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بہت طویل زمانے بعد آئے ہیں، واللہ اعلم۔

اور صحیح ابن حبان میں انبیاء ورسل کے تذکرے کے وقت حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چار نبی عرب سے ہیں، ہود، صالح، شعیب، اور اے ابوذر تیرا نبی۔

اور بعض بزرگ حضرت شعیبؑ کو خطیب الانبیاء یعنی نبیوں کے خطیب کا لقب دیتے ہیں کیونکہ یہ اپنی فصاحت بلاغت اور زور بیان میں اور اپنی قوم کو اپنی رسالت وایمان باللہ کی طرف بلانے میں اپنی مثال آپ

تھے۔

لہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب حضرت شعیبؑ کا ذکر فرمائے تو فرماتے وہ انبیاء میں خطیب ہیں۔

اور اہل مدین کفار تھے لوگوں کو لوٹتے تھے راہ گیروں کو ہراساں کرتے اور ایکہ کی پرستش کرتے تھے اور یہ درخت کو کہتے ہیں جس کے آس پاس بھی ایک جھنڈ سا ہو الحاصل ایکہ درختوں کے جھنڈ کا نام ہے اس کی یہ پرستش کرتے تھے، اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے اپنے اوزان کے پتھروں کو کم رکھتے تھے یعنی کم تول کر دیتے تھے، لیتے وقت زیادہ وصول کرتے اور دیتے وقت کمی کر کے دیتے، پھر ان کی حالت زار پر اللہ نے ترس کھا کر انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے انھوں نے ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا، اور ان برے افعال، لوگوں کو اشیا ناپ تول میں کم کر کے دینا، اور راہ گیروں کو لوٹنا ان کو خوفزدہ کرنا ان تمام باتوں سے منع کیا، سمجھایا، الحمد للہ بعض لوگ ایمان لے بھی آئے لیکن اکثر اپنے کفر پر ڈٹے رہے، حتی کہ اللہ نے ان پر بھی عذاب شدید نازل فرمادیا، اور وہ زبر دست غالب ہے۔

جیسے اللہ نے فرمایا والی مدین اخاھم شعیبا ...... الخ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آگئی ہے۔ ۲ے

یعنی واضح حجت اور دلیل اور برہان آچکی ہے جو اس بات پر شاہد اور دلیل ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ سب سچ ہے اور اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ایسے معجزات ہیں جن کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، اور یہ آیت ان پر اجمالاً دلالت کرتی ہے۔

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے آگے فرمایا، پس تول اور ترازو کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیا گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ زمین کے درست ہونے کے بعد ۳ے حضرت شعیبؑ نے ان کو انصاف کا حکم فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا اور اس کی ممانعت پر ڈرایا لہذا آگے فرمایا: یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور ہر راستے پر نہ بیٹھ جاؤ کہ (پھر راہ گیروں کو) ڈراؤ ۴ے یعنی رہزنی نہ کرو اور ان کے اموال نہ چھینو اور راہ چلنے والے لوگوں کو خوفزدہ نہ کرو، اس آیت ولا تقعد وا الخ کی تفسیر حضرت سدیؒ صحابہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اہل مدین راہ چلتے لوگوں سے ان کے اموال کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے۔

اور اسحاق بن بشر حضرت جبیر سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ قوم ظالم اور سرکش قوم تھی راستوں پر بیٹھ جاتی، لوگوں کو نقصان پہنچاتی ان سے ان کے اموال کا دسواں حصہ بطور غنڈہ گردی کے وصول کرتی اور سب سے پہلے اس ٹیکس کی انہوں نے بنیاد ڈالی حضرت شعیبؑ ان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱ے وقد روی ابن اسحاق بن بشر عن جو یبر و مقاتل عن الضحاک عن ابن عباس ...... الخ ۲ے الاعراف ۸۵
۳ے الاعراف ۸۵-۸۶ ۴ے الاعراف ۸۵-۸۶ ۵ے اعراف ۸۶

تم لوگ اللہ کے راستے سے روکتے ہو ان کو جو اس پر ایمان لائے اور تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔[۳]
اس میں حضرت شعیبؑ نے ان کو راہ خدا میں لوگوں کو روکنے سے منع فرمایا اور دنیوی ظاہری ڈاکے سے بھی منع فرمایا، پھر حضرت شعیبؑ ان کو اللہ کے ان پر احسان یاد دلاتے ہیں اور معتدوں کے انجام سے ڈراتے ہیں فرمایا :- اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو بڑھایا اور دیکھ لو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا ہے۔[۱]
حضرت شعیبؑ نے ان کو خدا کی نعمتیں جتائیں کہ وہ پہلے کمزور اور قلیل تعداد میں تھے پھر اللہ نے ان کو کثیر کر دیا اور طاقتور کر دیا اور آگے ان کو ڈرایا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں گے تو ان پر بھی خدائی عذاب آجائے گا جیسے دوسرے قصے میں بیان فرمایا، فرمایا : اور ناپ تول میں کمی نہ کرو میں تم میں بھلائی دیکھتا ہوں (اگر تم مان لو) اور میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔[۲] یعنی جن پر تم سوار ہو ان کو چھوڑ دو ورنہ تو اللہ تم سے نعمت، برکت کو چھین لے گا، اور تم پر فقر کو مسلط کر دے گا اور تمہاری مالداری اور ثروت کو ختم کر دے گا اور یہ عذاب آخرت تک پہنچانے والی چیز بھی ہے تو اس طرح جس نے اس دنیا اور اس آخرت دونوں کے عذابوں کو جمع کر لیا بے شک اس نے گھاٹے والا سودا کر لیا۔
حضرت شعیبؑ نے ان کو پہلے ناپ تول کی کمی سے منع کیا پھر نعمت مال و دولت کے دنیا میں چھن جانے سے ڈرایا، پھر آخرت میں عذاب الیم کے مسلط ہو جانے سے ڈرایا الغرض بہت ہی سخت ڈرایا۔
پھر بھی مخالفت ہوتی رہی تو ایک مرتبہ یوں ڈانٹتے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا :
[۳] اے قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیاء گھٹا کر نہ دو اور نہ زمین میں فساد برپا کرتے پھرو، اللہ کا دیا ہوا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو، اور میں تم پر کوئی محافظ نہیں ہوں۔
اللہ کا باقی ماندہ چھوڑا ہوا، اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اللہ کا دیا ہوا رزق بہتر ہے اس سے جو تم لوگوں سے چھینتے ہو اور ابن جریرؒ نے فرمایا ناپ تول پورا پورا کرنے کے بعد جو نفع تمہارے لئے بچے وہ اللہ کا بقیہ ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم ناپ تول کم کر کے لوگوں کا مال ظلماً لو، اور یہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت حسن نے جو فرمایا اور نقل کیا وہ اللہ کے اس قول کے مشابہ ہے فرمان الٰہی ہے (اے پیغمبر) کہہ دیجئے خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتا اور اگرچہ آپ کو خبیث کی کثرت پسند لگے۔[۴]
اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے بے شک سود اگرچہ زیادہ ہو پھر بھی انجام تھوڑا ہے امام احمد نے اس کو روایت فرمایا یعنی اس میں برکت نہیں ہے اور وہ بہت جلد کم ہو جائے گا جیسے فرمان الٰہی بھی ہے اللہ سود کو ختم کر دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔[۵]
اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا : دو خرید و فروخت کرنیوالے اختیار میں ہیں جب تک جدا نہ ہوں پس اگر سچ بولیں اور (اصل بات) ظاہر کریں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت دی جاتی ہے اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو انکی خرید و فروخت کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔

---

[۱] الاعراف ۸۶ [۲] ہود ۸۴ [۳] ۶۶۔۸۵۔
[۴] المائدہ ۱۰۰ [۵] بقرہ ۲۷۶۔

مقصود یہ ہے کہ حلال نفع بابرکت ہوتا ہے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور حرام باقی نہیں رہتا اس میں برکت نہیں ہوتی اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی حضرت شعیبؑ نے فرمایا اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو[1]

اور فرمایا میں تم پر نگہبان نہیں ہوں، یعنی جن چیزوں کا میں تمہیں حکم کر رہا ہوں ان کو محض رضائے الہٰی کی خاطر بجالاؤ، اور ثواب کے حصول کیلئے کرو، میری دلجوئی یا اور کوئی مقصود نہ ہو۔

کہتے تھے اے شعیب کیا آپ کی نماز آپ کو حکم کرتی ہے (کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ) ہم اپنے آباء کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے نہ کچھ کریں؟ آپ تو عقل مند (اور) درست آدمی تھے[2] اور یہ انھوں نے حضرت شعیبؑ کا مذاق اڑانے اور ان پر عیب لگانے کے لئے کیا تھا کہ وہ نماز روزے جو آپ پڑھتے ہیں رکھتے ہیں وہی آپ کو یہ سکھاتے ہیں کہ آپ ہم کو ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکیں جن کی پرستش ہمارے اسلاف بزرگوار حضرات کرتے آئے ہیں، اور اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی ہم آپ کی خواہش ورضامندی کے مطابق چلیں، اور وہ سودے بازی چھوڑ دیں جس سے آپ منع کرتے ہیں اور وہ ہمارے پسندیدہ کاروبار ہیں۔

اور کفار نے کہا آپ عقل مند آدمی ہیں، حضرت ابن عباسؓ میمون بن مہران ابن جریجؒ زید بن اسلم، ابن جریر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دشمنوں نے یہ بات حضرت شعیبؑ کا مذاق اڑانے کے لئے کہی تھی۔

آگے حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں:- کہا اے قوم تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جانب سے بہترین رزق عطا فرمایا ہے اور میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں کرتا اس سے جس سے میں تم کو منع کرتا ہوں، جتنا ہو سکے میں صرف اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کے ساتھ ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔[3] یہ حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم کو عمدہ عبارت کے ساتھ نرمی ولطف سے سمجھانا ہے اور ان کو حق کی طرف واضح اشارے کے ساتھ دعوت دینا ہے، آپ فرماتے ہیں کیا خیال ہے تمہارا اے جھوٹے لوگو: اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں کہ واقعی اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے اپنی طرف سے عمدہ رزق (توفیق) عطا فرمائی ہے یعنی مجھ کو نبوت ورسالت سے نوازا ہے، جس سے تم بے بہرہ ہو، تو ان سب باتوں کے ساتھ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے پھر تمہارا کیا بہانہ ہوگا؟ اور آگے وہی بات فرمائی جو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو فرمائی تھی کہ میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا اس چیز میں جس سے میں تم کو روک رہا ہوں یعنی میں تم کو تو کہوں خود اس کے مخالف عمل کروں ایسا نہیں ہوگا، پس جب میں کسی بات کا حکم کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو بجالاؤں گا اور جب کسی بات پر منع کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو ترک کروں گا اور یہ صفت بہت عمدہ تعریف کے لائق صفت ہے اور اس کی ضد مردود اور مذموم ہے جیسے آخری زمانے میں بنی اسرائیل کے علماء کا شیوہ رہا اور اب تک ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا پس عقل نہیں

---

[1] ھود ۸۶ [2] ھود ۸۷ [3] ھود ۸۸ [4] بقرہ ۴۴

رکھتے ؟ [1] اور اس آیت کی تشریح میں ہم اپنی تفسیر میں حضور ﷺ سے روایت کردہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے روز) ایک آدمی کو لایا جائے گا پھر اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، پھر اس کی آنتیں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے گرد چکر لگائے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد چکر لگاتا ہے تو اہل جہنم (تماشائی کے طور پر) جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلانے تجھے کیا ہوا کیا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں میں نیکی کا حکم تو کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہ کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس سے بچتا نہ تھا۔

اور یہ صفت انبیاء میں کبھی نہیں ہوتی بلکہ فاجر فاسق بدبخت میں ہوتی ہے، اور بے شک شرفاء سردار اور عقل مند علماء تو وہ ہیں جو اپنے رب سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوتا جو حضرت شعیبؑ نے فرمایا: کہ میں تمہارے خلاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں منع کروں اور خود ارتکاب کروں، مجھ سے جتنا ہو سکے میں اصلاح کا ارادہ کرتا ہوں [1] یعنی میں اپنے تمام افعال، اقوال، احوال میں اپنی طاقت اور محنت کے ساتھ صرف زمین میں اصلاح و امن پھیلانا چاہتا ہوں اور آگے فرمایا اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کی طرف سے ملی ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ [2] یعنی اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے اس کے پاس میرا ٹھکانہ ہے، اور یہ مقام ترغیب ہے، پھر اس سے مقام ترہیب یعنی ڈرانے کی طرف رجوع کرتے ہیں، فرماتے ہیں، اے قوم تم کو میری مخالفت کہیں ایسی حالت میں نہ ڈال دے کہ تم پر اسی طرح عذاب آن پہنچے جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا، اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دور نہیں (اس سے عبرت پکڑ سکتے ہو) [3] یعنی تم کو مجھ سے محض مخالفت برائے مخالفت کرنے اور جو میں لایا ہوں اس سے بغض رکھنا اور اپنی جہالت و ضلالت پر ڈٹے رہنا کہیں تم کو خداوند کے عذاب و رسوائی میں نہ ڈال دے، جیسے کہ پہلے بھی تم جیسوں کے ساتھ ہوا یعنی قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح کے جھوٹے اور مخالف لوگوں سے تم عبرت پکڑ سکتے ہو، اور خاص کر قوم لوط جو ابھی ابھی گزری ہے اس کا حشر دیکھ لو اور یہ جو فرمایا کہ قوم لوط تم سے دور نہیں ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ وہ تم سے زیادہ زمانے پہلے نہیں گزرے اور ان پر ان کی سرکشی اور کفر کی وجہ سے جو عذاب نازل ہوا اس کو تم بخوبی جانتے ہو، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بستی تم سے محل و مکان کے اعتبار سے زیادہ دور نہیں ہے جا کر ان کی بستی کی تباہی ویرانی دیکھ لو اور ان دو مطلب کے علاوہ ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ قوم لوط بھی صفات اور برے افعال جیسے ڈاکہ زنی، لوگوں کے اموال ضبط کرنا، طرح طرح کے حیلوں اور مکرو فریب کے ساتھ ضبط کرنا وغیرہ وغیرہ امور میں تم ہی جیسی تھی تو جو اس کا حشر ہوا وہ تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

اور تینوں باتیں ہی یہاں مراد ہو سکتی ہیں ان کے جمع ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ زمانے میں بھی ان کے قریب ہیں اور مکان میں بھی ان کے قریب ہیں، اور صفات میں بھی انکے ساتھی ہیں۔

پہلے حضرت شعیب نے ترغیب و ترہیب کو جدا جدا بیان کیا پھر اکٹھا بیان کیا فرمایا:

---

[1] ہود ۸۸۔ [2] ہود ۸۸۔ [3] ۸۹

اپنے پروردگار کے حضور مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب رحیم ہے (اور) محبت کرنے والا ہے یعنی اپنی موجودہ حالت سے باز آجاؤ اور اپنی کایا پلٹ لو اور ان گناہوں کی خدا سے معافی مانگ لو[1] اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنے رحیم و کریم اور محبت کرنے والے پروردگار کی طرف توبہ کر لو اور اسی کے ہو کر رہ جاؤ بے شک جس نے اس کی طرف رجوع کر لیا تو وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ان پر اس قدر رحم و کرم کرنے والا ہے جتنا ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں کرتی، اور فرمایا وہ محبت کرنے والا ہے یعنی بندہ اپنے پروردگار کے جناب میں حاضر ہو جائے اور اپنی لغزشوں کی معافی مانگ لے تو وہ اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہے، اگرچہ وہ پہلے بڑے عظیم گناہ انجام دے چکا ہو جب حضرت شعیبؑ نے ان کو کئی طرح سے دعوت دی نرم بھی گرم بھی تو پھر انھوں نے جواب میں کہا کہنے لگے اے شعیب، جو تو کہتا ہے اس کو ہم نہیں سمجھتے، اور ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔[2]

حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ حضرت شعیبؑ کی بصارت میں کمی آئی تھی اور حدیث مرفوع میں بھی آیا ہے کہ حضرت شعیبؑ اللہ کی محبت میں اتنا روئے اتنا روئے کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی بصارت دوبارہ لوٹا دی اور اللہ نے ان سے پوچھا اے شعیب کیا تو جہنم کے خوف سے روتا ہے؟ عرض کیا بلکہ آپ کی محبت سے پس جب میں تجھ کو دیکھ لوں گا تو مجھے کوئی پرواہ نہ ہو گی کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تو اللہ نے ان کو وحی فرمائی کہ اے شعیب تجھ کو میری ملاقات مبارک ہو، لہذا اسی وجہ سے میں نے موسیٰ بن عمران جو میرے ہم کلام ہیں وہ تجھ کو بطور خادم ہدیہ کیے[3]

اس حدیث کی مثل ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے لیکن خط ادی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے تو خیر یہ باتیں اس بات کی تفسیر میں نقل کی ہیں کہ کافروں نے آپ ، کہا تھا آگے وہ ملعون کہتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر بھ ا نہیں ہے۔[4] یہ ان کے کفر اور ان کے اندر کی خباثت کی انتہا تھی۔

پہلے تو کہا ہم تیری بات ہی نہیں سمجھتے نہ اس کو عقل والی بات قرار دیتے ہیں کیونکہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس کو چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمارا اس کو قبول کرنے یا سننے کا ارادہ ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی ادنیٰ سی توجہ بھی ہے، اسی طرح کفار مکہ نے بھی حضور ﷺ کی دل آزاری کی تھی اور ہجو اس کی تھی۔

فرمان باری ہے اور وہ کہنے لگے جس بات کی طرف (اے محمد) تو ہمیں بلاتا ہے ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں، او ے اور تیرے درمیان پردے ہیں لہذا تو (اپنا) کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔[5]

تو جب کافروں نے حضرت شعیب کو سنگساری کی دھمکی دیتے ہوئے ان کے قبیلے سے رکاوٹ محسوس کی

---

[1] ہود ۹۰ [2] ہود ۹۱۔ [3] رواہ الواحدی عن ابی الفتح محمد بن علی الکوفی، عن علی بن الحسن بن بندار، عن عبداللہ محمد بن اسحاق الرملی عن ہشام بن عمار، عن اسماعیل بن عباس عن یحیی بن سعید عن شداد بن اوس عن النبی ﷺ بنحوہ ..... الخ وھو غریب جدا و قد ضعفہ الخطیب البغدادی

[4] فصلت ۵ [5] ہود ۹۲۔

توآپ نے جواب دیا: کہا اے قوم کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ باعزت اور غالب ہے ؟[۵]
یعنی تم میرے خاندان میرے قبیلے سے تو ڈرتے ہو، اور ان کے سبب سے میرا لحاظ کرتے ہو، افسوس اللہ سے نہیں ڈرتے اور یوں میرا لحاظ نہیں کرتے کہ میں اللہ کا قاصد ہوں، تو پس میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ باعزت اور طاقتور ہو گیا ہے اور فرمایا: اور تم نے اللہ کے لحاظ کو پس پشت ڈال دیا ہے بے شک جو تم عمل کرتے ہو میرا رب احاطہ کرنے والا ہے۔[۱] یعنی وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تمہاری حرکتوں کو جانتا ہے اور ان پر تم کو بدلہ دے گا جب تم لوٹ کر اس کے پاس جاؤ گے، اور فرمایا اے قوم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر ڈالے گا، اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔[۲] یہ سخت ڈراوہ اور وعید ہے کہ اپنے راستے اور طریقے اور مسلک پر عمل پیرا ہوں پھر عنقریب جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے اور کس پر ہمیشہ کی ہلاکت اور بربادی نازل ہوتی ہے اور اس دنیوی زندگی میں ان پر ایسا عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا و ذلیل کردے گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخرت میں ایک دائمی عذاب کس کو جکڑے گا اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ کون جھوٹا ہے میں جھوٹا ہوں یا تم کہ میں جو تم کو خبر دیتا ہوں اور خوشخبری سناتا ہوں اور ڈراتا ہوں وہ سچ ہے یا تم سچ ہو، سب معلوم ہو جائے گا، فرمایا: اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے انھوں نے دوسری جگہ فرمایا: اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو اس پر ایمان لایا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایسا جو ایمان نہیں لایا تو پس صبر کرو حتی کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے، اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے تو شعیبؑ کی قوم جواب دیتی ہے، شعیب کی قوم میں سے متکبرین کی ایک جماعت نے کہا[۳] اے شعیب ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لاتے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا تو تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ (شعیب نے) کہا کیا اگر ہم ناپسند کرتے ہوں تب بھی؟ (تو اس صورت میں) ہم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ جائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی اور ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم اس میں لوٹیں مگر یہ کہ ہمارا پروردگار چاہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا، اے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔[۴]
ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ کافر لوگ اپنے فاسد خیال کے مطابق اندازہ لگائے بیٹھے تھے کہ ہم ان کو بھی اپنی جھوٹی ملت کی طرف پھیر لیں گے، تو حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم اور مومنوں کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کیا اگر ہم تمہاری ملت کو ناپسند کرتے ہوں تب بھی تم زور سے ہم کو کھینچ لو گے گمراہ کر لو گے؟ کیونکہ یہ خوشی سے اختیار سے، تمہاری طرف نہیں آنا چاہتے اور اگر محالاً لوٹیں گے بھی تو ناپسندیدگی اور مجبوری اور نفرت سے لوٹیں گے کیونکہ ایمان جب کسی دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کو کوئی نہیں نکال سکتا، اور اس کو کوئی نہیں پھیر سکتا اور نہ اس کے لئے کوئی اور ٹھکانہ ہوتا، اسی وجہ سے حضرت شعیبؑ نے فرمایا: کہ جب اللہ نے ہم کو الحمد للہ تمہاری جھوٹی ملت سے نجات دیدی ہے اس کے باوجود بھی تمہاری طرف

[۱] ہود: ۹۲ [۲] ہود ۹۳ [۳] اعراف ۸۸-۸۹ [۴] اعراف ۸۸-۸۹

لوٹیں گے تو یہ ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے، لہذا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اللہ جو چاہے وہی ہوگا، ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اور اللہ ہی پر ہم کو بھروسہ ہے پس وہ ہم کو کافی ہے اور وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور تمام کاموں میں اس کی طرف ہمارا ٹھکانا اور جائے پناہ ہے، پھر حضرت شعیبؑ اپنی قوم کے درمیان فیصلے کو طلب کرتے ہیں اور ان کے عذاب مانگنے پر ان کے لئے اس کی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جلد ہمارے درمیان فیصلہ کردیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں، تو اس طرح حضرت شعیبؑ نے ان پر بددعا کی اور اللہ اپنے رسولوں کی بات مسترد نہیں کرتا جب وہ مدد طلب کریں ان لوگوں کے خلاف جنھوں نے ان کی بات سے انکار کیا اور اللہ سے کفر کیا اور ان کی مخالفت کی، یہاں پہنچ کر اس طرح حضرت شعیبؑ ان کے لئے بددعا کرتے ہیں لیکن ان کی قوم اس کے باوجود اپنے کفر پر ڈٹی ہوئی اور اس کے ساتھ دوسروں کو گمراہ کرتی ہوئی یوں کہتی ہے، اور شعیب کی قوم سے کافروں کی جماعت نے کہا اگر تم شعیب کی پیروی کروگے تو اس وقت تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔[1]

پھر جب ان کی گفتگو ختم ہوئی تو اللہ نے بھی فرمادیا اور حقیقت میں کردیا، فرمایا پھر ان کو ایک آندھی نے پکڑ لیا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہوگئے۔[2] یہاں ذکر کیا کہ ان کو ایک زلزلے نے پکڑ لیا اس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گئے زمین زلزلے کی زد میں آگئی اور ان کی روحیں ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور ان کے حیوانات بھی جمادات کی طرح ہوگئے ان کے اجسام، جیسے صرف ریت کے ڈھیر رہ گئے جن میں کوئی روح و حرکت نہ تھی اور نہ حواس تھے اور اللہ نے ان پر کئی اقسام کے عذاب جمع فرمادیئے تھے اور کئی مصیبتوں اور ہلاکتوں کی صورتیں ان پر اکٹھی کردی تھیں اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ بھی کئی قسم کے گناہوں کے ساتھ زندہ تھے تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی اس نے حرکتیں بند کروادیں اور چنگھاڑ بھیجی اس نے آوازیں بند کروادیں اور بادل بھیجے انھوں نے تمام اطراف سے آگ کے شعلے برسادیئے۔ لہذا اللہ نے جہاں بھی ان کے قصے کو بیان فرمایا وہیں کی مناسبت سے ان کے مختلف عذاب کو بیان فرمایا۔

کل تین طرح کے عذاب کا ان پر ذکر آیا ہے زمینی بھونچال، چنگھاڑ، آگ کے بادل۔

سورۂ اعراف میں ہے کہ کافروں نے حضرت شعیبؑ کو ڈرایا اور دھمکایا اور بستی سے جلاوطن کرنے کا کہا مگر یہ کہ وہ ہمارے دین میں آجائیں، تو اللہ نے اس مناسبت سے وہاں فرمایا: ان کو آندھی نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہوگئے تو یہاں ارجاف کافروں نے کیا تو اللہ نے رجف کیا یعنی انھوں نے ڈرایا ہی تھا اللہ نے ان کو حقیقت میں تباہ کردیا۔

اور سورۂ ہود میں ان کے متعلق چنگھاڑ کے عذاب کا حکم آیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرگئے، اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کے پیغمبر کو استہزاء اور تمسخر اور عیب لگانے کے طور پر کہا تھا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو حکم کرتی ہے کہ تو ہمیں حکم دے کہ ہم اپنے آباء کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں، یا اپنی مرضی کے مطابق ہم اپنے اموال میں تصرف نہ کریں آپ تو عقل مند اور درست تھے، [3] تو جس طرح انھوں نے نبی کا مذاق اڑایا تو اس کے لئے مناسب ہوا کہ ان کو ایسی ڈانٹ ڈپٹ کی جائے جو اس کے

[1] الاعراف ۹۰۔ [2] الاعراف ۹۲ [3] ہود ۸۷۔

مطابق ہو لہذا انھوں نے اپنی زبانوں سے نبی کا مذاق اڑایا تو اللہ نے اپنے فرشتے کے ذریعے ایک چیخ ان پر لگوائی جس سے ان کے کلیجے تک پھٹ گئے اور اس بد کلامی کا مزہ مل گیا جو نبی علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے لہذا پہلے آندھی نے ان کو سکون بخش دیا تھا پھر چیخ نے ان کو گنگ کر دیا۔

اور سورۂ شعراء میں ہے کہ ان کو سائبان یعنی بادل کے عذاب نے آدبوچا اور یہ ان کی مانگ و خواہش و طلب کا نتیجہ تھا انھوں نے کہا تھا کہ آپ تو جادوگر ہیں اور آپ صرف ہماری طرح کے آدمی ہیں اور ہم تو آپ کو بس جھوٹا گمان کرتے ہیں، لہذا آپ ہم پر آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا گرا دیجئے اگر آپ سچے ہیں شعیبؑ نے کہا میرا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے (لہذا فکر نہ کرو ان کا بدلہ مل جاتا ہے)[1] لہذا اللہ نے ان کی خواہش کو پورا فرمایا، فرمان الٰہی ہے، پھر انھوں نے شعیب کو جھٹلایا تو ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا بے شک وہ بڑے دن کا عذاب ہے۔[2]

اور بعض مفسرین جیسے قتادہ وغیرہ ان کا یہ خیال ہے کہ اصحاب الایکہ اہل مدین کے علاوہ کوئی اور امت ہے ان کا یہ قول ضعیف ہے۔

اور انھوں نے یہ خیال اس وجہ سے اپنایا ہے ایک تو یہ ہے کہ اللہ نے ایک جگہ فرمایا اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کو شعیبؑ نے کہا۔[3] اور یہاں حضرت شعیبؑ [illegible] ن کا بھائی نہیں کہا، اور دوسری جگہ فرمایا اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا[4] تو ان دونوں با[illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ دو قوموں کی طرف بھیجے گئے اصحاب الایکہ اور اہل مدین اور ان حضرات کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے لئے سائبان کے عذاب کو ذکر فرمایا اور اہل مدین کے لئے زلزلے یا چیخ کے عذاب کو ذکر فرمایا۔

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے ساتھ بھائی ہونے کا ذکر اس [illegible] نہیں کیا کیونکہ ساتھ میں قوم کی اصل قباحت یعنی اصحاب الایکہ ہونے کو بیان کیا ہے اور اصحاب الایکہ کا مطلب ہے کہ یہ درخت کے پجاری تھے، تو قرآن میں جب ان کی اس قبیح صفت کو ذکر کیا گیا تو اس جگہ ایک پیغمبر کو ان کے بھائی ہونے کے ساتھ ذکر کرنا نامناسب ہو لہذا وہاں از خود اس نسبت برادری کو ترک فرمایا، اور اہل مدین یعنی ان کی جب انہی اصحاب الایکہ کی طرف قبیلے کے اعتبار سے نسبت کی تو یہاں کوئی ایسی بات نہیں تھی لہذا اصل بات کو بیان کیا کہ یہ ان کے بھائی یعنی ان کے قبیلے کے تھے، لہذا یہاں برادر ہونے کی نسبت کا ذکر صحیح تھا۔

اور یہ فرق نفس لطیف اور باریک و عمدہ فرق ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر محض عذاب کے متعدد ہونے کی وجہ سے وہ دو امتیں ہیں تو پھر انہی کے قول کے مطابق اہل مدین کو چیخ اور زلزلے کا عذاب آیا لہذا یہ بھی دو امتیں ہو گئیں اس طرح پھر تو تین امتیں بن جاتی ہیں۔ اور اس بات کا کوئی بھی قائل اور حامی نہیں ہے کہ وہ اس طرح [illegible] کا عجیب مفہوم سمجھے۔

---

[1] الشعراء ۱۸۵ تا ۱۸۸۔ [2] سابقہ ۱۸۹۔ [3] الشعراء ۱۸۶ تا ۱۸۷۔ [4] اعراف ۸۵

اوران مذکورہ حضرات کے دلائل میں ایک حدیث بھی ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے حضرت شعیبؑ کی سوانح میں بیان فرمایااور وہ[1] عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے کہ قوم مدین اور اصحاب الایکہ دو جدا جدا امتیں تھیں اور دونوں کی طرف شعیبؑ کو بھیجا گیا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اسکے راویوں میں شک ہے اور زیادہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا خود کا فرمان ہے جو انھوں نے ان کتابوں سے حاصل کیا ہے جو ان کو جنگ یرموک میں بنی اسرائیل کی خبروں کی کتابوں کے دو لدے اونٹ ملے تھے، واللہ اعلم

اور ہماری بات کہ دونوں ایک قوم ہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے جو صفات اہل مدین کی بیان فرمائیں وہی اصحاب الایکہ کی بھی فرمائیں کہ دونوں ہی ناپ تول میں کمی کے مرتکب تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں گروہ ایک جماعت وامت تھے، لیکن ہلاک کئی قسم کے عذاب سے ہوئے ہیں اور ہر جگہ وہاں کے مناسب عذاب کو ذکر فرمایا ہے۔

اور اسی طرح دیکھئے کہ خدا کا فرمان ہے: پھر ان کو سائبان (یعنی بادلوں) کے عذاب نے آپکڑا۔[2]

اس کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ نے ان پر پہلے تو سخت گرمی مسلط فرمائی اور سات دن مسلسل ان پر ہوا بند رکھی، جس کی وجہ سے ان کو پانی اور سایہ بھی نفع نہ دے سکتا تھا اور ان کی گرمی نہ بجھا سکتا تھا اور اپنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہونے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، تو یہ اس عظیم مصیبت سے گھبرا کر اپنے محلے سے بھاگ کر جنگل میں پہنچے تاکہ کچھ ہوا لگے، وہاں ان پر بادلوں نے سایہ کرلیا پھر تو یہ خوشی سے اس کے نیچے اکٹھے ہوگئے، تاکہ اس کے سائے میں گرمی ودھوپ سے نجات حاصل کریں تو جب تمام افراد اس کے نیچے آگئے اور کوئی پیچھے نہ رہا تو پھر اللہ نے ان پر ان بادلوں سے آگ کے بھڑکتے شعلے برسائے، اور اس کے علاوہ اس وقت زمین اپنی تباہی میں آگئی اور ان کو جھنجھوڑا یعنی زلزلے کی کیفیت پیدا ہوگئی پھر آسمان سے ایک چیخ آئی تو اس نے ان کی روحوں کو نکال دیا (کلیجے پھٹ گئے) اور جسموں کو تباہ و ویران کردیا اور سب اوندھے گرے پڑے رہ گئے۔

فرمان الٰہی ہے: پھر وہ اپنے گھروں (یعنی علاقے) میں اوندھے منہ ہوگئے جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے پہلے ہی حضرت شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا تھا جیسے اس سچی ذات نے فرمایا: اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لانے والے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات دیدی، اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے ہوگئے؛ گویا کہ تھے ہی نہیں آگاہ رہو، (اہل) مدین کے لئے لعنت ہے جیسے کہ ثمود پر لعنت ہوئی۔[4]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کی قوم سے کافروں کی جماعت کے سرداروں نے کہا اگر تم شعیب کی

---

[1] من طریق محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، عن ابیہ، عن معاویہ بن ہشام عن ہشام بن سعد عن شقیق بن ابی ہلال، عن ربیعۃ بن سیف، عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً، [2] الشعراء ۱۸۹

[3] الاعراف ۹۱-۹۲- [4] ہود ۹۴-۹۵-

پیروی کروگے ؟ تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہو گے ، پھر ان کو بھونچال نے آپکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہو گئے ، جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں ، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ ہی خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔[1]

اور اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر کا دفاع فرماتے ہوئے جو یہ الفاظ فرمائے کہ وہی خسارہ اٹھانے والے ہوئے ، یہ درحقیقت ان کی اس بات کا جواب تھا انھوں نے کہا تھا، اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کرلی تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہو گے ۔[2]

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دے دیا اور بالکل بات نہ مانی اور ہلاک ہو گئے تو آپ ان کو ڈانٹتے اور افسوس کرتے ہوئے ان سے منہ موڑ کر چل دیئے فرمایا : پھر (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چلے اور کہا اے قوم بے شک میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچا چکا، اور تم کو نصیحت کر چکا، پس کیسے افسوس ہے کافر قوم پر ۔[3]

یعنی جب وہ ہلاکت میں پڑ گئے تو ان کے علاقے سے منہ موڑ کر یوں کہتے ہوئے افسوس زدہ حالت میں چل دیئے کہ اے قوم بے شک میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچادیئے تھے ، اور میں نے تمہارے لئے بہت خیر خواہی کی ، مگر تم نے میری ایک نہ سنی ، اور جو مجھ پر واجب تھا میں نے پورا پورا تم تک پہنچادیا اور تم سے کامل خیر خواہی کر کے دیکھی ، اور جتنا میرے بس میں تھا اور جتنے تک میں پہنچ سکا میں نے تمہاری ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور میں اس پر بہت حریص تھا لیکن میری تمام کوششیں بیکار گئیں اور انھوں نے تم کو کچھ نہ دیا اس لئے کہ اللہ جس کو گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے ، پس جو ہوا سو ہوا آج کے بعد میں تم پر افسوس نہ کروں گا ، اس لئے کہ تم نے ہی نصیحت کو ٹھکرادیا تھا ، اور رسوائی وذلت کے دن سے نہ ڈرتے تھے ۔

اس وجہ سے فرمایا کہ کافر قوم پر کیسا افسوس ؟ یعنی جو خود قبول حق سے گریزاں ہے اور اس کی طرف پلٹ کر توجہ نہ دی تو ان پر اللہ کا وہ عذاب اتر گیا جو واپس نہیں ہو سکتا اس کو کوئی رکاوٹ نہیں اور اس سے کوئی چھٹکارا نہیں اس سے کوئی بچاؤ نہیں ۔

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تھے اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ حضرت شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والوں نے مکہ میں وفات پائی اور ان کی قبریں ندوہ اور دار بنی سہم کے درمیان کعبہ کی غربی جانب ہے ۔

---

[1] اعراف ۹۰ تا ۹۲۔ [2] اعراف ۹۰۔ [3] اعراف ۹۳

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر خیر

حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کا قصہ اور ان کا انجام کار اور حضرت ابراہیمؑ کے کارنامے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے زمانے میں جو حضرت لوطؑ اور ان کی قوم کا واقعہ پیش آیا اس کو بھی ذکر کر دیا اور اس کے بعد حضرت شعیبؑ کی قوم اہل مدین کا قصہ ذکر کر چکے، کیونکہ قرآن مقدس میں کئی جگہ حضرت لوطؑ کی قوم کے قصے کے بعد حضرت شعیبؑ کی قوم کے قصے کو بیان کیا گیا ہے اور ہم نے بھی دونوں کو اکھٹا یکے بعد دیگرے ذکر کیا، اور اہل مدین اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی جماعت کے نام ہیں جیسے کہ ہم بیان کر چکے تو ہم نے قرآن عظیم کی اتباع کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا۔

پھر اب ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر تفصیلی ذکر شروع کرتے ہیں، کیونکہ اللہ نے ان کی اولاد میں نبوت و کتاب ہمیشہ کے لئے رکھ دی ہے اس لئے کہ انکے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوئے اور وہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک

حضرت ابراہیمؑ کے کئی بیٹے تھے، جیسے مذکور ہوا لیکن سب سے مشہور دو بھائی ہوئے کیونکہ دونوں عظیم پیغمبر گزرے ہیں، اور ان دونوں میں عمر اور بزرگی کے اعتبار سے بڑے، صحیح قول کے مطابق اور راہ خدا میں ذبح ہونے والے اور اس وقت کے اکلوتے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے ہاجرہ قبطیہ مصریہ کے شکم اطہر سے جنم لیا، اور جنہوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں انھوں نے اس کو بنی اسرائیل کی خبروں سے نقل کیا ہے وہ بنی اسرائیلؑ جنہوں نے اللہ کی کتابوں یعنی تورات و انجیل کو بدلا محرف کیا اس میں ردو بدل کیا، اور جو ہمارے ہاتھوں میں حق ہے اس سے منہ موڑا اور اس کی مخالفت کی اور بے شک حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا حکم ہوا تھا جو اس وقت اکلوتے اور تنہا تھے۔

اور جو کچھ بھی ہو بہر حال تمام کتابوں میں تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اسماعیلؑ تھے، قرآن سے بھی بلکہ ان کی کتاب میں بھی صراحت کے ساتھ ہے کہ اسماعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے ہاں جنم لیا جبکہ ابراہیمؑ اپنی عمر کی چھیاسی بہاریں دیکھ چکے تھے، اور اسحاق پیدا ہوئے جبکہ حضرت ابراہیم پر ایک سو سال بیت چکے تھے، تو حضرت اسماعیلؑ ہی اکلوتے اور تنہا ہوئے صورت کے لحاظ سے بھی اور معنی کے لحاظ سے بھی۔

صورت کے اعتبار سے اس طرح اکلوتے ہوئے کہ آپ (حضرت اسماعیلؑ) حضرت ابراہیمؑ کے تیرہ سال تک تن تنہا فرزند تھے حضرت اسحاقؑ تیرہ سال کے بعد پیدا ہوئے، اور معنیً اس طرح اکلوتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کو لے کر جبکہ ابھی اسماعیلؑ دودھ پیتے بچے تھے تو ان دونوں کو لے کر وادی فاران کے پہاڑوں کے درمیان تپتے صحراء میں بے آب و گیاہ جگہ پر چھوڑ آئے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ پانی اور توشہ بھی نہ تھا مگر تھوڑا سا اور یہ محض توکل علی اللہ پر چھوڑ گئے تھے، تو اللہ نے بھی ان کو اپنی عنایت و کفایت و رحمت سے گھیر لیا بے شک وہ بڑا کارساز اور کافی ہے اور وکیل و کفیل ہے۔

تو الغرض حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے صورت و معنی کے لحاظ سے اکلوتے فرزند ہیں لیکن کون ہے ؟ جو اس راز کو جانے ؟ اور کون ہے جو اس مقام پر اترے ؟ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا کوئی ادراک اور علم کے ساتھ احاطہ نہیں کر سکتا سوائے ہر پیغمبر کے۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیلؑ کو از خود کئی اعلیٰ صفات اور عمدہ خصلتوں کے ساتھ موصوف فرمایا ہے بردباری صبر وعدے و پیمان کی سچائی و وفائی، محافظت علی الصلوۃ، اور نماز کا اپنے اہل و عیال کو حکم کرنے تاکہ ان کو عذاب سے بچالیں، اور اس کے علاوہ دیگر عبادتوں کی دعوت و تعلیم[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اور (اے نبی) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے وعدے والے اور رسول و پیغمبر تھے اور اپنے اہل کو نماز اور زکوۃ کا حکم کرتے تھے، اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ (شخصیت) تھے۔

اور ان کی صفات میں فرمایا : پھر ہم نے ابراہیم کو بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں دیکھ لے تیری کیا رائے ہے تو کہا اے باپ جس کا آپ کو حکم ملا ہے پورا کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔[2] یہاں دیکھئے جیسے ہی باپ نے اتنی بڑی قربانی مانگی فوراً رضائے خداوندی کے لئے سر تسلیم خم کر دیا، اور وعدہ بھی کیا کہ انشاء اللہ وہ صبر کریں گے پس وعدے کو پورا کر دیا اور خوب صبر سے کام لیا۔ اور دوسری جگہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق، یعقوب کو یاد کرو جو قوت والے اور صاحب نظر تھے، ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد کے ساتھ ممتاز کیا تھا، اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔[3] اسی طرح دوسری جگہ فرمایا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے، اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیک لوگ تھے اور ایک اور جگہ فرمایا : (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم، اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف (بھی بھیجی تھی)[4] اور سورۂ بقرہ میں فرمایا : (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اترے،[5] اسی کی دوسری آیت بھی ذکر فرمائی فرمایا : (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہود یا عیسائی تھے ؟ (اے محمد تم ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا ؟

یہ آیات ذکر کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیلؑ کا اپنے پیغمبروں کا ساتھ کس قدر بار بار ذکر فرمایا اور کئی جگہ تو ان کو علیحدہ خصوصیت سے کئی عمدہ صفات کا حامل قرار دیا اور ان کو اپنا نبی اور رسول قرار دیا، اور ہر نامناسب بات جو جاہلین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان سے بری قرار دیا، اور اپنے

---

[1] مریم ۵۴۔ ۵۵ [2] الصافات ۱۰۱ تا ۱۰۲۔
[3] ص ۴۵ تا ۴۸۔ [4] النساء ۱۶۳۔ [5] بقرہ ۱۳۶۔

مومن بندوں کو حکم فرمایا کہ جو ان پر نازل ہوا اس پر بھی کامل ایمان رکھو۔

تاریخ اور نسب ناموں کے علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوا وہ حضرت اسماعیلؑ تھے، اور اس سے پہلے گھوڑا وحشی جانور تھا انھوں نے اس کو سدھایا اور مانوس کیا اور پھر اس پر سواری کی، اور[1] حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

گھوڑوں کو اپناؤ اور ان پر سواری کرو، بے شک یہ تمہارے باپ اسماعیلؑ کی میراث ہے۔

[2] رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا پہلا شخص جس نے واضح عربی زبان کے ساتھ زبان کھولی وہ اسماعیلؑ ہیں اور یہ (اس وقت) چودہ سال کی عمر کے تھے۔

اس حدیث کو بیان کرنے والے (امویؒ ہیں انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو یونس نے ان کو کہا اے ابو سیار (ان کی کنیت ہے) تو نے سچ کہا اسی طرح ابو جری نے بھی مجھے حدیث بیان کی ہے۔

اور پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے عمالیق کی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی، پھر ان کے والد مکرم نے ان کو اس سے جدائی کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل نے اس سے جدائی اختیار کر لی تھی، اموی کہتے ہیں وہ عورت عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل العمالیقی تھی، پھر حضرت اسماعیل نے ایک اور عورت سے شادی کی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو باقی رکھو، تو حضرت اسماعیلؑ نے ان کے ساتھ زندگی بسر کی اور وہ سیدہ بنت مضاض بن عمر والجرہمی تھیں اور ایک قول کے مطابق یہ تیسری بیوی تھیں پھر اس عورت سے حضرت اسماعیلؑ کے بارہ لڑکے ہوئے، اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں، وہ نابت، قیذر، ازبل، میشی، مسمع، ماش، دوصا، اوار، یطور، نبش، طیم، قیذما ہیں اہل کتاب نے اسی طرح یہ نام اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں اور حضرت اسماعیلؑ کے متعلق جو ان کی کتابوں اور ہماری کتابوں میں بھی خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کی آل سے بارہ عظیم اشخاص پیدا ہوں گے تو اہل کتاب نے جھوٹ اور غلط تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ افراد وہی ہیں۔

اسی بستی (یعنی مکہ) اور اس کے آس پاس کی آبادیوں میں جہاں کے مکین قوم جرہم، قوم عمالیق، اور اہل یمن تھے ان کی طرف آپ نبی بنا کر بھیجے گئے، اور جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے باپ شریک بھائی، پیغمبر خدا حضرت اسحاقؑ کو وصیت فرمائی، اور اپنی بیٹی نسمہ کا اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق سے نکاح فرمایا: نسمہ سے عیص کے ہاں ایک لڑکا روم پیدا ہوا اور اس سے آگے چلنے والی نسل کو بنو اصفر کہا جاتا تھا اصفر کے معنی ہیں زرد رنگ یعنی زرد رنگ والے کی اولاد کیونکہ عیص زرد رنگ کے تھے اور ایک قول کے مطابق یونان نامی لڑکا بھی انہی سے پیدا ہوا۔

اور عیص کی اولاد میں سے ایک اشبان بھی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ بھی انہی دونوں میں کسی کا بیٹا ہے اور ابن جریرؒ نے اس پر توقف فرمایا ہے۔

---

[1] وقدقال سعيد بن يحيى الاموى فى مغازيه، حدثنا شيخ من قريش، حدثنا عبدالملك بن عبدالعزيز، عن عبدالله بن عمر ..... الخ [2] قال الاموى، حدثنى على بن المغيرة، حدثنا ابوعبيد، مسمع بن مالك، عن محمد بن على بن الحسين عن آبائه، عن النبى صلى الله عليه وسلم الخ

اور اللہ کے نبی حضرت اسماعیلؑ مقام حجر میں اپنی والدہ ہاجرہؓ کے پاس مدفون ہوئے اور وفات کے وقت ان کی عمر مبارک ایک سو سینتیس ۱۳۷ سال تھی، عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے بارگاہ خداوندی میں مکہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ نے ان کو وحی فرمائی جہاں آپ مدفون ہوئے وہاں میں آپ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دوں گا، جس سے قیامت تک تجھ پر ہوائیں آتی رہیں گی اور حجاز مقدس (مکہ مدینہ) کے تمام عرب لوگ حضرت اسماعیلؑ کے دو صاحبزادوں یعنی قیذار اور نابت کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت اسحاقؑ بن ابراہیمؑ الکریم بن الکریم کا ذکر خیر علیہما الصلوٰۃ والسلام

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر جب سو سال کو پہنچ گئی تھی اس وقت یہ پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیلؑ چودہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور جب حضرت سارہؓ کو ان کی یعنی اسحاقؑ بچے کی پیدائش کی خوشخبری ملی تو اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔

فرمان الٰہی ہے :- اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے ہوگا اور پیغمبر ہوگا، اور ہم نے اس (ابراہیم) پر اور اسحاق پر برکتیں رکھیں اور ان کی اولاد سے محسن اور اپنے نفس کے لئے کھلے ظالم لوگ ہوں گے۔[1]

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کئی آیتوں کے اندر حضرت اسحاقؑ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ان کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث پہلے نقل کر چکے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام) ہیں۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اسحاقؑ نے جب اپنے والد ابراہیمؑ کے زمانے میں رفقابنت ہوایل سے شادی کی تو اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال تھی، لیکن یہ عورت رفقا بانجھ تھی جس پر حضرت اسحاقؑ نے حضور الٰہی میں دعا کی تو فریاد رسی ہوئی اور اللہ نے ان کو دو جڑواں لڑکے عطا فرمائے پہلے کا نام عیصو تھا جس کو اہل عرب عیص کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ روم کے والد ہیں اور دوسرا لڑکا چونکہ پہلے کے بعد پیدا ہوا تھا اور پچھلے حصے کو عقب کہتے ہیں اس لئے دوسرے کا نام یعقوب رکھ دیا اور یہی اسرائیل لقب والے ہیں جن کی طرف تمام بنی اسرائیل منسوب ہیں اور یہ پیغمبر ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاقؑ اپنے پہلے لڑکے عیصو سے بنسبت یعقوب کے زیادہ محبت کرتے تھے اس لئے کہ وہ پہلی اولاد تھے، اور ان دونوں کی ماں رفقا یعقوب سے زیادہ محبت کرتی تھی اس لئے کہ وہ زیادہ چھوٹا تھا کہتے ہیں کہ جب اسحاقؑ بڑی عمر کو پہنچ گئے اور بینائی جاتی رہی تو ایک مرتبہ ان کو کھانے کی بھوک لگی تو اپنے بڑے فرزند عیصو کو کہا کہ جا کر شکار کر کے ان کے لئے پکا کر لاؤ تاکہ وہ ان کو برکت اور ترقی کی دعا

---

[1] الصافات ۱۱۲، تا ۱۱۳

کریں، اور عیص شکاری تھا تو اس تلاش میں نکل گیا، پھر پیچھے سے رفقا والدہ نے یعقوب کو فرمایا کہ عمدہ بکریوں میں سے دو بچے ذبح کرو، اور اپنے باپ کی خواہش و پسند کے مطابق اس کو پکا کر تیار کرو اور جلدی سے اپنے بھائی سے پہلے ان کے پاس لے کر پہنچ جاؤ، تاکہ تمہارے والد مکرم تیرے لئے دعا کردیں تو پھر رفقا نے بڑے بھائی کے کپڑے چھوٹے بھائی یعنی یعقوب کو پہنائے اور اس کی گردن اور بازوؤں پر بکری کے بچوں کی کھالیں لٹکادیں، کیونکہ عیص تو بڑے جسم والا تھا جبکہ یعقوب ایسا نہ تھا، تو الغرض حضرت یعقوب یہ تیار کرکے اپنے باپ کی خدمت میں لے گئے تو باپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تیرا بچہ تو باپ نے ان کو گلے لگالیا اور چوما اور فرمایا: بہر حال آواز تو یعقوب کی اور کپڑے اور جسم عیص کا ہے پھر حضرت اسحاقؑ نے کھانا تناول کر لیا اور فارغ ہو گئے تو پھر ان کے لئے خدا کے حضور میں دعا کی کہ اللہ ان کو اپنے سب بھائیوں میں مرتبے کے اعتبار سے بڑا کرے اور ان میں اور ان کے بعد آنے والی جماعتوں میں اس کی نبوت چلے اور اللہ اس کا رزق و اولاد بڑھائے۔

پھر حضرت یعقوبؑ اپنے والد کے پاس سے نکل کر گئے تو پیچھے سے حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص بھی حضرت اسحاق کی خدمت میں پہنچ گئے اور جو حضرت اسحاقؑ نے حکم فرمایا تھا وہ بھی ساتھ لے آئے اور والد مکرم کے قریب کردیا تاکہ وہ تناول فرمائیں۔

حضرت اسحاقؑ نے پوچھا یہ کیا ہے اے بیٹے؟ عرض کیا یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی فرمایا: کیا تھوڑی دیر پہلے تو نہیں لایا اور میں نے اس سے کھایا بھی ہے، اور تیرے لئے دعا بھی کردی ہے؟ عرض کیا نہیں اللہ کی قسم۔ پھر عیص کو پتہ چلا کہ ان کا بھائی پہل کر چکا ہے تو حضرت یعقوب پر بڑے بھائی کو بہت غصہ آیا، اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یعقوب کو والد کی وفات کے بعد قتل کرنے کی دھمکی بھی دی اور والد ماجد سے دعا کے لئے عرض کیا تو والد مکرم نے ایک دوسری دعا ان کے حق میں بھی فرمادی کہ ان کی اولاد میں عمدہ زمین ہو اور ان کے پھل اور رزق خوب کشادہ ہوں۔

تو جب ان کی والدہ نے عیص کی دھمکی کو سنا تو چھوٹے بیٹے یعقوب کو حکم دیا کہ وہ میرے بھائی یعنی اپنے ماموں ''لابان'' نامی کے پاس سرزمین حران میں چلے جائیں اور انہی کے پاس رہیں تاوقتیکہ بڑے بھائی کا غصہ کافور ہو، اور یہ بھی کہا کہ ان کی بیٹی سے شادی بھی کر لینا اور پھر والدہ نے ان کے باپ حضرت اسحاق سے بھی عرض کیا کہ یعقوب کو اس بات کا حکم فرمادیں اور ان کو وصیت کردیں اور ان کے لئے دعا فرمادیں تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے سب فرمادیا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام اسی دن کے آخری حصہ میں ان کے پاس سے نکل پڑے اور چلتے چلتے رات چھا گئی تو ایک جگہ سو گئے اور ایک پتھر کو تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا اور سو گئے۔

پھر حضرت یعقوبؑ خواب میں دیکھتے ہیں کہ آسمان سے زمین تک ایک سیڑھی لگی ہے اور فرشتے چڑھ رہے ہیں اور اتر رہے ہیں، اور خدا تبارک و تعالیٰ یعقوبؑ سے مخاطب ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں میں تجھ کو عنقریب برکت دوں گا اور تیری اولاد کو کثیر کردوں گا، اور یہ زمین تیرے لئے کردوں گا اور تیرے بعد تیری اولاد کے لئے بھی۔

تو حضرت یعقوبؑ نیند سے بیدار ہوئے تو انتہائی خوشی سے سرشار ہو گئے اور منت مانی کہ اگر وہ اپنے اہل کی طرف صحیح سالم لوٹ گئے تو اس جگہ میں (جہاں لیٹ کر خواب نظر آیا) اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے ایک گھر بناؤں گا، اور یہ منت بھی مانی کہ جو کچھ اللہ دے گا اس کا دسواں حصہ اللہ کی راہ میں لگا دوں گا۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اس پتھر کو تیل لگا دیا جس پتھر پر وہ سر رکھ کر سوئے تھے تاکہ واپسی میں اس جگہ کی نشاندہی اس پتھر سے ہو جائے (شاید پتھر وہاں گرا ہوا تھا) اور اس جگہ کا نام رکھا بیت، ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی بیت اللہ اور یہ وہی جگہ ہے جو آج بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کو حضرت یعقوبؑ نے سب سے پہلے بنایا تھا آگے کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوبؑ حران میں اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے تو ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی کا نام لیا تھا چھوٹی کا نام راحیل تھا اور چھوٹی زیادہ خوبصورت و حسین تھی تو یعقوبؑ نے اپنے ماموں سے چھوٹی راحیل کو مانگا، ماموں نے اس شرط کے ساتھ ہاں کر دی کہ وہ چھ سال تک ان کی بکریاں چرائیں گے تو جب مدت گزر گئی اور شرط پوری ہو گئی تو انھوں نے دعوت کی اور لوگوں کو اکٹھا کیا اور شادی کر دی لیکن حضرت یعقوبؑ کو پتہ نہ چلا کہ شادی چھوٹی راحیل کے بجائے بڑی سے کی ہے پھر رات کو بھی بڑی ہی کو ان کے پاس بھیج دیا صبح کو حضرت یعقوبؑ کو پتہ چلا تو ماموں سے پوچھا آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا؟

اور میں نے تو راحیل کے لئے پیغام نکاح دیا تھا تو ماموں نے کہا ہماری سنت و طریقہ نہیں ہے کہ ہم بڑی کے ہوتے ہوئے چھوٹی کو بیاہ دیں، پس اگر تو اس کی بہن کو پسند کرتا ہے تو پھر از سر نو سات سال بکریاں چرا اور پھر میں اس کی بھی تجھ سے شادی کر دوں گا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سات سال کام کیا اور چھوٹی بہن سے بھی شادی کر لی، اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا، پھر تورات کی شریعت میں منسوخ ہو گیا، اور یہ دلیل تنہا کافی ہے اس بات پر کہ شریعت میں نسخ ہو جاتا ہے اور یہود اس بات میں ہماری شریعت پر اعتراض کرتے ہیں اور جبکہ یہ حضرت یعقوبؑ سے ثابت ہے جو معصوم ہیں ہمارے اور ان کے نزدیک مسلم ہیں پھر اس کا منسوخ ہونا تورات میں ثابت ہے۔

تو خیر پھر لابان ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک باندی بھی دیدی (تاکہ ان کی خدمت بجالائیں) اور بڑی بیٹی لیا کو زلفی نامی باندی دی اور چھوٹی بیٹی راحیل کو بلہی نامی باندی دی۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے لیا کے ضعف کو اس کی اولاد کے ساتھ پورا کر دیا، یعنی یہ حسین نہ تھیں تو اس احساس کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے ان کو حضرت یعقوبؑ سے اولاد کے ساتھ نوازا تو پہلا بچہ جو ان کے ہاں ہوا وہ روبیل نامی لڑکا تھا، پھر شمعون، پھر لاوی، پھر یہوذا، پھر تو چھوٹی بہن راحیل کو بھی سخت غیرت کا سامنا کرنا پڑا، اور یہ باامید نہ ہوتی تھیں تو انھوں نے اپنی خادمہ باندی یعنی بلہی حضرت یعقوب کو تحفہ دیدی، حضرت یعقوبؑ نے ان سے ہم بستری کی تو وہ باندی حاملہ ہوئی اور اس نے ایک لڑکے دان کو جنم دیا اور پھر ایک اور لڑکا اسی سے ہوا جس کا نام نیفتالی تھا تو پھر لیا کو بھی یہ بات سوجھی اور انھوں نے بھی اپنی باندی حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں دیدی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے ہم بستری کی اس باندی کا نام جیسے کہ گزرا زلفی تھا، اس سے بھی دو لڑکے استبر پیدا ہوئے پھر لیا سے بھی پانچواں لڑکا ہوا اس کا نام اس نے ایساخر رکھا، پھر لیا کو چھٹا بچہ ہوا جس کا نام زابلون رکھا پھر حمل ہوا تو اس حمل سے ایک بیٹی جنم دی جس کا نام دینار کھا تو

اس طرح حضرت یعقوبؑ کی لیا سے سات اولاد ہو گئیں۔

پھر یہ سب کچھ دیکھ کر راحیل کے دل میں ہوس اور بے چینی اور پریشانی اٹھی اور بڑی لجاجت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اس کو بھی کوئی فرزند عطا ہو تو اللہ نے ان کی نداء سن لی اور اس کو قبول فرمالیا اور اللہ کے نبی یعقوب سے یہ بامید ہو گئیں اور ایک عظیم شریف، خوبصورت حسین ایسا لڑکا جنم دیا جو پہلے سب سے فوقیت لے گیا جو حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

اور تمام اولاد حران میں ہوئی، اور حضرت یعقوبؑ اپنے ماموں کی بکریاں چراتے تھے اور شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی انھوں نے چھ سال بکریاں چرائیں اس طرح وہاں ان کی اقامت بیس سال ہوئی، پھر حضرت یعقوبؑ نے اپنے ماموں سے اجازت طلب کی تاکہ وہ اپنے اہل کی طرف واپس جائیں تو ماموں نے کہا تیری وجہ سے مجھے بہت برکت دی گئی ہے لہذا میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے۔

تو حضرت یعقوبؑ نے عرض کیا ہر وہ بکری جو اس سال بیاہے گی اور وہ سفید اور سیاہ دھبوں والی رنگ کی ہو وہ دیدیں اور ہر ایسی بکری جو حاملہ ہو اور اس کی سفیدی سیاہی سے ملی ہوئی ہو وہ دیدیں اور ہر وہ بکری جس کی سیاہی سفیدی سے ملی ہو وہ دیدیں اور بغیر سینگ والے بکرے بھی تو ماموں نے کہا ٹھیک ہے، پھر ان کے لڑکوں نے ریوڑوں میں ایسی ایسی بکریوں کو جدا کیا اور ایسے بکروں کو بھی ان کے ساتھ ملایا اور پھر حضرت یعقوبؑ اپنے تمام آل اولاد کے ساتھ ان مال مویشیوں کو لے کر چلے اور تین دن تک چلے پھر حضرت یعقوبؑ نے اخروٹ اور بادام کے درخت کی لکڑی لی اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکریوں کی پانی کی جگہ پر گاڑ دیے تاکہ بکریاں ان کی طرف دیکھیں تو گھبرائیں اور حرکت کریں جس سے ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کے رنگ بھی اسی طرح ہو جائیں۔ اور یہ معجزات کی قسم سے ہے اور خوارق عادات میں سے ہے۔

تو الغرض پھر حضرت یعقوبؑ کے لئے بہت سی بکریاں اور دوسرے جانور اور غلام ہو گئے اور ان کے ماموں اور اس کی اولاد کا رویہ بھی ان کے ساتھ اور اچھا ہو گیا، پھر یعقوبؑ کو خدا کی طرف سے وحی ملی کہ اپنے گھر یعنی ماں باپ کی طرف لوٹیں، اور وعدہ فرمایا کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے تو حضرت یعقوبؑ نے یہ بات اپنے ماموں کو ذکر کی جو ساتھ ساتھ تھے تو انھوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور یہ اپنے اہل وعیال اور مال کو لے کر چل دیئے، لیکن راحیل نے اپنے والد کے بتوں کو چرالیا، پھر جب یہ قافلہ شہر سے نکل چکا تو لابان ان کو ملا، اور ساتھ میں اس کی قوم بھی تھی اور لابان (ماموں) یعقوبؑ سے ملا تو یعقوبؑ کو سرزنش کی کہ بغیر ہمارے علم کے جلدی کیوں آگئے؟ اور عین چلتے وقت کیوں نہیں بتایا تاکہ ہم خوشی اور سرور کے ساتھ طبل اور شور اور گانے بجانے کے ساتھ تم کو رخصت کرتے اور اس طرح اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو الوداع کہتے، اور یہ قافلہ اپنے ساتھ لابان کے بتوں کو لے جارہا ہے، لیکن حضرت یعقوبؑ کو بتوں کا کوئی علم نہ تھا، تو لابان اپنی بیٹیوں اور باندیوں کے خیمے میں داخل ہوئے اور تلاش کی لیکن کچھ نہ نکلا پھر حضرت یعقوبؑ نے انکار کیا کہ انھوں نے کچھ نہیں لیا، اور حضرت راحیل نے ان کو اپنے اونٹ کے اوپر کے پالان اور کپڑے کے نیچے رکھ دیا تھا اور خود اوپر تشریف فرما تھیں اور اپنی جگہ سے کھڑی نہ ہوئیں اور عذر کر دیا کہ وہ بیمار ہیں الغرض لابان بتوں کو حاصل نہ کر سکا۔

پھر وہاں قریبی ایک جلعاد نامی ٹیلے پر حضرت یعقوبؑ اور لابان کے درمیان معاہدہ ہوا کہ وہ ان کی بیٹیوں کو ذلت واہانت میں نہ ڈالے گا اور ان پر کسی اور عورت سے شادی نہ کرے گا۔

پھر دونوں نے دعوت کی اور تمام قوم نے کھانا کھایا اور ہر ایک نے دوسرے کو الوداع کیا اور تمام اپنے اپنے علاقوں کی طرف چل دیئے۔

پھر حضرت یعقوبؑ سرزمین ساعیر کے قریب پہنچے تو آپکے پاس ملائکہ آئے اور انہوں نے آپکو مرحبا کہا یعنی آنے کی خوشخبری دی۔ پھر آپ نے برد کو اپنے برادر عیص کے پاس بھیجا تاکہ جا کر انکو نرم کریں اور ان کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آکر ان سے معذرت کریں۔ لیکن برد واپس آیا، اور خبر دی کہ عیص تو چار سو سواروں کے ساتھ آپکی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔

حضرت یعقوبؑ یہ خبر سنکر خوفزدہ ہو گئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نماز ادا کی اور پھر دعا و فریاد کی۔ اور اللہ کے سامنے اپنے وعدے وعہد کو یاد کیا اور الغرض خوب گڑا گڑا کر دعا کی اور سوال کیا کہ اس سے اسکے بھائی کے شر کو دور کر دیں۔

پھر حضرت یعقوبؑ نے اپنے بھائی کیلئے عظیم بدلہ و تحفہ تیار کیا۔ وہ تحفہ ان چیزوں پر مشتمل تھا دو سو بکریاں، بیس بکرے، دو سو بھیڑیں، بیس مینڈھے، تمیں دودھاری اونٹنیاں چالیس گائیں، دس بیل، بیس گدھی، دس گدھے۔

اور پھر اپنے غلاموں کو حکم فرمایا کہ ہر ایک نوع وصنف یعنی بکریوں کو علیحدہ بھیڑوں کو علیحدہ علیحدہ کرے اور انکو ہانک کر چلے اور ہر دو ریوڑوں کے درمیان مسافت ہو پس جسکو عیص ملے اور پوچھے تو کون ہے؟ اور یہ کس کا مال ہے تو وہ جواب دے تیرے غلام یعقوب کا ہے۔ اور اس نے بطور تحفے کے میرے سردار عیص کی خدمت میں دیئے ہیں اسی طرح بعد والا کہے پھر اسکے بعد والا الغرض سب یہ کہیں۔ اور ہر ایک یہ بھی کہے کہ یعقوبؑ خود ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔

اور حضرت یعقوبؑ اپنی دونوں بیویوں اور دونوں باندیوں اور اپنے گیارہ فرزندوں کے ساتھ ان سب ریوڑیوں سے دو رات بعد کی مسافت پر ہو گئے۔

تو حضرت یعقوبؑ کا قافلہ اسطرح رواں دواں ہو گیا رات کو چلتے دن کو پڑاؤ کرتے پھر جب رات کے بعد فجر کا وقت ہوا تو ایک فرشتہ انسانی شکل میں آپکے سامنے آیا تو حضرت یعقوبؑ اسکو انسان سمجھ کر اسکے پاس آئے اور اسکو پچھاڑ لیا اور غلبہ پالیا مگر فرشتے نے انپر حملہ کیا تو حضرت یعقوبؑ کی ایک ٹانگ میں لنگ ہو گیا۔ پھر جب صبح روشن ہوئی۔ تو فرشتے نے پوچھا آپکا نام کیا ہے؟ کہا یعقوبؑ فرشتے نے کہا آج کے بعد اسرائیل کے علاوہ آپکو پکارا جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت اسرائیل نے پوچھا اور تو کون ہے؟ تو وہ چلا گیا پھر حضرت یعقوب اسرائیل کو پتہ چلا کہ وہ فرشتہ تھا۔ حضرت یعقوبؑ نے صبح کی اسطرح کہ آپ لنگڑا کر چل رہے تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل عرق النساء نہیں کھاتے۔

پھر حضرت یعقوبؑ نے اپنی نگاہ سکیڑ کر غور سے دیکھا تو دیکھا کہ عیص چار سو پیادوں کے ساتھ آرہا ہے۔ تو حضرت یعقوبؑ بڑھ کر انکی خدمت میں پہنچے اور اپنے بھائی عیص کو دیکھا تو سات مرتبہ انکو سجدہ کیا۔ اور یہ اس

زمانے میں انکا سلام تھا۔ اور انکے ہاں مشروع تھا اور حضرت آدمؑ کو فرشتوں کا سجدہ بھی اسی طرح کا تھا اسی طرح حضرت یوسفؑ کو انکے ماں باپ اور بھائیوں نے کیا تھا پھر عیص نے اپنے چھوٹے بھائی یعقوبؑ کو دیکھا تو انکو رحم آگیا اور آگے بڑھ کر گلے لگایا بوسہ دیا اور رو پڑے۔ پھر عیص نے نظر اٹھائی تو بچوں عورتوں کو دیکھا پوچھا یہ کون ہیں کہاں سے آپ کے پاس آئے ؟ کہا۔ یہ اللہ نے تیرے غلام کو ہبہ کئے ہیں۔

پھر دو باندیاں آگے بڑھیں انہوں نے عیص کو سجدہ کیا۔ پھر بڑی بیوی لیا آگے بڑھی اور عیص کو سجدہ کیا اور اسکے بیٹوں نے بھی سجدہ کیا پھر راحیل اور انکے فرزند حضرت یوسفؑ آگے بڑھے اور سجدے میں گر پڑے۔

پھر حضرت یعقوبؑ نے بڑے بھائی کی خدمت میں التجاء کی کہ اسکا ہدیہ قبول کریں اور خوب اصرار کیا تو بالآخر عیص نے ہدیہ قبول کر لیا۔ اور عیص اسکے بعد واپس ہو گیا۔ اور آگے چل دیا۔ پھر حضرت یعقوبؑ بھی بمع اپنے اہل و عیال کے اور جو کچھ ساتھ میں مویشی جانور وغیرہ تھے سب کو لیکر پہنچ گئے اور انکا ارادہ ساعیر کے پہاڑوں تک پہنچنا تھا پھر جب ساحور کے پاس سے گذر ہونے لگا تو ایک گھر بنایا اور وہاں سایہ پکڑا۔ پھر یروشلم کے پاس ایک بستی پر سے گذر ہوا تو اس بستی سے پہلے ہی ایک جگہ پڑاو ڈال کر ٹھیر گئے اور ایک شخص شخیم بن جمور کی زمین سو بھیڑوں کے بدلے خریدی۔ اور وہاں خیمہ تان لیا۔ اور وہاں ایک جگہ مذبح خانہ بنایا اور اسکا نام ایل رکھا۔ یعنی اسرائیل کا الہ۔ اور اللہ نے انکو حکم دیا کہ یہاں ایک عمارت بنائیں تاکہ وہاں سے اللہ کا نام بلند ہو۔ اور یہ وہی پتھر والی جگہ ہے جس پتھر پر حضرت یعقوبؑ نے جاتے وقت تیل لگایا تھا۔ جیسے کہ گذر گیا۔

اور یہاں اہل کتاب نے یعقوبؑ کی بیٹی دینا کا ایک قصہ ذکر کیا ہے جو لیا کی بیوی سے تھی۔

ہوا یہ کہ شخیم بن جمور اس لڑکی کو جبراً اپنے گھر لے گیا اور بھائیوں اور والد کو پیغام نکاح دیا تو دینا کے بھائیوں نے کہا ہم تیری بات مان لیں گے جبکہ تم سب ختنہ کروالو۔ پھر ہماری تمہاری آپس میں رشتے داریاں چل پڑیں گی۔ کیونکہ ہم غیر ختنہ والی قوم سے رشتے داریاں نہیں کرتے۔ تو انہوں نے ہاں کر لی اور تمام نے ختنہ کرائی پھر جب تیسرا روز ہوا تو انکو ختنہ سے سخت تکلیف پہنچی تو آل یعقوب نے تمام کو قتل کر دیا حتی کہ شخیم اور اسکے باپ جمور کو بھی نمٹا دیا۔ کیونکہ ایک تو انہوں نے کفر کیا تھا اور دوسرا اس سنت ابراہیمی کی توہین کی تھی اور یہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے آل یعقوب نے انکو قتل بھی کیا اور انکے اموال بھی بطور غنیمت کے حاصل کر لئے۔

پھر راحیل جو یوسفؑ کی والدہ ماجدہ ہیں انکو دوبارہ حمل ہوا تو ان سے ایک اور لڑکا بنیامین پیدا ہوا لیکن اس بچے کی پیدائش کی تکلیف میں ہی حضرت راحیل کی وفات ہو گئی اور یعقوبؑ نے انکو افراث میں بیت لحم کے اندر دفن کر دیا اور اسپر بطور نشانی کے ایک پتھر رکھ دیا جو آج تک راحیل کی قبر پر ہے اور یعقوب کی اس طرح مذکر اولاد بارہ ہو گئی لیا بیوی سے روبیل، شمعون، لاوی، یہوذا، ایساخر، زابلون، اور راحیل سے یوسف اور بنیامین، اور راحیل کی باندی سے دان اور نفتالی اور لیا کی باندی سے جاد اور اشیر علیہم السلام۔ اور پھر حضرت یعقوبؑ اپنے والد اور حضرت اسحاقؑ کے پاس آئے اور حبرون بستی میں اقامت پذیر ہو گئے جو سرزمین کنعان میں ہے اور یہیں حضرت ابراہیمؑ سکونت پذیر تھے۔ پھر حضرت اسحاق بیمار ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر مبارک میں وفات پا گئے اور انکو انکے دو فرزند دیا عیص اور یعقوبؑ نے اپنے دادا ابراہیمؑ خلیل اللہ کے پاس اس جگہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیمؑ نے پہلے خریدی تھی۔

حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السّلام کی حیات مبارکہ
میں جو عجائبات پیش آئے انکا ذکر۔ جن میں عظیم واقعہ
حضرت یوسف علیہ الصّلٰوۃ والسّلام کا قصہ ہے۔ :

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسفؑ اور انکے قصوں کے بارے میں پوری ایک سورت قرآن عظیم کے اندر بیان فرمائی ہے۔ تاکہ اس میں موجود حکمتیں، نصیحتیں، آداب واحکام کے اندر غور فکر کیا جائے۔

(اب یہاں سے مصنف، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کی تقریباً ایک سو ایک آیات کو ساتھ ساتھ بیان کریں گے اور چونکہ تمام قصہ انہی آیات کی روشنی میں ہے لہذا ساتھ ساتھ تفسیر اور قصے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے چلیں گے۔ بندہ آیات کے بجائے انکا ترجمہ ذکر کرتا رہے گا۔ مترجم، ا۔ص

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

الر تلك ایت الکتب المبین

ترجمہ: آلر۔ اور یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو (اے پیغمبر) ہم نے اس قرآن کے ذریعے، جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک اچھا (عمدہ) قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔[1]

آلر یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور انکے بارے میں، سورۂ بقرہ کے شروع میں انتہائی تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، جو انکی تحقیق چاہتا ہو وہاں رجوع فرمالے۔ اور اس سورت پر بھی اپنی تفسیر میں کافی قدر ذکر کر چکے ہیں لہذا یہاں بھی قصے کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفسیر بیان کرتے چلیں گے اس مقام میں تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کی مدح وتعریف کرنا چاہتے ہیں جسکو اللہ نے اپنے بندے اور رسول کریم ﷺ پر فصیح عربی زبان میں اشرف الملائکہ کے ذریعے اشرف واعلیٰ زمانے میں اور اشرف مکان میں اپنے بعد سب سے اشرف واعلیٰ بندے پر نازل کیا ہے۔

لہذا اسی وجہ سے ماضی کے اور مستقبل کے عمدہ اور مفید ذکر اور لائق عبرت قصوں اور باتوں کو ذکر کیا اور جن چیزوں میں لوگوں کا اختلاف تھا ان میں حق کو ظاہر کیا اور باطل کو مٹایا اور اسکو نیست ونابود کیا۔

اور یہ کتاب انہی قصص وامثال پر بس نہیں ہے بلکہ امر ونواہی اور تشریع حکمت میں بھی سب شریعتوں میں سب سے عادل اور سب راستوں میں واضح راستے اور معتدل احکام والی کتاب ہے۔ جیسے کہ اس کتاب میں اللہ نے فرمایا۔ وتمت کلمت ربك صدقا وعدلا۔[2]

اور تیرے رب کا حکم سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔

---

[1] سورہ یوسف آیات اتا ۳
[2] الانعام ۱۱۵

یعنی اخبار میں سچ ہے اور اوامر و نواہی میں عدل ہے۔

اسی وجہ سے سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا: (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک بہت اچھا (اور عمدہ) قصہ سناتے ہیں۔ اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

یعنی پہلے جو آپکو وحی کیا گیا، اسمیں اسکے متعلق کچھ ذکر نہ تھا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ نے اپنے نبی کو یوں خطاب فرمایا۔ فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس (جبرائیل) کے ذریعے (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو۔ لیکن ہم نے اسکو نور بنایا ہے۔

تاکہ ہم اس سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور (اے محمد) بے شک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام خدا کی طرف لوٹیں گے (اور وہی انپر فیصلہ فرمائے گا)[1]

اسی طرح کا خطاب سورۃ طٰہ کے اندر بھی فرمایا۔ (فرمایا کہ) اسی طرح ہم پہلے جو گذر چکا انکے قصے بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے آپ کو اپنی طرف سے (قرآن) عطا فرمایا ہے۔ جو اس پر اعتراض کرے گا وہ قیامت کے دن (اس گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا اور وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے اور برا ہے وہ بوجھ جو وہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

یعنی جو شخص اس قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتب کو اپنائے گا وہ اس عظیم گناہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا اور اسی مضمون کی حدیث وہ ہے جو مسند اور ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ہدایت کو اس (قرآن) کے علاوہ میں تلاش کیا اللہ اسکو گمراہ کر دے گا۔

[2] اور مسند احمد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو انکو کسی اہل کتاب سے ملی تھی اور اسکو حضور ﷺ کے سامنے پڑھا تو حضور ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اس میں حیران (اور گرویدہ) ہو رہے ہو؟ جبکہ اس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے میں جو تمہارے پاس لایا ہوں وہ بیضاء نقیۃ (یعنی سفید اور صاف ستھری چیز) ہے تم ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کا سوال نہ کرو کہ کہیں وہ حق بتلائیں تو تم تکذیب کر دو اور اگر وہ جھوٹ بتائیں تو تم اسکی تصدیق کرو۔ اور اس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا...... اسکی اسناد صحیح ہے۔

اور امام احمد ہی نے یہ روایت ایک دوسرے طریق سے حضرت عمرؓ سے مروی ذکر کی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں موسیٰ ہوتے اور تم انکی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ تم تمام امتوں میں زیادہ حصہ پانے والے ہو اور میں تمام نبیوں میں سب سے زیادہ حصہ پانے والا ہوں۔

---

[1] شوریٰ ۵۲ تا ۵۳

[2] وقال الامام احمد حدثنا سریج بن النعمان، حدثنا هشام انبانا خالد عن الشعبي عن جابر

لہ اور ایک حدیث میں اپنے خطبے میں فرمایا : اے لوگو! مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور میرے لئے (بڑے بڑے کلام کو) مختصر کر دیا گیا ہے اور میں تمہارے پاس سفید صاف ستھری چیز لایا ہوں لہذا (دوسری طرف گرویدہ مت ہو اور) حیرانی میں مت پڑو اور تم کو حیرانی میں پڑنے والے دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس صحیفے کے مٹانے کا حکم فرمایا اور وہ حرفاً حرفاً مٹا دیا گیا۔

(یہ تمام احادیث اور تفصیل اس غرض سے بیان ہوئیں کہ انبیاء کے قصے اور دوسری طرح طرح کی باتیں اہل کتاب سے معتبر نہیں ہیں بلکہ قرآن میں بالکل حق و سچ بیان کر دیا گیا ہے اسکو پڑھنا چاہئے لہذا حضرت یوسفؑ کا قصہ بھی اسی طرح ہے جس کی طرف ہم لوٹتے ہیں م)

قصۂ یوسفؑ کی ابتداء :- اللہ عزوجل فرماتے ہیں : جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا : اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح خدا تمہیں برگزیدہ فرمائے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر اور آل یعقوب پر مکمل کرے گا جسطرح کہ تمہارے دادا پر داد ابراہیمؑ واسحاق پر پہلے پوری کی تھی بے شک تمہارا پروردگار جاننے والا حکمت والا ہے۔ [۲]

حضرت یعقوبؑ کے بارہ فرزند تھے۔ اور انکے نام گذر چکے ہیں اور تمام بنی اسرائیل انہی بارہ کی طرف منسوب اور انکی اولاد ہیں۔ ان میں سب سے اشرف اور اعظم حضرت یوسفؑ تھے۔

اور علماء کے مطابق ان بارہ میں پیغمبر صرف حضرت یوسفؑ تھے اور کسی کی طرف وحی نہیں کی گئی۔ اور قصے میں انکے اقوال افعال بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی تھے اور دلیل دی ہے کہ اللہ کا فرمان ہے (مسلمانو) کہو ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف بھیجا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد کی طرف بھیجا گیا ان تمام پر ایمان لائے۔ [۳]

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے اولاد یعقوب اور اس کیلئے "اسباط" کا لفظ استعمال فرمایا اور اس سے کئی افراد مراد ہوتے ہیں لہذا یہ حضرت یعقوبؑ کی دوسری اولاد کو بھی شامل ہے۔

تو جان لینا چاہئے انکا استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ اسباط سے مراد بنی اسرائیل کی تمام جماعتوں میں جو بھی انبیاء آتے رہیں گے وہ مراد ہیں واللہ اعلم۔

اور ہماری بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کے علاوہ اور کسی کے متعلق تصریح سے نبی ہونا ذکر نہیں ہے۔

اور حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ [۴] مسند احمد میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ

---

[۱] وقداوردت طرق هذا الحديث والفاظه في اول سورة يوسف وفي بعضهما

[۲] سورۃ یوسف ۴ تا ۶ [۳] سورۃ بقرہ ۱۳۶ [۴] قال الامام احمد حدثنا عبدالصمد، حدثنا عبدالرحمن عن عبدالله بن دينار عن ابيه عن ابن عمر ...... الخ

نے فرمایا: کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن اسحاق بن ابراہیم ہیں[1]۔ (تو یہاں فقط حضرت یوسفؑ کا ذکر ہے)

مفسرین وغیرہ فرماتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے بلوغت سے پہلے خواب دیکھا گویا کہ گیارہ ستارے اور سورج وچاند انکو سجدہ کررہے ہیں۔ (گیارہ، ستاروں سے گیارہ بھائی اور سورج چاند سے ماں باپ مراد ہیں۔) تو حضرت یوسفؑ یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ بیدار ہوئے تو یہ قصہ اپنے والد مکرم کی خدمت میں گوش گذار کیا۔ تو والد نے جان لیا کہ یہ لڑکا دنیا وآخرت میں بلند مرتبہ اور عظمت وشرافت پائے گا حتی کہ بھائی اور ماں باپ بھی انکے لئے عاجزی برتیں گے۔

توباپ نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس بات کو چھپا کر رکھے اور اپنے بھائیوں کو ہرگز نہ بتائے کہ کہیں وہ حسد میں مبتلا ہوں۔ پھر اسکے لئے مکروفریب کا جال بچھائیں۔

تو یہ بات بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ بقیہ بھائی نبوت سے متصف نہیں ہوسکتے اور اسی وجہ سے بعض بزرگوں کے اقوال میں ایک عمدہ قول ذکر ہوا ہے کہ اپنے کاموں کی ترقی وتکمیل کیلئے انکو چھپاؤ کیونکہ نعمت والے سے لوگ حسد میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ قصہ اپنے والد کو اور اپنے بھائیوں کو اکٹھا بیان کیا تھا یہ بالکل غلط بات ہے۔

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں اور اس خواب کی روشنی میں پیشن گوئی دیتے ہیں کہ تیرا رب تجھ کو برگزیدہ بنائے گا اور تجھ کو لطف ورحمت کی کئی انواع کے ساتھ خاص کرے گا۔ اور کلام کے معانی اور خوابوں کی تعبیر آپ کو سکھلائے گا جو کسی کو نہ آتی ہوگی۔ اور تجھ پر اپنی نعمت تام کرے گا یعنی وحی کا سلسلہ رکھ کر تجھ کو پیغمبری میں لے گا۔ اور انکو دنیا وآخرت کی کامیابیاں ملتی رہیں گی۔ جیسے تیرے دادا اسحاق اور میرے پردادا ابراہیم پر بھی اپنی نعمتیں مکمل فرمائیں۔ یعنی آپ پر انعامات کی بارش اور نبوت کے فیوض اسی طرح جاری ہونگے جیسے آپکے دادا اور پردادا پر ہوئے۔ بے شک تیرا رب علم وحکمت والا ہے۔

اور اسی طرح ایک جگہ اللہ نے فرمایا۔

اللہ جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھے۔[2]

اسی وجہ سے جب رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے باعزت کون ہے؟

فرمایا یوسفؑ جو نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

[3] تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم اور مسند ابو یعلی اور مسند بزار میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جسکو ستانت الیہودی کہا جاتا تھا اس نے

---

[1] انفرد به البخاری فرواه عن عبدالله بن محمد وعبدة بن عبدالصمد بن عبدالوارث به وقد ذکرنا طریقه فی قصة ابراهیم [2] انعام ۱۲۴ [3] وقدروی ابن جریر وابن ابی حاتم فی تفسیر هما وابو یعلی والبزار فی مسند یهما من حدیث الحکم بن ظهیر . وقد ضعفه الا ئمة. عن السدی عن عبدالرحمن بن سابط عن جابر قال .....

عرض کیا اے محمد مجھے ان ستاروں کے نام بتلایئے جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا؟

تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اور پھر حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور نام بتلائے پھر حضور ﷺ نے اس یہودی کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور استفسار فرمایا کہ اگر میں نام بتلا دوں تو کیا وہ ایمان لے آئے گا؟ اس نے کہا جی ہاں حضور ﷺ نے فرمایا وہ یہ ہیں جریان، طارق، ذیال، ذوالکتفان، قابس، وثاب، عمودان، فیلق، مصبح، ضروح، ذوالقرع، ضیاء، نور یہودی فوراً پکار اٹھا: ہاں اللہ کی قسم یہی نام ہیں

ابو یعلی کے نزدیک ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کے سامنے قصہ بیان کیا تو والد نے فرمایا یہ متفرق امر ہے اللہ اسکو جمع فرمائے گا اور سورج اسکا باپ ہے اور چاند اسکی ماں ہے :۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہاں یوسفؑ اور انکے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کیلئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) بات کی کہ یوسفؑ اور انکے بھائی والد محترم کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور لوگوں کی) جماعت ہیں بے شک ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آو۔ پھر والد مکرم کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی۔ اور اسکے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال (کر اور کسی ملک میں) لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں ہی کرو)[1]

اللہ تعالیٰ اس قصے میں حکمتیں اور دوسری نشانیاں بیان فرمارہے ہیں اور مواعظ اور کھلی عبرتیں ذکر کر رہے ہیں۔ پھر حضرت یوسفؑ کی برائیوں کا اپنے بھائی یوسف پر حسد بیان فرماتے ہیں کہ انسے اور انکے دوسرے بھائی بنیامین سے والد کو اتنی محبت کیوں ہے؟ کیونکہ حضرت یوسفؑ کے ماں باپ شریک بھائی یعنی دونوں طرف سے سگے بھائی صرف بنیامین تھے باقی سب دوسری ماؤں سے تھے اور زیادہ تھے بلکہ پوری جماعت تھے۔ تو انکو خیال ہوا کہ ہم زیادہ ہیں ہم محبت کے لائق ہیں تو ہمارے والد غلطی میں ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کی اور مشورہ کیا کہ کس طرح یوسف کو قتل کیا جائے یا کسی دور دراز زمین میں پہنچا دیا جائے تاکہ واپس نہ آسکیں۔ اور اسطرح باپ کی ساری توجہ اور شفقتیں ہماری طرف ہو جائیں۔ اور پھر بعد میں توبہ کرلیں گے اور صالح ہو جائیں گے۔

پھر اس دوسری بات پر سب متفق ہو گئے اور اس کو قرآن بیان فرماتا ہے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بھائی شمعون ہے سعدی کہتے ہیں یہ بھائی یہوذا ہیں اور قتادہ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ سب سے بڑا بھائی روبیل ہے۔ تو جو بھی ہے اس نے کہا یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور اس کو گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ چلتا نکال لے گا۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو یہ کرو اور بس۔ کیونکہ یہ طریقہ نجات کے قریب ہے کہ قتل سے بھی بچیں گے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا کہ کوئی نکال کر دوسرے ملک یا علاقے میں لے جائے گا۔ تو سب اسپر متفق ہو گئے پھر انہوں نے اپنے والد کو کہا۔ قرآن فرماتا ہے :۔ کہنے لگے اے ابا جان کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے جبکہ ہم اسکے خیر خواہ ہیں؟ کل اسے ہمارے ساتھ

---

[1] یوسف ۷ تا ۱۰

بھیج دیجئے خوب کھائے کھیلے اور ہم انکے نگہبان ہیں۔(یعقوبؑ نے) کہا یہ بات مجھے غمناک کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اس سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔[1]

اس طرح انہوں نے باپ سے خواہش کی کہ یوسفؑ کو انکے ساتھ بھیج دیا جائے۔ اور حضرت یعقوبؑ کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ اسکو کھیل اور کود اور کھانے پینے میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور جو اصل دل میں بھید تھا اسکو پوشیدہ رکھا۔ حضرت یعقوبؑ پر اللہ کا رحم و فضل ہو انہوں نے جواب دیا میرے بیٹو مجھے شاق گزرتا ہے کہ میں اس سے ایک گھڑی بھی جدا ہو جاؤں اور اسکے ساتھ دوسرا امر شاق یہ بھی ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہیں تم کھیل کود میں مشغول ہو جاؤ اور بھیڑیا آکر اسکو کھا جائے اور یہ اپنے بچپن کی وجہ سے اپنا بچاؤ نہ کر سکے اور تم بھی اس سے غافل ہو۔

تو بھائی کہنے لگے۔ کہ ہم طاقتور جماعت ہیں اور پھر بھی اسکو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بڑے خسارہ والے ہونگے یعنی ہمارے ہوتے ہوئے اسپر بھیڑیا پہنچ جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم تو طاقتور جماعت ہیں۔ پھر تو ہماری طاقت کا کوئی فائدہ نہیں ہم خسارہ والے ہو جائیں گے اور عاجز اور کمزور شمار ہونگے اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسفؑ کو انکے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ پیچھے پیچھے روانہ کر دیا لیکن حضرت یوسفؑ راستہ گم کر بیٹھے تو ایک راہ گیر نے بھائیوں تک پہنچا دیا۔

لیکن یہ انکی صراحتاً غلطی ہے۔ اور سمجھنے میں خطا ہوئی ہے اسلئے کہ یعقوبؑ تو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے ہوئے بھی فکر مند اور پریشان ہوئے تھے بجائے اسکے کہ انکو تن تنہا بھیج دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

غرض جب وہ اسکو لے گئے، اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اسکو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسفؑ کو وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم انکے اس سلوک سے انکو آگاہ کرو گے اور انکو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہوگی۔ (یہ حرکت کر کے) وہ رات کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے ابا جان: ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کو، اگرچہ ہم سچے ہیں، یقین نہ کریں گے۔ اور انکے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا (حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم اپنے دل سے بات بنا لائے ہو۔ اچھا! مضبوط صبر (ہی بہتر ہے) اور جو تم کہتے ہو اسکے بارے میں خدا ہی سے مدد مطلوب ہے۔[2]

تو یہ سب بھائی اپنے والد سے اصرار کرتے رہے کہ یوسفؑ کو ساتھ بھیجا جائے تو آخر کار باپ نے بھیج دیا تو جیسے ہی یہ باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسفؑ کو گالیاں دینا اور تنگ کرنا اور رسوا و ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ اور اسکو کنویں میں ڈالنے پر اکٹھے ہم خیال ہو گئے کنویں میں ایک پتھر ہوتا ہے جو بیچ میں ہوتا ہے اور کوئی اتر کر اسپر کھڑا ہو سکتا ہے تاکہ جب پانی کم ہو جائے تو اتر کر اسپر کھڑے ہو کر پانی بھر لیا جائے۔ تو

[1] یوسف ۱۰ تا ۱۴
[2] یوسف ۱۵ تا ۱۸۔

بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں اس پتھر پر ڈال دیا۔

پھر اللہ نے حضرت یوسفؑ کو وحی کی کہ آپ جس تکلیف و مصیبت سے دو چار ہیں اللہ اس سے آپ کو چھٹکارا دے گا اور راستہ نکالے گا اور ایک وقت آئے گا کہ تو اپنے بھائیوں کو ان کے کرتوتوں کی خبر دے گا اور انکو احساس تک بھی نہ ہوگا کہ تو ابھی زندہ ہے اور وہ سب تیرے سخت محتاج ہونگے، اور تجھ سے خوفزدہ ہونگے۔

حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب ہے کہ انکو یہ پتہ نہ ہوگا کہ اللہ نے یہ سب کچھ آپکو وحی کر دیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں یہ مطلب ہے کہ آپ انکو اس ظلم کی خبر دیں گے اور وہ آپکو پہچانتے نہ ہونگے۔ ابن جریر نے اسکو روایت فرمایا ہے۔

پھر جب بھائی کنویں میں رکھ کر لوٹ گئے تو اسکی قمیض لے کر کسی خون میں لت پت کی۔ اور رات کو عشاء کے وقت روتے دھوتے اپنے والد کے پاس پہنچے۔ اسی وجہ سے بزرگ کہتے ہیں کہ کسی کا رونا دھونا تجھ کو دھوکے میں مبتلا نہ کر دے کیونکہ بہت سے ظالم (ظلم کرتے ہیں اور پھر) بھی روتے ہیں جیسے کہ یوسفؑ کے بھائی ظلم کر کے بھی روتے ہوئے آئے۔ اور یہ رات کی تاریکی میں آئے تھے تا کہ رات کی تاریکی میں انکا دھوکہ وفریب چل سکے اور آکر کہا: اے اباجان ہم دوڑ میں مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس بٹھلا کر گئے تھے تو انکو ہماری بے خبری میں بھیڑیئے نے کھالیا اور اگر ہم سچے بھی ہوں تب بھی آپ ہماری باتوں پر یقین نہ کریں گے کہ واقعی بھیڑیا یوسفؑ کو کھا گیا ہے۔ اگرچہ ہم آپکے نزدیک بھی اس سے پاک ہیں کہ ہم نے کوئی نقصان اسکو پہنچایا ہو۔ اور یہ بات انہوں نے اسوجہ سے کہی تھی کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے پہلے اس خطرے کے پیش نظر انکو آگاہ کر دیا تھا کہ کہیں بھیڑیا اس کو نہ کھا جائے تو پھر انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ تو اب بالکل ظاہر ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے کیونکہ اسکی پہلے آپکو تصدیق ہو چکی ہے لہذا ہم آپکو معذور سمجھتے ہیں کہ آپ ہم کو متہم قرار دیں گے ہی۔

اور بھائی حضرت یوسفؑ کی قمیض کو خون میں آلودہ کر کے ساتھ لائے تھے جو جھوٹا خون تھا انہوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا تھا پھر اسکا خون لیکر اسکے کپڑوں پر ڈال دیا تھا تا کہ والد کو وہم میں ڈال دیں کہ واقعی اسکو بھیڑیا کھا چکا ہے۔ لیکن وہ اسکو پھاڑنا بھول گئے۔ کہ جس سے معلوم ہو کہ بھیڑیئے نے انکو زخمی کیا ہے۔ "اور جھوٹ کی آفت بھول ہوتی ہے" تو پھر وہاں والد کے پاس جب اسی وجہ سے اور دوسری علامات سے شکوک والی باتیں سامنے آگئیں تو انکا دھوکا نہ چل سکا۔ کیونکہ وہ انکی اپنے بھائی یوسفؑ سے عداوت و دشمنی کو جانتے تھے کہ کیوں بھائیوں نے اس سے دل لگا کر رکھا ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے بارے میں علامات اور نشانیوں سے پتہ چل چکا تھا کہ اللہ انکو اپنی نبوت کیلئے اور اس سلسلے کو انکی اولاد میں جاری رکھنے کیلئے انہی کو منتخب فرمائے گا۔ تو حضرت یعقوبؑ کو اصل حقیقت کا علامات سے علم ہو گیا کہ بھائیوں نے اپنے حسد وعداوت کی آگ کو ان سے بجھایا ہے لہذا کہا۔ قرآن میں ہے۔

(یعقوبؑ نے) کہا بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے چال چلی ہے پس صبر ہی بہتر ہے اور اللہ سے مدد طلب ہے اس پر جو تم کہہ رہے ہو۔

اہل کتاب کے ہاں مذکور ہے کہ روبیل جو سب سے بڑا بھائی تھا اس نے حضرت یوسفؑ کو اشارہ کیا تھا کہ وہ

بعد میں انکو نکال لے گا اور اپنے والد کے پاس پہنچادے گا۔ پھر جب سب واپس ہو گئے تو روبیل کی بے خبری میں دوسرے سب بھائیوں نے ان کو قافلے کے ہاتھوں فروخت کر دیا پھر شام کو روبیل آیا اور کنویں میں بھائی کو نہ پایا تو چیخ پڑا پھر بھائیوں نے کُرتے کو بکری کے بچے کے خون میں آلودہ کر کے یعقوبؑ کے سامنے پیش کر دیا تو حضرت یعقوبؑ کافی عرصہ تک اپنے لخت جگر پر غمناک رہے۔

لیکن اہل کتاب سے اس قصے کو بیان کرنے میں بہت خطاو غلطی ہوئی ہے آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

اور (اب خدائی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب) ایک قافلہ آگیا اور انہوں نے پانی کیلئے اپنا سقہ بھیج دیا۔ اس نے کنویں میں اپنا ڈول لٹکایا تو یوسفؑ اس سے لٹک گئے۔ وہ بولا، زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اسکو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپالیا۔ اور وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کو سب معلوم تھا۔ اور اسکو تھوڑی سی قیمت (یعنی) چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اسکو خریدا اس نے اپنی بیوی سے (جس کا نام زلیخا تھا) کہا اسکو عزت واکرام کے ساتھ رکھو تعجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسکو بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم انکو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائیں۔ اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے انکو دانائی، اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔[1]

جب انکو کنویں کی اتھاہ گہرائیوں میں ظلم وستم سے ڈال دیا گیا، تو یہ بیٹھے کسی خدائی نصرت وکرشمے کے منتظر تھے۔ تو اللہ کے فضل سے ایک قافلے کا وہاں سے گذر ہوا جو مسافر تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ قافلہ تاجروں کا تھا جو شام سے پستہ خرما، اور بن کا پھل لیکر مصر کو جارہے تھے۔ راستے میں پڑاؤ ڈالا اور اپنے پانی لینے والے کو جسکو سقہ کہا جاتا ہے، پانی لینے کے لئے بھیج دیا تاکہ وہ اس کنویں سے نکال لائے تو جب اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسفؑ اس سے لٹک گئے۔

آدمی نے ڈول کھینچ کر باہر نکالا اور پانی کے بجائے ایک انتہائی حسین بچے پر جیسے ہی نظر پڑی فوراً پکار اٹھا ”یابشریٰ“ واہ خوشخبری ”ھذا غلام“ یہ تو (انتہائی حسین) بچہ ہے اور اسکو پھر قیمتی سامان کی طرح چھپالیا اور یہ پانی لینے والے اصل میں کئی تھے تو انہوں نے پھر واپس جا کر یہ ظاہر کیا کہ یہ ہم نے خود کنویں کے آس پاس لوگوں سے خریدا ہے تاکہ وہ بھی اپنا حصہ نہ شامل کریں۔ اور اللہ جو کچھ وہ کر رہے تھے سب جان رہا تھا۔ یعنی بھائیوں کی سرکشی اور دشمنی کو اور اسکو کنویں سے نکالنے والے کو اسکو مال سمجھ کر چھپا لینے کو تمام چیزوں کو اللہ پاک اپنی حکمت کے پردے میں ڈھانک رہے تھے اور اسمیں خدائی راز پوشیدہ ومضمر تھے اور آنے والے وقتوں کیلئے انکو منزل بہ منزل ترقی پر گامزن کرایا جارہا تھا۔ اور یہ اہل مصر کیلئے سراپا رحمت بننے والے تھے کہ یہ بچہ جو اپنے بھائیوں کی عداوت کی بھینٹ چڑھ کر ایک کنویں میں روپوش ہوا پھر ایک قافلہ کے ہاتھوں غلام کی حیثیت سے بکاؤ مال بنا لیکن اسی کو اللہ نے اسوقت کی عظیم متمدن مملکت مصر کی بادشاہی سونپنی تھی۔ اور اللہ نے انکے لئے اسکو دنیا وآخرت میں بھلائیوں کا وسیلہ بنانا تھا جن کو شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔

---

[1] سورۂ یوسف ۱۹ تا ۲۲

تو جب یوسفؑ کے بھائیوں کو علم ہوا کہ ایک قافلے نے انکے بھائی کو لے لیا ہے تو یہ انکے پاس جا پہنچے اور یوسفؑ کو اپنے بھائی برادری سے دھتکارتے ہوئے اور بھائی کے لفظ کی لاج کو ٹھکراتے ہوئے کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ آیا ہے۔ تو پھر قافلے والوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ لوگ ہم سے اس قیمتی سرمایہ کو چھین لیں لہذا وہ ان بھائیوں سے خریدنے پر رضامند ہو گئے اور پھر ان بھائیوں نے ایک آنے والے وقت کے بادشاہ و پیغمبر کی قدر و قیمت کو نہ جانتے ہوئے محض چند ٹکوں میں فروخت کر دیا جسکو خود قرآن نے فرمایا و شروہ بثمن بخس کہ انہوں اسکو چند درہموں کے بدلہ بیچ دیا۔ اور وہ بہت تھوڑے تھے اور کھوٹے تھے۔ اور قرآن فرماتا ہے کہ وہ بھائی اس سے بے پرواہ تھے۔

ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، اور نوف بکالی اور سدی اور قتادہ اور عطیہ کوفی رحمتہ اللہ علیھم فرماتے ہیں بھائیوں نے یوسفؑ کو بیس درہم میں بیچ ڈالا اور پھر آپس میں دو درہم تقسیم کر لئے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں بائیس درہموں میں بیچا اور عکرمہ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں چالیس دراہم میں بیچا، واللہ اعلم۔

اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے جس نے یوسفؑ کو مصر سے خریدا تھا اپنی زوجہ سے کہا اسکا رہن سہن اچھا رکھو (یعنی احسان و اکرام کے ساتھ اس سے پیش آو) شاید کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں۔ یہ اللہ کی طرف سے حضرت یوسفؑ پر بہت بڑا احسان اور انعام و اکرام تھا کہ ایک طرح سے انکو اپنے گھر جیسا گھر عطا فرمادیا اور وہی انکے لیئے دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا باعث و سبب بنتا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اہل مصر سے حضرت یوسفؑ کو یہ خریدنے والا شخص عزیز مصر تھا۔ یعنی مصر کا وزیر مملکت، اور وہی تمام خزانہ سلطنت پر حاوی اور محافظ تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اسکا نام اطفیر بن روحیب تھا اور اسوقت بادشاہ مصر کا نام ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ میں سے تھا۔ اور عزیز مصر کی بیوی کا نام راعیل بنت رمایل تھا اور ایک قول کے مطابق فکابنت یونس نام تھا۔ ثعلبی نے اسکو ہشام الرفاعی سے روایت فرمایا ہے۔

اور محمد بن اسحاق بن سائب سے اور وہ ابن صالح سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص جو حضرت یوسفؑ کو مصر لایا اور پھر وہاں فروخت کیا اسکا نام مالک بن زعر بن توبت بن مدیان بن ابراہیم تھا۔ واللہ اعلم۔

اور ابن اسحاق ابو عبیدہ سے مروی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فراست و ذہانت والے اشخاص، تین موقعوں پر تین شخص گزرے ہیں ایک عزیز جب اس نے بیوی کو کہا کہ اس یوسفؑ کا رہن سہن اچھا رکھو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں اور وہ لڑکی جس نے اپنے باپ پیغمبر حضرت شعیبؑ سے عرض کی اے ابا جان اس (موسیٰ) کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جنکو آپ کام پر رکھیں گے یہ انمیں سب سے زیادہ طاقتور اور امانت دار ہے اور تیسرے شخص وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جب انہوں نے اپنے بعد کیلئے خلافت کے وارث حضرت عمر فاروقؓ کو منتخب فرمایا۔

اور پھر عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو کتنے میں خریدا؟ تو ایک قول ہے کہ بیس سونے کی اشرفیوں میں خریدا اور ایک قول ہے حضرت یوسفؑ کے وزن کے برابر مشک اور ریشم اور چاندی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ وزن کرا کر خریدا واللہ اعلم۔

اور فرمایا کہ ہم نے اسی طرح یوسفؑ کو سر زمین مصر میں ٹھکانا دیا یعنی اللہ تبارک وتعالی نے عزیز مصر اور اسکی بیوی کو متعین کر دیا اور اسکے ساتھ حسن سلوک اور عمدگی کے ساتھ پیش آئیں تو ہم نے اس طرح یوسفؑ کیلئے سر زمین مصر کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا۔ اور فرمایا تا کہ ہم اس کو باتوں کی تاویل وتعبیر سکھائیں یعنی خوابوں کی تعبیر اور سمجھ سکھائی اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے یعنی جب اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اسکے لئے ایسے اسباب اور سامان مہیا فرما دیتے ہیں کہ دوسرے بندے اسکی طرف سوچ بھی نہیں سکتے (تو یہاں بھی دیکھئے کہ کیا یوسفؑ کے بھائیوں کو پتہ تھا کہ یہ کہاں کہاں تک ترقی کر جائیں گے ؟) اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا: لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

آگے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: اور جب وہ (یوسف) اپنی عمر کی سختی (یعنی بلوغت) کو پہنچ گئے تو ہم نے اسکو نبوت اور دانائی عطا فرمائی۔ اور احسان کرنے والوں کو ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اب تک کی ساری کاروائی حضرت یوسفؑ کی بلوغت سے پہلے زمانے میں تھی اور یہ حد یعنی جہاں پہنچ کر انبیاء کو نبوت ملتی ہے وہ چالیس سال ہے

اور بلوغت کی عمر کے بارے میں فرمایا کے جب یوسفؑ اس عمر کو پہنچ گئے۔ تو شدت بلوغت کس عمر تک حاصل ہو جاتی ہے اسکے بارے میں اختلاف ہے مالک اور ربیعہ اور زید بن اسلم اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو جب احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتا ہے، اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر میں ضحاک فرماتے ہیں بیس سال کی عمر میں اور عکرمہ فرماتے ہیں پچیس سال کی عمر میں اور سدی فرماتے ہیں تیس سال کی عمر میں اور ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں تینتیس سالہ عمر میں اور حسن فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں شدت بلوغت تک پہنچ جاتا ہے اور اسی قول کی تائید اس فرمان باری سے ہوتی ہے اللہ نے فرمایا حتی کہ جب وہ (انسان) خوب جوان ہو جاتا اور چالیس سال کو پہنچ جاتا ہے (احقاف ۱۵)

(اور حضرت یوسفؑ کو بھی غالب یہی ہے کہ اسی عمر میں نبوت ملی م)

اور آگے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں اور یہاں سے زلیخا کا آپکے ساتھ قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ فرمان باری ہے:۔

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اس نے انکو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسفؑ جلدی) آؤ انہوں نے کہا خدا پناہ میں رکھے۔ وہ (تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں، انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا) بے شک ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے۔

اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اسکا قصد کیا۔ اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھ لیتے (تو جو ہوتا ہو تا) اس طرح اسلئے (کیا گیا تا کہ) ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت نے انکا کرتا پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا۔ اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔ تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے، اسکی اسکے سوا کیا سزا ہو سکتی ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا تکلیف کا عذاب دیا جائے۔ (یوسفؑ نے) کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف بہکانا چاہا تھا۔ (پھر) اس کے قبیلے میں

سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ دیا کہ اگر اسکا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسفؑ جھوٹا ہے اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ جب اسکا کرتا دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا (تب شوہر نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی مکر ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے مکر بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔

یوسفؑ: چھوڑ اس بات کو اور (اے زلیخا) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک خطا تیری ہی ہے۔[1]

اللہ عزوجل ان آیات میں زلیخا کے حضرت یوسفؑ کو برے ارادے کے لئے پھسلانے اور بہکانے کو بیان فرماتے ہیں جو حضرت یوسفؑ کے حال اور شان اور مقام کے کسی طرح مناسب نہ تھا جبکہ زلیخا انتہائی حسن و جمال اور مال سے آراستہ تھی اور منصب وزارت کی اہلیہ اور عنفوان شباب کے زوروں پر تھی۔ اور اس پر بس نہیں بلکہ زلیخا نے اپنے مقصد کی تکمیل کے خاطر دروازے تک بند کر لئے اور حضرت یوسفؑ کیلئے بن سنور کر اور بھڑکتے لباس سے آراستہ ہو کر تیار ہو گئی اور ان تمام باتوں کے ساتھ ایک بڑی مملکت کے وزیر اور ناظم مالیات کی بیوی ہونے کا شرف بھی ساتھ ہے الغرض بہت سی باتیں ایسی اکٹھی ہو گئیں کہ ہر انسان اس لمحے و موقع پر بھٹک سکتا ہے اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ اور علامہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ اسوقت کے بادشاہ ریان بن ولید کی دختر بھی تھی اور ان تمام چیزوں کے ساتھ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام بھی عنفوان شباب کی دہلیز پر تھے اور حسن و جمال تو جو خدا کی طرف سے ملا تھا اسکی صفات بیان نہیں کی جاسکتی تو ہر دو طرف سے ایسے اسباب اور اثرات تھے کہ مبتلا ہونے کا انتہائی خطرہ تھا جبکہ موقع و محل بھی موزوں تھا کہ دروازے بند اور بالکل تنہائی تھی مگر ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ایک سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ کیا تھی؟

وہ یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ انبیاء علیہم السلام کی لڑی کے موتی تھے۔ تو اللہ عزوجل نے بالکل پاک صاف رکھتے ہوئے انکو بال بال بچالیا اور عظیم فحش و برائی سے محفوظ کر لیا اور عورت کے مکر و فریب سے چھٹکارا عطا فرمادیا۔ کیونکہ یہ سیدوں کے سردار اور شرفاء کے شریف تھے اور اسطرح وہ سات بڑا اعزاز حاصل کرنے والوں میں سے ایک ہو گئے جن کے بارے میں صحیحین کی حدیث میں آرہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سات آدمی ایسے ہیں جنکو اللہ عزوجل اس دن، جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا اپنے سائے میں جگہ دے گا ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے پھر اسکی آنکھیں (خوف خدا یا شوق خدا سے) بہہ پڑیں اور وہ شخص جسکا دل مسجد میں اٹکا رہے اور نکلے تو (اسی کے طرف دل لگا رہے) حتی کہ واپس آئے اور وہ شخص جو ایسے صدقہ کرے کہ اسکو اس طرح خفیہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا، اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی کو پروان چڑھے اور وہ شخص جسکو کوئی منصب اور حسن و جمال والی عورت (بدکاری کی طرف) بلائے تو وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

تو زلیخا نے منصب اور حسن جمال کے ہوتے ہوئے حضرت یوسفؑ کو اس کام کی دعوت دی بلکہ سخت حریص ہوئی تو حضرت یوسفؑ نے زبردست جواب دیا کہ اس کام سے اللہ کی پناہ ہو، میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں اور جبکہ تیرا شوہر میرا آقا ہے اس نے میرے ساتھ حسن وسلوک کا عمدہ برتاؤ کیا اور میرے ساتھ

---

[1] یوسف ۲۳ تا ۲۹

احسان کیا اور مجھے غربت میں ٹھکانہ دیا تو اب میں اسکے حرم میں اسکی عزت کو رسوا کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تو ایسے لوگوں کو فلاح و کامیاب نہیں کرتا۔

اور خدا کا یہ فرمان کہ عورت نے اسکا ارادہ کیا اور اس نے عورت کا ارادہ کیا اس کے بارے میں تفصیلی ذکر اپنی تفسیر میں کر آئے ہیں جو انتہائی کافی اور قانع ہے۔

اور اس مقام پر اکثر اقوال اہل کتاب سے نقل کے گئے ہیں جنکو ترک کرنا ہمارے لئے ذکر کرنے سے بہتر ہے۔

اور جس بات کا اعتقاد اور خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے انکو اچھی طرح بالکل محفوظ رکھا اور اس فحش کام سے پاک رکھا اور عورت کے مکر و فریب سے بچا رکھا اور نبوت و رسالت کی چادر کو داغ دھبے سے پاک صاف اور اجلا رکھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اس سے برائی اور فحش (کام) کو پھیر دیا اور بے شک وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھے۔

اور یہ فرمایا: کہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ اسکا مطلب ہے کہ حضرت یوسفؑ تو دروازے سے نکل جانے کی خاطر اور اس سے حفاظت کی خاطر دوڑے اور پھر پیچھے پیچھے زلیخا برے ارادے کی خاطر دوڑی۔ آگے سے دروازہ کھل گیا تو دروازے پر عزیز مصر کو کھڑا پایا تو عورت نے جلدی کی اور بڑھ کر کہنے لگی کیا ہے اس شخص کی سزا؟ جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اسکے کہ اسکو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔

زلیخا اسطرح ظلم کرتے ہوئے اپنے کو مظلوم ظاہر کرنے لگی اور پاک شخص کو تہمت زدہ کر دیا اور خود کو بری قرار دیا اور اپنی عزت کو بچانے لگی جسکے جواب میں حضرت یوسفؑ بھی نبوت و رسالت کی چادر کو دوسرے کی نظروں میں داغدار ہونے سے بچانے کیلئے فوراً بول اٹھے۔ اسی نے مجھ سے میرے نفس کو بہکایا تھا (تو یوں حضرت یوسفؑ نے موقع و حاجت کے وقت حق بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔ اور یہ بھی محض نبوت اور رسالت کے پیش نظر اپناد فاع فرمایا تھا ورنہ تو خود اپنے بارے میں آگے فرماتے ہیں: فرمان باری ہے! (اور یوسفؑ نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس تو برائی سکھانے والا ہے۔)

اور فرمایا کہ عورت کے اہل میں ایک گواہ نے فیصلہ دیا۔ تو اسکے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جھولے میں پڑا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اور ہلال بن یساف اور حسن بصری اور سعید بن جبیر اور ضحاک کا یہی فرمان ہے اور ابن جریر نے بھی اسکو اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے اس کے بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی مروی ہے لیکن دوسرے حضرات نے اسکو موقوف فرمایا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ایک مکمل مرد تھا اور عزیز مصر کا قریبی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کا قرابت دار تھا اور جو حضرات اس کے مکمل مرد ہونے کے قائل ہیں وہ یہ ہیں: عکرمہ، مجاہد حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق، اور زید بن اسلم رحمہم اللہ۔

تو جو بھی ہو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یوسفؑ کی قمیض آگے سے شق ہو تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹا ہے کیونکہ

اس صورت میں یوسف نے اسکو بہکایا اور اپنی طرف مائل کیا ہوگا تو زلیخا نے دفاع کرتے ہوئے سامنے سے اسکا کرتا پھاڑا ہوگا اور کہا اگر یوسفؑ اپنا دفاع کرتے ہوئے بھاگے ہوں گے اور یہ پیچھے پہنچی ہوگی اور پیچھے سے کپڑا پکڑ کر کھینچا ہوگا تو ظاہر ہے پیچھے سے قمیض شق ہوگی۔ اور ہوا بھی اسی طرح تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پھر جب دونوں نے اس کی قمیض دیکھی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو (عزیز مصر نے) کہا بے شک یہ (اے عورتو) تمہارے مکر ہیں بے شک تمہارا مکر عظیم ہے۔

یعنی تم نے پہلے تو اسکو خراب کرنا چاہا پھر خود ہی الٹا اس پر تہمت لگائی یہ تم عورتوں کے مکر، عظیم مکر ہیں پھر شوہر نے اس سے اعراض کرلیا اور یوسف کو بھی کہا : اس کو چھوڑ دو۔ یعنی اب کسی کو بیان نہ کرنا اسلئے کہ ان جیسی باتوں کو چھپانا زیادہ مناسب اور لائق ہوتا ہے۔ اور پھر اپنی بیوی کو بھی حکم دیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کر جو تجھ سے صادر ہوا ہے کیونکہ بندہ جب اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اسکو بخش دیتا ہے اور اہل مصر اگرچہ بت پرست تھے لیکن اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر پکڑ کرنے والا وہ صرف ایک اللہ ہی ہے جس کا اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شوہر نے زلیخا کو اسی بات کا حکم دیا۔ اور سوال اٹھتا ہے کہ پھر اس نے اسکو سرزنش اور کچھ سزا خود کیوں نہ دی تھی جواب یہ ہے کہ عزیز مصر بھی اس بات کو جان گیا تھا کہ یہ حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کی وجہ سے اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکی اور جبکہ یوسفؑ پاکدامن اور منزہ مبرا اور درست خیال والے تھے لہذا جس کی وجہ سے فعل کا ارتکاب نہ ہو سکا۔ اسی کی وجہ سے عزیز مصر نے زلیخا کو معذور جانا اور اپنی طرف سے معاف کردیا اور خدا سے معافی مانگنے کیلئے حکم دیا اور کہا اپنے گناہ کی بخشش طلب کر بے شک تو ہی خطا کرنے والوں میں سے ہے۔[۱]

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں :۔

اور شہر میں عورتیں چہ میگوئیاں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اور اسکی محبت اسکے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔ جب زلیخا نے ان عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کیلئے انکی بھی ایک) چال (تھی) سنی۔ تو انکے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور انکے لئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کیلئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ انکے سامنے باہر آؤ۔ جب عورتوں نے انکو دیکھا تو انکا رعب (حسن) انپر (ایسا) چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن و جمال؟) یہ تو کوئی آدمی نہیں بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ تب (زلیخا نے) کہا یہ وہی ہے جسکے بارے میں تم مجھے طعنہ دیتی تھیں اور بے شک میں نے اسکو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا مگر یہ محفوظ رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو قید کردیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ (یوسف نے) کہا (اے) پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ تو خدا نے انکی دعا قبول کرلی اور ان سے عورتوں کا مکر رفع کردیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔[۲]

---

[۱] یوسف ۲۹۔ [۲] یوسف ۳۰ تا ۳۴

ان آیات کے اندر اللہ تبارک وتعالی نے گذشتہ واقعے کے رد عمل میں جو عورتوں نے باتیں کی انکو بیان فرمارہے ہیں۔ اور زلیخا کو بُرا بھلا کہنے والی یہ عورتیں امراء اور شرفاء یعنی بڑے لوگوں کی لڑکیاں تھیں انہوں نے زلیخا کو اس بات پر ملامت وشناعت کی تھی کہ وہ اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے اور اسکی محبت میں دیوانی ہونے کو ہے جو اسکے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ غلاموں میں سے صرف ایک غلام ہے اور یہ عزیز مصر کی اہلیہ وحرمت ہے تو اسکو عزیز مصر کی عزت کو خراب نہ کرنا چاہئے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ہم اسکو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ یعنی اس نے اپنی عزت کو محض ایک غلام کیلئے داؤ پر لگادیا ہے جو بہت برا اور غلط ہے۔

آگے فرمایا: پھر اس (زلیخا) نے انکے مکر (یعنی برائی اور ملامت وعیب زدہ کرنے کو) سنا

یعنی زلیخا نے عورتوں کے شناعت اور برائی اور عیب بیان کرنے کو سنا اور سنا کہ وہ اس کی مذمت وبرائی کرتی ہیں کہ وہ اپنے غلام کی محبت وعشق میں فریفتہ ہوگئی ہے اور اس اس طرح انہوں نے خوب مذمت کی ہے جبکہ زلیخا خود کو معذور جان رہی تھی۔ اس وجہ سے زلیخا نے اپنے عذر کو انکے سامنے پیش کرنا چاہا اور اس کیلئے ایک چال چلی تاکہ انکو پتہ چل جائے کہ یہ غلام ایسا ویسا نہیں ہے جو وہ سمجھ رہی ہیں اور نہ انکے پاس ایسا کوئی غلام ہوسکتا ہے تو لہذا اس منصوبہ بندی کے پیش نظر اس نے عورتوں کو دعوت کا پیغام بھیجا اور تمام عورتوں کو اپنے گھر میں اکٹھا کرلیا۔ اور انکی شایان شان دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں اور چیزوں کے ساتھ ایسی چیزیں بھی پیش کیں جن کو چھری سے کاٹا جائے جیسے لیموں وغیرہ اور پھر ان میں ہر ایک کو چھری بھی دیدی۔

اور پہلے حضرت یوسفؑ کو (انکے حالات سے لاعلمی میں) عمدہ کپڑے اور دوسری زینت وغیرہ کے ساتھ سنوار کر تیار کرواچکی تھی جبکہ حضرت یوسفؑ ان چیزوں کے علاوہ بھی اپنے حسن وجمال میں قدرت کا نمونہ اور مثال تھے اور تیز عنفوان شباب کی دہلیز پر تھے۔

تو پھر زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو نکلنے کا حکم دیا کہ عورتوں پر سے گزریں تو یہ نکلے اور چودہویں کے چاند سے کہیں درجہ دمک رہے تھے۔ قرآن آگے فرماتا ہے: پھر جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اسکو (حسن وجمال میں) سب سے بڑا شمار کیا۔ یعنی اسکی عظمت کی قائل ہوگئیں اور انکے جلال کے اثر میں بے خود ہوگئیں اور انکے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی بنی آدم ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اور انکے حسن میں مبہوت ہوگئیں حتی کہ اپنے آپ سے غافل ہوگئیں اور چھریوں والے ہاتھ جو پہلے پھل پر چل رہے تھے وہ ہاتھوں پر چلنے لگے اور زخم ہوتے چلے گئے اسی کو قرآن نے فرمایا: اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ یعنی نگاہیں حضرت یوسفؑ کے حسن کے نظاروں میں ایسی گم ہوئیں کہ اپنے ہاتھوں کے کٹنے تک کا پتہ نہ چلا۔ ہر طرف سے بے پرواہ حضرت یوسفؑ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جارہی ہیں اور اس بے خودی کے عالم میں سب بے ساختہ پکار اٹھیں۔

سبحان اللہ: یہ تو کوئی انسان نہیں ہے بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

معراج کی حدیث میں آیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: میں یوسف پر سے گزرا تو دیکھا انکو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔ علامہ سہیلی وغیرہ اسکے معنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو جو حسن ملا تھا اسکا نصف حضرت یوسفؑ کو ملا تھا، کیونکہ حضرت آدمؑ کو اللہ تبارک وتعالی نے اپنے مقدس ہاتھوں سے پیدا فرمایا تھا اور خود اسمیں روح پھونکی تھی، جسکی وجہ سے حضرت آدمؑ انسانی حسن میں سب سے اعلی وارفع درجے پر فائز تھے اسی وجہ سے اہل جنت

جنت میں حضرت آدمؑ کے قد مبارک جتنا قد لیکر اور انکا سا حسن لیکر داخل ہوں گے۔ تو حضرت یوسفؑ اسطرح حضرت آدمؑ کے نصف حسن پر تھے اور دونوں کے درمیان میں کوئی بھی دونوں سے زیادہ حسین نہیں گزرا جسطرح کہ حضرت حواءؑ سب عورتوں میں خوبصورت تھیں اور انکے بعد حضرت سارہؓ سب سے خوبصورت تھیں اور انکے سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا روئے اقدس بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت انکے پاس کام سے آتی (کیونکہ یہ بادشاہ وقت تھے جیسے کہ آگے آئے گا) تو یہ اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتے تھے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ اکثر اوقات اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر رکھتے تھے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔ اسی وجہ سے جب حضرت یوسفؑ زلیخا کی مدعو عورتوں کے پاس سے گزرے تو عورتوں نے بھی زلیخا کو انکی محبت میں معذور سمجھ لیا تھا۔ اور وہ خود اپنے آپ سے اپنے ہاتھ کٹوا بیٹھیں تھیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انپر حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کی کتنی دہشت اور ہیبت سوار ہو گئی تھی۔ تو یہ وہی عورتیں ہیں جو زلیخا کو ملامت کرتی تھیں تو زلیخا نے اس موقعہ پر انکو کہا قرآن کہتا ہے۔

(زلیخا نے) کہا: یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

پھر زلیخا خود انکے سامنے حضرت یوسفؑ کی عفت و پاکدامنی کے گن گاتی ہے اور کہتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے: (اور زلیخا نے کہا) اور بے شک میں نے اس کو اسکے نفس سے پھسلایا تھا۔ پھر یہ بچا رہا اور اگر یہ نہ کرے گا وہ کام جسکا میں انکو حکم دیتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا۔

وہ عورتیں جو پہلے زلیخا کو روکتی تھیں اب اسکی مدد میں حضرت یوسفؑ کو اسی اطاعت و فرمان برداری پر ابھارنے اور اکسانے لگیں۔ لیکن حضرت یوسفؑ اگرچہ اس عورت کے غلام تھے لیکن حقیقی غلام تو اللہ عزوجل کے تھے لہذا سختی سے منع کر دیا اور دور ہٹ گئے کیونکہ یہ انبیاء کے مقدس سلسلے کی ایک نشانی تھی۔ پھر حضرت یوسفؑ اپنی حفاظت ایمان کے واسطے بارگاہ رب العزت میں دعاگو ہوتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے تو (وہ) جیل (جسکی مجھے یہ دھمکی دے رہی ہے) زیادہ محبوب ہے اس بات سے جسکی طرف مائل ہو جاؤں تو نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی اگر آپ نے مجھے اپنے نفس پر چھوڑ دیا تو میرے نفس میں تو سوائے کمزوری اور عاجزی کے اور کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے نفس کیلئے کسی نفع و نقصان کا مالک ہوں پس میں کمزور و ضعیف ہوں کہیں مبتلائے عصیان نہ ہو جاؤں مگر یہ کہ آپ مجھے قوی کر دیجئے اور مجھے محفوظ کر دیجئے اور میری حفاظت فرما دیجئے اور اپنی طاقت اور قدرت سے مجھے بہرہ مند فرمائیے تاکہ میں ان عورتوں کے مکر و فریب سے بچ جاؤں۔

تو جب اس اولوالعزم پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں کی تو اللہ رب العزت نے اسکے جواب کیا کیا؟ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:۔

[1] تو خدا نے انکی دعا قبول کرلی۔ اور ان سے عورتوں کا مکر رفع کر دیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے پھر باوجود اسکے کہ وہ لوگ (زلیخا کے جرم کے) نشانات دیکھ چکے تھے انکی رائے یہ ٹھہری کہ کچھ عرصے کیلئے ان (یوسفؑ) کو ہی قید کر دیں۔ اور انکے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ

---

[1] یوسف ۳۴ تا ۳۶

(میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور جانوران میں سے کھا رہے ہیں (تو اے یوسف) ہمیں اسکی تعبیر بتادیجئے کیونکہ ہم تجھے نیکو کار دیکھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو اسکی تعبیر بتادوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائیں ہیں جولوگ خداپر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں میں انکا مذہب چھوڑتا ہوں۔

اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں لائق نہیں کہ ہم کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں یہ خدا کا ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو: بھلا (بتاؤ تو سہی کہ) کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ خدا نے انکی کوئی سند نازل نہیں کی (سن لو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں اس نے فرمایا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

میرے جیل خانے کے رفیقو: (اب اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (پہلا) تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے جو بات تم مجھ سے پوچھتے ہو اسکا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ عزیز مصر اور اسکی بیوی کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ یوسفؑ پاکدامن اور عفیف ہے پھر بھی انکی رائے یہ ہوئی کہ یوسفؑ کو جیل بھجوادیا جائے، تاکہ ایک تو لوگوں کے اندر اس بارے میں جو باتیں پھیلی ہوئی ہیں اور شور ہورہا ہے وہ کم ہو جائے۔ اور دوسرا اسلئے کہ اس سے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا فائدہ تھا کیونکہ اس سے لوگوں میں یہ تاثر عام ہوگا کہ یوسفؑ نے ہی زلیخا کو بہکانا چاہا تھا جسکی وجہ سے وہ جیل میں قید کر دیا گیا۔

تو ان باتوں کی وجہ سے جو انکی خود کی پیدا کردہ تھیں حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا۔

جو سراسر ظلم ستم تھا۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالی حضرت یوسفؑ کیلئے جیل جانا مقدر فرما چکے تھے اور اس کے ذریعے سے اللہ نے انکی حفاظت فرمائی تھی اور انکو برے ماحول و معاشرے سے نجات دیدی تھی (جیسے کہ خود انھوں نے بھی یوں ہی دعا کی تھی کہ مجھے ان کے مکر سے بچا اگر چہ مجھے جیل ہی جانا پڑے۔)

اور اسی مقام سے بعض صوفیائے کرام نے مسئلہ مستنبط فرمایا ہے جسکو امام شافعیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ گناہوں کی جگہ سے دور چلے جانا یہ عصمت سے ہے۔

(حضرت یوسفؑ کے قصے کے کئی پہلو ہیں چند پہلو تو گزر چکے اور اب انکی زندگی کا نیا رخ ہے جو جیل میں گزرا تو اسکے بارے میں) اللہ تعالی نے فرمایا۔

اور اسکے ساتھ جیل میں دو جوان داخل ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ ان دو میں سے ایک تو ساقی سلطان تھا یعنی بادشاہ کو جام اور مشروبات پلانے والا تھا اور اسکا نام نبوا تھا۔ اور دوسرا روٹی پکانے والا تھا یعنی بادشاہ کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا تھا۔ جسکو ترک لوگ جاشنگیر کہتے ہیں اور اسکا نام ایک قول کے مطابق مجلث تھا۔ اور بادشاہ نے کسی معاملے میں ان پر تہمت لگائی تھی جسکی وجہ سے دونوں کو جیل میں محبوس کر دیا گیا۔ دونوں نے جیل میں جب یوسف کو دیکھا تو علامتوں اور نورانی چہرے سے پہچان لیا کہ یہ کوئی اونچی ہستی ہے پھر آپکی باتوں اور آپ کے حسن سلوک سے مزید متاثر ہوئے۔

پھر دونوں نے ایک ایک خواب دیکھا۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھے تھے اور ساقی نے دیکھا کہ ایک انگور کی بیلی کی تین شاخیں ہیں جن پر پتے اور انگور کے گچھے لٹک رہے ہیں اور انگور پک چکے ہیں تو اس نے انگور لئے اور انکو بادشاہ کے گلاس میں نچوڑا اور بادشاہ کو وہ پلایا اور دوسرے شخص یعنی روٹی پکانے والے نے دیکھا کہ اسکے سر پر روٹیوں کے تین ٹوکرے ہیں۔

اور لالچی پرندے کوے جیسے اوپر والے ٹوکرے میں سے روٹی کھا رہے ہیں۔

تو دونوں دوستوں نے حضرت یوسفؑ کو یہ بیان کیا اور اسکی تعبیر طلب کی اور کہا ہم آپکو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں۔ تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا میں ان دونوں خوابوں کی تعبیر جانتا ہوں اور تم کو تمہارا کھانا آنے سے پہلے میں خبر دے دوں گا اس بات کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں پہلا یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کا قصد تھا کہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر دیدوں گا اس کے واقع ہونے سے پہلے اور یہ ویسے ہی ہوگا جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے کھانے کے آنے سے پہلے بتا سکتا ہوں کہ وہ میٹھا ہے یا ترش ہے جیسے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا

قرآن میں ہے: (اور عیسٰی نے فرمایا:) اور تم کو خبر دیتا ہوں اسکی جو تم اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔[1]

تو حضرت یوسفؑ پھر اپنے دونوں اسیران جیل ساتھیوں کو فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں تعبیر دے رہا ہوں یا خبر غیب دے رہا ہوں یہ سب اللہ نے مجھ کو سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان لانے والا ہوں اور اسکی توحید کا قائل ہوں۔ اور اپنے آباء کرام یعنی ابراہیمؑ اسحاق، یعقوب کی ملت کی اتباع کرنے والا ہوں تو اسوجہ سے: نہیں ہے ہمارے لئے مناسب کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں (اور) یہ ہم پر اللہ کے فضل سے ہے (کہ اس نے ہم کو ہدایت دی) اور دوسرے لوگوں پر بھی[2] یعنی ہمیں اس بات کا حکم ملا ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو اس تنہا ذات کی طرف بلائیں اور اسکی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں اور لوگوں کو اسی کا پتہ بتائیں۔ اور وہ لوگوں کی فطرت میں روز اول سے مرکوز ہے اور انکی طبیعت وجبلت میں اسکی محبت درخت کے بیج کی طرح اگی ہوئی ہیں لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

پھر حضرت یوسف انکو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کے ماسوا کی عبادت کی مذمت کرتے ہیں اور ان بتوں کی ذلت وحقارت اور انکی عاجزی اور کمزوری کو کھولتے ہیں اور بیان کرتے ہیں تو پس آپ نے یوں فرمایا: - اے میرے جیل کے دوساتھیو! کیا جدا جدا مالک بہتر ہیں (ایک غلام کیلئے) یا ایک اللہ جو زبردست

---

[1] آل عمران ۴۹، [2] یوسف ۳۸

ہے (وہ بہتر ہے) ؟ تم نہیں عبادت کرتے سوائے ان ناموں کی جن کو تمہارے آباء نے رکھ لیا ہے۔ اور اللہ نے انکی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ حکم (وحکومت) صرف اللہ کی ہے۔ [۱]

یعنی اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور اپنی مشیت وارادے کے مطابق سب کچھ کرنے والا، جس کو چاہے ہدایت دے جسکو چاہے گمراہ کرے وہ صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ تو اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی اس اکیلے اللہ کی جو ہر طرح سے اکیلا ہے اسکا کوئی ساتھی نہیں ہے۔

اور یہی توحید، دین مستقیم اور سدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ [۲]

پس وہ سب کچھ ظاہر ہونے اور روشن ہونے کے پھر بھی اس ذات کی طرف ہدایت نہیں پکڑتے۔

اور اس طرح حضرت یوسفؑ انکو اسی حالت میں انتہائی کمال کے ساتھ دعوت دیتے رہے کیونکہ وہ بھی آپکی عظمت کے قائل ہو چکے تھے اور جو آپ فرما رہے تھے وہ قبولیت کی تہہ میں بیٹھ رہا تھا تو اسو جہ سے حضرت یوسفؑ نے بھی چاہا کہ انکو سب سے نفع مندیات کی دعوت دو بنسبت اسکے جو انہوں نے سوال کیا ہے اور طلب کیا ہے۔ پھر جب حضرت یوسفؑ اپنے فرض منصب کو ادا کر چکے تو انکے سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا اے زاندان کے ساتھیو تم میں ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا (جو ساقی تھا) اور دوسرا سولی چڑھے گا پھر پرندے اسکے سر کو کھائیں گے (یہ روٹی پکانے والا تھا) اور جس بارے میں تم سوال کر رہے ہو اسمیں یہی فیصلہ کر دیا گیا ہے [۳] یعنی جو تعبیر میں نے تم کو بتائی ہے اب یہ ہو کر رہے گی۔

اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خواب آدمی پر گھومتا رہتا ہے جب تک کہ اسکی تعبیر نہ دی جائے جب تعبیر دیدی جاتی ہے تو وہ خواب اسی طرح واقع ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعودؓ، مجاہدؒ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ دونوں خواب دیکھنے والوں نے حضرت یوسفؑ کو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا تو تب حضرت یوسفؑ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: کہ جس کے بارے میں تم نے سوال کیا تو اسکا فیصلہ ہو گیا (یعنی جو میں نے کہا ہے اب تو ہو کر رہے گا)

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ (یوسفؑ نے اس کو) کہا جسکے بارے میں نجات کی امید تھی کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا پھر اسکو شیطان نے اپنے آقا کے پاس بھلا دیا تو پھر یوسفؑ جیل میں چند سال (مزید) ٹھہرے رہے۔ [۴]

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ یوسفؑ نے اس شخص کو کہا جسکے بارے میں حضرت یوسفؑ نے رہائی کی خبر دتعبیر دی تھی اور وہ ساقی بھی تھا کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا کہ مجھے حبس بے جا میں ظلم وستم کے ساتھ کیوں رکھا ہوا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب رہائی میں اور دوسرے اسباب کے اختیار کرنے میں جواز ہے اور یہ رب الارباب پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ پھر اسکو اپنے آقا کے پاس شیطان نے بھلا دیا۔ کہ حضرت یوسفؑ کے پیغام کو بادشاہ کے پاس ذکر کر دے۔ مجاہد اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہی مطلب درست ہے اور اہل کتاب کی بھی یہی رائے ہے اور انکے ہاں اس طرح منصوص ہے۔

فرمایا: پھر یوسفؑ ٹھہرے رہے جیل میں کئی سال

---

[۱] [۲] آل عمران ۴۰ [۳] یوسف ۴۱ [۴] یوسف ۴۲

اور کئی سال معنی ہے لفظ بضع کا اور اسکی تفسیر میں کئی اقوال ہیں تین سے نو تک اور ایک قول ہے تین سے سات تک، ایک قول ہے تین سے پانچ تک اور ایک قول ہے دس سے کم کم پر اسکا اطلاق ہوتا ہے ثعلبی نے اسکو نقل کیا ہے اور علامہ فراء نے دس سے کم میں اسکا استعمال ممنوع قرار دیا ہے اور یہ چند کے معنی میں آتا ہے اور علامہ فراء کی بات کو مسترد کرنے والی یہ آیتیں ہیں کہ اس مقام پر تو اللہ کے نبی یوسفؑ چند سال جیل میں رہے تو یہاں بھی اکثر کے نزدیک دس سے کم ہی مراد ہیں اور دوسری جگہ سورہ روم کے شروع ہی میں فرمایافی بضع سنین وہاں بھی نو سال مراد ہیں تو یہ شواہد و دلائل انکے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں۔

اور علامہ فراء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے بضعۃ عشر یعنی دس سے کچھ اوپر اور کہا جاتا ہے بضعۃ وعشرون یعنی بیس سے کچھ اوپر اس طرح نوے تک۔ لیکن یوں نہیں کہا جاتا ہے بضع ومائۃ ایک سو اور چند اوپر اور بضع والف یعنی ہزار اور چند اوپر تو اس سے معلوم ہوا کہ بضع آتا ہے دس سے اوپر کے لئے دہائیوں کے ساتھ ساتھ اور علامہ جوہری دس سے اوپر استعمال میں مخالفت فرماتے ہیں کہ یوں کہنا صحیح نہیں بضعۃ عشر دس اور چند اوپر اور بضع وعشرون بیس اور چند اوپر اس طرح نوے تک۔ یہ صحیح نہیں ہے لیکن انکی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ فرمان نبوی ﷺ صحیح میں موجود ہے الایمان بضع و ستون شعبۃ وفی روایۃ وسبعون شعبۃ

کہ ایمان کے ساٹھ اور چند شعبے ہیں اور ایک روایت میں ستر اور چند شعبے ہیں اور انمیں اعلیٰ درجہ لا الہ الا اللہ کہنا اور آخر درجہ راستے سے تکلیف دہ اشیاء کا ہٹا دینا ہے۔

یہ تو بضع کی بات میں تھوڑی سی تفصیل تھی اور اسکے ساتھ پہلے جو آیا فانساہ الشیطٰن اسمیں بعض کا کہنا ہے کہ ضمیر کا حضرت یوسفؑ مرجع ہیں جسکا مطلب ہو جائے گا کہ شیطان نے یوسفؑ کو اپنے رب کا ذکر بھلا دیا۔ یہ بات بالکل ضعیف ہے اگرچہ یہ ابن عباسؓ اور عکرمہؓ سے مروی ہے لیکن پھر بھی اسکو ضعیف قرار دیا گیا ہے (اسکے راویوں کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے) اور وہ حدیث جو اس مقام پر ابن جریر نے روایت فرمائی ہے وہ ہر اعتبار سے ضعیف ہے اسکی سند میں ابراہیم بن زید خوری ہیں جنکی حدیث ترک کر دی جاتی ہے۔

اور حسن اور قتادہ کی مرسل روایت مقبول نہیں ہے اور نہ ہی یہاں قبول ہے نہ پہلے طریق سے نہ آخری طریق سے بہر حال ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی ہے کہ[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ یوسفؑ پر رحم فرمائے اگر وہ یہ بات نہ فرماتے کہ "اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا"، تو جیل میں اتنی مدت نہ ٹھہرتے جتنی مدت انکو ٹھہرنا پڑا۔ اور اللہ لوطؑ پر رحم فرمائے کہ انکا یہ فرمانا "کاش مجھے تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں مضبوط قلعے کی کوئی پناہ پکڑ لیتا" درحقیقت وہ خدا سے مدد اور سہارا مانگ رہے تھے اسی وجہ سے اللہ نے انکے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں (عزت و قار) اور مالداری کے ساتھ بھیجا تو یہ حدیث اس طریق سے منکر ہے۔ اور اس حدیث کے راۃ میں محمد بن عمرو بن علقمہ، کئی چیزوں میں منفرد ہے اور اس میں نکارت ہے اور یہ الفاظ ان کے ہیں جو اس کو منکر کہیں اور شدت اختیار کریں اور صحیحین میں اسکی غلطی پر شہادت ہے واللہ اعلم۔

---

[1] اخبرنا الفضل بن الحباب الجمعي . حدثنا مسدد بن مسر هد، حدثنا خالد بن عبدالله حدثنا محمد بن عمرو عن ابي سلمة عن ابي هريرة

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں : فرمایا

اور بادشاہ نے کہا میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو اگر تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ انہوں نے کہا یہ تو پریشان (مشکل) سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں رہائی پا گیا تھا اور (اب) مدت کے بعد اسکو وہ بات یاد آ گئی تو وہ بول اٹھا کہ میں آپکو اسکی تعبیر (لا) بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے (تو وہ یوسف کے پاس آیا اور کہا) اے سچے (انسان) ہمیں بتایئے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات خشک

تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں تو وہ (تمہاری قدر) جان لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو غلہ کاٹو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے۔ اس کو خوشوں میں ہی رہنے دینا۔

پھر اسکے بعد سات سخت (سال) آئیں گے جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہ تھوڑا سا رہ جائے گا جسکو تم احتیاط سے رکھ چھوڑ دگے۔ پھر اسکے [illegible] ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اسمیں رس نچوڑیں گے۔[1]

حضرت یوسفؑ کا یہ تعبیر دینا بھی آپکی اسباب رہائی میں سے ایک سبب ہے [illegible] وجہ سے بادشاہ نے آپکو احترام و اکرام کی نگاہ سے عزت بخشی۔

یہ بادشاہ جس نے خواب دیکھا ریان بن ولید بن ثروان بن اراشہ بن فاران بن عمرو بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بادشاہ نے خواب یوں دیکھا تھا کہ یہ ایک نہر کے کنارے کھڑا ہے اس میں سے سات موٹی گائیں نکلیں پھر وہاں قریبی چراگاہ میں چرنے لگیں۔ پھر دوبارہ نہر سے دوسری سات دبلی گائیں نکلیں وہ بھی پہلی گایوں کے ساتھ ملکر چرنے لگیں پھر ان موٹی گایوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور انکو کھا گئیں۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھا اور پھر سو گیا، پھر دوسرا خواب دیکھا کہ ایک بالی میں سات سبز سٹے ہیں، اور دوسری بالی میں سات خشک سٹے تو یہ سات خشک ان کو جو تر و تازہ سبز تھے کھا گئے تو یہ پھر گھبرا کر بیدار ہوا۔

جب اس نے یہ قصہ اپنی قوم اور سرداروں کو بتایا تو کوئی بھی اس کی صحیح تعبیر نہ دے سکا بلکہ کہنے لگے یہ تو ملے جلے مشکل سے خواب ہیں ہم ان کی تعبیر نہیں دے سکتے اور ہو سکتا ہے کہ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہ ہو تو اس وقت وہ شخص جو دو قیدیوں میں ایک رہائی پا گیا تھا۔ جس کو حضرت یوسفؑ نے اپنے بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنے کو کہا تھا اور وہ اب تک بھولے ہوئے تھا اس کو اب یاد آیا اور یہ بھلانا بھی من جانب [illegible] جو قدرت و حکمت الٰہی کے مطابق تھا، تو اس نے بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کے اس سے ناواقف ہونے [illegible] حضرت یوسفؑ کا معاملہ یاد آ گیا، اسی کو قرآن نے فرمایا : اور کہا اس شخص نے جو [illegible] دونوں میں سے نجات پا گیا تھا

---

[1] یوسف ۴۳ تا ۴۹

اور اس کو یاد آ گیا اور ایک مدت بعد اس کو یاد آیا یہ مدت چند سالوں پر محیط تھی اور عکرمہ ابن اسحاق، ضحاک کے نزدیک لفظ اسی طرح ہے جس طرح عام پڑھا جاتا ہے یعنی بعد امة لیکن انھوں نے اس کے معنی مراد لئے ہیں نسیان (بھولنا) یعنی بھولنے کے بعد اس کو یاد آیا، اور مجاہدؒ نے اس لفظ کو میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، بعد امة انھوں نے اس کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ بھولنے کے بعد اسکو یاد آیا، جیسے کہا جاتا ہے امه الرجل آدمی بھول گیا، شاعر کہتا ہے۔

امهت وكنت لا انسی حدیثا　　　　كذاك الدهر یزری بالعقول

میں بھول گیا جبکہ میں بھولا نہیں کرتا تھا　　　　اسی طرح زمانہ عقل پر مصائب ڈالتا ہے

تو الغرض اس آدمی کو جیسے ہی یاد آیا اس نے کہا: میں تم کو (پوچھ کر) اس کی تاویل و تعبیر بتاتا ہوں لہٰذا مجھے یوسف کے پاس بھیجو اور یہ یوسف کے پاس آیا اور کہا اے سچے یوسف ہمیں سات موٹی گائیوں کے متعلق بتا جن کو سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں اور ان سات سبز پتوں کے بارے میں (جس کو کھانے والے) دوسرے سات خشک پتے ہیں تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور بتاؤں اور یہ آپ کے علم و قدر کو جانیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک واقعہ یوں ہے کہ بادشاہ کو جب ساقی نے کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ پھر یوسفؑ لائے گئے تو خود بادشاہ کے سامنے خواب کی تعبیر دی، یہ بالکل غلط ہے اور درست یہی ہے جو قرآن میں ہے کہ ساقی نے پوچھ کر تفسیر بتائی تھی نہ کہ یوسفؑ نے خود آکر بتائی وہ ان جاہلوں اور بے وقوف کے جھوٹ و افتراء میں سے ہے۔

تو حضرت یوسفؑ کے پاس جب ساقی آیا تو آپ نے بغیر کسی تاخیر و شرائط کے فوراً اپنے علم کے مطابق تعبیر بتادی نہ ہی رہائی کی شرط لگائی نہ کسی اور چیز کی۔

بلکہ صحیح صحیح تعبیر بتادی کہ پہلے سات سال فراوانی اور غلے کی وافر مقدار والے ہوں گے پھر سات خشک اور قحط زدہ سال ہوں گے پھر ان سات خشک سالوں کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی یعنی لوگوں کو تر و تازگی غلہ کی فراوانی اور ہر چیز کھلی دستیاب ہو جائے گی اور اس سال میں اتنی برکت ہوگی کہ لوگ پھلوں کا رس نچوڑیں گے یعنی گنا، انگور تل اور زیتون وغیرہ وغیرہ کا اس طرح حضرت یوسف نے تعبیر بھی بتادی اور صرف بتائی نہیں بلکہ اس سے نجات و خلاصی اور آسانی کا طریقہ بھی بتادیا، کہ تر و تازگی کے سالوں میں کیا کرو اور پھر خشکی کے سالوں میں کیا؟ اور ان پہلے جمع کئے ذخیرے سے احتیاط و قناعت کے ساتھ گزر بسر کرو۔

اور اس مقام پر حضرت یوسف کی کمال عقل اور دانائی خوب واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا گندم کے دانوں کو ان کے سٹوں میں رکھ چھوڑو (تاکہ) یہ خراب نہ ہوں اور ان کو کوئی حشرات الارض نہ کھائیں۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ، جب قاصد ان کے پاس گیا تو آپ نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال (اور اصل حقیقت و ماجرا) ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا رب ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔

(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ (سب) بول اٹھیں ماشاء اللہ (اور کچھ نہیں بلکہ) ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی عزیز کی بیوی نے کہا اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے (لہذا سنو اصل یہ ہے کہ) میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے، (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) تاکہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی ہے اور خدا خیانت کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا، اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس (امارہ انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔[1] جب بادشاہ کو حضرت یوسف کے کمال علم اور تمام عقل اور کامل رائے اور درست فہم کا اندازہ ہوا تو بادشاہ نے عقیدت و نیاز مندی کیساتھ یوسف کی رہائی کا حکم دیا تاکہ اس کو اپنے مقربین اور خواص میں شامل کر لیا جائے لیکن جب قاصد یہ پیغام رہائی لے کر حضرت یوسف کی خدمت میں پہنچا تو حضرت یوسف نے چاہا کہ تب تک نہ نکلیں اور رہائی قبول نہ کریں گے جب تک کہ ہر ایک پر ظاہر نہ ہو جائے کہ یہ حبس بے جا ظلم و ستم پر مبنی تھا اور ان کا دامن اس گناہ سے پاک صاف ہے، جس کی طرف لوگ آپ کو منسوب کرتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا ماجرا اور اصل قصہ ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا آقا ان کے مکروں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی مراد آقا سے اپنے عزیز مصر تھے کہ وہ ان عورتوں کے مکر خوب جانتا ہے کہ میں کیسے سختی اور احتیاط سے ان عورتوں کے جال سے بچا رہا جب انھوں نے مجھے اس امر پر اکسایا تھا جو میرے لئے کسی طرح بھی مناسب اور لائق نہیں تھا، لہذا اے قاصد اپنے بادشاہ کو کہو کہ وہ پہلے ان عورتوں سے اس کی تحقیق کرے۔

تو جب عورتوں سے اس معاملے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے اعتراف کر لیا جو حقیقت تھی اس کو ظاہر کر دیا اور کہا ماشاء اللہ کہ بات یہی ہے کہ ہم نے یوسف پر کوئی برائی نہیں جاتی دیکھی۔

تو اس وقت زلیخا نے بھی کہہ دیا اب تو ظاہر ہو ہی گیا ہے لہذا (سنو) کہ میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کیا تھا اور اس نے مجھے بالکل کوئی غلط ارادے سے نہیں پھانپا اور وہ محبوس ظلم و ستم کے تحت ہوا اور جھوٹ اور افتراء ہوا ہے۔

پھر آگے حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں کہ میں نے عورتوں سے یہ جو معلوم کروایا ہے تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے اہل میں کوئی خیانت نہیں کی لیکن بعض یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ کلام زلیخا کا ہے کہ میں نے بات اس لئے بتائی ہے تاکہ عزیز مصر میرا شوہر جان لے کہ میں نے حقیقت میں اس سے کوئی خیانت نہیں کی اگرچہ میری طرف سے کوشش ہوئی تھی لیکن معاملہ بالکل پاک صاف رہا۔

اور اس دوسرے مطلب کو لینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور قرینہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے (کیونکہ آگے بھی زلیخا کی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو کامیاب نہیں کرتا جیسے کہ میں کامیاب نہ ہو سکی) اور یہی مطلب مفسرین کا پسندیدہ ہے جبکہ مفسر ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صرف پہلے ہی

[1] یوسف ۵۰ تا ۵۳

کو نقل کیا ہے۔
آگے خود اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔
بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اس کو اپنا صاحب خاص بناؤں گا، پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا آج تم ہمارے ہاں صاحب منزلت (اور) صاحب اعتماد ہو، (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزائن پر مقرر کر دو کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف (بھی) ہوں، اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے، ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے، اور جو لوگ ایمان لاتے اور ڈرتے رہے ان کے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔[1] جب بادشاہ کے روبرو یوسفؑ کی برات و پاکیزگی ظاہر ہو گئی تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ اس کو میں اپنے لئے خاص کر لوں اور اس کو اپنے خواص میں شامل کر لوں اور دولت و حکومت کا اس کو بڑا بنا دوں۔
اور اپنے حاشیہ برداروں میں اس کو رکھ لوں پھر وہ آئے اور بادشاہ سے گفتگو ہوئی تو اور شان عظمت ظاہر ہوئی جس پر بادشاہ نے کہا آج سے آپ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے اور عزت والے ہیں حضرت یوسفؑ نے جواب دیا، اے (بادشاہ) مجھے مملکت کے خزائن پر مقرر کر دو میں حفاظت کرنے والا ہوں
اور اس کو جاننے والا ہوں، آپ نے امور بیت المال کی نگرانی اور حفاظت مانگا کیونکہ آپ کو پتہ تھا کہ آنے والے سرسبز و تر و تازہ زمانے کے بعد سات سال تک قحط و فاقہ کشی کی قربت پہنچے گی، تو یہ اس زمانے میں ایسے کام سر انجام دے سکتے ہیں جن سے اللہ کو خوب راضی کر لیں اور مخلوق کو عقل اور دانائی سے ان کیلئے سہولتیں اور فاقے سے بچاؤ کا اہتمام کریں اس کے لئے کہا میں حفاظت دار ہوں یعنی خوب حفاظت کر سکتا ہوں اور امانت دار ہوں اور اس کام سے واقف کار ہوں کہ کس کس طرح یہ کٹھن زمانہ بسر کرایا جائے۔
اس بات سے ولایت و امارت و حکومت طلبی کے سوال کا جواز معلوم ہو جاتا ہے کہ کس شخص کے لئے یہ طلب کرنا جائز ہے۔
اہل کتاب کے ہاں ہے کہ پھر بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کی بہت ہی تعظیم کی اور ان کو تمام روئے مملکت پر مقرر کر دیا اور اپنی انگوٹھی (جو بطور مہر کام کے لئے تھی) حضرت یوسفؑ کے سپرد کر دی اور عمدہ لباس پہنایا اور گلے میں ہار ڈالا اور اپنی دوسری خاص سواری پر ان کو سوار کیا اور ان کے سامنے کہا آپ ہی مالک اور حاکم ہیں، میں آپ سے صرف کرسی کے علاوہ کسی چیز میں بڑا نہیں ہوں۔
اہل کتاب کہتے ہیں اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے آپ کی ایک بہت عظمت والی عورت سے شادی کرادی تھی اور ثعلبی کہتے ہیں بادشاہ نے قطفیر عزیز مصر کو اس کے مرتبے سے ہٹا کر آپ کو اس کی جگہ رکھ لیا تھا اور ایک قول ہے کہ جب قطفیر مر گیا تو بادشاہ نے زلیخا سے آپ کی شادی کرادی اور یوسفؑ نے زلیخا کو پھر بھی کنواری ہی پایا کیونکہ عزیز مصر عورتوں کے قریب نہ جاتا تھا۔
پھر زلیخا کے ہاں حضرت یوسف سے دو لڑکے افرائیم اور منسا اور حضرت یوسف نے ملک مصر کو خوب

---

[1] یوسف ۵۴ تا ۵۷

مضبوط کر دیا اور عدل وانصاف کا گہوارہ بنادیا۔

اور حکایت کی گئی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ کے پاس آئے تب ان کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے ان سے ستر زبانوں میں بات چیت کی اور حضرت یوسفؑ نے ہر زبان میں ان کو جواب دیا تو بادشاہ کو ان کی نوعمری کے باوجود اس کمال پہ بہت حیرت ہوئی، (بلکہ یہاں غور کا مقام ہے کہ حضرت یوسف کے ستر زبانوں کے جاننے پر تعجب نہیں ہے بلکہ بادشاہ کے ان زبانوں کے جاننے پر ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ تو پیغمبر تھے، بطور معجزے کہ ان کو خدا کی طرف سے لیاقت حاصل تھی)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو مصر میں ٹھکانا دیا کہ جہاں چاہے پھرے، یعنی پہلے تو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں پھر اللہ نے ان کو عزت کے مقام کے ساتھ کھلی آزادی دیدی۔

اور فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے مومنین و محسنین کا اجر ہے اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی ان کا اچھا ٹھکانہ ہوگا، اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مصر کا بادشاہ ریان بن ولید حضرت یوسفؑ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہو گیا تھا۔

کسی نے کہا ہے

وراء مضيق الخوف متسع الامن   واول مفروح به غاية الحزن

اور خوف کی تنگی کے بعد امن کی فراخی ہے اور خوشی سے سرشار شخص پہلے انتہائی حزن وملال سے دوچار ہوتا ہے۔

فلاتياً س فالله ملك يوسفا   خزائنه بعد الخلاص من السجن

پس ہر گز مایوس ورنجیدہ نہ ہو کیونکہ اللہ نے یوسفؑ کو جیل سے خلاصی کے بعد ہی ملک مصر کے خزانوں کا مالک بنایا تھا۔

اب قصے کے اہم رخ کی طرف اللہ تعالیٰ اپنا خطاب فرماتے ہیں۔

فرمان باری ہے:

اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلہ خریدنے کے لئے) آئے تو یوسف کے پاس گئے تو (یوسف نے) ان کو پہچان لیا اور (لیکن) وہ ان کو نہ پہچان سکے، جب یوسف نے ان کے لئے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آؤ تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے اسے بھی میرے پاس لانا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آسکو گے، انھوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے، اور یوسف نے اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلے کی قیمت) ان کے کجاوؤں میں رکھ دو، عجب نہیں کہ جب یہ اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔[1]

اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے مصر شہر آنے کی خبر دے رہے ہیں جو غلہ کی طلب میں یہاں

[1] یوسف ۵۸ تا ۶۲

آئے تھے اور یہ تب آئے تھے جب قحط کے سال آگئے تھے اور اس قحط و فاقہ نے تمام شہروں اور انسانوں کو ڈھانپ لیا تھا، اور حضرت یوسفؑ اس عرصے میں مصر کے علاقوں کے دین و دنیا دونوں میں حاکم تھے، تو یہ بھائی اسی غرض سے حضرت یوسفؑ کے پاس چلے آئے اور حضرت یوسفؑ نے توان کو پہچان لیا لیکن بھائی ان کو نہ پہچان سکے کیونکہ ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ حضرت یوسفؑ اس مرتبے وعظمت تک رسائی کر سکتے ہیں اس وجہ سے بھائی یوسفؑ کو نہ پہچان سکے اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ برادران جب آئے تو انھوں نے یوسفؑ کو سجدہ کیا پھر حضرت یوسفؑ نے ان کو جان لیا لیکن آپ نے کوشش کی کہ یہ نہ پہچان سکیں لہذا اس وجہ سے ان کے ساتھ سختی سے ہم کلام ہوئے اور فرمایا: تم لوگ جاسوس ہو تم اس لئے آئے ہو کہ تم ہمارے علاقے کی اچھائی اور مال وغیرہ حاصل کرلو، بھائیوں نے کہا اللہ کی پناہ ہم صرف اس غرض سے آئے ہیں کہ ہماری قوم بھوک اور مشقت سے دوچار ہوگئی ہے تو ان کے لئے غلہ لے آئیں، اور ہم سب کنعان میں ایک باپ کی اولاد ہیں اور ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں ایک چلا گیا اور جو سب سے چھوٹا ہے وہ ہمارے والد مکرم کے پاس ہے، تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا ٹھیک ہے میں تمہارے معاملے میں جانچ پڑتال کروں گا۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ان کو تین دن تک محبوس رکھا پھر ان کو نکالا اور جب سب کو واپس کرنے لگے تو صرف شمعون کو اپنے پاس بطور ضمانت کے رکھ لیا تاکہ دوسرے بھائی چھوٹے بنیامین کو واپس ضرور لائیں (کیونکہ یہ ان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے)

اور ان کے اس بات بیان کرنے میں کہیں کہیں شک کا امکان ہے بلکہ غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب یوسف نے ان کو معروف طریقے سے غلہ دیدیا یعنی ہر ایک کو اونٹ لاد کر دیا تو کہا میرے پاس تمہارے باپ کی طرف سے دوسرے بھائی (بنیامین) کو لے آنا؟ اور پہلے حضرت یوسفؑ ان سے ان کی حالت اور گھر کے افراد وغیرہ کے بارے میں سوال کر چکے تھے جس پر انھوں نے کہا تھا کہ ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں سے ایک چلا گیا اور باپ کی طرف سے ایک حقیقی بھائی رہ گیا تو پھر حضرت یوسف نے ان کو فرمایا تھا جب تم آئندہ سال آؤ تو اس کو بھی لے آنا۔

اور پھر اس پر اکسایا اور فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں ناپ پورا دیتا ہوں اور میں مہمانوں کی بھی خاطر مدارت کرتا ہوں، جس طرح کہ تمہارے ساتھ میں نے حسن سلوک کیا اور مہمانی کی اس کے بعد حضرت یوسف ان کو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تم اس کو نہ لائے تو غلہ نہ ملے گا، بلکہ میرے پاس بھی مت آنا۔

حضرت یوسف کے بھائیوں نے جواب دیا: کہنے لگے ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو آمادہ کریں گے یعنی کوشش کریں گے کہ ان کو اپنے ساتھ لے آئیں اور اس کو اس پر راضی کرلیں پھر کہا اور ہم یہ کرلیں گے یعنی ضرور سے کر آئیں گے۔ پھر حضرت یوسفؑ نے خادموں کو خفیۃً حکم دیا کہ جو کچھ یہ لوگ بطور سرمایہ اور قیمت کے لائے ہیں اس کو واپس انہی کے غلے میں رکھ دو لیکن ان کو پتہ نہ چلے فرمایا شاید وہ اس کو جان لیں اور جب اپنے گھر لوٹیں تو واپس بھی آئیں، بعض حضرات فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس قیمت کو واپس جا کر اپنے ہی غلوں میں دیکھیں گے تو واپس دینے کے لے مصر آئیں گے یہ حضرت یوسفؑ کا مطلب تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے یہ خیال فرمایا تھا کہ شاید ان کے پاس دوبارہ واپس آنے

کے لئے پیسے سامان نہ ہو تو یہ سامان ان کو واپس دیدو تاکہ دوبارہ آنے میں ان کو مدد ملے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کو برا لگا کہ بھائیوں سے غلے کے پیسے لیں اور ان کا یہ سرمایہ پیسہ کیا چیز تھی؟ مفسرین کے کئی اقوال ہیں جن کا ذکر آتا ہے، اہل کتاب کے نزدیک تو وہ چاندی کے ٹکڑے تھے اور یہ زیادہ مناسب لگتا ہے۔ واللہ اعلم

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ قصے کو بیان فرماتے ہیں۔

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے کہنے لگے کہ ابا جب تک ہم بنیامین کو نہ لے جائیں گے ہمارے لئے غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(یعقوب نے) کہا کہ کیا میں اس کے بارے میں تمہارا ایسے ہی اعتبار کرلوں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ بس خدا ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ واپس کردیا گیا ہے کہنے لگے کہ ابا ہمیں اور کیا چاہئے یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کردی گئی ہے اب ہم اپنے اہل وعیال کے لئے پھر غلہ لائیں گے یہ غلہ تھوڑا ہے (یعقوب نے) کہا جب تک تم مجھے خدا کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس لے آؤ گے، میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، مگر یہ کہ تم روک لئے جاؤ جب انھوں نے اس (والد) کو اپنا عہد دیدیا تو (یعقوب نے) کہا جو قول وقرار ہم کررہے ہیں خدا اس کا ضامن ہے اور کہا اے بیٹو ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں خدا کی تقدیر تو تم سے نہیں روک سکتا، حکم اسی کا ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے تو جہاں جہاں سے باپ نے ان کو کہا تھا تو وہ تدبیر خدا کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی، ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انھوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے، کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بھائیوں کا حال بتایا ہے کہ یوسفؑ کے پاس سے واپس جاکر والد کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی جس میں سے یہ بھی تھی کہ ہم سے آئندہ کے لئے غلہ روک دیا گیا ہے اگر ہم بھائی کو نہ لے کر جائیں اور اگر آپ بھائی کو لے جانے دیں گے تو ہم کو بھی غلہ ملے گا۔

اور فرمایا: کہ جب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا تو اپنے سامان کو واپس کیا پایا تو کہنے لگے اے باپ اور ہم کو کیا چاہئے یہ ہمارا سامان بھی واپس کردیا گیا ہے، لہٰذا ہم ایسے سخی بادشاہ کے پاس دوبارہ بھی آئندہ غلہ لینے ضرور جائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور زیادہ غلہ لائیں گے۔

یہ غلہ تو تھوڑا ہے یعنی اس بھائی کی کمی بھی پوری کریں گے جبکہ حضرت یعقوبؑ اپنے بنیامین کو ساتھ بھیجنے میں بہت پس وپیش سے کام لے رہے تھے کیونکہ یہ ان کے لئے یوسف کی جگہ تھے اور یوسف کی تسلی اس سے حاصل ہوتی تھی اور اس وجہ سے بیٹوں کو کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم اس بات کا عہد نہ دو کہ تم اس کو میرے پاس واپس ضرور لاؤ گے ہاں مگر یہ کہ روک دیا جائے یعنی تم تمام اس کے لانے

سے عاجز ہو جاؤ تو الگ بات ہے لہذا سب بھائیوں نے باپ کو مضبوط عہد و پیمان دیا تو پھر یعقوب نے فرمایا اللہ اس پر جو ہم قول و قرار کر رہے ہیں وکیل و ضامن ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے ان سے عہد و قرار کو مضبوط کر لیا اور اپنی جانب سے اپنے بچے کی حفاظت کے لئے احتیاطی پہلو برت لیا جبکہ قدرت کو حذر و احتیاط روک نہیں سکتی اور فاقہ و قحط کی وجہ سے اگر ان کو بنیامین بھیجنے کی حاجت نہ ہوتی تو اپنے پیارے بیٹے کو کبھی نہ بھیجتے، لیکن تقدیر کا کام ہو کر رہتا ہے اور رب تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں فیصلہ فرماتے ہیں وہی حکمت و علم والا ہے۔

پھر حضرت یعقوبؑ بیٹوں کو حکم فرماتے ہیں کہ ایک ہی دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، محمد ابن کعب، ابن عباس، ضحاک، سدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ حکم اس لئے دیا تھا تاکہ ان کو کسی کی بری نظر نہ لگ جائے کیونکہ سب بھائی حسن صورتوں والے اور عمدہ اچھے جسم والے تھے اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ تاکہ جدا جدا ہوں تو ایک طرح سے یوسفؑ کو شاید کہیں دیکھ لیں یا اس کا کوئی نشان پالیں، اور پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے جس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آگے باپ بیٹوں کو فرماتے ہیں میں تم سے اللہ کی طرف سے تقدیر کردہ چیز کو دور نہیں کر سکتا اور اللہ نے فرمایا: کہ جب وہ اپنے باپ کے حکم کے مطابق داخل ہوئے تو اللہ کی تقدیر سے ان کو کوئی چیز بچانے والی نہیں تھی مگر وہ یعقوب کے دل میں ایک بات تھی، جس کو انھوں نے پورا کر لیا اور بے شک وہ علم والے تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تو ان دونوں باتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اس بار حضرت یعقوبؑ نے درہم کے بجائے اپنے بیٹوں کے ہاتھ پستے، اخروٹ، خرما اور بن کے پھل بھیجے تھے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو یہ سلوک (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔

پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کجاوے میں پانی پینے کا برتن رکھ دیا پھر (وہ جب آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی قافلے والو تم تو چور ہو، وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے وہ بولے کہ بادشاہ کے پانی پینے کا برتن کھو گیا ہے اور جو اس کو لے آئے اس کے لئے ایک بار اونٹ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ فساد کریں اور نہ ہم چوری کرتے ہیں تو بولے اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا ہے؟ کہنے لگے جس کے کجاوے میں نکلے وہی اس کا بدل قرار دیا جائے، ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں پھر اپنے بھائی کے کجاوے سے پہلے ان کے کجاوؤں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے کجاوے میں سے اس کو نکال لیا، اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ خدا کی مشیت کے سوا اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے، (برادران یوسف نے) کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی پہلے چوری کی

تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور دل میں) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے وہ کہنے لگے اے عزیز اس کے والد بہت بوڑھے ہیں اور اس سے بہت محبت رکھتے ہیں تو اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجے ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں، (یوسف نے) کہا خدا کی پناہ ہو کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں ایسا کریں تو ہم بے انصاف ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ بھائیوں کے بنیامین کو لے کر جانے کو بیان فرماتے ہیں کہ یوسف نے ان کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور اس کو اصل راز کی خبر دیدی کہ وہ اس کا بھائی ہے اور پھر اس کو چھپانے کا کہا اور تسلی دی کہ وہ جو سلوک کرتے ہیں اس سے بددل نہ ہو، پھر حضرت یوسفؑ ان کو پاس رکھ لینے کی ترکیب کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر پہلے تو بنیامین کو ان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے خدام کو خود حکم دیتے ہیں کہ کہ ہمارا پیالہ ان کے کجاوے میں رکھ دو جس کے ساتھ پانی پیتے تھے، تو انھوں نے بنیامین کے سامان میں وہ پیالہ رکھ دیا پھر جب وہ چلے گئے تو جا کر پکارا کہ تم چور ہو اور بادشاہ کا پیالہ چوری کر لیا ہے اور جو لوٹائے گا اس کو ایک اونٹ غلہ اور ملے گا اور منادی خود اس کا ضامن بنا تو تمام بھائی اس منادی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو خبر دی اور اپنی برائت بیان کی کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد مچانے کے لئے نہیں آئے اور ہم چور نہیں ہیں، (یعنی تم کو پتہ ہے کہ ہم نے چوری نہیں کی پھر بھی تم تہمت لگاتے ہو اس پر انھوں نے پوچھا کہ اچھا اگر پیالہ نکل آئے تو کیا سزا ہے اس کی؟ بھائیوں نے کہا جس کے پاس سے نکلے وہی رکھ لیا جائے وہ آدمی اس کا بدلہ ہے ہم اسی طرح ظالموں کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہ ان کے باپ یعقوب کی شریعت تھی کہ چور کو چوری شدہ کے مالک کو سونپ دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر انھوں نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے دوسروں سے ابتدا کی پھر اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان سے نکال لیا اور یہ آخر میں اس لئے دیکھا تاکہ تہمت نہ لگے اور بھائیوں کو بالکل شک شبہ نہ ہو پھر اللہ نے فرمایا ہم نے یوسف کو اس طرح تدبیر سکھائی ورنہ وہ (اپنے) قانون کے مطابق اس کو نہ لے سکتے تھے یعنی اگر بھائی خود ہی نہ کہتے کہ جو چور ہو وہی بدلا ہے تو پھر یوسف بنیامین کو نہ لے سکتے کیونکہ یہ مصر کے قانون کے خلاف تھا، اللہ فرماتے ہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں (یعنی علم میں) اور ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے۔

اور یہ فرمایا کیونکہ حضرت یوسفؑ ان تمام بھائیوں سے زیادہ علم والے تھے اور رائے میں ان سے کامل تھے اور عزم و حوصلے میں پختہ تھے اور انھوں نے جو کیا سب اللہ کے حکم سے کیا تھا لہذا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نیز اس لئے کیونکہ اس پر بعد میں بڑے بڑے فوائد مرتب ہونے والے تھے اور اسی طرح ماں باپ کا مصر لانا اور ان سب کا آنا یہی اس کی ابتدا تھی۔

تو جب بھائیوں نے پیالے کو بھائی بنیامین کے سامان سے نکلتے دیکھا تو کہا اگر اس نے چوری کی ہے بس پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی، یعنی یوسفؑ نے۔ ایک قول ہے کہ ان کی مراد تھی کہ حضرت یوسف نے اپنے نانا یعنی راحیل کے والد لابان کے بت کو چوری کر لیا تھا اور توڑ دیا تھا۔ بچپن میں۔ اور ایک قول ہے کہ یہ بچپن

---

[1] یوسف ۶۹ تا ۷۹

میں اپنی پھوپھی کے پاس تھے تو اس نے ان کے کپڑوں میں حضرت اسحاق کا پٹکا چھپایا تھا تاکہ یہ ان کے پاس رہ جائیں کیونکہ ان کو یوسفؑ سے بہت محبت تھی تو بعد میں نکال کر چوری ثابت کر کے قانون کے مطابق ان کو رکھ لیا تھا، اور بھی اقوال ہیں پھر آگے اللہ نے فرمایا کہ یوسف نے اس بات کو چھپالیا اور وہ یہ تھی جو انھوں نے حد میں کہی کہ تم مرتبے کے اعتبار سے بدتر انسان ہو اور جو تم کہتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے یعنی یہ بات انھوں نے اپنے دل میں کہی نہ کہ ان کو کہی، اور اس مقام پر بھی بردباری چشم پوشی سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ بھی نرم ہو گئے اور کہا اے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیں ہم آپ کو احسان کرنے والا سمجھتے ہیں، تو یوسف نے کہا اللہ کی پناہ ہو کہ جس کے سامان سے نکلا ہے اس کے بدلے کسی اور کو پکڑ لیں۔ پھر تو ہم ظالم ہوں گے، یعنی ہم اگر متہم کو چھوڑ دیں اور بری و پاک کو پکڑ لیں تو ہم ظالم ہوں گے یہ ہم نہیں کر سکتے اور ہم ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوسف نے اس وقت ان کو اپنی معرفت کروادی تھی لیکن یہ غلط ہے وہ بات صحیح نہیں سمجھ سکے ہیں۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے، سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں گے میں تو اس جگہ سے ہلنے کا نہیں یا پھر خدا میرے لئے کوئی اور تدبیر کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم سب والد کے پاس جاؤ اور کہو کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کے واپس لانے کا) عہد کیا تھا اور ہم غیب کو (جاننے) اور یاد رکھنے والے نہیں ہیں، اور جس بستی میں ہم تھے (مصر) اور جس قافلے میں آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (انھوں نے جب یہ بات یعقوب کو کہی تو کہا) بلکہ تمہارے دلوں نے بات بنالی ہے تو صبر ہی بہتر ہے عجب نہیں کہ خدا سب کو میرے پاس لادے بے شک وہ دانا حکمت والا ہے اور پھر یعقوب ان کے پاس سے چلے گئے اور کہا ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج والم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم زدہ ہو رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے واللہ آپ اگر یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان دیدیں گے۔ کہا میں تو اپنے غم واندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے بیٹو (یوں کرو کہ ایک دفعہ) پھر جاؤ اور یوسف اور اسکے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے ناامید کافر لوگ ہوتے ہیں[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ انکے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ نبیامین کے حصول میں مایوس ہو گئے تو جدا ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے تو سب سے بڑے یعنی روبیل نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا۔ کہ تم میرے پاس نبیامین کو واپس ضرور لاؤ گے تم نے وعدے کی مخالفت کر لی ہے اور تم نے اس میں بھی قصور کر لیا جیسے تم نے پہلے یوسف کے متعلق کیا تھا۔ لہذا میرے پاس تو کوئی صورت

---

[1] یوسف ۸۰ تا ۸۷

نہیں ہے کہ میں والد کو منہ دکھاؤں۔ بس میں اس زمین سے لگار ہوں گا یعنی یہیں مقیم رہوں گا حتی کہ والد مجھے آنے کی اجازت دیدیں۔ یا اللہ کوئی فیصلہ فرمادیں کہ مجھے اپنے بھائی کے والد کے پاس لوٹانے کی قدرت دیدیں۔ تو بے شک وہ بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں لہذا تم جاؤاور والد کو کہہ دینا کہ تیرے بیٹے نے چوری کرلی تھی جیسا کہ تم کو پتہ ہے اور ہم نے جو عہد آپکو دیا تھا تو ہم نے اپنے علم کے مطابق کہا تھااور ہم غیب کے جاننے والے نہیں ہیں۔ اور مزید تسلی کیلئے آپ قافلے اور اہل مصر سے سوال کرلیں تو یہ بھی بتائیں گے کہ تیرے بیٹے سے چوری ہوگئی ہے جسکا علم اہل مصر اور قافلے کو بھی ہے۔ اور ہم سچے ہیں تو جب انہوں نے جاکر کہا تو یعقوبؑ نے کہابلکہ تمہارے دلوں نے بات بنالی ہے پس صبر ہی بہتر ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب یوسفؑ کے متعلق انکی کوتاہی پائی گئی تو وہی کلمات اس دفعہ بنیامین کے متعلق بھی فرمادیئے جیسے کہ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ برائی کا بدلہ بعد میں بھی ایسی ہی برائی کرتا ہے پھر افسوس میں امید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ سب کو میرے پاس واپس لائے۔ یعنی یوسف بنیامین روبیل۔ اور اللہ علم وحکمت والا ہے یعنی جانتا ہے کہ جو میرے ساتھ کڑا وقت ہے اور وہ حکمت والا ہے اور قادر ہے اسکو دور کرنے پر اور پھر حضرت یعقوبؑ ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور زبان زد یہ تھا ہائے افسوس یوسفؑ، ہائے افسوس یوسف نئے غم نے پرانے غم کو تازہ اور ہرا کردیا تھا اور جو چنگاری کچھ دبی تھی وہ دوبارہ بھڑکادی جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

نقل فوء اد حیث شئت من الهوی مالحب الا للحبیب الا ول

جہاں تو چاہتا ہے وہیں تیرا دل لگ جاتا ہے جبکہ محبت صرف پہلے محبوب کیلئے ہوتی ہے

اور دوسرا کہتا ہے

لقد لامنی عند القبور علی البکا رفیقی لتذارف الدموع السوافك

مجھے قبروں کے پاس میرے دوست نے ملامت کی کہ کیوں اتنے آنسو بہاتا ہے؟

فقال اتبکی کل قبر را یتة لقبر ثوی بین اللوی فالد کادك

پھر اس نے کہا کیا تو جس قبر کو دیکھے وہیں رونے بیٹھ جائے گا جبکہ تیرے محبوب کی قبر تولوی اور دکادک کے درمیان ہے

فقلت له ان الا سی یبعث الاسی فد عنی فهذا کله قبر مالك

تو میں نے اسکو کہا بے شک ایک غم دوسرے غم کو تازہ کرتا ہے پس مجھے چھوڑ یہ تمام مالک کی قبریں ہیں۔

اور فرمایا حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں حزن سے سفید ہوگئیں۔ یعنی آپ اتنا روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی پس آپ کے دل میں حزن وملال اور رنج وغم کا دریا موجزن تھا اپنے بیٹے یوسف پر پھر اسکو اور بڑھادیا بنیامین کے فراق نے۔

تو جب دوسرے بیٹوں نے آپکے رونے اور غم ومشقت اٹھانے کو دیکھا تو رحم اور ترس اور رقت طاری کرتے ہوئے کہا اللہ کی قسم آپ تو یوسف کو یاد کر کر کے یا تو بیمار ہوجائیں گے یا ہلاک ہوجائیں گے۔ یعنی آپ کا جسم پگھل جائے گا اور آپکی طاقت چلی جائے گی تو اگر آپ اپنی جان پر کچھ رحم کھائیں تو بہت بہتر ہے آپکے

لئے بھی ہمارے لئے بھی۔

جس کے جواب میں حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں۔

میں اپنے رنج و غم کی شکایت اللہ کی بارگاہ میں ہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں کسی سے شکوہ و شکایت نہیں کر رہا۔ نہ کسی دوسرے انسان کو بتار ہا ہوں بلکہ میں اپنے حزن و الم کو اللہ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے علم ہے کہ اللہ ضرور میرے اس غم و رنج اور حزن و ملال کا مداوا فرمائے اور کشادگی کا راستہ کھولے گا اور میں جانتا ہوں کہ میرے لخت جگر نے بچپن میں جو خواب مجھ سے بیان کیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور ضروری ہے کہ میں اور تم اسکو سجدہ کریں گے جیسے اس نے دیکھا تھا۔ اسوجہ سے آپ نے فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پھر کسی خیال کے تحت انکو برانگیختہ کیا اور ابھارا کہ اب بھی یوسف اور اسکے بھائی کو تلاش کر کے لے آؤ اور اللہ کی ذات سے مایوسی مت کرو۔ بے شک اللہ سے مایوس ہونے والے صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی شدت و سختی کے بعد بھی کشادگی و فراخی سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کیلئے مشکلات سے چھٹکارا دلانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

[1] جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں آپ ہمیں (اسکے عوض) پورا غلہ دیجئے اور خیرات کیجئے کیونکہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اسکے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟۔ تو وہ بولے کیا تم ہی یوسف ہو؟ کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو خدا احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ وہ بولے خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطاکار تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن سے تم پر کچھ عتاب نہیں خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے چہرہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لاؤ۔

یہاں سے اللہ تبارک و تعالیٰ بھائیوں کے حضرت یوسفؑ کی خدمت میں لوٹنے کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہاں جا کر وہ آپ سے غلہ و اناج طلب کرتے ہیں اور اپنے باپ کی حالتِ زار پر ترس کرتے ہوئے یوسفؑ سے بنیامین کو بطور صدقہ ہی کے طلب کرتے ہیں پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں اے عزیز ہم کو اور ہمارے اہل کو تکلیف اور فاقہ کشی کی مصیبت پہنچی ہے۔ کیونکہ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے فاقے کی نوبت آگئی ہے اور اہل و عیال کی کثرت ہے اور ہم غلہ کیلئے کچھ قیمت لائے ہیں جو بہت تھوڑی ہے جس کو قبول نہیں کیا جاتا۔

کہا گیا ہے کہ وہ قیمت درہم کی شکل میں تھی اور تھوڑے درہم تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ خرما اور بن

---

[1] یوسف ۸۸ تا ۹۳

وغیرہ کے پھل تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پرانے مال تھے رسیاں وغیرہ۔

کہا: پس ہمارے بوجھ پورے کر دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے اور اس سے کیا مراد ہے کہ صدقہ کس کا کر دیجئے تو ایک قول ہے کہ یہ کھوٹی چیزیں رکھ کر غلہ پورا بھر دیجئے اور ایک قول ہے کہ بنیامین کو واپسی میں ہم پر صدقہ کر دیجئے ابن جریج کا یہی قول ہے اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے۔

ابن جریر نے اسکو روایت فرمایا ہے۔

تو حضرت یوسفؑ نے جب انکی پونجی دیکھی اور ان سے اپنے اہل کا حال سنا کہ ہمارے پاس سوائے تھوڑے سے مال کے کچھ نہیں رہا تو انپر رحم آگیا اور اپنا تعارف کروادیا اور اپنے پروردگار کی اجازت سے یہ کیا اور آپ نے انکی حالت زار پر توجہ دی اور پوچھا! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم نادان تھے تو انھوں نے تعجب کیا اور بھرپور تعجب کیا جبکہ پہلے یہ کئی بار آ چکے تھے اور ان کو نہ پہچانا تھا کہ یہ یوسف ہے تو بڑے حیرت کے عالم میں پوچھا!

کیا آپ یوسف ہیں؟

فرمایا: ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ میں وہی یوسف ہوں جسکے ساتھ تم نے کیا اور جو تم نے کوتاہیاں کی وہ گذر چکی اور کہا یہ میرا بھائی ہے اس سے مراد تاکید تھی کہ یہ میرا وہی بنیامین بھائی ہے اور تنبیہ تھی انکے دونوں بھائیوں کے حسد پر اور انکے ان افعال پر جو انھوں نے دونوں کے متعلق حیلے و مکر کے ساتھ کیے تھے۔ اسی وجہ سے آگے یوسفؑ نے فرمایا بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا:۔ اور ہم پر صدقہ کیا اور ہم کو اچھا ٹھکانہ دیا اور ہماری عزتوں کو بلند کیا اور یہ سب ہمارے رب کی اطاعت اور ہمارے صبر کی وجہ سے ہے اور انکی محبت شدید ہے اور انکی ہم پر شفقت اور دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو تقوی کرے اور صبر کرے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تو بھائی کہنے لگے۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح و برتری دی ہے۔

یعنی آپ کو وہ فضل دیا ہے جو ہم کو نہیں دیا اور بے شک ہم خطاکار تھے یعنی جو کچھ ہم نے کیا بہت برا کیا لہذا اب ہم تیرے سامنے ہیں (تو آپ بدلہ لے سکتے ہیں؟) فرمایا نہیں آج سے تم پر کوئی عیب و افسوس نہیں۔ یعنی جو تم سے ہوا سو ہوا میں کچھ سرزنش نہیں کرتا اور پھر آگے کہا اللہ تم پر مغفرت فرمائے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت میں لا تثریب علیکم پر وقف کیا ہے اور الیوم سے ابتدا کی ہے یہ قول ضعیف ہے اور پہلا صحیح ہے۔ پھر حضرت یوسفؑ انکو حکم کرتے ہیں کہ میری قمیض والد ماجد کے پاس لے جاؤ جو میرے جسم سے لگی ہے۔ اور انکو والد ماجد کی آنکھوں پر ڈال دو تو والد کی بینائی لوٹ آئے گی۔ اور صرف اللہ کے حکم سے لوٹے گی (یہ تو محض ایک سبب ہے) اور یہ انبیاء کے خوارق و معجزات میں سے ہے۔ پھر حکم کیا تمام گھر والے مصر کے شہر میں آجائیں جہاں ہر طرح کی برکتیں ہیں اور فرقت کے بعد ملاپ بھی ہے۔

آگے اللہ تبارک و تعالی فرماتے ہیں۔

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو انکے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے تو (سنو) مجھے یوسف کی بو آرہی ہے۔ وہ بولے واللہ آپ اسی پرانی غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ جب خوش خبری دینے والا آپہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ بیٹوں نے کہا ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطا کار تھے۔ کہا میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

[2] عبداللہ ابن ابی ہذیل کہتے ہیں میں نے ابن عباس کو سنا! فرمارہے تھے کہ آیت ولما فصلت العیر، یعنی جب قافلہ چلا تو ہوا چلی اور یعقوبؑ کے پاس کرتے کی خوشبو پہلے سے لے آئی جس پر انہوں نے کہا میں یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے بھکا ہوا نہ سمجھو اور یہ خوشبو آپ کو تین دن کی مسافت سے پہنچی تھی۔ اور ثوری اور شعبہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

ابن عباس، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے تم مجھے بے وقوف نہ کہنے لگو۔ اور حسن اور مجاہد نے بھی کہا ہے کہ مطلب ہے تم مجھے بڑھاپے کی طرف نہ منسوب کرنے لگو۔

جس پر سننے والوں نے کہا اللہ کی قسم آپ تو پرانی غلطی میں ہیں قتادہ اور سدی فرماتے ہیں یہ انکی بہت سخت بات تھی۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: پھر جب انکے پاس خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے انکے چہرے پر وہ (کرتہ) ڈال دیا پھر بینا ہو گئے۔ یعنی محض قمیص آپکے چہرے پر ڈالنے سے آپکی بینائی نور الوٹ آئی جبکہ پہلے بالکل خراب تھی۔ تو اسوقت حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کیا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یعنی مجھے علم تھا کہ اللہ مجھے یوسفؑ کو دکھلائے گا اور اسکے متعلق وہ چیزیں دکھائے گا جو مجھے خوش کریں گی۔

پھر بیٹوں نے کہا: کہنے لگے اے ابا جان ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطاکار تھے یعنی ہمارے لئے اللہ عزوجل سے بخشش کی دعا کیجئے کہ جو انہوں نے کیا اور جو ان سے سرزد ہوا اور یوسفؑ کے ساتھ جو کچھ بھی ہم نے کیا اللہ ہمیں بخش دے۔ اور جب انکی نیت میں کرنے سے پہلے آئندہ توبہ پر عزم تھا تو اللہ نے انکو توفیق بھی مرحمت فرمادی۔

اور والد مکرم نے انکی درخواست قبول کرلی اور فرمایا: میں تمہارے لئے عنقریب اپنے خدا سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

ابن مسعودؓ، ابراہیم تیمیؒ، عمر بن قیس، ابن جریجؒ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو سحری کے وقت کی امید دلائی تھی کہ اس وقت میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ [3] ابن جریر فرماتے ہیں.... کہ محارب بن دثار سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف لارہے تھے تو کسی انسان کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ آپ نے مجھے

---

[1] یوسف ۹۴ تا ۹۸ [2] قال عبدالرزاق انبا نا اسرائیل عن ابی سنان عن عبداللہ بن ابی ھذیل

[3] قال ابن جریر، حدثنی ابو السائب، حدثنا ابن ادریس، قال سمعت عبدالرحمن بن اسحاق یذکر عن محارب بن دثار .... الخ

پکار امیں نے جواب دیا آپ نے مجھے حکم دیا میں نے اطاعت کی۔ اور یہ سحر کا وقت ہے لہذا میری مغفرت کر دیجئے حضرت عمرؓ نے توجہ دی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر سے آواز آرہی ہے تو آپ نے حضرت عبداللہ سے اسکے متعلق دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے سحر کے وقت تک کی مہلت لی تھی کہ میں اسوقت دعا کروں گا اور یہ فرمایا تھا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود بھی نیک بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور وہ سحر کے اوقات میں مغفرت طلب کرتے ہیں۔[1]

اور صحیحین میں رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا میں اسکی مغفرت کروں۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے جمعے کی رات تک کی مہلت لی تھی (کہ تب دعا کروں گا)

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت یعقوبؑ کے فرمان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا اور آیت پڑھی (ترجمہ) اور میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا پھر فرمایا یعقوب کی اسوقت سے جمعے کی رات مراد تھی۔ اور یہ میرے بھائی یعقوب کا اپنے بیٹوں سے فرمان تھا۔

لیکن یہ حدیث اس سند وطریق سے غریب ہے اور اسکے مرفوع (یعنی حضور ﷺ کی طرف منسوب) ہونے میں نظر و اعتراض ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں :۔

جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائیں۔ انشاء اللہ۔ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اسوقت یوسف نے) کہا اے ابا جان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر احسان کئے کہ مجھے جیل خانے سے نکالا، اور اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا آپکو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے وہ دانا حکمت والا ہے۔ (پھر یوسف نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا) اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے اپنی اطاعت میں اٹھائیو اور اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو۔[3]

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ طویل مدت تک بچھڑے ہوئے دو محبت کرنے والوں کے وصل وملاقات کو بیان فرمارہے ہیں۔ جس طویل مدت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مدت فرقت اسی سال تھی اور ایک قول ہے کہ تراسی سال تھی۔ اور یہ دونوں روایتیں حضرت حسنؓ سے مروی ہیں۔ اور ایک قول ہے پینتیس سال تھی۔ اور

---

[1] ال عمران ۱۷ [2] قال ابن جرير حدثني المثنى قال حدثنا سليمن بن عبدالرحمن ابو ايوب الدمشقي حدثنا الوليد انبأنا ابن جريج عن عطا وعكرمة عن ابن عباس ۔۔۔۔ [3] یوسف ۹۹ تا ۱۰۱

یہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے اور محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف اٹھارہ سال غائب رہے اور کہا کہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ چالیس سال جدائی رہی۔

اور قصے کے مختلف زاویے اور گوشے مدت فرقت کی تحدید اور تعداد کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔اس طرح سے کہ زلیخا نے جب آپ سے برائی کا ارادہ کیا تو آپ کی عمر مبارک صرف سترہ سال تھی۔ جو کوئی ایک کا کہنا ہے۔ اور پھر پس زنداں نو سال گذرے۔ اور عکرمہ وغیرہ کے نزدیک جیل کی مدت سات سال ہے۔ پھر رہائی ہوئی تو سات سال سرسبزی وشادابی کے بسر ہوئے پھر جب دوسرے سات سال جو سختی اور مشقت کے تھے ان میں آپ کے پاس بھائی آئے اور پہلے سال بنیامین کے بغیر آئے تھے پھر آئندہ سال بنیامین کو ساتھ لائے تھے اور تیسرے سال میں آپس مین تعارف ہوا اور حضرت یوسفؑ نے انکو اپنے تمام اہل وعیال کے ساتھ آنے کا فرمایا۔ تو سب اکٹھے ہو گئے اور یہ وقت باپ بیٹے کی ملاقات کا تھا۔

فرمان الٰہی ہے جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا۔ یعنی ان دونوں کو خاص طور پر اکٹھا کیا اور وہ عزت ومقام دیا جو دوسرے بھائیوں کو نہ ملا۔

اور آگے ہے :اور (یوسف نے) کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔آیت یہ ہے فلما دخلوا علی یوسف اوی الیہ ابو یہ وقال ادخلو مصر ان شاء اللہ امنین۔اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تقدیم وتاخیر سے ہے۔

کہ پہلے اد خلو اہے پھر اوی الیہ ابو یہ۔یعنی پہلے تو انکو داخلے کا فرمایا پھر اپنے والدین کو اپنے پاس خصوصی ٹھکانہ دیا۔لیکن اس تاویل کو ابن جریر نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ معذور ہے اور ایک قول ہے کہ پہلے ان سے ملاقات ہوئی اور انکو خیموں میں عارضی طور پر رکھا۔ پھر مصر کے دروازے کے قریب ہوئے تو پھر کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے سدیؒ کا یہی قول ہے۔

لیکن (مصنف اپنی رائے دیتے ہیں) کہ اگر ادخلوا کو اسکنو امصر کے معنی میں مراد لیں یا اقیمو ابھا کے معنی میں مراد لیں تو کوئی حرج نہ ہو گا اور بات بالکل لطیف وصحیح ہو جائے گی۔

اہل کتاب کے نزدیک جب یعقوبؑ سرزمین جاشر یعنی بلبیس کے قریب پہنچے تو حضرت یوسفؑ انکے استقبال کے لئے نکلے۔اور پہلے حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یہوذا کے ذریعے حضرت یوسفؑ کے پاس بطور مہمان آنے کی خوشخبری پہنچا چکے تھے۔اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ بادشاہ مصر نے انکے لئے جاشر کا علاقہ وقف کر دیا تھا۔اسمیں آل یعقوب رہتے تھے اور اپنی عیش وفراوانی اور مال مویشیوں کے ساتھ اقامت پذیر تھے۔اور مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ کے نبی حضرت یعقوبؑ اسرائیلؑ کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو حضرت یوسفؑ مع بادشاہ اور لشکروں کے آپ کے استقبال کیلئے شہر سے باہر نکلے اور یہ بادشاہ اور لشکر حضرت یوسفؑ کی عزت وعظمت کو اجاگر ودوبالا کرنے کی غرض سے نکلے تھے اور ساتھ مین انکے والد اللہ کے نبی حضرت اسرائیلؑ کی تعظیم وتکریم مقصود تھی (کیونکہ غالباً یہ سب مسلمان ہو گئے تھے) اور پھر حضرت یعقوبؑ نے بادشاہ کے لئے دعا بھی فرمائی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت یعقوب کے آنے کی برکت کی وجہ سے اللہ نے اہل مصر سے باقی ماندہ قحط کے سال دفع ودور کر دیئے اور انکو رزق واناج کی

فراوانی سے سرشار کردیا واللہ اعلم۔

ابو اسحاق سبیعی، ابو عبیدہ سے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے ساتھ انکی جو آل اولاد آئی وہ تمام تریسٹھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور موسیٰ بن عبیدہ نے محمد بن کعب سے روایت کیا اور محمد نے عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ وہ تمام حضرات وخواتین تراسی نفوس پر مشتمل تھے۔ اور ابو اسحاق، مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو تمام افراد ترانوے انسانوں پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب نے کہا کہ جب حضرت یعقوب کی اہل اولاد حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نکلی تو صرف جنگجو حضرات چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب کے ہاں نص وصراحت سے مذکور ہے کہ جب یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو (حضرت یعقوبؑ سمیت) ستر افراد تھے اور پھر انکے نام بتلائے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں اور (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا۔ کہا گیا ہے۔ کہ انکی والدہ (حقیقی) تو وفات کرچکی تھیں اور یہی علماء تورات کے ہاں ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ نے انکو زندہ فرمادیا تھا۔ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انکی خالہ لیا والدہ کی جگہ تھیں اور خالہ بھی ماں کے مرتبے میں ہوتی ہیں۔

اور ابن جریر اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ انکی (حقیقی) والدہ اس دن تک زندہ ہوں۔ لہذا قرآن کے مخالف جو اہل کتاب کی بات معلوم ہوگی اسکو رد کردیا جائے گا۔

اور یہی صحیح قول ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت یوسفؑ نے انکو اپنے تخت پر بٹھایا اور پھر وہ سب انکے آگے سجدے میں گر گئے یعنی ماں باپ اور تمام بھائی جو گیارہ تھے۔ اور یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ تعظیم وتکریمی تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا، حتی کہ تمام شریعتوں میں (تقریباً) جائز رہا پھر ہماری شریعت محمدی میں منسوخ وناجائز ہوگیا، تو جب سب سجدہ ریز ہوگئے تو تب حضرت یوسفؑ نے والد سے عرض کیا اور کہا اے میرے والد یہ میرے اس سے پہلے (بچپن کے) خواب کی تعبیر ہے، یعنی میں نے جو بچپن میں اپنے خواب کا قصہ آپ کو بیان کیا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہے (اور ابھی اس کی تکمیل ہوئی ہے) جو خواب یہ تھا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے روبرو سجدہ کرتے دیکھا تھا، اور پھر آپ نے مجھے اس کے چھپانے کا حکم فرمایا تھا اور کچھ وعدے وپیمان کیے تھے، آگے فرمایا: تو بے شک میرے رب نے اس کو سچ کردیا ہے اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا یعنی تکلیف وتنگی ومشقت کے بعد مجھے آزاد فضاء سے نوازا اور اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مجھے حاکم مصر بنادیا اور حاکم بھی ایسا کہ مصر کے شہروں میں جہاں چاہوں جو حکم چاہوں نافذ کروں اور پھر مزید یہ احسان کیا، فرمایا: اور بے شک آپ کو گاؤں سے یہاں لایا گیا، یعنی دیہات سے یہاں آپ کو لایا، اور حضرت یعقوب مع اہل وعیال کے سرزمین کنعان میں رہتے تھے، آگے فرمایا: (اور یہ سب کچھ ہوا) اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا، یعنی جو کنویں میں ڈالنے کا واقعہ

پیش آیا جس کا ذکر گزر چکا ہے فرمایا: بے شک میرا رب تدبیر کرنے والا ہے جو چاہتا ہے یعنی جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور اس کو اس طرح آسان فرما دیتا ہے کہ بندے اس کی طرف رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ صرف وہی تنہا ذات اس کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کو اپنی قدرت و حکمت کے ساتھ بالکل آسان کر دیتی ہے۔ بے شک وہ (اپنے تمام کاموں کا) جاننے والا (اور اپنی شریعت اور تقدیر اور مخلوق میں) حکمت والا ہے (یہ تو وہ تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے مختلف گوشوں کو قرآن مقدس نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا اب کچھ ان کی حکومت کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ م۔)

اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اہل مصر نے حضرت یوسفؑ سے قحط سالی کے زمانے میں طعام و غلہ وغیرہ خریدنے کے لئے اپنی تمام املاک وغیرہ کو بیچ ڈالا تھا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ پہلے حضرت یوسفؑ نے اہل مصر کو اور اس کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو ان کے اموال کے بدلے غلہ فروخت کیا مثلاً سونے چاندی کے عوض اور زمین اور دیگر اثاثوں کے عوض، الغرض جو کچھ بھی ان کی ملکیت میں تھا سب کچھ دے کر انھوں نے اپنا پیٹ پالا اور جب سب کچھ ختم ہو گیا تو حضرت یوسفؑ کو اپنا وجود بھی فروخت کر ڈالا اور تمام رعایا حضرت یوسفؑ کی غلام ہو گئی۔

پھر حضرت یوسفؑ نے سخاوت کا معاملہ و مظاہرہ فرمایا کہ ان کی زمینیں واپس کر دیں اور ان کو خود بھی اس شرط و معاہدہ پر رہا و آزاد کر دیا گیا جو کچھ وہ کمائیں گے ان کا پانچواں حصہ مملکت مصر کا ہوگا تو پھر بعد میں بھی یہ اہل مصر میں رسم جاری ہو گئی کہ مصر کی مملکت میں اہل مصر اپنی کمائی کا پانچواں حصہ دیتے تھے اور ثعلبیؒ حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ ان سالوں میں پیٹ بھر کر کھاتے نہیں تھے تا کہ کہیں بھوکوں فاقہ زدوں کو نہ بھول جائیں بلکہ سارے دن میں صرف دوپہر کے وقت ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی سیر نہ ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس وقت سارے بادشاہ بھی آپ کی اقتداء کرتے تھے۔

مصنف فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطابؓ بھی اپنے دور خلافت میں تنگی کے زمانے میں سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ قحط سالی ختم ہو گئی اور سرسبزی و شادابی آ گئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قحط کے زمانے کے بعد ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ سے سختیاں ہٹ گئیں بے شک آپ اس میں آزاد ماں کے بیٹے (اور بہادر) ثابت ہوئے۔

پھر حضرت یوسفؑ نے دیکھا کہ مجھ پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہو گئیں ہیں اور ان کا خاندان بھی جمع ہو گیا ہے تو پھر سمجھا کہ اب اس دنیا میں میرے لئے قرار و ثبات نہیں ہے اور بے شک اس میں جو چیزیں ہیں اور جو ان پر بسنے والے ہیں سب فناء ہونے والے ہیں اور ہر چیز اپنی تکمیل کے بعد نقصان و انتہاء کی طرف لوٹتی ہے تو حضرت یوسفؑ اپنے رب کی حمد و ثنا کی بیان کرنے میں مشغول رہنے لگے اور اس کے احسانات انعامات پر شکر بجالاتے رہے اور اس عظیم ذات سے التجاء کی جو مسئولین میں سب سے بہتر ہے یہ دعا کی کہ مجھ کو اسلام پر وفات ملے اور اپنے نیک بندوں کا ساتھ حاصل ہو جیسے کہ دعا کی جاتی ہے۔

اللھم احینا مسلمین و توفنا مسلمین

اے اللہ ہم کو مسلمان بنا کر زندہ رکھ اور ہمیں مسلمانی میں وفات دے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دعا آپ نے موت کے وقت کی تھی جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت دعا کی کہ آپ کی روح مبارک ملاء اعلیٰ میں پہنچ جائے اور انبیاء و رسولوں کے ساتھ رفاقت مل جائے اور آپ نے یوں فرمایا اے اللہ رفیق اعلیٰ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، پھر وفات ہو گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی صحت و سلامتی کے زمانے میں ہی دعا کی اور یہ ان کی ملت میں ہی خاص تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی نے موت کی تمنا نہیں کی حضرت یوسفؑ سے پہلے:

لیکن ہماری شریعت محمدی ﷺ میں تمنائے موت و دعائے موت سے ممانعت ہے، ہاں اگر فتنوں کا وقت ہو اور وہ ہر طرف سے مجبور ولاچار ہو جائے تو بھی یہ دعا کرے اے اللہ اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو بس اپنے پاس بلا لے جیسے کہ حضرت معاذؓ کی حدیث مبارکہ میں ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اے اللہ اگر آپ کسی قوم کو فتنے میں مبتلاء و آزمائش سے دوچار کرنا چاہیں تو ہم کو ان فتنوں (اور عذابوں) سے محفوظ حالت میں اپنے پاس اٹھالے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ: ابن آدم تیرے لئے فتنے سے موت بہتر ہے۔ اور حضرت مریم علیہا السلام نے بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت کے وقت لوگوں کے طعنہ زنی کے خوف اور درد کی مشقت سے یہ الفاظ فرمائے تھے: ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے مر جاتی اور نسیاً منسیاً ہو جاتی (یعنی بالکل ہوتی ہی نہ) [۱] اور حضرت علی ابن ابی طالب نے بھی تمنائے موت فرمائی، اور یہ جب فرمائی تھی جب معاملات پیچیدہ ہو گئے، فتنے و شرور کا دور دورہ ہو گیا، اور جنگ و جدل بڑھ گیا، خونریزی حد کو پہنچ گئی، اور طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں۔

اور اسی طرح امام المحدثین حضرت محمد ابن اسماعیل یعنی امام بخاریؒ نے بھی موت کی تمنا کی جب ان پر حالات سخت ہو گئے اور مخالفین سے طرح طرح کی مصیبتیں اور جلاوطنیاں پہنچیں۔

خیر یہ تو انتہائی حالات کے وقت کی اجازت ہے نہ کہ عام حالت اور خوش عیشی میں اور عام حالات زندگی میں تمنائے موت کرنا کیسا ہے؟ تو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں انس بن مالکؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے کسی مصیبت کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہوتی ہے کیونکہ یا تو (وہ صبر و شکر سے کام لے کر) احسان کرنے والا ہو گا تو وہ (ثواب و درجات میں) ترقی کرے گا اور یا بد اعمال والا ہو گا تو یہ عتاب ہے (جس سے اس کے گناہ جھڑیں گے اور اگر دعا کرنی بھی ہے تو) یوں کہے۔

اے اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھئے اور جب میرے لئے وفات بہتر ہو تو مجھے وفات دے دیجئے۔

اور مندرجہ بالا اس حدیث میں جو فرمایا گیا کہ وہ مصیبت جو اس کو پہنچے جس کی وجہ سے اجازت دی گئی، اس سے مراد وہ مصیبت اور بیماری ہے جو اس کے جسم میں لاحق ہو جس کو برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو اور وہ فتنہ و مصیبت مراد نہیں ہے جو دین میں ہو، (بلکہ اس کو دور کرنا چاہئے اور تقویٰ و طہارت حاصل کرنا چاہئے)

---

[۱] مریم ۲۳

تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے بھی اسی وقت مذکورہ دعا فرمائی تھی جب ان کی وفات کا وقت قریب پہنچ گیا تھا، یا ان کی دعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ جب وقت موت آجائے تو...... میری یہ دعا قبول فرما۔

ابن اسحاق نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کے ساتھ مصر کے علاقوں میں سترہ سال رہے اور وقت وفات میں آپ یوسفؑ کو وصیت فرماگئے تھے کہ ان کو ان کے والد اسحاقؑ اور دادا ابراہیمؑ کے پاس دفن کیا جائے، سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے اس وصیت کو پورا فرمایا اور ان کے جسد اطہر کو ملک شام لے گئے اور اسی مغارہ علاقے میں دفن کیا جہاں ان کے والد و دادا مدفون تھے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوبؑ کی عمر مصر میں داخلے کے وقت ایک سو تیس سال تھی۔

اور پھر مصر میں سترہ سال اقامت فرمائی اور اہل کتاب ان دونوں مدتوں کے بیان کرنے کے باوجود یہ بھی کہتے ہیں آپ کی تمام عمر مبارک ایک سو چالیس سال تھی، اور یہ ان کی کتاب میں نصاً صراحۃً موجود ہے، لہذا یا تو انھوں نے کتاب میں تبدیلی کی ہے یا ان کی غلط بیانی ہے یا پھر انھوں نے تمام عمر بیان کرنے میں دہائی سے زیادہ کسر کو بیان کرنا قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے لیکن جبکہ ان کے ہاں زائد کسر میں بھی یہ عادت نہیں ہے تو یہاں ان کا یہ طریقہ کیسے صحیح خیال کیا جاسکتا ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اس کے حکم بردار ہیں[۱]۔

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو توحید و اخلاص کی وصیت فرمائی اور پھر ان کو ان کے ساتھ جو ہوگا اس کی پیشن گوئی کی اور یہوذا بیٹے کو خوش خبری دی کہ تیری نسل سے ایک عظیم پیغمبر پیدا ہوگا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے واللہ اعلم

اہل کتاب ذکر کرتے ہیں جب حضرت یعقوبؑ نے وفات فرمائی تو تمام مصر والے ستر دن تک ان کی وفات پر روتے رہے اور حضرت یوسفؑ نے اطباء کو حکم دیا تو انھوں نے والد ماجد کے جسد طہر پر خوشبو (و دوائی) وغیرہ لگائی جس کے اندر یہ چالیس دن تک رہے پھر حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے والد کو دفن کرنے کے لئے شام کی طرف چلے تاکہ وہاں داداؤں کی قبر کے پاس دفن کردیں اور آپ کے ساتھ مصر کے شیوخ واکابر بھی چلے جب حبرون پہنچے تو اسی زمین میں آپ کو دفن کردیا جس کو ابراہیمؑ نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدا تھا، (اور یہیں ان حضرات کی قبریں تھیں) پھر وہاں انھوں نے سات دنوں تک تعزیت وغیرہ کی پھر اپنے علاقوں کی طرف واپس لوٹ آئے اور یوسفؑ کے بھائی اپنے والد کی تعزیت کرتے تھے اور آپ کے لئے بہت رحم دل اور نرم ہو چکے تھے اور حضرت یوسفؑ نے بھی ان کا بھرپور خیال کیا اور ان کی رہائش وغیرہ کا اچھا انتظام فرمایا اور سب مصر کے علاقوں میں آباد ہوگئے۔

---

[۱] البقرہ ۱۳۳

پھر حضرت یوسفؑ کا وقت وفات بھی قریب آیا تو آپ نے بھی وصیت کی کہ مجھے بھی اپنے آباء کے ساتھ دفن کیا جائے تو لوگوں نے آپ کو خوشبو وغیرہ لگائی اور سب کچھ کر کے تابوت میں رکھ کر دہیں مصر میں (کسی وجہ سے) دفن کر دیا پھر بعد میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں حضرت موسیٰ نے ان کو نکال کر ان کے آباء کے ساتھ دفن فرمایا جس کا ذکر آئے گا اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔

(مصنف فرماتے ہیں) میرے دیکھنے کے مطابق ان کے یہاں یہی مذکور ہے۔

ابن جریر نے مبارک بن فضالہ کا قول حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سترہ سال تھی اور پھر اپنے والد سے اسی سال غائب رہے اور ملاقات کے بعد ۲۳ سال حیات رہے اس طرح جب وفات پائی تو ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے بعد یہوذا بھائی کو وصیت فرمائی۔

صلوات الله عليه وسلامه

حضرت ایوب علیہ السّلام کا قصہ

حضرت ایوّب علیہ السّلام کا قصہ

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں حضرت ایوبؑ رومی شخص تھے، اور ان کا نسب نامہ یوں ہے ایوب بن موص بن رازح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل

اور ان کے علاوہ کسی نے کہا ہے وہ ایوبؑ بن عوص بن رعویل بن عیص بن اسحاق بن یعقوب ہیں اور اسی طرح کئی اور نسب بھی مذکور ہیں۔

اور علامہ ابن عساکرؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی والدہ ماجدہ حضرت لوطؑ کی بیٹی تھیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد مکرم ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر ان کو آگ میں ڈالے جانے کے دن ایمان لائے۔

اور مذکورہ نسب ناموں میں مشہور اور زیادہ صحیح پہلا ہے کیونکہ حضرت ایوبؑ حضرت ابراہیمؑ کی آل میں سے ہیں جیسے کہ اس آیت کے تحت بیان ہوا (ترجمہ) اور آپ (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں (انعام ۸۴) اس آیت میں لفظ و من ذریته میں ضمیر حضرت ابراہیمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ حضرت نوحؑ کی طرف، جو دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت ایوب حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں، اور پہلا نسب نامہ بھی یہی بیان کرتا ہے اور حضرت ایوبؑ ان انبیاء میں سے ہیں جن کے بارے میں وحی بھیجنے کی صراحت سورۂ نساء میں آگئی ہے (ترجمہ) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف، اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف۔

لہذا صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عیص بن اسحاق کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی بیوی کا نام ایک قول کے مطابق لیا بنت یعقوب اور ایک قول کے مطابق رحمت بنت افراثیم ہے اور ایک اور قول یہ ہے کہ ان کی بیوی لیا بنت منسا بن یعقوب علیہ السلام ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا، ان کے قصے کے بعد ہم انشاء اللہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے قصوں کو ذکر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور آپ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں، تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کردی اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور (بھی بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لئے (یہ) نصیحت ہے۔[1] اور سورۂ ص میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور ہمارے پیارے ایوب کو یاد کرو، جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ) شیطان نے مجھ کو

---

[1] الانبیاء ۸۳-۸۴۔

ایذاء اور تکلیف دے رکھی ہے (ہم نے کہا کہ) زمین پر لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں) اور ہم نے ان کو اہل (و عیال) اور انکے ساتھ ان کے برابر اور بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کیلئے نصیحت تھی اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب بندے تھے بے شک رجوع کرنے والے تھے۔[1]

ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے نقل کیا ہے فرمایا کہ پہلے پیغمبر جو مبعوث ہوئے ہیں وہ ادریسؑ، پھر نوحؑ پھر ابراہیمؑ پھر اسماعیلؑ پھر اسحاق پھر یعقوب پھر یوسفؑ پھر لوطؑ پھر ہود پھر صالح پھر شعیب پھر موسیٰ اور ہارون پھر الیاس پھر یسع پھر عرفی بن سویلخ بن فراثیم بن یوسف بن یعقوب، پھر یونس بن متی جو آل یعقوب سے تھے پھر ایوب بن زراح بن آموص بن لیتر زبن العیص بن اسحاق بن ابراہیم۔

لیکن ان کی بیان کردہ ترتیب میں کچھ شک کا یا غلطی کا امکان ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہود اور صالح حضرت نوحؑ کے بعد اور حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے ہیں (اور بندہ مترجم عرض کرتا ہے کہ اسی طرح میرے خیال میں حضرت لوط علیہ السلام حضرت یوسفؑ و یعقوبؑ و اسحاق سے پہلے کے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کے پاس فرشتے حضرت اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری لے کر آئے تو ساتھ میں قوم لوط پر عذاب کی خبر بھی دی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط حضرت اسحاقؑ کی پیدائش سے قبل ہی پیغمبر تھے بلکہ غالباً یہ حضرت اسماعیلؑ سے بھی پہلے کے پیغمبر ہیں، م۔)

علماء تفسیر و تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ بہت مال والے تھے اور تمام اقسام کے مویشی غلام زمینیں تھیں اور آپ کی زمینیں سر زمین حوران میں ثنیہ مقام پر تھیں اور ابن عساکر نے نقل فرمایا ہے کہ بلکہ یہ تمام علاقہ انہی کا تھا اور ان کے اہل و عیال بہت ہی زیادہ تھے۔

پھر یہ سب کچھ ان سے چھین لیا گیا، حتیٰ کہ جسم میں بھی طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو گئیں اور کوئی عضو صحیح سالم باقی نہ رہا سوائے دل و زبان کے جن دونوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہے اور ان تمام مصیبتوں اور مشکلات اور بیماریوں کے باوجود آپ نہایت صابر اور اللہ عزوجل سے ثواب کی آس لگائے بیٹھے رہے اور دن اور رات صبح و شام اللہ کا ذکر کرتے رہتے اور ان کا مرض اتنا طویل ہو گیا کہ کوئی ہم نشین بھی ساتھ نہ بیٹھتا تھا اور دوست احباب بھی وحشت کرتے تھے حتیٰ کہ پھر ان کو شہر سے نکال کر باہر ایک کوڑے کرکٹ کی جگہ پر ڈال دیا گیا اور لوگوں کا ان سے ملنا جلنا قطعاً بند ہو گیا اور کوئی بھی ایک ان کا غم خوار نہ رہا سوائے ان کی ایک بیوی کے جو ان کے حق کا خیال کرتیں اور ان کے پرانے احسانات شفقتوں کو بھولنے کے بجائے اس کٹھن وقت میں خوب خدمت کرتی رہیں پس وہ بار بار آپ کے پاس آتیں اور آپ کی خبر گیری رکھتی اور قضائے حاجت میں مدد کرتیں اور آپ کی مصلحت و صحت کا خیال رکھتیں (پھر اس بیوی کی بھی کثرت عمر کی وجہ سے) حالت کمزور ہو گئی اور ان کا مال بھی کم ہوتا چلا گیا پھر بھی وہ صالح بیوی لوگوں کا اجرت پر کام کر کے حضرت ایوبؑ کی خدمت کرتی رہیں اور ان کی پوری نگہبانی کرتی رہیں الغرض حضرت ایوبؑ پر جو کچھ بھی مصائب نازل ہوئے مال و اولاد کا ختم ہونا وغیرہ وغیرہ ان تمام مصائب میں یہ بیوی برابر کی شریک رہیں اور دکھ سکھ میں غم خواری کرتی رہیں بلکہ یہ مزید شوہر کی

[1] ص ۱۴۱ تا ۱۴۴

مصیبت وبیماریوں کو اپنے سر پر اٹھاتی رہیں اور تنگی کے باوجود اپنا مال ان پر خرچ کرتی رہیں اور لوگوں سے بھی اجرت لے کر حضرت ایوبؑ کی خدمت کی جبکہ پہلے خود سعادت نعمت و خدمت اور حرمت وعزت اٹھا چکی تھیں، انا للہ و انا الیہ راجعون

اور صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا لوگوں میں مصیبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر صالحین پھر جو ان کے مشابہ ہوں اور ان کے مشابہ ہوں اور فرمایا آدمی آزمائش میں اپنے دین کے بقدر مبتلا ہوتا ہے لہذا اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہوگا تو اس کی آزمائش میں بھی زیادتی ہوگی۔

تو جیسے کہ مذکورہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ سب سے سخت مصائب کے اعتبار سے انبیاء ہوتے ہیں تو ان میں حضرت ایوبؑ کو خصوصی مقام حاصل ہوا ان کو اتنی بیماریوں وتنگیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے ساتھ مصائب میں مثال دی جاتی ہے، اور ان کی بیماریوں مصیبتوں کے ساتھ مثال دی جاتی ہے اور وہب بن منبہؒ نے علماء بنی اسرائیل سے حضرت ایوبؑ کے مال واولاد وغیرہ کے ختم ہونے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے اور اس کی صحت کا اللہ کو علم ہے۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ حضرت ایوبؑ پہلے انسان ہیں جن کو چیچک (اور دیگر جلدی بیماریاں) نکلیں اور آپ کی مدت مصائب میں مختلف اقوال ہیں تو وہبؒ کا خیال ہے کہ آپ تین سال کامل نہ کم نہ زیادہ ان مصائب میں مبتلاء رہے اور حضرت انس کا فرمان ہے کہ سات سال اور کئی مہینے تک ان مصیبتوں سے دو چار رہے اور پھر بنی اسرائیل کے ایک کوڑے کے ڈھیر پر ان کو ڈال دیا گیا تھا کیڑے وغیرہ آپ کے جسم میں چلتے تھے، حتی کہ اللہ نے آپ کو ان بیماریوں سے کلی شفاء نصیب فرمائی اور خوب اجر عظیم سے نواز اور پھر ان کی تعریف ومدح فرمائی، اور حمیدؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ سال تک آزمائش کا زمانہ تھا، اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا گوشت تک گر کر ختم ہوگیا تھا حتی کہ صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے، ان کی بیوی ریت لے کر آتیں اور ان کے نیچے بچھاتیں تاکہ نرمی ہو پھر جب بیوی کو خدمت کرتے کرتے طویل زمانہ گزر گیا تو ایک مرتبہ حضرت ایوبؑ کو کہا اگر آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں تو وہ آپ کو (ان مصائب سے) رہائی عطا فرمائے گا تو آپ نے حیرت انگیز جواب مرحمت فرمایا کہ میں ستر سال تک صحیح وسالم رہا تو اور کچھ نہیں تو کم از کم میں اللہ کے لئے ستر سال تک تو صبر کرلوں، تو بیوی آئندہ کے لئے ایسی بات سے خاموش ہوگئیں اور خدمت جاری رکھی۔

اور حضرت ایوبؑ کی اہلیہ گزر بسر کے لئے لوگوں کے ہاں کام کرتیں اور جو پیسے وغیرہ ملتے ان سے حضرت ایوبؑ کو کھلاتیں پھر ایک وقت آیا کہ لوگوں نے حضرت ایوبؑ کی ان عظیم صابرہ اہلیہ کو کام پر رکھنا چھوڑ دیا اور ان سے کوئی کام نہ لیتے تھے (جو ان کی زندگی کا ذریعہ تھا) شاید انھوں نے خیال کیا کہ آخر یہ بھی ہیں تو ایوبؑ کی بیوی کہیں ایوبؑ کی بیماریاں ہمارے اندر بھی نہ آجائیں تو جب حضرت ایوبؑ کی بیوی کو کسی نے بھی اپنے کام کاج پر نہ رکھا تو انھوں نے قربانی کی عظیم مثال پیش کرتے ہوئے اپنے سر کے بالوں کی دو مینڈھوں میں سے ایک کاٹ کر کسی بڑے آدمی کی بیٹی کو فروخت کردی اور اس کے بدلے کافی عمدہ کھانا

ملا پھر وہ کھانا لے کر حضرت ایوبؑ کی خدمت میں آئیں اور ان کو کھلایا ایوبؑ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا کیونکہ ان کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا تو کہا کہ لوگوں کا کام کیا تھا پھر جب آئندہ روز ہوا تو پھر کسی نے کام پر نہ رکھا تو دوسری مینڈھی بھی بیچ دی اور اس کے بدلے کھانا لے کر حضرت ایوبؑ کی خدمت میں پہنچیں، حضرت ایوبؑ کو پھر کچھ اوپرا اپن سا محسوس ہوا تو اس دفعہ قسم اٹھائی کہ پہلے بتاؤ کہاں سے یہ کھانا تجھ کو ملا پھر کھاؤں گا تو اہلیہ نے اپنا سر کھول دیا حضرت ایوبؑ نے دیکھا کہ سر منڈا ہوا ہے تو تب انتہائی بے کسی کے عالم میں حضرت ایوبؑ نے یہ دعا فرمائی تھی۔

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین [1]

اے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

[2] ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ حضرت ایوبؑ کے دو بھائی تھے ایک دن آپ کے پاس آئے تو آپ کی بو کی وجہ سے وہ قریب نہ آسکے تو وہ دور کھڑے ہو گئے پھر ایک دوسرے کو کہا کہ اگر اللہ ایوبؑ میں کوئی بھلائی و خیر جانتا تو اس کو اس طرح بتلاء نہ کرتا۔

اس بات سے حضرت ایوبؑ کو اس قدر غم و تکلیف ہوئی کہ کبھی کسی سے نہ ہوئی ہوگی تو آپ نے فوراً بارگاہ رب العزت میں دست التجاء کے لئے بلند کیئے اے اللہ اگر آپ کو علم ہے کہ جس نے کبھی کوئی رات سیر ہو کر نہیں گزاری اور میں جانتا ہوں کہ بھوکے کا کیا مرتبہ ہے تو آپ میری تصدیق فرمایئے تو اللہ نے آسمان سے ان کی تصدیق و تاکید کی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس کبھی دو قمیص نہیں رہیں اور میں ننگے کا مرتبہ جانتا ہوں تو آپ میری تصدیق فرمایئے پھر آسمان سے تصدیق ہوئی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ تیری عزت کا واسطہ اور یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے اور فریاد و التجاء کی۔

اے اللہ میری عزت کا واسطہ میں کبھی اپنا سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ آپ مجھ سے ان تکالیف کو نہ دور فرمادیں گے تو آپ نے سر نہ اٹھایا حتی کہ آپ ان بیماریوں سے نجات پاگئے۔

[3] ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے فرمایا، کہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر ایوب کو اٹھارہ سال مصیبتیں آزمائشیں گھیرے رہیں، پھر ان کو قریب والے اور دور والے سب چھوڑ گیے، سوائے دو شخصوں کے جو آپ کے خاص بھائی تھے وہ آپکے پاس صبح شام آتے تو ایک مرتبہ ایک نے دوسرے کو کہا تو جانتا ہے کہ اللہ کی قسم شاید ایوب جیسا گناہ جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا سا تھی نے پوچھا وہ کیا ہے کہا کہ دیکھو اس کو اٹھارہ سال ہو گئے ہیں اس کی بیماریاں دور نہیں ہوئی ہیں اور اب تک اس پر اللہ رب العزت نے رحم نہیں کیا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رب اس کی بیماریوں کو دور فرمادیتا۔

پھر دونوں شام کو حضرت ایوبؑ کے پاس گئے تو اس شخص سے نہ رہا گیا اور وہ حضرت ایوب کو یہ بات ذکر کر بیٹھا

---

[1] الانبیاء ۸۳۔ [2] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا ابو سلمة، حدثنا جریر بن حازم، عن عبدالله بن عبید بن عمیر [3] وقال ابن ابی حاتم، و ابن جریر جمیعا حدثنا یونس بن عبدالاعلی انبانا ابن وهب، اخبرنی نافع بن یزید عن عقیل، عن الزهری، عن انس بن مالك ...... الخ

حضرت ایوبؑ نے فرمایا: مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سوائے اس کے کہ اللہ عزوجل جانتے ہیں کہ میں دو شخصوں پر سے گزر رہا تھا جو جھگڑا کر رہے تھے پھر وہ اللہ کا ذکر کرنے لگے تو میں اپنے گھر لوٹ آیا اور ان سے در گزر کیا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کا ذکر ہو؟ (یعنی حضرت ایوبؑ ان دونوں سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ فرمانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں)

فرمایا کہ حضرت ایوبؑ قضائے حاجت کے لئے نکلتے تھے اس طرح کہ آپ کی اہلیہ آپ کو تھامے ہوتی تھیں یعنی وہ آپ کو قضائے حاجت کیلئے لے کر جاتی تھیں، اور اسی طرح ایک دن وہ دیر سے آئیں تو اللہ نے عزوجل حضرت ایوبؑ کو حکم فرمایا: کہ اپنی لات مارو یہ (چشمہ) نہانے کی جگہ (اور اس کا پانی) ٹھنڈا اور میٹھا ہے تو اہلیہ جب دیر سے پہنچیں تو آس پاس دیکھا اور حضرت ایوبؑ بالکل صحت وسلامتی کے ساتھ ہو چکے تھے اور وہ بیوی کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے کی طرح حسین صورت پر ہو چکے تھے تو بیوی آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں اللہ آپ کو برکت دے کیا آپ نے یہاں ایک بیمار پڑے شخص کو دیکھا ہے؟ (کیونکہ اہلیہ بالکل نہ پہچان سکیں اور آگے بولیں) اللہ کی قسم جب وہ بیمار صحیح ہوتا تھا تو بالکل آپ کی طرح ہوتا تھا، تو وہ شخص کہنے لگا وہ میں ہی ہوں۔

اور حضرت ایوبؑ کے دو کھیت ہوں گے ایک گندم کا ایک جو کا پھر دو بادل آئیں گے تو ایک بادل گیہوں کے کھیت پر برسا اور اس کو سونے سے بھر دیا پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے جو کے کھلیان کو چاندی سے بھر دیا، یہ ابن جریر کے الفاظ ہیں اس طرح تمام ابن حبان نے اپنی صحیح [1] میں روایت کیا ہے۔

لیکن اس روایت میں غرابت ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

[2] ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو جنت کا جوڑا پہنا دیا تھا پھر یہ ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے تو ان کی بیوی تشریف لائیں اور پہچان نہ سکیں، تو آپ ہی سے پوچھا اے اللہ کے بندے، یہاں ایک آفت زدہ شخص ہوتا تھا وہ کہاں گیا؟ شاید کہ اس کو کتے لے گئے ہیں یا بھیڑیئے؟ اور ایک گھڑی یوں ہی بات کی پھر حضرت ایوبؑ نے فرمایا واہ میں ہی ایوب ہوں تو انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے بندے آپ مجھ پر مذاق کرتے ہیں؟ پھر کہا، افسوس تجھ پر! میں ہی ایوب ہوں اللہ نے مجھ کو میرا جسم لوٹا دیا ہے۔

ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے ان کو ان کے اموال اولاد دی گئی وہی اور انہی جیسے اور بھی لوٹا دیئے اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ایوبؑ کو وحی فرمائی میں نے تجھ کو تیرا مال تیری اولاد اور اسی کے مثل اور بھی تجھ پر لوٹا دیا ہے ابھی اس پانی کے ساتھ غسل کر لیجئے، اس میں شفا ہے اور اپنے ساتھیوں کے قریب ہو جائیں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں کیونکہ انھوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کی ہے ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

---

[1] عن محمد بن الحسن بن قتيبة عن ابن حرملة عن ابن وهب به وهذا غريب رفعه جدا والا شبه ان يكون موقوفاً

[2] وقال ابن ابی حاتم، حدثنا ابی حدثنا موسى بن اسماعيل، حدثنا حماد، انبانا على بن زيد عن يوسف بن مهران عن ابن عباس...... الخ، [3] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابو زرعة، حدثنا عمرو بن مرزوق، حدثنا همام عن قتاده، عن النضر بن انس، عن بشير بن نهيك عن ابی هريره

۱؎ اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے ایوب کو (صحت) وعافیت بخش دی تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسائیں تو یہ اپنے ہاتھ سے (جلدی جلدی پکڑ کر اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو پوچھا گیا اے ایوب کیا آپ سیر نہیں ہو رہے؟ عرض کیا اے پروردگار آپ کی رحمت سے کون سیر ہو گا؟[1]

۲؎ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ پر سونے کی ٹڈیوں کا غول بھیجا گیا تو یہ اپنے کپڑے میں ان کو سمیٹنے لگے تو اللہ کی طرف سے پوچھا گیا اے ایوب جو ہم نے تجھ کو دیا کافی نہیں ہے؟ کہا پروردگار بھلا تیری عطا و فضل سے کون بے پرواہ ہوگا۔

یہاں یہ موقوف بیان ہوئی لیکن ایک دوسرے طریق سے حضرت ابوہریرہ سے یہی حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے کہ ۳؎

مسند احمد ہی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ایوب ننگی حالت میں غسل فرمارہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیوں کا غول برسنا شروع ہوا تو آپ نے ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا پروردگار نے پکارا اے ایوب کیا میں نے تجھ کو ان سے جو تو دیکھ رہا ہے غنی نہیں کر دیا تھا؟ عرض کیا کیوں نہیں میرے پروردگار لیکن آپ کی برکت سے مجھے استغناء نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس کو عبدالرزاق کی حدیث سے نقل کیا ہے

اور فرمان خداوندی ہے، کہ اپنی لات مار یعنی زمین پر ٹانگ مارو آپ نے فرماں برداری کی جس سے اللہ نے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری کر دیا پھر حکم فرمایا کہ اس سے غسل بھی کرو اور اس کو پیو بھی سہی، تو اللہ نے ان کے بدن کی ظاہری باطنی بیماریاں تکالیف و پریشانیاں سب کچھ دور فرمادیں اور اس کے بعد اللہ نے ہر اعتبار سے صحت و قوت اور جمال و حسن اور مال کثیر عطا فرمادیا اور مال اتنا ہوا کہ سونے کی ٹڈیاں خوب خوب ان پر برسیں اور ان کے اہل و عیال کو بھی واپس فرمادیا قرآن میں ہے، اور ہم نے اس کو اس کا اہل اور ان کے مثل ان کے ساتھ عطا کر دیا اس میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ نے ان پہلے اہل و عیال کو زندہ فرمادیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے پہلے اہل کا بدلہ دے دیا تھا یعنی دوسرے اہل و عیال عطا فرمادیئے تھے اور قیامت میں پھر تمام کو جمع فرمائیں گے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں (اور یہ سب کچھ ہم نے ان کو عطا کیا) اپنی طرف سے رحمت سے۔ ۴؎

یعنی ہم نے ان کی تکالیف و شدت اور مصائب کو اپنی جانب سے رحمت اور احسان اور مہربانی کی وجہ سے دور

۱؎ وهكذا رواه الامام احمد عن ابی داؤد الطیالسی وعبدالصمد عن همام عن قتادہ به ورواه ابن حبان فی صحیحه عن عبدالله بن محمد الازدی عن اسحاق بن راهویه عن عبدالصمد لم ویخرجه احد من اصحاب الكتب و هو علی شرط الصحیح والله اعلم

۲؎ وقال الامام احمد حدثنا سفیان، عن ابی الزناد، عن الاعرج، عن ابی هریره سل

۳؎ وقال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن همام بن منبه قال هذا ماحدثنا ابوهریره

۴؎ الانبیاء ۸۴.

کر دیا اور فرمایا یہ عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے یعنی جو شخص جسم یا مال یا اولاد کے بارے میں مشقت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے وہ اللہ کے اس پیغمبر ایوب سے نصیحت حاصل کرے اور ان کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے کہ انھوں نے کس طرح اس عظیم آزمائش پر صبر کیا اور اللہ سے ثواب کی توقع رکھی تو پھر اللہ نے ان کی تمام پریشانیوں کو دور کر دیا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ مال و دولت اور اہل و عیال سے نواز دیا۔

اور بعض لوگوں نے انتہائی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے حضرت ایوبؑ کی اہلیہ کا "رحمت" نام اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ آیت میں ہے رحمة من عندنا یعنی ہم نے یہ فراوانی وغیرہ سب اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ کی تو وہ جہلاء مطلب نکالتے ہیں کہ ہم نے رحمت (بیوی) عطا کی، یہ حقیقت سے کوسوں دور اور جھگڑے میں پڑنے والی بات ہے۔

اور حضرت ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اللہ نے ان کی اس بیوی کو ان کی جوانی واپس لوٹا دی تھی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ جوانی عطا فرمائی تھی حتیٰ کہ پھر ان سے حضرت ایوب کے چھبیس لڑکے ہوئے۔

پھر حضرت ایوبؑ مصائب کے بعد سر زمین روم میں ملت ابراہیمی پر ستر سال حیات رہے پھر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا۔

آگے فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے ایوب کو حکم دیا) اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے اس کو ثابت قدم پایا وہ بہت خوب بندے تھے بہت رجوع کرنے والے تھے۔[1]

کسی وجہ سے حضرت ایوبؑ نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کا حلف (قسم) اٹھالیا تھا تو اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت ایوبؑ کو رخصت دی اور آسان راستہ چھٹکارے کا بتایا کہ ایک جھاڑو سو تنکوں والی لے لو اور اس سے ایک دفعہ ماردو (لیکن شرط یہ ہے کہ سب تنکے لگیں) اور یہ کس وجہ سے آپ نے ان پر یہ قسم اٹھائی تھی؟ ایک قول ہے کہ بیوی نے اپنی سر کے بالوں کی مینڈھیاں بیچ دیں تھیں اس بناء پر قسم اٹھائی اور ایک قول ہے کہ ان کو شیطان طبیب کی صورت میں ملا تھا اس نے ان کو ایوبؑ کے لئے دوا بتائی تو بیوی نے آکر ان کو خبر دی تو آپ پہچان گئے کہ وہ شیطان تھا تو تب یہ قسم اٹھائی، پھر جب اللہ عزوجل نے ان کو عافیت و صحت دیدی اور قسم پورا کرنے کا وقت آگیا تو تب اللہ نے ان کے لئے آسانی کا راستہ کھول دیا اور قسم پورا کرنے کے لئے یہ ترکیب سمجھائی، کہ ایک کھجور کا خوشہ لے لو جس میں سو شاخیں ہوں اور تمام کو اکٹھا مارو تو یہ کوڑوں کا بدل ہو جائے گا اور قسم پوری ہو جائے گی اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے متقیوں کے لئے کشادگی اور آسان راستے کی فراہمی ہے خصوصاً اس نیک صابرہ اہلیہ پیغمبر کے لئے اور اسی وجہ سے اللہ نے اس رخصت و آسانی کے بعد وجہ و علت بھی بیان فرمائی کہ وہ ایوب ہمارے صابر اور بہترین بندے اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور بہت سے فقہاء کرام نے قسموں اور نذروں کے باب میں آسانی اور رخصت کا حیلہ اختیار کیا ہے حتیٰ کہ بعض حضرات نے اس عنوان و مضمون پر کتابیں بھی لکھیں کہ "قسموں سے خلاصی کی تراکیب اور حیلے" اور

---

[1] ص ۴۴

اس کے لئے دلیل اس آیت کو بنایا ہے اور ان میں پھر عجیب غریب نکتے بیان کئے ہیں جن میں سے کچھ ہم اپنی کتاب ''کتاب الاحکام'' میں بیان کریں گے، انشاء اللہ

ابن جریر اور علماء تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی کل عمر ترانوے سال تھی اور اس سے زائد کا قول بھی ہے۔

لیث نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن سلیمانؑ کو اغنیاء کے ساتھ دلیل وحجت پیش کریں گے اور یوسفؑ کو پاک دامنی پر دلیل پیش کریں گے اور ایوبؑ کو مصیبت والوں پر بطور دلیل وحجت پیش کریں گے، ابن عساکر نے بھی اسی کے معنی میں قول نقل کیا ہے۔

اور حضرت ایوب نے اپنے لڑکے حومل کو اپنے بعد کی وصیت فرمائی اور حضرت ایوب کے بعد ان کے معاملات اور دیگر امور کے نگراں ان کے دوسرے فرزند بشر بن ایوب ہوئے اور ان کے بارے میں اکثر کا خیال ہے کہ یہی ذوالکفل علیہ السلام ہیں، واللہ اعلم اور اس بیٹے کی وفات ستر سال کی عمر میں ہوئی اور لوگوں کے خیال کے مطابق یہ پیغمبر تھے۔

اور اب ہم ذوالکفلؑ کا قصہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ بعض کا یہی خیال ہے کہ وہ ایوب کے بیٹے ہیں اور وہی ذوالکفل ہیں۔

حضرت ذوالکفل علیہ السّلام کا قصہ

جو ایک قوم کے مطابق

حضرت ایوبؑ کے فرزند رشید ہیں

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ انبیاء میں حضرت ایوبؑ کے قصے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور (یاد کرو) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت مین داخل کرلیا تھا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔[1]

اس طرح سورۂ ص میں بھی اللہ حضرت ایوبؑ کے قصے بعد فرماتے ہیں۔

اور یاد کیجئے ہمارے بندوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور نظر والے تھے بے شک ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔[2]

یہ نبی ہیں یا نہیں؟ تو قرآن میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آنا اور تعریف و توصیف کے کلمات ان کے متعلق فرمانا یہ باتیں بتاتی ہیں کہ وہ بھی پیغمبر تھے اور یہی مشہور ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ صالح عدل و انصاف والے دانا شخص تھے اور ابن جریرؒ نے خود ان کے بارے میں توقف فرمایا ہے، اور انھوں نے اور ابونجیح نے حضرت مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ نیک صالح انسان تھے۔

اور یہ اپنی قوم کی طرف سے ان کے بڑے تھے ان کے فیصلے نمٹاتے اور خوب عدل و انصاف فرماتے اور ان کے دیگر معاملات کی کفالت فرماتے اور اس وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (یعنی کفالت والا) پڑ گیا

اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت مجاہدؒ سے روایت فرمایا ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام ضعیف (بوڑھے) ہوگئے تو فرمایا کاش میں کسی آدمی کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ بناجاتا جو ان کے معاملات وغیرہ کا نگہبان ہوتا تاکہ میں مشاہدہ کرلیتا کہ وہ کیسے کام کرے گا۔

تو آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور فرمایا جو میری باتوں پر عمل پیرا ہو میں اس کو اپنا خلیفہ بناجاتا ہوں۔

دن کو روزہ دار رہتا ہو، رات کو شب بیدار رہتا ہوں، غصہ نہ کرتا ہو۔

یہ سب چپ رہے تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ ویسے ہی عام سا آدمی اور حقیر جانتے تھے اس نے کہا میں ہوں آپ نے پوچھا تو دن کو روزہ دار رات کو شب بیدار اور غصے سے دور رہتا ہے؟ عرض کیا جی ہاں تو آپ نے مجلس برخاست فرمادی پھر اگلے دن یہی سوال دہرایا تو پھر بھی سب خاموش رہے لیکن وہی شخص دوبارہ کھڑا ہوا اور عرض کیا میں ہوں تو حضرت یسع نے انہی کو اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر شیطان نے اپنے ابلیس کارندوں کو کہا تم کو فلاں شخص (یہی مذکورہ ذوالکفل) نگاہ میں رہنا چاہئے لیکن سب اس کو بہکانے مین عاجز آگئے تو پھر سردار شیاطین نے کہا چلو تم چھوڑو میں اس کو دیکھتا ہوں پھر یہ شیطان ایک انتہائی بوڑھے فقیر شخص کی حالت میں ان کے پاس گیا اور ایسے وقت میں

---

[1] الانبیاء ۸۵ تا ۸۶۔ [2] ص ۴۵ تا ۴۸

گیا جب وہ دوپہر کو آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر پہنچ گئے اور آپ صرف اسی وقت تھوڑا سا آرام فرماتے تھے اور رات بھر نہ سوتے تھے تو شیطان نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے پوچھا کون ہے ؟ شیطان نے کہا ایک کمزور مظلوم بوڑھا ہے تو حضرت ذوالکفل کھڑے ہوئے اور دروازہ کھول دیا تو بوڑھا (شیطان) اپنا قصہ سنانا شروع ہوا کہ میرے اور میری قوم کے درمیان لڑائی ہے اور انھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرے ساتھ یہ کیا ہے یہ کیا ہے۔

الغرض اس کا جو مقصود تھا کہ آرام کا وقت چلا جائے تو ایسا ہی ہوا اور شام کا وقت ہو گیا تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جب میں شام کو (مجلس میں) بیٹھوں گا تو تجھے تیرا حق دلواؤں گا تو یہ شیطان لعین چلا گیا لیکن شام کو حضرت ذوالکفل مجلس قضا میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آیا، تو آپ واپس ہو گئے پھر صبح کو بھی مجلس میں انتظار کیا مگر نہیں آیا لیکن پھر آکر آپ دوپہر کو آرام کرنے کے لئے بستر پر محو آرام ہوئے تو دروازہ کھٹکھٹا آپ نے پوچھا کون ہے ؟ کہا میں وہی ضعیف مظلوم بوڑھا ہوں تو آپ نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا اور بلایا اور پوچھا میں نے آپ کو آنے کا کہا تھا ؟ بوڑھے (شیطان) نے جواب دیا وہ (میرے قبیلے والے) خبیث لوگ ہیں جب ان کو پتہ چلا کہ آپ کے پاس فیصلہ آیا ہے اور آپ اس مجلس میں فیصلے کے لئے بیٹھے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہم تیرا حق دیں گے اور جب آپ نے مجلس قضا برخاست فرمائی تو وہ پھر منکر ہو گئے تو حضرت ذوالکفل نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے شام کو آجانا، تو اس طرح دوسرے دن بھی آپ آرام نہ فرما سکے پھر شام کو مجلس میں اس بوڑھے کا انتظار فرمانے لگے لیکن وہ نظر ہی نہ آیا اور آپ پر اونگھ کا غلبہ بڑھ رہا تھا تو پھر آپ نے آرام کے وقت اپنے اہل کو فرمایا جب میں سوؤں تو کسی کو دروازہ نہ کھٹکھٹانے دینا تاکہ میں کچھ تھوڑی دیر آرام کر لوں اسلئے کہ مجھے سخت نیند ستا رہی ہے۔

تو جب وہی پہلے والا ٹائم آیا تو وہی لعین بوڑھا پھر پہنچ گیا تو دروازے پر نگران کھڑا تھا اس نے کہا پیچھے رہو پیچھے رہو، بوڑھے نے کہا میں کل آیا تھا اور اپنا معاملہ ذکر کیا تھا (لہذا مجھے اب بھی اجازت دیدو) نگران نے کہا نہیں اللہ کی قسم نہیں، ہم کو حکم ملا ہے کہ کسی کو نہ چھوڑیں تو بوڑھا جب عاجز آ گیا تو اس نے ادھر ادھر سے کوئی اندر جانے کا راستہ تلاش کیا، تو کمرے کی کھڑکی نظر پڑی اسی کو پھلانگ کر اندر پہنچ گیا اور عجیب شرارت کے انداز سے اندر کھڑے ہو کر دروازہ بجانا شروع کر دیا تو ذوالکفل نے نگران کو کہا کیا میں نے تجھے پہرے پر کھڑا نہ کیا تھا ؟ کہا واللہ یہ سامنے سے تو نہیں آیا تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ کہاں سے آیا ہے ؟

تو حضرت ذوالکفل خود کھڑے ہوئے دیکھا کہ واقعی دروازہ تو ویسے ہی بند پڑا ہے اور بڈھا اندر موجود ہے تو پھر آپ نے فرمایا تو کیا اللہ کا دشمن ہے ؟ کہا ہاں میں نے بہت کچھ آزما کر دیکھ لیا مگر آپ نے مجھے ہر چیز میں عاجز کر دیا میری کوشش تھی کہ آپ کو غضبناک کر دوں گا ؟ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

راوی کہتے ہیں کہ تب ان کا نام ذوالکفل پڑا کیونکہ انھوں نے اس کام کی کفالت اٹھائی تھی اور اس کو پورا کر دیا کہ کبھی غصہ نہ ہوئے۔

اسی کے قریب قریب ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور عبداللہ بن الحارث اور محمد بن قیس اور ابن حجیرہ اکبر وغیرہم اسلاف سے اسی کے مثل قصہ منقول ہے۔

[۱] اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ کنانۃ بن الاخنس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس منبر پر سنا فرمارہے تھے کہ حضرت ذوالکفل پیغمبر نہ تھے بلکہ نیک صالح انسان تھے جو ہر روز سو نمازیں پڑھتے تھے تو یہ ان کیلئے کفیل بن گئے کہ ایسی ہی عبادت کریں گے تو انھوں نے بھی ان کے بعد سو نمازیں پڑھنا شروع کر دیں تو ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔[۲]

لیکن ایک حدیث غریب ہے اور اس میں حضرت ذوالکفل کے متعلق عجیب اور نامناسب بات ذکر کی گئی ہے جس کے بارے میں ہم ذکر کرنے کے بعد بات کرتے ہیں امام احمد نے اسکو روایت فرمایا ہے کہ ہمیں اسباط بن محمد نے بیان کیا کہ ہمیں اعمش نے عبداللہ بن عبداللہ سے روایت کیا کہ سعد جو طلحہ کے آزاد کردہ غلام ہیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے اور اس حدیث کو میں نے صرف ایک یا دو مرتبہ نہیں سنا ہوگا (اور آپ نے اس بات کو سات دفعہ دہرایا) یعنی اگر فقط اتنی کم مرتبہ سنا ہوتا تو میں کبھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا بلکہ میں نے اس سے زائد مرتبہ سنا ہے آپ نے فرمایا۔

ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایسا شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے نہ بچتا تھا ایک مرتبہ اس کے پاس ایک عورت آئی تو الکفل نے اس کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ ان کو اپنے پر قادر ہونے دے گی، تو جب یہ اس عورت کے پاس اس خیال سے بیٹھ گئے جس طرح کہ مرد عورت کے پاس بیٹھتا ہے تو عورت کانپ اٹھی اور رو دی، تو الکفل نے پوچھا کس چیز نے تجھ رلایا؟ کیا میں نے تجھ سے زبردستی کی ہے؟ کہا نہیں لیکن بات یہ ہے کہ میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا اور مجھے تو ایک شدید حاجت تیرے پاس لے آئی تھی تو الکفل نے کہا تو نے کبھی یہ کام نہیں کیا اور اب کر رہی ہے؟ تو آپ اس خیال کو جھٹک کر اتر گئے اور کہا یہ دینار تیرے ہیں اور اللہ کی قسم آئندہ کبھی الکفل خدا کی نافرمانی نہ کرے گا تو اسی رات الکفل وفات پا گیا اور اس کے دروازے پر صبح کو لکھا پایا گیا اللہ نے الکفل کی مغفرت فرمادی۔

اس کو ترمذی نے اعمش کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو ابن عمر پر موقوف کیا ہے (یعنی حضور ﷺ تک نسبت نہیں کی)

تو یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں شک کا امکان ہے اس لئے کہ ابو حاتم فرماتے ہیں اس حدیث میں موجود سعد راوی کو میں نہیں جانتا سوائے ایک حدیث کے ساتھ اور ابن حبان نے اس کی توثیق فرمائی ہے، اور اس سے اس عبد بن عبداللہ رازی کے سوا کسی نے حدیث روایت نہیں کی، واللہ اعلم الغرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر صحیح اور محفوظ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہاں حدیث میں الکفل نامی شخص کا ذکر ہے اور ہم نے پہلے جس کا تذکرہ کیا وہ ذوالکفل ہے جس کا قرآن میں بھی ذوالکفل نام سے تذکرہ آیا ہے لہذا دونوں جدا ہو جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

---

[۱] وقال ابن ابی حاتم، حدثنا، ابی حدثنا، ابو الجماهر، انبانا سعید بن بشیر، حدثنا قتادة عن كنانة بن الاخنس، قال سمعت الاشعری. [۲] و رواه ابن جریر من طریق عبدالرزاق عن معمر عن قتادة قال قال ابو موسی الا شعری فذكره منقطعاً

ان سے پچھلی امتوں کا تذکرہ جو بتمام نیست ونابود کر دی گئیں

اور جو امتیں تباہ وبرباد ہوئی تھیں وہ نزول تورات سے قبل ہوئی تھیں جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اس کے بعد کہ ہم نے پہلے گروہوں کو ہلاک کر دیا۔[1]

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور بزار نے عوف اعرابی کی حدیث سے ابی نضرہ سے روایت کیا اور ابی نضرہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے کسی قوم کو آسمان کے عذاب یا زمین کے عذاب سے تورات کے نزول کے بعد روئے زمین پر ہلاک نہیں فرمایا، سوائے اس بستی کے جن کی شکلیں مسخ کر دیں گئیں اور ان کو بندر بنا دیا گیا تھا جیسے اس کی تائید پہلی آیت کرتی ہے۔

گذشتہ حدیث تو حضرت ابو سعیدؓ پر موقوف تھی اور بزار نے انہی کی روایت کو مرفوعاً بھی ذکر کیا ہے (یعنی حضور ﷺ کی طرف نسبت کی ہے) تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ عام طور پر سب امتیں حضرت موسیٰؑ سے پہلے اپنے اپنے وقتوں میں ہلاک ہوئی ہیں۔ تو انہی میں سے اصحاب الراس بھی ہیں۔

اصحاب الرس

اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان میں فرماتے ہیں۔

اور (ہم نے) عاد، ثمود، اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان والوں اور (ان کے علاوہ) بہت سی جماعتوں کو (بھی ہلاک کر دیا) اور سب کے (سمجھانے کے) لئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔[2]

اور سورۂ ق میں فرمایا: ان سے پہلے قوم نوح اور کنویں والوں اور ثمود نے جھٹلایا، اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں (نے بھی جھٹلایا) اور درختوں والوں اور قوم تبع سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو پھر ہماری وعید بھی پوری ہو گئی ہے۔[3]

یہ آیات اور ان سے پہلے کی آیات دلالت کرتی ہیں کہ وہ ہلاک کئے گئے اور ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا جس سے وہ بالکل نیست ونابود ہو گئے۔

تو ان میں سے اصحاب الرس بھی ہیں یعنی کنویں والے ان کے بارے میں ابن جریرؒ کا خیال ہے کہ یہ وہی کھائیوں والے ہیں جن کو آگ کی خندقوں میں کافروں نے پھینک دیا تھا۔

تو گذشتہ تقریباً سب آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کا ہے، لیکن علامہ مفسر ابن جریرؒ نے عجیب قول اختیار فرمایا ہے کہ اصحاب الرسل وہ اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ بروج میں آیا تو یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جبکہ مورخ ابن اسحاق اور دوسری بڑی جماعت اس بات کی صراحت فرماتی ہیں کہ اصحاب الاخدود کا کارنامہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کا ہے اور یہ حضور ﷺ کے

---

[1] القصص ۴۳۔ [2] الفرقان ۳۸۔۳۹۔ [3] ق ۱۲ تا ۱۴

بعد سب سے آخری نبی ہیں، اور مزید دیکھئے کہ علامہ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ اصحاب الرس ثمود کی بستیوں میں سے ایک بستی والے تھے۔

تو جب وہ تصریح فرمارہے ہیں کہ وہ ثمود کی کوئی بستی تھی اور یہ قوم حضرت مسیحؑ سے تو کتنا قبل کی ہے تو پھر اصحاب الرس ان کے بعد کیسے ہو سکتے ہیں؟

ابن عساکر اپنی تاریخ میں دمشق شہر کی تعمیر کو ابوالقاسم کی تاریخ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصحاب الرس (کنویں والے) اپنے شہر میں آباد تھے کہ اللہ عزوجل نے ان میں اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا جن کو حنظلہ بن صفوان، نام سے پکارا جاتا تھا انھوں نے اپنی دعوت کو سرعام کیا لیکن انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور نافرمانی کی حتی کہ قتل کر دیا تو اب عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اپنے لڑکے کو لے کر اصحاب الرس کی اس بستی سے کوچ فرماگئے (کیونکہ یہ سمجھ گئے تھے کہ انھوں نے اپنے محسن عظیم کو قتل کیا ہے تو اب قہر الٰہی ان پر ٹوٹے گا) لہذا یہ وہاں سے اجڑ کر سرزمین احقاف میں آباد ہوئے اور ادھر اصحاب الرس پر عذاب الٰہی برسا اور تمام کو تباہ و برباد کر دیا پھر ان حضرات نے جنھوں نے سرزمین احقاف میں پڑاؤ کیا تھا وہاں کی زمین کو بھی خیرآباد کہہ کر یمن کی طرف سفر کیا، اور پھر ان کی آل اولاد زمین کے تمام گوشوں میں پھیل گئی اور جیرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح دمشق کی چٹیل زمین پر پہنچے اور وہاں ایک شہر بنایا اور اس کا نام جیرون رکھا اور پھر یہی بسنے والے لوگ ارم بڑے بڑے قدو قامت والے کہلائے اور یہاں پہلے کی کوئی تعمیرات باقی نہ رہی تھیں وہ تمام عذاب الٰہی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں تو ان میں اللہ نے ایک اپنا سفیر و قاصد یعنی حضرت ہود علیہ السلام بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن جلود بن عاد کو اس قوم عاد کی طرف رشد و ہدایت کے لئے بھیجا، اور ان کا قوم عاد نام پڑنا اپنے جد امجد عاد کی طرف منسوب ہونے کی علامت ہے، تو یہ بھی ہود کی ہدایت پر عمل پیرا نہ ہوئے جس کی وجہ سے اللہ نے ان کی جڑ کو بھی کاٹ دیا۔[1]

تو اس قصے سے معلوم ہوا کہ پہلے اصحاب اس سے تباہ ہوئے ان کے باقی ماندہ لوگ ادھر ادھر جا بسے پھر ان کی پشت ملی اور حضرت ہودؑ آئے پھر یہ بھی ہلاک ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ اصحاب الرس قوم عاد سے کئی زمانوں قبل کی قوم ہے، واللہ اعلم

[2] اور ابن ابی حاتم نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اصحاب الرس والوں کی بستی) اور ان کا کنواں (الرس) آذربائیجان میں تھا، اور حضرت ثوری ابی بکر سے اور وہ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب الرس والوں نے اس کنویں میں اپنے نبی کو پھینک دیا تھا اور کنویں کو پتھر کی چٹان سے ڈھانک دیا تھا۔

اور ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا اصحاب الرس فلج علاقے میں تھے، اور فلج والے ہی اصحاب یٰس ہیں یعنی جن کا تذکرہ سورۂ یٰس میں آیا ہے جن کی نافرمانی و تکذیب کی وجہ سے ان کو تباہ کر دیا گیا۔

---

[1] وقد ذكرا لحافظ الكبير ابوالقاسم بن عساكر في اول تاريخه عند ذكر بناء دمشق عن تاريخ ابى القاسم عبدالله بن عبدالله بن جرداد وغيره

[2] روى ابن ابى حاتم عن ابى بكر بن ابى عاصم عن ابيه عن شبب ابن بشر عن عكرمة عن ابن عباس

اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ فلج یمامہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔(الغرض وہاں نجد میں ایک بستی بھی ہے جس کا نام الرس ہے اور وہ مدینہ منورہ اور بریدہ کے درمیانی رستہ پر ہے۔م)

اور اگر اصحاب الرس اصحاب یٰس ہیں جیسے کہ حضرت عکرمہ کا خیال ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر یہ تمام ہی ہلاک کر دیے گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے قصے میں فرماتے ہیں، وہ صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ بجھے ہوئے ہو گئے۔(یٰس ۲۹) ان کے بعد اصحاب یٰس کا قصہ بھی آیا ہے۔

اور اگر الگ الگ ہوں تب بھی اصحاب الرس بھی ہلاک ہوئے اور یہی ظاہر ہے کہ یہ دونوں جدا جدا ہیں لیکن بظاہر حضرت ابن جریر کے فرمان کے مخالف ہے۔

ابو بکر محمد بن الحسن النقاش نے ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ اصحاب الرس کے علاقے میں ایک کنواں جاری تھا جو ان کو سیر کرتا اور ان کی زمینوں کو بھی سیر کر دیتا تھا اور ان کا ایک عادل حسن سلوک کرنے والا بادشاہ تھا، جب وہ مر گیا تو اصحاب الرس کو اس پر انتہائی قلق اور افسوس ہوا کچھ عرصے بعد شیطان ان کے بادشاہ کا روپ دھار کر ان کے پاس آیا اور کہا میں مرا نہیں ہوں لیکن غائب ہو گیا ہوں اور میں تمہارے افعال اور کرتوتوں کو دیکھتا رہتا ہوں تو قوم بہت ہی خوش ہوئی پھر شیطان نے اپنے اور ان کے درمیان پردہ قائم کر لیا اور کہا میں کبھی نہیں مروں گا، تو اکثر لوگوں نے اس کی بات کی تصدیق و حمایت کی اور اس کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہو گئے اور اس کو پوجنے لگے۔

پھر اللہ عزوجل نے ان میں اپنا ایک پیغمبر بھیجا آپ نے آکر ان کو خبردار کیا کہ یہ تمہارا معبود صرف شیطان لعین ہے جو پردے کے پیچھے سے تم سے خطاب کرتا ہے اور اس کی عبادت نہ کرو بلکہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں اس پیغمبر کی طرف نیند میں وحی بھیجی جاتی تھی، اور ان کا نام گرامی حضرت حنظلہ بن صفوان تھا، پھر ان کی قوم نے ان پر چڑھائی کی اور ان کو شہید کر ڈالا، اور پھر اس کنویں میں پھینک دیا جس کی وجہ سے کنویں کا پانی خشک ہو گیا، اور وہ سیرابی و تروتازگی کے بعد پیاس کی شدت میں مبتلا ہوئے ان کے درخت سوکھی لکڑیاں ہو گئے اور پھل ختم ہو گئے شہر ویران ہو گئے اور امن و سکون کے بعد وحشت و جنون میں جکڑے گئے اور ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی اور شروع سے آخر تک تمام نیست و نابود تباہ و ہلاک ہو گئے اور ان کے ٹھکانوں مکانوں شہروں میں جنون اور وحشی جانوروں نے بسیرے بنا لئے پس اب ان کے علاقے میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی سوائے جنوں کی وحشت و سرسراہٹ کے اور شیروں کے دھاڑنے کے اور بھیڑیوں کے غرانے کے۔

[1] ابن جریر کی روایت کے مطابق محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک پہلا شخص جو جنت میں داخل ہو گا وہ ایک سیاہ فام شخص ہو گا وہ اس وجہ کہ اللہ نے ان لوگوں میں اپنا ایک پیغمبر بھیجا تھا، تو اس بستی میں سے صرف ایک شخص کے سوا کوئی ایمان نہ لایا اور یہ شخص وہی سیاہ فام غلام

---

[1] روی ابن جریر عن محمد بن حمید عن سلمة عن ابن اسحاق، عن محمد بن کعب القرظی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

ہے پھر اہل قریہ (بستی والوں) نے نبی اللہ پر ظلم و ستم کیا اور ان کے لئے ایک گڑھا کھودا اور اس میں ان کو پھینک دیا، اوپر سے کنویں کو پتھروں سے اٹ دیا اور خوب بند کر دیا تو یہ غلام جاتا اور جنگل سے لکڑیاں لے کر پشت پر لاد کر ان کو بیچتا اور ان کے بدلے کھانا پانی خرید تا اور کھانا پانی لے کر اسی کنویں کے پاس پہنچتا پھر اللہ کی مدد سے پتھر کو سرکاتا اور یہ طعام اندر (رسی وغیرہ کے ذریعے سے) پہنچا دیتا۔

اور اس کے بعد پتھروں کو پہلے کی طرح برابر کر دیتا۔

تو جب تک مشیت خداوندی رہی اسی طرح ہوتا رہا، پھر ایک دن یہ غلام اس مقصد سے لکڑیاں کاٹ کر گٹھا بنا کر فارغ ہوا اور ابھی اٹھانے کا ارادہ تھا کہ اس کو کچھ ہلکی سی اونگھ آنے لگی اور یہ کروٹ پر لیٹ گیا اور نیند نے اس کو دبوچ لیا اور ایسا دبوچا کہ سات سال تک اللہ کے حکم سے یہ غلام محو خواب و نیند رہا پھر بیدار ہوا اور کچھ سستی پر کروٹ بدل کر دوبارہ لیٹ گیا اللہ نے سات سال تک اس کو اور سلا دیا پھر بیدار ہوا تو اپنا گٹھا اٹھایا اور اس کو کچھ خیال بھی نہیں ہے کہ چودہ سال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے یہ اپنے گمان میں صرف دن کا کچھ تھوڑا حصہ سویا ہے پھر یہ بستی کو آیا اور لکڑیاں بیچ کر کھانا خریدا اور اسی کنویں نما گڑھے کے پاس پہنچا لیکن اس جگہ تو کوئی گڑھا وغیرہ نہیں ہے آخر ادھر ادھر تلاش کیا مگر ہو تو پتہ چلے پھر تھک ہار کر رہ گیا۔

اور در حقیقت جب یہ سویا تھا تو اللہ نے پیچھے سے (اس کی قوم کو مشرف با سلام کر دیا تھا تو انھوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں سے نکالا اور ایمان لائے اور اس کی تصدیق و تائید کی)

اور اس پیغمبر نے لوگوں سے اس سیاہ فام غلام کے متعلق بہت پوچھ گچھ کی کہ وہ کہاں ہے اس کا کیا ہوا لیکن وہ کہتے ہمیں تو کچھ علم نہیں ہے حتی کہ اللہ نے پیغمبر کو وفات دیدی، اور پھر سیاہ فام غلام کو بیداری ہوئی۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سیاہ فام غلام جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔

یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں شک کا امکان ہے شاید قصہ کو طول محمد ابن کعب قرظی سے ملا ہے پھر علامہ ابن جریرؒ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ وہ اصحاب الرس نہیں ہو سکتے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کیونکہ ان کے متعلق تو اللہ نے ہلاکت کی خبر دی ہے جبکہ یہ ایمان لے آئے تھے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی آل اولاد ایمان لائی اور ان کے پیغمبر بھی دوسرے ہوں، واللہ اعلم

اور پھر علامہ ابن جریر نے فرمایا کہ وہ اصحاب الاخدود ہیں اور یہ آپ کی بات ضعیف ہے جس کی وجہ پہلے گزر چکی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اصحاب الاخدود کو آخرت کے عذاب کی وعید ملی ہے جبکہ ان کے متعلق دنیا میں بھی ہلاکت کی خبر دی گئی۔

واللہ اعلم بالصواب

قوم یٰس کا قصہ

جن لوگوں کو اللہ نے ان کی نافرمانی و سرکشی کی وجہ سے ہلاک کیا ان میں سے اصحاب یٰس بھی ہیں۔
سورۃ یٰس میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور (اے پیغمبر) ان سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے، (یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے (پہلے دو کو) تقویت دی تو انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں، وہ بولے کہ تم (اور کچھ) نہیں صرف ہماری طرح کے آدمی ہو اور خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی، تم صرف جھوٹ بولتے ہو، انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس، وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک دیکھتے ہیں اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور جس سے تم کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا، انھوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو اور شہر کے آخری کنارے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے میری قوم پیغمبروں کے پیچھے چلو۔

جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں اور کیا ہے مجھے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں؟ جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟

اگر خدا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا، میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا، بولا کاش میری قوم کو خبر ہو جائے کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کر دیا، اور ہم نے اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی، سو وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔

متقدمین و متاخرین میں اکثر بزرگوں سے یہی ثابت ہے کہ یہ بستی انطاکیہ ہے اور ابن اسحاق نے بھی اسکو روایت کیا ہے اور ابن عباس، کعب احبار، وہب بن منبہ رحمہم اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ بریدہ بن خطیب، عکرمہ، قتادہ، زہری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ تو محمد ابن اسحاق، حضرت ابن عباس، کعب، احبار اور وہب رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس انطاکیہ بستی میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام انطیخس تھا اور یہ بتوں کا پجاری تھا، تو اللہ نے اس کی طرف تین پیغمبروں کو بھیجا جو سچے اور برحق تھے لیکن اس نے ان کو جھٹلا دیا اور ایک قول کے مطابق ان کے نام صادق مصدوق اور شلوم تھے۔

اور یہی ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور قتادہؒ نے خیال فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کے قاصد تھے، اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔[1] وہ شعیب جبائی سے مروی قول ذکر کرتے ہیں کہ پہلے دو رسولوں کے نام

[1] قال ابن جریر عن وهب عن ابن سلیمان عن شعیب والجبائی

شمعون اور یوحنا تھے اور بعد میں آنے والے تیسرے کا نام بولس تھا، اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔
لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے قاصد بھیجے تھے تو اس زمانے میں بھی انطاکیہ والے پہلے پہل ایمان لانے والوں میں تھے، اور یہ بستی ان چار بستیوں سے تھی جن کے اہل حضرت مسیح پر ایمان لائے تھے وہ چار بستیاں یہ ہیں انطاکیہ، القدس، اسکندریہ، رومیہ اور ان چار بستیوں کے بعد اہل قسطنطینہ (یعنی استنبول ترکی) والے مسلمان ہوئے۔ اور یہ بستیاں ہلاک بھی نہ ہوئیں اور انطاکیہ بھی عذاب سے دوچار نہ ہوئی جبکہ سورۂ یٰس میں جن رسولوں کا ذکر ہے اہل انطاکیہ نے انکی تکذیب کی تھی جسکی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آگئے۔ فرمان ہے: وہ (عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی جس سے وہ ناگہاں بجھ رہ گئے۔ (یٰس ۲۹)۔ تو اب ہو سکتا ہے کہ قدیم ترین زمانے میں اہل انطاکیہ خدائی پیغمبروں کی تکذیب کی وجہ سے نیست ونابود ہو گئے ہوں اور پھر یہ بستی دوبارہ آباد ہوگئی ہو اور پھر حضرت مسیحؑ نے انکے پاس اپنے قاصدوں کو بھیجا تو یہ مشرف بایمان ہو گئے۔ لہٰذا اسطرح دونوں باتوں اور قصوں میں کوئی تضاد نہ رہے گا تو معلوم ہوا کہ جن حضرات نے کہا کہ سورۂ یٰس میں مذکور جن (اہل انطاکیہ) کی ہلاکت کا ذکر ہے ان میں حضرت مسیح کی طرف سے قاصدوں کا بھیجا جانا مراد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو وجہ مذکور ہوئی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن میں فرمایا اور ہم نے انکی طرف رسول بھیجے تو معلوم ہوا کہ یہ خدائی پیغمبر تھے نہ کہ قاصدین مسیحؑ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور بیان کر انکے لئے بستی والوں کی مثال جب انکے پاس رسول آئے۔)
یعنی اے محمد ﷺ اپنی قوم کو انکا قصہ بیان کر جو ہم ذکر کرتے ہیں فرمایا: (جب ہم نے انکی طرف دو رسولوں کو بھیجا۔ پھر انہوں نے ان دو کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو تیسرے کے ساتھ تقویت دی۔) یعنی تیسرا رسول بھی ہم نے ان دو کی مدد کیلئے بھیج دیا (انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں) لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکی بات مسترد کر دی کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو جیسے پہلے کی کافر امتیں کہتی چلی آئیں یعنی لوگ اس بات کو محال وبعید از خیال سمجھتے تھے کہ اللہ کسی انسان کو پیغمبر بنا سکتا ہے۔ جسکا انہوں نے پختگی کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک اللہ کو پتہ ہے کہ ہم اسکے تمہاری طرف رسول و قاصد ہیں اگر ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے تو وہ ہمارا برا انجام کرے گا اور سخت انتقام لے گا۔ آگے فرمایا: (اور ہم پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے) یعنی جو اللہ نے ہمیں دیا ہے وہ ہمیں تم تک پہنچانا لازمی ہے لہٰذا ہم وہ سب کچھ صاف صاف پہنچا چکے اب ہدایت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ اللہ ہی ہے جسکو چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسکو چاہے گمراہ کرتا ہے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔
(کہنے لگے ہم تو تم کو نامبارک خیال کرتے ہیں) یعنی ہم تم سے بدفالی لیتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے کہیں ہم عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (لہٰذا تم (اس دعوت سے) باز نہ آوگے تو ہم تمکو سنگسار کر دیں گے) یعنی کافروں نے پیغمبروں کو کہا کہ اپنی ان باتوں سے رک جاؤ یا اپنے کاموں سے باز آجاؤ۔ ورنہ (اور تم کو ہماری طرف سے تکلیف پہنچے گی) یعنی کافروں نے اسطرح پیغمبروں کو پہلے قتل کی پھر اہانت وذلت کی دھمکی دی۔
انبیاء نے (کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے یعنی تم ہی مردود اور نامراد ہو کہ خدا کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے جسکی وجہ سے نحوست پڑ رہی ہے (کیا تم کو نصیحت کی گئی اسی وجہ ؟) یعنی ہم نے تم کو خبر

وبھلائی کی طرف بلایا گیا اسوجہ سے تم ہم کو قتل وایذاء رسانی کی دھمکی دیتے ہو؟ (بلکہ تم انتہائی حد سے گذرنے والی قوم ہو) یعنی تم نہ تو حق کو قبول کرتے ہو اور نہ اسکا ارادہ وپاس رکھتے ہو۔ آگے فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا) یعنی نبیوں کی مدد ونصرت اور انپر ایمان ظاہر کرنے کیلئے پہنچا اور (کہا کہ اے قوم تم رسولوں کی اتباع کرلو یعنی ایسے لوگوں کی اتباع کرلو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں) کہ بغیر کسی اجرت ومعاوضہ کے تم کو خیر کی طرف ہدایت دے رہے ہیں پھر اس آنے والے شخص نے اپنی قوم کو خود دعوت دی اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف بلایا اور اسکے اغیار کی عبادت وپوجا سے منع کیا جو دنیا وآخرت میں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے۔ اور کہا کہ اگر میں بھی اوروں پر ایمان لاؤں (تو اس وقت میں صریح گمراہی میں چلا جاؤں گا) یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر اسکے ساتھ دوسروں کی بھی پرستش کروں تو میں بھٹک جاؤں گا۔ پھر یہ مومن شخص جب اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے واقف ہو گیا تو اپنے آپ کو رسولوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے گویا ہوا (میں تمہارے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ سن لو میری بات) یعنی میری یہ بات سن لو اور اپنے رب کے پاس اسکی گواہی دینا یا اپنی قوم کو خطاب ہے کہ اے قوم سن لو میں علی الاعلان اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔

توجب اس مومن شخص نے اپنے ایمان لانے کو ظاہر کیا تو اسکی سرکش قوم والوں نے اسکو قتل کردیا یا سنگسار کردیا یا لاٹھی سے مار ڈالا یا کسی نے اسکو لڑ کر ختم کردیا۔ الغرض کسی بھی طریقے سے اس وقت قوم نے اسکو اپنے ظلم وستم کی بھینٹ چڑھادیا۔ اور ابن اسحاق اپنے بعض اصحاب سے حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ پوری قوم نے اس شخص کو اپنے پیروں تلے روندا اور مارا حتی کہ اوپر چڑھ گئے اور معدے کی آنتیں پچھلے راستے سے نکل گئیں۔

اور ثوری نے عاصم احول سے انہوں نے ابی مجلز سے نقل کیا ہے اس شخص شہید کا نام حبیب بن امری تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بڑھئی تھے۔ یا جولاہا (کپڑا بننے والا) تھے یا موچی تھے یا رنگ ریز تھے اور ایک قول ہے کہ یہ وہیں ایک غار میں عبادت کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ واللہ اعلم حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حبیب بڑھئی کو جذام مرض کا عارضہ لاحق تھا اور بہت صدقہ کرنے والے شخص تھے پھر انکو انکی ظالم قوم نے قتل کردیا۔ اس وجہ سے اللہ کی طرف سے انکو حکم ہوا (کہا گیا جنت میں داخل ہو جا) پھر جب اس شہید حق نے جنت کی خوشیاں تروتازگیاں دیکھیں تو تمنا کی (کہا کاش کہ میری قوم والے) جانتے کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں کردیا تاکہ وہ بھی ایمان لے آئیں اور یہ نعمتیں انکو بھی حاصل ہو جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس شخص نے زندگی میں اپنی قوم سے خیر خواہی کرتے ہوئے یہ نصیحت کی (اے قوم رسولوں کی اتباع کرو) اور اپنی وفات کے بعد بھی خیر خواہی کے پیش نظر نصیحت کے طور پر (کہا کاش میری قوم جانتی کے میرے رب نے میری مغفرت کردی اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کردیا) ابن ابی حاتم اسکو روایت فرماتے ہیں۔

اسی طرح حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مومن نے جب اللہ کی طرف سے اکرام وعزت کو دیکھاتب بھی ظلم وستم سہنے کے باوجود اپنی قوم سے خیر خواہی کی اور بدلہ نہ لیا (کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں کردیا) اس نے تمنا کی کہ کاش میری قوم بھی اس عزت واکرام کو جان لیتی تو وہ بھی ایمان سے سرفراز ہوجاتی۔

آگے فرمایا: اللہ کی قسم قوم نے جب مرد مومن کو قتل کردیا اسکے بعد اللہ نے بھی ان سے انتقام لیا فرمایا (نہیں تھا (وہ عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ اچانک بجھے رہ گئے۔ اور ہم نے اسکے بعد اسکی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔) یعنی ہم ان سے انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے بلکہ ایک چنگھاڑ نے بڑا کام کر دکھایا یہی مطلب ابن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب کے ذریعے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل فرمایا ہے۔ اور حضرت مجاہد وقتادہ فرماتے ہیں کوئی اور لشکر نہیں اتارا یعنی رسولوں کے دوگروہ نہیں بھیجے لیکن علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں پہلا مطلب زیادہ بہتر ہے۔

مصنف فرماتے کہ میرا بھی یہی خیال ہے کیونکہ آگے اللہ نے فرمایا: (اور ہم نازل کرنے والے نہیں تھے) یعنی ہم انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے تاکہ اپنے ولیوں اور نبیوں کا بدلہ لیں بلکہ (وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ بجھے رہ گئے) تو یہ اگلی بات بھی عین اسی مطلب کا ساتھ دیتی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں اللہ نے انکی طرف جبرائیلؑ کو بھیج دیا تھا اس ملکوتی قوت نے آکر انکے شہر کے بڑے دروازے کو پکڑا اور شہر کی طرف ایک چیخ ماری جس سے انکی روحیں جسموں سے نکل گئیں اور وہ بجھی ہوئی لکڑیوں کی طرح رہ گئے۔ یعنی شہر میں کوئی آواز نہ رہی ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم چھا گیا کوئی آنکھ بھی باخبر نہ رہی جو اپنے کرتوتوں کا حشر دیکھ لیتی۔ لیکن یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ یہ بستی انطاکیہ نہ تھی۔ کیونکہ انکی طرف اللہ کے رسول بھیجے اور انہوں نے انکی تکذیب کی جسکی وجہ سے تمام تباہ وبرباد ہوگئے۔ جبکہ اہل انطاکیہ کے پاس مسیحؑ کے قاصد آئے تھے اور اہل انطاکیہ نے انکی فوراً اطاعت کرلی تھی اور ایک قول تو یہ بھی ہے کہ مسیح پر ایمان لانے والے سب سے پہلے یہی بستی والے تھے۔

اور اس بارے میں طبرانی نے ایک روایت[1] حضرت ابن عباس کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ سے نقل فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔

تین سب سے پہلے پہل کرنے والے ہیں موسیٰ کی طرف یوشع بن نون اور عیسی کی طرف اصحاب یس اور محمد (ﷺ) کی طرف علی بن ابی طالب۔

لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اسمیں حسین رازی متروک ہے اور یہ غالی شیعہ ہے۔ ابن جریر کا اسکو اکیلے روایت فرمانا یہ اسکے کلیۃً ضعف پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم

---

[1] رواه الطبراني من حديث حسين الا شقر عن سفيان بن عيينه عن ابن ابن نجيح عن مجاهد عن ابن عباس ...... الخ

حضرت یونس علیہ الصّلاۃ والسّلام کا قصّہ

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

اللہ رب العزت اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتے ہیں :

پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اسکا ایمان اسے نفع دیتا؟ سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیوی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دور کر دیا، اور ایک عرصے تک انکو (دنیوی فوائد سے) بہرہ مند رکھا۔[1]

اسی طرح دوسرے مقام پر خداوند ذوالجلال نے حضرت یونسؑ کو انکے لقب سے یاد فرمایا :۔

اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے خفا ہو کر) غصہ کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم انپر قادر نہ ہوسکیں گے، آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے انکی دعا قبول کر لی اور انکو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔

اور اسی قصے کو قدرے تفصیل سے یوں یاد فرمایا۔[2]

اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ (اور یاد کرو وہ) جب بھاگ کر بھرے ہوئے سفینے میں پہنچے پھر قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔ پھر مچھلی نے انکو نگل لیا اور وہ ملامت کرنے والے تھے۔

پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے۔ تو اس روز تک جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے انکو، جب وہ بیمار تھے، کشادہ میدان میں لا ڈالا۔ اور انپر کدو کا درخت اگا دیا اور انکو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ تو وہ پھر ایمان لے آئے سو ہم بھی انکو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے۔[3]

اور سورۂ قلم میں نازو انداز اور کچھ عتاب کے ساتھ فرمایا :۔

(اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں رہو اور مچھلی (کا لقمہ بننے) والے (یونس) کی طرح نہ ہو کہ انہوں نے (خدا کو) پکارا اور وہ غم و غصے میں بھرے ہوئے تھے، اگر ان کے پروردگار کی ان سے یاوری نہ ہوتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے صالحین میں شامل کر لیا۔[4]

علماء تفسیر فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے حضرت یونسؑ کو سرزمین موصل میں اہل نینوی کی طرف بھیجا تھا۔ آپ نے جا کر انکو اللہ کی پرستش کی طرف بلایا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور اپنے کفر و عناد پر ہٹ دھرم رہے۔ لیکن آپ ہمہ تن دعوت الہی میں مصروف کار رہے۔ جب دیکھ لیا کہ یہ کسی طرح ماننے والے نہیں بن رہے تو آپ غم و غصہ سے لبریز ان سے روٹھ کر تین دن بعد قہر الہی کا وقت دیتے ہوئے چل دیئے۔

---

[1] یونس ۹۸۔ [2] الانبیاء ۸۷۔۸۸۔ [3] الصافات ۱۳۹ تا ۱۴۸۔
[4] القلم ۴۸ تا ۵۰

ابن مسعود، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر کئی سلف وخلف بزرگوں نے فرمایا: کہ جب آپ انکے درمیان سے نکل کر چلے گئے اور عذاب الٰہی بھی اترنے کو ہوا تو اللہ نے انکے دلوں میں توبہ وانابت ڈال دی اور یہ اپنے نبی کے ساتھ کئے گئے کرتوتوں پر نادم وپشیمان ہوئے۔ اور عمدہ لباس اتار کر کھال وغیرہ زیب تن کر لیں اور تمام مذکر ومونث خواہ انسان ہوں، یا جانور ہوں ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا پھر شہر سے باہر ویرانے میں پہنچے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو چیخ چیخ کر پکارا عاجزی وانکساری کی، مرد عورت، لڑکے لڑکیاں، مائیں، بچے تمام گڑگڑا کر رو دیے اور انہوں نے ہی خدا کے سامنے اپنے کو پیش نہیں کیا بلکہ اونٹ اپنے بچوں سمیت بلبلائے، گائیں اپنے بچوں سمیت خرخرائیں بکریاں اپنے بچوں سمیت ممیانے لگیں الغرض انتہائی ہولناک غربت دبے کسی، عاجزی وانکساری اور قیامت کا سا منظر بپا تھا۔

اور پھر انکا سامنا تو اللہ ارحم الراحمین سے تھا جسکا دریائے رحمت جوش میں آیا اور اپنی قوت وطاقت رحمت ومہربانی سے انکو اس عذاب سے بال بال بچا لیا جو عین انکے سروں پر منڈلا رہا تھا، اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ رات کے سیاہ ٹکڑے کی طرح ان پر چھا جانے والا تھا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ ایمان لاتی تو اسکو ایمان لانا نفع دیتا)

یعنی پہلے تمام زمانوں میں تمام بستیوں میں جو بھی ہلاک ہوئیں وہ ایمان کیوں نہ لائیں کہ ہم انکو ایمان کی بدولت بخش دیتے اس سے معلوم ہوا کہ پہلے کوئی بستی والے اپنی ہٹ دھرمی اور کفر وعناد سے نہیں پھرے بلکہ فرمایا (اور جب بھی اسکا انکار کرتے ہیں)[1] لیکن ان تمام بستیوں میں صرف ایک یونسؑ کی بستی تھی جو اپنے جمود اور نہ ماننے سے ماننے پر آگئی اور ایمان سے سرفراز ہوگئی فرمایا (سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں دور کر دیا اور انکو ایک عرصے تک نفع مند کیا)

یعنی یہ بستی اپنے کمال وتمام کے ساتھ ایمان سے بہرہ ور ہوگئی۔

اور آخرت میں بھی یہ اہل بستی عذاب سے مامون ومحفوظ ہونگے یا نہیں؟ اسمیں بعض علماء مفسرین کا اختلاف ہے، آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے ارحم الراحمین جس نے دنیا میں انپر رحمت کا سایہ فرمایا آخرت میں بھی اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دے گا کیونکہ خود اللہ نے فرمایا ھم امنو[2] کہ قوم یونس جب ایمان لے آئی۔ تو جب انکے ایمان کے متعلق خود رب کائنات نے تصدیق کی تو آخرت میں عذاب کیونکر ہوگا؟

اور دوسری جگہ فرمایا: (اور ہم نے اس (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا تو پھر وہ ایمان لے آئے پھر ہم نے انکو ایک مدت تک نفع دیا؟

یہاں فرمایا: ایک وقت تک نفع دیا۔ اس سے عذاب اخروی دفع ہونے کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب ہے کہ ہم نے دنیوی زندگی میں انکو زندہ رکھ کر دنیوی منافع سے بہرہ مند کیا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] سبا ۳۴۔ [2] یونس ۹۸

قوم یونس ایک لاکھ تو ضرور تھی۔ اس سے زائد تعداد میں اختلاف ہے۔ مکحولؒ سے دس ہزار تعداد مروی ہے۔
[1] اور ابی بن کعبؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ وارسلنٰه الی مائة الف او یزیدون کہ زائد تعداد کتنی مراد ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیس ہزار۔
مصنف فرماتے ہیں لیکن اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص مبہم ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ حدیث اس تعداد کی یقینی تحدید کر دیتی۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔ اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ تیس ہزار سے چند ہزار اور زائد تھے۔ اور ایک اور روایت میں چالیس ہزار تھے۔
اور پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آپ یونسؑ کا انکی طرف رسول بنا کر بھیجا جانا مچھلی والے قصے سے پہلے ہوا یا بعد میں یا آپ دو امتوں کی طرف بھیجے گئے ؟ تو اسمیں بھی تین اقوال ہیں جو ، بالتفصیل ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کر دیئے۔
خیر اختلاف مذکورہ سے قطع نظر جب حضرت یونسؑ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی آگے چل کر لڑکھڑانے لگی اور موجوں اور بھنور میں پھنس گئی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر موجود کسی خاص بوجھ سے غرق ہونے لگی لوگوں نے کہا یہ وزن کی وجہ سے خراب ہے لہذا قرعہ اندازی کر کے جس کا نام نکلے اسکو اندر سے نکال کر سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ سفینے کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ جب قرعہ اندازی کی تو اللہ کے پیغمبر یونسؑ کے نام یہ نکلی لیکن لوگ آپکی وجہ سے اس قرعہ پر راضی نہ ہوئے لہذا دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر بھی آپکا نام نکلا اور آپ نے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے تاکہ سمندر میں چھلانگ کر کشتی والوں کو اس مصیبت سے نجات دلوائیں۔
لیکن کشتی والے نہ مانے اور پھر تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا۔ لیکن اللہ جو چاہے وہی ہو کر رہتا ہے اور اس مرتبہ بھی حضرت یونسؑ کا نام گرامی نکلا اللہ تعالی فرماتے ہیں (اور بے شک یونس رسولوں میں ہیں۔ جب وہ بھری کشتی کی طرف بھاگے پھر قرعہ ہوا تو وہی (ہر دفع) زک ہوئے۔ پھر انکو مچھلی نے نگل لیا وہ ملامت کرنے والے تھے)
یعنی جب تیسری دفعہ بھی انکا نام نکلا تو آپ نے اپنے کو سمندر کے حوالے کر دیا ادھر اللہ نے بحر اخضر سے ایک عظیم جسم والی مچھلی بھیجی اور اللہ نے اسکو، حکم فرمایا کہ (یہ ہماری امانت ہے) اسکا گوشت نہ کھائے اور نہ اسکی کسی ہڈی کو کچھ نقصان پہنچے کیونکہ یہ تیرا رزق نہیں ہے۔ تو مچھلی نے حفاظت اللہ کی امانت کو اپنے وجود میں سمویا اور انکو لیکر تمام سمندروں کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس مچھلی کو ایک دوسری اس سے بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔
کہتے ہیں کہ جب آپ مچھلی کے پیٹ میں ٹھہر گئے تو آپ نے گمان کیا شاید میں مر گیا ہوں تو آپ نے اپنے اعضاء کو جنبش دی تو ان میں حرکت نموادر ہوئی پھر آپ کو پتہ چلا کہ میں زندہ ہوں اور فوراً اللہ کیلئے سجدہ ریز ہو گئے اور بارگاہ رب العزت اور جلال عظمت میں عرض کیا۔
اے پروردگار میں تیرے لئے ایسی جگہ مسجد (سجدہ گاہ) بناتا ہوں جہاں کسی دوسرے نے تیری عبادت نہ

---

[1] صافات ۱۴۷۔۱۴۸۔ [2] وروی الترمذی وابن جریر وابن ابی حاتم من حدیث زهیر عمن سمع ابا العالیة حدثنی ابی بن کعب ......الخ

کی ہو گی۔

آپ مچھلی کہ پیٹ میں کتنا عرصہ دراز رہے؟ مجاہد، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ صبح کے وقت نگلا تھا اور شام کے وقت آپکو واپس باہر نکال دیا۔ قتادہ فرماتے ہیں تین دن ٹھہرے، جعفر صادقؒ فرماتے ہیں سات دن ٹھہرے اور امیہ بن ابی صلت کا ایک شعر بھی اس کے متعلق اشارہ کرتا ہے۔

وانت بفضل منك نجيت يونسا وقد بات في اضعاف الحوت لياليا

اور (اے اللہ رب العزت) آپ نے اپنے فضل سے یونس کو نجات دی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں کئی رات رہ چکے تھے۔

اور سعید بن ابی الحسن اور ابو مالک نے فرمایا: آپ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے۔

الغرض اسمیں کئی اقوال ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے دن اسمیں ٹھہرے واللہ اعلم۔

تو مچھلی آپکو سمندروں کی تاریکیوں میں لیکر جگہ جگہ کی سیر کراتی رہی۔ اور کڑوے نمکین پانی کی اتھاہ تاریکیوں میں آپ کو رکھا آپ نے ہر جگہ سنا مچھلیاں رحمٰن کی تسبیح کر رہی ہیں حتی کہ چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے بھی رحمٰن ورحیم کی تسبیح سنی۔ بے شک وہ آسمانوں کا بھی زمینوں کا بھی اور جو کچھ انمیں ہے اور جو سمندروں میں اور جو تحت الثریٰ ہے سب کا پروردگار ہے ہر چیز یہاں ہو وہاں ہو جہاں کہیں بھی ہو اپنی زبان حال کے ساتھ جو کچھ کہتی ہے وہ سب کچھ سنتا ہے جیسے کہ خود اس نے اپنی عزت وعظمت اور جلال کی خبر دی ہے! وہ ظاہر کو بھی سنتا ہے پوشیدہ کو بھی سنتا ہے۔ اور تکلیف ومصیبت کو دور کرتا ہے۔ ہر آواز کو سنتا ہے خواہ کتنی ہلکی وکمزور کیوں نہ ہو، اور باریک سے باریک تر کو جانتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے قبول کرتا ہے خواہ کتنی بڑی ہو۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنی کھلی کتاب جو محمد ﷺ رسول امین پر نازل فرمائی اور فرمایا: اور یاد کرو (مچھلی والے کو جب وہ غصے میں چل پڑا (اور) گمان کیا کہ ہم اسپر قادر نہ ہو سکیں گے۔ پھر اس نے تاریکیوں میں (ہم کو) پکارا کہ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں ظالموں میں سے ہوں۔ تو ہم نے اسکی پکار قبول کرلی اور اسکو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔[1]

یعنی وہاں بھی اللہ نے ان کی فریاد سنی اور ان کی یاوری کی، اور فرمایا کہ انھوں نے خیال کیا کہ ہم اس پر قادر نہ ہونگے، اس کا مطلب ہے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے اور ایک قول ہے کہ اصل معنی یعنی قدرت مراد ہے جیسے شاعر کہتا ہے۔

فلا عائد ذاك الزمان الذى مضى تباركت، ماتقدر يكن ،فلك الأمر

جو زمانہ چلا گیا وہ واپس آنے والا نہیں ہے تجھے برکت حاصل ہو، جتنے (وقت) پر تو قدرت رکھے (استعمال میں لے لے) تیرے لئے مہیا ہے۔

فرمایا: اس نے ہم کو تاریکیوں میں پکارا اسکی تفسیر میں ابن مسعود، ابن عباس، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ مچھلی کی تاریکی، سمندری تاریکی، رات کی تاریکی یعنی ان تاریکیوں میں انھوں نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے انکی مدد فرمائی۔

---

[1] الانبیاء آیت ۸۷۔ ۸۸،

اور سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں اس مچھلی کو دوسری بڑی مچھلی نگل گئی تھی تو سمندر سمیت کل تین تاریکیاں ہوئیں تھیں۔

اور آگے فرمان ہے :(پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اسکے پیٹ میں قیامت تک ٹھہرے رہتے) یعنی آپ نے لا الہ الا اللہ اور دوسری تسبیحات وغیرہ کی اور اللہ کے آگے عاجزی و مسکنت اپنائی اسکی طرف توبہ ورجوع کیا تو اگر ایسا نہ کرتے تو قیامت تک اسی میں ٹھہرے رہتے۔ یہ مطلب حضرت سعید بن جبیر سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یعنی اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں آنے سے پہلے تسبیح کرنے والوں اطاعت وفرماں برداری کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اور یہ مطلب اکثر علماء کا اختیار کردہ ہے جن میں ضحاک بن قیس، عطاء بن سائب، حسن بصری، ابن عباس، ابو العالیہ، وہب بن منبہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی وغیرہ ہیں۔ اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے۔

اور اس مطلب کی شہادت و تائید وہ روایت کرتی ہے جو مسند احمد میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان (ابن عباس) کو فرمایا:

اے بچے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں کہ اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ (کے احکام وفرماں برداری اور اس کی تمام باتوں) کی پرواہ کر تو تو اسکو اپنے سامنے پائے گا۔ تو اللہ کو عیش میں پہچان وہ تجھ کو تنگی و مصیبت میں پہچانے گا۔

تو جب حضرت یونسؑ نے نرمی و عیش کے زمانے میں اللہ کو یاد رکھا تو اللہ نے شدت و تنگی میں انکو یاد کیا۔

[1] اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ تبارک وتعالی نے یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا: اسکو لے لیکن نہ انکے گوشت میں کچھ تصرف کر، اور نہ اسکی کوئی ہڈی توڑ۔ تو مچھلی جب آپ کو لیکر سمندر کی انتہائی نچلی سطح میں پہنچی تو آپ نے کچھ آہٹیں سنی، دل میں کہا یہ کیا ہے؟ تو اللہ نے آپکو وحی فرمائی کہ یہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے تو حضرت یونسؑ نے بھی تسبیح کی اور آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح کی فرشتوں نے آپکی تسبیح سنی تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم ایک نحیف و کمزور سی آواز کسی اجنبی زمین سے سن رہے ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے جن سے میرے فرمان کی لغزش ہوگئی ہے تو میں نے اسکو سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا یہ تو نیک بندہ ہے جسکی طرف سے ہر شب وروز آپ کے پاس نیک عمل پہنچتا ہے فرمایا ہاں بہت اچھی تسبیح کرتا ہے۔ پھر فرشتوں نے اسوقت پروردگار کے حضور حضرت یونسؑ کی سفارش کی۔ تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمادیا اور اور اس نے آپکو ساحل سمندر پر ڈال دیا۔ اور حالت کمزور تھی اللہ نے فرمایا۔ اور وہ (اسوقت) بیمار تھے۔ [2]

---

[1] روی ابن جریر فی تفسیرہ البزار فی مسندہ من حدیث محمد ابن اسحاق عمن حدثہ عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمۃ قال سمعت ابا ھریرہ ، الخ

[2] ھذا لفظ ابن جریر اسناداً ومتناً ثم قال البزار لا نعلمہ یروی عن النبی ﷺ الا من ھذا الوجہ بھذا الاسناد کذا قال

[۱] ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے فرمایا: حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کی!

اللهم لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظّٰلمين

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

یہ دعا عرش کے نیچے گھومنے لگی تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ جانی پہچانی کمزور نحیف سی آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے؟ اللہ نے پوچھا کیا اس کو نہیں پہچانا؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ میرا بندہ یونس ہے۔ عرض کیا آپکا بندہ یونس؟ اسکا تو ہر روز مقبول عمل اور مقبول دعا آتی ہے اے پروردگار کیا آپ اسپر رحم نہ فرمائیں گے جو خوشی و عیش میں آپکو یاد رکھتا تھا تو آپ اسکو مصیبت میں نجات عطا فرمائیں۔ فرمایا کیوں نہیں؟ پھر اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا: تو اس نے ساحل سمندر پر ایک میدان میں لا ڈالا۔ [۲]

[۳] اور ابن ابی حاتم نے یہ الفاظ بھی زائد ذکر کیے ہیں کہ راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ اس میدان میں یقطینہ کی بیل تھی ہم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا کدو کی بیل۔ اور فرمایا کہ ایک پہاڑی بکری اللہ نے انکے لئے مہیا کردی وہ آتی اور صبح و شام آپکو دودھ پلا کر چلی جاتی حتی کہ آپ کی اچھی خاصی پرورش اور نشوونما ہو گئی [۴]

امیہ ابن ابی صلت کہتے ہیں۔

فانبت يقطينا عليه برحمة من الله لو لا الله اصبح ضاويا

پس اللہ کی رحمت سے اسپر کدو کی بیل اگ آئی اگر اللہ ایسا نہ فرماتے تو وہ لاغر ہی رہتے

فرمان الٰہی ہے: (پھر ہم نے اسکو میدان میں ڈلوا دیا) یعنی بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں ڈلوایا۔ اور فرمایا (اور وہ بیمار حالت میں تھا) یعنی بدن انتہائی لاغر و کمزور ہو چکا تھا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ایسے ہو گئے جیسے چوزہ جس پر ابھی پر بھی نہ آئے ہوں۔ اور ابن عباسؓ اور زیدؒ فرماتے ہیں جب بچہ پیدا ہوتا ہے اسوقت کے بچے کی طرح آپکی حالت تھی اور بالکل دھنی ہوئی روئی کی طرح نرم و نازک تھے اور بدن پر کچھ نہ تھا۔

آگے فرمایا: (اور ہم نے انپر کدو کا درخت اگا دیا) ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، سعید ابن جبیرؒ، وہب بن منبہؒ، ہلال بن یسافؒ اور عبداللہ بن طاوسؒ، سدیؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، عطاءؒ الخراسانی اور دیگر حضرات اکابر فرماتے ہیں کہ یہ کدو کا درخت (یعنی بیل) تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کدو کی بیل آپ پر اگانے میں بہت فوائد پیش نظر تھے ایک تو اسکے پتے نرم اور شگفتہ ہوتے ہیں اور زیادہ ہوتے ہیں اور اسکا سایہ گھنا ہوتا ہے۔ اور مکھیاں اسکے پاس نہیں بھٹکتی اور اسکا پھل شروع نکلنے سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ کچا بھی پکا ہوا بھی۔ اسکے چھلکے اور بیج بھی کھانے اور دیگر انتفاع کے

---

[۱] وقد قال ابن ابى حاتم فى تفسيره، حدثنا ابو عبدالله احمد بن عبدالرحمن ابن اخى وهب حدثنا عمى، حدثنى ابو صخر، ان يزيد الرقاشى قال سمعت انس بن مالك ولااعلم الاان أنسا ير فع الحديث الى رسول اللهﷺ

[۲] ورواه ابن جرير عن يونس عن ابن وهب به

[۳] وزادابن ابى حاتم قال ابو صخر حميد بن زياد فاخبرنى ابن قسيط وانا احدثه هذا الحديث انه سمع ابا هريرة

[۴] وهذا غريب من هذا الوجه ويزيدالرقاشى ضعيف، ولكن يتقوى بحديث ابى هريره المتقدم، كما يتقوى ذالك بهذا والله اعلم

قابل ہوتے ہیں۔ الغرض اسمیں بہت سے فوائد ہیں اور دماغ کی تقویت وغیرہ بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کے کلام میں پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ عزوجل نے اسپر ایک پہاڑی بکری کو مقرر فرمادیا تھا جو جنگل میں چر کر آتی اور انکو اپنا دودھ نوش کراتی۔ اور صبح وشام اسکا یہی معمول تھا یہ حضرت یونسؑ پر محض اللہ کا احسان اور نعمت ورحمت تھی۔ اسی وجہ سے فرمایا (پھر ہم نے اسکی دعا قبول کرلی اور اسکو غم سے نجات دی) کرب وتکلیف اور تنگی سے انکو بچالیا، جس میں وہ پہلے مبتلا تھے۔ فرمایا (اس طرح ہم مومنین کو نجات دیتے ہیں) یعنی جو بھی ہمیں پکارے اور ہم سے پناہ وامن طلب کرے تو ہم اسکو ہر بڑی مشقت سے بھی نجات وپناہ دیتے ہیں۔

[1] تفسیر ابن جریر میں سعد بن مالک فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا!

اللہ کو اس نام سے پکارا جائے تو دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگا جائے عطا ہوتا ہے۔ یعنی یونسؑ کی دعا کے ساتھ۔ راوی کہتے ہیں میں نے استفسار کیا یا رسول اللہ یہ یونسؑ کیلئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کیلئے ہے؟ فرمایا یہ یونس کیلئے خاص ہے اور مومنین کیلئے عام جب بھی وہ اسکے ساتھ دعا کریں۔ کیا تو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا؟ (پھر (یونس نے اپنے رب کو) تاریکیوں میں پکارا کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین (تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں ہی ظالموں میں سے ہوں)۔ تو ہم نے اسکی دعا قبول کی۔ اور اسکو غم سے نجات دی اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں)

پس یہ اللہ کی طرف سے شرط ہے ہر اس کے لئے جو اس سے مانگے۔

[2] اور سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے یونس کی دعا کے ساتھ دعا کی اسکی دعا قبول ہوگی۔ ابو سعید الاشج اس حدیث کے ایک راوی کہتے ہیں اس حدیث میں خدا کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے (اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) یعنی جو اس مذکورہ دعا کے ساتھ دعا کرے گا ہم اسکو اسی طرح ضرور نجات مرحمت فرمائیں گے۔ [3]

---

[1] قال ابن جریر حدثنی عمران بن بکار الکلاعی، وحدثنا یحی ابن صالح، حدثنا ابو یحی بن عبدالرحمن، حدثنی بشر بن منصور، عن علی بن زید، عن سعید بن المسیب قال سمعت سعد بن مالک وھو ابن ابی وقاص یقول ..... الخ

[2] وقال ابن ابی حاتم: حدثنا ابو سعید الاشج، حدثنا ابو خالد الاحمر عن کثیر بن زید، عن المطلب بن حنطب قال ابو خالد احسبه عن مصعب یعنی ان سعد عن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ

[3] وھذا طریق بن سعد

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصۂ مبارک

آپکا نام اور نسب مبارک یوں ہے : موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عاذر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام فرمان باری ہے :

(اے نبی) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے بے شک وہ مخلص تھے اور رسول و پیغمبر تھے۔ اور ہم نے انکو طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے انکو (قرب و تعلق کی بناء پر) سرگوشی کیلئے قریب کیا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے انکو انکا بھائی پیغمبر بنا کر دیا۔

اللہ عزوجل نے اپنے کلام مقدس میں متفرق مقامات پر حضرت موسیٰ کا بہت ذکر خیر فرمایا ہے۔ کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے۔ اور ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں ان تمام جگہوں پر کافی قدر تفصیل سے گفتگو کر آئے ہیں۔ اور اب انشاء اللہ العزیز اس مبارک کتاب میں انکی زندگی کے شروع سے آخر تک کے حالات کو بیان کریں گے۔ اور اسکے لئے مرجع وماخذ قرآن وحدیث اور وہ اسرائیلی اقوال منتخب کئے ہیں جو ہمارے اسلاف سے منقول ہیں۔ بس اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور اسی کا تمام احسان ہے۔

اللہ عزوجل سورۃ قصص میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرماتے ہیں :۔

طٰسٓمٓ :۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (اے محمد) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومنوں (کو سنانے) کیلئے صحیح صحیح سناتے ہیں۔ کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔ اور وہاں کے باشندوں کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ انکے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے تھے انپر احسان کریں اور انکو پیشوا بنائیں اور انکو (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں انکو تسلط دیں اور فرعون و ہامان اور انکے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ قصے کو اجمالاً بیان فرما رہے ہیں اسکے بعد آگے تفصیل فرمائیں گے۔ (اور اب ہم مذکورہ آیتوں کا مطلب بیان کرتے ہیں۔)

پہلے تو فرمایا کہ ہم آپکو موسیٰ اور فرعون کی خبر حق کے ساتھ بتاتے ہیں۔ یعنی ایسی سچائی کے ساتھ گویا کہ آپ خود اس معاملے کا مشاہدہ اور معائنہ فرما رہے ہوں۔

وہ خبر یہ ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی اور طغیانی پر اتر آیا تھا اور اہل زمین کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں کر دیا تھا یعنی اللہ کی دھرتی پر ظلم و ستم اور سرکشی فساد اور فتنے برپا کر رکھے تھے۔ اور دنیوی زندگی کو اپنا مقصود نظر بنا لیا تھا اور پروردگار اعلیٰ کی فرماں برداری سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور اسکے بندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا، مخالف جماعت کو تو ظلم و جبر کی چکی میں پیستا، انکو کمزور کرتا۔ اور یہ مظلوم افراد بنی اسرائیل کے تھے جو اللہ کے پیغمبر

حضرت یعقوبؑ بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی آل تھے۔ اور اس وقت روئے زمین پر اللہ کے نزدیک یہی بہتر جماعت تھی۔ لیکن بدبختی قسمت سے ان پر یہ ظالم، غاصب، فاسق، فاجر، کافر بادشاہ بطور مسلط ہو گیا تھا۔ ان سے اپنی پوجاپاٹ کرواتا۔ اور انکو انتہائی ذلیل پست اور گھٹیا کاموں میں لگاتا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ انکے نو مولود فرزندوں کو بے دردی سے ذبح کروادیتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بڑا ہی ظالم مفسد شخص تھا۔

اور اس ظلم و ستم اور قتل ناحق پر اسکو اس چیز نے برانگیختہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے آپس میں یہ خبر و بشارت عظمیٰ مشہور تھی کہ انہی میں سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر فرعون مصر کا تختہ الٹے گا اور پھر بنی اسرائیل کے پاس ملک مصر کے قبضے کی باگ دوڑ آئے گی تو وہ ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ نے انکو اس ظالم کے شر سے محفوظ رکھا تب سے من جانب اللہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ خوشخبری پھیلی ہوئی تھی کہ آگے چل کر فرعونوں کا سلسلہ انہی کا ایک فرد ختم کر دے گا پھر یہ خبر اس فرعون مصر کو بھی اسکے درباریوں کے ذریعے پہنچی تو اس نے اسوقت سے یہ قانون جاری کر دیا کہ صرف بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسکو قتل کر دیا جائے۔ لیکن حذر (احتیاط) قدر کو نہیں ٹال سکتی۔

[1] حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر کئی اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ گویا ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے چلی آرہی ہے اور آکر اس نے مصر کے گھروں اور تمام قبطیوں (یعنی بنی اسرائیل کے مخالف فرعونیوں کے گروہ) کو جلا ڈالا۔ لیکن بنی اسرائیل کو آنچ نہ پہنچی۔

فرعون نے بیداری کے بعد اپنے ملک کے کاہنوں نجومیوں، جادوگروں اور دیگر ماہرین کو جمع کیا اور سب سے اسکے متعلق پوچھا کہ اسکی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا ایک بچہ بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا اہل مصر کی ہلاکت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔

تب فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

اسی بچے کی پیدائش کی خوشخبری کی طرف پروردگار نے اشارہ فرمایا: (اور ہم نے ارادہ کیا کہ جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں انپر احسان کریں۔ اور انکو پیشوا بنائیں اور انکو (ملک مصر کا) وارث بنائیں۔ اور انکو زمین میں قدرت دیں۔ اور فرعون ہامان اور انکے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔) یعنی ضعیف کو قوی کر دیں اور مظلوم کو زور آور کر دیں اور ذلیل کو عزت دار کر دیں۔ اور یہ تمام کچھ بنی اسرائیل کیلئے فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ (اور ہم نے اس قوم کو (زمین کا) وارث بنایا جو زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور کر دیئے گئے تھے وہ زمین جسمیں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور تیرے رب کی عمدہ بات بنی اسرائیل کیلئے انکے صبر کی وجہ سے پوری ہو گئی ہے۔[2]

اور دوسری جگہ فرمایا۔ (پس ہم نے انکے لئے باغات، چشمے، خزانے اور اچھا ٹھکانا نکالا اسی طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس (ملک مصر) کا وارث بنایا۔[3]

---

[1] وذکر السدی عن ابی صالح وابی مالک، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود وعن انس من الصحابة .....الخ

[2] اعراف ۱۳۷ [3] شعراء ۵۷-۵۸

مقصود یہ ہے کہ فرعون نے پورا زور صرف کر ڈالا کہ موسیٰ پیدا نہ ہوں حتی کہ دائیں اور دوسرے محافظ لوگ امید والی عورتوں کی تلاش میں پھرتے رہتے اور پھر انکے جنم دینے کے وقت کا اندازہ لگاتے۔ پھر جب بھی کوئی عورت لڑکے کو جنم دیتی تو اس کو اسی وقت ذبح کر دیتے۔

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ فرعون نے لڑکوں کے قتل کا حکم اسلئے دیا تھا تاکہ انکی طاقت وشوکت کمزور پڑ جائے اور یہ ہم سے لڑنے کے قابل نہ رہیں۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ باطل ہے۔ ہاں ایسا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی فرعون نے قتل اولاد جاری رکھا تھا وہ اسی لئے تھا تاکہ بنی اسرائیل کی قوت وشوکت کمزور پڑ جائے اور حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے بچوں کا قتل وہ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش روکنے کیلئے تھا۔

اور اس بات کی تصریح خود قرآن مقدس میں بھی آئی ہے فرمان الٰہی ہے (جب انکے پاس ہماری طرف سے (موسیٰ) حق کے ساتھ آ گئے تو انہوں نے کہا اسپر جو ایمان لاتے ہیں انکے لڑکوں کو قتل کر دو اور عورتوں کو زندہ رکھو۔[1] اور اسی وجہ سے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے بھی اور بعد بھی بنی اسرائیل کے بچے قتل ہوئے، بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ) ہم تو آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت میں تھے اور آپکے آنے کے بعد بھی۔[2] تو خلاصہ نکلا فرعون نے پہلے بچوں کے قتل کا حکم موسیٰؑ کے وجود کو ختم کرنے کیلئے دیا تھا پھر بعد میں انکی طاقت کو ختم کرنے کیلئے دیا تھا۔ تو حضرت موسیٰؑ اسکی عام تدبیروں کے خلاف وجود میں آ کر رہے کیونکہ تقدیر کہتی ہے۔ اے جابر ظالم بادشاہ جو اپنے لشکروں کی کثرت اور اپنی طاقت اور وسیع سلطنت کے بل بوتے غرور میں اکڑا ہوا ہے سن لے کہ بے شک عظیم ذات جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اسکے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اسکی لکھی ہوئی بات کو کوئی بدل سکتا ہے اس نے اس بچے کے پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے جس سے تو کانپتا پھر رہا ہے اور جسکے سبب تو نے بے جا اور بیدردی سے بے شمار کلیوں کو انکے کھلنے سے پہلے ہی قتل کروادیا۔ اور قدرت کا کرشمہ دیکھ کہ وہ عظیم ذات اس بچے کو تیرے ہی گھر میں پرورش کروائے گی۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ عین تیرے بستر پر پرورش کروائے گی۔ اور اسکی غذاء بھی تیرے کھانے پینے میں سے ہوگی۔

اور تیرے گھر میں ہوگی۔ اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھ کہ تو اسکو اپنا بیٹا بنائے گا اور اسکی پرورش کا انتظام کرے گا۔ اور اسکے لئے خادماؤں کو خدمت پر رکھے گا۔ لیکن اپنی بے بسی سوچ کہ تو اصل حقیقت وراز سے بالکل جاہل اور غافل ہوگا (پھر تجھے خدائی کا دعوی کیسے زیب دیتا ہے ؟) اور آگے چل کر تیری ہلاکت وبربادی دنیا میں بھی آخرت میں بھی اسی کے ہاتھ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ تیرے پاس حق لیکر آئے گا لیکن تو اسکی مخالفت کرے گا اور اسپر وحی شدہ کو جھٹلائے گا۔

اور اللہ عزوجل قدرت وطاقت کا بے مثال بادشاہ یہ سب کچھ اس لئے دکھائے گا تاکہ تو بھی اور تمام مخلوق بھی دیکھ لے کہ (کیسے اس نے تیری طاقتوں تدبیروں پر پانی پھیرا) بے شک وہی آسمانوں اور زمین کا پرورش کرنے والا ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ زبردست طاقت والا ہے بڑے سخت عظیم عذاب والا ہے اور ایسی طاقت وقوت اور ارادے والا ہے جسکو کوئی ٹال نہیں سکتا اس سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔

---

[1] سورہ زمر (غافر) ۲۵ [2] اعراف ۱۲۹

کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ قبطیوں (یعنی فرعون کی قوم) نے فرعون کو بنی اسرائیل کے افراد کے کم پڑ جانے کا شکایت کی کہ انکے لڑکے پے در پے قتل ہوتے جارہے ہیں اور انکے بڑے لوگ بھی آگے چل کر فنا ہو جائیں گے تو جو مشقت و ذلت اور انتہائی گھٹیا کام ان سے لیا جارہا ہے وہ پھر قبطیوں کو کرنا پڑے گا۔

تو فرعون نے اسکا فکر کر کے دوسرا حکم جاری کیا کہ ایک سال تو مارا جائے دوسرے سال چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح سلسلہ چلتا رہا ہے علماء مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے برادر کبیر حضرت ھارون خلاصی و چھٹکارے کے سال میں پیدا ہوئے حضرت موسیٰ عین قتل والے سال پیدا ہوئے۔

توآپکی ماں سخت تنگ دل اور پریشانی میں مبتلا ہوئیں۔ کیونکہ امید (حمل) کے زمانے میں توآپ نے حتی الوسع اس چیز کو خوب چھپایا تھا اور اللہ کے فضل سے ویسے آپ پر حمل کی علامتیں زیادہ ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو معاملہ روز روشن کی طرح واضح تھا اب کسطرح اپنے لال کو چھپائیں ؟اس غم وفکر میں تھیں کہ اللہ کی طرف سے انکے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ایک صندوق بنا کر اپنے بچے کو اس میں رکھ دیں اور صندوق کو کسی رسی سے باندھ رکھیں اور آپ کا گھر دریا کے کنارے تھا آپ بچے کو صندوق ہی میں رکھیں اور دودھ پلاتی رہیں جب کسی کے آنے کا خوف ہو تو صندوق دریا میں بہادیں اور ڈوری کا سرا اپنے پاس کہیں باندھ کر رکھیں جب لوگ چلے جائیں تو پھر واپس کھینچ لیں۔ توآپ ایسا ہی کرتی رہیں۔

فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو وحی کی کہ اسکو دودھ پلاتی رہ پس جب اسپر (کسی کے آنے کا) خوف ہو تو اسکو سمندر میں (صندوق کے اندر رکھ کر) ڈال دے اور خوف نہ کر اور نہ رنج کر ہم اسکو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے۔ اور اسکو رسولوں میں سے بنائیں گے۔ پھر اس (صندوق) کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور (موجب) غم ہو بے شک فرعون اور ھامان اور انکے لشکر ٹھوکر کھا گئے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسکو قتل نہ کر شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے)۔[1]

حضرت ام موسیٰؑ کو یہ وحی بطور الہام اور ارشاد (رہنمائی) کے تھی نہ کہ عام رسولوں کی وحی کی طرح۔ جیسے اللہ نے دوسری جگہ شہد کی مکھی کے متعلق بھی یہی الفاظ فرمائے۔ فرمایا (اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور اونچی جگھوں میں گھر بنا پھر ہر قسم کے پھل کھا۔

پھر اپنے رب کے (بتائے ہوئے) سہل راستوں پر چل۔ (اور) انکے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے)۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ وحی وہ نہیں جو انبیاء و رسول کو بھیجی جاتی تھی۔ جبکہ ابن حزم اور کچھ متکلمین کا خیال ہے کہ ام موسیٰ کو وحی انبیاء و رسول کی وحی تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ پہلا مذہب و مسلک صحیح ہے اور اہل سنت اور جماعت سے ابوالحسن الشعریؒ نے اسی کو نقل فرمایا ہے۔

علامہ سہیل فرماتے ہیں ام موسیٰؑ کا نام ''ایارخا'' تھا اور ایک قول ہے ''ایاذخت'' تھا

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اللہ عزوجل نے انکو اس بات کی رہنمائی کی اور یہ بھی الہام کیا کہ رنج و غم اور کسی قسم کا

---

[1] قصص ۷ تا ۹ [2] سورہ نحل ۶۸۔۶۹

خوف نہ کرنا اگر یہ کہیں چلا بھی گیا تو اللہ اسکو تیرے ہی پاس واپس لائے گا اور مزید خوشخبری یہ کہ اسکو نبوت ورسالت کے رتبہ پر فائز فرمائے گا۔ دنیاوآخرت میں اسکا کلمہ روشن وبلند ہوگا۔

تو حضرت ام موسیٰ اللہ کی ہدایت پر عمل پیرا رہیں۔ تو ایک مرتبہ روزمرہ کی طرح کوئی آیا اور آپ نے انکو صندوق سمیت دریا میں بہادیا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن وہ صندوق کی رسی اپنے پاس باندھنا بھول گئیں اور صندوق رسی سمیت بہتا چلا گیا۔ لب دریا فرعون کا محل بھی تھا۔ صندوق وہاں سے گذرا تو فرمان الٰہی ہے (تو اس کو آل فرعون نے اٹھالیا تاکہ وہ انکا دشمن اور (موجب) رنج ہو)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے لیکون اور اسمیں لام عاقبت کا ہے اور اسکا متعلق التقطہ سے ہے یعنی انکے اٹھانے کا نجام انکے لئے برا ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لام مضمون کلام کے ساتھ متعلق ہو اور تعلیل کا ہو تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ آل فرعون نے صندوق کو اٹھایا تاکہ انکے لئے یہ مصیبت کا باعث بنے دوسری تقریر کی تقویت اس فرمان سے ہوتی ہے فرمایا کہ (فرعون اور اور ھامان اور انکے لشکر خطا کھا گئے) یعنی انکے لئے انکا فعل درست نہ تھا جسکی وجہ سے وہ اس حسرت وعقوبت کا مزہ چکھیں گے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ فرعون کی لونڈیوں نے اس صندوق کو بند حالت میں اٹھایا تھا۔ اور کھولنے کی انکو ہمت نہ ہو سکی حتیٰ کہ اسی طرح فرعون کی بیوی کے سامنے رکھ دیا جسکا نام آسیہ تھا۔ اور ایک قول ہے کہ آسیہ حضرت یوسف کے زمانے کے مسلمان بادشاہ ریان کی پوتی تھی۔ اور انہوں نے نسب یوں ذکر کیا ہے آسیہ بنت مزاحم ابن عبید بن الریان بن الولید۔ اور ایک قول ہے کہ یہ موسیٰؑ کے سلسلے کی بنی اسرائیل کی خاتون تھی۔ اور ایک قول ہے کہ آپکی پھوپھی تھی۔ علامہ سہیلیؒ نے اسکو نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

انکی تعریف وتوصیف حضرت مریم کے قصے میں ذکر کریں گے انشاء اللہ۔ اور یہ دونوں عظیم ہستیاں جنت میں حضور اکرم ﷺ کی زوجیت کا شرف پائیں گی۔ تو جب آسیہ نے صندوق کا ڈھکن کھولا اور اوپر سے کپڑا ہٹایا دیکھا کہ نبوت ورسالت اور جلالت کے انوارات کے ساتھ چمکتے دمکتے چہرے والا ایک انتہائی خوبصورت بچہ ہے تو آسیہ کی مبارک نظر جیسے ہی اس چاند چہرے پر پڑی تو بچے کی سخت محبت انکے دل میں فوراً جاگزیں ہوگئی پھر فرعون آیا تو اس نے پوچھا کیا ہے یہ؟۔ اور اسکو ذبح کرنے کا حکم جاری کردیا۔ پھر تو حضرت آسیہ نے اسکے بچاؤ کیلئے فرعون سے التجاء کی اور اسکو ہدیہ مانگنے لگیں اور کہا یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور تیری بھی۔

(توجہ کیجئے) فرعون نے جواب دیا یہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میرے لئے نہیں ہے۔ یعنی مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور در حقیقت اسکی یہی بدکلامی اسکو مار گئی۔

کیونکہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر فرعون کہہ دیتا کہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو ہدایت سے بہرہ مند ہو جاتا تو بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ مترجم۔)

اسکے خلاف حضرت آسیہ نے فرمایا قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے تو بے شک اللہ نے اسکی آس پوری کردی اور دنیا میں اسکے ذریعے آسیہ کو ہدایت بخش دی اور آخرت میں ہمیشہ کیلئے اسکے ذریعے جنت عطا فرمادی اور آسیہ نے آگے کہا یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں۔ اور یوں ہی ہوا کہ پھر یہ دونوں کالے پالک بیٹا بن گیا کیونکہ انکے ہاں اولاد نہ

ہوتی تھی۔ آگے فرمایا (اور وہ شعور نہ رکھتے تھے) یعنی انکو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اللہ پاک انکے ساتھ کیا کر رہے ہیں کیونکہ انکا موسیٰ کو اٹھانا فرعون اور اسکے لشکریوں کیلئے عظیم عذاب کا سبب بننے والا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰ کو اٹھانے والی لڑکی فرعون کی بیٹی درتبہ تھی۔ اور لڑکا انکے ہاں نہ تھا۔ لیکن یہ اہل کتاب کی غلطی ہے اور آگے اللہ وتبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ اگر ہم انکے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں۔ (ماں نے) اسکی بہن سے کہا کہ اسکے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور انکو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی اسپر (دائیوں کے) دودھ حرام کر دیئے تھے۔ تو موسیٰ کی بہن نے کہا میں تمھیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اسکی خیر خواہی (سے پرورش) کریں۔ تو ہم نے (اس طریق سے) انکو انکی ماں کے پاس واپس پہنچادیا تاکہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور جان لیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن انکے اکثر لوگ نہیں جانتے۔[1]

ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید ابن جبیر، ابو عبیدہ، حسن قتادہ اور ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں آیت (اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا) اسکا مطلب ہے سوائے موسیٰ سے دنیا کے تمام تفکرات بھول گئے اور آگے جو ہے (قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی) یعنی بچے کی جدائی سے بے چین ہو کر اپنا صبر کھو بیٹھی اور علی الاعلان اسکے متعلق پوچھ گچھ کرتی پھرتی۔ لیکن (اگر ہم اسکے دل کو مضبوط نہ کرتے) تو تب ایسا ہوتا۔ لیکن ہم نے اسکو صبر وثبات قدمی کے ساتھ رکھا کیوں؟ (تاکہ وہ مومنین سے ہو جائے اور کہنے لگی اسکی بہن کو) یہ انکی بڑی بیٹی تھی کہا (اسکے پیچھے پیچھے چل) اور اسکی خبر سے مجھے آگاہ کرتی رہ (تو وہ ایک طرف ہو کر دیکھتی رہی) مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی دور دور سے دیکھتی رہی۔ اور قتادہؒ فرماتے ہیں اسطرح دیکھتی رہی کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کو دیکھ رہی اور اسی وجہ سے آگے فرمایا (اور انکو کچھ خبر نہ تھی) اور انکو اسکی قطعاً اسطرح خبر نہ ہوئی کہ جب موسیٰؑ فرعون کے گھر پہنچ گئے تو انہی لوگوں نے اسکی غذا و پرورش کا ارادہ کیا۔ لیکن موسیٰ نے کسی عورت کے پستان کو قبول نہ کیا اور نہ ہی کوئی غذاء کھائی تو وہ اسکے متعلق پریشان ہو گئے اور ہر ممکن کوشش کرنے لگے کہ موسیٰ کسی غذاء یا کسی عورت کے دودھ کو نوش کرے فرمان خداوندی ہے (اور ہم نے اسپر پہلے سے (سب کے) دودھ حرام کر دیئے تھے) حتیٰ کو فرعون کے گھر والے موسیٰ کے متعلق اس قدر پریشان ہوئے کہ دایوں کے ساتھ انکو شہر اور بازار وغیرہ میں عورتوں کے پاس بھیجا شاید کہ کسی عورت کا دودھ انکو موافق آجائے اور یہ اسکو پسند کرلیں (خدا کی قدرت کو دیکھیں کہ جسکی وجہ سے فرعون نے لاکھوں کو قتل کروایا اللہ پاک اسی کے ذریعے کس طرح انتھک محنتوں سے اسکی پرورش کروا رہے ہیں یہ ہے خدا کی قدرت) الغرض لوگ اسی بچے کے دودھ کے متعلق پریشان تھے اور سب اسپر جھکے پڑے تھے کہ اچانک بہن نے بھائی کو دیکھ لیا اور بہن نے اپنے حقیقت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے لوگوں سے کہا فرمان باری ہے (کیا میں تم کو ایسے گھر والے نہ بتادوں جو تمہارے لئے اسکی کفالت کرسکتے ہیں اور وہ اس کے لئے (پرورش میں) خیر خواہ ہوں؟) لوگوں نے اس کو کہا تجھے انکی شفقت وخیر خواہی کا کیسے پتہ چلا؟ بہن نے کہا بس یوں ہی میں نے بادشاہ کی خوشی اور اس بچے

[1] قصص ۱۰ تا ۱۳

کے فائدے کیلئے کہہ دیا۔ لوگوں نے اسکی بات کو قبول کر لیا اور اسکے ساتھ بچے کو لے گئے وہاں جا کر ماں کو بچہ دیا اور انکو کیا پتہ تھا کہ یہی اسکی ماں ہے لہذا جب وہ دودھ پلانے لگیں تو بچہ پستانوں کو چمٹ گیا اور خوب جی بھر کر دودھ پیا۔ سارے لوگ جو پریشان تھے اب خوش ہو گئے اور ایک بشارت سنانے کیلئے آسیہ کے پاس بھاگا گیا۔ آسیہ نے اس عورت یعنی موسیٰ کی والدہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ آپ ہمارے ہاں ہی ٹھہریں اور اسکی پرورش کریں ہم آپکی خدمت کریں گے لیکن ام موسیٰ نے انکار کر دیا اور کہا میرے شوہر اور بچے پریشان ہونگے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسکو میرے ساتھ بھیج دیں میں اسکی پرورش تمہارے واسطے کرتی رہوں گی۔ تو آسیہ نے بچے کو ماں کے ساتھ بھیج دیا اور انکے لئے وظیفہ (بطور تنخواہ کے) مقرر کر دیا اور دیگر سازو سامان کپڑے اور عطیات اور دیگر اشیاء وغیرہ ساتھ کر دیں۔ تو ام موسیٰ موسیٰ کو لیکر اپنی آغوش میں بٹھا کر چلی آئیں اور اسطرح اللہ نے دونوں جگروں کو دوبارہ ملا دیا (بلکہ پہلے خوف تھا اب سرکاری قانون کے تحفظ کے ساتھ دوبارہ ساتھ ہو گیا۔ سبحان تیری قدرت۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (پھر ہم نے اسکو اسکی والدہ کے پاس دوبارہ لوٹا دیا تا کہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور رنج نہ کرے اور تا کہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) یعنی جیسے ہم نے واپس لوٹانے اور رسالت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا تو اب اسکو واپس لوٹا دیا (اور پہلے کے لوٹانے سے کہیں بہتر طریقے سے لوٹایا ہے) لہذا آئندہ زمانے میں انکے متعلق رسالت کے وعدے کی سچائی بھی بخوبی معلوم ہو جاتی ہے (اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) اور والدہ کے پاس اس واپسی کے احسان کو اللہ عزوجل آئندہ زمانے میں جب ان سے کوہ طور پر رات کو ہمکلام ہوئے تو اس احسان کو جتلایا اور فرمایا (اور (اے موسیٰ) ہم نے تجھ پر دوسری مرتبہ احسان فرمایا ہے۔ جب ہم نے تیری والدہ کو وحی کی کہ اس کو صندوق میں رکھ دو اور اسکو سمندر میں ڈال دو۔ پھر میں دریا کے ساحل پر ڈال دوں گا تو اسکو میرا اور اسکا دشمن لے لے گا۔ اور (اے موسیٰ) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت (کی کشش) ڈالی (تا کہ جو بھی تجھے دیکھے اسکے دل میں تیری محبت جڑ پکڑ لے) اور تیری نگہداشت میری نگرانی میں ہوتی جائے۔)[1]

قتادہ اور کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ آخری حصے کا مطلب ہے کہ ہم نے تجھے اپنے دشمن کے گھر پالا تا کہ اچھا کھانا وغذا اور اچھا عمدہ لباس تجھے حاصل ہو اور تیری تمام حفاظت اور پرورش میری تدبیر کے مطابق ہو۔ اور بے شک میں ایسے امور انجام دینے والا ہوں کہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

آگے فرمایا (اور اے موسیٰ یاد کر) جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جو اسکی کفالت کریں تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس واپس لے آئے تا کہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کرے (اور اے موسیٰ یاد کر کہ پھر تو نے) ایک جان کو بھی قتل کر دیا تھا تو پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور کئی آزمائشوں میں تجھے آزمایا۔[2]

ان کئی آزمائشوں سے کیا مراد ہے؟ اسپر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اسی پر بھروسہ و توکل ہے۔ یہ تو تھا قرآن کی روشنی میں انکے بچپن کا کچھ تذکرہ۔ اب انکی جوانی کا حال سنیے۔

---

[1] طہٰ ۳۷ تا ۳۹ [2] طہٰ ۴۰

فرمان الٰہی ہے۔

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھر پور (جوان) ہوئے تو ہم نے انکو حکمت اور علم عنایت کیا۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے ایک موسیٰ کی قوم سے دوسرا انکے دشمنوں سے تو جو شخص (موسیٰ) کی قوم سے تھا اس نے دوسرے کے مقابلے میں موسیٰ سے مدد طلب کی۔ موسیٰ نے اسکو مکہ مارا اور اسکا کام تمام کر دیا پھر کہنے لگے یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا ہے بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔ بولے کہ اے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے آپ مجھے بخش دیجئے۔ تو خدا نے انکو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہنے لگے اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے اسکی وجہ سے میں آئندہ کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔[1]

جب اللہ تبارک وتعالیٰ موسیٰ کی والدہ پر موسیٰ کو لوٹانے اور اسپر احسان وانعام کرنے کو ذکر فرما چکے تو اب موسیٰ کی جوانی اور عین عنفوان شباب کی طاقت کا ذکر فرمارہے ہیں اور آپکا یہ زمانہ اخلاق اور خلق (بناوٹ جسم) کے مکمل ہونے کا تھا اور اکثر اقوال کے مطابق یہ زمانہ آپکی چالیس سال عمر کا تھا۔ اور اسوقت اللہ نے آپ کو اپنے پہلے وعدے کے مطابق نبوت ورسالت سے نوازا جیسے پہلے انکی والدہ کو انکے دودھ پینے کے زمانے میں جتلا چکے تھے فرمایا تھا (بے شک ہم اسکو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے اور اسکو رسولوں میں سے بنائیں گے)

پھر آپکی رسالت کے ذکر کے بعد مصر شہر سے نکلنے اور مدین شہر میں داخلے اور وہاں اقامت گزینی کا سبب بیان فرمایا۔ اور پھر مدین میں اپنی مدت کو پورا کیا اور وہاں بھی اللہ کی طرف سے انعام واکرام رہا اور سب سے بڑی بات کہ واپسی کے وقت انکو اپنے ہمکلامی سے مشرف فرمایا۔ جسکی تفصیل عنقریب صفحات پر روشن ہونے والی ہے۔

مصر میں آپکے قتل کرنے کے متعلق فرمایا: (اور موسیٰ) شہر میں داخل ہوئے اور شہر والے غفلت میں تھے) ابن عباس سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، سدی، رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ وقت عین نصف النہار کا تھا۔ جبکہ ابن عباس سے روایت مروی ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان کے وقت میں یہ حادثہ ہوا۔

آگے فرمایا (پس شہر میں دو آدمیوں کو لڑائی میں مصروف پایا) یعنی ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور زیر کرنے کی کوشش میں تھے (یہ موسیٰ کے گروہ سے تھے) یعنی بنی اسرائیلی تھے (اور وہ اسکا دشمن) یعنی قبطی تھا ابن عباس، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق کا یہی فرمان ہے۔ آگے فرمایا (تو جو یہ موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے دوسرے کے خلاف موسیٰ سے مدد چاہی) کیونکہ موسیٰ مصر کے علاقوں میں فرعون کے لے پالک بیٹے کے ساتھ مشہور تھے اور اس وجہ سے انکا رعب دبدبہ قائم تھا اور آپ فرعون کے گھر میں پلے تھے اسلئے بھی رعب قائم تھا۔ جسکی وجہ سے بنی اسرائیل مرتبے اور وجاہت والے ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے والے کی قوم سے ہونے

---

[1] قصص ۱۴ تا ۱۷

کی وجہ سے سربلند ہو گئے تھے۔ کیونکہ رضاعی طور پر بنی اسرئیل آپکے ماموں ہوئے تو اس بناء پر بنی اسرائیلی شخص نے حضرت موسیٰ سے مدد مانگی اور آپ اسکی مدد کیلئے پہنچے اور (پھر اس (دوسرے) کو مکہ مارا) حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی اپنی مٹھی بند کر کے ہاتھ مارا اور قتادہ فرماتے ہیں آپکے ساتھ ڈنڈا تھا وہ مارا (تو وہ مر گیا)۔ اور یہ قبطی اللہ کے ساتھ کفر وشرک کرنے والا تھا تاہم حضرت موسیٰ نے اسکے قتل کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ محض تادیب اور زجر وتنبیہ اور چھڑانا مقصود تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے فوراً کہا (یہ شیطان (کے بھکاوے) کی وجہ سے ہے بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔ کہا (اے) پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے پس مجھے معاف فرما دیجئے تو (اللہ نے) اسکو معاف فرمادیا، بے شک وہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ کہا پروردگار آپ نے مجھ پر انعام کیا اسوجہ سے آئندہ میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا)

آگے فرمایا۔

پھر (موسیٰ) صبح کے وقت شہر میں دوڑتے دوڑتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے ؟) تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر انکو (کسی دوسرے کے خلاف لڑائی کے لئے) پکار رہا تھا، تو (موسیٰ نے) کہا تو بے شک تو صریح گمراہ شخص ہے۔ جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو دونوں کا دشمن تھا، پکڑلیں تو وہ (یعنی موسیٰ کے قوم کا آدمی) بول پڑا کہ جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم وستم کرتے پھرو۔ اور اصلاح کرنے والوں میں سے ہونا پسند نہیں کرتے۔ اور ایک شخص شہر کی دوسری طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ (شہر کے) بڑے لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمھیں مار ڈالیں۔ سو تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکلے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کے اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔[1]

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ موسیٰ شہر میں خوفزدہ ہو کر صبح کو باہر آئے کہ معلوم کریں کیا ہوا؟ کیوں کہ حضرت موسیٰ کو خوف تھا کہ معاملہ اوپر پہنچے گا اور انکو پتہ چلے گا کہ موسیٰ نے قبطی شخص کو بنی اسرائیل کی مدد میں مار ڈالا ہے لہذا انکو یقیناً معلوم ہو گا کہ موسیٰ بنی اسرائیل میں سے ہے۔

اور پھر اسپر مصائب وظلم جو آئیں گے وہ ظاہر ہے۔ تو آپ اسی غرض سے صبح کو شہر میں آئے اور خوفزدہ حالت میں منتظر تھے کہ کیا ہوتا ہے ؟ آپ اسی غور وفکر میں تھے کہ وہی اسرائیلی شخص جو گذشتہ روز موسیٰ سے مدد طلب کر رہا تھا جسکی وجہ سے حضرت موسیٰ سے ایک جان کا قتل سرزد ہوا آج پھر وہی شخص ایک دوسرے قبطی سے بھی برسر پیکار ہے تو اسکے شر وفساد اور لڑائی پر ملامت کی اور جھڑکا اور کہا (تو صریح گمراہ شخص ہے) یہ کہہ کر حضرت موسیٰ اس قبطی کو اسرائیلی کے پنجے سے چھڑانے کیلئے متوجہ ہوئے تو اس اسرائیلی نے (کہا اے موسیٰ کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے گذشتہ روز بھی آپ نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا، آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ زمین میں ظلم وستم کرتے پھریں اور نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے

---

[1] القصص ۱۸تا۲۱

ہوں)۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ کلام اس اسرائیلی نے کیا تھا جو موسیٰ کے قتل کرنے پر گذشتہ روز مطلع ہو چکا تھا۔ اور جب اس نے موسیٰ کو قبطی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے سمجھا کہ اب یہ مجھے سزا دیں گے کیونکہ حضرتِ موسیٰ پہلے اسکو سرزنش کر چکے تھے کہ (تو ہی صریح گمراہ ہے) تو اس طرح اس اسرائیلی بے وقوف شخص نے حضرت موسیٰ کے راز کو فاش کر دیا اور جو کہنا تھا کہہ دیا جیسے کہ گذرا اور دوسرے مد مقابل قبطی شخص کو بھی پتہ چل گیا (کیونکہ گذشتہ دن سے تمام لوگوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی کہ آخر فرعون کے ہم جماعت شخص کو کسی نے قتل کر دیا؟ تو اسطرح یہ قبطی شخص) حضرت موسیٰ کے بارے میں مطلع ہو گیا اور یہ قبطی فرعون کے پاس موسیٰ کے خلاف دعویٰ قتل لے کر گیا۔ لیکن یہ مطلب اکثر لوگوں نے بیان نہیں کیا سوائے بعض حضرات کے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بات اور راز افشاء کرنا قبطی کی طرف سے پایا گیا ہو۔ کیونکہ جب اس نے موسیٰ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اپنی جان کا خوف ہو گیا اور یہی سمجھا کہ اب بھی دوبارہ اسرائیلی ہی کی مدد کو آرہے ہیں تو اس نے اپنے وھم وخیال کے مطابق کہا جو کہا یعنی اسکو قطعاً گو معلوم نہ تھا کہ گذشتہ روز مقتول قبطی کا قاتل یہی ہے بلکہ اپنے وہم وگمان کے مطابق اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے آج یہ اسرائیلی کی مدد کو آرہے ہیں تو کل بھی انہی نے اس اسرائیلی کی مدد میں قبطی کو قتل کیا ہو۔

یا پھر اس قبطی کو اس بات سے وہم ہوا ہو کہ یہ اسرائیلی موسیٰ کو اپنی مدد کیلئے اس قدر زور شور سے پکار رہا ہے تو ہو سکتا ہے کل بھی اسی نے قبطی کو قتل کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

الغرض جو بھی صورت پیش آئی اس کیوجہ سے دوسرے روز راز کھل گیا اور فرعون کو خبر پہنچ گئی کہ قبطی کا قاتل موسیٰ ہے لہٰذا اس نے اپنے کارندے موسیٰ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیئے، لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک آپکا خیر خواہ بھاگا ہوا آپ کے پاس پہنچا، فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا اور کہا اے موسیٰ) رئیس لوگ آپکے متعلق صلاح کر رہے ہیں تاکہ آپکو قتل کریں پس (جلدی نکل جاؤ (شہر سے) میں آپکا خیر خواہ ہوں۔ تو آپ خوفزدہ حالت میں نکلے (کسی کے آنے کا) ڈر کرتے ہوئے (یعنی اسی وقت آپ شہر سے نکل پڑے اور انکو کسی راستے کا بھی علم نہ تھا اور نہ کوئی لائحہ عمل تھا کہ کہاں جائیں گے پس جو راستہ آگے پڑا اس پر چل پڑے اور زبان پر خدا سے فریاد جاری رکھی) پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجئے اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہیں (اور اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔ اور انکے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے کہا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ نے انکے لئے بکریوں کو پانی لا دیا۔ پھر سائے کی طرف چلے گئے۔ اور کہا پروردگار میں اسکا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔[1]

---

[1] القصص ۲۱ تا ۲۴

اللہ پاک اپنے بندے اپنے رسول اور اپنے ہمکلام کے متعلق فرمارہے ہیں کہ وہ مصر سے خوفزدہ ہو کر کسی بدانجامی سے بچنے کیلئے نکلے اور خوف تھا کہ کہیں انکو کوئی فرعون کی قوم کا شخص نہ مل جائے۔ لیکن آپ نکل تو پڑے اب جائیں کہاں؟ کس طرف کارخ کریں؟ آپکو کچھ پتہ نہ تھا کیونکہ آپ پہلے کبھی مصر سے نکلے نہ تھے۔ لیکن خدا کی طرف سے آپ کارخ مدین شہر کو ہو گیا فرمایا (اور جب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہو گئے تو کہا قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے رستے کی راہنمائی فرمائے۔) یعنی قوی امید ہے کہ یہی راستہ منزل مقصود تک پہنچائے گا اور پھر اسی طرح ہوا اور اس راستے نے آپکو مقصود تک پہنچایا اور مقصد بھی کیسا؟ انتہائی بلند و عظیم الشان (یعنی خدا سے ہمکلامی اور نبی کی بیٹی سے شادی جسکی تفصیل آگے آتی ہے)

فرمایا (اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے) یعنی مدین شہر میں ایک کنواں تھا اور یہ وہی اصحاب مدین کا کنواں ہے جسکا ذکر گذر چکا اور اسکے اہل تمام ہلاک کر دیئے گئے تھے اور وہ شعیبؑ کی قوم کے تھے۔ اور علماء کے دو قولوں میں سے ایک کے مطابق اہل مدین کی تباہی موسیٰ کے زمانے سے پہلے ہوئی تھی۔

اور انہی اصحاب کا نام اصحاب الایکہ بھی تھا۔ (اور جب آپ مذکورہ کنویں پر پہنچے تو اسپر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور انکے پیچھے دو عورتوں کو اپنے جانور روکتے پایا) یعنی وہ دونوں لڑکیاں اس غرض سے اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں کہ کہیں دوسروں کی بکریوں میں مل نہ جائیں۔ اور یہ دو لڑکیاں تھیں۔

جبکہ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ سات تھیں۔ یہ انکی غلطی ہے۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ کل بیٹیاں تو سات ہی ہوں لیکن یہاں پانی کی خاطر دو لڑکیاں آئیں ہوں۔ تو اب اہل کتاب کی بات اگر محفوظ طریق سے صحیح ثابت ہو کہ وہ کل لڑکیاں سات تھیں تب تو دونوں میں مذکورہ طریق کے مطابق موافقت اور ہم آہنگی پیدا ہو گی ورنہ قرآن کی رو سے جو حق ہے وہ دو لڑکیاں ہی تھیں۔ تو حضرت موسیٰ نے (پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگیں ہم جب تک پانی نہیں پلاتیں حتی کہ چرواہے چلے جائیں اور ہمارا باپ بڑی عمر والا بوڑھا ہے۔) یعنی ہم کمزور ہیں انکے ہوتے ہوئے پانی نہیں پلا سکتیں (اور ویسے بھی غیر مردوں میں گھس کر پانی پلانا حیا کے مانع ہے) اور ہمارے والد بھی بوڑھے اور انتہائی ضعیف ہیں وہ نہیں آسکتے (تو موسیٰؑ نے انکے لئے پانی پلا دیا)

مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ چرواہے جاتے وقت کنویں کے منہ پر بڑی سی چٹان رکھ کر اسکا منہ بند کر دیتے تھے اور یہ دونوں لڑکیاں آخر میں بچا کچا پانی اپنے جانوروں کو پلایا کرتی تھیں۔ تو جب یہ روز آیا تو حضرت موسیٰؑ نے آگے بڑھ کر اکیلے ہی اس عظیم الشان چٹان کو اٹھایا اور ان لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اور پھر پتھر جیسے تھا ویسے ہی رکھ دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس چٹان کو دس آدمیوں کے بغیر نہ اٹھایا جا سکتا تھا (اور اسی طرح ڈول بھی کئی ملکر نکالتے تھے لیکن) حضرت موسیٰؑ نے اکیلے پانی کا ڈول نکالا اور لڑکیوں کی تمام بکریوں کو کفایت کر گیا۔

پھر حضرت موسیٰؑ درخت کے سائے میں چلے گئے اور یہ درخت کیکر کا تھا۔ کیونکہ آپ نے اسی کو لہلہاتا سرسبز درخت دیکھا تھا۔ پھر پروردگار کے حضور التجاء کی (اے پروردگار جو آپ مجھ پر خیر بھیجیں میں اس کا محتاج ہوں) اسکی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آپ مصر سے مدین پہنچے تھے لیکن اب تک آپ نے

سوائے درختوں کے پتے اور کچھ سبزی کے کچھ نہ تناول کیا تھا اور دشوار گذار راستے کی وجہ سے آپکے جوتے بھی کہیں گر گئے تھے اور آپ برہنہ پا تھے توان حالات میں آپ بے کسی کے ساتھ درخت کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے جبکہ آپ اسوقت اللہ کی مخلوق میں اللہ کے سب سے خالص اور قریبی دوست تھے۔ لیکن آپ کا شکم مبارک پشت سے بھوک کی وجہ سے مل گیا تھا اور کھجور کے ایک ٹکڑے تک کے آپ محتاج تھے۔ عطاء بن السائب کہتے ہیں کہ آپکی دعا کہ پروردگار میں آپکی طرف بھیجی ہوئی خیر کا محتاج ہوں۔ آپ نے لڑکیوں کو سنائی تھی۔

جس پر یہ رد عمل ظاہر ہوا جسکو قرآن نے بیان فرمایا :۔

پھر (تھوڑی دیر میں) انمیں سے ایک عورت شرماتی چلی آئی اور کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں تا کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اسکی اجر دیں جب وہ انکے پاس آئے اور ان سے اپنا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہو۔ ایک لڑکی بولی کہ اباجان انکو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ) میں چاہتا۔ دل کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دوں اسپر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو گے اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے، میں تم پر تکلیف نہیں ڈالتا تم مجھے انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے موسیٰ نے کہا میرے اور آپکے درمیان یہ (عہد پختہ) ہے میں جو مدت چاہوں پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اسکا گواہ ہے۔[1]

یعنی جب حضرت موسیٰ فاقے اور مشقت سے لاچار ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھے اور دعا کی تو لڑکیوں نے وہ دعا سن لی پھر یہ اپنے گھر پہنچیں تو انکے والد ماجد کو حیرت ہوئی کہ آج اتنی جلدی یہ کیسے آگئی ہیں؟ تب انہوں نے حضرت موسیٰ کے متعلق خبر سنائی حضرت شعیبؑ نے ایک لڑکی کو حکم دیا کہ وہ اسکو بلا لائے (تو وہ شرم کے ساتھ چلتی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا میرے والد آپکو بلاتے ہیں تا کہ آپ کے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کی اجرت دیں) اور لڑکی نے یہ صراحت پہلے ہی سے اسوجہ سے کر دی تھی تا کہ موسیٰ کو کسی قسم کا شبہ اور شک پیدا نہ ہو اور یہ بات لڑکی کی حیا و شرم کو خوب ظاہر کرتی ہے (تو آپ اسکے پاس آئے اور انکو اپنا قصہ بیان کیا) یعنی اپنی تمام روداد بیان کی کہ کیا مصر میں ہوا اور پھر آپ ظالموں کے پنجے سے چھٹکارا پا کر یہاں تک آتے ہیں تو بوڑھے نے سن کر کہا کہ (خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں) یعنی انکی سلطنت و حکومت سے نکل کر آچکے ہیں اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔

لڑکیوں کے والد بزرگوار کے بارے اختلاف ہے کہ آیا یہ کون ہیں؟ اکثر اہل علم کے نزدیک مشہور تو یہی ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ ہیں۔ اور حسن بصریؒ اور مالک بن انسؒ نے اسپر تصریح فرمائی ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ ہی ہیں۔ اور ایک حدیث میں بھی انکے انہی کا نام ذکر ہے۔ تاہم اس حدیث کی اسناد میں نظر ہے۔ اور اسی طرح ایک جماعت نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد طویل عرصہ حیات رہے حتی کہ آپکو حضرت موسیٰ نے بھی پایا اور پھر آپ نے اپنی ایک بیٹی کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی شادی کی۔

---

[1] قصص ۲۵ تا ۲۸

اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خسر یہی تھے اور انکا اسم گرامی شعیب تھا اور کنویں والوں کے سردار تھے لیکن اہل مدین کے پیغمبر نہ تھے۔
اور ایک قول ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب کے بھتیجے تھے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت شعیب کے چچازاد بھائی تھے۔ اور یک قول ہے کہ حضرت شعیب کی قوم کے ایک شخص تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ انکا نام یثرون تھا اور اہل کتاب کی کتاب میں ہے کہ یثرون اہل مدین کا کاہن تھا۔ یعنی انکا پیشوا اور بڑا عالم تھا۔

اور ابن عباس اور ابو عبیدہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انکا نام یثرون تھا اور ابو عبیدہ نے مزید کہا کہ وہ شعیبؑ کا بھتیجا تھا۔ اور ابن عباسؓ نے مزید فرمایا کہ وہ صاحب مدین تھے۔
الغرض جو بھی تھے انہوں نے حضرت موسیٰ کو بطور مہمان کے اچھا ٹھکانہ فراہم کیا اور تمام گفتگو ہوئی اور حضرت موسیٰ کو تسلی دی کہ آپ بے فکر رہیں کیونکہ آپ ظالموں کے چنگل سے نجات پا چکے ہیں۔ تو پھر حضرت شعیبؑ کی ایک لڑکی نے اپنے والد کو درخواست کی کہ (اباجان آپ انکو کام پر رکھ لیجئے) تاکہ یہ آپکی بکریاں چرائیں پھر لڑکی نے حضرت موسیٰ کی تعریف بھی ان الفاظ میں کی کہ طاقتور اور امانت دار ہیں۔
عمر، ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق وغیرہ تمام حضرات فرماتے ہیں کہ جب لڑکی نے یہ بات کہی تو والد نے پوچھا کہ تجھے اس کا علم کیسے ہوا؟۔ جواب دیا کہ اس نے وہ چٹان اکیلے اٹھائی تھی جسکو کم از کم دس مرد ملکر اٹھا سکتے ہیں۔ اور جب میں اسکے ساتھ آنے لگی تو اسکے آگے ہو گئی لیکن اس نے کہا میرے پیچھے پیچھے چلو۔ اور جب راستہ مڑے تو کنکری پھینک کر راستے کی نشاندہی کر دو۔
حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ذہانت والے تین اشخاص گذرر ہے ہیں حضرت یوسفؑ کے آقا، جب انہوں نے اپنی بیوی کو حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا اسکا رہن سہن اچھا رکھو۔ اور حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی جب اس نے اپنے والد کو حضرت موسیٰ کے متعلق کہا (اے ابا جان انکو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں یہ سب سے زیادہ طاقت والے اور امانت دار ہیں)۔ اور حضرت ابو بکرؓ جب آپ نے اپنے بعد خلافت کیلئے حضرت عمرؓ کو منتخب فرمایا:
تو شعیبؑ نے بیٹی کی بات کے جواب میں حضرت موسیٰ کو فرمایا: (کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ آپکی شادی کر دوں (مگر) اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری اجرت کر دیں گے (اور) اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپکی طرف سے (احسان) ہوگا۔ اور میں آپ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا انشاء اللہ آپ مجھکو صابرین میں سے پائیں گے۔[لے]
احنافؒ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ اگر کوئی شخص یوں فروخت کرے کہ ان دو غلاموں یا ان دو لڑکیوں میں سے ایک فروخت کیا۔ تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ حضرت شعیبؑ نے فرمایا تھا ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے شادی کر دوں گا۔ لیکن اس میں کچھ ہلکی سی نظر ہے۔ واللہ اعلم

لے القصص ۲۷

اور حضرات حنابلہؒ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ کھانا کھلا دینے یا لباس دیدینے کے بدلے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ رواج ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث[1] سے دلیل پکڑی ہے کہ عتبہ بن ندر فرماتے ہیں ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر تھے۔ آپ نے طسم (سورہ قصص) کی تلاوت فرمائی آگے جب آپ موسیٰ کے قصے کو پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا۔ موسیٰ نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال کیلئے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور اپنے شکم کی کفایت کی اجرت پر پیش کیا۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ کی ہے لیکن اسمیں ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی دمشقی بداطی ائمہ کے نزدیک ضعیف ہیں جسکی وجہ سے محض اسکی متفرد حدیث سے استدلال و حجت نہیں پکڑی جاسکتی ہاں یہی حدیث ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق[2] سے نقل کی ہے۔ جس سے اسکی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت موسیٰ کے جواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔

موسیٰ نے (کہا یہ (عہد و پیاں) میرے اور آپکے درمیان ہوا۔ جو مدت میں پوری کردوں، مجھ پر کوئی جبر نہیں ہے اور جو ہم کہہ رہے ہیں اللہ اسپر نگہبان ہے۔[3]

حضرت موسیٰ نے اپنے خسر کو فرمایا کہ جو آپ نے فرمایا وہ طے ہوا۔ ٹھیک ہے۔ اور اب جو مدت بھی میں پوری کردوں مجھے اختیار ہے اور عہد و پیان اور قول و قرار پر خدا شاہد ہے اور ہم دونوں پر وکیل ہے۔

اور اس اختیار کے باوجود حضرت موسیٰ نے دونوں میں سے بڑی اور کامل مدت کو پورا فرمایا تھا یعنی پورے دس سال تک بکریاں چرائیں۔

امام بخاریؒ صحیح بخاری میں روایت فرماتے ہیں[4] کہ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مجھ سے اہل حیرہ کے کسی یہودی نے پوچھا حضرت موسیٰ نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پوری فرمائی تھی۔ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا ہاں عرب کے بڑے عالم کے پاس جاکر پوچھواسکتا ہوں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں پھر میں نے ابن عباسؓ سے سوال کیا آپؓ نے فرمایا: آپ نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور عمدہ کو پورا فرمایا اور بے شک اللہ کے رسول نے جب کہا تو کر دکھایا[5] اور یہ بات مفسر ابن جریرؒ نے بھی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے جبرائیل سے پوچھا دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت موسیٰ نے پوری فرمائی۔ تو کہا دونوں میں سے اکمل اور تمام (یعنی دس سال والی مدت) پوری

---

[1] ذالك الحديث الذى رواه ابن ماجه في سننه مترجما عليه في كتابه " باب استيجار الا جير على طعام بطنه ،، حدثنا محمد بن المصطفى الحمصى، حدثنا بقيته بن الو ليد، عن مسلمة بن على، عن سعيد بن ابى ايوب ، عن الحارث بن يزيد ، عن على بن رباح قال سمعت عتبة بن المندر ..... الخ [2] فقال ابن ابيحاتم حدثنا ابو زرعه حدثنا صفوان حدثنا الو ليد، حدثنا عبدالله لهيعة ، عن الحارث بن يزيد الحضر مي عن على بن رباح اللخمى قال سمعت عتبة بن الندر السلمى صاحب رسول الله ﷺ يحدث ان ...... الخ

[3] القصص ۲۸ [4] قال البخارى حدثنا محمد بن عبدالرحيم حدثنا سعيد بن سليمان حدثنا مروان بن شجاع عن سالم الافطس، عن سعيد بن جبير .... الخ [5] تفرد البخارى من هذا الوجه وقدرواه النسائى فى حديث الفتون ، كما سياتى من طريق القاسم بن ابى ايوب عن سعيد بن جبير۔

فرمائی۔[1]

[2] اور حضرت مجاہد سے مرسلاً حدیث مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے اسکے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت جبرئیلؑ نے آگے حضرت اسرافیلؑ سے استفسار کیا۔ حضرت اسرافیلؑ نے پروردگار عزوجل سے استفسار کیا تو پروردگار عزوجل نے فرمایا دونوں مدتوں میں سے زیادہ ابر (یعنی حسن سلوک والی) اور زیادہ وفا والی مدت کو پورا فرمایا۔

اس طرح ابن جریر نے محمد بن کعب سے اسکو روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا دونوں عرصوں میں سے کونسا عرصہ حضرت موسیٰؑ نے پورا فرمایا۔ آپ نے جواب مرحمت فرمایا: دونوں میں سے زیادہ وفا والا اور مکمل۔

[3] بزار اور ابن ابی حاتم نے (اضافے کے ساتھ یوں) روایت کیا ہے حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ موسیٰؑ نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت مکمل فرمائی؟ آپ نے جواب دیا دونوں میں سے زیادہ وفا اور حسن سلوک والی۔ اور فرمایا اگر تو یہ پوچھے کہ دونوں عورتوں میں سے کونسی سے شادی فرمائی تو چھوٹی سے شادی فرمائی۔

[4] اور نہی دو حضرات نے ایک دوسرے طریق سے اور کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بھی روایت کی ہے کہ عتبہ بن الندر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا موسیٰؑ نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور اپنے شکم کی کفالت (یعنی شادی اور طعام) کے بدلے اپنے آپ کو اجرت پر پیش کیا۔ (اور مدت اجرت کو مکمل کیا) آپ سے پوچھا گیا کونسی مدت کو پورا کیا؟ تو فرمایا زیادہ حسن سلوک والی اور زیادہ وفا والی۔

حضرت موسیٰؑ کا مدین سے کوچ

جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ سے الوداع ہونے کا قصد فرمایا تو اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے والد سے کہہ کر اتنی بکریاں لے لو جسکے ساتھ ہم گذر بسر کرسکیں۔ تو حضرت شعیبؑ نے اس سال ہر بکری کا وہ پیدا ہونے والا بچہ جو اپنی ماں سے رنگت میں مختلف ہو وہ تمام حضرت موسیٰؑ کے لئے عطیہ کردیئے۔

اور حضرت شعیبؑ کی تمام بکریاں سیاہ اور خوبصورت تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک ترکیب اختیار فرمائی (جو آپکے لئے بمنزلہ معجزہ کے تھی) کہ آپ نے اپنی لاٹھی لی اور سب بکریوں کو حوض پر پانی پلانے لے گئے اور خود حوض کے کنارے کھڑے ہوگئے۔ تو جب بھی کوئی بکری سیراب ہو کر واپس آتی تو حضرت موسیٰؑ

---

[1] وقدرواه ابن جرير عن احمد بن محمد ارطوسي ، وابن ابي حاتم عن ابيه كلاهما عن الحميدلي عن سفيان بن عيينه ، حد ثني ابراهيم بن يحي بن ابي يعقوب ، عن الحكم بن ابا ن عن عكرمه عنى ابن عباس الخ بن عيينه عن ابراهيم بن اعين عن الحكم بن ابان عن كرم عن ابن عباس ..... الخ [2] وقد رواه سنيد عن حجاج عن ابن جريح ، عن مجاهد مرسلاً [3] وقد رواه البزارو ابن ابي حاتم من حديث عويد بن ابي عمران الجوني. وهو ضعف ، عن ابيه عن عبدالله بن الصامت، عن ابي ذر .... الخ [4] وقد رواه البزارو ابن ابي حاتم من طريق عبدالله بن لهيعة ، عن الحارث بن يزيد الحضرمي عن على بن رباح، عن عتبة الندر ، ..... الخ

اسکے پہلو پر مارتے اس طرح ایک ایک بکری کر کے تمام کو گذارا جسکی وجہ سے اللہ کے حکم سے ہر بکری نے دو دو بچے جنے اور وہ بھی اپنے رنگت سے مختلف رنگ کے سوائے ایک یا دو بکریوں کے جنھوں نے اپنی رنگت کے بچے جنے اور بچے اچھی نسل والی بکریاں ثابت ہوئے۔ اور دودھ سے تھل تھل کرنے والی بکریاں بنیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: اگر تم شام کو فتح کر لو تو ان بکریوں کی باقی ماندہ نسل کو ضرور پاؤ گے اور وہ سانولے رنگ کی ہوں گی۔

اس حدیث کی مرفوعیت میں نظر ہے۔ اور بعض جگہ یہ موقوف بھی وارد ہوئی جیسے ابن جریر نے فرمایا۔...

[1] کہ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ جب اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ نے اپنے خسر کے ساتھ باہمی مدت کو مکمل کر دیا تو خسر نے انکو کہا۔ بکری کا ہر وہ بچہ جو اپنی ماں سے رنگت میں مختلف ہو وہ آپ کا ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے پانی پینے کی جگہ پر کچھ رسیاں اس طرح باندھ دیں کہ بکریوں نے جب انکو دیکھا تو وہ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگیں۔ پھر تمام بکریوں نے چتکبرے رنگ کے بچے دیئے سوائے ایک بکری کے۔

تو حضرت موسیٰؑ اس سال کے تمام بچوں کو لیکر چل دیئے۔

یہ حدیث مستند سند کی ہے اور اسکے رواۃ ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی طرح کا واقعہ حضرت یعقوبؑ اور انکے ماموں جو انکے خسر بھی تھے دونوں کے درمیان ہوا تھا جسکا ذکر گذر چکا ہے کہ ماموں "لابان" نے حضرت موسیٰؑ کیلئے وہ تمام بکریوں کے بچے عطیہ کر دیئے تھے جو چتکبرے رنگ کے ہوں اور حضرت یعقوبؑ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا جو حضرت موسیٰؑ نے کیا۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب موسیٰؑ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی، اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم ٹھہرو۔ مجھے آگ محسوس ہوئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینک سکو۔ جب اسکے پاس پہنچے تو میدان کے کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی تھی کہ اے موسیٰؑ میں تو خدائے رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چل دیئے۔ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا کہ) اے موسیٰؑ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔ (اور پھر ہم نے دوسری نشانی دی کہ کہا) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی عیب کہ سفید نکل آئے گا۔ اور خوف زدہ ہونے سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔ یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں (انکے ساتھ) فرعون اور اسکے درباریوں کے پاس (جاؤ) کیونکہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ [2]

جیسے گذرا کہ حضرت موسیٰؑ نے تام اور بڑی مدت پوری فرمائی تھی تو یہ قول اللہ کے اس فرمان سے بھی اخذ ہوتا ہے کہ فرمایا۔ پھر جب موسیٰؑ نے مدت کو پورا کر لیا۔ اور حضرت مجاہدؒ سے تو یہ مروی ہے کہ آپ نے

---

[1] قال ابن جریر حدثنا محمد بن المثنی حدثنا معاذ بن هشام، حدثنا ابی، عن قتادہ، حدثنا انس بن مالک

[2] القصص ۲۹ تا ۳۲

دس سال مکمل فرمائے اور اسکے بعد بھی دس سال اور مکمل فرمائے۔
اور فرمایا کہ اپنے اہل کو لیکر چلے۔ یعنی اپنے خسر اور انکے وطن کو خیر آباد کہا کیونکہ کئی مفسرین کے مطابق آپکو مصر میں اپنے گھر والے یاد آگئے تھے اور انکی زیارت کے مشتاق تھے تو اس قصہ سے اپنے اہل خانہ یعنی بیوی اور بکریاں اور انکے بچے یعنی آپکی ملکیت میں جو بھی نسل بڑھی تھی سب کو لیکر چلے اور آپ خفیہ طور پر مصر میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ راستے میں دوران سفر ایک مرتبہ انتہائی تاریک اور ٹھنڈی رات نے انکو آلیا۔ جسکی وجہ سے آپ حضرات راستہ بھٹک گئے۔ اور معروف راستے کو نہ پاسکے۔ پھر چقماق سے آگ جلانے کی بارہا کوشش کی لیکن ظلمت وٹھنڈک انتہائی سخت تھی جس کی وجہ سے آگ نہ جلی اور راستہ کا کچھ پتہ نہ چلا۔
توآپ اسی کشش وپنج میں تھے کہ کوہ طور پر دور آگ کا شعلہ بھڑکتا دکھائی دیا۔ اور کوہ طور آپکے دائیں طرف مغربی سمت میں تھا۔ توآپ نے آگ دیکھتے ہی (اپنے اہل کو کہا تم ٹھیرو میں نے آگ محسوس کی ہے) گویاآپ نے اسکوآگ محسوس کیااور سمجھا جبکہ یہ حقیقت میں تو نور (الہی) تھا۔ اور ہر ایک اسکودیکھنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔
پھر فرمایا (شاید میں وہاں سے کچھ خبر (راستے کی) لے آؤں یاآگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینک سکو) تو اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات انتہائی ٹھنڈی اور تاریک رات میں تھے اور راستہ بھٹک چکے تھے۔
جیسے اسی بات کو دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا: اور کیاآپ کے پاس موسیٰؑ کی خبر آئی۔ جب انہوں نےآگ کو دیکھا تو اپنے اہل کو کہا تم ٹھیرو میں نےآگ محسوس کی ہے شاید اس سے کوئی چنگاری لے آؤں یاآگ (کے مقام سے رستہ معلوم کرلوں۔)[1] اس سے رات کی تاریکی اور حضرت موسیٰ کا رستہ گم کرنا معلوم ہوا اور ان تمام باتوں کو سورۂ نمل میں یوں ارشاد فرمایا اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے اہل کو کہا میں نےآگ محسوس کی ہے میں جلد وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی بھڑکتا شعلہ لاتا ہوں تاکہ تم سینک سکو[2]
تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے اہل کو کہا میں وہاں سے خبر لاتا ہوں۔ تو بے شک آپ عظیم خبر لائے۔ کونسی خبر؟
اور بے شک وہاں سے سیدھا رستہ معلوم کرلیا۔ کون سا سیدھا راستہ؟ اور بے شک وہاں آگ کی بجائے نور حاصل کیا اور کونسا نور؟۔
تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب وہ اسکے پاس آئے تو انکو مبارک جگہ میں وادی کی دائیں طرف ایک درخت سے آواز دی گئی: اے موسیٰ میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار۔ (القصص)
اور سورۂ نمل میں یوں فرمایا: پھر جب وہ اسکے پاس آئے تو انکو نداء دی گئی کہ آگ میں اور جو کچھ اسکے ارد گرد ہے برکت دی گئی ہے۔ اور اللہ پاک ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[3] یعنی وہ بے شک پاک صاف اور قدرت والی ذات ہے جو چاہتی ہے کرتی ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتی ہے حکم دیدیتی ہے۔ آگے فرمایا اے موسیٰؑ بے شک میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا[4]

---

[1] طٰہٰ ۹۔۱۰، [2] نمل ۷، [3] نمل ۸۔۹

اور پھر اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ کو اس وادی مقدس میں طلب فرمایا اور اسکے آداب کے لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا فرمایا: پھر جب وہ اسکے پاس آگئے تو انکو آواز دی گئی! اے موسیٰ۔ میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دو بے شک تم مقدس وادی طوٰی میں ہو اور میں نے تم کو چن لیا ہے پس جو تم کو وحی کیا جائے اسکو (کان لگا کر) سنو۔ کہ بے شک میں اللہ ہی ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اسکا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اسپر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے نہ روک دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ ؎

متقدمین و متاخرین کئی مفسرین نے فرمایا ہے: جب حضرت موسیٰ دیکھی ہوئی آگ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کانٹے دار سبز درخت میں روشنی بھڑک رہی ہے آگ والی یعنی روشن جگہ خوب بھڑک رہی ہے اور اس کے باوجود درخت بھی اپنی سرسبزی و شادابی کی انتہاء پر ہے تو حضرت موسیٰ متعجب ہو کر دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور وہ درخت پہاڑ کے کنارے اور پہاڑ کے دائیں طرف مغرب سمت میں تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں فرماتے ہیں۔ (اے محمد) آپ (طور کی) غربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰؑ کی طرف اپنا فیصلہ کیا اور نہ آپ حاضرین میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ طوی نامی وادی میں تھے۔ اور قبلہ رو تھے۔ اور وہ درخت آپکے دائیں غربی جانب میں تھا۔ تب انکے پروردگار نے انکو مقدس وادی میں نداء دی۔ اور سب سے پہلے انکو اس مقدس و پاکیزہ وادی کی تعظیم تکریم اور توقیر کیلئے جوتے نکالنے کا حکم فرمایا۔

اور پھر اس رات کی بھی اپنی ایک خاص عظمت تھی۔ کہ اسمیں حضرت موسیٰؑ کو خدائے عزوجل سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل کتاب کے ہاں ہے کہ آپ نے اس نور کی شدت چمک دمک کی وجہ سے اپنی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھ لیا تھا۔ کیونکہ اپنی نگاہوں پر بھی خطرہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا انکے ساتھ کلام فرمایا اور فرمایا: بے شک میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں۔ ؎

اور دوسری جگہ فرمایا۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میری عبادت کر اور میری یاد کیلئے ہر نماز قائم کر۔ ؎ یعنی صرف میں ہی یکتا سب جہانوں کا پروردگار ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور عبادت اور نماز قائم کرنا بھی محض اسی کے واسطے زیبا ہے اور کسی کی عبادت و صلوۃ جائز نہیں۔

پھر اسکے بعد اللہ پاک نے قیامت کی طرف حضرت موسیٰؑ کی توجہ مبذول کروائی اور خبر دی کہ یہ دنیا دار القرار نہیں ہے۔ اور بے شک دار القرار جسے فنا نہیں وہ تو دار الآخرت ہے جسکا واقع ہونا اور موجود ہونا از حد ضروری ہے فرمایا: بے شک قیامت آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اسکو چھپاؤں تاکہ ہر نفس کو اسکی کوششوں کا بدلہ دیا جائے۔) ؎ یعنی ہر شخص جو بھی خیر یا شر کرے گا اسکا بدلہ اسکو ملے گا۔ اسطرح اللہ پاک نے اسی کیلئے عمل کرنے پر ابھارا اور اکسایا۔ اور آگے ان لوگوں کیساتھ ہم نشینی اختیار کرنے سے منع فرمایا جو خواہشات کی

؎ طٰہٰ ۱۱ تا ۱۶ ؎ القصص ۴۴ ؎ طٰہٰ ۱۴ ؎ طٰہٰ ۱۵

پیروی میں آخرت کے منکر ہو بیٹھے ہیں فرمایا:[1] پس آپ کو وہ شخص جو آخرت پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے آپکو (میرے ذکر سے) نہ روک دے پھر تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر اللہ آپکو اپنے سے مانوس کرتے ہیں اور آپکو خوب واضح کر دکھاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے اور ہر چیز اسکے کُن کی محتاج ہے پھر وہ چیز فیکون کا مظاہرہ کر دکھاتی ہے۔ آگے عجیب معجزہ کا ظہور ہے۔ تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا۔ (اور اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟)[2] یعنی وہ عصا جو آپ نے عرصے سے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے جسکو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ محض ایک لکڑی ہے آپ اسکے متعلق کیا کیا کہتے ہیں؟ موسیٰ نے (کہا یہ میری لاٹھی ہے اسکے ساتھ میں ٹیک لگاتا ہوں اور اسکے ساتھ میں اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اسمیں میرے لئے اور کئی فائدے ہیں)۔[3] یعنی میں اسکو عرصے سے پہچانتا ہوں اور ان ان کاموں میں استعمال کرتا ہوں تو اللہ نے (فرمایا اے موسیٰ اسکو ڈال دے۔ ڈالا۔ تو وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔)

یہ عظیم عادت کے خلاف بات تھی اور قطعی برہان ودلیل تھی کہ جو ذات اے موسیٰؑ تیرے ساتھ ہمکلام ہے بے شک اسکی شان یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو کن (ہو جا) کہے تو وہ فیکون یعنی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ذات بے شک جو چاہے کرنے والی ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک ہے حضرت موسیٰؑ نے از خود معجزے۔ اور نشانی کو طلب فرمایا تھا تاکہ مصر میں جو انکو جھٹلائیں انکو دکھا سکیں تب اللہ نے ان سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا: لاٹھی ہے۔ فرمایا: اسکو (زمین پر) ڈال دو (پھر ڈال دیا وہ اچانک سانپ بنکر دوڑنے لگا) موسیٰ اسکے آگے دوڑنے لگے اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور اسکو دم سے پکڑ لو تو جب حضرت موسیٰؑ کا اسپر ہاتھ پڑا وہ واپس عصا کی صورت میں آگیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔ ہم نے حکم دیا (اور اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر (موسیٰ نے) اسکو دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ سانپ ہے تو موسیٰؑ پیٹھ پھیر کر دوڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔)[4]

یعنی بہت بڑا عظیم جسم والا سانپ ہے، جو انتہائی موٹا اور ہولناک ہے اسکا عظیم منہ کھلا ہوا ہے۔

جسکو اژدھا کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ انتہائی تیز دوڑ رہا ہے جیسے کہ "جان" سانپ تیزی سے دوڑتا ہے۔ اور یہ سانپوں میں ایک انتہائی چھوٹی اور سریع الحرکت قسم ہے یعنی جسم میں تو پتلا اور چھوٹا ہوتا ہے اور حرکت ودوڑ میں بہت تیز ہوتا ہے جسکو جان اور جنان کہا جاتا ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی سے بنے ہوئے اژدھے میں یہ تمام متضاد صفات بیک مجتمع تھیں۔ تو موسیٰؑ نے اسکو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت اسی کا تقاضا کرتی تھی۔ اور حضرت موسیٰ نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تب انکے پروردگار نے انکو نداء دی (اے موسیٰؑ آگے بڑھ اور خوف نہ کر۔ بے شک تو امن پانے والوں میں سے ہے)۔[5]

تو حضرت موسیٰؑ حکم الٰہی سنتے ہی واپس مڑے تو پھر حکم الٰہی ہوا (فرمایا: اسکو پکڑ اور خوف مت کر ہم اسکو

---

[1] طٰہٰ ۱۶۔ [2] طٰہٰ ۱۷۔ [3] ۱۹-۲۰
[4] نمل ۱۰۔ [5] القصص ۳۱۔

پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔)[1] کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ ازحد خوفزدہ ہو چکے تھے اور جب پکڑنے لگے تو اپنے کرتے کی آستین میں ہاتھ لپیٹ کر اسکے منہ میں رکھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک اسکی دم سے پکڑا۔ تو جیسے ہی سانپ پر آپ کا ہاتھ ٹھہرا سانپ لکڑی کی صورت میں واپس آگیا۔ اور اب یہ پہلے کی طرح دوسروں والی لاٹھی تھی اور بس۔ پس بے شک وہ اللہ پاک ہے، عظیم قدرت والا ہے مشرق و مغرب کا رب ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسری نشانی عطا کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور پھر نکالو تو حضرت موسیٰ نے ہاتھ ڈالکر دوبارہ نکالا تو وہ ایک چاند کی طرح بالکل سپید چمک رہا ہے اور بغیر کسی بیماری کے نہ ہی برص کی بیماری ہے نہ ہی کوئی اور۔ الغرض صرف معجزہ کی بناء پر انتہائی چمکتا ہو آفتاب بن گیا ہے اسی کو اللہ نے یوں فرمایا (اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی بیماری کے (چمکتا ہوا) سفید نکلے گا اور (جب) خوف ہو تو (واپس) اندر ڈال دے (تو وہ پہلے کی طرح عام ہاتھ ہو جائے گا)[2]

یعنی جب ہاتھ کو اس نئی حالت میں دیکھ کر خوف ہو تو واپس اپنے دل پر ہاتھ رکھ اور پہلے جیسا عام ہاتھ ہو جائے گا۔

یہ ہاتھ کو دل پر رکھنے سے خوف کا زائل ہونا بتایا۔ اگر چہ یہ حضرت موسیٰ کی خاصیت ہے۔ مگر ایمان کی برکت سے جو شخص بھی پیروی رسول کرتے ہوئے ایسا کرے گا اس کا خوف جاتا رہے گا یعنی جب بھی کوئی خوف و ڈر لاحق ہو تو وہ شخص اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لے۔ انشاء اللہ ڈر اور خوف زائل ہو جائے گا۔

اور سورۃ نمل میں فرمایا: (اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر تو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید (اور چمکتا ہوا) نکلے گا تو نشانیوں میں (سے دو نشانیاں ہوئیں انکو لیکر جاؤ) فرعون اور اسکی قوم کے پاس بے شک وہ مجرم قوم ہے) یعنی یہ دو نشانیاں لاٹھی اور ہاتھ تمہارے پاس خدائی دلیل ہے جنکی طرف سورہ قصص میں اشارہ فرمایا کہ (پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے رب کی طرف سے (انکو لیکر جاؤ) فرعون اور اسکی قوم کے پاس بے شک وہ فاسق قوم ہیں)۔[3]

ان آیات میں نو نشانیوں کا ذکر فرمایا جن میں سے دو کی صراحت فرمادی اور باقی سات ان دو سمیت سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں مذکور ہیں فرمان باری ہے اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطاء فرمائیں پس بنی اسرائیل سے سوال کرو۔ جب موسیٰ انکے پاس آئے تو فرعون نے انکو کہا اے موسیٰ میں تو تجھ کو مسحور (جادو زدہ) سمجھتا ہوں۔ کہا تو خوب جانتا ہے ان (نشانیوں) کو سوائے آسمانوں و زمین کے پروردگار کے اور کسی نے نازل نہیں کیا۔ (تمہارے) سمجھانے کیلئے اور اے فرعون میں خیال کرتا ہوں تم ہلاک ہو جاؤ گے۔[4]

یہاں صرف انکی تعداد کا ذکر فرمایا ہے اور سورۂ اعراف میں انکو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا۔ فرمایا: اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ تو جب انکو آسائشیں حاصل ہوتی تو کہتے ہیں ہم اسکے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور انکے ساتھیوں کو بدشگون کرتے۔ دیکھو انکی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے۔ لیکن انمیں اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے تم ہمارے پاس (خواہ) کیسی ہی

---

[1] طہٰ ۲۱، [2] القصص ۳۲، [3] قصص ۳۲ [4] بنی اسرائیل ۱۰۱۔۱۰۲

نشانی لاؤ تاکہ تم ہم پر جادو کرو مگر ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تو ہم نے انپر طوفان اور ٹڈیوں اور جوئیں اور مینڈک اور خون ... کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ اکڑتے ہی رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔ اور یہ تو آیات اللہ کی قدرت اور حضرت موسیٰ کے سچا ہونے پر دلیل ہیں اور انکے علاوہ وہ دس شرعی آیات یعنی احکامات جو اللہ نے بنی اسرائیل کو فرمائے تھے مثلاً سود نہ کھانا، ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو وہ دس آیات شرعیہ ہیں اور یہ نو آیات قدرتیہ ہیں۔ دونوں جدا جدا ہیں۔ یہ تفصیل اسلئے عرض کی گئی کہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں یعنی وہ دس کلمات شرعیہ ہی ہیں جنکا ذکر آیت میں ہوا جو صحیح نہیں۔ الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دو انشانیاں دیکر فرعون اور اسکے ہم نشینوں کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت موسیٰ نے کہا پروردگار میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا تھا تو مجھے خوف ہے کہیں وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرا بھائی ھارون زبان میں مجھ سے زیادہ واضح ہے تو اسے بھی میرے ساتھ مددگار بنا کے بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے (کیونکہ) مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا ہم جلد تیرے بھائی کے ساتھ تجھے تقویت دیں گے اور تم دونوں کیلئے دلیل بنا دیں گے پس وہ (فرعون اور اسکی آل) تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی وجہ سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہو کر رہیں گے۔[1]

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے بندے اور رسول اور اپنے ہمکلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ہم نے انکو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ پروردگار میں مصر میں انکی ایک جان کو قتل کر کے فرعون سے بچتا ہوا آگیا تھا۔ اور میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بطور رسول کے بھیج دیجئے تاکہ وہ میری مدد کریں اور وہ مجھ سے زبان میں بھی زیادہ اچھے بولنے والے ہیں۔ لہذا انکو میرا وزیر بنا دیجئے جو میرے لئے بہتر مددگار اور اچھے متکلم ثابت ہوں۔

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ہمکلام کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے فرمایا ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کیلئے اپنی طرف سے غالب نشانی دیں گے یعنی ایسی دلیل و برہان عطا کریں گے کہ وہ تم کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہیں گے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: کہا پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے اور میرا کام مجھ پر آسان فرما دیجئے اور میری زبان سے گرہ (لکنت) کھول دیجئے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔[2]

کہا گیا ہے کہ آپکی زبان مبارک میں کچھ ہلکا پن سا تھا۔ کیونکہ بچپن میں آپنے اپنی زبان پر انگارہ رکھ لیا تھا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ آپ نے اپنے بچپن میں فرعون کی داڑھی پکڑی تھی تو فرعون آپکے قتل پر تل گیا تب آسیہ نے کہا یہ تو بچہ ہے (اس نے جان کر نہیں کیا اسکو تو کچھ شعور نہیں ہے) خواہ آپ اسکے سامنے کھجور اور انگارہ رکھ کر آزمائیں تو فرعون نے آپ کی عقل کا اندازہ کرنے کیلئے یہ کیا۔ (آپ تھے واقع عقل مند) لہذا کھجور کی طرف ہاتھ بڑھانے لگے تو فرشتے نے آکر آپکا ہاتھ انگارے کی طرف پھیر دیا تو حضرت موسیٰ کا ہاتھ انگارے

---

[1] القصص ۳۲۔۳۵ [2] طٰہٰ ۲۵ تا ۲۸

میں پہنچا تو آپ نے جلدی سے اسکو زبان پر رکھ لیا جسکی وجہ سے آپکو زبان میں ہکلا پن ہو گیا۔ تو اب خدا سے ہمکلامی کے وقت آپ نے اس کے اس حد تک دور ہونے کی دعا کی کہ وہ بات سمجھ سکیں جیسے دعائیں اوپر گذرا۔ اور بالکل ختم کی دعا نہ فرمائی۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: رسول صرف اسی قدر سوال کرتے ہیں کہ انکی حاجت برازی ہو جائے اور بس۔ اسی وجہ سے موسیٰؑ کی زبان میں پھر کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی۔ اور اسی وجہ سے فرعون نے اللہ اسکا برا کرے حضرت موسیٰؑ پر یہ عیب بھی لگایا تھا کہا تھا (اور وہ (اپنے مافی الضمیر کو) بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا)[۱] تو یہ کیسے رسول ہوگا۔

اور زبان کی صحت کی درخواست کے بعد ایک دوسری التجاء کی کہ (اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری قوت کو مضبوط کر دیجئے۔ اور اسے میرے کام میں شریک فرما دیجئے تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں۔ اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ تو ہم کو (ہر حال میں) دیکھ رہا ہے فرمایا اے موسیٰ: تمہاری دعا قبول کی گئی۔[۲]

یعنی آپکی تمام درخواستوں کو ہم نے قبول کیا اور جو آپ نے طلب کیا وہ سب ہم نے آپ کو عطا کیا۔

یہ حضرت موسیٰ کی خدائے عزوجل کے ہاں وجاہت ومرتبت ہے کہ اپنے بھائی کیلئے رسالت کی سفارش کی تو فوراً قبول ہوئی اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے اور موسیٰؑ اللہ کے ہاں وجیہہ یعنی صاحب مرتبہ تھے اسوجہ سے اللہ نے ان کے بھائی کو بھی رسالت کے عمدہ ورفیع مرتبے پر سرفراز فرما دیا۔ فرمایا (اور ہم نے اپنی رحمت سے اسکے لئے اسکے بھائی ھارون کو نبی (بنا کر) دیا)[۳]

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے سفر حج کے موقع پر ایک آدمی کو یہ سوال کرتے سنا: کہ وہ کون سا بھائی ہے جس نے اپنے بھائی پر اعتماد و بھروسہ کیا؟ تو حضرت عائشہؓ نے اپنے ہودج (ڈولی) کے ارد گرد لوگوں سے فرمایا وہ موسیٰ بن عمران ہیں انہوں نے اپنے بھائی ہارون کے متعلق بارگاہ خداوندی میں سفارش کی تھی (کہ انکو نبی بنا دیجئے وہ میرے مددگار ہوں گے) اسی کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (اور ہم نے اس (موسیٰ) کو اسکا بھائی (پیغمبر بنا کر) دیا)۔

سورۂ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں

اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ (یعنی) فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا یہ ڈرتے نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کے یہ مجھے جھوٹا سمجھیں گے۔ اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے۔ آپ ھارون کو حکم فرمائیں (کہ وہ میرے ساتھ چلیں) اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے۔ لہذا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

فرمایا: ہرگز نہیں۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ پس فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (اور اسلئے یہاں آئے ہیں) کہ آپ

---

[۱] زخرف ۵۲، [۲] طٰہٰ ۲۹ تا ۳۲ [۳] مریم ۵۳،

بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ (فرعون نے موسیٰ سے) کہا: کیا ہم نے اپنے اندر تمہاری بچپن سے پرورش نہیں کی؟ اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر نہیں کی؟ اور تم نے ایک اور (قتل کا) کام کیا تھا جو تم سے ہوا۔ تو کیا (اب) ناشکرے ہوئے ہو؟ [1]

مذکورہ فرمان خداوندی کی تفصیل یہ ہے کہ پھر دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور خدائی پیغام اسکو پہنچایا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کر اور اپنی قید سے ظلم وستم اور قبضے سے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو چھوڑ دے تاکہ وہ جہاں چاہیں اپنے پروردگار کی توحید وعبادت بجالائیں اور اللہ کی عبادت اور اس سے دعاو مناجات کیلئے فارغ ہو جائیں لیکن فرعون نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور سرکشی وفساد پر برقرار رہا اور موسیٰؑ کو ازراہ تحقیر طعن وملامت کرنے لگا۔

کیا ہم نے بچپن میں اپنے ہاں تیری پرورش نہیں کی؟ اور کیا تو عرصہ دراز ہم میں زندگی بسر نہ کرتا رہا؟ یعنی کیا تو وہی نہیں ہے جسکی ہم نے اپنے گھر میں پرورش کی؟ اور اس پر احسان کئے انعام کئے اور اسمیں ایک مدت دراز گذر گئی۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ جس فرعون سے فرار ہوئے تھے۔ تو رسول بھی اسی کی طرف بنا کر بھیجے گئے۔

(کیونکہ فرعون اس کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا اور یہ اسکا لقب ہوتا تھا اسلئے اس امر کی صراحت پیش آئی۔ م۔) جبکہ اہل کتاب اس پر مصر ہین کہ یہ فرعون وہ نہ تھا جس سے حضرت موسیٰؑ بھاگ کر گئے تھے بلکہ وہ تو حضرت موسیٰؑ کے مدین میں اقامت کے دوران وفات کر گیا تھا۔ اور پھر آپکو دوسرے فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ (لیکن اہل کتاب کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ مذکورہ آیت قرآنی کے مخالف ہے)

اور آگے فرعون موسیٰؑ کو کہتا ہے (اور تو نے کیا جو کیا اور (اب) تو ناشکروں میں سے ہو رہا ہے) یعنی پہلے تو یہاں ایک قبطی جان کو قتل کر گیا تھا۔ اور اس ڈر سے ہم سے بھاگ گیا تھا اور اب ان تمام نعمتوں کا تو انکار کر رہا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا (کہا مجھ سے وہ اچانک سرزد ہو گیا تھا اور (اسوقت) میں بہکنے والوں میں سے (ہو گیا) تھا) یعنی وہ واقعہ مجھ پر نزول وحی سے قبل ہوا تھا (پس مین تم سے خوف کرتا ہوا بھاگ گیا تھا۔ پھر میرے رب نے مجھے نبوت دی اور مجھے رسولوں میں سے بنا لیا) اسکے بعد حضرت موسیٰؑ فرعون کے تربیت وپرورش کے احسان جتلانے کا جواب دے رہے ہیں (اور (کیا) یہی احسانات ہیں جو آپ نے مجھ پر کئے۔ (اور انہی کی وجہ سے) آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے) یعنی جن انعامات واحسانات کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ بنی اسرائیل کے صرف فرد واحد پر تو کئے ہیں جبکہ تم نے اس عظیم الشان قوم بنی اسرائیل کو اپنی بھگار پر لگا رکھا ہے ان سے خدمت لیتے ہو اپنے کام کاج میں لگا رکھتے ہو گویا بالکل غلام بنا رکھا ہے۔ تو وہ آپ کو نظر نہیں آتا؟ صرف بنی اسرائیل کے شخص واحد پر کئے گئے احسانات یاد ہیں۔؟

فرعون نے کہا سب جہانوں کا مالک کون ہے؟ کہا (جو) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

---

[1] الشعراء ۱۰ (تا ۱۹)

سب کا پروردگار ہے (وہی سب جہانوں کا مالک ہے) بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔ (فرعون نے) اپنے ارد گرد لوگوں سے کہا کیا سنتے نہیں ہو؟ (کہ یہ کیسی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ موسیٰ نے) کہا (وہ) تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی پروردگار ہے کہا کہ یہ پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے۔ (موسیٰ نے) کہا وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ انکے درمیان ہے۔ سب کا پروردگار ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔[1]

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان جو بات چیت اور مناظرہ و مباحثہ ہوا اسکو اللہ پاک نے مذکورہ آیتوں میں بیان فرمایا ہے اور فرعون پر حضرت موسیٰؑ نے جو دلیل عقلی و حسی قائم کی انکا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے پروردگار عالم کے معبود حقیقی کو ثابت کیا کیونکہ پہلے فرعون اللہ تبارک و تعالیٰ کے صانع اور قادر ہونے کا انکار کر چکا تھا۔

اور اپنے جھوٹے وہم و خیال میں اپنے معبود ہونے کا زعم کر بیٹھا تھا جسکے بارے میں قرآن میں یوں آیا فرعون نے پھر نوکروں کو جمع کیا پھر پکارا اور کہا میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں اور دوسری جگہ یوں ذکر آیا ہے۔

(اور فرعون نے کہا اے بڑے لوگو: میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا)[3]

اور فرعون محض عناد اور سرکشی کی بناء پر خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا ورنہ اسکو بھی خود یقین تھا کہ وہ صرف ایک بندہ الٰہی ہے اور اللہ ہی اسکا رب ہے۔ اور اللہ جو خالق اور باری اور مصور ہے وہی یقیناً معبود برحق ہے۔ جیسے قرآن میں ہے۔ (اور انہوں نے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے انکا انکار کیا اور نہ تو انکے دل انکا یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لو مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟)۔[4]

اور فرعون کو اللہ کے معبود برحق ہونے کا یقین تھا تبھی اس نے حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا انکار کیا اور پوچھا کہ اچھا وہ پروردگار جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے (وہ کون ہے؟) کیونکہ دونوں بھائی پہلے کہہ چکے تھے (بیشک ہم جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں) تو اسوجہ سے فرعون نے پوچھا تھا کہ اچھا وہ رب العلمین کون ہے؟ جس نے تمھیں بھیجا ہے اور نبی بنایا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے پہلے جواب دیا (کہا (وہ جو) آسمانوں اور زمین اور انکے درمیان تمام چیزوں کا پروردگار ہے اگر تم کو یقین ہو)۔ یعنی یہ جو آسمان اور زمین مشاہدے میں نظر آرہے ہیں انکا جو خالق و مالک ہے اور ان کا جو ان کے درمیان بے شمار مخلوقات بادل، ہوائیں، بارش، نباتات حیوانات ہیں جنکے متعلق ہر ایک کا خیال ہے کہ یہ خود وجود میں نہیں آسکتیں۔ بلکہ ان سب کیلئے کوئی موجد اور پیدا کرنے والا خالق ضروری ہے۔ تو وہ وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اسی نے ہم کو تیری طرف بھیجا ہے۔

فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھے امراء وزراء اور دیگر مصاحبین کو حضرت موسیٰؑ کا مذاق اڑاتے ہوئے اور ازارہ حقارت و عیب کے کہا: کیا تم سنتے ہو؟

پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور انکے ہم نشینوں سب کو مخاطب ہو کر فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی پروردگار ہے۔ یعنی اس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء واجداد کو بھی پیدا کیا ہے اور

---

[1] الشعراء ۲۲ تا ۲۸، [2] النزعٰت ۲۳۔ ۲۴ [3] القصص ۳۸ [4] نمل ۱۴،

گذشتہ تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور بے شک تمام لوگوں کو کھُلی یقین ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا اور نہ ہی انکے ماں باپ نے بلکہ وہ تو محض ایک ذریعہ ہیں۔ اور پھر کوئی چیز بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو حاصل کلام معلوم ہوا کہ ان تمام کو اللہ رب العٰلمین نے پیدا فرمایا ہے۔

اس طرح حضرت موسیٰؑ نے پہلے زمین و آسمان اور دیگر اشیاء کی تخلیق کا ذکر فرمایا پھر خود ان مخاطبین انسانوں اور انکے آباء اجداد کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی ان دو چیزوں کو دوسری جگہ فرمایا:

عنقریب ہم انکو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور انکے اپنے نفسوں میں حتی کہ انکے لئے یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ وہ (اللہ) حق ہے۔[1]

لیکن فرعون ان تمام نصائح کے باوجود غفلت سے بیدار نہ ہوا اور اپنی گمراہی سے نہ نکلا بلکہ اپنی سرکشی اور عناد اور کفر میں پکا ہو گیا۔ اور (کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، بے شک مجنون ہے۔

لیکن حضرت موسیٰؑ نے اپنے پروردگار کی ربوبیت کو مزید بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ مشرق و مغرب اور انکے درمیان کا پروردگار ہے اگر تم کو عقل ہو۔ یعنی یہ چمکدار ستارے سیارے جو آسمان میں اپنے اپنے محور کے اندر محو سفر ہیں انکو اس کام میں لگانے والا وہ اللہ ہی ہے اور اسی نے تاریکی اور روشنی کو پیدا فرمایا ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور اولین اور آخرین کا پروردگار ہے آفتاب و ماہتاب اور چلنے اور ٹھہرے رہنے والے تمام ستاروں سیاروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ رات کو تاریکی بخشنے والا اور دن کو روشنی سے منور کرنے والا ہے۔ اور یہ تمام اسکے قہر اور اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے اور آسمان میں تیرتے رہتے ہیں اور تمام اوقات ایک دوسرے کے پیچھے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ تو پس سب کچھ یہ کرنے والا وہ بلند ذات ہے جو خالق ہے مالک ہے اور اپنی مخلوق میں اپنی چاہت کے مطابق تصرف کرنے والی ہے۔

الغرض جب فرعون پر حجت تام ہو گئی اسکا شبہ ختم ہو گیا اور اسکے پاس سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے کچھ باقی نہ رہا تو پھر اپنی حاکمیت وجاہت و سطوت کا سہارا لیتے ہوئے (گویا ہوا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔ کہا کیا اگر چہ میں تیرے پاس واضح چیز لے آؤں؟ کہا لے آ اگر تو سچا ہے۔ تو (موسیٰؑ نے) اپنے عصا کو ڈال دیا تو وہ کھلا اژدھا ہو گیا اور اپنے ہاتھ کو (گریبان میں سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے روشن چمکدار ہو گیا۔)[2]

ان دو دلیلوں کے ساتھ اللہ نے موسیٰؑ کی تقویت فرمائی تھی اور یہ عصا (لاٹھی) اور ہاتھ تھا اور یہ خلاف عادت اور عظیم ترین معجزہ تھے، جن سے عقلیں اور نگاہیں دنگ رہ گئیں تھیں کہ حضرت موسیٰؑ نے پھینکی تو لاٹھی ہے لیکن وہ ایسا اژدھا ہو گیا جو عظیم منہ والا اور انتہائی بڑی جسامت والا موٹا اژدھا تھا۔ اور ایسا خوفناک گھبراہٹ طاری کرنے والا منظر پیش کر رہا تھا، کہا گیا ہے فرعون نے یہ ہیبت ناک منظر دیکھا اور مشاہدہ کیا تو اسپر انتہائی رعب اور خوف طاری ہو گیا حتی کہ ایسے دست لگ گئے کہ ایک دن میں چالیس مرتبہ سے بھی

---

[1] فصلت ۳۵ [2] الشعراء ۲۹ تا ۳۳

زائد دفع اسکو قضاء حاجت پیش آنے لگی۔ جبکہ پہلے چالیس دن میں ایک مرتبہ سے زائد قضاء حاجت پیش نہ آئی تھی اور اب معاملہ بالکل بر عکس ہو چکا تھا۔ (یعنی ایک دن میں چالیس مرتبہ)

اور اسی طرح جب حضرت موسیٰؑ نے اپنا دست مبارک اپنے گریبان میں ڈالکر نکالا تو سب نے دیکھا کہ وہ چاند کی ٹکیہ کی طرح چمک دمک رہا ہے اور تیز روشنی سے آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے پھر اس چاند کو دوبارہ گریبان میں ڈال کر نکالا تو پس پہلے کی طرح کا ایک ہاتھ تھا۔ لیکن یعنی فرعون ان تمام خدائی کرشموں کو دیکھ کر بھی ایمان سے سر فراز نہ ہوا۔ اور ان نشانیوں سے کچھ بھی نفع نہ اٹھایا بلکہ اپنی پہلی حالت پر ڈٹا رہا اور ان نشانیوں کے جواب میں کچھ نہ بن پڑا تو انکو سحر و جادو قرار دیدیا۔ اور کہا یہ سب کچھ جادو کے سوا کچھ نہیں۔ پھر بجائے ماننے کے جادو کیساتھ انکے مقابلے کی سوچ میں پڑ گیا۔ اور اپنے کارندوں کو اپنی سلطنت کے اطراف و اکناف میں پیغام دیکر بھیج دیا کہ جو بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں فرعون کے دربار میں جمع ہو جائیں اسکا بیان کچھ آگے چل کر تفصیل کے ساتھ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(اے موسیٰ) پھر تم کئی سال مدین میں ٹھیرے رہے۔ پھر اے موسیٰ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آپہنچے اور میں نے تم کو اپنے کام کیلئے بنایا ہے۔ تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ دونوں کہنے لگے ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکش ہو جائے گا۔ فرمایا ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سنتا اور دیکھتا ہوں۔

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے ہمکلام موسیٰؑ کو اس رات کا ذکر یاد دلا رہے ہیں جس رات میں انپر وحی کی گئی اور نبوت کے عظیم مرتبے پا فائز کئے گئے اور اپنی خاص نشانیاں دیں۔ اور اشارہ فرمایا کہ اے موسیٰؑ جب تو فرعون کے گھر میں تھا تب بھی میں تجھے دیکھ رہا تھا اور تو میری حفاظت، تربیت، اور میرے رحم و کرم پر تھا پھر میں نے تجھ کو اپنی مشیت و قدرت اور تدبیر کے ساتھ سر زمین مصر سے نکال کر سرزمین مدین میں بسایا۔ اور وہاں تو نے سالہا سال بسر کئے اور پھر میری طرف سے اس مدت کا جو وقت تھا اسکو پورا کر کے واپس آیا۔ اور یہ تمام کچھ میری تقدیر اور تدبیر کے تابع ہوا۔ اور پھر میں نے تجھے اپنے لئے بنالیا یعنی اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کیلئے تجھ کو منتخب کر لیا۔

پھر ہم نے تجھ کو دعوت کیلئے بھیجا (تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لیکر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا) یعنی جب تم فرعون کے پاس آؤ تو میرے ذکر کو یاد رکھنا یہ، چیز تمہارے لئے اسکے ساتھ گفتگو اور جواب دہی اور اقامت حجت اور اسکو نصیحت کرنے میں مدد بہم پہنچائے گی۔

بعض احادیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک میرا بندہ اپنے ساتھی سے ملاقات کے وقت میرا ذکر کرتا ہے۔

اور اسی کی تائید میں فرمان خداوندی ایک اور جگہ یوں آیا: اے ایمان والو جب تمہاری (دشمن کی) جماعت

سے مُنہ پھیر ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم تھا کہ فرعون اپنے کفر وعناد اور ضد پر اڑا رہے گا۔ اور جسکی وجہ سے یہ مخلوق میں خدا کے نزدیک سب سے بدتر بھی تھا لیکن اسکے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے رحم وکرم نرمی ومہربانی اور لطف وعنایت کو ملاحظہ کیجئے کہ اپنے محبوب اور ہمکلام اور اسوقت کی عظیم الشان شخصیت کو اس کافر کے متعلق فرمارہے ہیں کہ نرمی سے بات کرنا۔ یہ اللہ کا اپنی مخلوق پر نہایت درجہ لطف وکرم تھا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو بھی اسی طرح وعظ ونصیحت فرمائی : فرمایا :۔

(اے پیغمبر) تم لوگوں کو حکمت اور اچھے طریقے سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔[1]

اور دوسری جگہ فرمایا : اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو اچھا ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں فرمان الٰہی ہے :۔ دونوں اسکو نرم بات کہو : یعنی یہ بات معذرت و خیر خواہی کیساتھ اسے سمجھاؤ کہ تیرا پروردگار ہے اور ہمیں دوبارہ آخرت میں لوٹایا جائے گا۔ اور تیرے سامنے جنت وجہنم ہو جائیں گے۔ (لہذا اپنی عاقبت کا خیال کر)

اور وھب بن منبہؒ فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے اے موسیٰ وھارون اسکو نرم بات کہو اسے سمجھاؤ کہ میں غضب وعذاب کی نسبت عفو ودرگذر کے زیادہ قریب ہوں تیرے لئے بھی ہمارا در رحمت وا ہے۔ اور حضرت یزید رقاشی اس آیت کے موقع پر فرماتے ہیں اور وہ ذات جو اپنے دشمن سے بھی اس قدر محبت رکھتی ہے تو جو تیرا دوست ہے اور تجھ سے سرگوشیاں کرتا ہے اسکے ساتھ تیری محبت کا کیا حال ہوگا؟۔

توجب اللہ پاک کا حکم ہوا کہ جاؤ اور جاکر نرمی سے نصیحت کرو تو (دونوں نے عرض کیا : ہمارے پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکش ہو جائے گا) کیونکہ فرعون جبر وستم اور کینہ پرور مردود شیطان تھا۔ مصر کے اطراف واکناف میں دور دراز تک اسکی سلطنت تھی۔ وجاہت ومرتبہ تھا، بڑے بڑے لشکر تھے۔ تو اسوجہ سے طبعی طور پر دونوں بھائیوں نے کچھ خوف محسوس کیا کہ کہیں وہ فرعون پہلے ہی مرحلے پر انکے ساتھ ظلم وستم کا برتاؤ شروع کردے۔ تب بلند ذات الہی نے انکو ثابت قدمی کی تلقین کی۔ اور بے شک وہ ذات بلند وبالا ہے فرمایا (خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں)۔ اسی طرح دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا : (ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں)۔[2]

پھر اللہ پاک نے انکے فرعون کے پاس جانے کو بیان فرمایا (پس وہ دونوں اس کے پاس آئے پھر کہا ہم تیرے پروردگار کی طرف سے قاصد ہیں۔ لہذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور انکو عذاب مت دے۔ بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لیکر آئے ہیں۔ اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے بے شک ہم کو وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)۔[1]

---

[1] نحل ۱۲۵، [2] الشعراء ۱۵،

تو اللہ نے انکو حکم دیا کہ فرعون کو جا کر اللہ کی طرف بلائیں کہ اس کی عبادت کرو وہ وحدہ لاشریک ہے اور کہو کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور اپنے عذاب اور قہر سے اور قید سے انکو رہائی دیدے۔ اور ہم بطور نشانی کے تیرے پاس وہ لاٹھی اور چمکتا ہاتھ لائے ہیں۔ اور سلامتی تو اسی پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور یہاں فرعون کو سلام کرنے میں بہت عمدہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اگر تو پیروی کرے تو تجھ پر سلام ہے اسطرح اس سلام میں بھی دعوت کا عظیم فائدہ مد نظر رکھا۔ پھر آگے نہ ماننے اور جھٹلانے پر ڈرایا دھمکایا (بے شک ہم کو وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے گا اور منہ موڑے گا اسپر عذاب ہے) یعنی اپنے دل کے ساتھ حق کو جھٹلایا اور اپنے جسم کے ساتھ عمل سے منہ موڑا تو وہ شخص عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

حضرت سدیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ جب مدین سے تشریف لائے تو اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے پاس پہنچے اور وہ رات کا کھانا تناول فرمارہے تھے۔ اور کھانے میں شلغم تھا۔ تو حضرت موسیٰؑ بھی انکے ساتھ کھانا تناول کرنے میں شریک ہوگئے فراغت کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ھارون سے کہا اللہ نے ہم دونوں کو حکم دیا ہے کہ ہم فرعون کو اللہ رب العزت کی عبادت کی طرف بلائیں۔ لہٰذا میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے اور قصر فرعون کی راہ ہولیئے۔ پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے دربانوں کو فرمایا: فرعون کو جا کر بتلادو کہ دروازے پر اللہ کے رسول آئے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ آپ سے استہزاء اور مذاق کرنے لگے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ دونوں حضرات کو ایک طویل عرصے بعد اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ اور محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں؟ ان کو دو سال بعد اجازت ملی تھی۔ کیونکہ کسی نے بھی اندر جا کر انکے متعلق اجازت نہ مانگی تھی۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی شان جلالی کے ساتھ قصر فرعون کے دروازے پر گئے اور اپنے عصا سے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرعون گھبرا گیا اور حاضری کا حکم دیا۔ یہ دونوں مردان خدا فرعون کے عین سامنے جا کر کھڑے ہوگئے۔ اور پھر جیسے اللہ نے دعوت کا حکم فرمایا تھا اسی طرح اسکو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرمایا کہ ہارون بن لاوی یعنی جو لاوی یعقوب کی نسل سے ہے۔ وہ نکلے گا اور تجھ سے ملاقات کرے گا۔ (اسکو بھی ساتھ لے لینا) اور حکم فرمایا کہ اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے مشائخ کو بھی فرعون کے پاس لے چلنا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ نشانیاں ہم نے تجھے عطا کی ہیں انکو ظاہر کرنا۔ لیکن فرعون کا دل میں سخت کردوں گا اور وہ بنی اسرائیل کو نہ چھوڑے گا۔ اور تم میری نشانیاں اور عجائبات کو سرزمین مصر میں خوب شہرہ دینا۔

پھر اللہ نے حضرت ہارونؑ کو وحی کی کہ وہ جنگل میں حویب پہاڑ کے پاس پہنچے وہاں تمہاری اپنے بھائی سے ملاقات ہوگی۔

تو حضرت ہارون مصر سے نکلے وہاں پہنچے تو دونوں بھائیوں کی آپس میں ملاقات ہوئی پھر حضرت موسیٰؑ

لے طٰہٰ ۴۷،۴۸

نے انکو بتایا کہ پرور دگار نے کیا کیا حکم فرمایا ہے۔ تو دونوں حکم کے مطابق مصر میں داخل ہوئے اور بنی اسرائیل کے بزرگوں اور مشائخ کو اکٹھا کیا اور فرعون کے پاس چلے جب اسکو اللہ کا پیغام پہنچایا تو کہنے لگا اللہ کون ہے ؟ (نعوذ باللہ من قولہ)

میں تو اسکو نہیں جانتا اور نہ ہی میں بنی اسرائیل کو چھوڑوں گا۔

فرمان الٰہی ہے :

(غرض موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے تو) اس نے کہا اے موسیٰ : تمہارا پروردگار کون ہے ؟ کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔ پوچھا پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے ان کا علم میرے پروردگار کو ہے، تم لوگوں کیلئے زمین کو فرش بنادیا اور اسمیں تمہارے لئے راستے جاری کئے اور آسمان سے پانی برسایا۔ اور پھر اس سے انواع واقسام نباتات اگائے۔ (کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چار پایوں کو بھی چراؤ بے شک انمیں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق خبر دی کہ وہ صانع تعالیٰ (یعنی دنیا کو بنانے والے کا انکار کر بیٹھا تھا اسطرح کہ اس نے پوچھا تھا اے موسیٰ بھلا تیرا رب وہ ہے کون ؟ تو حضرت موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی شکل وصورت بخشی پھر اسکو راہ دکھائی۔

یعنی ہم سب کا رب اور مالک وہ ہے جس نے پہلے ہر چیز کو پیدا کیا اور اسکو شکل وصورت بخشی پھر اسکے لئے اسکے اعمال کہ وہ کیا کیا کرے گا اور رزق کہ کیا کیا کھائے گا اور مدت کہ وہ کب مرے گا وغیرہ تمام چیزیں مقرر فرمادی ہیں اور پھر سب کو اپنے پاس لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اور پھر ہر مخلوق کو اسکے کام اسکے رزق وغیرہ کی راہ بتلائی کہ وہ کیسے حاصل کیا جائے، اسطرح اللہ کا کام مخلوقات میں اپنے اندازے اور قدرت اور علم کے عین مطابق چل رہا ہے اور پہلے سے اللہ نے اپنے کمال علم کی بناء پر ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے اور یہ آیت اپنے مفہوم ومضمون میں سورہ اعلیٰ کی اس آیت مبارکہ کی طرح ہے فرمان باری ہے۔ اپنے اس اعلیٰ پروردگار کی تسبیح کر جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسکو شکل وصورت اور بناوٹ میں درست کر دیا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کر دیا (اسکی) راہ بتلادی[2]

یعنی ہر چیز کو پیدائش کے بعد ایک اندازے میں رکھ دیا پھر ہر ایک کو اسکی طرف حصول کا رستہ بتادیا۔ تو خیر جب یہ بات ہو چکی تو فرعون نے بے تکا سوال کیا کہ پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے ؟

یعنی جب تیرا رب تمام مخلوقات کا خالق مالک ہے انکی روزی وسیلے کا نگہبان اور مقرر کرنے والا ہے اور وہ اس مرتبے پر ہے کہ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو پھر پہلے لوگوں نے اسکے غیروں کی پرستش کیوں کی ؟ اور ستاروں سیاروں سورج چاند وغیرہ کو کیوں معبود بنایا تو تیرے کہنے کے مطابق انکو اس سے ہٹ کر سیدھے رستے کی رہبری کیوں نہیں کی گئی ؟ (حضرت موسیٰ) جواب دیا :۔ اسکا علم میرے پروردگار کے

---

[1] طٰہٰ ۴۹ تا ۵۵،   [2] اعلیٰ ا تا ۳

پاس کتاب میں ہے میرا رب کسی بات سے چوکتا نہیں ہے اور نہ بھولتا ہے۔

لہذا اگر پہلے لوگوں نے اسکے غیر کی پرستش کی ہے۔ تو یہ تیرے معبود بننے پر حجت ودلیل نہیں اور نہ ہی میری باتوں کے خلاف دلیل کیونکہ وہ بھی تیرے مثل جہلاء ہی تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا دھرا ہے وہ سب اللہ کے ہاں صحیفوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے۔ چھوٹا ہو بڑا ہو ہر چیز کا بدلہ انکو میرا رب دے گا۔ اور کسی پر رائی کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اسلئے کہ بندوں کے تمام افعال، اعمال اسکے پاس ایسی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں کہ اس سے کوئی چیز گم نہیں ہو سکتی اور نہ میرا رب کسی چیز کو بھول سکتا ہے۔

پھر حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے اللہ عزوجل کی عظمت اور تخلیق اشیاء کی قدرت کو بیان فرماتے ہیں کہ اس ذات نے زمین تمہارے لئے بچھونے کے مثل بنادی اور آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا۔ اور انسانوں مویشیوں اور جانوروں کے رزق کیلئے بادلوں اور بارشوں کو حکم کر دیا جیسے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں عقل مندوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ یعنی عقل صحیح وسلیم اور درست فطرت رکھنے والوں کیلئے عبرت کی نشانیاں ہیں جن سے انکو بخوبی یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے وہ اللہ ہی خالق ورازق ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں فرمان الٰہی ہے۔ اے لوگو: اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا شاید تم تقویٰ اختیار کرو اسی نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس کے ذریعے پھلوں کو اگایا جو تمہارے لئے رزق ہیں۔ پس اللہ کیلئے شرکاء نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔[1]

تو جیسے مذکورہ آیتوں میں زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کرنے اور اسمیں پھل پھول کے اگ آنے کو بیان فرمایا اسی طرح قیامت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے کو بیان فرمایا۔ فرمایا: اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو دوبارہ لوٹائیں گے اور اس دوسری مرتبہ نکالیں گے۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: جیسے پہلی بار تم کو پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔[2] اور فرمایا: اور وہ وہی ذات تو ہے جس نے پہلی بار پیدا کیا پھر پیدائش کو دوبارہ لوٹائیگا اور یہ اسپر زیادہ آسان ہے۔ اور اسکے لئے آسمان وزمین میں بہترین مثال ہے۔ اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔[3]

تو خیر حضرت موسیٰؑ فرعون کو دعوت دے رہے تھے اسکے متعلق اللہ نے فرمایا: اور بے شک ہم نے اسکو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہا کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور پر ہم کو ہماری زمین سے نکال دے اے موسیٰ۔ پس ہم بھی اسکی مثل جادو لائیں گے لہذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو کہ نہ ہم اسکے خلاف کریں گے اور نہ تم۔ (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہوگا) کہا آپکے لئے یوم زینت کا وعدہ ہے۔ اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔[4]

اللہ تعالیٰ فرعون کی بدبختی اور اسکی کثرت جہالت اور قلت عقل کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلا بیٹھا اور انکی اتباع سے تکبر کیا۔ اور عناد کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کو کہا: یہ جو کچھ تو لایا ہے محض جادو

---

[1] بقرہ ۲۱۔۲۲ [2] اعراف ۲۹، [3] الروم ۲۷ [4] طہٰ ۵۶۔۵۷

کے سوا کچھ نہیں۔ اور اسکے مثل تو ہم بھی لڑ کر دکھا سکتے ہیں۔ لہذا کوئی جگہ اور وقت مقرر کرلو تا کہ دوبدو مقابلہ ہو جائے۔ اور حضرت موسیٰ تو خود ہی چاہتے تھے کہ ایسا موقع پیش آئے کہ تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو وہ اللہ کی نشانیوں اور براہین ودلائل کو سب کے سامنے روز روشن کی طرح واضح کر دیں۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے (فرمایا تمہارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے) اور یوم زینت سب کیلئے لور اجتماعیت کا دن ہوتا تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ نے یہ بھی فرمایا: (اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں)۔ یعنی جب آفتاب اپنی روشنی کی انتہاء کو پہنچ جائے یعنی شروع دن میں اکٹھے ہو جائیں تا کہ حق خوب واضح لور روشن ہو جائے۔ اور آپؑ نے رات کا وقت طلب نہیں کیا تا کہ محال اور باطل بیچ سامنے واضح ہو جائے۔ کیونکہ آپ اپنے رب کی طرف سے بصیرت اور اس یقین کامل پر تھے کہ اللہ ضرور انکے اور ان کے دین کو غلبہ دیں گے اگرچہ قطبیہ فرعونیوں کے ناک مٹی آلود کیوں نہ ہو۔ اور پھر وہ فرعون کی تیاریوں کے ساتھ آپہنچا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے مکرو فریب جمع کر کے آیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا! افسوس تمہاری کمبختی، خدا پر جھوٹ افتراء نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا۔ اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا۔ تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں۔ لور تمہارے شائستہ مذہب کو نیست ونابود کر دیں تم اپنا جادو کا قبیلہ اکٹھا کر واور پھر قطار باندھ کر آؤ آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا۔[1]

اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ اس نے جاکر اپنے علاقوں کے جادوگروں کو جمع کیا اور اس زمانے میں مصر کے علاقوں میں بڑے بڑے جادوگر جگہ جگہ بھرے ہوئے تھے۔ اور اپنے فن میں ید طولی رکھتے تھے۔

لہذا فرعون کے کارندوں نے تمام شہروں اور علاقوں سے جادوگروں کو جمع کیا لور وہ انتہائی کثیر تعداد میں اکٹھے ہو گئے ایک قول ہے کہ وہ اسی ہزار تھے اور یہ محمد بن کعب کا فرمان ہے۔ اور قاسم بن ابی بردہ کا قول ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔ لور حضرت سدیؒ کا قول ہے تیس ہزار اور چند ہزار اوپر تھے۔ اور ابو امامہ سے مروی ہے کہ انیس ہزار تھے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ ستر آدمی تھے۔ اور آپؓ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ چالیس تو بنی اسرائیل کے غلام تھے۔ انکو فرعون نے حکم دیا تھا کہ وہ کاہنوں جادوگروں کے پاس جاکر جادو سیکھیں لور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو ایک مرتبہ کہا تھا: بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے تا کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور (اسکو بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا۔[2]

لیکن مصنفؒ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے۔

پھر فرعون ان جادوگروں کو لیکر اپنے امراء وزراء اور دیگر ارکان دولت سمیت، صبح کو حاضر ہو گیا۔ اور

---

[1] طہٰ ۶۰ تا ۶۴

[2] طہٰ ۷۳،

فرعون کی طرف سے پہلے منادی کرا دی گئی تھی کہ اس عظیم موقع پر سب جمع ہو جائیں۔لہذا لوگ نکلے اور فرعونی کہہ رہے تھے۔

(شاید ہم جادوگروں کے پیروکار ہو جائیں اگر وہ غالب آئے)۔[1]

پھر جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ جادوگروں کے پاس تشریف لائے اور انکو نصیحت کی۔اور باطل سحر کے ساتھ انکو مقابلہ پر آنے سے منع کیا کیونکہ اسطرح وہ اللہ کی نشانیوں اور اسکے دلائل کا مقابلہ کرتے۔ جو خطرناک امر ہے۔حضرت موسیٰ نے انکو فرمایا(افسوس تمہاری بدبختی ،اللہ پر جھوٹ افتراء نہ کرو ورنہ تو وہ تمہیں عذاب کے ساتھ فنا کر دے گا۔اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد ہوا۔

پھر وہ اپنے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

اسکی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ انکے آپس میں اختلاف ہوا اور کچھ کہنے لگے کہ یہ پیغمبر کا کلام ہے اور یہ جادوگر نہیں ہے۔کچھ نے کہا بلکہ یہ جادوگر ہے۔واللہ اعلم۔اور اس قسم کی گفتگو کے ساتھ سرگوشیاں کرنے لگے۔

فرمان باری ہے(کہنے لگے یہ صرف دو جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تم کو تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور پر نکال دیں)یعنی موسیٰ اور اسکا بھائی ہارون بہت بڑے ماہر جادوگر ہیں۔اور اس فن جادو میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔اور انکا مقصد اس جادو سے صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کر لیں اور پھر بادشاہ اور اس کے مصاحبین پر حملے کی غرض سے چڑھ دوڑیں اور تم سب کا آخر صفایا کر دیں اور اس طرح اس جادو کے بل تم پر تسلط حاصل کر لیں۔

کہنے لگے(پس(اے فرعونیوں)تم اپنے مکر کو جمع کر کے صف کی صورت میں آجاؤ اور بے شک آج تو جس نے غلبہ حاصل کر لیا وہ کامیاب ہو گیا)

پہلے کی گفتگو باہمی غور و فکر اور تدبیر اور ایک دوسرے کو برانگیختہ کرنے کیلئے تھی تاکہ سب جادوگر اپنے مکر وفریب ،دھوکہ و بہتان اور جادو کو خوب زور شور سے پیش کریں۔اور اب اسکے لئے ایک دوسرے کو آگے بڑھنے کا کہنے لگے۔اور فرعون کے وعدوں پر کامیابی کی آس لگا کر بیٹھ گئے۔

ان پر خدائے عزوجل کی لعنت ہو بے شک انکے وہم وخیال جھوٹ نکلے۔انکی آراء خطا کر گئیں۔اور بھلا بہتان جادو اور بکواس،اللہ کے معجزات کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں جو اللہ نے اپنے کلیم اپنے رسول کریم پر ظاہر فرمائے اور اس طرح دلائل وبراہین کے ساتھ انکی حمایت ونصرت کی گئی۔جن دلائل میں نگاہیں مبہوت،اذہان وعقول حیران وششدر رہ جائیں۔

تو انہوں نے کہا کہ اپنے مکر وفریب کے سامان کو جمع کر لو اور صف کی صورت میں آؤ۔یعنی سب ملکر یکبارگی اپنے جادو کے کرشمے دکھاؤ۔پھر وہ ایک دوسرے کو آگے بڑھنے پر برانگیختہ کرنے لگے۔کیونکہ فرعون نے ان سے طرح طرح کے وعدے کئے تھے اور بڑی امیدیں دلائیں تھیں۔جبکہ خدا نے فرمایا(اور شیطان

---

[1] الشعراء ۴۰

نے ان سے صرف دھوکے کا وعدہ کیا ہے۔)

توجب دونوں طرف سے بالکل تیاری ہو گئی اور آمنا سامنا ہو گیا تو (کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ کہا نہیں بلکہ تم ہی ڈالو (جب انہوں نے چیزیں ڈالیں تو اچانک انکی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ (اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب ہو گے۔ اور جو چیز تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (یعنی لاٹھی) اسے ڈال دو، کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اسکو نگل جائے گی۔ اور جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں۔ اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔[1]

جب جادوگر صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارونؑ بھی انکے مقابل آٹھیرے تو جادوگروں نے آپ حضرات کو کہا کہ آیا آپ ہم سے پہلے ڈالتے ہیں یا ہم آپ سے پہلے ڈالیں؟ تو (فرمایا: بلکہ تم ہی ڈالو۔) اور انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں لے رکھی تھیں اور انکو پارے وغیرہ کی قلعی کر رکھی تھی (یعنی پانی سے ملمع سازی کی ہوئی تھی جیسے کہ آجکل مختلف چیزوں مثلاً شو پیس وغیرہ میں اس طرح پانی لگاتے ہیں کہ ان میں ہر زاویے سے الگ الگ حرکت کرتا دکھائی دیتا ہے۔م۔)

توان لاٹھیوں اور رسیوں میں بھی ایسی کارکردگی کی ہوئی تھی کہ دیکھنے والوں کو وہ دوڑتی معلوم ہوتی تھیں اور در حقیقت وہ مذکورہ وجہ سے حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ تو لوگوں کی نظروں میں انکا جادو بیٹھ گیا اور وہ مرعوب ہو گئے اور ایسے موقع پر جادوگر اپنے کرتوتوں کو پھینکتے ہوئے یہ صدائے کفر ہانک رہے تھے کہ (فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غلبہ پانے والے ہیں)[2]

اللہ تعالیٰ اسکی منظر کشی فرماتے ہیں (پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں میں جادو کر دیا اور وہ ان سے مرعوب ہو گئے۔ اور وہ عظیم جادو لائے تھے۔)[3] اور دوسری جگہ یوں فرمایا کہ (پس اچانک انکی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰؑ کے خیال میں انکے جادو سے ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر سے ادھر سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ (اسوقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا)[4] یعنی حضرت موسیٰ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عوام الناس انکے جادو اور باطل مکر کے دھوکے میں نہ آجائیں اس سے پہلے کہ آپ اپنی لاٹھی ڈالیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ تو حکم الٰہی سے پہلے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ تو اللہ پاک نے بھی اس مضطرب گھڑی میں حضرت موسیٰؑ کو تسلی دلانے کے ساتھ وحی فرمائی (کہ خوف نہ کر بے شک تو ہی بلند رہے گا۔ اور جو تیرے دائیں ہاتھ میں (لاٹھی) ہے اسے ڈال دے وہ انکے کیے کو نگل جائے گی بے شک جو انہوں نے کیا ہے محض جادوگر ہے جہاں چلا جائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔[1]

تو پیغمبر خدا حضرت موسیٰؑ نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھی ڈال دی (کہ جو کچھ تم جادو لائے ہو بے شک اسکو

---

[1] طٰہٰ ۶۵ تا ۶۹، [2] الشعراء ۴۴،
[3] اعراف ۱۱۶، [4] طٰہٰ ۶۶۔ ۶۷

اللہ باطل کر دیگا اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو درست نہیں کرتا۔ اور اللہ حق کو اپنی نشانیوں کیساتھ ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرمین کو گراں گذرے۔ [۲]

اور اسی بات کو سورہ اعراف میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

اور ہم نے (اسوقت) موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے (سانپوں) کو نگل جائیگی۔ (پھر) تو حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہوگیا اور وہ مغلوب وذلیل ہوکر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ (اور) کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔ [۳]

کئی علماء سلف کے اقوال کے مطابق جب حضرت موسیٰ نے لاٹھی کو پھینکا تو وہ عظیم شکل وصورت والا اژدھا بن گیا جسکے پاؤں بھی تھے۔ اور بڑی موٹی گردن اور بھیانک انتہائی چوڑی گھبرا دینے والی شکل تھی۔ جسکو دیکھ کر لوگ ادھر ادھر بھاگ پڑے اور اپنی جگہوں سے ہٹ گئے۔ اور یہ اژدھا جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں کی طرف پلک جھپکنے میں متوجہ ہوا۔ اور آن کی آن میں ایک ایک کرکے سب کو نگلنے لگا اور لوگ انتہائی خوفزدہ اور دہشت زدہ ہوکر تعجب کے دریا میں ڈوب کر اسکو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ اور جادوگروں نے بھی اپنی ذلت کو دیکھ لیا اور یہ کرشمے ان کے دل ودماغ کے کسی کونے میں بھی نہ تھے۔۔ تب انکو دل کی گہرائی سے اپنے علم کے مطابق یقین ہوگیا یہ نہ کوئی جادو ہے نہ شعبدہ ہے نہ محال ہے نہ خیال ہے، نہ جھوٹ ہے نہ بہتان ہے نہ ضلال ہے۔ بلکہ ایسا حق ہے جس پر حق کے سوا کوئی قادر نہیں ہو سکتا اور حق ذات نے یہ سب کچھ انکے ساتھ تائید اور حمایت کیلئے بھیجا ہے۔

تو اللہ نے انکے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے اور ہدایت کے ساتھ انکو روشن کر دیا اور قساوت وعناد کی ظلمتیں دلوں سے چھٹ گئیں۔ اور وہ سب اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتے ہوئے پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور بانگ بلند حاضرین کو پکارا اور کسی سزا و مصیبت کا خوف نہ کیا۔ پکار اٹھے!

ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ اور اس ساری کیفیت کو اللہ نے یوں فرمایا ہے۔ فرمایا: پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (فرعون نے) کہا تم ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں؟۔

بے شک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کٹوا دوں گا۔ اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔ اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ انہوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں۔ اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے انپر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ تو آپکو جو حکم دینا ہو دے دیجئے۔ اور آپ صرف اسی دنیاوی زندگی میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا ہے اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس

---

[۱] طہٰ ۶۸۔۶۹، [۲] یونس ۸۱۔۸۲، [۳] اعراف ۱۱۷تا۱۲۲

گناہ گار ہو کر آئے گا، تو اسکے لئے جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اسکے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہونگے تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔[1]

حضرت سعید بن جبیر اور عکرمہ اور قاسم بن ابی بردہ اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب جادو گروں نے سجدہ کیا تو جنت میں جو منازل اور محلات انکے لئے تیار کئے گئے تھے وہ انکو دکھلائے گئے۔ اور انکے آنے کے استقبال میں آراستہ ومزین کئے گئے۔ تو اسو جہ انہوں فرعون کی وعید اور ڈرانے دھمکانے کی ذرہ پرواہ نہ کی۔

اور فرعون نے دھمکیاں اسوجہ سے دی تھیں کہ جب اس نے ان جادوگروں کو دیکھا کہ اسلام لاچکے ہیں اور تمام عوام الناس کے روبرو حضرت موسیٰ وہارونؑ کا اچھے اوصاف کے ساتھ برملا ذکر خیر کر رہے ہیں۔ تو اس چیز نے فرعون کو گھبراہٹ و پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اور اس چیز نے اسکو مبہوت کر دیا اور اسکی بصیرت وبصارت کو اندھا کر دیا۔ اور فرعون کا جادوگروں کو اس طرح دھمکی دینا کہ میری اجازت کے بغیر ایمان کیوں لائے یہ اسکی سیاست، مکر وفریب اور دھوکہ دہی تھی اور اللہ کے راستے سے روکنے کا عمدہ طریقہ تھا۔ تو جادو گروں کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا (اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دیتا تم ایمان لے آئے) یعنی میری رعیت کے روبرو تم نے اس قدر اہم فیصلہ میری رائے اور مشورے کے بغیر کیوں کر لیا؟ پھر ڈرایا دھمکایا اور عجیب بعید از وہم وگمان جھوٹ ہانکا کہ (بے شک یہ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے) اور دوسری جگہ یوں آیا ہے (یہ تمہارا مکر ہے جو تم نے شہر میں کھیلا ہے تاکہ تم شہر سے اسکے اہل کو نکال لاؤ پس عنقریب تم جان لوگے)۔[2]

اور یہ اسکا بکواس کیا ہوا جھوٹ اور بہتان ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ نرا کفر، کذب اور بکواس ہے۔ بلکہ ایسی انہونی بات تو بچوں سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام لوگ خواہ اسکے اہل دولت وارکان ہوں یا اور عوام الناس ہوں سب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کو ان جادوگروں نے کبھی زندگی بھر بھی نہیں دیکھا۔ تو پھر حضرت موسیٰؑ انکے بڑے اور انکے جادو سکھانے والے استاد ہو سکتے ہیں؟ پھر مزید یہ کہ حضرت موسیٰ نے انکو جمع نہیں کیا اور نہ آپکو انکے جمع ہونے کا ہی کچھ علم تھا۔ بلکہ فرعون ہی نے انکو طلب کیا تھا۔ اور ہر قریب ودور شہر سے اور ہر کشادہ وتنگ راستوں سے اور ہر وادی سے اور مصر کے تمام شہروں اور اطراف واکناف سے اور شہروں اور دیہاتوں سے جمع کرانے والا یہی فرعون ہی تھا نہ کہ حضرت موسیٰؑ تو پھر اسکی یہ بات عقل سے کتنی دور ہے۔

اسی قصے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں مختلف جگہوں پر مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اور سورۃ اعراف میں فرمایا:۔

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا۔

---

[1] طٰہٰ ۷۰ تا ۷۴، [2] اعراف ۱۲۳

تو انہوں نے انکے ساتھ کفر کیا۔ سو دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟۔ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں تمام جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لیکر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانیکی اجازت دے دیجئے۔ فرعون نے کہا اگر تم نشانی لیکر آئے ہو تو لے آؤ اگر سچوں میں سے ہو۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت بالکل ظاہر اژدھا ہو گیا۔ اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی طرح دیکھنے والوں کی نگاہوں میں انتہائی سفید ہو گیا، تو قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا علامہ جادوگر ہے۔ اسکا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا رائے ہے؟

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اسکے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھیے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے۔ تاکہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آپہنچے (اور) کہنے لگے کہ اگر ہم بازی لے گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے۔ کہا ہاں (ضرور) اور (اسکے علاوہ) تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ (جب فریقین روز مقررہ پر جمع ہو گئے تو) جادوگروں نے کہا اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔ (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی۔ پھر تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا۔ اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔

فرعون نے کہا: تم اسپر ایمان لے آئے؟ اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں؟۔ بے شک یہ فریب ہے جو تم نے آپس میں مل کر شہر میں رچایا ہے۔ تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب پتہ چل جائے گا۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھادوں گا، وہ پکار اٹھے ہم تو اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں۔ اور اسکے سوا تجھ کو ہماری کونسی بات بری لگی ہے جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم انپر ایمان لے آئے۔

ہمارے رب ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں تو مسلمانی کی حالت ہی میں وفات دیجئو۔[1]

اور سورۂ یونس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

پھر ہم نے انکے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس بھی بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔ تو جب انکے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آگیا۔ یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر

[1] اعراف ۱۰۳تا۱۲۶

کامیاب ہونے والے نہیں ہیں۔

وہ بولے کہ تم ہمارے پاس اس لئے آتے ہو کہ جس (راہ) پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا اس سے ہم کو پھیر دو اور ملک میں تم دونوں کی سرداری ہو جائے؟ اور ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن کے جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا جو تم کو ڈالنا ہے ڈالو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ نے کہا جو چیزیں تم لائے ہو، جادو ہے۔ خدا اسکو جلد نیست و نابود کر دے گا۔ خدا فساد کرنے والوں کے کام کو سنوارتا نہیں ہے۔ اور خدا اپنے حکم سے سچ ہی کر دے گا اگرچہ مجرم لوگوں کو گراں گذرے۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھیرایا تو میں تمھیں قید کر دوں گا۔ (موسیٰ نے) کہا خواہ میں تیرے پاس روشن چیز (یعنی معجزہ ہی) کیوں نہ لے آؤں؟ کہا لے آؤ اگر سچوں میں سے ہو۔ تو (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدھا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کیلئے سفید (چمکتا) نظر آنے لگا (فرعون نے) اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہا یہ تو کامل فن جادوگر ہے۔ اور چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے نکال دے، تو تمہاری کیا رائے ہے۔

انہوں نے کہا کہ اسکے اور اسکے بھائی کے بارے میں کچھ ڈھیل دیجئے۔ اور شہروں میں کچھ پیغام رساں بھیج دیجئے، تاکہ سب ماہر جادوگروں کو جمع کر کے آپکے پاس لائیں۔ تو جادوگر ایک مقررہ دن کی میعاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو جانا چاہئے۔ تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم انکے پیروکار ہو جائیں۔ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی ملے۔ فرعون نے کہا ہاں۔ اور تم مقربین میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنا چاہتے ہو ڈال دو۔ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالدیں۔ اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ضرور غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ جادوگروں کے تمام مکر کو نگلنے لگی۔

تب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آئے یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کیا تم اسپر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا۔ اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا انہوں نے کہا کچھ نقصان نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اسلئے کہ ہم پہلے پہل ایمان لانے والے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرعون نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا اور اپنی اس بات میں انتہائی درجہ کو عناد کیا (کہ یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے) اور پھر ایسا بہتان باندھا جسکو جاننے والے خوب جانتے ہیں بلکہ پورا عالم جانتا ہے کہ (یہ مکر ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے؟ تاکہ تم اس شہر سے اسکے اہل کو نکال دو سو جلد

تم جان لو گے)

اور فرعون کا یہ کہنا (میں تمہارے ہاتھ پاوں مخالف اطراف سے کاٹ دوں گا) اسکا مطلب ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاوں یا اسکا برعکس۔ اور اسکا یہ دھمکی دینا کہ پھر میں تم کو سولی چڑھادوں گا۔ اسکا اس سے مقصد تھا تاکہ لوگوں کے لئے یہ مثال وعبرت بن جائیں اور پھر کوئی اسکی رعیت یا ملت کا فرانکی اقتداء نہ کرے۔ اسی وجہ سے کہا (میں تم کو کھجور کے تنوں میں سولی دوں گا)۔ کیونکہ یہ بلند ہوتے ہیں ان سے خوب شہرت اور چرچا ہوگا۔ آگے کہا (اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون عذاب کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے اور اسکا عذاب باقی رہنے والا ہے) یعنی دنیا۔

لیکن انکے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ اسوجہ سے (انہوں نے) جواب دیا ہم ہرگز تجھ کو ترجیح نہ دیں گے اسپر جو ہمارے پاس واضح نشانیوں اور قطعی دلائل کی عظمت بیٹھ چکی ہے اسکو ہم نہ چھوڑیں گے اور آگے جو لفظ ہے کہ والذی فطرنا ایک قول تو ہے کہ پچھلے جملے پر اسکا عطف ہے اور ایک قول ہے کہ یہ قسم ہے (پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ اے فرعون ہم تجھ کو خدا پر ترجیح نہ دیں گے اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس نے ہم کو پیدا کیا، جو کچھ تجھے کرنا ہے کرلے) یعنی جو کچھ تیری قدرت اور بس میں ہے وہ کرلے ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ (توصرف اسی دنیوی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے) کہ اس دنیوی زندگی میں حکم دے کر کوئی عذاب دلوا سکتا ہے۔ پھر جب ہم یہاں سے آخرت کے ہمیشگی کے گھر میں منتقل ہو جائیں گے تو پھر اسکے زیر حکم ہو جائیں گے جس کے لئے ہم نے اطاعت کی اور اسکے رسول کی اتباع کی (بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کی مغفرت کرے اور اسکی جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کرایا ہے۔ اور وہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے یعنی جن غلطیوں اور عطیوں کا تونے ہم سے وعدہ کیا ہے خدا کا عطا کردہ ثواب بدرجا بہتر ہے۔ اور ابقی ہے یعنی اس دار فانی سے وہاں کا ثواب دیرپا اور دائمی ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے انہوں نے جواب میں (کہا کچھ نقصان نہیں ہے۔ بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف سے لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہم اس سے طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کی مغفرت کر دے)۔ یعنی جو جو گناہ اور حرام کام ہم سے سرزد ہوئے ہیں اللہ انپر قلم عفو پھیر دے۔ اور ہمیں اپنے رب سے اسکی قوی امید ہے کیونکہ اسکے فضل سے (ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں) قبطیوں میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ پر۔

اور ان نو مومنین نے فرعون کو یہ بھی کہا تھا کہ (اور تم ہم پر اسکے سوا اور کوئی برائی نہیں جانتے، کہ ہمارے رب کی آیات جب ہمارے پاس آگئیں تو ہم انپر ایمان لے آئے) یعنی تیرے نزدیک ہمارا اور کوئی گناہ نہیں ہے سوائے اسکے کہ اللہ کے رسول پر ہم ایمان لے آئے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ہم ایمان لے آئے جب وہ ہمارے سامنے منکشف ہو گئیں۔

اور اللہ کی شان سے انکا ایمان آن کی آن میں اتنا گہرا اور مضبوط ہو چکا تھا کہ پھر انہوں نے فرعون کو بھی

نصیحت کی۔ اور اپنے رب عظیم کے عذاب کا ذکر کیا اور اس سے خوف کیا اور ڈرے۔ کہا (بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہونے کی حالت میں آئے گا تو اسکے لئے جہنم ہے وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا) تو اے فرعون تو بچ اس سے کہ کہیں ان میں سے نہ ہو جائے اور ایمان لے آ کیونکہ (اور جو شخص اسکے پاس ایمان کی حالت میں آئے گا اس نے عمل صالح کئے ہونگے تو پس ایسے لوگوں کیلئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ کے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ ہے اس شخص کا جو پاک ہوا)۔ لہذا اے فرعون تو کوشش کر کہ انمیں تو شامل ہو جائے۔

لیکن فرعون اور ان اٹل فیصلوں کے درمیان فیصلہ ہو گیا جن پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور انکو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور بلند وبالا ذات کی طرف سے فیصلہ و حکم نافذ ہو گیا کہ فرعون اہل جحیم سے ہے تا کہ دردناک عذاب کا مزہ چکھے اور اسکے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلہ جائے۔

اور اسکو ڈانٹ ڈپٹ زجر وتنبیہ کے طور پر کہا جائے (چکھ بے شک تو زبردست (اور) کریم ہے) یہ اسکو بطور استہزاء کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ انتہائی قبیح گالی کے لائق اور برا اور کمینہ شخص تھا۔

اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون ملعون نے ان ایمان لے آنے والوں کو سولی اور عذاب سے دوچار کر دیا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

عبد اللہ بن عباس اور عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ شروع دن میں یہ لوگ جادوگر تھے اور آخر دن میں (انتہائی بلند مرتبہ) شہداء اور نیک لوگ ہو گئے اور اس بات کی تائید انکی یہ دعا کرتی ہے۔

ربنا أفرغ علينا صبرا وتوفنا مسلمين

[1] ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہم کو اسلام کی حالت میں وفات دے۔

---

[1] اعراف ۱۲۶

یوم عید کو فرعون نے اپنی شکست کے بعد کیا موقف اور لائحہ عمل اپنایا؟

جب مذکورہ امر عظیم کا واقعہ پیش آچکا، یعنی فرعون پر مومنین، عظیم واقع میں غالب آگئے اور قبطی لوگ شکست سے دوچار ہو گئے۔ اور جن جادوگروں کے ذریعے انہوں نے موسیٰ کے خلاف مدد طلب کی تھی وہی موسیٰ کے پیروکار ہو کر اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے پھر بھی ان عبرتوں نے قبطیوں میں کچھ اثر ورسوخ کی زیادتی نہ کی بلکہ مزید اپنے کفر عناد اور حق سے دوری میں بڑھ گئے۔ تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا؟ تو اسکے متعلق سورۃ اعراف میں مذکورہ قصے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور اسکی قوم کو چھوڑتے ہیں تاکہ وہ ملک میں فساد مچاتے پھریں اور آپ سے اور آپکے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔ وہ بولا کہ ہم انکے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اور بلا شبہ ہم انپر غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو بے شک ذھرتی اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے گا اور بہترین انجام ڈرنے والوں کا ہے۔ (بنی اسرائیل کے لوگ) بولے کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپکے آنے کے بعد بھی۔ کہا (اب) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اسی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے۔ پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیات میں قوم فرعون کے سرداروں کے متعلق خبر دی ہے اور وہ اپنی اپنی قوم کے مالدار اور رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ فرعون کو برانگیختہ کیا کہ اللہ کے نبی موسیٰؑ کو ستائے اور جو کچھ وہ ایمان و نور لیکر آئے تھے اسپر بجائے ایمان و تصدیق کے کفر اور اذیتوں کے ساتھ اسکا مقابلہ کرے۔

اسی بارے میں انہوں نے کہا (کیا آپ موسیٰ اور اسکی قوم کو چھوڑے دیتے ہیں کہ وہ زمین میں فساد مچاتے پھریں اور آپکو اور آپکے معبودوں کو پس پشت ڈالدیں)

اللہ انکا ناس کرے۔ انکا مقصد تھا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانا اور دوسروں کی عبادت سے روکنا یہ قبطیوں کے اعتقاد کے مطابق فساد اور خرابہ مچانا ہے۔

اور آیت ویذرك وآلهتك اسکو بعض قراء نے یوں بھی پڑھا۔

ویذرك والهتك (پہلی صورت میں معنی ہوگا اور وہ آپکو اور آپکے معبودوں کو چھوڑتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور وہ آپکو اور آپکی عبادت کو چھوڑتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں الہ کی جمع الہ ہے اور دوسری صورت میں جمع نہیں ہے۔ م۔)

---

[1] اعراف ۷ ۱۲ تا ۱۲۹

اور اس آیت میں دو چیزوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ موسیٰ تیرا دین چھوڑ رہا ہے اور اس معنی کی تائید و تقویت دوسری قرآت سے ہوتی ہے۔ اور دوسری چیز یعنی موسیٰ تیری عبادت کو چھوڑتا ہے۔ کیونکہ اس مردود فرعون کا گمان تھا کہ وہ خدا ہے۔ اللہ کی اسپر لعنت پڑے۔

تو جب فرعونیوں نے فرعون کو ظلم و بربریت پر اکسایا تو انکی کاوش کامیاب رہی اور فرعون نے (کہا ہم جلد ہی انکے بیٹوں کو قتل کریں گے اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑیں گے) تاکہ اگر موسیٰ اپنے لوگوں کو لیکر ہم سے نبرد آزما ہو بھی تو انکی افرادی اور عسکری قوت کم رہ جائے۔ اس طرح ہم (اور بے شک انپر غالب رہیں گے تو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو) یعنی جب وہ تمھیں ستانے اور قتل کرنے کا ارادہ کریں تو تم اپنے رب سے انکے خلاف مدد مانگو اور اپنی آزمائشوں پر صبر کرو (بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اسکا وارث بنائے گا اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا۔ اور بہترین انجام متقیوں کیلئے ہے) یعنی تم تقویٰ و ایمان اختیار کرو تو فتح و کامرانی نصرت الٰہی سے تمہارے قدم چومے گی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے (اور موسیٰ نے کہا: اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو بس اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو تو انھوں نے کہا ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور آگے دعا مانگی)

ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظّلمين. ونجنا برحمتك من القوم الكٰفرين[1]

ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے عذاب (کا مورد) نہ بنا۔ اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات مرحمت فرما۔

اور جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے شکایت کی تھی، (کہنے لگے ہم آپکی آمد سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کی آمد کے بعد بھی) انکا مطلب تھا کہ آپکی آمد سے پہلے آپکے وجود کو ختم کرنے کیلئے ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا اور آپکی آمد کے بعد بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا تاکہ بنی اسرائیل کی افرادی قوت کمزور پڑ جائے تو حضرت موسیٰ نے (کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلافت دے پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو)

اور سورۃ مومن میں فرمان ایزدی ہے (اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔ تو وہ کہنے لگے تو تو) جادوگر (اور) بڑا جھوٹا ہے)۔[2]

ان میں فرعون بادشاہ تھا اور ہامان اسکا وزیر تھا۔ اور قارون حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل میں سے تھا۔ مگر وہ بھی درحقیقت فرعون اور اسکے درباریوں کے دین پر تھا۔ اور اللہ نے اسکو بے انتہا مال و دولت سے نوازا تھا۔ عنقریب انشاء اللہ اسکا قصہ آئے گا۔

مذکورہ سورۃ میں آگے فرمان باری ہے (غرض جب وہ انکے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو لوگ اسکے ساتھ (خدا پر) ایمان لائے ہیں تم انکے بیٹوں کو قتل کردو اور بیٹیوں کو رہنے دو، اور کافروں کے مکر بے راہ ہی ہوتے ہیں)[3]

---

[1] یونس ۸۴، [2] مومن ۲۳-۲۴، [3] مومن ۲۵

اور حضرت موسیٰ کی بعثت ودعوت کے بعد لڑکوں کے قتل کے حکم کا اجراء انکی تذلیل وتوہین اور انکی افرادی قوت گھٹانے کیلئے تھا کہ کہیں انکو دوبارہ شان وشوکت نہ حاصل ہو جائے جس سے یہ اپنا دفاع کر سکیں اور پھر قبطیوں پر بھی حملہ آور ہو سکیں۔ کیونکہ قبطی بنی اسرائیل سے ڈرتے تھے۔

لیکن ظلم وستم کی اس تدبیر نے بھی انکو کوئی ذرہ بھر نفع نہ دیا اور اس ذات کی تقدیر کو کچھ بھی نہ ہٹا سکے جو ذات کسی شیء کو کن کہہ دے تو بس وہ فیکون ہو جاتی ہے۔ آگے فرمان ہے

(اور فرعون بولا مجھے چھوڑو تاکہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور (خولہ) وہ اپنے رب کو بلالے۔

مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو نہ بدل ڈالے یا ملک میں فساد پیدا کر دے)[1]

گویا فرعون اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کے جھانسے میں ورغلانے لگا اسی وجہ سے عرب میں بطور ہنسی مذاق کے یہ مثل مشہور ہوگئی صار فرعون مذکوا کہ اب تو فرعون بھی نصیحت کرنے والا (واعظ) بن گیا ہے۔

تو فرعون نے اپنے باطل خیال میں گمان کیا کہ کہیں موسیٰ لوگوں کو گمراہ نہ کر دے۔ تو اسپر حضرت موسیٰ نے جواب دیا (اور موسیٰ بولے : میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا)[2] میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں اور اسی طرف التجاوزاری کرتا ہوں اور اسی کی جناب میں پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ فرعون اور اس کی ذریت سے کہ کوئی مجھ پر برائی کے ساتھ پیش آئے اور حضرت موسیٰ نے دعا میں فرمایا تھا کہ ہر متکبر سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں، یعنی ایسا سرکش اور ضدی جو کسی کا لحاظ نہ کرے اور اپنی برائی اور ظلم سے باز نہ آئے اور نہ اللہ اور اسکے عذاب کا خوف کرے۔ کیونکہ وہ نہ آخرت کا اعتقاد رکھتا ہے اور نہ جزاء سزا کا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے آگے اسکی صفت میں فرمایا ہر ایسے متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس گفتگو کے بعد ایک مومن شخص حضرت موسیٰ کی طرف داری میں حائل ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری ہے (اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لیکر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اسکے جھوٹ کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور اگر سچا ہوگا تو وہ عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر یہ واقع ہو کر رہے گا بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذرنے والا (اور) جھوٹا ہے۔

اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں غالب ہو (لیکن) ہم پر اگر خدا کا عذاب آگیا تو ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون بولا میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے۔ اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں بھلائی ہے)۔[3]

اور یہ مرد مومن فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ اور اپنی جان کا خوف کرتے ہوئے ان سے اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ قبطی نہیں تھا بلکہ اسرائیلی تھا۔ لیکن یہ بات بعید از حقیقت اور

---

[1] مومن ۲۶ [2] سابقہ ۲۷ [3] مومن ۲۸ تا ۲۹

(قرآنی) گفتگو کے خلاف ہے لفظاً بھی معنیً بھی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قبطیوں میں سے حضرت موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا سوائے اسی مرد مومن کے اور اس شخص کے جسکے بارے میں قرآن میں آیا کہ وہ شخص شہر کے پچھلے کنارے سے آیا اور فرعون کی بیوی کے۔ ابن ابی حاتم نے اسکو روایت کیا ہے۔

اور دار قطنی فرماتے ہیں یہ فرعون کی آل سے تھا اور اس کا نام صرف شمعان مشہور تھا، سہیلیؒ نے اس کو نقل کیا ہے، اور تاریخ طبرانی میں اس کا نام "خیر" مذکور ہے واللہ اعلم

الغرض وہ مرد مومن اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھتا تھا، جب ملعون فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کی ٹھان لی اور اس پر کاربند ہونے کے لئے پختہ عزم کر لیا اور اپنے سرداروں سے اس بارے میں مشاورت کرنے لگا تو اس مرد مومن کو حضرت موسیٰؑ کی جان کا خطرہ محسوس ہوا تب اس نے فرعون کو ترغیب و ترھیب کے ساتھ نرمی و لطافت سے سمجھایا اور بطور رائے اور مشورہ کہ اس حرکت سے باز رہنے کا کہا۔

اور حضور اکرم ﷺ سے حدیث ثابت ہے آپ نے فرمایا افضل جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو انصاف کی بات کہنا ہے۔

تو اس مرد مومن نے اس شرف و مرتبے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا کیونکہ فرعون سے ظلم و ستم میں کوئی بادشاہ زیادہ ظالم نہیں ہو سکتا، اور مرد مومن کی مذکورہ بات انتہائی درجہ انصاف و حق سے پر ہے، کیونکہ اس میں ایک پیغمبر خدا کی عصمت و حفاظت تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے کیا ہو، لیکن پہلی صورت زیادہ درست اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

تو اس مرد مومن نے کیا کہا؟ کہا (کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے)؟ یعنی کیا اس وجہ سے کہ اس نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیا تم اس کو قتل کے درپے ہوتے ہو؟ ایسے عظیم شخص کے ساتھ یہ گھٹیا سلوک تو بالکل ناروا ہے بلکہ ایسے شخص کے لئے تم پر اکرام احترام لازم ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو عمدگی کے ساتھ الوداع کہہ دو اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر دو۔

اور کہا تم اس کو اس وجہ سے قتل کرتے ہو کہ (اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟) یعنی ایسے خلاف عادت معجزات جو دلالت کرتے ہیں کہ جس ذات نے اس کو جو کچھ دے کر بھیجا ہے ان میں وہ بالکل سچا ہے، لہذا اگر تم اس کے ساتھ صلح کر لو اور اس کی بات مان لو تو سلامتی و عافیت میں رہو گے کیونکہ وہ (اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر سچا ہے تو تم کو وہ عذاب ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے) یعنی اگر وہ جھوٹا ہے تو تم کو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر سچا ہے اور پھر بھی تم اس کو ستاؤ گے تو ضرور تم کو کچھ نہ کچھ عذاب بھگتنا پڑے گا، یعنی تم تو اس تھوڑے عذاب سے ڈرتے ہو جس کا وہ تم کو کہہ رہا ہے اور اگر وہ عذاب مکمل طور پر تم کو گھیرے تو تمہارا کیا حال ہوگا کچھ سوچو تو سہی۔

اور مومن کا اس انداز سے گفتگو کرنا انتہائی کامل عقل مندی کا ثبوت اور نرمی و مہربانی سے پیش آنا اور جنگ و

جدال سے بچنا ہے۔
آگے مومن کہتا ہے (اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی غالب ہو) ان کو ڈرا رہا ہے کہ کہیں یہ عظیم سلطنت تم سے چھن نہ جائے کیونکہ پہلی جن سلطنتوں نے بھی دین الٰہی سے ٹکر لی وہ پاش پاش ہو گئیں اور عزت کے بعد ذلت میں مبتلا ہو گئے۔
اور پھر چشم حقیقت نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم کا بھی یہی حشر نشر ہوا اور جبکہ یہ برابر شک وشبے میں گرفتار تھے اور حضرت موسیٰ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت وعناد میں تھے کہ اللہ عزوجل نے ان کو ان کے ملک ومال، گھروں اور محلوں نعمتوں اور آرائشوں سے نکالا اور بڑی ذلت واہانت کے ساتھ سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا، اور ان کی روحوں کو رفعت وبلندی سے (جہنم کے انتہائی نچلے طبقے) اسفل السافلین میں پہنچادیا اسی وجہ سے ایسی تصدیق کرنے والے نیک صالح، رہنما، حق کے تابع اپنی قوم کے ناصح عقل کے کامل مرد مومن نے کہا تھا (اے قوم آج تو تمہاری ہی سلطنت ہے اور تمہارا ہی زمین پر غلبہ ہے) یعنی تمہی کو لوگوں پر بلندی وبرتری حاصل ہے اور ان پر حکومت قائم ہے لیکن (اگر ہمارے پاس عذاب الٰہی آگیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا) ؟ یعنی مان لیا کہ تم گنتی شمار اور قوت وطاقت میں کہیں گنا زیادہ ہو، لیکن یہ سب کچھ چیزیں ہمیں عذاب کے وقت کچھ نفع نہ دیں گی اور تمام سلطنتوں کے مالک یکتا کے عذب سے ہمیں نہ بچا سکیں گی۔
لیکن اس مرد مومن کے جواب میں (اور کہا فرعون نے میں تم کو وہی (راہ سمجھاتا ہوں جو میں سمجھا ہوں اور میں تمہاری درستی ہی کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں) یعنی جو کچھ میرے پاس ہے میں اسی کی طرف تم کو بلاتا ہوں، اور وہ سیدھا راستہ ہے لہٰذا اسی پر تھا۔
اور فرعون نے دونوں باتیں قطعاً جھوٹ کہیں کیونکہ اسکے دل ودماغ میں یقینی طور پر یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ جو کچھ موسیٰ پیش کر رہے ہیں وہ لامحالہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن فرعون پھر بھی سرکشی ودشمنی اور کفر و عناد کی وجہ سے اس سے اختلاف ظاہر کر رہا تھا۔
اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اس کو کہا تھا، فرمان الٰہی ہے (موسیٰ نے) کہا تو خوب جانتا ہے کہ ان کو آسمان وزمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں نازل کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون میرا خیال ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے، تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اسکے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تم اس ملک میں رہو سہو کرو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔) [1]
معلوم ہوا کہ فرعون کو پختہ یقین تھا کہ حضرت موسیٰ حق ہیں لیکن اپنی کرسی کی وجہ سے مردود رہا اسی طرح دوسری آیت میں بھی اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے فرمان خداوندی ہے (پھر جب ان (فرعونیوں) کے پاس ہماری واضح نشانیاں آپہنچیں تو کہنے لگے یہ صریح جادو ہے، اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کر دیا لیکن انکے دل ان (نشانیوں) کا یقین کر چکے تھے پس دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ؟ [2] تو ان دو

---

[1] سورۂ اسراء ۱۰۱۔۱۰۴۔ [2] نمل ۱۳۔۱۴

جگہ کی آیتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرعون کا یہ کہنا جھوٹا تھا کہ میں تم کو وہی راہ بتلاتا ہوں جو مجھے سوجھتی ہے، اسی طرح اس کی دوسری بات (اور میں درست راہ کی طرف ہی تمہاری رہنمائی کرتا ہوں) یہ بھی اس کا کھلا جھوٹ تھا، کیونکہ وہ رشد و ہدایت کی دہلیز پر نہیں تھا بلکہ بے وقوفی و گمراہی اور باطل و ہم اور خام خیالی کی بیڑیوں میں گرفتار تھا جس کی وجہ سے بتوں اور مورتیوں کے پجاریوں میں سے سب سے پہلے پجاری ہونے کا ثبوت دیا پھر اپنی جاہل گمراہ قوم کو بھی بلایا کہ جو وہ کفر اور محال کو خیال کئے بیٹھا ہے اس میں اس کی اتباع کریں اور تصدیق کریں کہ وہی رب ہے، اللہ عزوجل ان کافروں، گمراہوں محتاج عاجزوں سے بدرجہ اعلیٰ وارفع ہیں (بلکہ کیا نسبت ؟ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک)

فرمان الٰہی ہے (اور فرعون نے اپنی قوم میں پکارا کہنے لگا اے قوم کیا میں سلطنت مصر کا مالک نہیں ہوں ؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں ؟) کیا تم نہیں دیکھتے ؟

بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا (اور اگر وہ خدا کا نبی ہی ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا پھر فرشتے ہی اس کے ساتھ جمع ہو کر آجاتے ؟ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی اور انھوں نے اس کی بات مان لی، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے جب انھوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر سب کو ڈبو چھوڑا، اور ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنادیا)۔[1]

دوسری جگہ فرمان باری ہے (غرض اس (موسیٰ) نے اس کو بڑی نشانی دکھائی، مگر اس نے تردید کی اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا اور تدبیریں کرنے لگا، پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا کہنے لگا، میں ہی تمہارا سب سے بڑا ہوں، پھر تو خدا نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا جو شخص ڈرتا ہے بے شک اس کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے)[2]

ایک اور جگہ فرمایا (اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا، وہ قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا، اور ان کے اترنے کی جگہ انتہائی بری ہے، اور اس جہاں میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا برا ہے۔[3]

حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی دونوں باتوں میں جھوٹا اور مکار تھا، پہلی بات یہ کہ میں تم کو وہی راہ دکھلاتا ہوں جو میں صحیح سمجھتا ہوں، اور دوسری بات اور میں تم کو سیدھی راہ ہی دکھلاتا ہوں۔

آگے فرعون کی قوم کے مومن شخص کا ذکر ہے، فرمان الٰہی ہے (اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا اے قوم میں تمہاری نسبت خوف کرتا ہوں کہ کہیں تم پر دوسری امتوں کی طرح عذاب آجائے (یعنی کہیں)

[1] زخرف ۵۱ تا ۵۶۔ [2] نازعات ۲۰ تا ۲۶ [3] ـ

نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے؟) اور خدا تو بندوں پر کرنا نہیں چاہتا، اور اے قوم مجھے تمہاری نسبت بلاوے کے دن کا خوف ہے جس دن تم پیٹھ پھیر (قیامت کے میدان سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہو گا اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، اور پہلے یوسف بھی تم (مصریوں کے) پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو کچھ وہ لائے تھے تم ہمیشہ اس سے شک ہی میں رہے حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر بھیجے گا ہی نہیں، اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا ہو، اور جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (تو وہ جان لیں) کہ خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔[۱]

مذکورہ آیتوں میں ولی اللہ نے اعداء اللہ کو ڈرایا ہے کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلائیں گے تو ان کو وہی عذاب اپنی سخت لپیٹ میں لے لے گا، جو ان سے پہلی نافرمان امتوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے کہ ان پر بڑے بڑے عذاب آئے ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں اور ان قبطیوں اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کو بھی پتہ ہے جو عذاب قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد آنے والے زمانے تک کے نافرمان لوگوں پر اترا، جن کی وجہ سے اہل زمین پر یہ بات دلائل کے ساتھ روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جو بھی انبیاء علیہم السلام بات لے کر آئے وہ سچ ہے کیونکہ ان کے جھٹلانے والے عذاب الٰہی میں جکڑے گئے اور ان کی اتباع تصدیق کرنے والے نجات و فلاح پا گئے اور قیامت کے خوف سے مامون ہو گئے۔

اور قیامت کے روز کو آیت مذکورہ میں پکار کا دن فرمایا گیا کیونکہ اس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

(اور اس دن پیٹھ دے کر ادھر ادھر بھاگیں گے لیکن کہیں جائے فرار نہ ملے گی فرمان باری ہے (اس دن انسان کہے گا کہاں ہے جائے فرار؟ ہرگز نہیں کہیں جائے پناہ اس روز تو پروردگار کے پاس ہی ٹھکانا ہے)۔[۲]

اسی موضوع کی مناسبت سے دوسری جگہ فرمان باری ہے (اے جن و انس کے گروہ اگر تمہیں قدرت ہو کہ زمین و آسمان کی اطراف سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، پر زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے، پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، تو پھر مقابلہ نہ کر سکو گے پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)[۳]

اور پچھلی آیتوں میں جو مومن نے کہا تھا میں تم پر پکار کے دن سے ڈرتا ہوں تو بعض قراء نے اس لفظ یوم التناد کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوں گے کہ میں تم پر فرار کے دن سے ڈرتا ہوں اور اس صورت میں شاید یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن اللہ کا تم پر عذاب اترے پھر تم بھاگنے کی کوشش و خواہش کرو پر چھٹکارا نہ مل سکے، جیسے دوسری جگہ فرمان ہے (جب انھوں نے ہمارے عذاب کو

---

[۱] مومن ۳۰ تا ۳۵ [۲] قیامہ ۱۰ تا ۱۲۔ [۳] رحمٰن ۳۳ تا ۳۶۔

محسوس کر لیا تو لگے بھاگنے، (اب) مت بھاگو اور جن (نعمتوں) میں تم عیش و عشرت کرتے تھے ان کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ شاید تم سے پوچھ گچھ کی جائے)[1]

پھر مومن آگے ان کو حضرت یوسفؑ کی نبوت کے متعلق خبر دیتا ہے کہ وہ مصر کے شہروں میں آئے تھے اور ان سے مخلوق کو دنیاوی اور اخروی کیا کیا فائدے پہنچے تو اسی طرح یہ موسیٰؑ بھی انہی کی آل و اولاد ہی سے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی واحدانیت اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں اور مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں اور پھر مرد مومن نے مصری لوگوں کی عادت و جبلت کی خبر دی کہ تمہاری تو سرشت ہی میں حق کی تکذیب اور رسولوں کی مخالفت بھری ہوئی ہے اسی وجہ سے ان کو کہا پھر تم اس میں مسلسل شک و شبے میں پڑے رہے جو یوسف تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ وہ بھی چلے گئے تو تم کہنے لگے اب اللہ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

تو اس طرح پہلے سے ہی اہل مصر نے حضرت موسیٰؑ کو بھی جھٹلا دیا تھا کہ اب اللہ کا رسول نہ آئے گا، لہٰذا بعد میں آنے والے موسیٰؑ بھی ان کے عقیدے میں رسول الٰہی نہیں ہیں۔

اس پر مومن بندے نے کہا (اسی طرح اللہ عزوجل گمراہ فرما دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے گزرنے والا اور شک میں پڑنے والا ہو ایسے لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو) یعنی اللہ کی حجتوں اور اس کی توحید کے براہین و دلائل کو بغیر حجت اور کسی دلیل کے جھٹلا دیتے ہیں تو یہ ایسی بات ہے جو اللہ کے غضب کو بھڑکا دیتی ہے اور اللہ عزوجل ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو حق میں شک کرے اور جھٹلائے آگے فرمایا (اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں)

آیت مبارکہ کے الفاظ ہیں كذلك يطبع الله على قلب كل متكبر جبار

اور یہ لفظ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور موصوف صفت بنا کر بھی مطلب دونوں صورتوں میں قریب قریب ہے۔

یہاں پہنچ کر جب مومن کی حق گوئی پوری ہوئی اور فرعون دلائل کی جنگ ہار گیا تو گستاخی اور سرکشی پر اتر آیا فرمان باری (اور فرعون نے کہا کہ ہامان! میرے لئے ایک محل بناؤ تاکہ میں رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی آسمانوں کے رستوں پر پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں، اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اور اسی طرح فرعون کو اس کے اعمال بد اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ حق راستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر پانی میں تھی۔[2]

فرعون لعین نے حضرت موسیٰؑ کو ان کے رسول ہونے کے دعویٰ میں جھٹلایا، اور اپنی قوم کو آپ کی حقانیت سے پردہ میں رکھنے کے لئے ایک گستاخی کی بات کی کہ (میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی اور معبود نہیں جانتا، لہٰذا اے ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگا کر اینٹیں پکا دو پھر میرے لئے محل تعمیر کرو شاید میں موسیٰؑ کے رب کو جھک (کر دیکھ) لوں اور میں تو اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔ اور دوسری آیت کے

---

[1] الانبیاء ۱۲ تا ۱۳

[2] مومن ۳۶۔ ۳۷

مطابق یوں کہا شاید میں رستوں کو پہنچ جاؤں یعنی آسمان کے رستوں کو پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسکو جھوٹا سمجھتا ہوں)

ان نازیبا الفاظ سے دو معنی نکلتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ جہاں کا میرے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ اللہ نے اسکو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پہلا مطلب و معنی ظاہر حال کے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون یعنی اس کائنات کے بنانے والا ہی کا انکار کرتا تھا۔

لیکن لفظوں کو دیکھا جائے تو دوسرا مطلب زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے۔ کیونکہ فرعون یوں کہتا ہے (پس میں موسیٰ کے الہ کو دیکھوں) یعنی پھر اس سے پوچھوں کہ آیا اس نے موسیٰ کو بھیجا ہے یا نہیں؟ اور میں تو اسکو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) کہ وہ رسول ہے۔

الغرض فرعون کا مطلب تھا کہ عوام الناس کو حضرت موسیٰ کی سیدھی راہ سے روک لے اور آپکی تصدیق نہ کرتے دے بلکہ اس طرح انکو تکذیب و انکار پر خوب برانگیختہ کرے۔

اسکے متعلق اللہ فرماتے ہیں (اور فرعون کیلئے اس کے اعمال بد اچھے کر دیئے گئے تھے اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا تھا)

اور آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں (وصد عن السبیل) اور یہ صَدَّ بھی پڑھا گیا ہے اور آگے فرمایا (اور فرعون کی تدبیر پانی میں گئی)

ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے کہ اسکی تدبیریں اور مکر و فریب کہ میں آسمان پر جاؤں گا یہ سب گھاٹے میں پڑ گیا۔ اور وہ اپنے مقصود کا ذرہ بھر حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے کہ اپنے مونہوں کے ساتھ جھوٹ کے پلندے باندھ کر آسمان پر پہنچ جائے۔ اور پہلے آسمان پر تو کسی کی رسائی ہو نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ ملعون ساتوں آسمان کے بھی اوپر اس بلندی پر جائے جہاں اللہ کی تجلی ہے جس کی انتہاء بلندی کو کوئی جانتا تک نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرعون نے یہ محل جو بطور سیڑھی کے بنوایا یہ اتنا بلند تھا کہ زمین سے اسکی چوٹی نظر نہ آتی تھی۔ اور یہ پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا جو آگ پر خوب پک چکی تھیں اسی کے متعلق آیت میں ہے کہ فرعون نے کہا (پس اے ہامان میرے گارے پر آگ لگا کر اینٹیں بناؤ اور محل تعمیر کرو۔)

اور اہل کتاب سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل اینٹوں کے کام میں مہارت رکھتے تھے۔ اور فرعون نے جو مشققتیں اور بیگاری کے کام ان سے خوب خوب لئے تھے انہی میں سے یہ کام بھی تھا۔ اور بے چارے خود اپنا کام کچھ بھی نہ کر سکتے تھے بلکہ یہ لوگ مٹی بھوسا اور پانی جمع کرتے اور فرعون کے اہلکار انکے ذمے متعین تعداد لگاتے تھے کہ ہمیں اتنا اتنا کام ضرور چاہئے پھر اگر نہ کرتے تو مارتے پیٹتے اور انتہائی توہین کرتے اور خوب ظلم و ستم کا بازار گرم کرتے اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا تھا۔

(ہمیں آپکے آنے سے پہلے بھی تکالیف دی گئیں اور آپکے آنے کے بعد بھی۔ کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنادے پھر دیکھے کہ تم کیا عمل کرتے ہو؟)۔[1]

اس طرح حضرت موسیٰ نے انسے وعدہ فرمایا کہ انشاللہ آخر کار بھلا انجام تمہارے لئے ہوگا اور قبطی نیست ونابود ہو نگے۔ اور پھر چشم فلک نے خوب نظارہ کیا کہ اسی طرح ہوا۔ اور یہ نبوت کے دلائل میں ہے۔

اب ہم دوبارہ موسیٰ شخص کی نصائح اور حجت کی طرف لوٹتے ہیں۔

فرمان باری ہے (اور مومن شخص نے کہا اے قوم میری اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھلاؤں گا، اے قوم بے شک یہ دنیاوی زندگی (تھوڑی سی) مدت ہے اور بے شک آخرت کا گھر وہ ہیشگی کا ٹھکانہ ہے، تو جس نے برا عمل کیا اسے صرف اسی کے بدلے (سزا) دی جائیگی اور جس شخص نے اچھا عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو بس یہی لوگ جنت میں داخل ہونگے (اور) اس میں بغیر حساب کے رزق دیئے جائیں گے۔[2]

تو یہ مومن رضی اللہ عنہ حق اور سیدھے رستے کی طرف مخلوق خدا کو بلا تا ہے اور یہی چیز اللہ کے پیغمبر کی متابعت اور اس کی باتوں کی تصدیق ہے پھر ان کو دنیائے فانی یقیناً جلد ختم ہونے والی ہے کی زہد و استغناء کی تعلیم دے رہا ہے اور اس ثواب کی رغبت و طلب دلا رہا ہے جو اللہ کے پاس ہے ختم ہونے والا نہیں اور اس کے ہاں کوئی عمل کسی کا ضائع نہیں ہوتا وہ قادر مطلق ہے ہر چیز اس کے قبضے قدرت میں ہے۔

وہ تھوڑے پر بہت دیتا ہے اور اس کے عدل پر قربان جائیے کہ گناہ کا بدلہ صرف گناہ کے بقدر ہی دیتا ہے زیادہ نہیں کرتا اور پھر فرمایا کہ آخرت کا گھر ہیشگی کا ٹھکانہ ہے، پس جو شخص ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ اس میں پہنچ گیا اس کے لئے اس میں بلند درجات اور تمام خوف و شر سے پرامن بالاخانے اور بہت عمدہ عمدہ چیزیں ہوں گی، اور ایسے پھل میوے اور دوسرے بہت اقسام کے رزق ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے اور ہر نعمت ان کی ہمیشہ روبترقی رہے گی۔

پھر مرد حق ان کو گمراہی و نامرادی کو بتلا رہا ہے اور ان کے انجام بد سے ڈرا رہا ہے فرمایا۔

(اور اے قوم کیا ہے مجھے؟ کہ میں تو تم کو نجات (وفلاح) کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس کو شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور جبکہ میں تم کو زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلا رہے ہو اس کو دنیا و آخرت میں دعا (قبول کرنے) کی طاقت نہیں ہے اور بے شک ہم کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔

غرض خدا نے (موسیٰ کو) ان لوگوں کی تدبیر دل کی برائیوں سے بچالیا اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا، (یعنی) آتش جہنم، جو صبح شام اسپر پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی، (تو حکم ہوگا) اور

---

[1] اعراف ۱۲۹۔ [2] مومن ۳۸ تا ۴۰

فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔[1]

اس طرح مومن شخص تو ان کو اس ذات کی عبادت کو بلاتا جو آسمان وزمین کا رب ہے اور وہ کسی چیز کو (کن) ہو جا کہہ دے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے جبکہ یہ گمراہ بھٹکے ہوئے لوگ اس کو گمراہ ملعون فرعون کی عبادت کو بلاتے۔

اسی وجہ سے مومن نے ان کو انکار کرتے ہوئے ازراہ تعجب کہا (اور اے قوم مجھے کیا ہوا کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کو اس کے ساتھ شریک کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور جبکہ میں سب کی زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔[2]

پھر ان کو ان کے معبودان باطلہ کی کمزوری اور ان کا بے حقیقت ہونا دکھلایا کیونکہ بے شک وہ نہ کسی نفع کا فائدہ دے سکیں اور نہ کسی نقصان سے حفاظت کر سکیں فرمایا، (یقیناً تم مجھے اس کی طرف بلاتے ہو جس کو دنیا وآخرت میں کسی دعا (قبول کرنے) کی طاقت ہی نہیں ہے، اور بے شک ہمارا لوٹنا اللہ کے پاس ہوگا اور حد سے گزرنے والے جہنمی لوگ ہوں گے)

یعنی یہ تمہارے معبودان بے حقیقت یہ تو اس دنیا میں کسی حکم میں اور تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے پھر آخرت میں ہمیشگی کے گھر میں کیسے ان کو قدرت ہوگی، بہر حال وہ رب جس کی طرف میں بلا رہا ہوں وہ با عزت اور عظیم ہے اور وہ خالق ہے رازق ہے نیکوں کا بھی بدوں کا بھی، اور وہی ہے جس نے بندوں کو زندہ کیا۔

اور وہی انکو موت کا مزہ چکھاتا ہے اور وہی پھر دوبارہ زندہ کر کر اٹھائے گا، پھر اپنے فرمانبرداروں کو جنت میں اور اپنے نافرمانوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

پھر مومن شخص نے ان کی ہٹ دھرمی پر برقرار رہنے پر دھمکی دی اور کہا (پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے ہاں سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے)

آگے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (پھر اللہ نے اس کو ان کے مکروں کی برائیوں سے بچالیا)

یعنی جب اس نے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر دیا تو پھر اللہ نے اس عذاب سے ان کو بچالیا جو نافرمانوں پر ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے راہ خدا میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے نازل کیا یعنی انھوں نے عوام کے آگے ایسے ایسے خیالات و محلات اور پروپیگنڈے ظاہر کئے کہ ان کی وجہ سے عوام الناس سیدھے سادھے لوگوں کو حق سے شبے میں ڈال دیا۔

جس کے جواب میں اللہ نے عذاب نازل کیا فرمایا: (اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا، وہ لوگ آگ پر صبح شام پیش کئے جاتے ہیں)۔

یعنی ان کی روحوں کو عالم برزخ میں آگ پر صبح شام پیش کیا جاتا ہے۔

اور فرمایا (جب قیامت قائم ہوگی تو (انکو حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو) اور ہم تفسیر قرآن میں اس آیت کے تحت عذاب قبر پر گفتگو کر چکے ہیں اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

---

[1] مومن ۴۱ تا ۴۶۔ [2] مومن ۴۱ تا ۴۲

الغرض مقصود یہ کہ اللہ نے ان کو اچانک ہلاک نہیں فرمایا بلکہ پہلے ان پر خوب حجت و دلائل قائم کردیئے اور اپنے پیغمبران کے پاس بھیج دیئے اور ان کے شکوک و شبہات کو ختم کردیا اور ان پر حجت قائم کردی کہ کبھی ڈرایا کبھی ترغیب دی جیسے فرمان الٰہی ہے۔

(اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت پکڑیں، تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے، لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے، اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو، مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون (الغرض) کتنی ہی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار)۔[1]

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے قوم فرعون کو آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ قبطی تھے اور وہ آزمائش چند عذابوں پر مشتمل تھی جن میں سے ایک قحط سالی تھی جس میں نہ کبھی سرسبزی تھی اور نہ تھنوں سے دودھ نکلتا تھا۔

اور دوسرا عذاب پھلوں کی کمی تھی، ان عذابوں کے بعد بھی وہ نصیحت حاصل کرنے والے نہ بنے اور نہ راہ روی سے لوٹے بلکہ تمرد و سرکشی کے ساتھ اپنے کفر و عناد پر پکے ہو گئے، اور فرمایا جب ان کے پاس کوئی اچھائی پہنچتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر کوئی برائی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھ کے مومنین کی نحوست خیال کرتے۔

اور حالانکہ جب کوئی بھلائی اور سبزہ سال ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ یہ موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کی برکت اور ان کے اچھے پڑوس کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے قلوب واذہان حق کا انکار اور اس سے تکبر اور نفرت کرنے میں انتہاء کو پہنچ چکے تھے اور جب بھی کوئی عذاب آتا تو اس حق کی طرف اس کی نسبت کر دیتے، اور اگر کوئی بھلائی پہنچتی تو اپنی جانوں کو مستحق یقین کرتے اس پر اللہ نے فرمایا (آگاہ رہو ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے) یعنی اللہ اس پر خوب بدلہ عطا فرمائے گا (اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) اور (فرعونی) کہنے لگے اور جب بھی تو ہمارے پاس کوئی نشانی ہم پر جادو کرنے کے لئے لائے گا ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہ ہوں گے) اور حالانکہ حضرت موسیٰ ان کو معجزات اور خدا کی نشانیاں دکھلاتے تھے اس پر یہ بکواس کرتے آپ اگرچہ ہر قسم کی نشانی اور معجزہ لادکھائیں مگر ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ آپ کی پیروی کریں گے تو اس وجہ سے اللہ نے ان کے متعلق خبر دیدی تھی۔

(بے شک جن لوگوں کے متعلق خدا کا حکم ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں خواہ ان کے پاس نشانی آجائے)[2]

آگے فرمان باری ہے (پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کھلی نشانیاں بھیجیں پھر انھوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھے)

---

[1] عراف ۱۳۰ تا ۱۳۳

طوفان کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ اس قدر بارشیں ہوئیں کہ کھیتیں اور باغات غرق ہو گئے اور حضرت سدی اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور ضحاک سے بھی یہی قول مروی ہے۔
اور دوسری روایت میں ابن عباس اور عطاء سے یہ منقول ہے کہ اس سے مراد کثرت اموات ہے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ طوفان ہر حالت میں پانی اور طاعون کی صورت میں برستا تھا، اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ عذاب تھا جس نے ان کو بالکل گھیر لیا۔
[2] اور حضرت عائشہؓ نقل کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا طوفان موت ہے۔
لیکن یہ حدیث غریب ہے۔
طوفان کے بعد جراد یعنی ٹڈیوں کے عذاب کا ذکر ہے۔
[3] اس کے متعلق حضرت سلمان فارسیؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ٹڈیوں کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا اللہ کے اکثر لشکروں (جانوروں) کو میں نہ کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے تناول فرمانے کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا۔
اسی طرح گوکو بھی چھوڑ دیا تھا، اور آپ پیاز اور لہسن اور کراث (ایک بدبودار سبزی) کو بھی کھانا پسند نہ فرماتے تھے، اور اس کے متعلق صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی سے بھی مروی ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سات غزوے کئے اور ہم ٹڈیاں کھاتے تھے۔
اس سے معلوم ہوا حرام نہیں ہے باقی حضور پسند نہ فرماتے تھے۔
اور ان احادیث اور آثار پر ہم نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں گفتگو کی ہے۔
خیر یہ کلام و تفصیل تو ہم نے اسکے حلت و حرمت کے متعلق کی ہے۔ اور اصل مقصود یہاں یہ ہے کہ ان ٹڈیوں نے انکے سبزہ زاروں کو بالکل چاٹ لیا تھا نہ کوئی فصل چھوڑی اور نہ پھل اور نہ ہی اور کچھ۔
اور اس سے آگے جوؤں کا عذاب کا ذکر ہے۔ تو انکے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے قمل وہ کیڑا ہے جو گندم کو گھن لگنے سے نکلتا ہے۔ اور آپ ہی سے مروی ہے کہ وہ ایسی چھوٹی ٹڈیاں ہوتی ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ اور حضرت مجاہد اور عکرمہ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔
اور حضرت سعید بن جبیر اور حسن فرماتے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے سیاہ کیڑے ہوتے ہیں۔
اور عبدالرحمٰن بن زید ابن اسلم فرماتے ہیں قمل پسو اور مچھر ہوتے ہیں۔ اور ابن جریر نے اہل عرب سے نقل کیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیچڑیاں ہوتی ہیں۔
تو جو کچھ بھی ہو یہ قبطیوں کے گھروں میں بستروں میں جگہ جگہ گھس گئیں اور انکے لئے کہیں جائے قرار دامن نہ چھوڑی۔ اور انکے ساتھ چشم پوشی کرتے ہوئے زندگی بھی بسر نہ ہو سکتی تھی کہ کاٹ کھاتی تھیں اور

---

[1] یونس ۹۶ تا ۹۶۔ [2] وقدروی ابن جرير و ابن مردويه من طريق يحيى بن يمان، عن المنهال ابن خليفة، عن الحجاج عن الحكم بن ميناء عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال.
[3] روى ابو داود عن ابی عثمان عن سلمان فارسی

حضرت عطاء بن سائب نے اسکے متعلق فرمایا کہ جو آجکل مشہور جوئیں ہیں یہی مراد ہیں اور حضرت حسن بصریؒ نے اس لفظ ''قمل'' کو میم کی شد کے بغیر پڑھا ہے۔

اسکے بعد مینڈکوں کے عذاب کا ذکر فرمایا: اور یہ انکے ہاں اس قدر زیادہ ہو گئے تھے کہ انکے کھانے پینے کی اشیاء اور برتنوں میں گرے رہتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنا برتن کھانے کیلئے کھولتا تو یکدم کوئی نہ کوئی مینڈک اسمیں گر پڑتا۔

اسکے بعد خون کے عذاب کا ذکر ہے۔ اور اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ خون انکے تمام پانیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور جس پانی کو بھی پینے کا ارادہ کرتے تو اسمیں پہلے سے ہی تازہ خون بن جاتا۔ نہ ہی کوئی کنواں بچا، نہ نہر، نہ اور کچھ بلکہ جب بھی یہ قبطی لوگ قریب آتے تو وہ خون بن جاتا۔

اور یہ تمام انواع عذاب صرف قبطی لوگوں پر ہی تھیں اور بنی اسرائیل کو انکا ذرہ بھی اثر نہ پہنچا تھا۔ اور یہ کامل معجزہ اور قطعی حجت تھی کہ یہ برکت محض حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے ہے۔ تو پس یہ تمام قبطیوں پر عذاب رہا آپؑ اور بنی اسرائیل سب محفوظ و سالم رہے۔ اور یہ بڑی ہی مضبوط دلیل ہے موسیٰؑ کے صدق و سچائی کی۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں جب جادوگر ایمان لائے تو فرعون، دشمن خدا مغلوب و نامراد ہو کر لوٹا۔ پھر بھی ایمان لے آنے سے ہٹ دھرم رہا بلکہ کفر پر ڈٹا رہا اور شر و فساد کے پھیلانے میں مزید اضافہ ہو گیا تو تب جا کر اللہ نے یہ عذابات کئے بعد دیگرے نازل فرمائے پہلے قحط سالی کے ایام آئے، پھر طوفان، پھر ٹڈیاں، پھر جوویں، پھر مینڈک، پھر خون۔

تو پہلے طوفان پانی کی صورت میں آیا اور اس نے زمین کو اپنی سخت لپیٹ میں لے لیا اور روئے زمین کو ڈھانک لیا اور اس طرح ٹھہرا رہا۔ کہ قبطی لوگ نہ کھیتی باڑی کر سکتے تھے اور نہ ہی اور کچھ کام کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ فاقوں کی زد میں آ گئے جب نوبت یہاں پہنچ گئی تو پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے عرض گذار ہوئے (کہنے لگے، اے موسیٰؑ اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسے اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے۔) [1]

حضرت موسیٰؑ تو انکے ایمان کے انتہائی حریص تھے ہی لہذا بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا دیئے اور عذاب دور ہو گیا لیکن جب مقصد پورا ہوا تو قبطی اپنی بات اور وعدے سے پھر گئے۔ اور جب انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا تو اللہ نے انپر دوسرا عذاب مسلط فرمایا۔ وہ ٹڈیوں کا عذاب تھا۔

ان ٹڈیوں نے آکر ان کے پھلوں اور فصلوں کو کھا لیا حتیٰ کہ درختوں کو بھی کھا گئیں اور پھر دروازوں کی میخوں اور کیلوں کو چاٹ گئیں۔ اسپر وہ پریشان ہو کر پھر پہلے والا مکر کھیلا اور حضرت موسیٰؑ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے پھر دعا فرمادی اور عذاب ٹل گیا لیکن یہ ماننے والے کہاں تھے؟ تو اللہ نے پھر جوؤں کا عذاب نازل فرمایا۔ مصنف فرماتے ہیں مجھے بتلایا گیا ہے کہ:

حضرت موسیٰؑ کو حکم ملا تھا کہ اپنی لاٹھی لیکر ریت کے ٹیلے پر پہنچو اور اسکو لاٹھی سے مارو۔ تو حضرت

---

[1] الاعراف ۱۳۴ تا ۱۳۶

موسیٰ ریت کے بڑے عظیم ٹیلے پر گئے اور اسکو عصا سے مارا تو جوؤں سے پھٹ پڑا اور وہ وہاں سے نکل کر گھروں، کھانے پینے کے اشیاء میں جگہ جگہ گھس گئیں اور انکی نیند و سکون کو حرام کر دیا۔ جب یہ لوگ خوب تنگ آگئے تو پھر دوبارہ پہلے کی طرح عرض کیا تو حضرت موسیٰ نے دعا مانگی اور ان سے عذاب دفع کر دیا گیا۔

لیکن اب کے بھی انہوں نے وعدے کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر اللہ نے اس دفعہ مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا ان سے گھر، برتن اور کھانے پینے کی اشیاء سب کچھ بھر گیا۔ حتیٰ کہ کوئی کپڑا یا کھانا کھولتا تو اسمیں مینڈک بھرے پاتا۔ پھر جب یہ عذاب اچھی طرح جھیل لیا تو پھر موسیٰ کی خدمت میں آکر عرض گذار ہوئے آپ نے پھر دعا فرمائی اور عذاب ٹل گیا لیکن ان ہٹ دھرموں نے پھر وعدہ وفا نہ کیا، تو اب اللہ نے ان پر خون کا اور عذاب بھیجا تو ان آل فرعون کے سب برتن خون سے بھر گئے اب وہ نہ کسی کنویں سے پانی پی سکتے تھے، نہ کسی نہر سے، اور نہ ہی کسی برتن سے پانی کا چلو بھر سکتے اور اگر بھرتے بھی تو فوراً پانی تازہ خون سے بدل جاتا۔

زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں خون سے مراد نکسیر کا خون ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے اسکو روایت فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے (اور جب انپر عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے پھر ہم جب ایک مدت کے لئے جسکو انھوں نے پہنچنا تھا ان سے عذاب ٹال دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ انکو دریا میں ڈبو دیا اسلئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے)

اللہ عزوجل انکے کفر، سرکشی، اور گمراہی و جہالت پر ہمیشگی اور اللہ اور رسول کی آیتوں سے اعراض کرنے کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ باوجود انبیاً کو معجزات عظیم اور قاطع دلائل کے ساتھ بھیجا تھا اور انبیاء نے لوگوں کو سب کچھ دکھلا دیا اور دلیل و حجت قائم کر دی۔

لیکن وہ جب بھی کسی معجزہ یا نشانی کو دیکھتے اور یہ چیز انکو گراں گزرتی اور عذاب و مشقت میں مبتلا کر دیتی تو پھر حضرت موسیٰ سے التجاء کرتے کہ اگر آپ یہ عذاب ٹلوا دیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔

اور آپؑ کے ساتھ آپکی قوم کو بھی بھیج دیں گے۔ اور پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے جب بھی ان سے عذاب ٹل جاتا تو پہلے سے زیادہ شر و فساد پر اتر آتے۔ اور حضرت موسیٰ کی باتوں اور ایمان لانے سے منہ موڑ لیتے اور ذرہ بھر التفات ہی نہ کرتے۔ پھر اللہ دوسری عذاب کی نشانی بھیج دیتے۔ اور وہ انکے شر کے مانند پہلے سے زیادہ سخت اور قوی ہوتی تھی۔ اور یہ پھر دوبارہ بکواس بازی کرتے اور جھوٹ بولتے اور وعدے و قسمیں کھاتے اور وفا بالکل نہ کرتے کہ اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور آپکے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے تو پھر ان سے عذاب کو دور کرایا جاتا لیکن یہ وعدہ خلاف پھر اپنے جہل عظیم کی طرف لوٹ جاتے۔

ایک طرف تو انکے کفر و شر کی یہ نیرنگیاں اور دوسری طرف خدائے ارحم الرحمین عظیم بردبار قدرت والے کی چشم پوشی دیکھو کہ انکو بار بار دیکھ رہا ہے لیکن پھر بھی اپنے سخت عذاب کی پکڑ میں نہیں لے رہا بلکہ انکو

خوب مہلت دے رہا ہے اور انکے پاس بار بار حجت و دلیل اور اپنی نشانی بھیج رہا ہے کہ باز آجاؤ آجاؤ۔
لیکن پانی جب حد سے گذر گیا تو اللہ نے حجت قائم کرنے کے بعد انکو اپنے عذاب میں دبوچ لیا اور بڑی سخت پکڑ میں پکڑا اور انکے نقش قدم پر چلنے والے تمام کفار سرغنوں کیلئے مثال و نصیحت بنادیا۔ انکو عبرت اور رسوائی کا پیشوا بنادیا نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے۔

جیسے کہ اللہ رب العزت جو سچوں میں سب سے سچا ہے اس نے اپنی کتاب سورہ (حم والکتب المبین) میں فرمایا ہے (اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے (جاکر) کہا میں اپنے پروردگار رب العلمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ انکے پاس ہماری نشانیاں لیکر آئے تو وہ ان نشانیوں سے ہنسی کرنے لگے۔ اور جو نشانی ہم انکو دکھاتے ہیں وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی۔ اور ہم نے انکو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آئیں۔ اور کہنے لگے کہ اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تیرے رب نے تجھ سے کر رکھا ہے دعا کر ہم ہدایت یافتہ ہونگے۔ تو جب ہم نے ان سے عذاب دور کردیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا اے میری قوم کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے ؟۔ اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (کیا میری نہیں ہیں ؟) کیا تم دیکھتے نہیں ہو بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گو بھی نہیں ہے۔
(اور اگر وہ نبی ہی ہے) تو اسپر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے ہی اسکے ساتھ جمع ہو کر آجاتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی۔ اور انہوں نے اسکی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب نہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیکر اور انکو ڈبو کر چھوڑا۔ اور انکو گئے گذرے کردیا اور پچھلے آنے الوں کیلئے عبرت بنادیا)[1]

درج بالا آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھیجنے کے متعلق تذکرہ فرمارہے ہیں اور یہ رسول اللہ کا ہمکلام لریم شخص تھا انکو فرعون یعنی کمینے خسیس کی طرف بھیجا گیا۔ اور پھر اللہ نے اپنے رسول کی تقویت فرمائی واضح نشانیاں اور معجزات دیکر۔ جو اسکے پورے لائق تھے کہ انکا تعظیم و تصدیق کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اور اپنی بات سے باز آجائیں اور حق اور سیدھے رستے کی طرف چل پڑیں لیکن یہ کہاں باز آنے والے تھے بلکہ بجائے سر تسلیم خم کرنے کے اور ان معجزات سے ہنسی مذاق کرنے لگے اور انکی توہین کرتے اور (اللہ کے راستے سے خود بھی ہٹتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ پھر اللہ نے انکو منوانے کیلئے پے در پے کئی نشانیاں بھیجیں پہلے ایک پھر دوسری اسی طرح سب آچکیں اور ہر بعد والی بڑی تھی لیکن یہ پھر بھی وہیں کے وہیں۔
انکی ہرزہ سرائی کے متعلق اللہ نے فرمایا (اور ہم نے انکو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ لوٹ جائیں۔ اور وہ کہنے لگے اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا مانگ اسواسطے سے جو اس نے تیرے ساتھ عہد کرر کھا ہے، تو ہم ہدایت حاصل کرنے والے ہوں گے۔)
اس زمانے میں لفظ ساحر یعنی جادوگر کوئی برا لفظ تھا اور نہ ہی کوئی عیب تھا کیونکہ اسوقت کے علماء وہ جادوگر

---

[1] زخرف ۴۶ تا ۵۶

ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے قبطیوں نے اپنی سخت محتاجی کے وقت بھی اسی نام سے موسیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کھول دیا۔ فرمایا: (پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکن ہو گئے) پھر اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ فرعون اپنے ملک کی شان و شوکت اور اپنے شہر کی عظمت و حسن اور اسمیں پانی کی فروانی وغیرہ کے ساتھ اکڑ رہا تھا۔

فرعون نے جو کہا کہ نہریں میرے محل کے نیچے سے بہہ رہی ہیں وہ ایسے ہی نہریں تھیں جو دریائے نیل کی بعض اوقات طغیانی کی وجہ سے بنائی گئیں تھیں۔

پھر ملک و سلطنت کے ساتھ فخر کے بعد اپنی ذات کے متعلق فخر و غرور میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اسکے مقابلے میں اللہ کے رسول موسیٰ کی عیب جوئی کرتا ہے کہ وہ تو صحیح طرح سے کلام بھی نہیں کر سکتا چونکہ آپؑ کی زبان میں بچپن سے انگارہ لے لینے سے لکنت آگئی تھی اور اسکا کچھ اثر باقی تھا تو اس پر فرعون نے طعن کیا جبکہ یہ آپکا شرف و کمال و جمال ہے کہ اسکے باوجود اللہ نے آپؑ سے کلام فرمایا اور آپکی طرف وحی فرمائی اور اسکے بعد آپ تورات بھی نازل فرمائی پھر اسکے بعد لعین فرعون آپ پر عیب لگاتا ہے۔ بے سرو سامانی کی وجہ سے کہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں تو سونے کے کنگن بھی نہیں ہیں اور نہ زیب و زینت ہے جبکہ اس عقل کے بہرے کو معلوم نہیں ہے کہ یہ تو عورتوں کا ذریعہ ہے۔ مردوں کی مردانگی اور شان کے خلاف ہے۔ تو پھر رسولوں کے کیسے لائق ہو سکتا ہے؟ جو عقل میں سب سے کامل، موقف میں سب سے آگے، ہمت و عزم کی بلندی پر اور دنیا سے کوسوں دور ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے دوستوں کیلئے آخرت میں کیا کیا نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں۔

پھر آگے فرعون کہتا ہے (یا اسکے ساتھ فرشتے ہی جمع ہو کر آجاتے؟)

جبکہ آپکو اسکی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر فرشتوں کے آنے سے مقصود حضرت موسیٰ کی ان سے تعظیم و تکریم کروانا ہو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ فرشتے تو آپ سے کہیں درجہ کم کیلئے ہی عزت و اکرام کے ساتھ پر بچھا دیتے ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے کہ (بے شک فرشتے اپنے پروں کو طالب علم کیلئے بچھا دیتے ہیں اسپر خوشی و رضا کے ساتھ جو کچھ وہ کر رہا ہے)۔

لہذا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی فرشتے کس قدر تعظیم و تکریم کرتے ہونگے۔

اور اگر فرشتوں کے ساتھ آنے سے مقصود فرشتوں کا حضرت موسیٰ کی سچائی کے متعلق گواہی دینا ہو تو یہ بھی کوئی بات نہیں کیونکہ آپکے ساتھ ایسے ایسے معجزات نازل فرما دیئے گئے تھے جو اہل عقل و حق کیلئے قطعی ثبوت ہیں اور انکے برعکس جو دل و دماغ کو چھوڑنے والا ہو اور رب الارباب نے اسکے دل پر مہر ثبت کر دی ہو تو وہ شخص اس فرعون کی طرح اوپر کے چھلکے کو دیکھ کر واضح دلائل اور قطعی ٹھوس ثبوت کے باوجود اندھا بن جاتا ہے۔ اور پھر اسکی نافرمانی و ہٹ دھرمی کی وجہ اللہ کی طرف سے اسکے ذھن میں شکوک و شبہات ہی جنم لیتے رہتے ہیں جیسے کہ فرعون قبطی اندھے کذاب کا حال تھا آگے فرمان الہیٰ ہے (پھر اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی پھر انہوں نے اسکی اطاعت کر لی) یعنی انکی عقلوں کو بہرہ کر دیا اور انکو یکے بعد دیگرے مختلف درجوں میں اتارتا رہا حتی کہ انہوں نے اسکی دعوائے خدائی میں تصدیق کر دی اللہ اسپر لعنت کرے اور اسکا برا کرے۔

آگے فرمایا (بے شک وہ فاسق قوم تھی پھر جب انہوں نے ہم کو غضب ناک کیا تو ہم نے انسے انتقام لے لیا) یعنی دریائے نیل کی تند و تیز موجوں میں غرق کر دیا۔ اور عزت کی بلندیوں سے اتار کر قعر ذلت میں دھکیل دیا۔ اور نعمتوں وآرائشوں کے بعد رسوائی اور عذاب سے دو چار کر دیا اور اچھی عیش و عشرت کے بعد آگ و جہنم میں پہنچادیا۔

اللہ بزرگ و برتر لازوال ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے

آگے فرمایا (پھر ہم نے انکو پچھلوں کے لئے عبرت بنادیا) یعنی جو بھی انکی اتباع و پیروی کریں۔ اور (مثال) بنا یا انکے لئے جو ان سے نصیحت پکڑیں اور انکے عذاب سے خوف کریں اور یہ وہ لوگ ہونگے جنکو ان فرعونیوں کی واضح اور صاف صاف خبریں پہنچی ہوں۔

فرمان الٰہی ہے (اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) نہیں سنی۔

اور موسیٰ نے کہا میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے۔ جو اسکی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ اور جس کے لیے عاقبت کا گھر ہے بے شک ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔ پس اے ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگا کر (اینٹیں) دو پھر ایک (اونچا) محل بنادو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ وہ اور اسکے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور خیال کر رہے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ تو ہم نے انکو اور انکے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں ڈال دیا۔ پس دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور ہم نے انکو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن انکی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دنیا میں ہم نے انکے پیچھے لعنت لگادی اور وہ قیامت کے روز بھی بد حالوں میں سے ہونگے۔[1]

اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ جب انہوں نے تکبر کیا اور حق سے منہ موڑا اور انکے بادشاہ فرعون نے باطل چیز یعنی اپنے لئے خدائی کا دعوی کیا اور انہوں نے اسکی موافقت و حمایت واطاعت کی، تو زبردست قادر مطلق الٰہی کا غضب ان پر برسا۔ وہ ذات جسپر کسی کو غلبہ نہیں اور نہ اسکو کوئی انکے انتقام سے روک سکتا ہے تو پس ایسی ذات عظیم کا سخت انتقام آگیا۔

اور فرعون کو مع اسکے پجاریوں کے ایک ہی وقت میں غرقاب کر دیا اور ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا اور نہ کوئی پیچھے باقی بچا بلکہ ہر ایک دریائے نیل کی طوفانی موجوں کی بھینٹ چڑھا اور داخل جہنم ہوا۔

اور اس دنیا میں انکے لئے صرف ایک چیز باقی رہ گئی اور وہ ہمیشہ کی لعنت ہے۔

اور قیامت میں بہت برا انعام انکو دیا جائیگا۔ اور وہ قیامت کے دن بد حالوں میں سے ہونگے۔

---

[1] القصص ۳۶ تا ۴۲

فرعون اور اسکے لشکریوں کی ہلاکت

جب قبطی لوگ اپنے بادشاہ فرعون کی اتباع میں اللہ کے رسول اور اسکے ہمکلام حضرت موسیٰؑ کی مخالفت پر اتر آئے اور اپنے کفر نافرمانی عناد اور ہٹ دھرمی پر اڑ گئے۔ تو اللہ نے اہل مصر پر ہر قسم کے ٹھوس دلائل اور قطعی براہین قائم کر دیئے اور ایسے ایسے معجزات دکھلا دیئے جو عقلوں اور آنکھوں کو حیرت زدہ کر دیں۔ لیکن اسکے باوجود وہ اللہ سے نہ ڈرے اور نہ اپنی سرکشی سے باز آئے اور نہ کفر سے روگرداں ہوئے اور اس سے واپس مڑے بلکہ صرف چند نفوس ایمان کی لازوال دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک قول کے مطابق وہ افراد صرف تین تھے ایک فرعون کی بیوی اور ایک ال فرعون کا شخص جسکی نصیحتیں پہلی گذر چکی۔ اور تیسرا وہ شخص جو شروع میں حضرت موسیٰ کے پاس دوڑا آیا تھا اور خبر دی تھی کہ فرعونی لوگ آپکے قتل کا منصوبہ کر رہے ہیں لہذا آپ روپوشی اختیار فرمالیجئے۔ تو یہ تین افراد مسلمان وبا ایمان ہوئے تھے۔

ابن ابی حاتم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبطیوں میں مومن ہوئے ورنہ غیر قبطیوں سے تو اور بھی مومن ہوئے تھے جیسے جادوگر وہ قبطی نہ تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپؑ پر قبطی لوگوں کی ایک جماعت اور تمام جادوگر اور بنی اسرائیل کے تمام قبائل ایمان لے آئے تھے۔ اور اس قول کی تائید قرآنی آیت کرتی ہے۔ فرمان ہے (موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اسکی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اسکے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ انکو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور حد سے بڑھا ہوا تھا۔) [1]

تو یہاں جو فرمایا کہ مگر اسکی قوم میں سے چند لڑکے تو اس سے مراد فرعون کی قوم کے چند لڑکے ہیں۔ سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ ضمیر موسیٰؑ کی طرف راجع ہے یعنی حضرت موسیٰ کی قوم کے افراد مراد ہیں کیونکہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر قریب ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ قوی ہے اور تفسیر قرآن میں مضبوط ہے۔

اور انکا ایمان بھی انتہائی خفیہ تھا فرعون اور اسکے ظلم وستم کے ڈر سے۔

اور فرعون کی قوم کے دوسرے لوگ ایسے مومنوں کی چغل خوری کے پیچھے تلاش میں رہتے تھے۔

اللہ عزوجل فرعون کے متعلق خبر دیتے ہیں (اور بے شک فرعون زمین میں ناحق بڑائی پسند تھا اور حد سے گذرنے والا تھا)۔ یعنی سخت سرکش تھا اور ناحق اکڑتا تھا۔ اور اپنے تمام احوال وامور اور ہر چیز میں حد سے نکل چکا تھا۔ اسوجہ سے یہ درخت کی ایسی جڑ بن چکا تھا جسکے اکھڑنے کا وقت قریب آن پہنچا تھا اور ایسا خبیث پھل تھا جسکے کٹنے کا وقت آچکا تھا اور ایسا لعنت زدہ طریقہ تھا جسکی تباہی یقینی ہو چکی تھی۔ تو اسوقت حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں (اے قوم اگر تم ایمان لا چکے ہو تو پس اسی پر بھروسہ کرو اگر تو تم مسلمان ہو۔ تو انہوں

---

[1] یونس ۸۳

نے کہا اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کیلئے تختۂ ظلم وستم نہ بنا۔ اور ہمیں اپنی رحمت کیساتھ کافر قوم سے نجات دے۔)[1]

یعنی جب دشمن قوم پر عذاب کا وقت پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے اور اسی سے التجاء وآہ وزاری کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے بھی اپنی تسلیم کی گردنیں جھکا دیں۔ اسپر اللہ نے ان سب کیلئے ان تکالیف سے خلاصی وچھٹکارے کی راہ نکال دی۔ اسوقت اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا (اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بنالو اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دیدو)[2]

یعنی اللہ عزوجل نے دونوں پیغمبر بھائیوں کو یہ وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے گھروں کو قبطیوں کے گھروں سے جدا کر کے علیحدہ علاقے میں تعمیر کرائیں تاکہ جب کوچ کا حکم ملے تو آسانی سے خفیہ نکل سکیں اور بعض بعض کو اطلاع دیکر سب جلد تیار ہو جائیں۔ اور یہ فرمایا کہ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اسکا مطلب ایک قول کے مطابق ہے کہ اپنے گھروں میں مسجدیں بھی بناؤ۔ اور دوسرے قول کے مطابق مطلب ہے کہ اپنے گھروں میں کثرت سے نماز قائم کرو۔

اور یہی آخری قول بہت سے اکابر کا ہے مثلاً مجاہد، ابو مالک، ابراہیم نخعی، ربیع، ضحاک، زید بن ام، اور عبدالرحمٰن بن زید۔

اور اس قول کے مطابق اسکی توضیح وشرح یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی تکلیف وشدت لاحق ہو تو نماز کے ساتھ اللہ سے خوب مدد مانگی جائے۔ جیسے دوسری جگہ وضاحت سے فرمایا (اور صبر ونماز کے ساتھ مدد طلب کرو) اور حضورؐ کو جب بھی کوئی امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

اور مذکورہ آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل اپنی عبادت گاہوں اور اجتماعوں میں اپنی عبادت کو کھلے عام کرنے پر قادر نہ تھے۔ تو اسوجہ سے اللہ نے انکو اپنے گھروں ہی میں نماز کی جگہیں بنا لینے کا حکم فرمادیا اس طرح اللہ نے انکی کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے ایک آسان حکم فرمادیا جو اس زمانے میں شعائر دین کو کھلے عام کرنے کا بدل تھا کیونکہ انکی زبوں حالت نماز وعبادت کو چھپانے کا تقاضا کرتی تھی۔

لیکن پہلا معنی زیادہ قوی ہے جو کثرت نماز کا ہے اور اسکی تائید ہوئی ہے آگے کے اس جملے سے کہ فرمایا (اور مومنین کو خوشخبری دیدو) کیونکہ کثرت صلاۃ پر ہی خوشخبری مرتب ہوگی اور اصل یہ ہے کہ دونوں معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ (اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ) اسکا مطلب ہے آمنے سامنے اپنے گھر بناؤ۔ کیونکہ قبلہ کا معنی سامنے کے بھی ہیں۔

آگے فرمان الٰہی ہے (اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا سامان) زینت اور اموال، دنیاوی زندگی میں دے رکھا ہے۔ اے پروردگار ان کا مال یہ

---

[1] یونس ۸۴ تا ۸۶، [2] یونس ۸۷

ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کریں۔ اے پروردگار۔ انکے اموال کو برباد فرما اور انکے دلوں کو سخت فرمادے تاکہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔ (خدا نے) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کرلی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے پہ نہ چلنا)[1]

یہ عظیم دعا تھی جو اللہ کے ہمکلام حضرت موسیٰ نے اللہ کے دشمن فرعون کے خلاف اٹھائی اور اللہ کے غضب کو انپر پکارا کیونکہ وہ حق کی اتباع سے تکبر کرتا تھا اور اللہ کے رستے سے روکتا تھا اور اپنے عناد، سرکشی، ہٹ دھرمی، اور باطل وانہونی بات پر اڑ چکا تھا اور حق سے روگردانی وبڑائی کرتا تھا وہ حق جو بالکل خوب حساً اور معناً ظاہر بھی ہو چکا تھا۔ اور قطعی وٹھوس ثبوت سے مضبوط ہو چکا تھا۔ تو ان باتوں کی وجہ سے موسیٰ نے اللہ سے پکارا (پروردگار آپ نے فرعون اور اسکے سرداروں (یعنی اسکی قبطی قوم کو اور جو بھی انکے دین وملت پر تھے سب کو) زینت اور اموال عطا کئے ہیں دنیوی زندگی میں۔ پروردگار وہ اس سے تیرے رستے سے گمراہ کرتے ہیں) یعنی ان باتوں کی وجہ سے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنے والا دھوکہ میں آجاتا ہے۔ پس جاہل سمجھتا ہے یہ کیسے گمراہ ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ نے انکو سب کچھ عنایت فرمایا ہے زیب وزینت کی نرالیاں عمدہ لباس، عمدہ سواریاں سجے دھجے گھر، آراستہ محلات، لذیذ ومرغوب کھانے، دلفریب عمدہ مناظر، قوت وسطوت والی بادشاہت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ سب کچھ صرف دنیاوی زندگی میں ہے ورنہ آخرت میں یہ سخت عذاب میں ہونگے۔

اور حضرت موسیٰ کی بددعا کہ (ربنا اطمس علی اموالھم) اے پروردگار انکے اموال کو برباد فرما۔ اسکے مطلب میں ابن عباس ومجاہد فرماتے ہیں یعنی اے اللہ انکو ہلاک وبرباد فرما۔ اور ابو العالیہ اور ربیع بن انس اور ضحاک فرماتے ہیں اس بددعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ انکو پہلے کی سی حالت میں منقش پتھر بنادے (اور یہ ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکیں) اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انکی کھیتیاں پتھر ہو گئیں تھیں اور محمد بن کعب فرماتے ہیں انکی مرغوب ونشہ آور اشیاء پتھر ہو گئی تھیں اور یہ بھی فرمایا کہ انکے تمام اموال پتھر ہو گئے تھے۔ اور جب یہ بات حضرت عمر بن العزیزؒ کو ذکر کی گئی تو آپ نے اپنے غلام کو فرمایا جا ایک تھیلی لے آ۔ وہ تھیلی لایا تو دیکھا اسمیں جو چنے اور انڈے تھے وہ پتھر سے تبدیل شدہ تھے۔ ابن ابی حاتم نے اسکو روایت فرمایا۔

اور آگے حضرت موسیٰ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ (اور انکے دلوں کو سخت کردیجئے۔ (کیونکہ) یہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے) ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی اے اللہ انکے دلوں پر مہر لگا دیجئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بددعا ہے۔

تو پس اللہ تعالیٰ نے اسکو قبول فرمایا اور اسکو حقیقت وثابت کردیا جیسے کہ پہلے حضرت نوحؑ کی بددعا کو انکی قوم کے خلاف قبول فرمایا تھا اور حضرت نوح نے یوں بددعا فرمائی تھی (پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر آپ انکو چھوڑیں گے تو یہ آپکے بندوں کو گمراہ کریں گے اور انکی اولاد بھی بدکار اور ناشکری ہوگی)[2]

تو جب حضرت موسیٰ نے بددعا کی اور حضرت ہارون نے انکی دعا پر آمین آمین کہی تو دونوں کو دعا کرنے والا

---

[1] یونس ۸۸۔۸۹ [2] نوح ۲۶۔۲۷

قرار دیکر دونوں کو یوں جواب مرحمت فرمایا (فرمایا بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی سو ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے رستے پر نہ چلنا)

مفسر علماء اور اہل کتاب فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے اپنی عید گاہ کے میدان میں نکلنے کی اجازت طلب کی تو فرعون نے ناپسند سمجھتے ہوئے بھی اجازت دیدی۔ اور در حقیقت یہ ان شہروں سے نکلنے کی تیاری کئے بیٹھے تھے۔ اور پھر پوری تیاری مکمل کرلی۔ لیکن یہ ترکیب ان چھٹکارے اور خلاصی کیلئے استعمال کی تھی۔

اور اہل کتاب کے ذکر کے مطابق اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم قبطیوں سے انکے سونے اور زیورات وغیرہ کچھ دن کیلئے مانگ لو یعنی عاریت پر لے لو۔ لہذا بنی اسرائیل نے مانگ کر ان سے بہت سامال اکٹھا کرلیا پھر ایک رات اچانک فوراً جلدی جلدی ملک شام کا ارادہ کر کے نکل بیٹھے۔

جب فرعون کو انکے نکل جانے کے متعلق معلوم ہوا تو سخت پریشان اور غضب آلود ہوا اور جلدی جلدی اپنے لشکر کو اکٹھا کیا اور مقابلے پر اکسایا اور انکے پیچھے لے چلا تاکہ انکو پہنچ کر نیست ونابود کرے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل پڑو پھر تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں قاصدین کو بھیجا (اور کہا) یہ حقیر سی چھوٹی جماعت ہے اور انہوں نے ہمکو غضب میں بھر دیا ہے۔ اور ہم سب ساز و سامان والے ہیں۔ پھر (اس طرح) ہم نے انکو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے۔ (تو قبطیوں کے ساتھ تو ہم نے اس طرح کیا۔ اور پھر ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا۔

پھر انہوں نے طلوع آفتاب کے وقت انکا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا بڑا پہاڑ ہے۔ اور وہاں دوسروں کو ہم نے قریب کردیا۔ اور موسیٰ اور انکے ساتھیوں کو بچالیا پھر دوسروں کو غرق کردیا۔ بے شک اس (قصے) میں نشانی ہے۔ لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور تیرا رب تو غالب مہربان ہے۔) [1]

علماء تفسیرؒ فرماتے ہیں: جب فرعون اپنے لشکروں کے جلوس میں بنی اسرائیل کے پیچھے چلا تو اندازہ لگایا کہ فرعون کے لشکر بہت بے شمار تھے حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ اسکے لشکریوں میں صرف ایک لاکھ تو سخت جنگجو اور بڑے بڑے بہادر تھے۔ اور مکمل تعداد کے اعتبار سے کل لشکر تقریباً سولہ لاکھ سے بھی متجاوز تھا۔ واللہ اعلم۔ اور ایک قول کے مطابق ان فرعونیوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل جو لڑائی کر سکنے والے تھے وہ صرف چھ لاکھ تھے سوائے بچوں عورتوں کے۔

اور اب موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکل رہے تھے اور اس وقت سے چار سو چھبیس شمسی سال

---

[1] الشعراء ۵۲ تا ۶۸

قبل حضرت موسیٰ کے جدامجد حضرت یعقوبؑ اسرائیل علیہ السلام مصر میں (چند سو افراد کے ساتھ) داخل ہوئے تھے۔ یعنی بنی اسرائیل کا درمیانی رہائش کا وقفہ مصر میں چار سو چھبیس سال کا تھا۔

توالغرض فرعون مع اپنے ٹڈی دل لشکروں کے بنی اسرائیل کو جا پہنچا اور سورج طلوع ہونے کے وقت انکو پہنچ گیا۔ اور دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر وہاں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا بلکہ دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو دیکھ لیا اور اچھی طرح جان لیا اور دلوں کی آگ امنڈنے لگی اور اب صرف جنگ وجدل باقی رہ گیا تو اس وقت انتہائی بے کسی وبے سروسامانی کی حالت میں بنی اسرائیل نے خوفزدہ ہوکر حضرت موسیٰ سے عرض کیا (ہم تو پکڑے گئے)۔ اور وہ انکی پریشانی کی وجہ ظاہری طور پر بجا تھی کیونکہ پیچھے جنگجوں کا لشکر جرار تھا اور آگے سمندر راستہ روکے کھڑا تھا اب کوئی راستہ باقی نہ رہا تھا سوائے اسکے کہ دریا میں غوطہ زن ہو جائیں۔ لیکن اسکی کوئی بھی طاقت وقدرت نہ رکھتا تھا بلکہ اسکا احساس بھی المناک تھا۔ اور یہ تو آمنے سامنے کا حال تھا اور دائیں بائیں بلند وبالا پہاڑوں نے راستہ گھیر رکھا تھا۔ اور پیچھے سے فرعون آڑے کھڑا تھا اور انتہائی غیض وغضب میں اپنے لشکر کے ساتھ پھر رہا تھا۔ اور بنی اسرائیل اسکو اپنے لشکر میں پہنچا ہوا محسوس کررہے تھے جسکی وجہ سے سخت خوف وگھبراہٹ میں مبتلا تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ دراز تک پہلے اس سے ذلتیں اور رسوائیاں اٹھا چکے تھے۔

توجب بنی اسرائیل نے اللہ کے پیغمبر سے اپنی بے کسی اور بے راہ روی کی حالت کا اظہار بصورت شکوہ کیا تو اللہ کے پیغمبر صادق ومصدق نے زبردست اعتماد اور عزم کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے جواب دیا (ہرگز نہیں بے شک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے) اور آپؑ لشکر کے درمیان تھے پھر درمیان سے نکل کر لشکر کے آگے سمندر کے سامنے آئے اور اپنی جلالی نظریں سمندر کی طرف اٹھائیں دیکھا کہ سمندر بھی اپنی سخت موجوں میں جوش سے پر ہے اور جھاگیں اور زور شور بڑھ رہا ہے اور آپؑ اپنی زبان مقدس سے فرمارہے ہیں اسی جگہ کا مجھے حکم ہوا ہے۔

اور آپکے ہمراہ آپکے بڑے بھائی حضرت ہارون اور یوشع بن نون تھے اور یہ یوشع اسوقت بنی اسرائیل کے بڑے سردار وسید علماء میں سے تھے اور بہت بڑے عبادت گذار تھے اور حضرت موسیٰ وھارون کے بعد اللہ نے انکو پیغمبری بھی عطا فرمائی تھی۔ جیسے کہ بعد میں انکا بھی ذکر آئے گا انشاء اللہ العزیز۔

اور ان تین حضرات کے ساتھ ال فرعون کا مرد مومن، حق کا پاسبان بھی موجود تھا چاروں اولوالعزم حضرات ساتھ کھڑے تھے۔ اور تمام بنی اسرائل انکے کمالات کی وجہ سے انکے سامنے سرنگوں تھے اور کہا گیا ہے کہ ال فرعون کا یہ مرد مومن بار بار اپنے گھوڑے کو سمندر کی موجوں کے حوالے کررہا تھا اور گویا گھوڑے کو سمندر میں تیراکی سکھارہا تھا۔ کہ آیا کیا اسمیں چلنا ممکن ہے؟ لیکن نہیں۔ پھر مومن حضرت موسیٰ کو عرض کرتا اے اللہ کے پیغمبر مجھے اسی جگہ کا حکم ملا ہے۔ اور حضرت فرماتے! جی ہاں، جی۔

پھر جب معاملہ پیچیدہ ہوگیا اور حالت سخت ہوگئی اور صبر لبریز اوقات آپہنچے اور سخت سامنا ہوگیا اور فرعون اپنے پجاریوں کے غیظ وغضب میں بھڑک کر تیز ہوگیا اور آنکھیں ڈبڈبانے لگیں دل حلقوں کو پہنچ

گئے اس کٹھن وقت میں عظیم قدرت والے بردبار عرش کریم کے پروردگار نے اپنے ہمکلام حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

"ان اضرب بعصاك البحر"

(اے موسیٰ) سمندر پر اپنا عصا ماریئے

تو حضرت موسیٰ نے لاٹھی سمندر پر ماری۔ اور ایک قول کے مطابق ساتھ ساتھ یہ بھی کہا اللہ کے حکم سے (راستوں میں) پھٹ جا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے سمندر کی کنیت ابو خالد کہہ کر پکاری واللہ اعلم۔

اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا وہ بڑا پہاڑ ہے۔

کہا جاتا ہے وہ سمندر سامنے سے بارہ رستوں میں منقسم ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل کل بارہ قبیلوں میں تھے لہذا ہر ہر قبیلہ ایک ایک راستہ پر ہو گیا اور ایک قول ہے کہ درمیان میں ایک دوسرے کی طرف کھڑکیاں بھی کھل گئیں تھیں اور سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مصنف ابن کثیرؒ فرماتے ہیں لیکن اس بات میں نظر ہے۔ کیونکہ پانی ایسا صاف آئینہ ہے کہ خود ہی دوسری طرف کی اشیاء نظر آتی ہیں۔

تو اس طرح سمندر کا پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا تھا اور اس عظیم قدرت کی وجہ سے رکا ہوا تھا جسکی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو "کن" ہو جا کہہ دے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے پچھم کی ہواوں کو حکم دیا کہ سمندر پر خوب چلیں اور انہوں نے درمیانی آلودگیوں کو ختم کر دیا اور صاف شفاف کر کے دیواروں اور راستوں میں تبدیل کر دیا۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو پھر انکے لئے سمندر میں خشک راستہ بناؤ پھر تم کو نہ تو آپکڑنے کا خوف ہو گا اور نہ ڈر۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ انکا تعاقب کیا تو دریا نے انپر چڑھ کر انکو ڈھانک لیا (یعنی غرق کر دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا۔ اور سیدھے رستے پہ نہ ڈالا۔)[1] الحاصل جب سمندر کا معاملہ حکم خدا سے یہاں تک پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو لیکر دریا پار کرو۔ تو لہذا سب جلدی جلدی ان راستوں میں اتر پڑے۔

اور ساتھ ساتھ سب ایک دوسرے کو انتہائی خوشی سے مبارکبادیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ عظیم نصرت خداوندی کا معجزہ دیکھ رہے تھے جو ناظرین کو حیرت زدہ کر دے۔ اور مومنین کے دلوں کو ہدایت یاب کر دے۔

پھر جب حضرت موسیٰ سمیت تمام افراد شروع سے آخر تک دریا سے پار ہو گئے اور بالکل دریا سے جدا ہو گئے اسوقت فرعون کے لشکر کا پہلا حصہ ان راستوں میں داخل ہوا۔ تو حضرت موسیٰ نے ارادہ فرمایا کہ سمندر کو دوبارہ لاٹھی ماریں تاکہ سمندر اپنی ہیئت سابقہ پر لوٹ آئے اور فرعونیوں کو انکی طرف کوئی راستہ نہ ملے۔ لیکن رب ذوالجلال قدرت والے نے حکم فرمایا کہ ایسا مت کرو، سمندر کو اپنی اسی حالت پر چھوڑ دو اور اس صورت حال کو صادق و کریم نے بڑے زبردست انداز میں فرمایا۔

---

[1] طہ ۷۷ تا ۷۹

(اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور انکے پاس عالی مرتبہ پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے آکر کہا) یہ کہ خدا کے بندوں کو میرے حوالے کردو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ اور خدا کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لیکر آیا ہوں۔ اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ اور اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ تب (موسیٰ نے) پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ (خدا نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو اور ضرور تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور دریا سے جو خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ۔ (تمہارے بعد) انکا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (سب کچھ ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو انکا وارث بنا دیا۔ پھر ان (فرعونیوں) پر نہ تو آسمان رویا، نہ زمین۔ اور نہ انکو مہلت ہی دی گئی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی، (یعنی) فرعون سے۔ بے شک وہ سرکش، حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے جان کر بنی اسرائیل کو تمام عالم پر منتخب کیا تھا۔ اور انکو ایسی نشانیاں دی تھیں، جن میں صریح آزمائش تھی۔)[1]

پہلے بات چل رہی تھی کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر کو اپنی ہیت موجودہ پر رہنے دو۔ ان مذکورہ آیات میں سے ایک "واترك البحر رهوا" کا یہی مطلب ہے کہ اسکو اپنی ہیئت موجودہ ساکن پر رہنے دو۔ اور اس صفت سے اسکو نہ ہٹاؤ حضرت عبداللہ بن عباس مجاہد، عکرمہ ربیع، ضحاک قتادہ، کعب احبار، سماک بن حرب اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے بحکم خداوندی اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔

پھر فرعون اسکے راستے بنی ہوئی حالت پر قریب آیا عجیب کرشمہ وقدرت کا نظارہ کیا اور بہت حیران ومرعوب ہوا اور جو بات جو اسکو پہلے متحقق ہو چکی تھی وہ اور خوب پختہ ہو گئی کہ یہ سب کچھ کرنے دھرنے والی ذات عرش کریم کے پروردگار کی ذات ہے یہ سوچ کر پیچھے ہٹ آیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور بنی اسرائیل کی پکڑ کیلئے آنے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہنے سے نادم وپشیمان ہوا لیکن اب ندامت وسوچ بچار نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ پھر دوبارہ اپنی حالت پر پلٹا اور اپنے لشکر کے سامنے سختی کا مظاہرہ کیا اور بنی اسرائیل کے متعلق دشمنی اور عناد کا اظہار کیا۔ اور پھر اسکے کافر نفس اور فاسق طبیعت نے اسپر اکسایا اور برانگیختہ کیا کہ اپنے پاگل پجاریوں کو اور بیوقوف بنائے اور لہذا سوچ بچار کر پکارا۔

دیکھو سمندر کیسے میرے لئے (اپنے سینے کو چیر کر) راستے مہیا کر رہا ہے تاکہ میں اپنے بھگوڑے غلاموں کو اپنے قبضے میں دوبارہ لے آؤں جو میرے علاقے اور میرے فرماں برداری سے چھٹ کر بھاگے ہیں

لیکن درحقیقت اندرونی کیفیت کو لشکر والوں سے چھپا رہا تھا کہ میں تو انکے پیچھے اب جانا نہیں چاہتا۔

کیونکہ وہ خدائی عذاب کو قریب محسوس کر رہا تھا اور سخت پیچ وتاب میں تھا کہ بس اب تو چھٹکارا مل جائے یہی بہت ہے لیکن پیچھے کے بیوقوف پجاریوں کے سامنے اپنی خدائی برتری کو بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا اس

---

[1] دخان ۱۷ تا ۳۳

متذبذب میں کبھی آگے بڑھتا کبھی پیچھے ہٹتا۔ اسی طرح کچھ دیر ہوتا رہا قریب تھا کہ فرعون پیچھے ہٹ آتا لیکن عجیب کرشمہ قدرت پیش آیا۔

کہ حضرت جبرئیل ایک جوان خوبصورت گھوڑی پر نمودار ہوئے اور وہ گھوڑی فرعون کے گھوڑے کے آگے سے چہل قدمی کرتی ہوئی گذری۔ گھوڑا اسکو دیکھتے ہی فوراً لپکا حضرت جبرائیل نے اپنی گھوڑی کو تیز کرتے ہوئے خوب ہنکایا اور پیچھے سے فرعون کا گھوڑا فرعون ملعون کو لادے تیزی سے پیچھے دوڑا اور فرعون کچھ نفع نقصان کا مالک نہ بن سکا اور اپنے گھوڑے ہی کو نہ روک سکا اور حضرت جبرئیل اپنی گھوڑی کو لیکر سمندری راستوں میں چلے پیچھے سے فرعون کا گھوڑا بھی سمندری راستہ میں داخل ہو گیا پیچھے سے لشکر نے دیکھا تو وہ بھی فرعون کی اتباع کرتے ہوئے راستوں میں دوڑتے ہوئے داخل ہو گئے اور جب فرعون سے لیکر آخر تک کا ہر شخص سمندری راستوں میں گھس گیا تو تب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ اب اپنی لاٹھی سمندر پر مارو تو حضرت موسیٰ کا سمندر پر عصا مارنا تھا اور سمندر کا غیض و غضب سے تلاطم برپا کرنا تھا۔ اور اس طرح سب راستے پہلی حالت پر پانی بن گئے اور کوئی انسان نجات نہ پا سکا۔ فرمان باری ہے

اور ہم نے موسیٰ اور آپکے ساتھ والوں کو نجات دی۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اسمیں نشانی (عبرت) ہے۔ اور انمیں اکثر لوگ ایمان والے نہ تھے۔ ادر بے شک تیرا پروردگار زبردست رحم کرنے والا ہے۔) [1]

یعنی اللہ زبردست رحیم ہے کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو غرق نہ ہونے دیا اور زبردست منتقم بھی ہے کہ اپنے دشمنوں میں سے کسی کو بھی نجات پانے نہ دیا تو اسمیں عظیم نشانی ہے اور قطعی دلیل ہے اللہ عزوجل کی قدرت بے مثال پر۔ اور اللہ کے پیغمبر کی تصدیق ہے تمام باتوں میں جو کچھ بھی وہ شریعت مطہرہ مقدسہ لیکر آئے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا، تو فرعون اور اسکے لشکر نے سرکشی اور تیزی سے انکا تعاقب کیا حتیٰ کہ جب اسکو غرق نے آن پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا اس ذات پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برادروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا؟ پس آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کیلئے عبرت ہو اور بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبطی کافروں کے لیڈر کے غرقاب کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔

کہ جب سمندر کی تلاطم خیز موجیں اسکو اٹھا رہی تھیں اور کبھی غوطہ دے رہی تھیں اور بنی اسرائیل اپنی آنکھوں اور دلوں کو قرار و ٹھنڈک پہنچا رہے تھے کہ کیسا عظیم عذاب اور مہلک امر پیش آیا ہے تو ایسے موقع پر فرعون نے جب ہلاک ہونے والوں کو اپنی نظروں سے امواج ہلاکت میں دیکھا اور اسکے سامنے موت کی

---

[1] شعراء ۶۵ تا ۶۸

سختیاں پیش آنے لگیں تب وہ توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور یہ ایسا وقت تھا کہ اب ایمان کچھ بھی سود مند نہ تھا جیسے فرمان باری ہے۔

بے شک خیر تیرے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔[1]

تو یہاں واقعی فرعون نے آنکھوں سے عذاب دیکھا اور خود مبتلائے عذاب ہوا تب ایمان لانے کی کوشش کی جبکہ اسکا کچھ فائدہ نہیں۔ اس طرح دوسرے مقام پر باری عزوجل کا فرمان ہے۔

پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جنکو اسکے ساتھ شریک کرتے تھے ان سے کفر کیا۔ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (تو اسوقت) انکے ایمان نے انکو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) خدا کی عادت (ہے) جو اسکے بندوں میں چلی آئی ہے۔ اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑے رہ گئے۔[2]

اور حضرت موسیٰؑ نے بھی اس طرح انکے متعلق بد دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ انکے اموال کو تباہ فرما اور انکے قلوب کو سخت فرما حتی کہ عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور اسوقت ایمان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اسپر ایمان کی حسرت ہوگی اور جب دونوں بھائیوں نے بد دعا کی تھی اللہ نے تبھی فرمایا تھا۔

بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔

اور اب اس طرح موسیٰ کلیم اور انکے برادر کبیر ہارونؑ کی دعا قبول کی گئی۔

فرعون کے غرق ہونے کے منظر کے متعلق حدیث مبارکہ ہے۔[3]

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب فرعون نے یہ کہا، میں ایمان لایا کہ بے شک اسکے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو مجھے جبرئیل نے کہا اے محمد کاش اگر آپ اسوقت دیکھ لیتے (کیسا عجیب منظر تھا) کہ میں سمندر کا کیچڑ لیکر اسکے منہ میں ٹھوس رہا تھا کہ کہیں اسپر رحمت خداوندی کو جوش نہ آجائے۔[4] امام احمد نے اسکو روایت فرمایا ہے۔

[5] اور ابو داؤد طیالسی نے بھی فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے جبرئیل نے کہا کاش آپ مجھے دیکھتے کہ میں سمندر کا کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس رہا تھا اس خوف سے کہ کہیں رحمت نہ اسکو پہنچ جائے۔[6]

---

[1] یونس ۹۶ تا ۹۷ [2] مومن ۸۴ تا ۸۵

[3] رواه لامام احمد حدثنا سليمان حدثنا حمادبن حرب حدثنا حماد بن سلمة عن على بن زيد، عن يوسف بن مهران عن بن عباس قال.

[4] ورواه الترمذي وابن جرير وابن ابى حاتم عند هذه الآية من حديث حماد ابن سلمة وقال الترمذى هذا حديث حسن [5] وقال ابو داود الطيالسي حدثنا سبقة عن عدى بن ثابت، وعطاء ابن السائب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ [6] ورواه االترمذى وابن جرير من حديث شعبة ،وقال الترمذى حسن عن به صحيح واشار ابن جرير فى رواية ابى وقفه.

[1] اور ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپؓ نے فرمایا جب اللہ نے فرعون کو غرق فرمایا تو فرعون نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور زبان سے کہا۔

میں ایمان لایا کہ بے شک اسکے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنواسرائیل ایمان لائے تو پھر حضرت جبرئیلؑ نے خوف کیا کہ کہیں اسکے متعلق رحمت خداوندی غضب خداوندی پر سبقت نہ کر جائے لہذا حضرت جبرئیلؑ اپنے پروں سے کیچڑ لے کر اسکے چہرے پر مارنے لگے اور اس طرح منہ کو مٹی آلود کر کے بند کر دیا۔

ابن جریر نے اس مذکورہ حدیث کو ابو خالد کی حدیث سے روایت کیا ہے

[2] اور ابن جریر ہی کی روایت ہے کثیر بن زاذان کے طریق سے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے جبرائیلؑ نے کہا اے محمد.... اگر آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں فرعون کے منہ میں مٹی ڈال رہا تھا اور اسکو بند کر رہا تھا اس ڈر سے کہ کہیں اللہ کی رحمت اسکو نہ پہنچ جائے اور پھر اسکی مغفرت کر دی جائے۔

اور کئی اکابر سلف نے اس روایت کو مرسلاً بھی ذکر کیا ہے مثلاً ابراہیم تیمی، قتادہ، میمون بن مہران وغیرہ۔ اور کہا جاتا ہے کہ کہ حضرت ضحاک بن قیس نے یہ روایت تقریر میں بر سر عام سنائی اور بعض روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ فرماتے ہیں فرعون سے جیسا میرا بغض تھا ایسا کسی سے نہ ہوگا جس وقت اس نے یہ کہا تھا " میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں "

اور میں اسکے منہ میں گارا ٹھونس رہا تھا جب اس نے وہ (ایمانیہ کلمہ) کہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ آیت الآن وقد عصيت قبل و كنت من المفسدين کیا اب...... اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔

یہ استفہام انکاری ہے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے صراحتاً دلیل ہے کہ اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہوا، اور اگر اس کو اب دنیا کی طرف بھی واپس کر دیا جاتا تو یہ دوبارہ وہی سرکشی اور طغیانی پر اتر آتا جیسے کہ اللہ عزوجل نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ جب وہ جہنم کو دیکھیں گے اور خوب عذاب کا مشاہدہ بھی کر لیں تب کہیں گے۔

ہائے کاش کہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور مومنین میں سے ہو جائیں گے۔ اور اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

بلکہ یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے انپر آج ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ لوٹائے بھی جائیں تو جن سے انکو منع کیا گیا تھا وہی کچھ پھر کرنے لگیں کچھ شبہ نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ [3]

الحاصل یہ ہے کہ فرعون عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد ایمان لایا جو قبول نہیں کیونکہ اگر اسکو اب بھی واپس لوٹا دیا جاتا تو پھر یہ منکر ہو جاتا۔

آگے فرمایا " آج ہم تیرے بدن کو نجات دیتے ہیں تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کیلئے نشانی بن جائے۔ [4]

---

[1] وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابو سعيد الا شج حدثنا ابو خالد الاحمد ،عن عمد بن عبدالله بن يعلى الثقفي، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال.....

[2] وقد رواه ابن جرير من طريق كثير بن زاذان وليس بمعروف، وعن ابى حازم عن ابى هريرة قال.......

[3] انعام ۲۷، ۲۸

[4] یونس ۹۲

حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو شک ہو گیا تھا کہ فرعون مرا نہیں ہے حتی کہ بعض کہہ اٹھے: ابھی یہ مرا نہیں۔ تب اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینک دے اور ایک قول ہے کہ پانی کی سطح پر پھینکنے کا حکم دیا اور ایک قول ہے کہ زمین کی ایک ابھری ہوئی بلند جگہ پر پھینکنے کا سمندر کو حکم ہوا۔ تو بہر صورت یہ اپنے پہلے والے لباس کے ساتھ باہر لایا گیا جس سے اسکو پہچانا جاتا تھا۔ اور اللہ عزوجل نے یہ اسلئے فرمایا

تھا تاکہ بنی اسرائیل کو اسکی موت کا یقین ہو جائے (چونکہ وہ فرعون سے اس قدر خوف و گھبراہٹ میں تھے کہ اسکی موت کا یقین ہی نہ کرتے تھے) نیز تاکہ یہ اللہ کہ قدرت کا نظارہ بھی کر لیں۔ تو اللہ نے فرمایا، آج ہم تیرے بدن کو نجات دیتے ہیں،، یعنی اسی قمیض و لباس کے ساتھ جسکے ذریعے تو پہچانا جاتا تھا، تاکہ تو پیچھے والوں کے لئے نشانی عبرت بن جائے،، وہ پچھلے بنی اسرائیل اور دوسرے بعد والے ہیں۔ اور یہ اللہ عزوجل کی عظیم الشان قدرت پر بے مثال دلیل ہے کہ کیسے اللہ نے انکو تباہ و برباد کیا۔

اور اس وجہ سے تاکہ یہ پچھلے والوں کیلئے نشانی ہو بعض قرآء نے پڑھا ہے لتکون لمن خلفك آية (اور یہی قرآت ہمارے ہاں تلاوت ہوتی ہے اور امام ابن کثیر کے ہاں لتکون لمن خلفك آية یعنی لمن لفظ کا اختلاف ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم تجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیتے ہیں تاکہ تو بنی اسرائیل کیلئے نشانی بن جائے اور وہ تجھ کو پہچان لیں کہ تو بالکل مر کھپ گیا ہے۔

اور فرعون کی ہلاکت سمیت تمام لشکروں کے یوم عاشورا کو ہوئی تھی۔

جیسے امام بخاری نے فرمایا:[1] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود عاشورا (دس محرم) کا روزہ رکھے ہوئے تھے تو حضور نے دریافت فرمایا یہ کونسا روزہ ہے جو تم رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جسمیں موسیٰؑ کو فرعون پر غلبہ ملا تھا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: تم موسیٰؑ کے زیادہ حقدار ہو لہذا تم بھی روزہ رکھو۔

اس حدیث کی اصل صحیحین وغیرہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو زمین (شام کے) مشرق اور مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس

---

[1] حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة عن ابی بشر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال.

(شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔[1]

اللہ عزوجل فرعون اور اس کے لشکریوں کے غرق کے متعلق تذکرہ فرمارہے ہیں کہ کیسے ان کی عزت و حشمت کو خاک میں ملایا اور ان کے جان و اموال کو تباہ برباد کیا اور پھر بنی اسرائیل کو ان کے تمام اموال اور املاک کا مالک بنادیا جیسے فرمایا (اور ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو وارث بنادیا)[2] اور فرمایا (اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کردیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (اموال کا) وارث بنادیں)[3]

اور پہلے کی آیتوں میں فرمایا (اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو ہم نے زمین (شام میں) مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور بنی اسرائیل کے متعلق ان کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کا وعدہ پورا ہوا، اور فرعون اور اس کی قوم جو بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کردیا۔

یعنی ان تمام فرعونیوں کو نیست و نابود کردیا اور ان کی دنیاوی عریض و طویل جاہ و حشمت کو ختم کردیا اور بادشاہ اور اس کے حاشیہ برداروں اور امراء وزراء وغیرہ سب کو ہلاک کردیا اور مصر شہر میں سوائے عام اور بے ضرر افراد کے کوئی باقی نہ بچا۔

ابن عبدالحکم نے اپنی تاریخ مصر میں ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں مصر کی عورتوں نے مردوں پر تسلط و غلبہ پالیا تھا کیونکہ امراء اور بڑے لوگوں کی خواتین اپنے سے کمتر شہریوں سے شادیاں کرواتی تھیں، تو اس طرح ان عورتوں کو مردوں پر غلبہ رہتا تھا اور یہ طریقہ اب تک جاری ہے (یعنی مصنف کے زمانے تک بعد میں کیا حال ہے؟ واللہ اعلم) اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ بنی اسرائیل کو جب مصر سے نکلنے کا حکم ملا تو اللہ نے اس مہینے کو ان کے سال کا شروع قرار دیدیا اور حکم دیا کہ سب گھر والے بکری کا ایک ایک بچہ (راہ خدا میں بطور شکرانے کے) ذبح کریں اور اگر بکری کے بچے سے زیادہ کی وسعت ہو اور اس کی ضرورت نہ ہو تو بکری ذبح کریں اور بڑوں کو بھی اس میں شریک کرلیں پھر جب ذبح کریں تو اس کے خون کے چھینٹے اپنے دروازوں کی چوکھٹوں پر ماریں تاکہ یہ ان کے گھروں کی علامت بن جائے اور پھر اس گوشت کو پکا کر نہ کھائیں بلکہ بھون کر اس کا مغز اور پائے اور اوجڑی کھائیں اور کچھ بھی باقی نہ رکھیں اور اس کی کوئی ہڈی بھی نہ توڑیں اور گھروں سے باہر کچھ بھی نہ لے جائیں، اور اس کی روٹی سات دن پہلے تیار کی جائے اور پہلا دن محرم کی چودھویں تاریخ ہو اور یہ موسم ہرا کا زمانہ تھا اور جب یہ بکری وغیرہ کھانا شروع کریں تو پیٹ کے حصے کو اوپر کسی چیز سے

---

[1] اعراف ۱۳۶ تا ۱۴۱۔ [2] الشعراء ۵۹ [3] القصص ۵

باندھ دیں اور پاؤں نچلی طرف ہوں اور بکری کی دستی تمہارے ہاتھوں میں ہو یعنی اوپری حصہ تمہارے ہاتھوں اور منہ کے مقابلے میں ہو اور پھر کھڑے کھڑے جلدی سے کھائیں پس جو شام کے کھانے سے بچ جائے اور اگلی صبح تک رہ جائے تو اس کو آگ میں جلا ڈالیں۔ پھر یہ دن ان کے لئے ہمیشہ کے واسطے جب تک کہ تورات پر عمل پیرا ہیں عید کا دن قرار پایا پھر جب تورات منسوخ ہو جائے تو اس کی مشروعیت بھی باطل ہو جائے گی، اور اب بے شک تورات منسوخ ہو چکی ہے۔

اور اہل کتاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس رات میں قبطیوں کی تمام کنواریوں اور ان کے جانوروں کی تمام کنواریوں کو ہلاک فرمادیا تھا تاکہ یہ ان سے فارغ رہیں اور پھر بنی اسرائیل نصف نہار کے وقت نکلے اور اہل مصر اپنی کنواری اولادوں کی ہلاکت پر نوحہ زاری کر رہے تھے اور کوئی گھر نہ بچا تھا جس میں سے رونا دھونا نہ ہو رہا ہو اور پھر حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ اب نکل پڑو تو سب تیزی سے نکلے اور اتنی جلدی کی کہ جو گندھا ہوا آٹا تھا ویسے ہی ساتھ لے لیا اور تمام زاد راہ یعنی کھانے پینے کا توشہ وغیرہ تھیلوں میں ڈال کر کندھوں پر ڈال لیا اور پہلے قبطیوں سے بہت سارا زر و جواہر عاریت لے چکے تھے اور یہ چھ لاکھ تھے اور بچے اور عورتیں وغیرہ جدا تھیں اور اس طرح بہت سارے مویشی جانور بھی تھے اور بنی اسرائیل کی مدت اقامت مصر میں چار سو تیس سال تھی اور یہی ان کی کتاب میں صراحتاً مذکور ہے اور اس سال کا نام ان کے ہاں (فسخ) رکھا جاتا ہے یعنی ختم کرنا اور اس عید کا نام بھی فسخ رکھا جاتا ہے اور ان کے لئے ایک عید الفطر ہوتی تھی اور ایک عید الحمل ہوتی تھی اور یہ شروع سال میں ہوتی تھی اس طرح کل تین عیدیں ہوئیں اور یہ ان کی کتاب میں موجود ہیں اس وجہ سے ان کی عیدوں میں سے سب سے بڑی اور اہم عیدیں یہی تھیں۔ اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو اپنے ساتھ حضرت یوسفؑ کا تابوت بھی لے چلے اور جہاں حضرت یوسفؑ سمندری راستے کے قریب مدفون تھے وہ راستہ اپنایا اور جب یہ بنی اسرائیل دن کو چلتے تھے تو بادل سامنے ان کے ساتھ ساتھ سایہ فگن رہتے تھے اور ان سے نور کی لپیٹیں نکل کر ان پر برستی تھیں، اور رات کے وقت ان کے آگے آگے آگ کے ستون ہوتے تھے (تاکہ سردی وغیرہ دور کرلیں) حتیٰ کہ ساحل سمندر پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر پڑاؤ ڈال دیا اور پھر یہیں آکر فرعون اور اس کے مصری شہریوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لیا اور بنی اسرائیل عین سمندر کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے تو تب بہت سے بنی اسرائیلی کو انتہائی خوف اور افسوس لاحق ہوا حتیٰ کہ کسی نے کہا ہمارا مصر میں ہی رہنا زیادہ بہتر تھا اس اجنبی جگہ جنگل کی موت سے۔ تو حضرت موسیٰ نے ان کو فرمایا خوف نہ کرو انشاء اللہ اب کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کبھی مصر میں واپس نہ پہنچ سکیں گے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر پر اپنی لاٹھی ماریں اور اس کو تقسیم کردیں تاکہ بنی اسرائیل سمندر اور خشکی میں داخل ہوں اور پھر پانی ادھر ادھر ایسے ہو گیا جیسے آس پاس پہاڑی ہیں اور درمیانی جگہ خشک ہو گئی کیونکہ اللہ نے اس پر جنوبی ہوا اور باد سموم مسلط فرمادی تھی اور اس طرح بنی اسرائیل بخیر و عافیت سمندر پار ہو گئے، اور ان کے بعد فرعون مع اپنے لشکروں کے پیچھے آیا اور جب یہ سب

سمندر کے وسط میں پہنچ گئے تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ نے سمندر پر لاٹھی ماری اور پانی ویسے ہی سیلاب کی طرح امنڈ پڑا جیسے پہلے بہہ رہا تھا لیکن اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ یہ رات کے وقت ہوا تھا اور سمندر ان پر صبح کے وقت تلاطم خیز ہوا تھا لیکن یہ آخری بات ان کی سخت غلطی ہے، واللہ اعلم

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تو موسیٰ اور بنی اسرائیل نے یہ تسبیح پڑھی۔

نسبح الرب البهی، الذی قهر الجنود، ونبذ فرسانها فی البحر المنیع المحمود

ہم تسبیح کرتے ہیں اس پروردگار کی جو انتہائی حسن و جمال والا ہے جس نے لشکروں کو برباد کیا اور ان کے لشکروں کو سمندر کی طوفانی موجوں کے حوالے کیا اور اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ بہت تعریف کے لائق ہے۔

اور یہ تسبیح بہت لمبی ہے

اور اہل کتاب کہتے ہیں اس موقع پر حضرت ہارونؑ کی ہمشیرہ جس کا نام مریم نبیہ تھا اس نے اپنے ہاتھ میں دف لیا اور پھر ان کی اتباع میں بنی اسرائیل کی دوسری عورتیں بھی دف اور طبلے لے کر نکلیں اور حضرت مریم یہ تسبیح گا گا کر پڑھ رہی تھیں۔

سبحٰن رب القهار الذی بد دالخیول، ورکبا نها الفاء البحر

پاک ہے وہ ذات جو پروردگار ہے عذاب والا ہے جس نے گھوڑوں کو برباد کیا اور ان کے سواروں کو سمندر میں تباہ و برباد کیا۔

(ابن کثیرؒ فرماتے ہیں) میں نے اسی طرح ان کی کتابوں میں دیکھا ہے اور شاید یہی مذکورہ روایتیں ہیں جنھوں نے محمد بن کعب قرظی کو یہ فرمانے پر مجبور کیا کہ مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ وہ یہی مریم ہیں جو حضرت ہارون ہیں اور موسیٰ کی بہن ہیں اور یہ ان کا قول اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے یا اخت ھارون اور اسی مقام پر ہم نے حضرت محمد بن کعب کی غلطی کو بیان کر دیا ہے کیونکہ یہ کہنا کسی طرح ممکن نہیں اور اس قول کا قائل اور کوئی نہیں بلکہ تمام مفسرین نے ان کی مخالفت فرمائی ہے اور اگر یہ بنی اسرائیل کی مذکورہ روایت کو محفوظ اور صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی مطلب ہوگا کہ یہ مریم بنت عمران حضرت موسیٰؑ اور ھارونؑ کی بہن ہیں، اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم بنت عمران مذکورہ مریم کی ہم نام ہیں اور باپ اور بھائی کے نام میں بھی شریک ہیں لہذا پھر بھی دونوں مریم جدا جدا ہوں گی نہ کہ محمد بن کعب کے مطابق دونوں ایک ہوں گی، اور اس پر ایک حدیث سے دلالت بھی ملتی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ سے اہل نجران نے اللہ کے قول یا اخت ھارون کے متعلق دریافت کیا تو ان کو جواب نہ آیا پھر انھوں نے حضور سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

کیا آپ کو پتہ نہیں کہ وہ لوگ اپنے انبیاء کے ہم نام نام رکھتے تھے

امام مسلمہ نے اس کو روایت فرمایا

اور پہلے جو نبیہ مریم نام آیا اس میں نبیہ سے مراد ہے جیسے ملک بادشاہ کو اور اس کی بیوی کو ملکہ کہا جاتا ہے اور امیر کی بیوی کو امیرہ کہا جاتا ہے یہ اس طرح ہے کہ ان کو بھی نبیہ کہہ دیا گیا ورنہ وہ حقیقت میں نبیہ نہ تھیں۔

اور ان کا دف یعنی ڈھول وغیرہ بجانا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے عیدین وغیرہ خوشیوں کے مواقع میں یہ بجانا مشروع تھا، اور ہمارے ہاں بھی عورتوں کیلئے صرف دف بجانے کی اجازت ہے شادی وغیرہ کے موقع پر اور اس کی دلیل ہے کہ دو لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس ایام منی میں دف بجا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ ان کی طرف اپنی پشت مبارک کئے ہوئے کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ دیوار کی طرف تھا تو پھر حضرت ابوبکر داخل ہوئے اور یہ معاملہ دیکھتے ہی ڈانٹا اور فرمایا کیا شیطان کا باجہ رسول کے گھر میں؟ تو حضور نے فرمایا چھوڑو ان کو اے ابوبکر یہ قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اور ہماری شادی اور کسی خوشی مل جانے پر بھی اسی طرح خوشی کی وجہ سے اجازت ہے جیسے کہ اپنے مقام پر اس کی خوب وضاحت کی گئی ہے۔

واللہ اعلم۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ سمندر پار ہو کر ملک شام کی نیت سے چلے تو تین دن تک ان کو پانی میسر نہ آیا اور اس کے متعلق لوگوں میں پریشانی کی باتیں شروع ہو گئیں تو پھر انھوں نے نمکین کڑوا پانی پایا جس کے پینے کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے تو پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تو آپ نے ایک لکڑی لی اور وہ پانی میں رکھ دی جس سے پانی شیریں ہو گیا اور پینے کے لائق ہو گیا اور اس مقام پر اللہ نے ان کو فرائض اور سنن سے روشناس کرایا اور بہت سی ان کے متعلق نصیحتیں کیں۔

اور اللہ عزوجل اپنی کتاب عزیز جو بالکل محفوظ و سالم ہے بخلاف دوسری کتب کے، اس میں اللہ نے فرمایا ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا پھر وہ ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں پر جھکی پڑی تھی تو کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں تو حضرت (موسیٰ نے) کہا تم جاہل قوم ہو یہ لوگ جس میں ہیں یہ برباد ہونے والا ہے اور جو بھی وہ کر رہے ہیں باطل ہے) [1]

فرمایا کہ یہ باتیں جہالت و گمراہی کی ہیں کیونکہ پہلے یہ اللہ کی نشانیوں اور اس کی قدرت کا خود مشاہدہ کر چکے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی سچائی پر خوب دلالت کرتی ہیں اور اب یہ بتوں کی پجارن قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایسی احمقانہ بات کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بت گائے کی صورت پر تھے، گویا بنی اسرائیل نے ان پجاریوں سے پوچھا کہ تم کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ ان کو نفع و نقصان دیتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان سے رزق طلب کرتے ہیں تو پھر بعض بنی اسرائیل جو جاہل تھے انھوں نے ان کی تصدیق کر دی، پھر انھوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ کلیم سے خواہش ظاہر کی کہ ان جیسے معبود ہمارے لئے بھی بنا دیئے جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جاہل اور بے وقوف

---

[1] اعراف ۱۳۸تا۱۳۹

خیال کرتے ہوئے فرمایا (یہ سب جس میں مشغول ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اللہ کے انعامات جتلائے کہ اس نے تم کو جہاں والوں پر فضیلت دی کہ تم علم و شریعت والے ہو اور رسول تمہارے درمیان موجود ہے اور اس نے تم پر کس کس قدر احسانات کیئے اور تم کو ظالم سرکش فرعون کے قبضے سے نجات دلوائی اور تمہارے دیکھتے دیکھتے ان کو تباہ و برباد کیا اور جو کچھ فرعونیوں نے جمع کیا تھا اس کا تم کو وارث بنایا، اور پھر اللہ نے تمہارے لئے واضح کیا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے کیونکہ وہی خالق رازق اور نجات دینے والا ہے اور تم پھر اس کے سوا کس کی پرستش کرنا چاہتے ہو؟

اور یہ سوال اور خواہش کچھ بنی اسرائیل کی تھی نہ کہ سب کی کیونکہ آیت میں جو ہے قالوا یا موسی اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ اس میں قالوا میں ضمیر جنس کی طرف راجع ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت ہے۔

بل زعمتم الن نجعل لکم موعدا

بلکہ تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے کوئی وعدہ کا وقت نہیں بنایا

تو یہاں بھی سب کا یہ گمان و خیال نہیں ہے بلکہ کافروں کا ہے۔

اور مسند احمد میں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین کی طرف نکلے تو ہم بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ جیسے یہ لٹکانے اور چکر لگانے کی جگہ ہے اسی طرح ہمارے لئے بھی بنا دیجئے؟ کیونکہ کفار اپنے اسلحے بیری کے درخت پر لٹکا کر اس کے گرد و پیش گھومتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اللہ اکبر یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ کو کہا تھا ہمارے لئے کوئی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں، بے شک تم پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔[2]

[3] اور ابن جریر میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، اور کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور اپنا اسلحہ وغیرہ بھی اس پر لٹکاتے تھے اور اس کو گھومنے کی جگہ کہا جاتا تھا، تو ہم بھی ایک انتائی سرسبز بیری کے بڑے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی چکر لگانے کی جگہ بنا دیجئے جیسی ان کی ہے۔

تو آپ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نے اسی طرح کہا ہے جیسے موسیٰ کی قوم نے کہا تھا، کہ ہمارے لئے معبود بنا دیجئے جیسے ان کے لئے ہیں، پھر آپ نے پوری آیت تلاوت فرمائی۔

---

[1] وقد قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن الزهری عن سنان بن ابی سنان الدیلی عن ابی واقد اللیثی، قال [2] ورواہ النسائی عن محمد بن رافع، عن عبدالرزاق بہ ورواہ الترمذی عن سعید بن عبدالرحمن المخزومی عن سفیان بن عیینہ، عن الزھری، بہ ثم قال حسن صحیح . [3] وقدروی ابن جریر من حدیث محمد بن اسحاق و معمر و عقیل عن الزھری عن سنان بن ابی سنان عن ابی واحد اللتی

بیت المقدس کوچ

جب حضرت موسیٰ مصر سے نکلے تو بیت المقدس میں موجود قوموں سے بیت المقدس چھڑانے کا حکم ملا اور یہ قومیں قوم جبارین اور قوم فرازین اور قوم حیثانین اور قوم کنھانی تھیں، لیکن بنی اسرائیل نے لڑنے سے منع کر دیا تو اللہ نے ان کو میدان تیہ میں قید کر دیا چالیس سال اسی میں بھٹکتے رہے اور اللہ نے ان پر خوف اور اپنا غضب وغیرہ عذابات کو مسلط کر دیا جیسے فرمان باری ہے۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بھائیو تم پر خدا نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا، تو بھائیو تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلہ کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں، اور جب تک وہ اس سر زمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی عنایت تھی کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے پر داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو وہ بولے کہ موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، موسیٰ نے (خدا سے) التجا کی کہ اے میرے پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی کر دے خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس کے لئے حرام کر دیا گیا کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرماں لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر۔[1]

اس طرح اللہ کا پیغمبر ان پر اللہ کے احسانات کو جتلا رہا ہے کہ کیسے اس نے تم پر دینی و دنیوی نعمتوں کی بارش کی، اور اب وہ تم کو اپنے راستے میں اپنے دشمنوں سے قتال کا حکم فرمادیا ہے فرمایا: اے قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور تم پیٹھ کے بل نہ پھرو۔

یعنی ایڑیوں کے بل واپس نہ لوٹو ورنہ تو تم خاسرین میں سے ہو جاؤ گے، یعنی نفع کے بعد گھاٹے میں اور کمال کے بعد نقصان میں پڑ جاؤ گے، تو وہ کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو جبارین قوم ہے) یعنی انتہائی سخت سرکش اور کافر لوگ اور ہم تو ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ نکلیں پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے) اس طرح یہ ان سرکشوں سے خوفزدہ ہو گئے حالانکہ پہلے فرعون وغیرہ کی ہلاکت کو خوب دیکھ چکے تھے جو ان سے بہت سخت اور بہت مال و دولت اور لشکروں والا تھا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بات میں ملامت زدہ تھے اور اپنی انتہائی بری کمزور حالت خیال کرتے تھے کہ

---

[1] مائدہ ۲۰ تا ۲۶

دشمنوں سے حملہ میں بزدل ہو گئے اور بدبختوں سرکشوں سے مقابلہ پر نہ آ سکے۔

اور اس مقام پر مفسرین نے بہت سی خرافات کہیں ہیں جو باطل ہیں اور عقل و نقل کے خلاف ہیں وہ یہ کہ قوم جبارین بڑے ہیبت ناک جسموں اور شکلوں والی قوم تھی، حتی کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول کے قاصدین ان کے علاقے میں گئے تو ان کو ایک جبارین قوم کا شخص ملا اس نے ان کو ایک ایک کر کے اٹھایا اور اپنی آستین کی جیب میں ڈال لیا اور آستین کے کنارے میں باندھ لیا اور یہ بارہ آدمی تھے اور اپنے جبار کی بادشاہ کے پاس جا کر ان کو اپنے کپڑے سے جھاڑ دیا اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اور بادشاہ نے پہچانا تک نہیں کہ یہ بنی آدم ہیں۔

تو یہ سب خرافات اور افواہیں ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اور پھر ذکر کرتے ہیں کہ بادشاہ نے انگوروں کا گچھا بھیجا جس میں سے ہر ایک انگور ایک آدمی کے لئے بہت تھا، اور یہ اس لئے بھیجا تا کہ بنی اسرائیل کو ان کے قدو قامت اور ان کی اشیاء کی جسامت کا پتہ چل جائے اور یہ بھی بالکل غلط ہے، اور پھر ذکر کیا کہ انہی کا ایک شخص عوج بن عنق نکلا اور بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کے لئے چلا اس کا قد تین ہزار ہاتھ لمبا اور تین سو تینتیس ہاتھ چوڑا اور تین ہاتھ موٹا تھا، اور علامہ بغوی نے بھی یہی ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اور ہم اس کی تفصیل ذکر کر آئے ہیں حضور کے اس فرمان کے تحت کہ حضور نے فرمایا اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ لمبا پیدا فرمایا تھا پھر خلق مسلسل گھٹتی گئی حتی کہ عوج کے متعلق آگے لکھتے ہیں کہ عوج نے ایک پہاڑ کی بڑی ساری چٹان کو اکھاڑا اور اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چل دیا تا کہ بنی اسرائیل کے لشکروں پر پھینک کر ان سب کو نیست و نابود کر دے پھر ایک پرندہ آیا اور اس نے اوپر سے پتھر میں سوراخ کرنا شروع کر دیا اور چونچ مار مار کر اتنا سوراخ کر دیا کہ وہ عوج کی گردن میں طوق بن کر پڑ گیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کے ارادہ سے بڑھے اور آپ کا قد دس ہاتھ تھا اور آپ نے دس ہاتھ اونچی چھلانگ لگائی اور دس ہاتھ لمبا آپ کا عصا تھا اس طرح تیس ہاتھ اونچائی پر پہنچ کر آپ کی ضرب عوج کے ٹخنے پر پہنچی اور اس کو مار کر قتل کر دیا۔

اور یہ روایت نوف بکالی سے مروی ہے اور ابن جریر نے اس کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں بہت نظر ہے پھر جو کچھ بھی ہو تو اسرائیلی روایت اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے کیونکہ جھوٹی باتیں ان کے ہاں بہت ہی پھیلی ہوئی تھیں اور ان کو صحیح و باطل کی تمیز بھی نہ تھی پھر اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو بنی اسرائیل کا جنگ سے معذرت کرنا درست بن جاتا ہے کیونکہ وہ کیسے ان ہیکل جسموں سے لڑ بھڑ سکتے تھے حالانکہ اللہ نے ان کی لڑائی نہ کرنے پر مذمت فرمائی ہے اور ان کو سزا میں چالیس سال میدان تیہ میں چکر کٹوائے ہیں کہ انھوں نے رسول کی مخالفت کرتے ہوئے جہاد کو ترک کیا اور اس موقع پر حضرت یوشع ابن نون اور کالب بن یوفنا نے لڑائی کے لئے آگے بڑھنے کی ہمت بھی دلائی تھی، اور ان کو پیچھے ہٹنے سے منع کیا، اور دو آدمی یہی مذکورہ افراد ہیں ابن عباس، اور مجاہد اور عکرمہ اور علیہ اور سدی اور ربیع بن انس وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔

آیت مبارک میں (جو لوگ ڈرتے تھے ان میں سے دو آدمیوں نے کہا) تو یہی مذکورہ صالح آدمی مراد ہیں اور آیت میں یَخَافُون کو یُخَافُون بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب ہوگا کہ وہ لوگ جو ڈرائے گئے یعنی ہیبت زدہ کر دیئے گئے، ان میں سے دو آدمیوں نے نصیحت کی اور (اللہ نے ان دونوں پر انعام کیا) اسلام اور ایمان اور فرماں برداری و بہادری کے ساتھ، تو ان دو شخصوں نے فرمایا (ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو؟)

یعنی جب تم نے اپنی ذات پر بھروسہ کر لیا اور اس سے مدد مانگ لی اور تم نے اس کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیا تو وہ تمہارے دشمنوں پر مدد فرمائے گا اور تمہیں ان پر تقویت دے گا اور تم کو فتح یاب فرمائے گا۔ تو بنی اسرائیل ان کے جواب میں حضرت موسیٰ کو (کہنے لگے اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ضروری ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)

اس طرح ان کے امراء اور سردار حضرات جہاد سے پیٹھ پھیر کر کے ہو گئے اور ان میں عظیم اور سخت بزدلی کی فضا قائم ہو گئی کہا جاتا ہے کہ جب یوشع ابن نون اور کالب بن یوفنا نے ان کی یہ سخت بات سنی تو انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور حضرت موسیٰ اور ھارون اس بات کی گستاخی کو عظیم سمجھتے ہوئے خدائے عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور خدا کے غضب سے ڈرے اور سخت خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کی بدزبانی کی بناپر عمومی عذاب نہ ان کو آپکڑے اور حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

التجاء کی کہ پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے، خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں بھٹکتے پھریں گے پس تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر)

اس طرح سستی کی بدولت ان کو زمین میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی گئی ہے کہ بے مقصد چلتے رہیں دن بھی رات بھی صبح بھی، شام بھی اور کوئی نہ نکل سکے۔ کہا گیا ہے کہ ان میں سے جو بھی داخل ہوا تھا ان میں سے کوئی بھی یہاں سے نہ نکل سکا، بلکہ چالیس سال کی مدت میں سب مر کھپ گئے اور ان کی اولاد باقی رہ گئی اور ہاں یوشع بن نون اور کالب علیہ السلام بھی باقی رہ گئے۔

یہ تو اصحاب بنی اسرائیل کا حال تھا مگر قربان جایئے اصحاب محمد ﷺ پر کہ انھوں نے بدر کے دن یوں نہ کہا جیسے کہ قوم نے کہا تھا بلکہ جب حضورؐ نے ان سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت صدیقؓ نے کہا ہی زبردست جواب دیا اور اسی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی سرفروشانہ گفتگو کی۔

پھر حضور دوبارہ فرمانے لگے مجھے مشورہ دو مجھے مشورہ دو تو حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا فرمائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگائیں گے ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا، اور ہمیں کوئی ناپسند نہیں ہے کہ ہم کل اپنے دشمن سے بھڑیں، ہم جنگ میں صبر آزما قوم ہیں اور ملاقات میں سچ گو قوم ہیں، شاید اللہ ہم سے وہ کارنامے آپ کو دکھلائے جو آپ کو خوش کر دیں اور آپ کی

آنکھیں ٹھنڈی کر دیں پس اللہ کی برکت کے ساتھ آپ ہمیں لے چلیں۔

تو رسول اکرم ﷺ حضرت سعد کی گفتگو سے انتہائی خوش و مسرور ہو گئے اور حضرت سعد کی گفتگو نے آپ کو پر نشاط فرما دیا۔

[1] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں حضور کو عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو کہا تھا کہ (پس تو اور تیرا رب جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ آپ اپنے رب کے ساتھ ہمیں بھی لے چلیں ہم خوب قتل و قتال کریں گے

اور اس حدیث کی اسناد جید ہے اور اس کے دوسرے طرق بھی ہیں۔

[2] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے مقدادؓ میں ایسی چیز دیکھی کہ میں ان کی جگہ ہونا بہت پسند کرتا ہوں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ مشرکین کے خلاف بددعا فرما رہے تھے تو حضرت مقداد نے عرض کیا۔

اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل کے موسیٰؑ کو کہی تھی کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم لڑیں گے آپ کے دائیں سے آپ کے بائیں سے آپ کے سامنے سے آپ کے پیچھے سے (غرض ہر طرح سے ہر طرف لڑیں گے) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں پھر میں نے حضور کے چہرے کو دیکھا کہ اس بات کی وجہ سے آپ کا چہرہ چمک رہا ہے اور آپ انتہائی خوش ہیں۔ [3]

[4] اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب میدان بدر کی طرف چلے تو آپ نے مسلمانوں سے (جنگ کرنے کے متعلق) مشورہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا۔ آپؐ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار (کے سرداروں) نے کہا اے انصار کی جماعتو: رسول اللہ ﷺ کا تمہاری طرف اشارہ ہے تو اس پر انصار بولے اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کو کہا (آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ برک غماد (دور دراز جگہ) بھی جائیں گے تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ [5]

---

[1] وقال الامام احمد حد ثنا وکیع، حدثنا سفیان، عن مخارق بن عبداللہ الاحمسی، عن طارق ان المقداد قال

[2] قال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائیل، عن مخارق، عن طارق بن شاد، قال قال عبداللہ بن مسعود

[3] رواہ البخاری فی التفسیر والمغازی من طرق عن مخارق بہ۔ [4] وقال الحافظ ابوبکر بن مردویہ حدثنا علی بن الحسین بن علی، حدثنا ابو حاتم الرازی، حدثنا محمد بن عبداللہ الانصاری حدثنا حمید عن انس، ان

[5] رواہ الامام احمد عن عبیدۃ بن حمید الطویل، عن النبی بہ، ورواہ النسائی عن محمد بن المنتھی عن خالد بن المارث، عن حمید، عن انس بہ نحوہ، و اخرجہ ابن حبان فی صحیحین عن ابی یعلی عن عبدالاعلی عن معمر، عن حمید عن انس بہ نحوہ

بنی اسرائیل کا میدان تیہ میں داخل ہونا اور وہاں عجائبات کا پیش آنا

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل نے جبارین سے قتل وقتال کرنے سے گریز اور انکار کیا اور اس پر اللہ نے ان کو میدان تیہ میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی اور یہ فیصلہ فرمادیا کہ چالیس سال تک یہ اس میدان سے نہ نکل سکیں گے۔

(ابن کثیرؒ فرماتے ہیں) اور میں نے اہل کتاب کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ بنی اسرائیل نے جبارین کے ساتھ لڑائی کرنے سے منع کیا ہو، لیکن یہ ہے کہ یوشع بن نون کو حضرت موسیٰؑ نے (کچھ جماعت کے ساتھ) تیار کر کے کفار کی ایک قوم سے لڑنے کے لئے بھیجا اور حضرت موسیٰ اور ھارون اور خور تینوں افراد تک ٹیلے پر بیٹھ گئے اور حضرت موسیٰ اپنے عصا کو بلند کرتے تو اللہ وہاں حضرت یوشع کو بلند فرماتے اور غلبہ عطا فرماتے اور جب بھی ہاتھ تھکتا یا کسی اور وجہ سے ہاتھ نیچے ہو جاتا تو حضرت یوشع پر دوسرے کافر غلبہ پا لیتے اسی طرح ہوتا رہا اور حضرت ہارون اور حضرت خور دونوں ملکر آپ کے ہاتھ کو اٹھا کر عصا سمیت دائیں بائیں پھرواتے، اور صبح سے غروب شمس تک یوں ہوتا رہا بالآخر حضرت یوشع فتح یاب ہوتے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی قصہ مروی ہے کہ مدین شہر کا کاہن یثرون نامی جو حضرت موسیٰ کا سسر بھی تھا اس کو جب یہ خبریں ملیں کہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے مقابلے پر فتح حاصل ہوئی اور ایسے ایسے معجزات ظاہر ہوئے تو وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ اس کی دختر نیک صفوانامی خاتون بھی تھیں جو حضرت موسیٰؑ کی بیوی تھیں اور ساتھ میں یثروں کے دو بیٹے جرشون اور عازر بھی تھے یہ سب حضرت موسیٰؑ سے ملے حضرت موسیٰ نے انکا اکرام کیا، پھر اس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے شیوخ وسردار نے بھی اس کی تعظیم کی اور ان کو اپنا بزرگ تسلیم کیا۔

اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ یثروں نے دیکھا کہ جھگڑوں کے نمٹاتے وقت بنی اسرائیل سب ہی حضرت موسیٰ کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور تمام فیصلے حضرت موسیٰؑ کو ہی کو نمٹانے پڑتے ہیں تو یثروں نے حضرت موسیٰ کو مشورہ دیا کہ آپ کچھ افراد جو امانت دار اور متقی، اور پاکدامن ہوں ایسے افراد کو منتخب کریں جو رشوت اور خیانت سے نفرت کرتے ہوں پھر ان کو ہزاروں پر سردار بنادیں اور پھر ہزاروں میں سے سو سو پر سردار بنادیں پھر پچاس پچاس پر سردار بنادیں پھر دس دس پر سردار بنادیں اور یہ سردار اپنے ماتحتوں کے فیصلے نمٹائیں اور جب کوئی معاملہ ان پر مشکل ہو جائے تب یہ آپ سے رجوع کرلیں تو آپ صحیح فیصلہ فرمادیں تو حضرت موسیٰؑ کو ان کی رائے پسند آئی اور ایسا فرمادیا۔

اہل کتاب کہتے ہیں جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو اس تیسرے مہینے میں جبل سیناء کے نیچے پہنچے اور جو مہینہ ان کے لئے سال کی ابتداء رکھا گیا تھا اس مہینے میں یہ نکلے تھے۔ اور یہ موسم بہار کا بھی پہلا مہینہ تھا۔ تو اس حساب سے گویا کہ یہ بنی اسرائیل گرمیوں کے موسم میں میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے۔ اہل کتاب

کہتے ہیں بنی اسرائیل طور سیناء کے گردو پیش اترے تھے۔ اور موسیٰ جبل پر چڑھے واللہ اعلم۔ پھر اپنے پرورد گار سے ہمکلام ہوئے۔ اور موسیٰ کو حکم ملا کہ اپنی قوم پر اپنے رب کے احسانات کا تذکرہ کریں کہ تم کیسی اذیت وکرب میں مبتلا تھے فرعون کی وجہ سے پھر اللہ نے تم کو اس سے نجات عطا فرمائی اور انکو اسکے عذاب وخوف سے بالکل ہی خلاصی عطا فرمائی کہ اسکو نیست ونابود کر دیا۔

اور اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم کریں کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں اور غسل کریں اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور تیسرے دن کیلئے تیار ہو جائیں اور جب تیسرا روز آجائے تو سب کے سب جبل سیناء کے گرد اکٹھے ہو جائیں لیکن پہاڑ کے بالکل قریب کوئی نہ لگے۔ اور جو شخص قریب ہوا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ کوئی جانور بھی اسکے قریب نہ آئے۔ آیا تو اسکا بھی وہی حشر ہو گا اور یہ حکم جب تک جاری رہے گا جب تک کہ سینگ میں سے آواز آتی رہے (پہلے بانسری کی طرح سینگ کو بنا کر اسکو بجاتے تھے) پھر جب آواز خاموش ہو جائے پھر تمہارے لئے پہاڑ پر چڑھنا بھی حلال ہو جائے گا لہذا بنی اسرائیل نے یہ سن کر فرمانبرداری کی اور غسل ونظافت حاصل کی اور خوشبو وغیرہ لگائی۔

پھر جب تیسرا روز آیا تو پہاڑ کو عظیم گہرے بادلوں نے ڈھانک لیا اور اسکے بیچوں بیچ سے نور کا ستون ظاہر ہوا اور وہ سایہ فگن رہا۔ اور ان میں مختلف آوازیں اور بجلی گرج اور صور پھونکنے کی سخت آواز آنا شروع ہو گئی جس سے بنی اسرائیل سخت خوفزدہ ہوئے اور اس جگہ پلٹ پڑے اور پہاڑ کے دامن یعنی کچھ دور آکر ٹھہرے اور اس اثنا پہاڑ کو گہرے گھنے بادلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پہاڑ خود بھی انتہائی سخت زلزلے کی زد میں آگیا اور ہلنے لگا۔ اور موسیٰ پہاڑ پر تشریف فرما تھے اور اللہ عزوجل ان سے رازونیاز فرمارہے تھے اور شرف کلامی سے مشرف فرما کر کلیم لقب کا مستحق فرمارہے تھے۔ پھر جب رازونیاز ختم ہوئی تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ نیچے اتریں اور بنی اسرائیل کو کہیں کہ اب پہاڑ کے قریب ہو جائیں۔ اور خوب اللہ کی نصیحت سنیں۔ اور انہیں سے جو احباب یعنی علماء تھے انکو حکم ہوا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائیں۔ تاکہ قرب میں کچھ آگے ہو جائیں۔

لیکن انکی کتاب کے موجب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

کیونکہ پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پرورد گار وہ پہاڑ پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور میں انکو اس سے منع کر چکا ہوں پھر اللہ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اور اپنے بھائی ہارون کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

اور دوسرے کاہن علماء اور بنی اسرائیل کے دوسرے گروہ دور نہ رہیں۔ بلکہ پہاڑ کے قریب ہو جائیں تو حضرت موسیٰ نے حکم کی تابعداری فرمائی۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا اور دس باتوں کی نصیحت فرمائی اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے کلام کو سنا لیکن سمجھ نہ سکے پھر حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا، حضرت موسیٰ سے بنی اسرائیل کے لوگ کہنے لگے پس ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ پرورد گار عزوجل کی طرف سے پیغمبر ہیں۔ پس ہم خوف کرتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں۔

پھر حضرت موسیٰ نے انکو دس باتیں پہنچائیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنا۔ اور اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے رکنا۔ اور شنبہ (ہفتہ) کے دن کی حفاظت کرنا یعنی پورے ہفتہ میں عبادت کیلئے یہ ایک دن خاص رکھنا اور اسمیں کام کاج سے چھٹی کرنا اور عبادت کرنا۔ اور یہ چیز اب جمعے کے دن حاصل ہے اور جمعے کے دن کی وجہ سے ہفتہ کا دن منسوخ کر دیا گیا۔ اور اپنے والدین کا اکرام کرنا تاکہ تیری عمر زمین میں زیادہ کر دی جائے۔ اور جو تمہارے ہاں اولاد پیدا ہو اسکو قتل نہ کر۔ نہ زنا کر۔ نہ چوری کر۔ نہ اپنے ساتھی پر جھوٹی گواہی دے اور اپنے ساتھی کے گھر کی طرف نگاہیں مت اٹھا۔ اور اپنے ساتھی کی بیوی کی طرف مت التفات کر۔ اور نہ اسکے غلام یا باندی یا اسکے کسی جانور بیل یا گدھے کی طرف خواہش مت کر الغرض اپنے ساتھی کی چیز پر حرص مت کر۔

اور اکثر علماء سلف وغیرہ نے فرمایا ہے ان دس کلمات کا زیادہ تر مضمون قرآن کی ان دو آیتوں میں آگیا ہے (ترجمہ) کہو (لوگو) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں ان کی نسبت اس نے اسطرح ارشاد فرمایا ہے، کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بد سلوکی نہ کرنا بلکہ) نیک سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کی طرف نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جسکا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو، اور خدا کے عہد کو پورا کرو، ان باتوں کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چلکر) خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

اور ان نصائح کے بعد بھی بہت سی وصیتیں اور متفرق احکامات نازل فرمائے جو کچھ عرصہ رائج رہے پھر زائل ہو گئے۔ اور ایک زمانہ تک انپر عمل ہوتا رہا پھر وہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی بھینٹ چڑھ گئے پھر انہوں نے کچھ تحریف و تغیر کیا پھر تمام ہی میں تغیر کر ڈالے پھر یہ خدا کی طرف سے بھی منسوخ ہو گئے تو اس طرح ایک زمانے تک رائج و مشروع رہنے کے بعد منسوخ و محرف ہو گئے۔

پس اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی بعد بھی وہ جو چاہے حکم کرتا ہے اور جو ارادہ فرمالے کر گذرتا ہے اسی کی ساری مخلوق ہے، اسی کا ہر چیز پر حکم ہے۔ اللہ رب العلمین بابرکت و بلند ہے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طور کے دائیں جانب میں تم سے وعدہ لیا اور تم پر من و سلوی نازل کیا کھاؤ پاکیزہ رزق جو تم کو ہم نے دیا ہے۔ اور اسمیں سرکشی نہ کرو! ورنہ تم پر میرا

لہ انعام ۱۵۱ تا ۱۵۳۔

غضب اتر جائے گا اور جس پر غضب اترا وہ ہلاک ہوا اور میں مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کی جو توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت یاب ہوا۔)[1]

اللہ عزوجل اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر فرمارہے ہیں کہ انکو انکے دشمنوں سے نجات دی اور تنگی و پریشانی سے خلاصی دی۔ اور اپنے نبی کے ساتھ طور کی دائیں جانب میں ان سے وعدہ لیا اور انپر دنیاوی واخروی فوائد کے متعلق ان پر احکام نازل فرمائے۔

اور سفر و حضر کی حالت میں شدت ضرورت کے موقع پر جب کھیتی باڑی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا ایسے وقت ان پر من وسلوی کی نعمت نازل فرمائی۔ جب صبح کرتے تو من جو دانے ہوتے تھے اپنے گھروں کے درمیان میں پاتے اور یہ اپنی ایک دن کی حاجت کے لئے اٹھا لیتے۔ جو زیادہ اٹھاتا تو خراب ہو جاتے۔

اور جو کم اکٹھا کرتا تو وہ اس کو کافی ہو جاتے، اور زیادہ ہوتے تو بچتے ہی نہ، یا خراب ہو جاتے پھر ان سے روٹی بناتے اور وہ خوب سفید میٹھی ہوتی تھی پھر شام ہوتی تو پرندے جو سلویٰ کہلاتے ان کے گردو پیش آجاتے تو یہ بغیر کسی مشقت کے آسانی سے ان کو پکڑ لیتے اور اپنے بقدر اکتفا کرتے اور جب گرمیوں کا موسم ہوتا تو ان پر بادل آجاتے جو ان کو گرمی و تپش سے بچاتے جیسے درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے آل یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا؟ اور میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمدؐ پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ، اور اس سے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت نہ حاصل کرو اور مجھی سے خوف رکھو، اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو، (یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کے لئے کہتے ہو اور اپنے لئے فراموش کئے دیتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اور (رنج اور تکلیف میں) نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے یعقوب کی اولاد! میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی، اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں، اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے خلاصی بخشی وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (سخت) آزمائش تھی اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو تو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو اور جب ہم نے

موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کیے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو، تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے، اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا کہ موسیٰ جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے، تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو، اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لئے) من اور سلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پیو) (مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

اور جب ہم نے (ان سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطۃ کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے تو جو ظالم تھے انھوں نے لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا پس ہم نے (ان) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ نافرمانیاں کئے جاتے تھے، اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انھوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس سے بارہ چشمہ پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی روزی کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے، انھوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا پڑو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا اور آخر کار ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹادی گی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے یہ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اسکے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ان مذکورہ آیات میں احسانات باری تعالیٰ کا تفصیلی ذکر ہوا ان کے لئے من وسلوی جیسی نعمت آسانی سے مہیا فرمائی جو لذیذ اور ذائقہ دار کھانا تھا اور بغیر کسی مشقت و تکلیف کے حاصل ہو جاتا، صبح صبح کو من گندم کے بدلے مل جاتا اور شام کو پرندے گوشت کا کام دے جاتے اور پانی کا انتظام بھی خوب ہوا کہ حضرت موسیٰ نے بحکم الٰہی پتھر پر عصا مارا تو چشمہ پھوٹ پڑا جس سے بارہ چشمے بنے ہر فریق کا اپنا جدا چشمہ اور سب سے میٹھا صاف شفاف پانی اس سے خود بھی سیراب ہوئے اور اپنے مویشیوں کو بھی سیراب کرتے اور بقدر کفایت ذخیرہ کر لیتے اور گرمی کے وقت بادل ان پر سایہ فگن ہو جاتے۔

اور یہ خدا کی طرف سے عظیم نعمتیں تھیں اور بڑے عطیات تھے لیکن اللہ کے بندوں نے ان کا حق ادا نہ کیا، جیسا کہ حق ادا کرنا تھا اور نہ ان کا شکر ادا کیا اور نہ ان کے بدلے خدا کی عبادت کی، پھر ان نعمتوں سے تنگ

دل ہو گئے اور اکتاہٹ میں پڑ گئے اور عرض کیا کہ ہمیں اس کھانے کے بدلے کچھ اور ملنا چاہئے مثلاً ککڑی ہو ترکاریاں ہوں، گندم ہو، مسور کی دال ہو، پیاز ہوں، تو ان چیزوں کی بنی اسرائیل نے درخواست کی پھر موسیٰ نے ان کو ڈانٹا اور زجر و تنبیہ کی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا (بھلا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں تو کسی شہر میں اترو جو مانگتے ہو وہاں مل جائے گا)

یعنی جو کچھ خواہش و طلب رٹ رہے ہو اور ان نعمتوں کو چھوڑنا چاہتے ہو تو ان تمہاری پسند کی چیزوں سے ہر چھوٹا بڑا شہر بھرا پڑا ہے جب تم وہاں اترو گے اور اس مرتبے سے اترو گے جس کے تم حامل نہیں بلکہ خود اس کو چھوڑ رہے ہو تو یہ سب خواہش تمہاری وہاں پوری ہو جائیں گی، اور یہ دنیاوی گھٹیا ردی غذائیں تم کو دستیاب ہوں گی لیکن میں وہاں تمہاری بات کا جواب نہ دوں گا اور نہ تم کو وہاں تمہاری خواہشات تک پہنچاؤں گا۔

اور یہ مذکورہ صفات دلالت کرتی ہیں کہ یہ لوگ ممنوع چیزوں سے باز نہ آنے والے تھے اور اس کے متعلق فرمان باری ان کو پہلے مل بھی چکا تھا کہ اور تم اس (کھانے کی چیز) میں سرکشی نہ کرنا ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا وہ ہلاک ہوا)

یعنی ان کے لئے جبار بادشاہ کا غضب اتر گیا اور ہلاکت و تباہی کا مستحق ہوا۔

لیکن ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے اس سخت وعید کو امید و مغفرت کے ساتھ ملا دیا لیکن اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہو کر ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہوا اور پھر ہدایت کی راہ چلنے لگا جیسے آگے ہی فرمایا۔

اور میں بہت مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت کی راہ چلا)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو، ان کی اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستہ پر نہ چلنا، اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار بھی دیکھوں، پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں سجدہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں، (خدا نے) فرمایا (موسیٰ) میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجالاؤ اور ہم نے (تورات کی تختیوں میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں) بہت بہترین پکڑے رہیں، میں عنقریب تمہیں نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا، جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا اگر یہ

سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنالیں، یہ اس لئے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہ جیسے عمل کرتے ہیں ان کو ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

بزرگوں کی ایک جماعت جس میں ابن عباسؓ اور مسروق اور مجاہد ہیں فرماتے ہیں کہ تیس راتیں، وہ مکمل ذوالقعدہ کا مہینہ تھا، اور ذوالحجہ کے دس دن کے ساتھ پورے چالیس دن ہو گئے تو اس حساب سے اللہ کا کلام ان پر عید الاضحیٰ کو اترا اور اسی کے مثل برکت والے دن میں ہی اللہ نے محمد ﷺ پر بھی انکا دین مکمل کیا اور اپنی حجت وبراہین سے اسکو مضبوط کیا، مقصود یہ ہے کہ جب موسیٰ نے وقت مقرر، پورا کر لیا اور آپ اس میں روزہ دار بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس پورے عرصے میں کوئی کھانا نہ چکھا تھا پھر جب مہینہ پورا ہوا تو ایک درخت کی مسواک اپنے منہ میں کی تاکہ اس عرصے میں جو منہ کے اندر ایک خاص بو پیدا ہوئی ہے وہ ختم ہو اور منہ خوشبودار ہو جائے، پھر اللہ نے حکم کیا کہ اب دس دن اور ٹھہرے رہو (اور روزہ رکھو اور اس بو کو دوبارہ پیدا کرو جو تم نے ختم کر دی ہے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت پسند ہے) اسی وجہ سے حدیث میں ہے (بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے)

پھر جب آپ نے جانے کا پختہ عزم فرمالیا تو بنی اسرائیل کی تمام جماعتوں پر اپنا خلیفہ بھائی ھارون کو مقرر کیا جو آپ کے محبوب و معظم اور بزرگ تھے اور آپ کے حقیقی بھائی یعنی ماں باپ شریک تھے اور اللہ کی دعوت پہنچانے میں آپ کے وزیر تھے، تو آپ نے ان کو وصیت فرمائی اور حکم فرمایا اور یہ بات حضرت ھارون کی نبوت کے شایان شان تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ اپنے مقررہ وقت پر آگئے اور ان کے رب نے ان سے کلام (فرمایا) یعنی اللہ سے پردوں کے پیچھے سے کلام فرمایا مگر خطاب صاف سنائی دے رہا تھا پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کو پکارا اور خوب مناجات کی تو اللہ نے ان کو اپنے قریب کیا۔ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو یہ مقام رفیع ہے اور عقل سے ماوراء ہے اور عمدہ منصب بلند رتبہ ہے پس اللہ کی رحمتیں اس پر اترتی رہیں اور اس کا سلسلہ اس پر نازل ہوتا رہے۔

تو جب اللہ نے ان کو یہ بلند رتبہ عطا فرمادیا اور انھوں نے خطاب الٰہی سن لیا تو اب شوق عشق نے اور کروٹ لی اور حضرت موسیٰ بیچ سے پردے اٹھادیئے جانے کا سوال کر بیٹھے اور وہ ذات جس کو نگاہیں اس (دنیا میں) دیکھ نہیں سکتیں جو بہت قوی ہے، اس کے سامنے یہ استدعا کر بیٹھے۔

پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا میں آپ کی طرف دیکھوں گا؟ فرمایا تو ہرگز مجھ کو نہ دیکھ سکے گا، تو اللہ نے واضح فرمایا کہ اللہ عزوجل کی تجلی کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، وہ پہاڑ جو انسان سے کہیں زیادہ طاقت وقوت میں آگے ہے اور ایسا ثابت قدم اور پکا ہے جس کو کوئی چیز جنبش نہیں دے سکتی وہ بھی رحمٰن کی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتا تو اے موسیٰ تو کہاں کر سکے گا لہذا حکم فرمایا۔

(اور لیکن (اے موسیٰ) جبل کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا)

اور پہلی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا مجھے کوئی زندہ نہیں دیکھ سکتا اگر دیکھے گا تو فنا ہو جائے گا اور نہ کوئی خشک چیز دیکھ سکتی ہے اگر دیکھے گی تو وہ پانی پانی ہو جائے گی، اور صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کا حجاب نور کا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے اللہ کا حجاب آگ کا ہے۔

اگر اللہ پاک اس کو اٹھا دیں تو اللہ کے چہرہ اقدس کی نور کی کرنیں وہاں تک پہنچیں گی جہاں تک اللہ کی نظر جائے گی اور جس مخلوق تک نظر جائے گی سب کچھ جل جائے گا اور بھسم ہو جائے گا اور حضرت ابن عباسؓ اللہ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں۔

اس کو نگاہیں نہیں ادراک کر سکتیں یعنی اللہ کا نور ایسا ہے جب وہ کسی چیز پر تجلی ڈالے یعنی اس پر ظاہر ہو تو وہ چیز اس کی تاب نہ لا کر ختم ہو جائے گی۔

اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کیا (اے اللہ) بے شک تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں اور ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ہوں۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (اور لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا) کیونکہ پہاڑ تجھ سے بڑا اور خلقت میں سخت ہے (پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی) پھر موسیٰ نے پہاڑ کی طرف دیکھا کہ وہ بھی زیارت تجلی کی طاقت نہ رکھ سکا بلکہ شدت جمال کے نظارے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو موسیٰؑ اس کی یہ حالت دیکھ کر ہی بے ہوش ہو گئے۔

اور ہم اپنی تفسیر میں امام احمد اور ترمذی کی مروی روایت ذکر کر چکے ہیں جس کو ابن جریر اور حاکم نے حماد بن سلمہ عن ثابت کے طریق سے صحیح قرار دیا ہے، ابن جریر نے یہ زائد کیا ہے کہ لیث حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسی صعقا

اور اپنی چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر انگوٹھا رکھ کر (اسکو اٹھایا) اور فرمایا اتنی تجلی سے پہاڑ اڑ گیا۔ یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔

اور سدی عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے عظمت کی تجلی فقط چھوٹی انگلی کے پورے کے بقدر ظاہر فرمائی تھی، اس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا فرمایا یعنی مٹی مٹی ہو گیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں موت واقع ہو گئی اور صحیح پہلی بات ہے کیونکہ آگے فرمان باری ہے۔

(پس جب افاقہ ہوا) یعنی صحیح ہوئے (تو کہا پاک ہے تیری ذات) یعنی بزرگی اور عظمت و جلال کی وجہ سے کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا، لہذا (میں آپ سے توبہ کرتا ہوں) کہ آئندہ کبھی دیدار کا سوال نہ کروں گا (اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں) کہ کوئی زندہ تجھ کو نہیں دیکھ سکتا مگر وہ مر جائے گا اور کوئی خشک دسخت چیز تجھ کو نہیں دیکھ سکتی مگر وہ پانی پانی ہو جائے گی۔

[1] اور صحیحین میں ثابت ہے کہ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء میں سے کسی پر فضیلت نہ دو پس قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں سب سے پہلے افاقے میں آؤں گا، تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ تھامے کھڑے ہوں گے پس میں نہ جانوں گا کہ مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا طور پر بے ہوشی کی وجہ سے اب بچ گئے۔

اس مذکورہ حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں، اور اس کے شروع میں یہودی کا قصہ ہے کہ اس نے ایک انصاری صحابی کو کہا کہ خدا کی قسم موسیٰ (پوری) انسانیت پر فوقیت والے ہیں تو انصاری نے (حضور کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے) اس کو طمانچہ مارا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا

مجھے انبیاء میں سے کسی پر فوقیت نہ دو

[2] صحیحین ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا اور اس میں یہ بھی ہے کہ مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو اور پھر پوری پہلی حدیث ذکر کی ہے۔

لیکن یہ حضور کی عاجزی وانکساری اور فروتنی ہے اور انبیاء میں سے کسی کو عصبیت اور بطور غصے کے کسی کو برتری دینے سے ممانعت ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ فضیلت کسی کو کسی پر دینا اللہ کا کام ہے نہ کہ تمہارا لہذا تم اس بات کو چھوڑو کیونکہ یہ بات محض اپنی رائے وخیال سے حل نہیں ہوتی بلکہ شرع پر موقوف ہے۔

اور بعض نے اس کی توجیہ کی ہے کہ حضور نے یہ فرمان اپنی افضلیت کی لاعلمی کے وقت کیا تھا جب آپ کو آپ کی افضلیت بتادی گئی تو پہلا فرمان منسوخ ہو گیا، لیکن اس توجیہ میں نظر ہے کیونکہ پہلی روایت جو عاجزی وانکساری کی ہے وہ ابو ہریرہ اور ابو سعید سے مروی ہے اور ابو ہریرہ غزوہ خیبر کے سال میں یعنی آخر میں ہجرت فرما ہوئے اور یہ بات بعید ہے کہ حضور کو اس کے بھی بعد میں نسخ کا علم ہوا ہو، واللہ اعلم

اور اس میں حقیقتاً کوئی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ افضل البشر ہیں بلکہ افضل الاخلاق ہیں فرمان الٰہی ہے تم بہترین امت ہو اور امت کا شرف محض حضور کے شرف کی وجہ سے مکمل ہوا ہے۔

اور آپؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں) پھر حضور نے اپنے ساتھ مقام محمود کی خصوصیت کو فرمایا جس پر اولین وآخرین تمام رشک کریں گے۔ کہ انبیاء اور رسول بھی اس مقام کی رفعت سے عاجز ہوں گے حتیٰ کہ اولوالعزم پیغمبر نوح، ابراہیم،

---

[1] فی الصحیحین من طریق عمرو بن یحیی بن عمارة بن ابی حسن المازنی الانصاری عن ابیه عن ابی سعید الخدری [2] وفی الصحیحین من طریق الزهری عن ابی سلمة و عبدالرحمن الاعرج عن ابی هریرة

موسیٰ، عیسیٰ بھی اس مقام کی برتری تک پہنچنے سے عاجز ہوں گے اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان کہ میں قیامت کے روز سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا سایہ پکڑے ہوں گے تو مجھے پتہ نہ چلے گا کہ یہ مجھ سے پہلے افاقے میں آئے، یا طور کی بے ہوشی کے بدلے صحیح ہی رہے۔

یہ بے ہوشی جب طاری ہوگی جب اللہ عزوجل مخلوق کے لئے فیصلے کے لئے تجلی ظاہر فرمائیں گے تو تمام لوگ تجلی کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے تو ان میں سب سے پہلے خاتم الانبیاء ﷺ افاقے میں آئیں گے تو آپ موسیٰؑ کو عرش الٰہی کا پایہ تھامے پائیں گے اس پر صادق مصدوق نے فرمایا کہ مجھے علم نہ ہوگا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے افاقے میں آگئے یعنی ان کی بے ہوشی ہلکی ہوئی کیونکہ یہ پہلے دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے یا دنیاوی طور کی بے ہوشی کے بدلے اب بالکل ہی بے ہوش نہ ہوئے۔

اور اس حیثیت واعتبار سے حضرت موسیٰؑ کا شرف بہت بڑا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس اعتبار سے مطلق افضلیت لازم نہیں آئی، اسی وجہ سے حضور نے حضرت موسیٰؑ کی شرف وافضلیت صرف اسی مذکورہ صفت کے ساتھ بیان فرمائی کیونکہ جب یہودی نے کہا اللہ کی قسم موسیٰ تمام انسانوں پر افضلیت رکھتے ہیں تو اس پر مسلمان انصاری نے اس کو منہ پر طمانچہ مارا پھر یہ واقعہ حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو اس سے یوں لگتا تھا کہ شاید حضرت موسیٰ کی عزت وعظمت کو کم کیا جارہا ہے اس پر حضور نے حضرت موسیٰ کی شرافت و افضلیت کو ظاہر فرمایا۔

اور اللہ کا فرمان کہ (اے موسیٰ میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی کی وجہ سے چن لیا ہے)

اس کا مطلب ہے کہ آپ کے زمانے میں موجود تمام انسانوں میں سے آپ کو سب پر فضیلت دی نہ کہ پہلے اور بعد کے لوگوں کے اعتبار سے کیونکہ ان سے پہلے حضرت ابراہیم ان سے افضل تھے، جیسے کہ حضرت ابراہیم کے قصے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح آپ کے بعد حضور اکرم محمد ﷺ تو سب سے ہی افضل وبرتر تھے جیسے آپ کا شرف معراج کی رات تمام انبیاء ورسل پر ظاہر ہوا، اور اسی طرح آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ

میں عنقریب ایسے رتبے ومقام پر فائز ہوؤں گا کہ تمام مخلوق مجھ پر رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم بھی اور فرمان الٰہی ہے کہ اے موسیٰؑ (جو میں تجھے دوں وہ لے لے اور شاکرین میں سے ہو جا) یعنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی کا جس قدر شرف وعزت ہم نے آپ کو عطا کی ہے اسی پر اکتفا کیا جائے اور زیادتی کی خواہش نہ فرمائیں بلکہ اسی پر خدائے عزوجل کا شکر فرمائیں۔

اور فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے اس کے لئے ہر چیز نصیحت کی اور ہر چیز کی تفصیل تختیوں میں لکھ دی ہے)

اور وہ تختیاں عمدہ نفیس کسی جوہر کی تھیں اور صحیح میں ہے کہ اللہ عزوجل نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا اور تمام برائیوں سے بچنے کی نصیحت تھی، اور ہر چیز کے متعلق حلال وحرام کی تفصیل تھی، اور کتاب کے متعلق فرمایا (پس اس کو قوت سے تھام لے) یعنی عزم اور نیت صادقہ قویہ کے ساتھ اس کو مضبوط کرلو

(اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ وہ اچھی طرح اس کو لے لیں) یعنی اچھے طریقے سے اس کو رکھیں اور اچھی جگہوں پر لکھیں (اور عنقریب میں تم کو فاسقین کا گھر دکھلاؤں گا) یعنی جو میری اطاعت سے نکل چکے ہیں اور میرے احکام کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اور میرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں عنقریب میں ان کا برا انجام آپ کو دکھلادوں گا، اور (عنقریب میں اپنی آیات پھیر دوں گا) یعنی مذکورہ صفات کے شخصوں سے اپنی آیات کی فہم اور ان میں تدبر اور ان کے معنی کو سمجھنا، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں میں ان نافرمانوں کو عطا نہ کروں گا، اور یہ کون لوگ ہیں وہ (وہ لوگ ہیں جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر اس کی ہر نشانی کو (بھی) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں یعنی کتنی ہی خلاف عادات نشانیاں معجزات وغیرہ یہ دیکھتے ہیں پھر بھی اتباع کی گردن نہیں جھکاتے اور اگر وہ آیت کی راہ دیکھ لیں تو اس کو راستہ نہ بنائیں) یعنی نہ اس کو اپنائیں اور نہ اس کی اتباع کریں اور اس پر چلیں، (اور اگر وہ سرکشی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو راستہ بنالیں یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، یعنی انھوں نے جب ہماری نشانیوں اور آیتوں کو جھٹلایا تو اس کی سزا میں ہم نے سیدھی راہ ان سے سلب کر لی اور ان کو اس راہ سے غافل کر دیا اور ان کی تصدیق سے منحرف کر دیا اور ان کے معنی و مقصد کی تکفیر پر لگادیا اور ان کے تقاضا پر عمل سے باز رکھا، اور یہ سب انہی کے جھٹلانے کی وجہ سے ہوا۔

(اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں ان کے اعمال حبط) ضائع کر دیئے گئے ان کو ان کے کیے ہی کا بدلہ دیا جائے گا)

اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنالیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے اس کو انھوں نے (معبود) بنالیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہم کو معاف نہ فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے، انھوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے، اور قریب تھا کہ قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کیجئے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے، تب انھوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (خدا نے فرمایا کہ) جب لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تو ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم ہر افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور جنھوں نے برے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا مہربان ہے، اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھالیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا وہ ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی۔

اور اے موسیٰ تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) کیوں جلدی کی؟ کہا وہ میرے پیچھے (آرہے) ہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اسلئے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈالدیا ہے اور سامری نے ان کو بھکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غم اور غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو۔ اور (اسلئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ (کیا تھا اس کے) خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے پھر ہم نے اسکو (آگ میں) ڈالدیا۔ اسی طرح سامری نے ڈالدیا۔ تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنادیا (یعنی اسکا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تو لوگ کہنے لگے یہی تمہارا معبود ہے اور یہی موسیٰ کا معبود ہے مگر وہ بھول گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ انکی کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ اور نہ ان کے کچھ نفع اور نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے۔ تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جبتک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون جب تم نے ان کو دیکھا تھا۔ کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا (یعنی) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا۔ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔

پھر اسکو (بچھڑے کے قالب میں) ڈالدیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا موسیٰ نے کہا جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ سزا ہے کہ کہتا رہے کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگا۔ اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا۔ اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا۔ اسکو دیکھ ہم اسے جلادیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں پھینک دیں گے تمہارا معبود خدا ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسکا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

تو حضرت موسیٰ کے اپنے رب کے پاس چلے جانے کے بعد قوم کا پیچھے سے کیا ہوا؟ اسکے متعلق اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں۔

کہ حضرت موسیٰ کی اپنے رب سے مقررہ ملاقات تھی حضرت موسیٰ تو وہاں تشریف لے چلے اور مقام طور پر اپنے رب سے مناجات شروع کر دی اور حضرت موسیٰ نے اللہ عزوجل سے بہت سی اشیاء کے متعلق سوالات عرض کیے تو اللہ عزوجل نے سب کے جواب مرحمت فرمائے۔ تو پیچھے کیا ہوا؟۔

پیچھے بنی اسرائیل کے ایک شخص جسکو ہارون سامری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے وہ تمام سونا

زیوارت بنی اسرائیل سے لئے جو وہ قبطیوں سے عاریۃً مانگ لائے تھے۔ پھر ان سے ایک بچھڑا بنایا اور کسی مٹی کی ایک مٹھی اسمیں ڈالی جو دراصل اس سامری نے حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے پاؤں پڑنے کی جگہ سے لی تھی۔ اور سامری نے جبرائیل کو اسوقت دیکھا تھا جب اللہ نے فرعون کو غرق کیا۔ بہرحال سامری نے یہ مٹی اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈال دی۔ تو وہ بھی ایسے ہی ڈکارنے لگا جیسے حقیقی بچھڑے ڈکارتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی بچھڑے کے سے جسم میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یعنی خون اور گوشت اور زندگی اسمیں پیدا ہو گئی تھی اور یہ قول قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہوا جب اسکے پچھلے مقام سے داخل ہوتی تو وہ ہی اسکے منہ سے نکل جاتی اور اس سے بیل کی سی آواز نکلتی۔

بہرصورت جب اسمیں سے آواز نکلنا شروع ہوئی تو بنی اسرائیل حیرانگی سے خوش ہوئے اور اسکے گرد دو پیش رقص کرنے لگے۔

(پھر کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اور وہ بھول گئے ہیں)

یعنی موسیٰ اپنے خدا کو ہمارے پاس بھول کر چلے گئے ہیں۔ اور وہاں جاکر اسکو تلاش کر رہے ہیں۔ جبکہ یہ ہمارے پاس ہے۔ اللہ پاک انکی بے ہودہ خرافات سے بہت ہی بلند اور پاک صاف ہیں۔ اور اسکی ذات، اسماء اور تمام صفات پاکیزہ ہیں اور اسکی نعمتیں اور عطیے بے انتہاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ انکی بکواس کو باطل قرار دیتے ہیں اور انکے اس معبود کی نفی فرماتے ہیں جو حیوان بہیم ہے یا مردود شیطان ہے فرماتے ہیں (کیا پس وہ نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) انکی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ انکے لئے نفع نقصان کا مالک ہے۔) اور فرمایا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات چیت نہیں کر سکتا اور نہ انکی اس راہ کی رہنمائی کر سکتا جو انہوں نے اپنائی ہے۔ اور وہ تو ظالم لوگ ہیں)

پس فرمایا کہ یہ تو حیوان ہے جو بات بھی نہیں کر سکتا اور نہ جواب دے سکتا۔ اور نہ کسی نفع و نقصان کا مالک ہے اور نہ سیدھی راہ نمائی کر سکتا اور انہوں نے ایسے بیوقوف کو معبود بنا رکھا ہے بے شک وہ ظالم لوگ ہیں اور خود جانتے بھی ہیں کہ یہ جو کچھ واہی تباہی چیز ہم نے گھڑی ہے یہ معبود نہیں ہو سکتا۔

فرمایا (اور جب وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوئے، اور دیکھا کہ وہ تو گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری مغفرت نہ فرمائے گا تو ہم خاسرین میں سے ہو جائیں گے)۔[1]

حضرت موسیٰؑ کی اپنی گمراہ شدہ قوم کی طرف واپسی

جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ آپکی قوم بچھڑے کی عبادت میں جھکی پڑی ہے۔ آپکے ساتھ تختیاں تھیں جو تورات کے مضامین پر مشتمل تھیں۔ آپنے انکو نیچے ڈال دیا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ ڈالنے سے ٹوٹ گئیں۔ اہل کتاب کے نزدیک یہی قول مقبول ہے اور پھر اللہ نے آپکو دوسری تختیاں عطا فرمادی تھیں۔ لیکن قرآن میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جو ٹوٹنے اور انکے بدلے

[1] اعراف ۱۴۹

دوسری تختیاں ملنے پر دلالت کریں فقط اتنا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو غضب میں آگئے اور پھر تختیاں ڈال دیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ صرف دو تختیاں تھیں جبکہ قرآن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی تختیاں تھیں۔ اور حضرت موسیٰ کو پہلے اللہ کی طرف سے بھی اپنی قوم کی گمراہی کی اطلاع ملی تھی لیکن جب اتنا غصہ نہ آیا مگر جب خود آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو انتہائی رنج و غم ہوا اور غصے میں تختیاں بھی نیچے گر گئیں اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خبر معائنے (خود دیکھنے) کی طرح نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان اور امام احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور انکو ڈانٹ ڈپٹ کی اور انکے شنیع فعل پر خوب زجر و تنبیہ کی تو انہوں نے آپ سے اس پر ایک عذر بیان کیا جو غلط عذر تھا۔

انہوں نے کہا ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اسکو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

بنی اسرائیل نے آل فرعون کا زیور وغیرہ مانگنے سے لے لیا تھا۔ اور اسمیں بعض بنی اسرائیل نے اپنے لئے گناہ قرار دیدیا تھا۔ جبکہ اللہ عزوجل ہی نے انکو لینے کا حکم فرمایا تھا اور انکے لئے قبطیوں کا تمام مال مباح (جائز) کر دیا تھا۔

تو اسکو تو انہوں نے گناہ سمجھا اور اپنی جہالت اور عمل و عقل کی کوتاہی کی وجہ سے جو بچھڑے کی عبادت میں منہمک ہوئے اسکو اپنے لئے گناہ نہ قرار دیا۔ اور اس بچھڑے کو خدائے واحد و یکتا، صمد و قہار کا شریک ٹھہرایا۔ جو ظلم کی انتہاء تھی اور اسمیں کوئی حرج نہ سمجھا۔ اسی کو کہا جاتا ہے عذر گناہ بدتر از گناہ۔

پھر حضرت موسیٰ اپنے بھائی ہارونؑ کو مخاطب ہوئے (اے ہارون جب تم نے انکو گمراہ دیکھا تو کس چیز نے تم کو (روکنے سے) باز رکھا (اور) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ) یعنی جب تم نے انکو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو تم میرے پیچھے کیوں نہ آئے پھر آکر مجھے انکے کرتوت بتاتے تو حضرت ہارون نے کہا (میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ تب حضرت موسیٰ نے کہا اور (دعا کی اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

اور حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کو اس قبیح و شنیع فعل سے شدت سے منع کر چکے تھے۔ اور اسپر خوب زجر و تنبیہ بھی کی تھی۔ فرمان باری ہے (اور بے شک ہارون نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے) یعنی اللہ نے اس بچھڑے کو تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے کہ اسمیں سے آواز بھی نکلتی ہے تو کہیں تم اسکو معبود سمجھ لو۔ اور آگے حضرت ہارون نے فرمایا (اور بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہذا میری پیروی کرو اور میری فرماں برداری کرو) یعنی رب تو تمہارا اللہ رحمٰن ہے نہ کہ یہ بچھڑا لہذا تم میری یہ بات مان لو اور اس کی اتباع کر لو لیکن وہ (کہنے لگے جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اسپر قائم رہیں گے۔)

مذکورہ آیتوں میں اللہ عزوجل نے حضرت ہارون کی حمایت میں گواہی دی اور اللہ گواہ بننے میں کافی ہے۔
ہارونؑ نے واقعی انکو روکا تھا اور زجر وتنبیہ کی تھی لیکن انہوں نے آپکی اتباع نہ کی اور پھر حضرت موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے (فرمایا اے سامری تمہارا کیا مقصد ہے)؟ یعنی کس چیز نے تجھے اکسایا اور ابھارا کہ توانکو گمراہ کر بیٹھا تو وہ (کہنے لگا میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی)۔ یعنی میں نے جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ (پھر میں نے فرشتے کے نقش پا سے ایک مٹھی بھری) یعنی جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم سے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل کو یوں دیکھا تھا کہ انکا گھوڑا جب بھی کسی جگہ ٹاپیں ڈالتا تو وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی اور سامری وہاں سے کچھ مٹی اٹھالیتا۔ پھر اب سامری نے اسکو سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے میں ڈالا تو یہ آواز نکالنے لگا۔
اور عجیب وغریب چیز بن گئی اسوجہ سے کہا (پھر میں نے اسکو بچھڑے کے قالب میں ڈال دیا اور مجھے میرے نفس نے (اس کام کو) اچھا بتایا (موسیٰ نے) کہا جا۔ تجھ کو (دنیا کی) زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا رہے گا مجھے ہاتھ نہ لگانا) اور یہ سامری پر بددعا تھی کہ وہ کسی کو چھو بھی نہ سکے۔ کیونکہ اللہ نے اسپر کوئی بیماری مسلط فرمادی تھی اور اب اگر (کوئی اسکویا) یہ اسکو چھوئے گا تو دوسرے کو بھی وہی بیماری پڑ جائے گی۔ اور یہ دنیاوی زندگی میں اسپر عذاب مسلط کر دیا گیا اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی گئی فرمایا (اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا)۔ یہ آیت مبارکہ یوں ہے وان لك موعدالن تخلفه اور ایک قرآت لن نخلفه بھی ہے۔ آگے حضرت موسیٰ سامری کو فرماتے ہیں۔ (اور جس معبود کی پوجا پر تو جھکا پڑا ہے دیکھ ہم اسکو جلادیں گے، پھر اس (کی راکھ) کواڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے)
پھر حضرت موسیٰؑ نے اس بچھڑے کو لیا اور جلا ڈالا۔ اور جلایا کس چیز سے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ آگ کے ساتھ جلایا قتادہؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے۔ اور حضرت علی اور ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ سخت ٹھنڈی چیز کے ساتھ اسکو ختم کیا اور اہل کتاب کے ہاں بھی اسی کی تصریح ہے۔ پھر اسکو سمندر میں پھینک دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ اب اس سمندر کا پانی پیئیں تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر جو بھی بچھڑے کے پجاریوں میں سے تھا۔ تو اس بچھڑے کی راکھ اسکے حلق میں پھنس جاتی اور ایک قول ہے کہ ایسے شخص کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔
پھر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت ووحدانیت کی طرف بلایا فرمایا (بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز کو وسیع ہے) فرمان الٰہی ہے (بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود) بنالیا تھا انپر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور اس آیت و کذلك نجزی المفترین میں لفظ نجزی کو نُجزی بھی پڑھا گیا ہے۔
اور آیت سے معلوم ہوا کہ ہر صاحب بدعت وشرک کو ہم قیامت کے دن عذاب سے دوچار کرینگے پھر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر حلم وبردباری اور رحمت واحسان کا ذکر ہے کہ اگر ان سے گناہ سرزد ہو چکے ہیں تو پھر وہ توبہ کریں تو اللہ عزوجل ضرور انکی توبہ قبول فرمائیں گے اس کے متعلق فرمایا (اور جو لوگ برے عمل کر چکے

ہیں پھر وہ اسکے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو بے شک تیرا پروردگار اسکے بعد بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یعنی ہر گناہ کی معافی فقط توبہ وایمان و عمل صالح سے ہو جائے گی مگر بچھڑے کی عبادت کے عظیم گناہ کی معافی میں ممکن اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ جیسے فرمان الہی ہے (اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے)۔[1]

مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے اس عظیم گناہ کی معافی اپنے آپ کو قتل کرنا ٹھہرایا گیا۔ اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ جو لوگ اس گناہ سے پاک تھے انہوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں (اور گناہ گار لوگ دو زانو سر جھکا کر صفوں میں بیٹھ گئے) اور پھر اللہ نے اپنی رحمت سے ایسی گھٹا چھادی کہ قریب والے کو اپنا ساتھی بھی نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ کسی کو اپنے رشتہ دار کی خبر ہوتی تھی پھر گناہ سے پاک لوگوں نے انکی گردنیں اڑانا شروع کیں۔ اور قتل کرتے رہے اور بندگان خدا قتل ہوتے رہے حتی کہ ایک ہی صبح میں ستر ہزار بنی اسرائیل اپنے گناہ سے برات کیلئے جانوں کا نذرانہ پیش کر بیٹھے یعنی ستر ہزار قتل ہو گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو تختیاں لیں اور انکے نسخوں میں ہدایت و رحمت تھی ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)۔[2] اور یہ الفاظ کہ "اسکے نسخوں میں" ان سے بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ وہ ٹوٹ چکی تھیں۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے۔ اور ان لفظوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جو تختیوں کے ٹوٹنے پر دلالت کرے۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے حدیث فتون میں ذکر فرمایا ہے جسکا ذکر عنقریب آجائے گا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت سمندر سے نکلنے کے بعد کی تھی۔ اور یہ بات بعید نہیں ہے۔ کیونکہ جب سمندر سے نکلے تو (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے ایسا معبود بنا دیجئے جیسے معبود انکے ہیں)۔ اور اس طرح اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ انہوں نے گوسالے کی پوجا بیت المقدس کے علاقوں میں آنے سے پہلے کی تھی۔ اور بیت المقدس میں آنے کی صورت یہ بنی کہ جب گوسالے کے پجاریوں کو قتل کیا گیا اور تین ہزار مقتولین ہو چکے تو حضرت موسیٰؑ انکے لئے مغفرت طلب کرنے تشریف لے گئے تو اللہ نے انکی مغفرت فرمادی لیکن یہ شرط مقرر فرمائی کہ وہ بیت المقدس کی ارض مقدسہ میں داخل ہوں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

(اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کئے۔ جب انکو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا اے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں بے عقل لوگوں نے کیا ہمیں ہلاک کر دیگا یہ تو تیری آزمائش ہے اس

[1] بقرہ ۵۴۔ [2] اعراف ۱۵۴

سے تو جس کو چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ اور سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اسکو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو (محمد رسول اللہ ﷺ) نبی امی ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کام سے روکتے ہیں۔ اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے۔ اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور انکی رفاقت کی۔ اور انہیں مدد دی اور جو نور انکے ساتھ نازل ہوا ہے اسکی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں)[۱]۔

سدی اور ابن عباسؓ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ ستر اشخاص بنی اسرائیل کے علماء تھے اور انکے ساتھ حضرت موسیٰ حضرت ہارون اور یوشع اور ناذاب اور لاہو بھی تھے۔ یہ سب حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اس لئے گئے تھے تاکہ بنی اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کا گناہ اٹھایا تھا جا کر اسکی معذرت اور معافی مانگ آئیں۔ اور انکو حکم ملا تھا کہ پہلے غسل اور پاکیزگی اختیار کریں پھر خوشبو استعمال کریں۔

پھر جب یہ حضرات کوہ طور کے پاس پہنچے تو اس پر بادل چھا گئے اور نور کا ستون ان بادلوں کے بیچوں بیچ بلندی کی طرف چمکنا شروع ہوا۔ پھر اکیلے حضرت موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گئے۔

بنی اسرائیل ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ کا کلام سنا تھا۔ اور مفسرین کی ایک جماعت نے بھی انکی تائید و حمایت کی ہے۔ اور اللہ کے اس فرمان کو اسی پر محمول کیا ہے فرمان باری ہے (اور بے شک ان میں سے بعض لوگ کلام خدا کو سنتے ہیں۔ پھر اسکو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتے ہیں)[۲]۔

لیکن یہ دلیل اسی کے متعلق لازم نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ اس سے یہی معنی و مطلب مقصود ہوں۔ کیونکہ دوسری جگہ اسی طرح الفاظ ہیں۔

فرمان ہے (پس آپ اس کو پناہ دیں حتی کہ وہ اللہ کا کلام سنے)[۳]۔

یہاں کافروں کے متعلق ذکر ہے کہ جب وہ پناہ مانگیں تو انکو پناہ دیدو حتی کہ وہ کلام اللہ سن لیں تو پھر کوئی فیصلہ کرو۔

اب یہاں بھی اللہ کا کلام ان تک پہنچنا مراد ہے اور اسی طرح ان ستر لوگوں نے بھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام الٰہی سنا تھا۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ بنی اسرائیل نے آگے بڑھ کر یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ان ستر اشخاص نے اللہ عزوجل کی زیارت بھی کی تھی۔ اور یہ انکی کھلی غلطی ہے کیونکہ جب انہوں نے باری تعالیٰ عزاسمہ سے

---

[۱] سورہ اعراف ۱۵۵۔۱۵۷، [۲] بقرہ ۷۵، [۳] توبہ ۶ [۴] بقرہ ۵۵۔۵۶

زیارت کا سوال کیا تو انکو بجلی کے زلزلے اور جھٹکے کے عذاب نے دوچار کر دیا تھا جیسے فرمان الٰہی ہے (اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ: جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو۔)

اور یہاں پر فرمایا (پھر جب انکو بجلی نے آپکڑا تو (موسیٰ نے) کہا پروردگار اگر آپ چاہتے تو مجھ کو اور انکو پہلے ہی سے ہلاک فرما دیتے۔)

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے ستر اشخاص کو منتخب فرمایا تھا اور ان میں الخیر فالخیر کے قاعدے کو ملحوظ رکھا تھا۔ اور فرمایا تھا۔

چلو اللہ عزوجل کی طرف اور جو کچھ تم سے سرزد ہوا اسکی توبہ کرو اور اپنی قوم کے پیچھے والے لوگوں کے لئے بھی خدا سے توبہ کرو اور پہلے روزے رکھو اور اپنے کپڑوں اور جسموں کو پاکیزہ کرو۔

پھر حضرت موسیٰؑ ان سب کو لیکر اپنے رب سے ملاقات کے وقت مقررہ پر طور سیناء کو چلے۔ اور طور سیناء پر اللہ کی اجازت وعلم کے بغیر کوئی نہ آسکتا تھا۔ تو پھر حضرت موسیٰؑ نے ان ستر آدمیوں کیلئے اجازت طلب کی کہ وہ بھی کلام الٰہی سنیں تو اللہ کی اجازت سے یہ آگئے۔

اور جب حضرت موسیٰؑ پہاڑ کے قریب ہوئے۔ تو بادلوں کے ستون پہاڑ پر چھاگئے حتی کہ پورا پہاڑ ڈھانک لیا گیا۔ اور پھر موسیٰ بادلوں میں داخل ہوئے اور قوم کو کہا قریب ہو جاؤ۔

پھر حضرت موسیٰؑ سے جب اللہ عزوجل کلام فرماتے تو آپ کی پیشانی پر نور چور چمکنا شروع ہو جاتا۔ اور پھر کوئی بنی آدم آپکی طرف دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

پھر حضرت موسیٰؑ پر پردہ پڑ گیا اور آپ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور قوم بادلوں میں داخل ہو گئی اور جب آگے پہنچی تو سب سجدہ ریز ہو گئے اور اسی دوران حضرت موسیٰؑ کو سنا کہ اللہ سے کلام اور راز و نیاز میں مصروف ہیں اللہ پاک حضرت موسیٰؑ کو حکم فرما رہے ہے منع فرما رہے ہے یہ کرو یہ نہ کرو۔

گفتگو سے فراغت ہو گئی اور حضرت موسیٰؑ سے بادل چھٹ گئے تو آپ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے تب قوم نے کہا:

"اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتی کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں" اتنا کہنا تھا کہ انکو بجلی کے جھٹکے نے آپکڑا اور انکی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور وہ سب مر گئے پھر حضرت موسیٰؑ اٹھے اور اپنے رب سے مناجات کی اور آہ وزاری سے پکارا اور عرض کیا اے پروردگار اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی مجھ کو اور انکو ہلاک فرما دیتے آپ اس وجہ سے ہم کو ہلاک فرماتے ہیں جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا)

یعنی ان لوگوں کے سبب ہماری پکڑ نہ فرمایئے جنہوں نے گوسالے کی پرستش کی، کیونکہ ہم انکے کرتوتوں سے بری ہیں۔ اور ابن عباس مجاہد، قتادہ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ انکو بجلی کے عذاب نے اسوجہ سے پکڑا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت سے روکا نہ تھا۔

اور حضرت موسیٰؑ کا اللہ عزوجل کو عرض کرنا کہ آپ کا ہلاک کرنا (یہ صرف آپکا فتنہ ہے) اسکا مطلب ہے

کہ یہ آپکی طرف سے آزمائش وابتلاء ہے اور ابن عباس سعید بن جبیر ، ابو العالیہ ، ربیع بن انس وغیرہ یہی فرماتے ہیں کہ آپ نے ہی انکو اس بچھڑے بنانے اور اسکی عبادت کرنے پر قدرت عطا کی تاکہ آپ آزمائیں جیسے کہ حضرت ہارونؑ نے بھی اپنی اسی قوم کو یہی فرمایا تھا۔ فرمان باری ہے۔

(انکو ہارون نے پہلے ہی کہا کہ اے قوم بے شک تمہاری اس (بچھڑے) کے ساتھ آزمائش کی گئی ہے) اور اسی وجہ سے فرمان ہے۔

(اے پروردگار آپ اسکے ذریعے جسکو چاہیں گمراہ کریں اور جسکو چاہیں ہدایت فرمائیں آپکی مشیت سبقت کرتی ہے اور آپ کی مشیت وارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں پس ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر معاف کرنے والے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم آپکی طرف چلنے والے ہیں)۔

یعنی ہم نے آپکی جناب میں توبہ کی اور اپنے گناہوں سے رجوع کیا اور خبر دار ہو گئے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر ، ابو العالیہ ، ابراہیم تیمی ، ضحاک ، سدی ، قتادہ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور لغت بھی اسی کے موافق ہے اسکے جواب اللہ نے (فرمایا میرا عذاب جسے میں چاہوں پہنچاؤں۔ اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) یعنی میں جسکو چاہوں مبتلائے عذاب کروں اور وہ گناہ میرے پیدا کئے ہوئے ہیں (اور انکا اختیار کرنا بندوں کی کمائی ہے جس کی وجہ سے انکو گناہ ہوتا ہے)

اور فرمان الٰہی ورحمتی وسعت کل شئی کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اسکے متعلق صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

جب اللہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو ایک کتاب لکھی جو آپ کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے جسمیں ہے بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (پس عنقریب میں اسکو لکھ دوں گا ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) یعنی جو لوگ ان صفات کے ساتھ متصف ہونگے انکے لئے قطعی وحتمی طور پر اپنی رحمت لکھ دوں گا۔ اور (وہ لوگ اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو پیغمبر ہے امی ہے)

تو آخری ٹکڑے میں بنی اسرائیل کی کامیابی کیلئے محمد ﷺ پر ایمان لانے کی شرط قرار دی گئی جس سے امت محمدیہ اور انکے پیغمبر محمد ﷺ کی عظمت شان اور موسیٰؑ سے برتری ظاہر ہوتی ہے اور یہ شرط ونصیحت ان رازونیاز اور جملہ باتوں میں سے ہے جو حضرت موسیٰ اور اللہ کے درمیان ہوتی ہیں اور ہم اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں پر خوب تفصیل سے اپنی تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔

ا...... حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک ایسی امت آئے گی جو بہترین امت ہوگی لوگوں کے نفع رسانی کے لئے نکلی گئی ہوگی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گی پس اے میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے ، اللہ

عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

۲...... حضرت موسیٰ نے پھر عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہو گی جو مخلوق میں سب سے آخر میں آئے گی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو اے پروردگار انکو میری امت بنادیجئے۔ اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

۳...... پھر حضرت موسیٰ نے عرض پروردگار....... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جنکی کتاب (قرآن مجید) انکے سینوں میں محفوظ ہو گی اور اسکو وہ (بغیر دیکھے) پڑھیں گے۔

اور پہلے لوگ اپنی اپنی کتاب کو دیکھ کر ہی پڑھ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ جب وہ کتاب اٹھا کر رکھ دیتے تو کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

اور اللہ نے اس امت کو اس قدر حافظہ عطا فرمایا ہو گا جو کسی امت کو نہیں ملے گا۔ تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنادیجئے۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

۴...... پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو پہلی کتاب پر ایمان لائیں گے اور آخری کتاب (یعنی سب کتابوں پر) ایمان لائیں گے۔ اور وہ گمراہی و بدعت کے فضول لوگوں سے قتل و قتال کریں گے حتیٰ کہ آخر میں کانے کذاب (دجال) سے قتال کریں گے پس آپ اس امت کو تو میری امت بنادیجئے۔ اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

۵...... پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے صدقات و زکوۃ اپنے گھروں میں کھائیں گے اور پھر بھی اسپر اجر پائیں گے۔

اور پہلے لوگ جو قربانی کرتے اور وہ قبول بھی ہو جاتا تو آسمان سے آگ آتی اسکو راکھ کر جاتی اور اگر قبول نہ ہوتا تو آگ اسکو نہ جلاتی بلکہ پرندے درندے اسکو کھا جاتے۔ جبکہ اس امت کے غنی مالدار لوگوں سے صدقات لے کر ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا تو پس اے پروردگار اس امت کو تو میری امت بنادیجئے تو اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

۶...... پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار...... میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو کسی نیکی کا ارادہ کر لیں گے اور ابھی عمل بھی نہ کریں گے کہ انکو اسکے بدلے دس نیکیاں ملیں گی جو سات سو تک دگنا ہو سکتی ہیں تو پروردگار اسکو تو میری امت بنادیجئے اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

ے...... پھر حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو سفارش کریں گے اور پھر انکی سفارش قبول کی جائے گی پس آپ اسکو تو میری امت بنادیجئے اللہ نے فرمایا وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

آگے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذکر کیا گیا ہے کہ پھر تو حضرت موسیٰؑ نے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور عرض کیا

الھم اجعلنی من امت احمد

اے اللہ تو مجھے ہی احمد کی امت سے بنادیجئے۔

اور بہت سے مفسرین نے حضرت موسیٰؑ کی مناجات کا ذکر کیا ہے اور بہت سی ایسی باتیں بھی ذکر کی ہیں جنکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ہم ان میں وہ باتیں اللہ کی توفیق و مدد سے ذکر کرتے ہیں جو احادیث و آثار سے معلوم ہوتیں۔

حافظ ابو حاتم محمد بن حاتم بن حبان اپنی صحیح میں اس عنوان "کلیم اللہ کا اپنے رب سے ادنی جنتی کے متعلق سوال کرنا" سے ذکر کرتے ہیں۔

[۱]...... کہ مغیرہ بن شعبہ بر سر منبر حضور اکرم ﷺ سے منقول حدیث نقل فرمارہے تھے کہ موسیٰؑ نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ کونسا جنتی سب سے کم مرتبے والا ہوگا؟ فرمایا وہ شخص کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تب وہ آئے گا اسکو کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاوہ کہے گا میں کیسے جنت میں داخل ہو جاؤں جبکہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اتر چکے ہیں اور اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے ہیں (یعنی اب کہاں سے جگہ باقی ہوگی؟) تو اسکو کہا جائے گا کہ کیا تو راضی ہے کہ تیرے لئے اتنی جنت ہو جائے جتنی دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت ہوتی تھی۔ عرض کرے گا جی ہاں پروردگار، تو کہا جائے گا تجھے اتنا اور اسی کے بقدر اور بھی دیا جاتا ہے وہ کہے گا پس اے پروردگار میں راضی ہوں اسکو پھر کہا جائے گا اسکے ساتھ وہ بھی تیرے لئے ہے جسکی تیرا دل خواہش کرے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا کونسے جنتی سب سے بلند رتبے والے ہونگے؟ فرمایا انکے متعلق عنقریب میں بتاؤں گا انکی کرامت (وشرافت وعزت) میرے ہاتھوں میں اگ چکی ہے اور اسپر کرامت ختم ہو چکی ہے انکو ایسی نعمتیں ملیں گی جنکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر انکا خیال تک گذرا۔

اور اسکا مصداق قرآن کی آیت میں ہے (پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ انکے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے (کیا کیا چیزیں) چھپائی گئی ہیں؟ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے) [۲]

امام مسلم اور ترمذی نے بھی اسی طرح اسکو روایت کیا ہے اور ان دونوں نے ابن عمرؓ اور سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور حدیث مسلم میں الفاظ یوں ہیں۔

اسکو کہا جائے گا کہ کیا تو راضی ہے اسپر کہ دنیا کہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت جتنا تجھے مل

---

[۱] اخبرنا عمر بن سعید الطائی ببلخ، حدثنا حامد بن یحی البلخی، حدثنا سفیان حدثنا مطرف ابن طریف وعبدالملک بن ابجر شیخان صالحان قالا سمعنا الشعبی یقول سمعت المغیرة بن شعبة ...... الخ

[۲] سجدہ ۱۷

جائے؟ وہ عرض کرے گا پروردگار میں راضی ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ تجھے اسکے مثل اور ایک گناہ، اور ایک گناہ، اور ایک گناہ تو وہ پانچویں مرتبہ میں خود ہی پکار اٹھے گا کہ اے رب میں راضی ہو گیا پھر کہا جائے گا کہ تجھے اسکے دس مثل اور ملا اور اسکے ساتھ جو بھی تیرا نفس چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں سب تجھے ملا وہ پھر کہے گا اے رب میں راضی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے پوچھا اے رب پھر مرتبے میں سب سے بڑھ کر کون ہو گا؟ فرمایا وہ لوگ جنکی کرامت (وعزت کے درخت) میرے ہاتھ میں اگ چکے ہیں اور انپر نعمتیں میں نے ختم کر دی ہیں وہ ایسی نعمتیں ہیں جنکو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے سنا نہیں اور کسی بشر کے دل پر انکا خیال تک گذرا نہیں فرمایا اور اسکا مصداق قرآن کی آیت میں ہے........ جسکا ابھی ترجمہ گذرا۔

اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ فرمایا اور یہ حدیث بعض نے شعبی عن المغیرہ سے روایت کی ہے لیکن اسکو مرفوع نہیں کیا۔ جبکہ مرفوع زیادہ صحیح ہے۔

اور ابن حبان نے ایک دوسرے عنوان "کلیم کا اپنے رب سے سات خصلتوں کا سوال کرنا" سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ھریرہؓ حضور اکرم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے چھ باتوں کا سوال کیا جنکے متعلق حضرت موسیٰؑ گمان کرتے تھے کہ وہ انہی کے لئے خاص ہیں اور ساتویں خصلت کو حضرت موسیٰ پسند نہ فرماتے تھے۔

تو حضرت موسیٰؑ نے پوچھا اے پروردگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ متقی ہے۔

فرمایا جو ذکر کرتا رہے اور بھولے نہ۔

دریافت کیا:۔ تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر چلنے والا ہے؟

فرمایا... جو ھدایت کی پیروی کرے۔

دریافت کیا:۔ تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے؟

فرمایا: جو لوگوں کیلئے بھی وہی فیصلہ کرے جو فیصلہ اپنے لئے کرے۔

دریافت کیا:۔ تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ علم والا ہے؟

فرمایا: وہ عالم جو علم سے سیر نہ ہوتا ہو بلکہ لوگوں کے علم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرتا رہے۔

دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ باعزت ہے؟

فرمایا: جب وہ (بدلے یا انتقام وغیرہ پر) قادر ہو جائے تو معاف کر دے۔

دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ مالدار ہے؟

فرمایا: وہ شخص جتنا بھی اسکو دیا جائے وہ اسی پر راضی ہو جائے۔

دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ محتاج وفقیر ہے؟

فرمایا: کم مال والا (یعنی اپنے مال کو کم سمجھنے والا)

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے غنی کثرت مال سے نہیں ہے بلکہ غنی تو نفس کے غنی سے ہوتی ہے اور جب

اللہ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اسکے نفس میں غنی رکھ دیتے ہیں اور اسکے دل میں تقوی رکھ دیتے ہیں۔ اور جب کسی کے ساتھ شر کا اردہ فرماتے ہیں تو اسکی آنکھوں کے سامنے فقر رکھ دیتے ہیں۔

ابن حبان صاحب منقوص یعنی کم مال والے کا مطلب بیان فرماتے ہیں جسکی حالت ناقص ہو اور اپنے مال کو کم سمجھتا ہو۔ اور زیادتی کا خواہش مند رہتا ہو۔

[1]...... اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے سوال کیا...... پھر مذکورہ حدیث کے مانند روایت ذکر کی اور اسمیں یہ بھی ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پرودگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ زیادہ علم والا ہے؟ فرمایا: جو لوگوں کے علم کی تلاش میں رہتا ہو اور انکے علوم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کر تا رہتا ہو۔ اس امید و خواہش میں کہ شاید کوئی ایسی بات مل جائے جو اسکی ہدایت کا ذریعہ بن جائے یا ایسی بات مل جائے جو اسکو ہلاکت سے بچالے پھر پوچھا اے پرودگار کیا روئے زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی علم والا ہے؟ فرمایا جی ہاں خضرؑ ہیں تو حضرت موسیٰؑ نے ان سے ملنے کا راستہ معلوم کیا۔ پھر آگے طویل قصہ ہے جسکا ذکر انشاء اللہ آئندہ اوراق میں کریں گے۔

اسی کے معنی میں ایک دوسری حدیث ہے جو مسند احمد کی ہے۔

[2]..... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرام ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے پرودگار تیرا مومن بندہ تو دنیا میں تنگی و پریشانی میں ہے فرمایا پھر اسکے لئے جنت کا دروازہ بھی تو کھل جاتا ہے پس دیکھ اس کی طرف اے موسیٰ یہ سب میں نے اپنے اس مومن بندے ہی کیلئے تو تیار کیا ہے پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔

اے پرودگار تیری عزت کی قسم اور تیرے جلال کی قسم اگر دونوں ہاتھ کٹا ہوا اور دونوں پیر سے لنگڑا جب آپ نے اسکو پیدا کیا ہے قیامت تک اسی حالت پر رہے اور یہ ٹھکانا اسکا ہو تو پس بے شک اس نے کبھی بھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے پرودگار تیرا کافر بندہ تو دنیا میں خوشحالی اور خوش عیشی میں نظر آتا ہے؟ فرمایا پھر اسکے لئے جہنم کا دروازہ بھی تو کھول دیا جاتا ہے۔ اے موسیٰ یہ میں نے اسکے لئے تیار کر رکھا ہے۔

تو حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔

اے پرودگار تیری عزت کی قسم تیرے جلال کی قسم اگر ساری دنیا اسکے لئے ہو جب سے آپ نے اسکو پیدا فرمایا ہے قیامت کے دن تک۔ لیکن پھر یہ ٹھکانا اسکا ہو تو پس اس نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔

امام احمد اسکی روایت میں منفرد ہیں اور اسکی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰؑ کا اپنے رب سے کسی ایسے کلمے کا سوال کرنا جسکے ساتھ وہ ذکر الٰہی میں رہیں۔

[2] حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے

---

[1] وقد روا بن جرير في تاريخه عن ابن حميد ، عن يعقوب التميمي ، عن هارون بن هبيره ، عن ابيه عن ابن عباس قال [2] قال الامام حدثنا يحي بن اسحاق ، حدثنا ابن سلمه ، حدثنا حر ملة بن يحي، حدثنا ابن وهب ، اخبرني عمرو ابن الحارث ان دراجاحدثه عن ابي الهيثم عن ابي سعيد

پروردگار مجھے ایسا ذکر سکھلا دیجئے جسکے ساتھ میں آپکو یاد کرتا رہوں۔

اور اس کے ساتھ تجھے پکارتا رہوں فرمایا اے موسیٰ کہو لا الٰہ الا اللہ. عرض کیا اے پروردگار یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں۔ فرمایا کہ لا الہ الا اللہ. عرض کیا اے پروردگار میں تو چاہتا ہوں ایسا کوئی کلمہ ہو جو میرے ساتھ خاص ہو فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان مع سب کچھ اور ساتوں زمین اپنے تمام چیزوں کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھ دئے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا اور اس حدیث کی شہادت حدیث بطاقہ سے ہوتی ہے

اور اسکے علاوہ اسکے معنی میں وہ حدیث بھی ہے جو سنن میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا افضل دعا عرفے کی دعا ہے اور افضل کلمہ جو میں کہوں اور جو مجھ سے پہلے انبیاء نے بھی کہا وہ۔

"لاالٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ، لہ الملك ولہ الحمد وھو علی كل شئ قدير" ھے

اور ابن ابی حاتم نے آیت الکرسی کی تفسیر کے موقع پر لکھا ہے....... [1] کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا کیا آپ کا پروردگار سوتا ہے؟ فرمایا اللہ سے ڈرو۔

پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو پوچھا اے موسیٰ کیا انہوں نے تجھ سے پوچھا ہے کہ کیا تیرا رب سوتا ہے؟ پس دو شیشے اپنے ہاتھ میں لو اور پوری رات کھڑے رہو تو حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور جب رات کا تہائی حصہ گذر گیا تو حضر موسیٰ کو اونگھ آئی اور آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے پھر چونک کر بیدار ہونے اور مضبوطی سے شیشوں کو تھام لیا حتی کہ جب آدھی رات آئی تو آپ کو پھر اونگھ نے لے لیا اور دونوں شیشے گر پڑے اور ٹوٹ گئے؟ تب اللہ عزوجل نے موسیٰ سے کہا۔

اگر میں بھی سوتا تو آسمان و زمین گر کر یوں ہی ہلاک ہو جاتے جیسے شیشے تیرے ہاتھ میں ہلاک ہو گئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پھر اللہ پاک نے اپنے پیغمبر پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

اور ابن جریر میں ہے [2] کہ حضرت ابو ھریرۃؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ بر سر منبر حضرت موسیٰ کے متعلق نقل فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیا اللہ عزوجل سوتے ہیں پھر اللہ نے ایک فرشتہ حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا اس فرشتے نے حضرت موسیٰ کو تین راتوں تک جگا کر رکھا اور سونے نہ دیا پھر اس نے حضرت موسیٰ کو دو شیشے دیئے اور ہر ہاتھ میں ایک شیشہ تھما دیا اور حکم کیا کہ انکی حفاظت کریں۔ تو حضرت موسیٰ کو اونگھ آنے لگی اور آپکے ہاتھ جھٹکے کھانے لگے حتی کہ جب نیند نے بھرپور حملہ کیا تو آپ نے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ لیا اور اس طرح برداشت کرتے رہے پھر نیند کا ایک جھٹکا لگا تو دونوں شیشے ہاتھ سے چھوٹے اور گر کر ٹوٹ گئے۔

تو حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایک مثال سمجھائی کہ اگر اللہ بھی سوتے تو آسمان و زمین یوں نہ اپنی جگہ قائم رہتے۔

---

[1] حدثنا احمد بن القاسم ابن عطیه، حدثنا احمد بن عبدالرحمن الدسکی، حدثنی ابی عن ابیه، حدثنا اشعث بن اسحاق عن جعفر ابی المغیره عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس: ان بنی اسرائیل . [2] حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل، حدثنا هشام بن یوسف عن امیة بن شبل، عن لحکم بن ابان عن عکرمة عن ابی هریرة .....

اور اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی اصل اسرائیلی ہو۔

اور فرمان الٰہی ہے (اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کر کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسکو قوت سے تھامے رہو اور جو اسمیں ہے اسے یاد رکھو تاکہ (عذاب سے) محفوظ رہو تو تم اسکے بعد پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اسکی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔)[1]

اور دوسری جگہ فرمایا (اور جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھا کر کھڑا کیا تو گویا وہ بادل تھا اور انہوں نے غالب خیال کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے تو (ہم نے کہا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت سے پکڑے رہو اور جو اسمیں لکھا ہے اسے یاد کرو شاید کہ تم ڈرو)[2]

ابن عباس وغیرہ کئی بزرگ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ انکے پاس تورات کی تختیاں لیکر آئے تو انکو حکم کیا کہ اس تورات کو قبول کرو اور اسکو قوت سے محفوظ کرو لیکن انہوں نے کہا اسکو ہم پر کھول کر بیان کریں اگر اسکے اوامر ونواہی آسان ہوئے تو ہم قبول کر لیں گے (اور اگر مشکل ہوئے تو ہم چھوڑ دیں گے)

حضرت موسیٰ نے فرمایا بلکہ جو کچھ بھی ہو تم قبول کرو۔ اسی طرح کئی دفعہ ایک دوسرے پر بات لوٹائی گئی تب اللہ نے ملائکہ کو حکم فرمایا اور انہوں نے پہاڑ انکے سروں پر معلق کر دیا گویا کہ بادل چھا گئے پھر بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ اگر تم تورات کے تمام احکام کو قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔ تب انہوں نے قبول کیا۔ پھر انکو سجدے کا حکم ہوا تو انہوں نے سجدہ کیا سجدے میں بھی کن انکھیوں سے پہاڑ کی طرف دیکھنے لگے جب سے یہ یہود کی آج تک کیلئے سنت ہو گئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس سجدے سے بڑھ کر کوئی سجدہ نہیں جس نے ہم پر سے عذاب کو ٹلوا دیا۔

اور سید بن داؤد حجاج بن محمد سے وہ ابی بکر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ پھر جب تورات کو کھول کھول کر سنایا گیا تو روئے زمین پر کوئی پہاڑ، درخت، پتھر نہ رہا مگر وہ حرکت کرنے لگا۔

اور روئے زمین پر تمام یہودی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جس پر بھی تورات پڑھی گئی وہ (مشقت کے خوف) سے حرکت کرنے لگا۔ اور اپنے سر کو جھٹکنے لگا۔

اسی کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (پھر تم اس کے بعد پھر گئے) یعنی پہلے اس عظیم وعدے اور امر عظیم کا مشاہدہ کیا پھر اپنے اپنے وعدوں کو توڑ بیٹھے (پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی) کہ تم کو یہ عذاب دکھلا کر وعدے کا اقرار کروایا اور تمہاری طرف کتاب نازل کی (تو تم خاسرین میں سے ہو جاتے)

---

[1] بقرہ ۶۳ [2] اعراف

بنی اسرائیل کی گائے کا ذکر

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نادان بنوں۔

انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟

(موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھڑی بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے یہ بھی التجا کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا! پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والے (کے دل) کو خوش کرتا ہو۔ انہوں نے کہا (آپ کے) پروردگار سے پھر سوال کیجئے کہ ہم کو بتادے کہ وہ کس طرح کی ہو۔ کیونکہ بہت سی گائیں ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں صحیح بات معلوم ہو جائے گی موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ کام میں لگی ہوئی نہ ہو نہ زمین جوتتی ہو۔ اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں (درست بتادیں غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔

ابن عباس اور عبیدہ سلمانی اور ابو العالیہ اور مجاہد اور سدی اور دیگر کئی بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو بہت مالدار تھا۔ اور بڑا بوڑھا تھا۔ اور اسکے کئی بھتیجے تھے۔ اور وہ اسکی موت کی تمنا اور آس لگائے بیٹھے تھے تاکہ مرے تو اسکے مال کے وارث بن جائیں۔ لہٰذا اس مقصد کے خاطر ایک نے کسی رات میں اسکو قتل کر ڈالا اور لاش اس کی شاہراہ عام پر پھینک دی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ انہی میں سے یعنی رشتے داروں میں سے کسی کے دروازے پر ڈال دی۔

پھر جب لوگوں نے صبح کی تو اسکے متعلق لڑتے جھگڑنے لگے اور یہی قاتل بھتیجا بھی چیخنے چلانے اور مظلوم بننے کی صورت ظاہر کرنے لگے۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ تم اللہ کے نبی کے پاس آکر شکایت کیوں نہیں کرتے؟ تو اسکا بھتیجا اللہ کے رسول حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور شکایت کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ایک شخص کو اس مقتول کے متعلق معلوم تو ہے لیکن وہ کون ہے اسکے متعلق علم ہو جائے گا۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ اپنے رب سے اسکے متعلق سوال کریں۔

تو حضرت موسیٰ نے اسکے متعلق دعا کی تو اللہ نے حکم فرمایا کہ ایک گائے ذبح کریں۔

فرمایا) بے شک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے تم ایک گائے ذبح کرو تو کہنے لگے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟) یعنی ہم تو آپ سے اس مقتول کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ہم کو گائے ذبح کرنے کا فرمارہے ہو

---

[1] سورہ بقرہ آیات ۶۷ ۔ ۷۳

تو حضرت موسیٰ نے (کہامیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاھلین میں سے ہو جاؤں)۔

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ وحی کے علاوہ تم سے بات کہوں اور یہی مجھے میرے رب نے جواب دیا ہے جب میں نے تمہارے کہنے پر اپنے اللہ سے سوال کیا۔

ابن عباس، عبیدہ مجاہد، عکرمہ، سدی اور ابو العالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا لیکن انہوں نے خود اپنے پر سختی کروائی اور اس طرح ان پر سختی کر دی گئی اور اسی بات کے متعلق حدیث مرفوع بھی منقول ہے اور اسکی اسناد میں ضعف ہے تو پہلے انہوں نے اسکی صفت پھر اسکے رنگ پھر اسکی عمر وغیرہ کے متعلق سوالات کئے اور انکو ایسے ایسے جوابات دیئے جاتے رہے جو انپر شاق اور گراں ہوں۔ اور اس تمام کی تفسیر ہم نے اپنی تفسیر میں کر دی ہے

حاصل مقصود یہ ہے کہ جب انکو درمیانی عمر کی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا یعنی جو نہ بڑی بوڑھی ہو اور نہ چھوٹا بچہ ہو۔ تو ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ پھر انہوں نے خود اپنے پر سختی کی اور اسکے رنگ وروپ کے متعلق سوال کرنے بیٹھے تو انکو گہرے زرد رنگ کی گائے کا حکم ملا جو دیکھنے والوں کو بھی بھلا معلوم ہو۔ اور یہ رنگ پسندیدہ رنگ ہے اور اسپر بھی انہوں نے بس نہ کی بلکہ اپنے ہی اوپر سختی چاہی اور کہا (اے موسیٰ) ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ بیان کرے ہمیں کہ وہ کیسی ہو؟ کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم انشاءاللہ راہ پانے والے ہیں)

حدیث مرفوع جسکو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اسمیں ہے کہ
اگر بنی اسرائیل استثناء (یعنی انشاء اللہ) نہ کہتے تو مقصود تک نہ پہنچ پاتے
اور اس حدیث کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

(توجب موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہے کہ وہ گائے ایسی ہو جو کام میں لگی ہوئی نہ ہو اور نہ ہل جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتی ہو اسمیں کسی طرح کا عیب نہ ہو تب کہنے لگے اب آپ نے حق بیان کر دیا پس انہوں نے اسکو ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کر لیتے۔)

اور یہ صفات پہلی صفات سے زیادہ سخت ہیں کہ ایسی گائے ہو جو کام میں کبھی نہ لگی ہو نہ ہل جوتتے ہیں اور نہ پانی وغیرہ نکالنے میں بلکہ بالکل فارغ اور عیب سے پاک ہو اور یہ شرط کہ اسمیں کوئی داغ نہ ہو، اسکے متعلق ابو العالیہ اور قتادہ فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے کہ اسمیں کوئی دوسرا رنگ بالکل نہ ہو۔ بلکہ تمام عیوب و نقص سے پاک وصاف ہو اور اسی طرح کسی غیر رنگ کی اسکے رنگ میں شمولیت نہ ہو۔ پس ان حدود و قیود کے ساتھ حد بندی کر دی گئی اور ان صفات اور حالات کے ساتھ اسکی شان بیان کر دی گئی تو تب کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری طرح حق بیان کر دیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس گائے کو ان صفات کے ساتھ صرف ایک شخص کے پاس پایا جو اپنے والدین کا انتہائی فرماں بردار تھا تو بنی اسرائیل نے اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا پھر اسکو قیمت بڑھائی اور زیادتی کرتے رہے کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت سدیؒ کے فرمان کے مطابق اس گائے کے بقدر سونے

کی قیمت لگ گئی پھر بھی اس نے انکار کر دیا حتی کہ اسکے وزن سے دس گنا سونے پر بھاؤ مقرر ہو گیا تب اس شخص نے اس گائے کو بیچا۔

پھر اللہ کے نبی نے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا (پھر انھوں نے اس کو ذبح کیا اور قریب نہ تھا کہ وہ کر گزرتے) یعنی وہ اس معاملے میں متردد اور پریشان تھے اور کامیاب ہونے کے قریب نہ تھے لیکن اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئے۔

پھر حکم ملا کہ مقتول کو گائے کے کسی گوشت کے حصے سے ملایا جائے اور ایک قول ہے کہ گائے کی ران سے ملایا گیا اور ایک قول ہے کہ اس ہڈی کے ساتھ ملایا گیا جو ناک کی نرم ہڈی سے ملی ہوئی ہے اور ایک قول ہے کہ شانوں کے درمیان کے ٹکڑے سے ملایا گیا۔

الغرض کسی بھی حصے سے ملایا تو اللہ نے مقتول کو زندہ کر دیا، وہ کھڑا ہوا اور اس کی رگیں خون بہار ہی تھیں۔

پھر اللہ کے نبی حضرت موسیٰ نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کس نے قتل کیا؟

جواب دیا کہ مجھے میرے فلاں بھتیجے نے قتل کیا۔

پھر یہ کہہ کر مر گیا اور جیسے تھا ویسے ہی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے شاید تم عقل کرو) یعنی جیسے تم نے اس مقتول کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کیا اسی طرح تمام مردوں میں اللہ کا حکم چلتا ہے، جب وہ ان کو زندہ کرنا چاہے گا تو ایک ہی لمحے میں سب کو زندہ کر دے گا، جیسے فرمان ہے۔

نہیں ہے تمہاری پیدائش اور دوبارہ اٹھانا مگر صرف ایک جان کی طرح۔[1]

موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں، خواہ برسوں چلتا رہوں، جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح رستہ بنالیا، جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا، اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنالیا، (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ آئے، (وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نصیحت و ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا، موسیٰ نے ان سے) (جن کا نام خضر تھا) کہا جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں، (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے، اور

---

[1] لقمان ۲۸

جس کی تمھیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیوں کر سکتے ہو، موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا، (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر نہ کروں تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا، (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ آپ لوگوں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی، (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے، (موسیٰ نے) کہا، جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے، پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا، (موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ نفس کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا، (یہ تو) آپ نے بری بات کی، (خضر نے کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا، انھوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا، کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے، اور ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرنا چاہتی تھی تو (خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) (خضر نے) کہا کہ اب مجھ میں اور تم میں علیحدگی، (مگر) جن باتوں میں تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمھیں بھید بتائے دیتا ہوں، (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، (تاکہ وہ اسے غصب نہ کرے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسادے، تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک نیتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو اور جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی، (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں، یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے، یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔[1]

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ جو خضر کے پاس گئے موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل ہیں، اور ان کی اتباع بعض ان ہمارے لوگوں نے بھی کی ہے جو ان کی کتابوں اور صحیفوں سے روایت کو لیتے ہیں، ان میں سے نوف بن فضالہ الحمیری الشامی البکالی ہیں ان کے متعلق دمشقی ہونے کا خیال بھی کیا گیا ہے، اور ان کی والدہ حضرت کعب احبار کی بیوی تھیں۔

لیکن صحیح بات جس پر قرآن اور حدیث سے روشنی پڑتی ہے اور وہ متفق علیہ بھی ہے (یہ ہے کہ یہ موسیٰ بن

---

[1] کہف ۶۰ تا ۸۲۔

عمران بنی اسرائیل کے پیغمبر اور صاحب تورات ہیں۔

امام بخاری نے فرمایا...... کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ موسیٰ جو خضر کے ساتھ ہوئے وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر نہیں ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، کیونکہ ہمیں ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا موسیٰ بنی اسرائیل کے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے کون ہیں؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "میں" تو اس پر اللہ عزوجل خفا ہو گئے کہ علم کی نسبت میری طرف کیوں نہ کی تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر عتاب کیا اور فرمایا خضرؑ تم سے زیادہ علم والے ہیں تو موسیٰؑ نے اللہ سے پوچھا اے پروردگار مجھے اس تک پہنچنے کا کیا طریقہ وراستہ ہوگا؟ فرمان باری آیا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو پس جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں اس کا پتہ ہے۔

تو حضرت موسیٰؑ نے مچھلی تھیلے میں رکھی اور آپ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کا شاگرد یوشع بن نون بھی ساتھ تھا، چلتے چلتے ایک چٹان پر پہنچے تو بغرض آرام لیٹے اور اپنا سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی (جو پہلے مری ہوئی اور پکی ہوئی تھی) وہ تھیلے میں مضطرب ہوئی اور پھڑپھڑانے لگی اور پھر تھیلے سے نکل گئی اور سمندر میں جا پڑی اور سمندر میں سوراخ سا بنتا گیا، جہاں جہاں سے بھی بہہ گئی، اور اللہ پاک نے پھر اس سوراخ میں پانی جاری ہونے سے روک دیا اور وہاں طاق بن گیا، پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے۔

تو یوشع بن نون کو خبر ہو چکی تھی مگر حضرت موسیٰ کو خبر دینا بھول گئے۔

پھر بقیہ دن اور رات دونوں ساتھی دوبارہ محو سفر ہو گئے۔ جب دوسرا روز آیا تو حضرت موسیٰؑ نے یوشع کو فرمایا (ہمارا ناشتہ (مچھلی) لے آؤ ہمیں اس سفر میں بھوک لاحق ہو گئی ہے) جب تک مقررہ جگہ جہاں اللہ نے پہنچنے کا حکم دیا تھا یعنی مچھلی کے گم ہونے کی جگہ تب تک تو کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی جب وہاں سے آگے بڑھ گئے تب بھوک اور تھکاوٹ محسوس ہونی شروع ہوئی۔ تو یوشع ابن نون نے جواب دیا (کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے چٹان پر ٹیک لگائی تھی تو میں مچھلی بھول گیا تھا۔ اور مجھے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے کہ میں اسکو یاد رکھتا۔ اور اس (مچھلی) نے سمندر میں عجیب سا راستہ بنا لیا تھا) یعنی جہاں جہاں وہ گئی وہاں پانی نہ چلا بلکہ سوراخ بنتا گیا اسپر دونوں کو انتہائی تعجب ہوا۔ پھر موسیٰ نے یوشع کو فرمایا (وہی جگہ تو ہم تلاش کر رہے تھے پھر دونوں اپنے نقش قدموں پر چلتے ہوئے لوٹ گئے۔

واپس چلتے چلتے اسی چٹان تک پہنچے تو وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے لیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو وہ جو خضر تھے انہوں نے فرمایا تیری سرزمین میں سلام کہاں سے؟

میں موسیٰ ہوں :۔ موسیٰؑ

بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ خضرؑ......

جی ہاں: میں اسلئے آیا ہوں تاکہ آپ جو بھلائی جانتے ہیں مجھے بھی سکھائیں۔ موسیٰؑ

(فرمایا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر کی طاقت نہ رکھ سکیں گے) اے موسیٰؑ مجھے اللہ کا عطا کردہ ایسا علم ہے

جو آپکو نہیں اور آپکو بھی ایسا علم ہے جو مجھے نہیں۔ خضرؑ
آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپکے حکم کی نافرمانی نہ کروں گا۔ موسیٰؑ (پس اگر آپ میرے پیچھے چلتے ہی ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا حتی کہ میں خود بتاؤں، خضرؑ۔

پھر دونوں چل پڑے۔ ساحل سمندر پر دونوں چلتے رہے چلتے رہے پھر انکے پاس سے کشتی گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے سوال کیا کہ ہمیں بھی سوار کرلو انہوں نے خضرؑ کو پہچان لیا اور پھر بغیر کرائے کے دونوں کو سوار کرلیا اور سوار ہوتے ہی تیشے سے حضرت خضرؑ نے کشتی کے تختوں میں ایک تختہ توڑ ڈالا تو موسیٰؑ نے کہا ایک تو اس قوم نے ہم کو بغیر کرائے کے سوار کیا پھر آپ نے اسکو توڑ دیا کیا اسی لئے (تاکہ آپ اسکے اہل کو غرق کردیں آپ نے (ناپسندیدہ) کام کیا ہے (موسیٰؑ) کہا کیا میں نے آپکو نہ کہا تھا آپ میرے ساتھ صبر نہ رکھ سکیں گے۔ (خضرؑ) کہا جو میں بھول گیا اسپر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیں)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ پہلی دفعہ حضرت موسیٰؑ سے بھول ہوئی تھی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں! پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر میں چونچ ماری تو خضرؑ نے موسیٰؑ سے کہا اللہ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپکے علم کی مثال یہ چڑیا ہے جس نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا ہے۔ (اللہ کا علم سمندر کی طرح ہے اور میرا اور آپکا علم چونچ کے پانی کی طرح ہے)

پھر دونوں حضرات کشتی سے نکلے اور ساحل پر ٹہلتے چلے جا رہے تھے کہ حضرت خضرؑ نے ایک بچے کو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو حضرت خضرؑ نے اسکا سر اپنے ہاتھوں سے تھاما اور اپنے ہاتھوں سے اسکو قتل کردیا۔ تو حضرت موسیٰؑ سے نہ رہا گیا اور بول اٹھے کیا آپ نے ایک پاکیزہ نفس کو بغیر کسی کے بدلے ناحق مار ڈالا ہے؟ آپ نے برا کام کیا ہے۔ فرمایا کیا میں نے آپکو نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھیں گے؟ کہا اگر اسکے بعد میں آپ سے سوال کروں تو پھر مجھے ساتھ نہ رکھئے گا بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے۔

پھر دونوں چل پڑے حتی کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو دونوں نے ان سے کھانا (یعنی میزبانی) طلب کی انہوں نے انکار کردیا کہ وہ ان دونوں کی مہمانی کریں۔ پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار کو پایا جو گر رہی تھی (حضرت خضر نے) اسکو سیدھا کردیا) تو موسیٰؑ بول پڑے کہ یہ تو ایسی قوم ہے کہ ہم انکے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں کھانا بھی نہ کھلایا اور ہماری کوئی مہمان نوازی نہ کی (تو اگر آپ چاہیں تو اسپر اجرت لے لیں۔ کہا یہ میرے اور آپکے فراق کا وقت ہے۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا بھید بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ رکھ سکے۔ .... تو یہ تاویل (اور بھید) ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ رکھ سکے)

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں ہماری خواہش تھی کہ موسیٰؑ صبر کرتے تاکہ اللہ مزید دونوں کی باتیں ہمیں بتلا دیتا۔

مذکورہ قصے کے متعلق متفرق باتیں

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت ابن عباس ان دو آیتوں کو اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔

پہلے قرآت ابن عباس پھر قرآت مشہورہ ورائج

وكان اما مهم ملك يا خذ كل سفينة صالحة

وكان وراء هم ملك يا خذ كل سفينة غصبا

ابن عباس:- واما الغلام فكان كافراً وكان ابو اه مومنين

مشہورہ:- واما الغلام فكان ابواه مومنين

[1]..... پھر حضرت موسیٰ اور انکے ساتھ انکے شاگرد یوشع بن نون بھی چلے۔ اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی حتیٰ کہ چٹان تک پہنچے اور دونوں نے وہاں پڑاو ڈال دیا۔ آگے راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت موسیٰ نے سر رکھا اور خوابیدہ ہو گئے۔

مچھلی کے از خود زندہ ہونے کا سبب۔

[2] سفیان کہتے ہیں اس چٹان (جہاں وہ حضرات آرام فرماتے اسکے نیچے) جڑ میں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ جسکو حیات کہا جاتا تھا (یعنی وہی آب حیات جو لوگوں کے درمیان ضرب المثل کے طور پر مشہور اور رائج ہے) اور اسکا پانی جس چیز کو پہنچتا تھا وہ زندہ و تابندہ ہو جاتی تھی۔ تو مچھلی کو بھی اس پانی کا کچھ حصہ پہنچ گیا اور زندگی کی لہریں اسمیں بھی دوڑ گئیں اور پھر وہ حرکت میں آئی اور تڑپتی ہوئی اپنے وطن سمندر میں جا پہنچی۔ پھر جب موسیٰ بیدار ہوئے تو بھوک کے وقت فرمایا ہمارا ناشتہ پیش کرو ہمیں (بھوک کی) تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ الخ

راوی کہتے ہیں: کہ (حضرت موسیٰ اور خضر دونوں برگزیدہ پیغمبر کشتی میں سوار تھے کہ اسی دوران) ایک چڑیا سفینے کے کنارے آبیٹھی اور اپنی ننھی چونچ بے کنار سمندر میں ماری اور اپنے ظرف کے مطابق پانی لے لیا۔ اسپر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ کو متنبہ فرمایا کہ میرے اور آپکے علم کی نسبت خدا کے علم سے ایسی ہے جیسی اس چڑیا کے سمندر سے پانی لینے اور سمندر کے درمیان نسبت ہے۔ الخ

[3] بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا ہم حضرت ابن عباسؓ کے گھر میں آپکے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا: مجھ سے کوئی بھی سوال کرو! تو میں نے عرض کیا اے ابن عباس اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ کوفہ میں ایک شخص ہے جو قصہ گوئی کرتا ہے اور اسکو نوف کہا جاتا ہے تو اسکا خیال ہے کہ (حضرت خضرؑ کے ساتھ بغرض تحصیل علم جانے والے موسیٰ) بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں جو پیغمبر بھی ہیں۔؟

تو اس حدیث کے راویوں میں سے ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے تو کہا کہ حضرت ابن عباس نے حضرت سعید بن جبیر کو جواب دیا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا اور ابن جریج کہتے ہیں مجھے یعلی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے یہ (طویل) جواب دیا کہ مجھے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

---

[1] ثم رواه البخاری ایضا عن قتیبة عن سفیان بن عیینة باسناده نحوه. وفیه: فخرج موسیٰ ومعه فتاه یوشع بن نون.....الخ [2] قال سفیان وفی حدیث غیر عمرو قال

[3] وقال البخاری: حدثنا بن موسیٰ، هشام بن یوسف ان جریج اخبر هم، قال: اخبر نی یعلی بن مسلم وعمرو بن دینار، عن سعید بن جبیر قال:

اللہ کے رسول موسیٰ ایک روز لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے حتی کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ اور دل نرم ہو گئے پھر ایک شخص نے اللہ کے پیغمبر سے پوچھا کہ اے رسول اللہ کیا روئے زمین پر آپ سے زیادہ بھی کوئی علم والا ہے؟

فرمایا نہیں۔ اسپر اللہ کی خفگی ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ نے علم کی نسبت کو اللہ کی طرف نہ لوٹایا۔ تو اللہ نے فرمایا آپ سے زیادہ علم والا بھی دنیا میں موجود ہے۔ عرض کیا اے پروردگار اس تک پہنچنے کا راستہ ہوگا؟ فرمایا مجمع البحرین میں جاؤ یعنی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا پروردگار مجھے کوئی نشانی مرحمت فرما دیجئے تاکہ اس سے میں اس جگہ کو پہچان لوں، راوی ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے جواب دیا کہ جہاں تجھ سے مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا رافع کہتے ہیں کہ مجھے یعلی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

جواب ملا کہ ایک مردار مچھلی لو جسمیں روح پھونکی جائے۔

تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں ڈال لی۔ پھر اپنے ساتھی کو فرمایا مجھے اسکے متعلق اسوقت خبر ضرور دینا جب یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے کوئی زیادہ کام نہیں۔

اور یہی اللہ کا فرمان ہے (واذقال موسیٰ لفتاہ) اور اسمیں فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہی ہیں اور یہ روایت سعید بن جبیر سے نہیں ہے۔

تو خیر یہ حضرات ابھی چٹان کے سائے میں ہی آرام فرما تھے اور وہ نم آلود زمین تھی کہ اچانک مچھلی پھڑکنے لگی اور حضرت موسیٰ خوابیدہ ہو چکے تھے۔ اور حضرت یوشع کو اسکی خبر بھی ہو گئی مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ بیدار ہونے پر عرض کر دوں گا لیکن جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو یہ بتانا بھول گئے۔ اور مچھلی اتنے میں جا چکی تھی اور عجیب طرح سے گئی تھی کہ پانی میں سوراخ سا بنتا چلا گیا اور اس جگہ پانی نہ جاری ہوا۔ راوی ابن جریج کہتے ہیں عمرو نے مجھے کہا کہ مچھلی پانی میں گئی اور یوں سوراخ سا بن گیا۔

اور دونوں انگوٹھے اور برابر کی ایک ایک انگلیاں آپس میں ملائیں۔

(لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا) کہ ہمیں اس سفر میں (بھوک کی تکلیف لگی ہے)۔

حضرت یوشع نے عرض کیا اللہ نے آپ سے تو یہ مشقت ختم کی ہوئی ہے پھر یہ بھوک لگنا اچھی علامت نہیں ہے تو پھر حضرت یوشع نے عرض کیا کہ مچھلی کا یہ ماجرا ہوا۔ تو دونوں واپس لوٹے اور حضرت خضر کو اسی جگہ پایا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت خضر کپڑا اوڑھے لیٹے تھے۔ اور اسکا آخری کنارہ اپنے قدموں تلے دبا رکھا تھا۔ اور پہلا کنارہ سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ تو حضرت موسیٰ نے انکو سلام کیا انہوں نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور کہا یہ اس میری زمین پر سلام کرنے والا کون آیا؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ دریافت کیا: کیا بنی اسرائیل والے موسیٰ فرمایا جی ہاں۔ پوچھا کس مقصد سے آنا ہوا؟ فرمایا میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپکو جو کچھ سکھایا گیا ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں حضرت خضر نے فرمایا کیا یہ کافی نہیں ہے کہ آپکے ہاتھوں میں تورات ہے۔

اور اسپر اضافہ یہ کہ وحی بھی آپکے پاس آتی ہے پھر ؟اے موسیٰ میرے پاس واقعی علم تو ہے لیکن آپکو سیکھنا مناسب نہیں اور علم آپ کے پاس بھی ہے جو مجھے سیکھنا مناسب نہیں۔اس دوران ایک پرندے نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا تو حضرت خضرؑ نے فرمایا میرا اور آپکا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے اس پرندے نے اپنی چونچ سے سمندر سے پانی لیا۔

(حتی اذا رکبا فی السفینہ) بالآخر دونوں سمندر میں سوار ہوئے۔اور وہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چل رہی تھیں جو اس ساحل والوں کو اس پار اور وہاں سے اس ساحل پر لوگوں کو اتارتی تھیں تو ایک کشتی والوں نے پہچان لیا اور کہا کیا یہ اللہ کا نیک بندہ ہے۔راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کیا یہ خضر مراد ہیں فرمایا جی ہاں۔اور پھر کشتی والوں نے کہا ہم انکو اجرت کے ساتھ نہیں اٹھائیں گے۔پھر دونوں سوار ہوئے اور حضرت خضرؑ نے ایک تختہ اکھاڑ ڈالا اور ایک کیل ٹھونک دی موسیٰ نے کہا کیا آپ نے اسلئے اکھاڑا ہے کہ تاکہ آپ اسکے اہل کو غرق کردیں ؟آپ نے عجیب کام کیا ہے)

مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی آپ نے ناپسند کام کیا ہے۔

حضرت خضر نے (کہا کیا میں نے آپکو نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھیں گے ؟)

اس سفر میں حضرت موسیٰ سے حضرت خضر کو ٹوکنے کے متعلق تین بھول سرزد ہوئے پہلا تو اصل تھا یعنی واقعی بھول کی وجہ سے بول پڑے اور دوسری مرتبہ شرط کے طور پر تھا اور تیسرا جان بوجھ کر بولے تھے تو خیر حضرت موسیٰ نے (فرمایا جو مجھ سے بھول ہوئی اسپر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرا کام (تحصیل علم کا) مجھ پر مشکل نہ کریں۔تو پھر چلتے رہے حتی کہ ایک بچے کو پایا اسکو قتل کردیا)

یعلی کہتے ہیں سعید نے کہا کہ حضرت خضرؑ نے بچوں کو دیکھا کہ کھیل کود میں منہمک ہیں تو ان میں سے ایک کافر بچے کو جو بہت مچل رہا تھا لٹایا اور چھری سے اسکو ذبح کر ڈالا۔حضرت موسیٰؑ (بول اٹھے : کیا آپنے پاکیزہ جان کو بغیر کسی بدلے کے قتل کر ڈالا ؟) جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور حضرت ابن عباس (اسکو پڑھتے تھے نفسا زکیۃ زاکیۃ مسلمۃ)

پھر دونوں چلتے رہے...... (تو دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرنے والی تھی) حضرت سعید اس کی تشریح فرماتے ہیں اور اپنے ہاتھ کو کچھ جھکا کر اشارہ کیا پھر ہاتھ اٹھایا اور یوں سیدھی فرمادی یعنی راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت سعید کا مقصد تھا کہ حضرت خضر نے اپنے ہاتھ سے (کرامت اور معجزے کے طور پر) چھو کر اسکو سیدھا کردیا تو حضرت موسیٰ پھر (فرمانے لگے اگر آپ چاہیں تو اس پر اجرت لے لیں) حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی اس کی مزدوری کے طور پر کچھ کھانے پینے کو لے لیا جائے۔

(وکان وراء ھم) اور ان کے آگے بادشاہ تھا، اور ابن عباس نے معنی کے مطابق اس کے الفاظ کو یوں پڑھا ہے (کان امامھم) اور حضرت سعید کے علاوہ بقیہ کا خیال ہے کہ اس بادشاہ کا نام ہدد بن بردتھا اور اس مقتول بچے کا نام جیسور تھا۔

(ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا) یعنی حضرت خضر نے اس خیال سے کشتی کا تختہ اکھاڑا تاکہ آگے جو ظالم

بادشاہ آئے گا وہ اس کو ان کے عیب و نقص کی وجہ سے چھوڑ دے، لہذا ایسا ہوا پھر آگے جب بادشاہ کے پاس سے نکل گئے تو دوبارہ کشتی کو درست کر لیا اور پہلے کی طرح مکمل نفع اٹھانے لگے۔

اور اس کو تار کول سے درست کیا۔

(فکان ابواہ مومنین) یعنی اس کے والدین مومن تھے اور وہ خود کافر تھا، (تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے) یعنی اس کی محبت ان کو اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ اس کا دین ہی قبول کر بیٹھیں اس پر ہم نے چاہا کہ آپ کے رب ان کو اس سے بہتر پاکیزہ عطا فرمادے اور یہ خضرؑ نے حضرت موسیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے فرمایا (کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو قتل کر دیا) پھر اللہ نے ان کو دوسرا بچہ دیدیا اور یہ نرمی و مہربانی میں زیادہ قریب ہو بنسبت پہلے بچے کے جس کو خضر نے قتل کر دیا سعید بن جبیر کے علاوہ حضرات نے یہ خیال فرمایا ہے کہ ان والدین کو اس لڑکے کے بدلے ایک لڑکی عطا ہوئی تھی اور ابی عاصم کا بھی یہی قول ہے۔

[1] ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ نے خطبہ دیا اور فرمایا کوئی شخص اللہ اور اس کے حکم کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے، اس پر حضرت موسیٰؑ کو حکم ملا کہ وہ اس شخص (یعنی خضر) سے ملیں، پھر آگے پہلے کی طرح پوری حدیث ہے۔

[2] ...... [3] اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میرا اور حر بن قیس بن حصن الفزاری کا اختلاف ہو گیا کہ موسیٰ کے ساتھ جن سے حضرت موسیٰ نے علم حاصل کیا وہ کون تھے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا وہ خضرؑ تھے پھر ان کے پاس سے ابی بن کعب گزرے تو حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور عرض کیا کہ میرا اور اس ساتھی کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ موسیٰ کے ساتھی جن کے پاس پہنچنے کا راستہ موسیٰ نے اللہ سے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو (اے ابی بن کعب) کیا آپ نے رسول اکرم ﷺ نے اسکے متعلق کچھ سنا ہے آپ نے فرمایا جی ہاں اور آگے پہلے والی حدیث ذکر کی، اور اس حدیث کے الفاظ اور طرق سے ہم تفصیلی بحث اپنی تفسیر میں سورۂ کہف میں کر آئے ہیں۔

اور فرمان الٰہی (اور پس دیوار شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی) سہیلی کہتے ہیں ان کے نام اصرم اور صریم تھے اور ان کے والد کاشح تھے، (اور اس دیوار کے نیچے دونوں کا خزانہ تھا) ایک قول ہے کہ وہ سونا تھا، اور یہ عکرمہ کا فرمان ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس میں علم تھا، اور مناسب یہ ہے کہ وہ سونے کی تختی تھی اور اس میں علم لکھا ہوا تھا، اور بزار ...... [4] کہتے ہیں کہ ابوذر سے مرفوعاً مروی ہے۔

---

[1] وقدرواہ عبدالرزاق عن معمر عن ابی اسحاق عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال......

[2] وھکذا رواہ محمد بن اسحاق عن الحسن بن عمارہ عن الحکم بن عیینۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، عن ابی بن کعب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنحو ماتقدم ارض [3] و رواہ العوفی عنہ موقوفاً، وقال الذھری عن عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود عن ابن عباس ...... الخ

[4] قال البزار : حدثنا ابراھیم بن الجوھری، حدثنا بشر بن المنذر، حدثنا الحارث بن عبداللہ الیحصبی عن عیاش بن عباس الغسانی عن ابن حجیرۃ عن ابی ذر رفعہ قال......

کہ وہ خزانہ جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا وہ سونے کی ٹھوس تختی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھے پھر بھی تھک جائے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو جہنم کا ذکر کرے اور پھر بھی ہنسے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا ذکر کرے پھر بھی غافل رہے؟

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور اسی طرح حضرت حسن بصری اور غفرۃ کے آزاد کردہ عمرؒ اور جعفر صادقؒ سے بھی منقول ہے اور فرمان الٰہی ہے (وکان ابو ھما صٰلحا) کہا گیا ہے کہ وہ ساتواں باپ (یعنی ساتویں پشت کے دادا تھے) اور دوسرا قول ہے کہ دسویں پشت کے دادا تھے، بہر صورت اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ نیک انسان کی اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے، واللہ المستعان۔

اور فرمان الٰہی (رحمۃ من ربك) یعنی بڑے ہو کر یہ اپنا خزنہ نکال لیں اور اللہ نے یہ کرم ان پر اپنی طرف سے رحمت کی وجہ سے کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضرؑ نبی تھے کیونکہ سب کام وہ اللہ کی طرف سے کرتے تھے یعنی اس کے حکم سے نہ کہ اپنی طرف سے اور ایک قول یہ کہ وہ رسول ہیں اور ایک قول ہے کہ ولی ہیں اور سب سے غریب اور عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے، (مصنف ابن کثیرؒ فرماتے ہیں) مجھے سب سے زیادہ غریب اور عجب قول یہ معلوم ہوا کہ وہ ابن فرعون تھا، اور ایک قول ہے کہ وہ ضحاک بادشاہ کا بیٹا ہے اور یہ بادشاہ ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی کرتا رہا۔

ابن جریر کہتے ہیں: کہ جمہور اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر (فریدون) شاید کوئی بادشاہ ہے اس کے زمانے میں تھے اور ایک قول ہے کہ خضر ذوالقرنین سے پہلے تھے، اور اسی ذوالقرنین کے متعلق خیال ہے کہ یہی افریدون بھی تھا اور ذوالقرنین وہ ہے جو ابراہیم خلیل کے زمانے میں تھا۔

اور لوگوں کا خیال ہے کہ خضرؑ نے آب حیات نوش فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کی زندگی اب تک باقی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے اور ان کے ساتھ بابل کی طرف ہجرت کرنے والے کسی شخص کی اولاد سے تھے، اور اس کا نام ایک قول کے مطابق ملکان تھا اور ایک قول ہے ارسمان حلقیا تھا، اور ایک قول ہے حضرت خضر سباسب بن بہر اسب کے زمانے میں پیغمبر تھے۔

اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ افریدون اور سباسب بادشاہوں کے درمیان بہت طویل زمانے گزرے ہیں اور کوئی ان سے جاہل نہیں ہو سکتا، ابن جریر کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ افریدون کے زمانے میں تھے اور پھر برابر حیات رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰؑ کو پالیا اور حضرت موسیٰ کی نبوت منوشہر کے زمانہ میں تھی اور یہ شخص ابرج بن افریدون کی اولاد میں سے تھا، اور افریدون فارس کا فرمانروا بادشاہ تھا، اور منوشہر کو سلطنت اپنے دادا سے میراث در میراث ملی تھی، اور یہ عادل بادشاہ تھا اور یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے خندقیں کھودنے کے طریقے (جنگوں میں) رائج کئے اور پہلا بادشاہ ہے جس نے بستی میں یا ہر علاقے اور شہر میں الگ الگ گورنر مقرر

کئے اور اس کی بادشاہت تقریباً ڈیڑھ سو سال تھی، اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیمؑ کی نسل سے تھا اور اس شخص سے بہت عمدہ خطبے اور بلیغ کلام جو نافع اور انسانی عقلوں کو حیران کرنے والے ہو منقول ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعی خلیل اللہ کی نسل سے ہے۔ واللہ اعلم

فرمان الٰہی ہے۔

اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا، اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی، اور (پھر عہد لینے کے بعد اللہ نے) پوچھا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا؟ (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انھوں نے عرض کیا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔[1]

یعنی اللہ نے ہر نبی سے اس پر عہد لیا کہ جو بھی نبی اس کے بعد آئے تو وہ اس کی مدد کرے اس پر ایمان لائے، اور یہ تمہارے ایمان کے لئے ضروری ہے اور محمد ﷺ کے لئے تمام سے عہد لیا کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں پس ہر نبی جو آپ کو پائے اس پر ایمان لارہا ہے کہ آپ کی مدد کرے اور اس پر ایمان لائے لہٰذا اگر حضرت خضر علیہ السلام بھی زندہ ہوں گے تو ان کے لئے حضور پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور آپ کے ساتھ ان کو ملنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ زندہ ہیں تو پھر ضرور یوم بدر کو حضور کے جھنڈے تلے ہونگے۔

جیسے کہ جبرئیل اور دیگر بڑے سردار فرشتے بھی آپ کے جھنڈے تلے تھے۔

اور مختصر کلام یہ ہے کہ حضرت خضر یا نبی ہوں گے جو حق ہے یا رسول ہوں گے جیسے کہا گیا یا فرشتے ہوں گے جیسے مذکور ہوا اور کچھ بھی ہوں، تو جبرئیل جو فرشتوں کے سردار ہیں اور موسیٰ جو حضرت خضر سے برتر ہیں اگر یہ زندہ ہوں تب بھی ان کو حضور پر ایمان لانا ضروری ہے تو خضر جو ان سے کم ہیں یا ولی ہیں اکثر جماعتوں کے قول کے مطابق تو پھر ان کو کیوں حضور کی اتباع ضروری نہ ہو؟ اور ان کے لئے ملاقات کیوں ضروری نہ ہو؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہی نہیں اگر ہوتے تو کبھی تو کسی دن حضور سے ملاقات ثابت ہوتی۔ اور کہیں کسی حسن حدیث بلکہ ضعیف حدیث میں بھی ایسی بات نہیں اور تعزیت کی حدیث کو اگرچہ حاکم نے روایت کیا ہے مگر اس کی اسناد ضعیف ہے واللہ اعلم

اور حیات خضرؑ کے متعلق علیحدہ تفصیل ہم ذکر کریں گے۔

---

[1] آل عمران ۸۱

موسیٰ کی زندگی: آزمائشوں کے جال میں
یعنی حدیث الفتون

ایک حدیث، حدیث فتون کے نام سے کتب میں موجود ہے جسمیں موسیٰ کی زندگی پر آشوب اور تمام کٹھن مراحل اور واقعات و مصائب کا تذکرہ ہے۔

امام ابو عبدالرحمن النسائی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اللہ عزوجل کے مندرجہ ذیل فرمان کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

وقتلت نفسا فنجينا ك من الغم وفتنا ك فتونا

اور آپ نے ایک جان کو قتل کیا پھر ہم نے آپکو غم سے نجات دی اور ہم نے آپکو کئی آزمائشوں میں ڈالا۔

[1] ...... سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے اللہ عزوجل کے اس (مذکورہ بالا) قول کے متعلق پوچھا (کہ فرمان ہے ہم نے آپکو کئی آزمائشوں میں ڈالا) تو اس سے کیا مراد ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:۔ اگلے دن پوچھنا اے ابن جبیر کیونکہ یہ طویل بات ہے۔ تو میں صبح ہوتے ہی پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ جو آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ حدیث فتون بنائیں گے تا اسکو سن آئیں۔

تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمانا شروع کیا:

فرعون اور اسکے ہم نشینوں کے درمیان اللہ کے وعدے کا تذکرہ چلا جو حضرت ابراہیمؑ سے کیا گیا تھا کہ اللہ عزوجل حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہوں کا سلسلہ قائم فرمائیں گے۔

تو بعض مصاحب نے کہا کہ اب بنی اسرائیل ایسے کسی اپنے بادشاہ کے آنے کے منتظر ہیں جو انکے دکھوں کا مداوا کرے اور اسکو اپنے شکوے سنائیں۔ جبکہ فرعون اور اسکے ہم نشینوں امراء وزراء کا خیال تھا کہ یہ وعدہ حضرت یوسفؑ کی آمد کی وجہ سے پورا ہو تا تھا اور وہ بادشاہ اور نبی دونوں رہے لیکن پھر جسطرح دعا تھی اسطرح مکمل طور پر تشفی نہ ہوئی کہ بس سلسلہ یوسف پر ختم ہو گیا۔ بلکہ انکو یہ خطرہ دامن گیر رہا کہ اب بھی کوئی انکا پیغمبر یا بادشاہ آسکتا ہے جس سے ہماری حکومت کو نقصان کا اندیشہ ہے۔

تو اسی خیال کے تحت فرعون نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ اس کے علاج میں تمہارا کیا خیال ہے؟

درباریوں نے مشورہ دیا اور سب اپنے اس مشورے پر متفق ہو گئے کہ اے فرعون ایک جماعت بنا اور انکو بنی اسرائیل کے گھروں میں پھر اور انکے ساتھ چھریاں ہوں اور جس نو مولود کو بھی پائیں قتل کر دیں تو اس پر زور شور سے عمل شروع ہو گیا۔ اسپر کچھ عرصہ تک عمل درآمد ہوتا رہا۔

---

[1] حدثنا عبدالله بن محمد. حدثنا يزيد بن هارون . حدثنا اصبغ بن زيد . حدثنا القاسم بن ابى ايوب ، اخبرنى سعيد بن جبير

پھر فرعونیوں کو خیال آیا کہ بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھے تو اپنی اپنی زندگیاں پوری کر کے جا رہے ہیں اور بچے قتل ہو رہے ہیں اور قریب ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد ختم ہو جائیں اور پھر جو کام اور خدمت اور ذلتوں والے کام ان سے ہم لیتے ہیں، پھر خود کرنے پڑیں۔ تو اسپر سوچ بچار کی گئی۔

اور اب یہ لائحہ عمل طے ہوا کہ ایک سال لڑکوں کو قتل کیا جائے اور دوسرے سال جو پیدا ہوں انکو چھوڑ دیا جائے یعنی ایک سال تو پیدا ہونے والے لڑکے قتل ہوں اور دوسرے سال کوئی قتل نہ ہو۔ تو بچے بڑے مرنے والوں کی جگہ لیتے جائیں گے اور ہمارے کام کاج بھی چلتے رہیں گے۔ کیونکہ بڑے جو مرنے والے ہیں وہ کسی طرح ان سے زیادہ نہیں ہو سکتے جن کو تم ایک سال زندہ چھوڑو گے)

اسطرح بنی اسرائیل کی جمعیت بھی کمزور رہے گی یعنی افرادی عسکری طاقت نہ ہوگی ورنہ زیادہ لوگوں سے تم کو خطرہ ہو سکتا ہے اور جو کچھ بچے رہیں ان سے تم اپنے کام کاج بھی لیتے رہو گے۔

تو اسپر اجماع اور اتفاق ہو گیا۔

پھر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو حمل ٹھیرا اور جو سال بچے زندہ چھوڑنے کا تھا اس سال انکے شکم مبارک سے حضرت ہارونؑ پیدا ہوئے

اسلیئے انکی والدہ نے انکو بے خوف و خطر جنم دیا۔

لیکن آئندہ سال جسمیں بچے چہار اطراف پے در پے قتل ہو رہے تھے اس سال میں حضرت ام موسیٰ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ باامید ہو گئیں یعنی حمل ٹھہر گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی سخت رنج و غم اور خوف بھی دامن گیر ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر ابن عباسؓ نے فرمایا اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے یعنی یہ ایک سخت آزمائش تھی۔

جو حضرت موسیٰؑ پر اپنی والدہ کے شکم مبارک میں آتے ہی لاحق ہو گئی یعنی آزمائشوں کا سلسلہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ تو حضرت ام موسیٰ اسی پیچ و تاب میں رہتی تھیں کہ اللہ عزوجل نے انکو وحی فرمائی (یعنی دل میں بات ڈالی) نہ خوف کر نہ رنج کر بے شک ہم اسکو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے اور اسکو رسولوں میں سے بنائیں گے پھر اللہ نے اسکو حکم دیا کہ جب بچہ جنم لے تو تو اسکو تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دینا۔

تو ایک دن آ گیا کہ ام موسیٰؑ نے اپنے بچہ کو جنم دیا اور اسکو دریا میں اسی طرح بہا دیا جب تابوت ام موسیٰ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو (تو انکا دل دھڑکا) اور شیطان انکے پاس آیا اور ان کو وسوسہ ہوا کہ میں نے اپنے ننھے بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اگر میرے پاس وہ ذبح ہی کر دیا جاتا پھر میں اسکو اپنے ہاتھوں کفن تو دے لیتی یہ میرے لئے بہت بہت اچھا تھا اس سے کہ میں نے اسکو سمندر میں ڈال کر سمندری جانوروں اور مچھلیوں کے سپرد کر دیا۔؟

ادھر تابوت کو پانی لئے چلتا رہا دھیرے دھیرے وہ دریا کے اس دہانے تک پہنچ گیا جہاں سے فرعون کی بیوی

کی خادمائیں پانی بھرتی تھیں۔ انہوں نے تابوت کو دیکھا تو لپک کر لے لیا۔ اور کھولنے کا ارادہ کیا مگر اچانک بعض کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی خزانہ بند ہو اگر ہم نے کھول لیا تو پھر ملکہ ہم پر یقین نہ کرے گی کہ ہم نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ تو اس خیال کے آتے ہی اسکو اسی طرح اٹھا کر کہ بالکل کھولا ہی نہ تھا لے چلیں اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔

ملکہ نے کھولا تو اسمیں بچے کو پایا ادھر بچے کو دیکھنا تھا اور ادھر اللہ نے ملکہ کے دل میں بچے کی محبت ایسی جاگزیں کر دی کہ کبھی کسی سے اسکو ایسی محبت ہی نہ ہوئی۔

اور ادھر ام موسیٰ کا کیا حال ہوا؟

(واصبح فؤاد ام موسی فارغا) یعنی موسیٰ کی والدہ کا دل ہر چیز سے خالی رہا اور موسیٰ کے متعلق غم و فکر کی آندھیاں دل و دماغ میں چلتی رہیں۔

اور ادھر بھی جب بادشاہ کے محل میں بچے کی اطلاع ذبح کرنے والے قصائیوں کی جماعت کو ہوئی تو وہ چھریاں لیکر ملکہ کے پاس پہنچ گئے تاکہ اسکو ذبح کریں۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

ملکہ نے کہا اسکو رہنے دو ایک بچے سے بنی اسرائیل میں کوئی بڑا اضافہ نہ ہوگا۔ حتی کہ میں فرعون کے پاس ہو آؤں تو میں اس سے اسکو مانگ لوں گی پس اگر اس نے مجھے دیدیا تو تمہارے صبر کرنے کی مہربانی تم نے بہت اچھا کیا اور اگر اس نے اسکے ذبح کرنے کا حکم دیا تو میں تمھیں کوئی تکلیف نہ دوں گی۔ پھر بیوی بادشاہ کے پاس آئی اور کہا۔

قُرَّۃ عین لی ولک

یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون بدبخت نے کہا تیرے لئے ہوگی مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقام پر رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

> قسم ہے اس ذات کی جسکی قسم اٹھائی جاتی ہے اگر فرعون بھی اسکے بارے میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا جیسے کہ اسکی بیوی نے کیا تو اللہ پاک اسکو ضرور ہدایت عطا فرما دیتے جیسے کہ اسکی بیوی کو ہدایت عطا فرمائی لیکن فرعون پر ہدایت (اسکی بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے) حرام کر دی۔

تو فرعون نے جیسے تیسے اجازت دیدی۔ پھر بیوی نے اپنی باندیوں سے کہا کہ جاؤ اسکے لئے کوئی آیا (دودھ پلانے والی) تلاش کر لاؤ۔ پھر جو عورت بھی اسکو اپنے پستان منہ میں دیتی یہ قبول نہ کرتے۔

اور کئی عورتیں آئیں لیکن کسی کا دودھ بچے نے قبول نہ کیا۔ بالآخر بیوی کو یہ خطرہ کھٹکا اور دل دھڑکا کہ کہیں یہ بھوکا رہ کر مر ہی نہ جائے اس طرح فرعون کی بیوی کو انتہائی خوف اور خطرہ لاحق ہوا پھر بچے کو خادماؤں کی گود میں دے کر باہر بازار وغیرہ کی طرف روانہ کیا کہ کسی نہ کسی عورت کا دودھ پلاؤ شاید کہیں پی لے۔

اور ادھر موسیٰ کی والدہ نے جیسے بچہ ڈالا تھا اسکے بعد غم و فکر میں تھیں پھر اپنی بچی یعنی موسیٰ کی بہن کو کہ جاؤ اسکے پیچھے پیچھے اور اسکو تلاش کرو اور کوشش کرو کہ اسکا کوئی ذکر پتہ وغیرہ چلے کیا میر الخت جگر زندہ ہے یا اسکو جانور وغیرہ کھا گئے؟ اور اللہ نے جو موسیٰ کی ماں سے واپسی کا وعدہ فرمایا تھا وہ اپنی بھڑکتی مامتا کی وجہ سے بھول گئیں تھیں۔

پھر وہ (اسکو دیکھتی رہیں ایک طرف سے اور انکو کچھ احساس نہ تھا) آیت میں لفظ ہے عن جنب یعنی وہ ایک طرف سے دیکھتی رہی۔ اور جنب کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کی تلاش کیلئے نگاہ دوڑائے اور وہ اسکے پہلو میں ہو۔ اور اسکو اسکا پتہ نہ چلے۔

خیر بہن دیکھتی رہی کہ آیاؤں کا سلسلہ چل رہا ہے اور جب دیکھا کہ اب تمام آیا (دودھ پلانے والی) عاجز آگئیں اور بھائی نے کسی کی گود کو دودھ کیلئے قبول نہیں کیا تو بہن خوشی سے بھر گئی اور فرط خوشی میں کہہ اٹھی۔

"کیا میں تم کو ایسا گھر بتلاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی کفالت کریں گے اور وہ اسکے لئے خیر خواہ ثابت ہونگے۔"

تو لوگوں نے بہن کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ تجھے کیا پتہ کہ وہ گھر والے اسکے ساتھ خیر خواہی کریں گے (اور یہ انکا دودھ قبول کرے گا) کیا تو اس بچے کو پہچانتی تو نہیں؟ تو اس کے متعلق لوگوں کو شک پڑ گیا۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے۔

پھر اللہ کے فضل سے بہن سے جواب بن پڑا اور کہا میں نے اسلئے کہہ دیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خاندان کی خدمت میں بہت رغبت رکھتے ہیں اور بادشاہ سے نفع کی رغبت بھی رکھتے ہیں شاید انکا دودھ یہ قبول کرے اور وہ ویسے بھی بہت شفقت والے ہیں۔

تو لوگوں نے بہن کو چھوڑ دیا کہ جا کر بلا لائیں بہن مارے خوشی کے تیزی سے والدہ کے پاس پہنچی اور عظیم خوشخبری سنائی۔ تو والدہ فوراً چلدیں اور اپنی مامتا کو ٹھنڈا کیا اور اپنے لخت جگر کو جیسے ہی گود میں لیا (گویا بچہ پہچان گیا ہو) اور فوراً جھپٹ کر ہاتھوں میں آیا اور پستانوں سے چمٹ گیا حتی کہ بچے دونوں پہلو سیر ہونے کی وجہ سے ابھر آئے۔ اور پھر ایک خوشخبری سنانے والا بھاگا بھاگا فرعون کی بیوی کے پاس پہنچا اور خوشخبری دی کہ ہم نے تیرے بچے کے لئے آیا تلاش کر لی ہے تو بادشاہ اور فرعون کی بیوی نے فوراً اسکو بلوایا تو ماں اور بیٹا دونوں پہنچ گئے۔

بیوی نے ام موسیٰ کے ساتھ موسیٰ کا تعلق دیکھا کہ چمٹا ہوا ہے تو بیوی نے کہا تو میرے ہاں (محل) میں ٹھیر جا اور اسکو دودھ پلانے کی خدمت سر انجام دیتی رہ کیونکہ میں اس کی محبت کے مقابلے کسی دوسری چیز سے اتنی محبت نہیں رکھتی۔ ام موسیٰ نے فرمایا: میں اپنے گھر بار اور بچوں کو نہیں چھوڑ سکتی وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو اچھا لگے تو اسکو مجھے دیدیں میں اسکو اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس لے جاؤں گی۔ در حقیقت ام موسیٰ کو اللہ کا وعدہ یاد آ گیا تھا (کہ بچہ تمہارے پاس واپس دلایا جائے گا فکر نہ کرو) اسوجہ فرعون کی بیوی پر سختی کی۔ اور یقین کر لیا کہ اللہ عزوجل اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائیں گے۔ تو اسی دن واپس اپنے گھر چلی گئیں۔ اور اللہ نے حضرت موسیٰ کی بہت بہتر طریقے سے پرورش فرمائی۔ اور نازل ہونے والے مصائب سے ہر موڑ پر خوب

حفاظت فرمائی۔ اور بنی اسرائیل بھی ملک کے گوشے میں ظلم وستم سے کچھ کچھ محفوظ رہنے لگے۔ اور بچہ اپنی والدہ کے پاس کچھ بڑا ہو گیا۔ تو ایک مرتبہ بادشاہ کی بیوی نے ام موسیٰ سے کہا کیا میرے بیٹے کی مجھے زیارت کراؤ گی؟ تو ام موسیٰ نے ایک دن کیلئے وعدہ کر لیا۔ پھر فرعون کی بیوی نے اپنے خزانچی اور اپنی کنیزوں اور اپنے وکیلوں سے کہا کہ تم سب کے سب جب میرا فرزند آئے تو اسکے لئے ھدیئے اور تحائف کے ساتھ استقبال کرنا اور میں خود تمہاری نگرانی کروں گی اور دیکھوں گی کہ کس نے کیا کیا؟ اور ویسے بھی بادشاہ کی بیوی موسیٰ کے جانے کے بعد لے آنے کیلئے تیاریاں اور تحائف وہدایا منتخب کرتی رہی تھی۔ پھر جب ماں اپنے بچے کو لے کر محل میں تشریف لائیں تو بادشاہ کی بیوی نے خود بھی فرحت ومسرت وخوشی سے انعام واکرام کی بارش کر دی اور ام موسیٰ کو بھی خوب خوب نوازا کیونکہ انہوں نے موسیٰ کی بہترین پرورش کی تھی۔ پھر بادشاہ کی بیوی نے کہا کہ میں اسکو فرعون کے پاس بھی لے کر جاؤں گی اور پھر اسپر عورتیں مزید تحائف اور ہدایا پیش کریں گی اور اسکی عزت افزائی کریں گی۔

تو اللہ اللہ کر کے بادشاہ کی بیوی بادشاہ کے پاس لے گئی۔ بادشاہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو اپنی گود میں بھی لے لیا۔

پھر حضرت موسیٰ نے فرعون کی ڈاڑھی پر ہاتھ مارا اور ہاتھ میں پکڑ لی اور نیچے کی طرف کھینچی۔ اسوقت خدا کے دشمنوں میں سے سرکش فرعون کے کارندوں نے کہا

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ابراہیم سے اپنے نبی کے متعلق کیا وعدہ فرمایا تھا؟۔

کہ وہ تیرے مال ودولت کا وارث ہوگا اور تجھ پر غلبہ پائے گا اور تجھے شکست سے دوچار کر چھوڑے گا (تو یہ نشانی اس بچے نے پیش کر دی ہے) تو فرعون نے قصائیوں کو بلوایا تا کہ اسکو ذبح کرا دے۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

یہ سن کر فرعون کی بیوی دوڑی ہوئی فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اس بچے کے متعلق آپکو کیا ہو گیا جو آپ مجھے ہدیہ فرما چکے ہیں۔ فرعون نے کہا: کیا تو اسکو نہیں دیکھتی کہ وہ مجھے (ڈاڑھی کھینچ کر) پچھاڑ رہا ہے اور مجھ پر غلبہ پا رہا ہے۔ بیوی نے کہا: تو کوئی اپنے اور میرے درمیان ایسی چیز پیش کر دے جس سے حق ظاہر ہو جائے کہ وہ واقعی بچے نے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اسکے لئے تو دو انگارے اور دو موتی منگوا اور وہ اس بچے کے سامنے رکھ دے بس اگر یہ انگارے پکڑے اور موتیوں کو نہ پکڑے تو پھر آپ سمجھئے کہ کوئی سمجھ والا بھی موتیوں کو چھوڑ کر انگاروں کو نہیں پکڑ سکتا۔

تو فرعون کی کھوپڑی میں بات بیٹھ گئی اور اس نے یہ چیزیں سامنے رکھوا دیں۔

تو حضرت موسیٰ نے انگاروں کو جھپٹا مارا۔ پھر فرعون نے انگارے ہاتھ سے چھین لئے کہ کہیں اسکے ہاتھ کو نہ جلا ڈالیں۔ یہ دیکھ کر فرعون کی بیوی نے کہا دیکھ لیا؟

تو وہ برائی جسکا فرعون ارادہ کر چکا تھا اللہ نے دفع فرما دی اور اللہ پاک اپنے کام کو خوب انجام تک پہنچانے والا ہے پھر جب حضرت موسیٰ بالغ ہو گئے اور مردوں میں شمار ہونے لگے۔ تو کوئی فرعونی شخص کسی بنی

اسرائیل پر ظلم نہ کرتا تھا اور پہلے سے بہت فرق آچکا تھا بلکہ پوری طرح فرعونی باز آچکے تھے۔
ایک مرتبہ حضرت موسیٰ چلے جارہے تھے کہ دیکھا شہر کے کونے میں دو آدمی برسرِ پیکار ہیں ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ تو اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف مدد کیلئے حضرت موسیٰ کو پکارا۔ تو موسیٰ انتہائی غصے میں آگئے کیونکہ فرعونی نے اسرائیلی کو دبار کھا تھا اور قبطی حضرت موسیٰ کا اسرائیلی لوگوں سے صرف اتنا تعلق سمجھتے تھے کہ صرف اس نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے باقی ہے یہ ہماری طرف۔ لیکن اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایسی باتوں کی اطلاع کردی تھی جو غیر دن کو بالکل پتہ نہ تھی۔
تو خیر حضرت سوسیٰ فرعونی پر کودے اور اسے ایک گھونسا رسید کیا تو نبی کا زور وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ لہذا اگلے جہاں پہنچ گیا۔ لیکن اسوقت کوئی اور شخص سوائے اللہ اور اس اسرائیلی کے موجود نہ تھا۔ تو حضرت موسیٰ کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اتنے سے یہ سدھار جائے گا لہذا فرمانے لگے (یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے۔ پھر کہا پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری مغفرت فرمادیجئے۔ تو اس نے اسکی مغفرت کردی۔ بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ کہا پروردگار آپ نے جو مجھ پر انعام کئے ہیں پس آئندہ میں مجرموں کا پشت پناہ نہ ہوں گا۔ پھر شہر میں خوف کے ساتھ صبح کی (کسی خبر کا انتظار کرتے ہوئے)۔[1]
ادھر فرعون کے پاس شکایت پہنچی کہ کسی اسرائیل نے ہمارے فرعونی شخص کو قتل کر دیا ہے لہذا ہمیں ہمارا حق بدلہ دلوایا جائے۔ اور اسرائیلیوں کو مہلت نہ دی جائے تو فرعون نے کہا میرے پاس قاتل کو تلاش کرلاؤ اور قتل پر کوئی گواہ بھی پیش کرو۔ کیونکہ اگرچہ بادشاہ اپنی قوم کیلئے خیر خواہ اور جانبدار ہے لیکن اسکے لئے بغیر گواہ اور ثبوت کے کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے لہذا مجھے کوئی پتہ کرکے بتاؤ میں تمہارا حق دلواؤں گا۔
لہذا وہ اسی غرض کی خاطر شہر میں چکر لگاتے رہے مگر کوئی قاتل اور اسکا ثبوت نہیں پارہے تھے۔
پھر ادھر موسیٰ نے اچانک دوبارہ شہر میں اسرائیلی کو دیکھا کہ وہ کسی اور فرعونی سے لڑ رہا ہے: تو اسرائیلی نے فوراً موسیٰ کو دیکھتے ہی صدا لگائی اور مدد کیلئے پکارا۔ تو موسیٰ آگے بڑھے اور وہ اس مرتبے اپنے پچھلے کئے پر نادم و پشیمان تھے اور اس اسرائیلی ہی پر غصہ کھا رہے تھے اور اسکو کچھ کہا۔ اسرائیلی نے دیکھا کہ اب تو میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور پھر حضرت موسیٰ نے اس اسرائیلی کو فرمایا (بے شک تو ہی کھلا سرکش آدمی ہے)
اسرائیلی سمجھ گیا کہ گذشتہ روز بھی اسی طرح غصہ اور الفاظ کے بعد ایک گھونسے سے قبطی کا کام تمام کر دیا تھا اور اب مجھ پر غصہ ہے اور مجھے سخت برا کہہ رہے ہیں لہذا اب میرے قتل کے درپے ہیں۔ جبکہ حضرت موسیٰ کا یہ خیال بھی نہ تھا۔ اور اسرائیلی نے جو نہ کہنا تھا وہ کہہ بیٹھا۔
اے موسیٰ کیا تیرا ارادہ (آج) مجھے قتل کرنے کا ہے جیسے کل گذشتہ تو نے ایک جان کو قتل کر ڈالا تھا؟
یہ لڑائی تو بند ہو گئی لیکن۔ فرعونی شخص کو زبردست ثبوت مل گیا تھا۔ اور وہ فوراً فرعون کے پاس پہنچا اور ساری خبر سنائی حتی کہ یہ بتایا کہ اسرائیلی نے موسیٰ کو کہا تھا کہ (تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے

---

[1] القصص ۱۶۔۱۸

ایک جان قتل کر ڈالی)۔ تو معلوم ہوا کہ موسیٰ ہی اس قبطی شخص کے قاتل ہیں۔ تو فرعون نے فوراً جلادوں کو حضرت موسیٰ کے قتل کرنے کیلئے روانہ کر دیا۔

فرعون کا یہ قصائی قافلہ ایک بڑے راستہ پر چلا جارہا تھا اور موسیٰؑ کو تلاش کر رہے تھے اور یہ امید تھی کہ موسیٰ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اتنے میں ایک حضرت موسیٰ کی قوم کا آدمی شہر کے دوسری طرف سے مختصر راستے سے ہوتا ہوا حضرت موسیٰ کو پہلے جاملا اور ساری خبر سناڈالی۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

تو حضرت موسیٰؑ فوراً شہر سے نکل کر مدین کے راستے پر ہو لئے جبکہ پہلے کبھی انکو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا بلکہ شاہی سہولتیں میسر تھیں۔ اور آگے راستے کا بھی کوئی علم نہ تھا۔ بلکہ اپنے پروردگار کے ساتھ حسن ظن پر چل دئے (اور کچھ پتہ نہیں کہ کہاں جارہے ہیں بس یہاں سے نکل لو) اور راستے کی رہنمائی اللہ کرے گا۔ اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور انکے پیچھے دو لڑکیاں (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں تو حضرت موسیٰؑ نے ان سے دریافت کیا (تمہارا کیا مقصد ہے) کہ تم لوگوں سے الگ کھڑی ہو اور جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو۔ تو لڑکیاں بولیں کہ ہمارے اندر اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کا مقابلہ کریں اور گھس پھس کر پانی پلالیں۔ بلکہ ہم بچے کچے پانی کا انتظار کر رہی ہیں۔ تو حضرت موسیٰؑ نے انکے لئے بکریوں کو پانی پلادیا اور سب سے پہلے بھرا ہوا ڈول نکالا اور سب بکریاں سیر ہوگئیں۔ اور دونوں حیادار لڑکیاں واپس چلی گئیں۔ اور حضرت موسیٰ واپس آکر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال تھے زبان سے دعا نکلی (پروردگار جو کچھ آپ (میرے گذر بسر کیلئے) خیر نازل فرمائیں میں اسکا محتاج ہوں) اور ادھر لڑکیاں جلدی واپس پہنچیں تو انکے والد کو تعجب ہوا کہ بکریاں پانی سے سیر ہیں اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنی جلدی؟ پوچھا کہ کیا بات ہے تو دونوں نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق خبر دی کہ ایک جوان ہے اس نے ہمدردی کی ہے۔

تو والد مکرم نے حضرت موسیٰؑ کو بلوایا اور جب ایک لڑکی کو بھیج کر بلوالیا تو حضرت موسیٰؑ نے انکے والد سے ساری داستان سنائی تو انہوں نے تسلی دی اور (کہا خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں) یعنی فرعون اور اسکی قوم کو ہم پر کوئی برتری اور حکومت نہیں ہے اور نہ ہم اسکی سلطنت میں ہیں۔ اتنے میں ایک لڑکی بولی (اے ابا جان اسکو کام پر رکھ لیجئے بے شک جسے آپ کام پر رکھیں انمیں طاقت ور اور امانت دار زیادہ بہتر ہے) اور اس میں دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لیکن اس بات سے والد کو غیرت آئی اور پوچھا کہ تجھے کیا علم اسکی قوت اور امانت کا؟۔ لڑکی نے کہا: قوت کا اندازہ اسکے ڈول بھرنے سے لگایا کہ اس قدر وزنی کبھی کسی شخص نے اکیلے ڈول نہیں بھرا۔ اور امانت کا اندازہ اسطرح لگایا کہ جب میں اسکے پاس پہنچی تو اس کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی اور پتہ چلا کہ کوئی لڑکی ہے تو فوراً سر پھیر لیا اور پھر بالکل سر نہ اٹھا حتی کہ میں نے آپکا پیغام پورا پہنچادیا۔ پھر اس نے مجھ کو کہا تو میرے پیچھے پیچھے چلتی رہ اور راستہ پیچھے سے بتاتی رہ۔ اور ایسی احتیاط کوئی بہت امانت دار ہی کر سکتا ہے۔ تو والد لڑکی کی بات سے انتہائی خوش ہو گئے اور لڑکی کی بات سے حضرت موسیٰؑ کے

متعلق حسن ظن قائم کر لیا پھر حضرت موسیٰ کو کہا۔

(میرا خیال ہے کہ میں اپنی ان دو لڑکیوں میں ایک کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو اگر دس سال کر لو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا اور میں تم پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ عنقریب آپ مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔[1])

سعید بن جبیر کہتے ہیں مجھے ایک نصرانی عالم ملا اور پوچھا کہ کیا آپکو پتہ ہے کہ موسیٰ نے کونسی مدت پوری کی تھی؟

میں نے کہا نہیں۔ اور مجھے واقعی اس دن کوئی علم بھی نہ تھا۔ پھر میں ابن عباسؓ سے ملا اور ان سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ آٹھ سال تو اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کچھ کمی نہیں کر سکتے تھے)

اور کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کے متعلق وہ وعدہ ضرور پورا کرنا تھا جو انہوں نے فرمایا تھا۔

تو پس حضرت موسیٰ نے دس سال ہی پورے فرمائے تھے۔

تو میں پھر اس نصرانی سے ملا اور اسکو خبر دی اس نے کہا جس سے تم نے سوال کیا ہے سو تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ میں نے کہا بالکل اور وہ مجھ سے بہت بہتر ہیں۔

پھر جب موسیٰ اپنے اہل کو لیکر چلے تو لاٹھی اور ہاتھ وغیرہ کا معجزہ اور نبوت وغیرہ تمام امور پیش آئے جو آپ قرآن میں پڑھ چکے۔

پھر حضرت موسیٰ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی زبان کی لکنت اور فرعونی کے قتل سرزد ہونے کی شکایت کی کہ زبان میں لکنت صاف فصیح گفتگو سے مانع ہے لہذا مجھے میرا بھائی بطور وزیر کے عطا کیا جائے۔ اور وہ میرے لئے پشت پناہ بھی ثابت ہونگے اور میری جگہ بات چیت بھی مشکل مواقع پر کریں گے تو اللہ نے انکی مراد عطا کر دی اور زبان کی لکنت بھی کافی قدر دور فرما دی۔ اور حضرت ہارونؑ کو وحی بھیج دی اور فرمایا کہ آگے جا کر آپ موسیٰ سے ملاقات کریں (اور استقبال کریں)

حضرت موسیٰ اپنے عصا کو لیکر چل پڑے حتی کہ ھارون سے جا ملے۔ پھر دونوں فرعون کے دربار پہنچے اور ایک عرصے تک دروازے پر ٹھیرے رہے کیونکہ اجازت نہ مل رہی تھی۔ پھر سخت حجاب کے بعد اجازت ملی تو دونوں نے جا کر کہا۔

انا رسولا ربك — ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں۔

پوچھا فمن ربکما — تمہارا پروردگار کون ہے؟

پھر آگے وہی ساری خبر ہے جو قرآن میں آپ پڑھ چکے۔

پھر فرعون نے کہا اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اور ساتھ میں پرانے قتل کا ذکر چھیڑا۔ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا میرا ارادہ و مقصد ہے کہ تو مجھ پر ایمان لے آئے اور میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ لیکن اس

---

[1] القصص ۲۷

نے انکار کر دیا اور کہا (اگر تو سچوں میں سے ہے تو لے آ (کوئی نشانی) پھر موسیٰ نے اپنے لاٹھی ڈالی وہ اژدھا ہو گیا) یعنی لاٹھی نیچے گرتے ہی عظیم الشان بڑے اژدھے کی شکل میں آگئی وہ اژدھا منہ کھولے فرعون کی طرف تیزی سے لپکا فرعون نے دیکھا کہ میری طرف بڑھ رہا ہے تو اپنے تخت پر خوف سے پیچھے کو دبک گیا۔ اور موسیٰ سے فریاد کی کہ اسکو روکے تو حضرت موسیٰ نے اسکو روک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ نے دوسری نشانی پیش کی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالکر نکالا وہ بغیر کسی برص وغیرہ کی بیماری کے انتہائی تیز روشن چمکدار ہو گیا۔ پھر واپس اپنے گریبان میں ڈالا تو اپنی پہلی اصلی شکل میں آگیا۔

تو فرعون نے اپنے گرد وپیش درباریوں سے اسکے متعلق مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے (یہ جادوگر ہیں جو تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے حق راستے کو مارنا چاہتے ہیں) یعنی اس ملک سے تم کو نکالنا چاہتے ہیں جسمیں تم عیش وعشرت سے زندگی بسر کر رہے ہو۔ اور موسیٰ سے ہر بات کا انکار کر دیا جو بھی آپ نے ان سے طلب کی تھی اور فرعون سے کہا کہ تیرے سلطنت میں جادوگر بہت ہیں انکو اکٹھا کرتا کہ تو اپنے جادوگروں کے ذریعے ان دونوں پر غلبہ پالے۔

پھر فرعون نے شہروں کی طرف قاصد روانہ کئے اور تمام جادوگر فرعون کے بلاوے پر اکٹھے ہو گئے جب فرعون کے پاس آئے تو کہنے لگے یہ جادوگر جن سے ہمارا مقابلہ ہوگا کس چیز کے ذریعے جادو کرتے ہیں کہا سانپ کے ذریعے تو جادوگر بولے اللہ کی قسم روئے زمین پر سانپوں، رسیوں ڈنڈوں کے جادو میں کوئی ہم سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اور مقابلے کیلئے زینت کا دن طے ہوا اور حکم ہوا کہ لوگ صبح کے وقت جمع ہو جائیں۔

سعید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زینت کا دن جسمیں اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور جادوگروں پر غلبہ عطا فرمایا تھا وہ عاشورا یعنی دس محرم کا دن تھا۔

پھر جب وہ دن آگیا اور لوگ جمع ہونا شروع ہوئے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے چلو چلو اس معاملے کو دیکھیں (شاید ہم جادوگروں کی پیروی کر لیں اگر وہ غالب آئیں) اصل میں یہاں انکا مقصد ہے کہ موسیٰؑ اور ھارون کی اتباع کر لیں اگر وہ غالب آئیں۔ اور یہ مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کیلئے کہا تھا ورنہ دل سے اسپر عمل کرنے والے نہ تھے۔

جب سب اکٹھے ہو گئے اور جادوگر اپنے جادو کی چیزوں کو ٹھیک کر کے تیار ہو گئے تو جادوگر حضرت موسیٰ کو بولے (اے موسیٰ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں) تو حضرت موسیٰ نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو پہلے تو (پھر ان جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو ڈالا اور بولے فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی ضرور غالب آنے والے ہیں) حضرت موسیٰؑ نے دیکھا تو دل میں کچھ خوف کی آہٹ ہوئی پھر اللہ نے انکو وحی بھیجی (اپنی لاٹھی ڈال دو) لاٹھی ڈالی تو وہ ایک عظیم الشان بے انتہا لمبے چوڑے جسم والا اژدھا بہت بڑا منہ کھولے ظاہر ہو گیا۔ اور سب کے سب جادو جو سانپ وغیرہ کی شکلوں میں تھے وہ اس اژدھے کے منہ میں جانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کوئی رسی کوئی لاٹھی نہ بچی سب کو اژدھا نگل گیا۔

جب جادوگروں نے یہ خوفناک ناقابلِ یقین آنے والا منظر دیکھا تو سوچا کہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہمارے جادوں کو نگل نہ سکتا تھا۔ بلکہ ضرور یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ موسیٰ لائے ہیں سب کو مانتے ہیں اور اپنی لغزشوں سے ہم بارگاہ خداوندی میں توبہ کرتے ہیں۔

یہ کایا پلٹتے دیکھ کر فرعون کی کمر ٹوٹ گئی اور سب کے سامنے جماعتوں اور تمام لوگوں کے درمیان شکست سے دوچار ہوا اور حق کا غلبہ ہوا۔ (اور جو وہ کرتے تھے سب باطل ہو گیا۔ پس وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے)

اور محل فرعون میں فرعون کی حرم یعنی بیوی انتہائی عاجزی وانکساری سے بارگاہ رب العزت میں حضرت موسیٰؑ کی مدد اور فرعون کی شکست کیلئے دعا مانگ رہی تھی۔ اور جو اسکو فرعونی دیکھتا تو سمجھتا کہ یہ فرعون اور اسکی جماعتوں کے غلبے کیلئے الحاح وزاری کر رہی ہے جبکہ درحقیقت اسکا تمام رنج وغم اور ہمدردی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھی پھر کئی مواقع پر فرعون کے جھوٹے وعدے ٹوٹتے رہے۔ جب بھی کوئی نشانی آتی تو وہ وعدہ کر لیتا کہ وہ بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ چھوڑ دے گا۔ پھر جب وہ عذاب ٹل جاتے تو وعدہ خلافی کر لیتا۔ اور ہٹ دھرمی سے کہتا کہ کیا تمہارا رب اسکے علاوہ بھی کوئی عذاب بھیج سکتا ہے؟۔ اسی طرح اللہ نے فرعون پر طوفان، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں، اور خون وغیرہ کا کھلا عذاب بھیجا پھر ہر ایک موسیٰ سے شکایت کرتا اور جھوٹے وعدہ کرتا کہ وہ ایمان لے آئیں گے لہذا ہم سے عذاب دور کروادو۔ پھر جب وہ عذاب ان سے ہٹادیا جاتا تو پھر وعدہ خلافی پر اتر آتے۔ اور ایسا ہوتا رہا حتی کہ ایک وقت اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی قوم لے کر نکل جانے کا حکم فرمادیا۔ تو حضرت موسیٰؑ راتوں رات انکو لیکر چل دیئے۔

جب فرعون نے صبح کی اور دیکھا کہ پانی تو سر سے گذر چکا، جلدی سے قاصدین کو شہروں کی طرف فوجوں کے جمع کرنے کیلئے دوڑایا پھر عظیم لشکروں کو لیکر بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔

اور اللہ نے سمندر کو پہلے سے حکم فرمادیا کہ جب موسیٰ میرے بندوں کو لیکر تجھ پر پہنچے اور وہ لاٹھی مارے تو بارہ رستے انکو مہیا کر دینا۔ تاکہ وہ سب پار ہو جائیں۔ پھر باقی آنے والوں پر چل پڑنا اور غرق کر دینا۔

پھر موسیٰؑ سمندر کو لاٹھی مارنا بھول گئے اور سمندر بہت تیز تیز آوازیں موجوں کی نکال رہا تھا گویا زبردست بجلی کڑک رہی ہے اور درحقیقت سمندر کو یہ ڈر اور خوف کی وجہ سے آوازیں پیدا ہو رہی تھیں کہ کہیں موسیٰ لاٹھی ماریں اور یہ غافل ہو اور پھر اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو جائے۔

پھر جب موسیٰ کی قوم نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے دیکھا تو (کہا موسیٰ کے ساتھیوں نے ہم تو پکڑے گئے) لہذا اے موسیٰ جو تیرے رب نے تجھے حکم فرمایا ہے اسپر عمل درآمد کیجئے اسلئے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور نہ آپ بولتے۔ تو موسیٰؑ نے فرمایا میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں سمندر پر پہنچوں گا تو وہ بارہ رستے مہیا کر دے گا جس سے میں سمندر پار کر جاؤں گا۔

پھر اچانک حضرت موسیٰ کو لاٹھی مارنے کا حکم یاد آگیا اور پھر سمندر پر لاٹھی ماری اور موسیٰؑ کے لشکر کا شروع کا حصہ سمندر کے قریب ہو گیا۔ اور پھر واقعی سمندر فوراً اپنے رب کے حکم اور موسیٰ کے وعدے کے مطابق بارہ

رستوں پر تقسیم ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ اپنے تمام ساتھیوں سمیت سمندر پار ہو گئے اور فرعون تمام ظالموں سمیت سمندری راستوں میں داخل ہو گیا تو سمندر نے راستے ختم کر دیئے اور ان کو غرق کر دیا۔ اور جب موسیٰ پار ہو گئے تو آپکے ساتھیوں نے خوف ظاہر کیا کہ شاید ہو سکتا ہے کہ فرعون غرق نہ ہوا ہو پھر ہم اس سے برابر خطرے میں رہیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ نے دعا فرمائی تو سمندر نے فرعون کی لاش کو باہر پھینکا اور سب نے اسکی لاش دیکھی تب یقین آیا کہ بے شک مر کھپ چکا ہے۔

پھر بنی اسرائیل کا ایک قوم پر سے گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے بتوں پر عبادت کی حالت میں جھکے پڑے ہیں تو کہنے لگے اے موسیٰ، ہمارے لئے ایسا کوئی معبود بنادے جیسے ان کے معبود ہیں، فرمایا تم جاہل قوم ہو بے شک یہ لوگ جسمیں مشغول ہیں ہلاک ہونے والا ہے اور جو یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے)

تم کس قدر عبرتیں دیکھ چکے ہو اور کس قدر نصیحت سن چکے ہو جو تمہارے لئے کافی ہیں کچھ تو خوف خدا کرو۔ اور یہ معاملہ درگذر ہو گیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے انکو ایک جگہ اتار اور کہا ہارون کی فرماں برداری کرتے رہنا بے شک اللہ نے اسکو تم پر خلیفہ منتخب فرمایا ہے۔ اور میں اپنے رب کے پاس جارہا ہوں اور یہ مدت تیس دن ہوگی اسکے بعد تم تک واپسی ہو جائے گی۔

پھر حضرت موسیٰ اپنے رب کے پاس آئے اور تیس دنوں میں ہمکلام ہونا چاہا اور تیس دن رات روزہ رکھ چکے تھے تو خیال آیا کہ منہ میں کچھ بو سی ہے رب سے کلام کرنا ہے لہٰذا کچھ مسواک وغیرہ کرلی، اور دانتوں پر رگڑ ڈالی پھر پروردگار کے پاس آئے اور رب نے پوچھا روزہ کیوں افطار کیا (یعنی مسواک کر کے روزہ کیوں توڑ دیا) جبکہ اللہ رب العزت ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے ناپسند خیال کیا کہ میں آپ سے ہمکلام ہوں اور منہ سے بو آئے۔ تو رب نے فرمایا۔

اے موسیٰ کیا آپکو علم نہیں ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ پس واپس جاؤ اور دس روز مزید روزے رکھ کر آؤ تو موسیٰ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل فرمائی۔

ادھر جب موسیٰ کی قوم نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ واپس تشریف نہیں لارہے تو انکو یہ بات بری لگی۔ اور اس سے پہلے حضرت ھارون انکو وعظ ونصیحت فرما چکے تھے۔

کہ تم مصر سے نکلے ہو اور فرعونی قوم کا تمہارے پاس عاریت اور امانت کا زیور ہے۔ اور تمہارے پاس اپنا بھی موجود ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ جو مال تمہارا انکے پاس رہ گیا ہے تم خدا سے اسکے ثواب کی امید رکھو اور انکے مال کو میں تمہارے لئے حلال نہیں سمجھتا جو تم نے امانت کے طور ان سے لیا ہے یا عاریت کے طور پر اور اب ہم انکو کچھ واپس بھی نہیں کر سکتے اور نہ اپنے لئے روک سکتے ہیں تو حضرت ہارون نے ایک گڑھا کھودا اور قوم کو حکم فرمایا کہ سارا انکا مال وزیور اسمیں ڈال دو پھر حضرت ہارون نے اسکو جلا ڈالا اور فرمایا پس نہ ہمارے لئے اور نہ انکے لئے اور سامری اس قوم سے تھا جو بچھڑے کی عبادت کرتے تھے اور اسکی قوم بنی اسرائیل کی پڑوسی تھی۔ لیکن بنی اسرائیل میں سے نہ تھی۔ تو پھر یہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ساتھ آگئے اور سامری کیلئے ایسا ہوا کہ اس نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم میں سے کچھ مٹی اٹھالی۔ اور اب

جب حضرت ہارون نے لوگوں کا زیور گڑھے میں جلا ڈالا یہ بھی مٹی کو مٹھی میں بند کیئے پہنچ گیا حضرت ہارون نے دریافت کیا اے سامری : کیا جو تیرے ہاتھوں میں ہے تو نہ ڈالے گا اس نے کہا یہ اس رسول کے نقش قدم کا اثر ہے جس کے ذریعے اللہ نے تم سے سمندر پار کرایا۔ اور میں اسکو کسی وجہ سے نہیں ڈال سکتا سوائے ایک شرط کے کہ اے ھارون آپ اللہ سے دعا کریں کہ میرے ڈالنے کا جو مقصد ہے اللہ اسکو پورا کر دیں۔ تو میں ڈال دوں گا۔ حضرت ھارون نے دعا فرما دی۔ اور اس نے ڈال دیا۔

پھر کہا کہ میں نے اسکے بچھڑے ہو جانے کا ارادہ کیا ہے۔ تو جو بھی گڑھے میں سونا چاندی لوہا اور پیتل اور دوسرا سامان تھا سب کا سب ایک کھوکھلے بچھڑے کی صورت میں ہو گیا۔ اور کوئی روح وغیرہ اسمیں نہ تھی۔ اور کچھ آواز تھی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں : خدا کی قسم اسمیں کوئی آواز نہ تھی بس اتنا تھا کہ اسکے پچھلے مقام سے ہوا داخل ہوتی تھی اور منہ سے نکل جاتی تھی۔ پس اسی وجہ سے آواز پیدا ہو جاتی تھی۔ (خود اسکی کوئی آواز نہ تھی)

پھر بنی اسرائیل کئی گروہ میں بٹ گئے ایک گروہ نے کہا : اے سامری یہ کیا ہے ؟ اور تو ہی اسکو زیادہ جاننے والا ہے سامری نے کہا یہی تمہارا پروردگار ہے اور موسیٰ راستہ بھٹک چکے ہیں۔

اور ایک گروہ نے کہا ہم اسکی تکذیب نہیں کرتے حتیٰ کہ موسیٰ واپس آئیں اگر انہوں نے ہم کو اسکے رب ہونے کا بتلا دیا تو ہم اسکو ضائع نہ کریں گے اور اسکی عبادت میں جھک جائیں گے۔ اور اگر یہ ہمارا رب نہ ہوا تو ہم موسیٰؑ کے قول کی اتباع کر لیں گے۔

اور ایک گروہ نے کہا : یہ سراسر شیطانی عمل ہے ہمارا رب کہاں ہوگا؟ ہم بالکل اسکی تصدیق نہیں کرتے اور اسپر ایمان بھی نہیں لاتے۔

اس طرح تین گروہ ہو گئے پہلے گروہ کے دل میں سامری کے قول کی سچائی بھر گئی اور اسکی تکذیب نہ کرنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

تو حضرت ھارونؑ نے انکو فرمایا (اے قوم اور کچھ نہیں تم اسکے ساتھ آزمائش میں ڈالے گئے ہو۔ اور تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے۔) یہ نہیں ہے۔

کہنے لگے کہ پھر موسیٰؑ کا کیا ارادہ ہے ہم سے تیس دن کا وعدہ کر گئے اور لگا چالیس دن دیئے اور ہم سے وعدہ خلافی کی ؟

اور بیوقوف لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ سے رب کے متعلق خطا ہو گئی ہے اور وہ اسکو تلاش کر رہے ہیں جبکہ رب ادھر ہے۔

پھر اللہ پاک نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا اور جو کچھ گفتگو ہوئی۔ اس میں ایک خبر بھی دی کہ تیری قوم گمراہ ہو چکی ہے۔ تو (پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب آلود افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے)

اور پھر جو کچھ ہوا قرآن میں تذکرہ سن چکے ہو ؟ اور اسمیں ہے کہ (اور (موسیٰ نے) اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا) اور تختیوں کو غصے کی وجہ سے ڈال دیا۔ پھر بھائی کے عذر کی وجہ سے ان سے معذرت

کی اور انکے لئے خدا سے بخشش طلب کی۔ اور پھر سامری کے پاس لوٹے اسکو کہا تجھے اس سب کچھ کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ سامری نے کہا میں نے فرشتے کے نقش قدم سے ایک مٹی اٹھائی تھی میں نے تو اسکو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ تم کو پتہ نہ چلا (پھر میں نے اسکو ڈال دیا اور اس طرح میرے نفس نے مجھے اکسایا، فرمایا: پس جا بے شک تیرے لئے زندگی میں ہے کہ تو کہتا رہے گا مت چھوو۔ اور تیرے لئے (عذاب کے) وعدہ کا دن ہے جسکے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا اور دیکھ اپنے معبود کی طرف جس پر تو جھکا پڑا ہے ہم اسکو ضرور جلا ڈالتے ہیں پھر اسکو ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے) تو اگر یہ معبود ہوتا تو اسکا یہ حال نہ ہوتا۔

پھر بنی اسرائیل نے یقین کر لیا کہ ہم فتنے میں مبتلا ہو چکے۔ اور وہ لوگ خوشی اور رشک میں محو ہو گئے جنکی رائے حضرت ھارون کے ساتھ تھی۔ پھر لوگوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا: اے موسیٰ......

ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سوال کریں کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے۔ اور جو ہم سے برائی سرزد ہوئی اس سے ہم کو پاک کر دے۔ تو موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر سربرآوردہ شرفاء کو ساتھ لیا جن سے کسی خیر میں کوتاہی سرزد نہیں ہوئی اور شرک بھی نہیں کیا۔ پھر انکو لے کر چلے تاکہ انکے لئے توبہ کا سوال کریں۔ پھر زمین کے زلزلے نے انکو ہلاک کر دیا۔

تو اللہ کے نبی موسیٰؑ کو اپنی قوم اور اپنے وفد سے حیا آئی کہ وہ کیا کہیں گے (کہ اپنے ساتھ والوں کو مروادیا) تو دعا کی (پروردگار اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی مجھ کو اور انکو ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہم کو اس وجہ سے ہلاک فرماتے ہیں جو ہم میں سے بیوقوفوں سے سرزد ہوا) اور ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنکے دلوں میں بچھڑے کی محبت گھر کر گئی تھی۔ جسکی وجہ سے خدائی عذاب یعنی زمین کے جھٹکے نے ہلا ڈالا۔ پھر خدا نے فرمایا (اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ پس عنقریب میں انکے لئے اپنی رحمت لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو رسول پیغمبر امی کی (وحی کی) اتباع کرتے ہیں جسکو وہ اپنے پاس تورات میں لکھا پاتے ہیں) پھر موسیٰؑ نے عرض کیا: اے پروردگار میں اپنی قوم کیلئے توبہ کا سوال کرتا ہوں اور آپنے فرمادیا ہے کہ آپکی رحمت میری قوم کے غیروں کیلئے لکھ دی گئی ہے۔ پس کاش آپ مجھے مہلت دیتے اور مجھے انکی طرف نکالتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا چلو انکی توبہ یہ ہے کہ انہیں سے ہر (شخص جو شرک سے پاک رہا ہو) وہ دوسرے کو قتل کرے خواہ وہ والد ہو یا والدہ اور تلوار کے ساتھ قتل کریں۔ اور کوئی پرواہ نہ کریں کہ کون کون قتل ہوا؟

اور بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس سخت توبہ کو دیکھ کر اپنے گناہ کو ظاہر نہ کیا اور ویسے ہی منہ سے توبہ پر اکتفا کرنا چاہا لیکن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰؑ کو انکے متعلق خبر دی پھر انہوں نے واقعی اعتراف کیا اور جسکا حکم ملا تھا اسکی اتباع کی۔ اور اللہ عزوجل نے قاتل اور مقتول دونوں کی مغفرت فرمادی۔

پھر حضرت موسیٰؑ انکو لیکر وادی مقدس کی طرف چلے۔ اور غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد تختیاں اٹھائیں۔

اور جو کچھ ان میں لکھا تھا انکا بنی اسرائیل کو حکم فرمایا:۔ لیکن وہ بھی ان پر بوجھل اور مشکل ہو گیا اور انہوں نے انکار کر دیا کہ انکا اقرار کریں۔ پھر اللہ نے انپر پہاڑ کو معلق فرمادیا گویا کہ وہ بادل ہے۔ اور پھر اتنا قریب ہو

گیا کہ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ اب گرا۔ پھر لاچار فوراً کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور پہاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ کہیں گر ہی نہ جائے۔ اسلئے کتاب ہاتھ میں لے کر اقرار کیا کہ ہم ضرور اسکی ہر بات مان لیں گے تو اللہ پاک نے ان سے پہاڑ کو اٹھادیا۔ پھر یہ چل پڑے حتیٰ کہ وادی مقدس جا پہنچے۔

پھر ایک شہر پایا جس میں جباریں قوم تھی۔ انکی عجیب تخلیق وبناوٹ تھی۔ اور پھر انکے پھلوں وغیرہ کی عجیب کیفیات ذکر کی کہ ایسے ایسے بڑے ہیں۔ پھر بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ اسمیں جباریں قوم ہے) ہمیں ان سے مقابلے کی سکت نہیں اور وہ جب تک شہر میں رہیں گے ہم داخل نہ ہونگے (پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے)

(کہا دو آدمیوں نے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے) آیت کے الفاظ ہیں۔

(قال رجلان من الذین یخافون)

تو یزید راوی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرت ابن عباسؓ نے اسی طرح پڑھا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ تو خیر دو آدمی مان گئے اور کہا ہم موسیٰ پر ایمان لائے پھر اپنی قوم سے کہا تم صرف انکے اجسام اور انکی تعداد سے ڈرتے ہو در حقیقت انکے پاس دل نہیں ہیں اور نہ انکے پاس حفاظت وطاقت ہے پس دروازے سے اندر داخل ہو جاؤ پس جب تم داخل ہو گے تو تم ہی غالب ہونے والے ہو اور لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ موسیٰؑ کی قوم سے تھے اور جو لوگ ڈرتے تھے وہ بولے اے موسیٰؑ ہم تو ہر گز اس میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں۔ پس آپ اور آپکا رب جائیں اور لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)

اس طرح انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو غضبناک کر دیا جس پر حضرت موسیٰؑ نے انکے خلاف بد دعا کی اور انکو فاسقین کے نام سے پکارا۔ اور اس سے پہلے کئی طرح کی مصیبت اور برائیاں بھی دیکھ چکے تھے مگر بد دعا نہ فرمائی تھی مگر اب ایسے الفاظ سے اتنا دل برداشتہ کر دیا کہ آپ اسپر مجبور ہو گئے۔

پھر اللہ نے اپنے کلیم کی بد دعا کی لاج رکھی اور قبول فرمائی اور اللہ نے بھی انکو اپنے کلیم کی طرح فاسق سے نامزد فرمایا۔ اور پھر اللہ نے انپر سزا مقرر فرمائی کہ چالیس سال تک ایک میدان میں قید فرمادیا جس سے وہ کسی طرح باہر نہ نکل سکتے تھے۔ صبح سے سارا دن بھاگتے چلتے رہتے اور کہیں نہ ٹھہرتے۔ اور دھوپ میں اللہ نے انکے لئے بادل مہیا کر دیئے تھے اور گذر بسر کیلئے من وسلویٰ کھانا مقرر فرمادیا تھا۔ اور ایسے کپڑے انکو عطا کر دیئے تھے جو نہ پرانے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے درمیان ایک چوکور پتھر عطاء فرمادیا تھا اور موسیٰ کو حکم دیا کہ اسپر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ہر طرف تین تین چشمے۔ اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا تھا اور جب بھی اگلے دن کسی دوسری جگہ کوچ کرتے تھے پتھر وہیں خود بخود پہنچ جاتا۔

حدیث فتون ختم ہوئی۔

اس حدیث کو ابن عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف مرفوع فرمایا ہے (یعنی آپ سے نقل کی ہے اور مصنف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات سچ ہے کہ معاویہؓ نے ابن عباس کو حدیث بیان کرتے سنا تو ایک مقام پر انکو ٹوکا کہ یہ فرعونی نہیں جس نے موسیٰؑ کے قتل والے راز کو فاش کیا۔ اور وہ کیسے فاش کر سکتا ہے اور اسکو تو

کوئی علم نہ تھااور نہ اسوقت حاضر تھا۔ہاں اسرائیلی ہے جس نے فاش کیااور وہی حاضر تھا۔ تو حضرت ابن عباسؓ غصے میں بھر گئے اور معاویہؓ کا ہاتھ تھامااور سعد بن مالک زھریؒ کے پاس لے گئے اور فرمایااے ابو اسحاق کیاآپکو یاد ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے موسیٰؑ کے مقتول فرعونی کے متعلق حدیث بیان کی تھی (معلوم ہوا کہ یہ مرفوع ہے) توکیاوہ اسرائیلی تھاجس نے راز فاش کیایا فرعونی؟ تو سعد نے فرمایاراز فاش کرنے والا فرعونی ہی تھاجس نے راز کواسرائیلی سے سناتھا۔اوراسرائیلی قتل کے موقع پر حاضر تھا۔

اسی طرح حدیث کوامام نسائی نے بھی ذکر فرمایاہے۔ اور امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسکی اپنی تفسیر میں یزید بن ہارون کی حدیث سے تخریج فرمائی ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتاہے کہ وہ موقوف ہو اور اسکے مرفوع ہونے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم اور اسکا غالب یہی ہے کہ اسرائیلیات میں سے حاصل کردہ ہے اور اسمیں کچھ نظر ہے دوران کلام اسکے مرفوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور جن حصص میں نظر اور نکارت ہے غالب یہ ہے کہ وہ کعب احبارؒ کے کلام سے ماخوذ ہے اور میں نے اپنے شیخ حافظ الحجاج المزی کو یہی فرماتے سناہے۔واللہ اعلم

قبہ الزمان کی تعمیر کا تذکرہ

اہل کتاب کہتے ہیں: کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰؑ کوایک قبہ بنانے کا حکم فرمایاتھاجو شمشاز نامی لکڑی اور مویشیوں کی کھالوں اور بکریوں بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہو۔۔اور اسکے زیب وزینت حریر یعنی رنگے ہوئے ریشم اور سونے چاندی کے ساتھ ہوں۔ اور اسکی تفصیلات اہل کتاب کے ہاں بہت ہیں۔ اور اسکے دس خیمے ہوں ہر ایک کی لسبائی اٹھائیس ہاتھ اور چوڑائی چار ہاتھ ہو اور اسکے چار دروازے ہوں۔ اور ان پر پردے رنگے ہوئے ریشم کے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ جنکا ذکر طویل ہے۔ اور پھر ایک تابوت بنایا جائے وہ شمشاز لکڑی کا ہو اسکا طول ڈھائی ہاتھ اور چوڑائی دوہاتھ اور اسکی اونچائی ڈیڑھ ہاتھ ہو۔ اور خالص سونے کے ساتھ اسکے اندر اور باہر ملمع سازی ہو۔ اور اسکے چار کنڈے چاروں کونوں میں ہوں۔ اور دونوں جانبوں میں ایک ایک فرشتے کا مجسمہ ہو اور وہ سونے کے ہوں اور باقاعدہ انکے پر ہوں۔ اور آمنے سامنے ہوں۔

اور اسکا بنانے والا ایک شخص صلیاں نامی تھا۔

اور یہ بھی حکم ملا کہ ایک دستر خوان اسی لکڑی کا بنایا جائے جسکی طوالت دوہاتھ اور عرض ڈھائی ہاتھ ہو اور اسکی رنگائی سونے سے ہو اور سونے کے جڑاؤ ہوں اور سونے کا ٹیکا یا تاج ہو۔ اور چار کونوں میں چار حلقے سونے کے ہوں۔ اور چاروں کو انار کی طرح گول لکڑی میں باندھا گیا ہو اور وہ لکڑی سونے سے رنگ شدہ ہو۔ اور پھر دستر خوان پر پلیٹیں اور پیالے اور چمچے ہوں۔ اور پھر ایک سونے کا ستارہ بنایا جائے جسمیں چھ سونے کیے سرکنڈے کی طرح ڈنڈیاں گڑی ہوں ہر جانب سے تین تین ہوں۔ اور ہر ڈنڈی پر تین تین چراغ ہوں۔ اور منارے میں

چار قندیلیں روشن ہوں اور یہ سب برتن اور اشیاء سونے کی ہوں۔
اور اسکو بھی صلیاں نے بنایا
اور یہ قبہ انکے سال کے پہلے دن میں نصب کیا گیا اور یہ ربیع کا پہلا دن تھا۔
اور اس تابوت کی شہادت (واللہ اعلم) قرآن سے بھی ملی ہے فرمان الٰہی ہے۔
اسکی سلطنت کی علامت یہ ہو گی کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا جسمیں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینہ اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ متروکہ (یعنی انکی نشانیاں ہونگی اور) اس کو ملائکہ اٹھائے ہونگے۔ بے شک اسمیں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو)[1]

اور اسکی شرح و تفصیل اہل کتاب کی کتاب اللہ میں بہت طویل ہے۔ اور اسمیں انکی شریعت اور اسکے احکام اور انکی قربانی کی صفت و کیفیت تھی۔ اور اسمیں یہ بھی درج ہے کہ قبہ الزمان بچھڑے کی عبادت سے پہلے کا ہے اور بچھڑے کی عبادت بیت المقدس آنے سے پہلے ہوئی۔

اور قبہ الزمان انکے لئے کعبہ کی مانند تھا اسکی طرف نماز وغیرہ میں رخ کیا جاتا تھا۔ اور اسکے قرب کو تبرک سمجھا جاتا تھا۔ اور جب موسیٰ اسمیں داخل ہوتے تو لوگ اسکے آس پاس کھڑے ہو جاتے۔

اور پھر اسکے دروازے پر بادلوں کے ستون سے چھا جاتے تھے اور سب خدائے لایزل کیلئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اور یہ بادل نور کا ہوتا جو بیچ میں پردے کے طور پر حائل ہوتا اور اسکے ورے سے اللہ عزوجل کا خطاب حضرت موسیٰؑ کو سنائی دیتا اور دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی اور اللہ کی طرف سے احکام یعنی اوامر و نواہی کا سلسلہ چلتا۔ اور حضرت موسیٰؑ اس اثناء میں تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہوتے۔ پھر جب خطاب ختم ہوتا تو حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو وحی میں جو اوامر و نواہی نازل ہوتے انکی خبر دیتے۔

اور جب بنی اسرائیل کو کوئی ایسا جھگڑا یا مسئلہ حضرت موسیٰ کے پاس لاتے جسکا اللہ کی طرف حضرت موسیٰؑ کے پاس کوئی حکم نہ ہوتا تو آپ اسی قبہ الزمان کے پاس آتے اور تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہو جاتے۔ پھر انکے پاس اس مسئلے کا فیصلہ نازل ہوتا۔

اور یہ چیزیں انکے مذہب و دین میں مشروع تھیں یعنی سونا چاندی ریشم ہیرے موتی وغیرہ کے وہ اپنے عبادت خانوں میں سجا سکتے ہیں۔ لیکن ہماری شریعت میں جائز نہیں بلکہ ہمیں مساجد کی زیادہ زیب و زینت سے منع کیا گیا ہے تاکہ نمازی انمیں مشغول نہ ہو جائیں۔

جیسے حضرت عمرؓ کا فرمان ہے جب مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کی گئی تو اسکے معمار جسکی کینت ابن الناس تھی تو اسکو حضرت عمر نے فرمایا
مسجد کو سرخ یا زرد کرنے سے بچنا نہیں تو تم لوگوں کو فتنے میں ڈال دوگے۔
اور ابن عباسؓ نے فرمایا مسجدوں کو اس طرح نہ رنگو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے کینسوں کو رنگا۔ اور یہ

---
[1] بقرہ ۲۴۸

ہم امت محمدیہ کیلئے شرافت وکرامت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ یہ امت پہلی امتوں جیسی نہیں ہے اسلئے کہ اللہ نے انکی فکروں، توجہ کو اپنی طرف نماز میں مشغول کروایا۔ اور اپنے علاوہ ہر چیز سے انکی نگاہوں دلوں کو محفوظ رکھا اور یہ عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اور اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں۔

اور یہ قبۃ الزمان بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ میں بھی تھا۔ اسکی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور یہ انکا قبلہ وکعبہ تھا اور انکے امام موسیٰ کلیم اللہ تھے۔ اور حضرت ہارونؑ ان کی قربانیاں وغیرہ آگے پیش کرنے والے تھے۔

پھر حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی اسکے بعد حضرت موسیٰؑ کی وفات ہوئی۔ اور اب تک ہاورنؑ کی اولاد اپنے جد امجد کے رسم پر ہے قربانی وغیرہ یا جو بھی ان کے فرائض تھے اور نبوت اور اسکے امور ومعاملات کے نگہبان حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشع بن نون جو آپکے ساتھ تھے وہ بنے اور پھر یوشع بنی اسرائیل کو لیکر بیت المقدس میں بھی داخل ہوئے اس کا تذکرہ آگے آنے والا ہے اور یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جب آپکو بیت المقدس پر غلبہ ملا تو آپ نے یہ قبۃ الزمان اسکی چٹان پر نصب کروادیا۔ پھر اسکی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جانے لگی۔ اور جب سے حضورؐ کے زمانے تک اس چٹان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی رہی اور حضور اکرم محمد ﷺ نے بھی ہجرت سے پہلے اسکی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی ہے۔ اور عام طور پر کعبہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ملا تو پھر دوبارہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ملا۔ پھر سولہ مہینے اسکی طرف رخ فرمایا اور ایک قول ہے سترہ مہینے پھر قبلہ کعبہ ابراہیم کی طرف منتقل ہوا اور یہ تبدیلی دوسرے سال ماہ شعبان ظہر یا عصر کی نماز میں ہوئی جیسے اسکی تفصیل ہم اپنی تفسیر میں سیقول سے سورہ بقرہ کی ۱۴۲ سے ۱۴۴ تک کی آیتوں کے تحت کر چکے ہیں۔

قارون کے ساتھ موسیٰؑ کا قصہ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر ہی تعدی کرتا تھا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ انکی کنجیاں طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتی۔ جب اسکی قوم نے کہا اتراؤ مت خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جو مال تمکو خدا نے عطا فرمایا اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے، اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائے[1] اور جیسی تم سے خدا نے بھلائی کی ویسے تم بھی لوگوں سے بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ ہو کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

تو بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے کہا اسکو معلوم نہیں خدا نے اس سے پہلے بھی بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھکر اور جمعیت میں بیشتر تھی۔ ہلاک کر ڈالی ہیں۔ اور گناہ گاروں سے انکے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ تو ایک روز قارون نے بڑی (آرائش کی) اور ٹھاٹھ سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ بڑا ہی صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے تم پر افسوس مومنوں اور نیکو کاروں کیلئے (جو) ثواب خدا کی ہاں تیار ہے وہ کہیں ہی بہتر ہے۔ اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ملے گا پس ہم نے قارون کو اور اسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو خدا کے سوا کوئی جماعت اسکی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلا لے سکا۔ اور لوگ جو اسکے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! خدا ہی تو ہے اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسکے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے۔

وہ جو آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کیلئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں کا ہے[1]

اعمش، منہال بن عمرو سے اور وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قارون موسیٰ کا چچیرا (چچازاد) بھائی تھا۔ اور ابراہیم نخعیؒ، عبداللہ بن حارث ابن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج سب کا یہی کہنا ہے

اور آپ نے یہ اضافہ فرمایا کہ انکا نسب یوں ہے قارون بن قارون بن یصہب بن قاھث، اور موسیٰ بن عمران بن قاھث

ابن جریرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ کہ وہ موسیٰ کے چچا کے بیٹے تھے اور ابن اسحاقؒ نے یہ قول رد فرمایا ہے کہ وہ موسیٰ کے چچازاد تھے۔

---

[1] القصص ۷۶ تا ۸۳

اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اسکو منور کہا جاتا تھا کیونکہ اسکی تورات کی تلاوت میں آواز بہت حسین تھی لیکن تھا اللہ کا دشمن اور منافق جیسے کہ سامری تھا پھر اللہ نے اسکو اسکے مال سمیت ہلاک فرمادیا اور شہر بن حوشبؒ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے لباس کو ایک بالشت زیادہ لمبا رکھتا تھا اپنی قوم پر بڑائی جتاتے ہوئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسکے خزانوں کی کثرت بیان فرمائی ہے حتیٰ کہ اسکے خزانوں کی چابیاں بھی ایک بڑی جماعت نہ اٹھا سکتی تھی۔ اور جماعت بھی طاقتور لوگوں کی۔ اور ایک قول ہے کہ وہ چابیاں چمڑے کی تھیں اور ساٹھ خچر انکو اٹھاتے تھے واللہ اعلم۔

اور اسکو اسکی قوم کے واعظین نے خیر خواہی کے ساتھ نصیحت فرمائی کہ "لا تفرح" کہ اکڑ مت یعنی جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اسپر بڑائی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ (بے شک اللہ اکڑنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اسمیں آخرت کے گھر (کی کامیابی) تلاش کر) وہ اسکو سمجھاتے کہ اس مال کے ذریعے آخرت حاصل کر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے (اور دنیا سے اپنا حصہ بھی لے لے اور) ساتھ ساتھ لوگوں پر (اور احسان کر جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے)

تو اسکا جواب بس یہ ہوتا کہ (کہتا مجھے تو میرے علم کی وجہ سے (یہ مال دولت) عطا کیا گیا ہے) یعنی جو تم ذکر کرتے ہو میں اسکی طرف محتاج نہیں ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عطا کیا ہے یہ میرے علم کی بدولت عطا کیا ہے جسکا میں حقدار تھا۔ اگر میرا اللہ کے ہاں مرتبہ نہ ہوتا اور میں اسکا حبیب نہ ہوتا تو وہ مجھے اتنا مال نہ عطا کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسکی بات کو رد کرنے کیلئے فرمایا (کیا اسکو پتہ نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کئی زمانے والوں کو ہلاک کیا جو اس قوت اور (مال) جمع کرنے میں بہت زیادہ تھے اور مجرمین سے انکے گناہوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔)

یعنی ہم نے پہلی امتوں کو نیست و نابود اور اپنے عذاب سے بری طرح دو چار کیا انکے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اور وہ اس سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ، مالدار اور اولاد دار تھے پس اگر اس قارون کی بات صحیح ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مالداروں پر عذاب نہ کرتے۔ اسی طرح اسکے ہمارے ہاں محبوب ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہماری ذرہ اسکی طرف توجہ کی دلیل ہے جیسے فرمان الٰہی ہے۔

(اور تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارے قریب کا کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے) اور فرمان الٰہی ہے (کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انکو انکے مال اور بیٹوں کی وجہ سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ہم انکی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور یہ تردید ہمارے قول کی تصحیح کرتی ہے کہ اسکو مال و دولت کمایا اور اسم اعظم کی وجہ سے نہیں ملا۔

بہر حال بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ کیمیا کا فن جانتا تھا۔ یا بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ جسکی وجہ سے اس نے مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیمیا تو اسو جہ سے کہ

وہ خیالی اور صنعتی چیز ہے حقائق کو نہیں بدل سکتی۔ اور نہ خالق کی صنعت کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ اور اسم اعظم تو اسکے ساتھ کافر کی دعا قبول نہیں ہو سکتی اور قارون باطن میں کافر اور ظاہر میں منافق تھا۔ پھر اسکا جواب جو گذر چکا ان دو تقدیروں پر صحیح نہیں بیٹھ سکتا اور دونوں باتوں کے درمیان کوئی تلازم اور موافقت نہیں رہتی۔ اور اپنی کتاب تفسیر ابن کثیر میں اسکی وضاحت کر چکے ہیں۔ اور اسپر تمام تعریفیں اور احسان اللہ ہی کیلئے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے قارون اپنی زینت میں اپنی قوم کے پاس نکلا مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ انتہائی عظیم شان و شوکت اور بناوٹ و سنگھار میں نکلا۔ اور ساتھ میں اسی طرح عمدہ سواریاں اور حشم و خدام تھے۔ پس جب دنیا کے لالچیوں نے اسکو دیکھا تو حسرت و تمنا کرنے لگے کہ کاش انکو بھی اسی طرح مال و دولت ملتا۔ اور اسکے مال و دولت پر رشک کیا۔ انکی بات کو علماء زھاد جو عقل مند اور دنیا سے بے رغبت تھے انہوں نے سنا تو کہا (افسوس تم پر: اللہ کا ثواب زیادہ بہتر ہے اس کیلئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے) یعنی اللہ کا ثواب آخرت کے گھر میں زیادہ بہتر اور باقی رہنے والا اور بڑا اور بہت اعلی ہے۔ فرمان الٰہی ہے (اور نہیں پاتے اس (نصیحت) کو سوائے صابرین کے۔) یعنی یہ نصیحت اور یہ گفتگو اور یہ بلند ہمت جو آخرت کے عالی گھر کیلئے ہے جب انسان اس کمینی دنیا کو اپنی شان و شوکت کے ساتھ دیکھے تو یہ اسی کیلئے حاصل ہو سکتی ہے جسکے دل میں اللہ ہدایت روشن کر دیں اور اسکے دل کو ثابت و مضبوط فرما دیں اور اسکی عقل کو اپنی تائید عطا فرمائیں۔ اور اسکی مراد کو حق کر دیں۔ اور کس قدر اچھی بات ہے جو بعض بزرگوں نے فرمائی۔

کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس نگاہ کو پسند فرماتا ہے جو شبہات کے موقع پر (احتیاط کے ساتھ) گذر جائے اور عقل کامل کو شہوات کے موقع پر محفوظ رکھے۔

فرمان الٰہی ہے (پس ہم نے اسکو اور اسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اسکے لئے کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اسکی مدد کر سکے۔ سوائے خدا کے اور وہ نہ بدلہ پانے والوں میں سے تھا۔)

جب اللہ نے اسکے زیب و زینت اور شان و شوکت کے ساتھ قوم پر نکلنے کو بیان فرمایا تو آگے یہ فرمایا کہ ہم نے اسکو اور اسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا)

اسی طرح امام بخاری نے زھری عن سالم عن ابیہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

اور ابن عباسؓ اور سدیؒ سے منقول ہے کہ قارون نے ایک بدکار عورت کو مال کے لالچ میں اس بات پر تیار کیا کہ وہ موسیٰ کے متعلق جب وہ لوگوں کے مجمع میں ہوں یہ کہہ دے کہ تو نے میرے ساتھ ایسے ایسے (برا کام) کیا ہے کہا جاتا ہے کہ آپ عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکو قسم دی کہ سچ سچ بتا کہ کس بات نے تجھے اس پر اکسایا ہے؟

تو عورت نے سچ اگل دیا کہ قارون نے اسکو اکسایا تھا۔ اور پر اس نے استغفار کیا اور اللہ سے توبہ کی تو تب موسیٰ سجدے میں گر پڑے اور قارون کے خلاف بد دعا کی تو اللہ نے وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو آپکی اطاعت کرنے کا حکم دیدیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ نے زمین کو قارون اور اسکے گھر کو نگل جانے کا حکم دیا تو وہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

کہا گیا ہے کہ جب قارون زیب و زینت اور لباس و خچروں کے لور چشم و خدم (کے ساتھ نکلا تو (جان کر) موسیٰ کی مجلس پر گذرا اور حضرت موسیٰ لوگوں کو اللہ کے ایام بتا رہے تھے۔ جب لوگوں نے اسکو دیکھا تو اکثر لوگوں کے چہرے موسیٰ سے ہٹ کر قارون کی طرف مڑ گئے تو موسیٰ نے اسکو بلایا اور پوچھا (قارون) تجھے اس قدر (بھڑک کر) چلنے پر کس نے مجبور کیا؟ تو اس نے کہا اے موسیٰ اگر آپکو نبوت کے ساتھ فضیلت دی گئی تو مجھے تجھ پر مال کے ساتھ فضیلت دی گئی۔ اور اگر تو چاہے تو نکل اور میرے خلاف بد دعا کر اور میں تیرے خلاف بد دعا کرتا ہوں تو دونوں اپنی قوم کے ساتھ نکلے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تو بد دعا کرتا ہے یا میں کروں؟

تو قارون نے کہا: میں کرتا ہوں۔ پھر بد دعا کی مگر قبول نہ ہوئی پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا میں کروں؟ کہا ہاں (تو حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے اللہ زمین کو حکم فرمائیے کہ وہ میری اطاعت کرے تو اللہ نے وحی فرمائی میں نے کر دیا)

تو حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے زمین انکو پکڑ لے۔ تو زمین نے انکو قدموں تک نگل لیا پھر فرمایا نگل لے پھر گھٹنوں تک نگل لیا پھر شانوں تک نگل لیا پھر فرمایا انکے خزانوں اور اموال کو بھی لے لے پھر زمین نے انکے اموال کو نگلنا شروع کیا اور یہ بھی دیکھ رہے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اشارہ فرمایا کہ اے زمین بنی لاوی (یعنی قارون اور اسکے ساتھ والوں کو) لے جا۔ تو زمین انکے ساتھ برابر ہو گئی۔

حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ وہ ہر روز ایک قد آدم کی بقدر دھنسائے جاتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ساتویں زمین تک دھنس جائیں گے اور اکثر مفسرین نے بہت سی اسرائیلی روایات کو ذکر کیا ہے۔ جن سے ہم پہلو تہی کرتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے (پس اسکے لئے کوئی جماعت نہ تھی جو اسکی مدد کرتی سوائے اللہ کے۔ اور وہ بدلہ لینے والوں میں سے بھی نہ تھا) یعنی نہ خود اپنی حفاظت کر سکا اور نہ کوئی دوسرا۔

اسی طرح سورہ طارق میں فرمایا (پس نہیں ہے اسکے لئے کوئی قوت اور نہ مددگار۔)

اور جب عذابوں کی بارش اتر چکی۔ دھنسا اور حال کا تباہ ہونا گھروں کا ویران ہونا جانوں اور اہل و عیال اور زمینوں کا تباہ و برباد ہونا سب کچھ نازل ہو چکا تو جن لوگوں نے قارون کے مال کی مثل کی تمنا کی تھی وہ اپنی سوچ اور غلط بات پر انتہائی نادم و پشیمان ہوئے۔ اور اللہ عز و جل کا شکر ادا کیا۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں کیلئے بہت اچھی اچھی تدبیریں فرماتا ہے اور اسی وجہ سے فرمایا (اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہمیں زمین میں دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی: کافر لوگ فلاح نہ پائیں گے)

اور آیت کے لفظ (وَیکَاَنَّ) پر ہم تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں (وَیکَاَنَّ) کا معنی ہے الم تر ان۔ یہ بات معنوی اعتبار سے بہت اچھی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ (آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین پر نہ برائی چاہتے ہیں نہ فساد) اور آخرت کا گھر دائمی گھر ہے۔ اور یہ گھر جسکو ملے گا وہ رشک کرے گا۔ اور جو محروم ہوگا وہ افسوس و ندامت کرے گا اور یہ گھر انکے لئے ہے جو بڑائی نہیں چاہتے بڑائی کا مطلب ہے تکبر، فخر، اکڑ، شرارت اور وہ فساد بھی نہیں مچاتے۔ فساد کہتے ہیں ایسے گناہ کے کام جو لازمی اور متعدی ہوں یعنی انکا وبال دوسروں تک بھی پہنچے جیسے لوگوں کا مال ناجائز حاصل کرنا۔ اور انکی معیشت کو خراب کرنا اور انکے ساتھ برائی کرنا اور خیر خواہی کو چھوڑنا۔

اور فرمایا بہترین انجام متقین کیلئے ہے۔

اور قارون کا یہ بدترین انجام انکے مصر میں سے نکلنے سے پہلے کا ہے کیونکہ فرمان ہے (پھر ہم نے اسکو اور اسکے گھر کو زمین میں دھنسادیا) اور گھر عماراتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ اور مصر سے نکلنے کے بعد تو وہ میدانوں ہی میں گھومتے پھرتے رہے تھے۔

اور دار یعنی گھر محلّہ کو بھی کہا جاتا ہے جسمیں کئی بیت اور منزلیں ہوتی ہیں۔

اور اللہ عزوجل نے قارون کی مذمت کئی جگہ آیات قرآنیہ میں بیان فرمایا ہے فرمان الٰہی ہے:

(اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف پھر وہ کہنے لگے یہ جھوٹا جادوگر ہے)[1]

اور اللہ عزوجل سورہ عنکبوت میں عاد و ثمود کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں (اور قارون اور فرعون اور ھامان والے نہ تھے۔ مگر ہر ایک کو ہم نے اسکے گناہ کی بدولت پکڑ لیا۔ پس انمیں سے کچھ کے اوپر ہم نے پتھر (کا عذاب) بھیجا اور بعض وہ ہیں جن کو چیخ نے پکڑ لیا اور بعض وہ ہیں جنکو ہم نے زمین میں دھنسادیا اور ان میں سے وہ ہیں جنکو ہم نے غرق کردیا اور اللہ نہیں ہے جو ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)[2]

تو جو زمین میں دھنسائے گئے وہ قارون ہے اور جو غرق کردیئے گئے وہ فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر ہیں بے شک وہ خطاکار تھے)

[3] مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا۔ فرمایا:

جس شخص نے نماز پر محافظت کی تو نماز انکے لئے قیامت میں حجت اور نجات کا سبب ہوگی۔ اور جو نماز پر محافظت نہ کرے گا تو نہ اسکے لئے نور ہوگا نہ حجت اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔

اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ اسکی روایت میں امام احمد متفرد ہیں۔

---

[1] مومن ۲۳۔۲۴ [2] عنکبوت ۳۹۔۴۰،

[3] وقد قال الامام احمد: حدثنا ابو عبدالرحمن، حدثنا سعید، حدثنا کعب بن العلقمة، عن عیسی بن هلال، عن عبدالله بن عمرو: النبی ﷺ

حضرت موسیٰؑ کے فضائل، عادات
صفات اور وفات کا تذکرہ

فرمان الٰہی ہے (اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بے شک وہ برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے۔ اور ہم نے انکو طور کی داہنی طرف پکارا اور باتیں کرنے کیلئے نزدیک بلایا۔ اور اپنی مہربانی سے انکو انکا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔)[1]

اور دوسری جگہ فرمایا: (کہا: اے موسیٰ: بے شک میں نے آپکو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا پس لے لے وہ جو میں نے تجھ کو دیا اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جایئے) [2]

اور صحیحین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو بے شک قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہونگے پس سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو میں موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے پاوں گا۔ تو مجھے پتہ نہ چلے گا کہ انکو بے ہوشی طاری ہوئی ہے اور مجھ سے پہلے ہوش آگیا ہے یا پھر طور کی بے ہوشی کے بدلے (انکو اب بے ہوشی نہ) ہوئی۔

اور اسی کے ضمن میں یہ بات بھی پہلے ذکر کی جاچکی کہ یہ فرمان رسول آپ کی تواضع اور عاجزی وانکساری کی بناء پر تھا ورنہ توآپ صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ۔ خاتم الانبیاء اور اولاد آدم کے دنیا وآخرت میں سردار تھے اور یہ بات قطعی یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور نہ اسکے خلاف کا احتمال ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے (بے شک ہم نے آپکی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور اسکے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی اور داوٗد کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جنکے حالات ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جنکے حالات تم سے بیان نہیں کیے۔ اور موسیٰؑ سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔) [3]

اور ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے (اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے انکو انکے بہتان سے بری فرمایا اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے۔)

[4] بخاری فرماتے ہیں، حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ حضرت موسیٰؑ حیاو پردے دار شخص تھے کوئی شخص حیا کی وجہ سے انکے جسم کا کوئی حصہ نہ دیکھ سکتا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آپکو اذیت دی اور کہنے لگے یہ اس قدر سخت پردہ جسم کے کسی عیب کی وجہ

---

[1] مریم ۵۱۔۵۳، [2] اعراف ۱۴۴، [3] النساء ۱۶۳تا۱۶۴

[4] قال الامام ابو عبدالله البخاری : حدثنا اسحاق بن ابراهیم بن روح بن عباده ، عن عرف عن الحسن ومحمد وخلاس عن ابی هریره قال.....

سے کرتے ہیں یا تو برص ہے یا خصیتین پھولے ہوئے ہیں یا (اس قسم کی) کوئی اور آفت ہے تو اللہ عزوجل نے انکو اس الزام سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو ایک دن حضرت موسیٰ تنہا ہوئے اور اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے اور غسل فرمانے لگے جب فارغ ہوئے تو کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اٹھالیں۔ لیکن پتھر کپڑے لیکر دوڑ پڑا۔ اور موسیٰ نے اپنی عصا لی اور پتھر کو پکڑنے کیلئے پیچھے آئے اور زبان سے فرماتے جا رہے تھے میرے کپڑے اے پتھر، میرے کپڑے، اے پتھر، بھاگے بھاگے بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انہوں آپ کو برہنہ حالت میں اس قدر حسین جسم کے ساتھ دیکھا کہ (گویا) مخلوق میں سب سے اچھے ہیں۔ اور اس طرح اللہ نے انکو انکی افواہوں سے بری فرمادیا۔

اور پتھر بھی ٹھیر گیا اور حضرت موسیٰؑ نے کپڑے لئے اور زیب تن فرمائے۔ اور پھر لاٹھی لیکر پتھر کو مارنا شروع ہوئے اللہ کی قسم حضرت موسیٰؑ کی تین یا چار یا پانچ چوٹوں ہی سے پتھر رو پڑا۔[1]

اور یہی مطلب ہے اس آیت کا (اے ایمان والو: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے انکو انکی افواہ سے بری فرمایا۔ اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے)

بعض بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ انکے اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ ہونے کی مثال دیکھ لیجئے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے بھائی کے متعلق سفارش کی اور عرض کی کہ انکو میر او زیر بنادیا جائے۔ تو اللہ نے انکی مراد پوری فرمائی اور مزید انکو نبوت بھی عطا کی۔ جیسے فرمایا (اور ہم نے اس (موسیٰ) کو اپنی رحمت سے انکا بھائی ھارون نبی (بناکر) دیا)

اس طرح حضرت موسیٰؑ کی عظمت وصبر پر مندرجہ ذیل حدیث ہے کہ بخاری میں ہے۔

کہ حضرت عبداللہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک تقسیم فرمائی پھر ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی رضا مطلوب نہیں تو میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسکی خبر دی تو آپ غصے میں آگئے حتی کہ میں نے غصے کے آثار آپکے چہرے میں ملاحظہ کئے پھر آپ نے فرمایا: اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے انکو اس سے بھی زیادہ اذیتیں دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا۔[2]

[3] اور مسند احمد میں.... عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کے متعلق بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے صاف دل کے ساتھ ملوں۔ اور راوی نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مال آیا آپ نے تقسیم فرمادیا تو پھر میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرا تو ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا اللہ کی قسم محمد (ﷺ) نے اس تقسیم کے ساتھ اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کو طلب نہیں کیا۔ پھر وہ ٹھہر گیا حتی کہ میں نے دونوں کی بات سنی پھر میں حضور کی

---

[1] وقد رواه الامام احمد من حديث عبدالله بن شقيق وهمام بن منبه عن ابى هريره به و هو فى الصحيحين من حديث عبدالرزاق عن معمر عن همام عنه به . ورواه مسلم من حديث عبدالله بن شفيق العقيلى عنه .

[2] وكذا رواه مسلم من غير وجه عن سليمان بن مهران الاعمش به ، [3] وقال الامام احمد : حدثنا احمد بن حجاج ،سمعت اسرائيل بن يونس ؛ عن الوليد بن ابى هاشم مولى لهمدان ، عن زيد بن ابى زائد عن عبدالله بن مسعود

خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی بات مجھ تک نہ پہنچائے اور میں فلاں شخص کے پاس سے گذرا اور وہ ایسی ایسی بات کہہ رہے تھے تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا اور یہ بات انکی آپ کو انتہائی شاق گذری پھر فرمایا۔

بس ہمیں چھوڑو بے شک موسیٰ کو اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا[1]

...... اور صحیحین میں حدیث معراج میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا موسیٰ پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرمارہے ہیں۔ اور مسلم نے اسکو انس سے روایت فرمایا۔

اور صحیحین میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ انس بن مالک بن صعصہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ معراج والی رات چھٹے آسمان میں موسیٰ کے پاس سے گذرے تو جبرئیل نے آپکو فرمایا یہ موسیٰ ہیں تو حضور نے انکو سلام کیا حضور فرماتے ہیں : میں نے انکو سلام کیا تو کہا کہ خوش آمدید ہو نبی صالح کو اور برادر صالح کو پھر جب میں گذر گیا تو آپ رو پڑے ان سے کہا گیا کہ کس چیز نے آپ کو رلا دیا؟ فرمایا کہ میں روتا ہوں کہ یہ لڑکا (حضور ﷺ) میرے بعد بھیجا گیا اور اسکی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہو گی۔

اور حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کا ذکر ساتویں آسمان میں ہے اور یہی صحیح و محفوظ ہے۔ اور شریک بن ابی نمر کی حدیث میں انس سے مروی ہے کہ ابراہیم چھٹے آسمان اور موسیٰ ساتویں آسمان میں ملے۔ تو یہ کلام اللہ کو فضیلت (دینے کی وجہ سے کیا۔ ورنہ کئی حفاظ (حدیث) نے ذکر کیا ہے کہ اکثر جید یعنی صحیح اور سند کی عمدہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ چھٹے آسمان میں ملے اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان میں ملے۔ اور حضرت ابراہیم کی پشت کی ٹیک بیت معمور تھی جس پر روز ستر ہزار فرشتے طواف کی غرض سے داخل ہوتے ہیں اور پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی) اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں تھیں۔ تو آپ پھر موسیٰ کے پاس سے گذرے تو حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

واپس جائیے اور اپنی امت کیلئے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ میں بنی اسرائیل کو بہت آزما چکا ہوں۔ اور آپکی امت تو کانوں آنکھوں دلوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان باربار آتے جاتے رہے۔ اور ہر مرتبہ نماز میں تخفیف ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ دن ورات میں پانچ نمازوں تک تخفیف ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہیں پانچ لیکن ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔

پس اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور ہماری طرف حضرت موسیٰ کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

[2] بخاری میں ...... حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس

---

[1] وهكذا رواه ابو داود والترمذی من حديث اسرائيل عن الوليد بن ابی هاشم بن وفی روايته الترمذی وقال داود من طريق ابن عبد عن اسرائيل عن السدی عن الوليد به وقال الترمذی : غريب من هذا الوجه [2] وقال البخاری حدثنا مسدد، حدثنا حصين بن نمير عن حصين بن عبدالرحمن، عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال

تشریف لائے اور فرمایا:۔ مجھ پر امتیں پیش کی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت کو دیکھا جس نے افق کو بھی ڈھک دیا تھا تو کہا گیا کہ یہ موسیٰ ہیں اپنی قوم کے درمیان۔ اس حدیث کو امام بخاری نے یہاں مختصر بیان فرمایا ہے اور امام احمد نے اس حدیث کو کچھ طویل بیان فرمایا ہے کہ.....[1] حصین بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کس نے گذشتہ رات ٹوٹا ستارا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا میں نے دیکھا لیکن میں لالچ میں نہ تھا لیکن مجھے بچھو وغیرہ نے ڈس لیا تھا تو سعیدؒ نے دریافت فرمایا اور پھر تو نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے جھاڑ پھونک کر لی تھی پوچھا کس بات نے اسپر اکسایا؟ میں نے عرض کیا: ایک حدیث ہے جو ہمیں شعبی نے بریدہ اسلمی سے بیان کی ہے کہ فرمایا! نہیں ہے جھاڑ پھونک سوائے بد نظری کے یا بخار کے۔ تو سعید نے فرمایا بے شک بہت اچھا کیا جس نے مجھ تک اپنا سنا ہوا پہنچایا۔

پھر حضرت سعید نے فرمایا ہمیں ابن عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کی کہ حضور نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں تو میں نے ایک نبی کے ساتھ قوم دیکھی اور ایک نبی کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے اور ایک نبی کو دیکھا اسکے ساتھ کوئی نہ تھا۔ پھر میرے سامنے بڑی عظیم جماعت آئی میں نے پوچھا یہ میری امت ہے؟ فرمایا گیا نہیں یہ موسیٰ اور اسکی قوم ہے۔ لیکن آپ افق کی طرف دیکھئے تو وہاں عظیم بہت بڑی جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب بھی دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا کہ یہ سب آپکی امت ہے اور اسمیں ستر ہزار ایسے آدمی ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور بغیر عذاب کے داخل ہونگے۔

پھر حضور اکرم ﷺ اٹھے اور گھر تشریف لے گئے پھر قوم اس کے متعلق بات چیت میں مصروف ہو گئی کچھ کہنے لگے کہ یہ بغیر حساب کتاب کے داخل ہونے والے کون ہو سکتے ہیں؟ تو بعض نے کہا شاید یہ وہ ہیں جنہوں نے حضور کی صحبت مبارک اٹھائی ہو گی بعض نے کہا شاید وہ ہو سکتے ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک بھی اللہ کے ساتھ بالکل نہیں کیا۔ اور لوگوں نے بھی اپنی رائے دی۔

پھر حضور اکرم ﷺ دوبارہ تشریف لائے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ جس میں لگے پڑے ہو؟

تو لوگوں نے آپکو اپنی اپنی بات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا۔

یہ وہ لوگ ہونگے جو داغتے نہ ہونگے (پہلے لوگ جانوروں کو اور اپنے جسموں کو لوہے سے مرض کی وجہ سے داغ دیتے تھے اس سے منع فرمایا) اور وہ (ناجائز) جھاڑ پھونک بھی نہ کرتے ہوں اور نہ بد فالی لیتے ہوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

پھر عکاشہؓ بن محصن اسدی اٹھے اور پوچھا ہاں۔ پھر ایک اور صحابی اٹھا اور یہی سوال کیا تو فرمایا یا رسول اللہ میں بھی انہی میں سے ہوں؟ فرمایا تجھ سے عکاشہ سبقت لے گیا۔

---

[1] وقد رواہ الامام احمد فقال، حدثنا شریح حدثنا ھشام، حدثنا حصین بن عبدالرحمن قال کنت عند سعید بن جبیر فقال

اور اس حدیث کے بہت سے عمدہ طرق ہیں اور یہ صحاح (یعنی بخاری و مسلم) اور حسان (یعنی بقیہ بڑی کتب حدیث جو احادیث صحیحہ پر مشتمل ہوں، ان میں بھی ہے۔ اور انکو ہم نے قیامت کے احوال میں ہولناکیوں کے ذکر کے موقع پر جنت کی صفات میں ذکر کیا ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کا بہت زیادہ ذکر فرمایا ہے اور انکی تعریف فرمائی ہے اور انکے قصہ کو بار بار ذکر فرمایا ہے اور بہت تکرار فرمایا ہے کہیں طویل کہیں متوسط کہیں مختصر اور اسکے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی بہت بہت عمدہ تعریف فرمائی ہیں۔

اور اکثر مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر فرمایا ہے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اور جب انکے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر (آخر الزمان) آئے اور انکی (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انمیں سے ایک جماعت نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔[1]

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا الم خدا (جو معبود برحق ہے) اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہمیشہ رہنے والا اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اسی نے تورات اور انجیل نازل کی۔ (یعنی) لوگوں کی ہدایت کیلئے (تورات اور نجیل اتاری) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہو گا اور خدا زبر دست اور بدلہ لینے والا ہے۔[2]

اور سورہ انعام میں فرمایا :۔ اور ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہیئے تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا خدا نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسکو کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔ اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے ان (کے کچھ حصے) تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔ اور ان کو وہ باتیں سکھائی گئیں جنکو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو (اس کتاب کو) خدا ہی نے (نازل کیا تھا) پھر انکو چھوڑ دو کہ اپنی بے ہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور جو اسلیئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اسکے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعریف نازل فرمائی اسکے بعد قرآن کریم کی تعریف و تکریم بیان کی۔

اور دوسری جگہ فرمایا : (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ ان لوگوں پر جو نیکو

---

[1] بقرہ ۱۰۱ [2] آل عمران ا۔۴ [3] انعام ۹۱ تا ۹۲۔

کار ہیں نصیحت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (انکی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔ اور (اے کفر کرنیوالو) یہ کتاب بھی ہم نے اتاری ہے برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔[1]

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا: بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اس کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) اور تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا۔ اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں یہاںتک کہ فرمایا: ۔ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام خدا کے اسمیں نازل فرمائے ہیں اسکے مطابق حکم دیا کریں اور جو خدا نے نازل کیئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیگا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اسکے مطابق انکا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے انکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا جو حکم اسنے تمکو دیئے ہیں انمیں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو۔ وہ تم کو بتادے گا۔[2]

تو قرآن کریم نے تمام کتابوں کے متعلق حکم نازل فرمایا ہے اور قرآن کو انکے لئے مصدق اور مبین بنایا گیا ہے۔ اور جو تادیل و تحریف انمیں کی گئی اسکے متعلق بھی خبر دی۔ کیونکہ اہل کتاب نے کتاب کو اپنے ہاتھوں میں لیا لیکن صحیح حفاظت نہ کر سکے اور انمیں تغیر و تبدل واقع ہو گیا اور یہ انکی علوم میں کم فہمی اور کم عقلی تھی جس کی بناء پر یہ ہوا اور اسپر انکی اللہ کے ساتھ خیانت اور بدنیتی نے اکسایا۔ انپر اللہ کی لعنتیں قیامت تک پڑیں اسی وجہ سے انکی کتابوں میں اللہ و رسول کے خلاف صاف صاف خطائیں اور غلطیاں پائی جاتی ہیں جو انکے لائق نہیں اور نہ ان کی صفات ہیں اور نہ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات پائی جا سکتی اور نہ پہچانی جا سکتی۔

اور سورۂ انبیاء میں فرمایا: ۔ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سر تاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی (یعنی) پرہیزگاروں کیلئے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔ اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو[3]

اور سورۂ قصص میں فرمایا: ۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملتی تھیں ویسی اسکو کیوں نہیں ملیں کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انہوں نے ان سے کفر نہیں کیا کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے ہم سب سے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے

---

[1] انعام ۱۵۴۔ ۱۵۵ [2] مائدہ ۴۴۔ تا ۴۸ [3] ۴۸ تا ۵۰،

بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ تاکہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کتابوں اور دونوں رسولوں کی تعریف فرمائی ہے

اور جنہوں نے اپنی قوم کو کہا

ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔[1]

جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اقراء باسم ربك الخ توآپ نے ورقہ بن نوفل کو یہ ماجرا بیان کیا تو ورقہ نے فرمایا: پاک ہے یہ (فرشتہ) وہی باعزت ہے جس نے موسیٰ بن عمران پر نازل کیا۔

حاصل کلام حضرت موسیٰؑ کی شریعت عظیم و مطہر شریعت تھی۔ اور آپکی امت بہت بڑی امت تھی اور اس امت میں بہت انبیاء و علماء گذرے اور بہت سے عبادت گذار اور زاہدین اور عقل مند اور بادشاہ اور امراء اور سردار اور بڑے بڑے لوگ تھے لیکن تھے پھر چلے گئے اور بعد والوں نے اپنی شریعت کو بدل دیا اور وہ بندروں اور سوروں کی شکل میں کر دیئے گئے اور انکی ملت کلیتہ منسوخ ہوگئی اور پھر بڑے بڑے حادثات اور عجیب امور انپر آئے جنکا ذکر بہت طویل ہے۔ لیکن انمیں سے عنقریب ہم قناعت کے ساتھ کچھ بیان کریں گے تاکہ جو چاہے فائدہ حاصل کرلے۔

ان شاء اللہ۔ اور اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔

---

[1] احقاف ۳۰

حضرت موسیٰ ؑ کے بیت عتیق (یعنی کعبۃ اللہ) کے حج فرمانے کا ذکر اور اسکی صفت

[1] مسند احمد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وادی ازرق کے پاس سے گذرے تو دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا وادی ازرق۔ فرمایا گویا میں موسیٰؑ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ ثنیہ (گھاٹی کے راستے) سے اتر رہے ہیں اور تلبیہ (لبيك اللهم لبيك الخ) کے ساتھ اللہ کا رب پار رہے ہیں پھر حضور آگے چلے تو ہرشاء گھاٹی پر پہنچے پھر پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا ھرشاء ہے (یعنی ھرشاء نامی جگہ کی گھاٹی ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گویا میں یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور اون کا انپر جبہ ہے اور کھجور کی چھال کی رسی کی لگام ہے۔ اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔

امام مسلم نے اس حدیث کو دواد بن ابی ھند کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے

اور امام طبرانی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ

موسیٰؑ نے سرخ بیل پر حج فرمایا

اور یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی صفت

[2] مسند احمد میں..... مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ہم ابن عباسؓ کے پاس تھے تو لوگوں نے دجال کا ذکر چھیڑا تو آپ نے فرمایا کہ اسکی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہو گا تو مجاہد نے پوچھا لوگوں کا تب کیا کہنا ہو گا؟ فرمایا: اسکی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہو گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

بہر حال ابراہیمؑ کی شکل تو تمہارے ساتھی (یعنی حضور اکرم ﷺ) کی طرح ہے اور موسیٰ ایک ایسے آدمی ہیں جو گھنے بالوں والے ہیں اور سرخ اونٹ پر سوار ہیں جسکی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔ اور گویا کہ میں اسکی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ وادی سے تلبیہ (لبيك اللّٰهم لبيك) کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔

پھر امام احمد نے مسند احمد میں [3]...... روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کی طرف دیکھا بہر حال عیسیٰؑ تو سرخ رنگ گھنے بال اور

---

[1] قال لامام احمد حدثنا هشام حدثنا دارد بن ابى هند، عن ابى العاليه عن ابن عباس

[2] وقال الأمام احمد : حدثنا محمد بن ابى محمد، عن ابن عون، عن مجاهد

[3] ثم رواه الامام احمد عن اسود ، عن اسرائيل عن عثمان بن المغيرة، عن مجاهد عن ابن عباس ،

کشادہ سینہ کے مالک تھے اور موسیٰ اچھے بڑے جسم والے اور درمیانے بال والے تھے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ پھر ابراہیم؟ فرمایا
اپنے ساتھی (یعنی رسول اکرم ﷺ) کی طرف دیکھ لو۔
[1] اور مسند احمد میں ابن عباسؓ سے دوسرے طریق سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔
میں نے معراج والی رات موسیٰ بن عمران کو دیکھا جو دراز قد اور گھنے بالوں والے تھے گویا کہ وہ شنوءۃ (یمن کا ایک علاقہ ہے اس) کے لوگوں میں سے ہے۔ اور میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا جو میانے قد اور سرخ و سپید ہیں اور بال نہ زیادہ گھنے نہ زیادہ سیدھے۔
اور اس حدیث کو قتادہ کی حدیث سے بھی تخریج فرمایا ہے
[2] اور مسند احمد میں دوسرے طریق سے ہے کہ ابی ھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے تو فرمایا: میں نے موسیٰ سے ملاقات کی۔ پھر حضور نے انکی صفت وحلیہ بیان فرمایا کہ وہ نرمی میں درمیانے اور بڑے سر والے گویا وہ شنوءۃ قبیلے کے ہیں اور میں عیسیٰ بن مریم سے ملا پھر آپ نے انکی صفات بیان فرمائی کہ وہ میانے قد والے سرخ رنگ کے ہیں گویا کہ حمام سے نکلے ہیں اور فرمایا کہ میں نے ابراہیمؑ کو دیکھا۔ اور میں انکی اولاد میں انکے زیاہ مشابہ ہوں الحدیث۔
اور حضرت ابراہیمؑ کے ترجمے میں ان احادیث کے اکثر حصے گذر چکے ہیں۔

---

[1] وقال الامام احمد حدثنا یونس، حدثنا شیبان قال حدث قتادہ عن ابی العالیہ، حدثنا ابن عم بنی ابن عباس قال: قال......
[2] وقال الامام حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر قال الزهری: واخبرنی سعید بن المسیب عن ابی هریره

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کا ذکر

[1] بخاری کی صحیح میں موسیٰؑ کی وفات کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰؑ کی طرف بھیجا گیا جب آپکے پاس پہنچے تو آپ نے ایک تھپڑ رسید فرمایا تو ملک الموت واپس اپنے رب کے پاس پہنچے اور عرض کیا: آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کا ارادہ نہیں رکھتے اللہ نے فرمایا واپس جاؤ اور اسکو کہو کہ بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں تو انکے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آجائیں تو ہر بال کے بدلے میں ایک سال زندگی ملے گی۔

تو حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ اے پرورگار پھر کیا ہوگا! فرمایا پھر موت ہے فرمایا تو اب ہی سہی۔ فرمایا کہ پھر حضرت موسیٰؑ نے اللہ عزوجل سے پوچھا کہ مجھے مقدس سرزمین کے قریب کردیا جائے۔

حجر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (غالبًا بیت المقدس مراد ہے)

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا پس اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو انکی قبر کے راستے کی دائیں طرف سرخ ٹیلے کے پاس دکھلادیتا۔

[2] مسند احمد میں ہے ابو ہریرہؓ سے مروی ہے (اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ مرفوع نہیں ہے)

کہ ملک الموت موسیٰؑ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے رب کے حکم کا جواب دو (یعنی وفات کیلئے جان پیش کردو) تو حضرت موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے انکی آنکھ پھوڑدی تو فرشتہ اللہ پاک کے پاس واپس گیا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے اپنے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اور اس نے میری آنکھ پھوڑدی ہے۔ تو اللہ نے اسکی آنکھ لوٹادی اور فرمایا واپس جاؤ اور پوچھو کہ اور زندگی چاہو تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیجئے پس جتنے بالوں کو آپکا ہاتھ چھپالے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک سال زندگی عطا کردی جائی گی۔ تو حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت تو عرض کیا پھر ابھی جلدی ہی سہی اے پروردگار رب العلمین۔

امام احمد اسکی روایت میں متفرد ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موقوف ہے اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں معمر کے طریق سے اسکو نقل کیا ہے۔

[3] لیکن پھر ابن حبان نے اسپر ایک اشکال فرمایا ہے۔ اور پھر اسکا جواب تحریر فرمایا ہے

---

[1] قال البخاری فی صحیحه ،، وفاة موسی علیه السلام ،، حدثنا یحیٰ بن موسیٰ ، حدثنا عبدالرزاق ، انبانا معمر عن ابن طاوس، عن ابیه ، عن ابی هریره قال ـ.... [2] وانبانا معمر عن همام عن ابی هریره عن النبی ﷺ نحوه . وقد روی مسلم الطریق الاول من حدیث عبدالرزاق به . ورواه الامام احمد من حدیث حماد بن سلمه عن عمار بن ابی عمار ، عن ابی هریره مرفوعاً وسیاتی .وقال الامام احمد حدثنا الحسن ، حدثنا لهیعة حدثنا ابو یونس یعنی سعید بن جبیر عن ابی هریره . [3] وقدرواه ابن حبان فی صحیحه من طریق ، عن ابن طاوس ، عن ابیه ،عن ابی هریره قال معمر واخبرنی من سمع الحسن عن رسول الله ﷺ ذکره

اشکال یہ فرمایا ہے کہ ملک الموت نے جب حضرت موسیٰ کو موت کی خبر سنائی تو حضرت موسیٰؑ نے انکو پہچانا نہیں کیونکہ وہ ایسی شکل وصورت کے ساتھ آئے تھے جو موسیٰ پہچانتے نہ تھے۔ جیسے کہ حضور کے پاس جبرائیل اعرابی کی صورت میں آئے تو آپ پہچان نہ سکے۔ اور جس طرح فرشتے حضرت ابراہیم ولوطؑ کے پاس نوجوان لڑکوں کی صوررت میں آئے تھے تو نہ ابراہیم نہ لوطؑ انکو پہچان سکے۔ تو اسی طرح حضرت موسیٰ بھی انکو پہچان نہ سکے تھے

تو اسوجہ سے حضرت موسیٰؑ نے انکو طمانچہ رسید فرمایا جس سے فرشتے کی آنکھ بھی ضائع ہو گئی کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے گھر آپکی اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔

پھر ابن حبانؒ نے اس طریق[1]...... سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰؑ کے پاس آئے تاکہ انکی روح قبض کرلیں اور آکر کہا اپنے رب کو جواب دیجئے (یعنی آپکے رب نے آپکی جان کا سوال فرمایا ہے تو اب اپنی جان پیش فرما کر اپنے رب کی بات قبول فرمالیجئے) تو موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مارا جس سے انکی آنکھ پھوٹ گئی پھر آگے پوری حدیث اسی طرح ذکر فرمائی ہے جس طرح بخاری نے ذکر فرمائی ہے۔

پھر حضرت امام ابن حبانؒ نے اس اشکال کے جواب میں حدیث کی کچھ تاویل فرمائی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب ہاتھ طمانچہ مارنے کے لئے اٹھایا تب انہوں نے یہ کہا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔ لیکن یہ تاویل حدیث کے ظاہر کے معارض ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ نے طمانچہ مارا تو فرشتے نے عرض کیا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔

لیکن اگر پہلا جواب ہی تسلیم کرلیا جائے (جو اشکال کی صورت میں ذکر کیا) کہ حضرت موسیٰؑ نے اس وجہ سے تھپڑ مارا تھا کہ آپ فوراً پہچان نہ سکے تھے کہ یہ فرشتہ ہے۔

اوراسوجہ سے کہ حضرت موسیٰ تو اپنی زندگانی میں بہت سی باتوں کے واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ کہ انشاء اللہ میری زندگی میں میدان تیہ سے نکلنا ممکن ہوگا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوگا۔ جبکہ اللہ کی قدرت میں لکھا جا چکا تھا کہ حضرت موسیٰؑ میدان تیہ میں ہی اپنے بھائی ہارون کے بعد وفات پا جائیں گے۔ جیسے کہ ابھی ہم انشاء اللہ بیان کرنے والے ہیں۔

اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں سے نکالنے والے حضرت موسیٰ ہی ہیں اور حضرت موسیٰ ہی انکو بیت المقدس میں لے جانے والے ہیں۔ جبکہ یہ اہل کتاب اور جمہور دونوں کے خلاف ہے۔

اور یہ بات کہ حضرت موسیٰ نے میدان تیہ میں ہی وفات پائی اسپر حضرت موسیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے کہ جب انہوں نے موت کو اختیار فرمالیا تو دعا کی اے پروردگار مجھے سرزمین مقدس حجر کی طرف قریب فرمادیجئے۔ اور اگر حضرت موسیٰ داخل ہو چکے ہوتے تو یہ دعا نہ فرماتے۔ اور جب آپ نے میدان تیہ میں وفات قریب ہوئے تو تب چاہا کہ چلو بیت المقدس کے قریب ہی ہوجائے۔ اور آپنے گویا اپنی قوم کو بھی ابھارا کہ وہ اس بارے میں کوشش کریں۔

---

[1] عبدالرزاق عن معمر، عن ھَمّام، عن ابی ھریرہؓ

اور آپ کی قبر حجر کے قریب ہے۔

اسی وجہ سے سید البشر ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو سرخ ٹیلے کے پاس انکی قبر دکھلا دیتا اور مسند احمد[1] میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انس بن مالک سے روایت فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو موسیٰ کے پاس سے گذرا آپ وہاں سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے اور اس حدیث کو امام مسلم نے احمد بن سلمہ کی حدیث سے بھی نقل کیا ہے۔

اور[2] کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ میں ہارون کو فلاں فلاں پہاڑ کے پاس وفات دینے والا ہوں تو موسیٰ اور ہارونؑ دونوں اس پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے وہاں ایک ایسا درخت تھا جسکے مثل کوئی درخت نہ دیکھا گیا تھا۔ اور وہاں ایک گھر بھی تعمیر شدہ تھا اور اسمیں ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا اور اس سے عمدہ خوشبو مہک رہی تھی جب ہارونؑ نے وہاں پہاڑ درخت پھر مکان کے اندر عجیب پسندیدہ اشیاء دیکھیں تو ان چیزوں نے انکے دل کو بہت لبھایا اور حضرت موسیٰ سے عرض کیا اے موسیٰ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس چارپائی پر لیٹوں ؟ تو موسیٰ نے فرمایا سو جاؤ۔ حضرت ہارون نے عرض کیا لیکن مجھے خوف ہے کہ اس مکان کا مالک آجائے اور مجھ پر ناراض ہو جائے ؟ تو موسیٰؑ نے فرمایا مت ڈرو میں اسکو کافی ہو جاؤں گا آپ سو جائیں تو عرض کیا اے موسیٰؑ آپ بھی میرے ساتھ سو جائیں اگر مالک مکان آیا تو دونوں پر غصہ ہو گا تو دونوں سو گئے۔

لیکن موت نے صرف حضرت ہارونؑ کو اچک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ نے خواب میں انکو دیکھا تو حضرت ہارونؑ نے عرض کیا اے موسیٰ آپ نے مجھے فریب میں مبتلا کر دیا پھر موسیٰ اٹھے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا، درخت چارپائی سمیت ہارونؑ سب کچھ آسمان پر پہنچ گیا تھا پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس تنہا تشریف لائے تو لوگوں نے افواہ پھیلانا شروع کر دی کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل کر دیا ہے اور وہ ہارون پر حسد کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی ان سے محبت زیادہ کیوں ہے ؟

چونکہ ہارون بنسبت موسیٰ کے زیادہ نرم مزاج اور سختیوں کو ان سے دفع کرنے والے تھے اور جبکہ موسیٰ کچھ طبعاً سخت مزاج تھے۔ تو یہ بات موسیٰ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا افسوس تم پر! کیا میں خود اپنے ہی بھائی کو قتل کروں گا ؟ لیکن جب لوگ افواہوں سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ نے دعا کی تو اللہ نے حضرت ہارون کو چارپائی سمیت دکھلایا لوگوں نے انکو زمین و آسمان کے درمیان دیکھا۔

پھر ایک مرتبہ موسیٰؑ اور یوشعؑ چلے جا رہے تھے کہ تیز کالی آندھی اٹھی حضرت یوشعؑ نے دیکھا تو موسیٰؑ کو چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ قیامت قائم ہو گئی قیامت قائم ہو گئی۔

تو موسیٰؑ ان کپڑوں میں سے آہستہ آہستہ نکلے اور قمیص حضرت یوشع کے ہاتھ رہ گئی اور حضرت موسیٰؑ چلے گئے (یعنی خدا کے پاس پہنچ گئے) تو حضرت یوشع انکا قمیص لئے بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے

---

[1] وقال الامام احمد حدثنا عفان، حدثنا حماد حدثنا ثابت وسليمان التيمي عن انس بن امللك

[2] وقال السدى عن ابى مالك وابى صالح عن ابن عباس، وعن مره، عن ابن مسعود. وعن ناس من الصحابة قالوا

حضرت یوشع پر انکے قتل کا الزام دھر دیا اور پھر حضرت یوشع کے قتل کے در پے ہو گئے تو حضرت یوشع نے ان سے تین دن کی مہلت طلب کی۔ جو دیدی گئی۔ تو پھر ان دنوں میں اللہ کی طرف سے ہر ایسے شخص کو خواب آیا جو انکے قتل کے در پے تھا کہ انہوں نے موسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ انکو ہم نے اپنے پاس اٹھالیا ہے۔ پھر کہیں جا کر بنی اسرائیل نے حضرت یوشع کو چھوڑا۔

اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ سب نے جبارین کی بستی یعنی بیت المقدس میں جانے سے انکار کر دیا تھا سوائے حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا کے اور یہ کالب حضرت موسیٰ اور ہارون کی ہمشیرہ مریم کے شوہر تھے۔ اور ان دو اشخاص کے جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

وہب بن منبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ ایک قبر کھود رہے ہیں تو حضرت موسیٰ نے اس سے حسین اور تر و تازہ اور خوش منظر قبر کوئی نہ دیکھی تھی۔ تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ کے فرشتو: کس کیلئے یہ قبر کھود رہے ہو؟ عرض کیا اللہ کے بندوں میں سے کسی کریم بندے کیلئے کھود رہے ہیں اور اگر آپ اس بندے کے ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس قبر میں داخل ہو جایئے اور دراز ہو جائیں اور اپنے رب کی طرف لو لگالیں اور اپنی جان کو ہلکا اور آسان کر لیں تو حضرت موسیٰ کر گذرے۔ اور پھر وہیں وفات ہو گئی۔

صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ پھر فرشتوں نے آپ پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور دفن کیا اور اہل کتاب وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

[1] اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت (پہلے زمانے میں) کھلے طور پر آتے تھے۔ تو موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے انکی آنکھ پھوٹ گئی وہ اپنے رب کے پاس جا کر عرض گذار ہوئے کہ تیرے بندے موسیٰ نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے اگر وہ آپکے ہاں باعزت نہ ہوتے تو میں بھی انکو ہتا تا۔ تو اللہ نے فرمایا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی کھال پر یا بیل کی کھال پر رکھ دیں تو جتنے بالوں کو انکا ہاتھ چھپالے ہر بال کے بدلے ایک ایک سال انکی عمر کا اضافہ کر دیا گیا تو فرشتہ موسیٰؑ کے پاس آیا اور خبر دی حضرت موسیٰ نے پوچھا پھر کیا ہوگا عرض کیا پھر بھی موت ہے تو فرمایا پھر اب ہی سہی۔

تو فرشتے نے انکو ایک عمدہ خوشبو سونگھائی اور روح قبض کر لی۔

راوی یونس کہتے ہیں اللہ عزوجل پھر فرشتے کی آنکھ واپس لوٹا دی تھی اور وہ لوگوں کے پاس خفیہ آنے لگے تھے۔ [2]

---

[1] و قد قال الامام احمد : حدثنا امیہ بن خالد ویونس قالا : حدثنا حماد بن سلمة ، عن عمار بن ابی عمار عن ابی هریرة ، عن النبی ﷺ ... الخ

[2] و کذا رواه ابن جریر عن ابی تکذیب ، عن مصعب بن المقدام عن حماد بن سلمة به ، ورفعه ایضا

حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نگہبانی فرمانا

انکا نسب نامہ یوں ہے الخلیل یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیمؑ۔ اور اہل کتاب کا یہ کہنا ہے کہ یوشع ہودؑ کے چچازاد ہیں۔

اور اللہ عزوجل نے قرآن میں انکا ذکر فرمایا ہے لیکن نام کی صراحت نہیں فرمائی۔ فرمایا واذقال موسی لفتاہ۔ اور فرمایا فلما جاوزا قال لفتاہ۔ اور صحیح (بخاری) کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ابی بن کعب حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ یوشع بن نون ہی ہیں۔

اور اہل کتاب کے ہاں انکی نبوت متفق علیہ ہے۔ اور سامریوں کی ایک جماعت حضرت موسیٰ کے بعد سوائے یوشعؑ کی نبوت کے اور کسی کی نبوت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ انکی تورات میں تصریح آئی ہے اور باقیوں کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ انکے ہاں انکی کتاب میں دوسرے انبیاء کی تصدیق موجود ہے خصوصاً حضور علیہ السلام کی۔ اللہ کی ان کافروں ملحدوں پر لعنت ہو۔

اور جو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے محمد بن اسحاقؒ سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی آخری عمر میں نبوت حضرت یوشعؑ ابن نون کی طرف منتقل کردی گئی تھی تو موسیٰؑ یوشع سے ملتے تو ان سے حال احوال دریافت فرماتے کہ پروردگار نے کیا نازل فرمایا؟ ایک مرتبہ حضرت یوشع نے (یوں ہی) عرض کردیا کہ اے موسیٰؑ جب آپ پر وحی اترتی تھی میں تو سوال نہ کرتا تھا کہ اللہ نے کیا نازل فرمایا حتی کہ آپ خود ہی بتلادیتے تھے۔ تب موسیٰؑ زندگی سے اچاٹ ہوگئے اور موت کی تمنا فرمانے لگے۔ تو اس روایت میں بہت نظر ہے۔

کیونکہ موسیٰؑ پر آخر عمر تک ہر حال میں احکام خداوندی کی وحی آتی رہی تھی حتی کہ اللہ نے آپکو اپنے پاس بلالیا اور آپ برابر ہمیشہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ اور محترم و مکرم ہی رہے جیسے ملک الموت کے واقعے سے صاف اشارہ ملتا ہے۔

اور یہ محمد بن اسحاق نے اگر اہل کتاب کی کتاب سے اخذ فرمایا ہے تو انکی کتاب تورات میں ہے کہ وحی موسیٰؑ پر انکی آخری عمر تک نازل ہوتی رہی اور جب بھی کسی مسئلے میں محتاج ہوتے تو فوراً حضرت موسیٰؑ ہی کی خدمت میں آتے۔

اور یہ بات انکی کتاب میں قبۃ الزمان کے تابوت الشہادۃ کے تحت مذکور ہے۔

اہل کتاب نے سفر ثالث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ اور ہارونؑ کو حکم فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو انکے قبیلوں کے مطابق تقسیم و شمار کریں اور بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک پر ایک ایک سردار مقرر فرمادیں جو انکی نگہبانی کرے اور یہ ساری کوشش قتال کی تیاری کیلئے تھی تاکہ تیہ میدان سے نکلتے ہی جباریں

سے بر سر پیکار ہو جائیں اور یہ بات تیہ میں چالیس سال گذرنے کے قریب پیش آئی اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو چونکہ بیت المقدس کی فتح کا حکم ملا تھا اسوجہ سے انکو امید تھی کہ پہلے اللہ عزوجل میرے ہاتھوں اسکو فتح کرائے گا پھر کہیں وفات ہوگی اور پھر حضرت موسیٰ فرشتے کی صورت بھی نہ پہچان سکے تھے اسوجہ اس کو تھپڑ مارا تھا۔ اور اللہ کی تقدیر میں تھا کہ بیت المقدس کی فتح انکے ہاتھوں نہ ہوگی بلکہ حضرت یوشع بن نون کے ہاتھوں ہوگی۔

اور اسی طرح ہمارے پیغمبر سرکار دو جہاں ﷺ نے شام میں رومیوں سے جہاد کا ارادہ فرمایا تھا اور تبوک تک جا پہنچے تھے لیکن پھر تقدیر الٰہی سے نو ہجری میں واپس ہوئے اور دس ہجری میں حج فرمایا پھر واپس مدینے آکر جیش اسامہ تیار فرمایا۔ اور یہ پہلی اور دوسری کوشش اللہ کے اس فرمان کے تحت تھی فرمان الٰہی ہے۔

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ اور اسکے رسول نے حرام قرار دیا اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی۔ (ان سے قتال جاری رکھو) حتی کہ وہ اپنے ہاتھ جزیہ دیدیں اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں)

تو اسی حکم کی تعمیل میں حضور نے جیش اسامہ تیار فرمایا لیکن حضورؐ پہلے وفات پا گئے اور ابھی اسامہ مقام جرف میں لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ پھر آپ ﷺ کے خلیفہ بر حق حضرت صدیق نے اسکو تیار کر کے دوبارہ اس مقصد کیلئے روانہ فرمایا۔

اور جب جزیرہ عرب اندرونی طور پر اپنے حق کے مدار پر خوب قائم ہو گیا اور اسکی شرک کی گندگی دور ہو گئی تو حضرت ابو بکر نے پھر دائیں بائیں چہار اطراف لشکر کشی کروائی فارس کے کسریٰ کی طرف بھی لشکر بھیجا اور شام قیصر روم کی طرف بھی لشکر بھیجا پھر اللہ نے انکو فتح و کامیابی سے سرخروئی فرمائی اور دشمنوں کی جان کا انکو مالک کر دیا۔

تو اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ اللہ نے انکو حکم فرما دیا تھا کہ بنی اسرائیل کو لشکروں کی صورت میں کئی گروہوں میں تقسیم فرما دیں اور انپر سالار بھی مقرر کر دیں جیسے فرمان الٰہی ہے۔

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور انہی میں بارہ سردار بنائے اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تم انکی توقیر کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو میں تم سے تمہاری برائیوں کو دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی پس جس نے تم میں سے اسکے بعد کفر کیا تو بے شک وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہوا۔)[1]

یعنی اگر تم میری واجب کردہ چیزوں پر قائم رہو گے اور پہلے کی طرح قتال سے انکار نہ کرو گے تو میں اس گناہ سے تم کو سبکدوش کر دوں گا اور تمہیں جنت عطا کر دوں گا۔ اسی طرح حضور کے ساتھ جن اعرابیوں نے غزوہ حدیبیہ میں شرکت سے انکار کر دیا تھا انکے متعلق بھی اسی قسم کا فرمان نازل ہوا۔

[1] المائدہ، ۱۲۔

فرمانِ الٰہی ہے
کہہ دیجئے انکو جو دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والے ہیں کہ عنقریب تم کو سخت جنگجو قوم کی طرف بلایا جائے گا جن سے تم قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئیں پس اگر تم اطاعت کرو تو اللہ تم کو اچھا امر عطا فرمائے گا اور اگر تم پہلے کی طرح پیٹھ پھیرو گے تو وہ تم کو دردناک عذاب سے دو چار کر دے گا۔[1]
اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا (پس جو شخص تم سے اسکے بعد انکار کرے گا وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہو گیا) پھر اللہ نے انکے برے فعل اور عہد شکنی پر مذمت و ملامت فرمائی جیسے انکے بعد نصاریٰ کی مذمت فرمائی جب انہوں نے اپنے دین میں گروہ در گروہ کر لئے۔ اور الحمد للہ انکی تفصیل ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کر دی ہے۔ الحاصل جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی اسلحہ اٹھانے کے قابل ہیں اور وہ بیس یا اس سے زائد سال کی عمر کے ہیں تو انکے نام لکھے جائیں اور جماعتیں بنائی جائیں اور پھر جماعت پر سردار جو سالار بھی ہو مقرر کر دیا جائے۔
پہلا لشکر روبیل کی اولاد کا تھا کیونکہ یہ سب سے پہلا حضرت یعقوب کا فرزند تھا۔ اور انکے جنگجوؤں کی تعداد ساڑھے چھیالیس ہزار تھی اور انہی میں انکا سردار یصور بن شدیئور مقرر کیا گیا۔
دوسرا لشکر: آل شمعون کا تھا اور اس لشکر کی تعداد انسٹھ ۵۹۳۰۰ ہزار تین سو تھی اور انکے سردار شلومیئیل بن ہوریشدای تھے۔
تیسرا لشکر آل یہوداکا تھا: اور ان کی تعداد چوہتر ہزار چھ سو تھی، انکے سردار نحشون بن افیناذاب تھے، چوتھا لشکر آل ایساخر کا تھا انکی تعداد چون ہزار چار سو تھی، انکا سردار نثائیل بن صوعر تھا پانچواں لشکر آل یوسف علیہ السلام کا تھا، اور ان کی تعداد ساڑھے چالیس ہزار تھی اور انکے سردار یوشع بن نون تھے چھٹا لشکر آل میشا کا تھا، انکی تعداد اکتیس ہزار ساڑھے چھ سو تھی انکے سردار الیاساف بن رعوئیل تھے، نواں لشکر آل الیسر کا تھا اور ان کی تعداد ساڑھے اکتالیس ہزار تھی، ان کے سردار فجعیئیل بن عکرن تھے۔
دسواں لشکر آل دان کا تھا اور انکی تعداد باسٹھ ہزار سات سو تھی اور انکا سردار اخیعزر بن عمشدای تھا۔
گیارہواں لشکر آل نفتالی کا تھا اور انکی تعداد ترپن ہزار چار سو تھی اور اسکا سردار الباب بن حیلون تھا۔
یہ انکے ہاتھوں کی کتاب کی تصریح ہے واللہ اعلم۔
اور ان میں آل لاوی نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے موسیٰ کو حکم فرمایا تھا کہ انکو ساتھ شمار نہ کریں کیونکہ انکی وادی سب سے جدا تھی کہ وہ قبۃ الشہادۃ کو اٹھائیں اور اسکو بنائیں اور اسکے معاملات کی دیکھ بھال کریں اور اسکو نصب کرنا اور اٹھانا وغیرہ وغیرہ سب ذمہ داری انکی تھی۔ اور یہ موسیٰ اور ہارونؑ کا قبیلہ تھا اور انکی تعداد بائیس ہزار تھی۔
اور پھر کام کاج کے اعتبار سے انہوں نے جماعتیں بنالیں تھیں یہ تمام لوگ اس کی حفاظت چوکیداری اور اسکے مصالح کی نگہبانی اور اسکو نصب کرنے اور اکھاڑنے کی ذمہ داری کرتے تھے اور یہ سب لوگ اسی کے گرد

---
[1] الفتح ۱۶

و پیش دائیں بائیں آگے پیچھے رہتے تھے۔

اور اس بنی لاوی کے علاوہ گیارہ قبیلوں کی کل تعداد پانچ لاکھ اے ہزار پانچ سو چھپن تھی۔

تو اس آخری قول میں نظر ہے کیونکہ پہلے اعداد و شمار جو انکی کتابوں میں ملے ہیں اگر صحیح ہوں تو پھر یہ آخری تعداد کسی طرح موافق نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

اور ال لاوی بنی اسرائیل کے وسط میں رہتی تھی اور قبۃ الزمان کی حفاظت پر مامور تھی اور پورے بنی اسرائیل کے قلب میں انکا مقام ہوتا تھا اور میمنہ پر ال روبیل تھے اور میسرہ پر بنو دان تھے اور بنو نفتالی پیچھے رہتے تھے اور موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے علماء اور کاہن حضرات کو بنی ہارون میں سے مقرر فرمادیا تھا جیسے کہ ان سے پہلے انکے آباؤ اجداد میں یہ لوگ چلے آتے تھے اور انکے جد امجدوں سے یہ سلسلہ چلاآیا تھا اور انمیں ناداب پہلا تھا پھر لیہو اور عازر اور یتمر تھے۔

الحاصل جن لوگوں نے بھی یہ کہا تھا کہ تو اور تیرا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، تو ان لوگوں میں کوئی نہ بچا تھا۔

اور یہ قول کئی حضرات کا ہے ابو سعید نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور قتادہ، عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور سدی نے بھی ابن عباسؓ سے اور ابن مسعودؓ سے اور کئی صحابہ سے اسکو نقل فرمایا ہے۔

حتی کہ ابن عباسؓ وغیرہ سے متقدم و متاخر علماء نے نقل فرمایا ہے کہ دونوں بھائی یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بھی میدان تیہ ہی میں ان سے پہلے وفات پاچکے تھے۔

اور محمد بن اسحاقؒ کا خیال ہے کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والے وہ موسیٰؑ ہی ہیں اور یوشع انکے لشکر کے مقدمہ میں تھے۔ اور پھر ابن اسحاقؒ نے انکے بیت المقدس کی طرف سفر میں بلعام بن باعوراء کا قصہ بھی ذکر کیا ہے جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور انکو اس شخص کا حال پڑھ کر سنادو جسکو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اس نے ان کو اتار دیا پھر وہ شیطان اسکے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکال کر رہے اور اگر یوں ہی چھوڑ دو تو بھی نکالے ہی رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی انکی مثال بری ہے اور انہوں نے نقصان اپنا ہی کیا۔[1]

اور اس بلعم بن باعوراء کا قصہ ہم اپنی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

---

[1] اعراف ۱۷۵ تا ۱۷۷

بلعم بن باعور اکا قصہ

اور ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق یہ شخص اسم اعظم جانتا تھا۔ اور اسکی قوم نے اس کو کہا تھا کہ وہ موسیٰ اور انکی قوم کے خلاف بد دعا کریں۔ لیکن اس نے اول تو انکار کر دیا۔ پھر جب قوم نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہوا پھر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب انکے قریب پہنچا تو اسکی گدھی بد کنے لگی بلعم نے اسکو مارا تو ٹھیر گئی پھر تھوڑی دور ہی چلا ہو گا کہ پھر گدھی بول پڑی کیا آپ دیکھتے نہیں کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے چہرے پر مار مار کر واپس لوٹا رہے ہیں کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی طرف بد دعا کرنے کیلئے جارہا ہے ؟ لیکن بلعم نے پھر بھی گدھی کو مارا اور گدھی مجبوراً چل پڑی جب جبل حسبان تک پہنچ کر قریب ہو گئے تو موسیٰؑ کے لشکر کی طرف دیکھا اور ان کے خلاف بد دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بد دعا کرنا شروع کر دی لیکن۔ زبان نے اسکی فرماں برداری نہیں کی بلکہ وہ موسیٰ کے لوگوں کے خلاف بد دعا کرنا چاہتا لیکن زبان انکی حمایت میں مدد کی دعا کرتی اور اپنی قوم پر بد دعا کرتی اسکی قوم نے اسکی مذمت اور ملامت کی تو اس نے عذر کیا کہ میں کیا کروں زبان پر یہی جاری ہو تا ہے۔

پھر اسکی زبان باہر کو لٹک گئی حتی کہ اسکے سینے تک جا پہنچی تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اب تو میری دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی پس مکر اور حیلہ باقی رہ گیا ہے۔

لہذا میری بات سنو کہ عورتوں کو تو مزین کرو اور سامان دیکر انہیں بنی اسرائیل کے لشکر میں فروخت کرنے کیلئے بھیج دو اور وہ عورتیں انکو اپنی طرف مائل کریں شاید وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں پس اگر ایک شخص نے بھی زناء کر لیا تو تمہارا کام ہو گیا اور وہ پھر معاف نہیں ہو سکتے۔

تو انہوں نے یہ ترکیب استعمال کی اور اپنی عورتوں کو مزین کر کے انکے لشکروں میں بھیج دیا۔ ایک عورت جسکا نام کسبتی تھا بنی اسرائیل کے بڑے آدمیوں میں سے ایک شخص "زمری بن شلوم" کے پاس سے گذری کہا جاتا ہے کہ وہ شخص آل شمعون بن یعقوب کا سردار تھا۔ تو وہ اس عورت کو اپنے خیمے میں لے گیا اور جب دونوں تنہا ہوئے تو ادھر بنی اسرائیل پر طاعون کی وباء پھیلنا شروع ہو گئی تو اس کا سبب ڈھونڈنا شروع کیا گیا۔ پھر اصل خبر ایک شخص فنحاص بن عیزار بن ہارون کو پہنچی تو اس نے اپنا برچھا اٹھایا اور دونوں بدکاروں کے پاس پہنچ گیا اور دونوں کو خیمہ میں گھیر لیا پھر دونوں کو گھیر کر لوگوں تک لایا اور برچھے میں اسکو لگالیا اور پھر برچھے کو آسمان کی طرف کر کے عرض کیا۔

اے اللہ ہم ایسا حال کرتے ہیں اس شخص کا جو تیری نافرمانی کرے۔

پھر طاعون ختم ہو گیا۔ اور صرف اسی گھڑی میں مرنے والوں کی تعداد ستر ہزار ہو چکی تھی۔ اور بعض بیس ہزار بتلاتے ہیں اور فنحاص اپنے والد عیزار بن ہارون کا اکلوتا لڑکا تھا تو بنی اسرائیل فنحاص کی اولاد کیلئے قربانیوں میں سے ہمیشہ سینے اور دستیوں اور جبڑوں کا گوشت مقرر کرتے تھے اور اسکے علاوہ جو یکتا و عمدہ مال ہوتے

تھے وہ انکو عطا کرتے تھے۔

اور یہ جو قصہ بلعام کا محمد بن اسحاقؒ نے ذکر فرمایا ہے صحیح ہے۔ اور اسکو کئی علماء سلف نے ذکر فرمایا ہے اور شاید محمد بن اسحاق کی مراد ہو کہ جب حضرت موسیٰ نے پہلی مرتبہ بیت المقدس جانے کا ارادہ فرمایا تھا تب کا قصہ ہے اور شاید مطلب ابن اسحاقؒ کا یہی ہو لیکن بعض ناقلین سمجھ نہ سکے ہوں۔

اور ہم تورات کی تصریح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل نہ ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

یا پھر شاید یہ دوسرا قصہ ہو جو میدان تیہ میں گھومتے وقت پیش آیا ہو اسلئے کہ اسکے تذکرے میں جبل حسبان کا ذکر ملتا ہے اور یہ بیت المقدس سے کافی دور ہے۔

یا مطلب ہو کہ وہ بیت المقدس کا قصد فرمارہے تھے تب کی بات ہے جیسے سدیؒ نے صراحت فرمائی۔ واللہ اعلم

اور ہر تقدیر پر جمہور کا یہی قول ہے کہ حضرت ہارون میدان تیہ میں وفات پا گئے اور اسکے دو سال بعد حضرت موسیٰ بھی وفات پا گئے اور انہوں نے اپنے رب سے بیت المقدس کے قریب کر دیئے جانے کا سوال کیا تھا جو قبول ہوا۔

پس حاصل یہ کہ بنی اسرائیل کو تیہ میدان سے لے کر نکلنے والے اور بیت المقدس میں داخل ہونے والے حضرت یوشع بن نونؑ ہیں۔ اور اہل کتاب اور دیگر اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یوشعؑ نے بنی اسرائیل کو لیکر نہر اردن پار کی اور اریحا مقام تک پہنچے اور اریحا شہر کے قلعوں میں سے سب سے بلند فصیلوں والا قلعہ تھا اور انکے محلات اور اہل بھی سب سے زیادہ تھے۔ تو قوم بنی اسرائیل نے چھ مہینوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک دن احاطہ کر کے رسے کا مضبوط گچھا قلعہ کی کسی جانب کی دیوار پر ڈال کر سب نے بیک آواز تکبیر لگا کر کھینچا تو وہاں سے راستہ بن گیا اور دیوار گر گئی۔

اور پھر تو اندر گھس گئے اور تمام اموال و دولت کو غنیمت میں سمیٹ لیا اور بارہ ہزار مردوں عورتوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے بادشاہوں سے جنگ چھڑی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوشعؑ نے شام کے اکتیس بادشاہوں پر غلبہ پایا تھا۔

اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انکا محاصرہ جمعے کے دن عصر تک جاری رہا تھا پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا اور پھر اگلا ہفتہ کا دن داخل ہونے والا تھا جسمیں انکے لئے پابندی تھی۔ کہ کوئی جنگ وغیرہ اور شکار وغیرہ نہ کر سکتے تھے۔ تو حضرت یوشع نے فرمایا اے ہفتہ کے دن تو بھی خدا کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدا کے حکم کا پابند ہوں۔ پس اے اللہ تو اس چاند کو طلوع ہونے سے روک دے تو اللہ نے چاند کو طلوع نہ ہونے دیا حتی کہ یوشعؑ نے شہر فتح فرمالیا۔

اور اسی بات کا تقاضا ہے کہ یہ رات پہلے مہینے کی چودھویں رات ہو اور یہ وہی شمس کا قصہ ہے جو حدیث میں مذکور ہے جسکو بندہ عنقریب انشاء اللہ بیان کرے گا۔

اور چاند کا قصہ جو اہل کتاب کی کتاب میں مذکور ہے یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے بلکہ اس قمر والی روایت میں کچھ اضافہ ہے جسکی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ لیکن اہل کتاب نے اس میں یہ ذکر کیا

ہے کہ یہ اریحا کی فتح کا واقعہ ہے تو اسمیں نظر ہے اور زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح میں معجزہ پیش آیا ہو اور بیت المقدس کی فتح ہی سب سے اہم تھی۔ اور فتح اریحا وسیلہ تھی۔ واللہ اعلم۔

وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں :-

مسند احمد میں ہے کہ ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سورج کسی انسان کیلئے نہیں روکا گیا سوائے یوشع کے چند راتوں میں جب وہ بیت المقدس کی طرف کوچ فرمارہے تھے۔

اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور یہ حدیث بخاری کی شرط پر (صحیح) ہے

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی فتح کرنے والی شخصیت حضرت یوشع بن نونؑ ہیں۔ اور شمس کا واقعہ بیت المقدس کی فتح میں پیش آیا جیسے کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس سے اس حدیث ذیلیہ کے ضعف کا بھی علم ہوا کہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کہ سورج واپس لوٹ گیا حتی کہ علی بن ابی طالب نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

کیونکہ حضرت علی کی عصر فوت ہوئی تھی اسوجہ سے کہ حضور انکی ران پر سر مبارک رکھ کر آرام کئے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا؟ کہ سورج کے لوٹ جانے کی دعا کر دیجئے تاکہ وہ نماز ادا کرلیں پھر وہ لوٹ گیا۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے اور احمد بن ابی صالح المصری نے اسکو صحیح قرار دیا ہے لیکن صحیح احادیث میں اسکا کچھ درجہ نہیں اور نہ ہی حسن احادیث میں اسکا کچھ اعتبار ہے۔ اور اسکی روایت میں ایک اہل بیت کی مجہول عورت شامل ہے جسکی حالت کا کچھ علم نہیں۔ واللہ اعلم۔

اور مسند احمد[1] میں ہے کہ ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انبیاء میں سے کسی نبی نے جہاد فرمایا اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے پیچھے وہ شخص نہ آئے جس نے ابھی شادی کی ہو۔ یعنی ابھی سہاگ رات منائی ہو۔ اور نہ ایسا شخص جس نے اپنی عمارت بنائی ہو لیکن اسکی چھت نہ بنائی ہو اور نہ ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ انکی اولاد ہونے کا منتظر ہو۔

تو پھر اس نبی نے جہاد فرمایا پھر عصر کے وقت بستی کے قریب ہوا اور نبی نے سورج کو کہا تو بھی خدائی حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدائی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ تو اسکو مجھ پر کچھ دیر روک دے تو اللہ نے اس نبی پر اس دن کے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا حتی کہ انہوں نے فتح فرمائی۔ پھر انہوں نے اپنے غنیمت کا مال جمع کیا تاکہ آگ اسکو کھالے لیکن آگ نے کھانے سے انکار کر دیا تو اللہ کے نبی نے فرمایا۔

تمہارے درمیان کوئی خیانت دار شخص ہے لہذا سب کے سب میری بیعت کرو (یعنی میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے جاؤ) تو سب نے ایسا کیا پھر ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ تو نبی نے کہا کہ تیرا قبیلہ اب بیعت کرے پھر اسکے قبیلے نے ہاتھ ملایا تو دو یا تین شخصوں کے ہاتھ چپکنے لگے تو انکو اللہ کے نبی نے فرمایا تم خائن ہو جو کچھ ہے وہ نکال لاؤ۔

---

[1] وقال الامام احمد : حدثنا عبدالرزاق ، حدثنا معمر ، عن همام عن ابی هريره ...... الخ

توانہوں نے گائے کے سر کے برابر سونا نکالا پھر اس سونے کو مال میں ملا کر رکھا گیا تو آگ نے آکر جلا ڈالا۔ کیونکہ پہلی امتوں میں سے کسی کیلئے غنیمت حلال نہ تھی بلکہ ہماری (امت محمدیہ) کی کمزوری کی وجہ سے حلال کردی گئی۔

اسی طریق میں امام مسلم منفرد ہیں۔

اور[1] پھر جب وہ شہر کے دروازے میں داخل ہوئے تو انکو حکم ملا کہ سجدہ یعنی رکوع کی حالت میں جھکے ہوئے عاجزی کے ساتھ اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے تم پر احسان وانعام کیا کہ تم کو فتح سے ہمکنار فرمایا جس کا اس نے تم سے وعدہ بھی فرمایا۔ اور ساتھ میں زبانوں پر یہ بھی جاری ہو "حطۃ" یعنی یا اللہ ہم سے پہلے گناہ درگذر فرما۔

اسی وجہ سے رسول اکرم محمد ﷺ مکہ میں فتح یاب داخل ہوئے تو سواری پر آپکا سر مبارک عاجزی وانکساری کے ساتھ خدا کا شکر بجالاتے ہوئے اسطرح جھک گیا تھا کہ انکی ڈاڑھی مبارک کجاوے کی لکڑی کو لگ رہی تھی۔ اور یہ سب اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و نیازمندی اور خشوع و خضوع تھا۔ اور آپکے ساتھ ایسا بھرپور لشکر تھا جس نے ہر طرف سے ہر چیز کو گھیر رکھا تھا۔

خصوصاً وہ سرسبز وشاداب لشکر جسمیں رسول اکرم ﷺ موجود تھے۔ تو جب آپ مکہ داخل ہوئے تو وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعات بطور شکرانے کے ادا فرمائیں اور یہی علماء کا مشہور قول ہے اور ایک قول ہے کہ وہ ضحیٰ کی نماز تھی۔ اور اس قول کے قائل کی وجہ یہ تھی کہ وقت بھی یہی تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس حکم کی مخالفت کی قول میں بھی اور عمل میں بھی۔ تو وہ اپنی سرینوں کے بل اکڑتے مٹکتے یوں کہتے داخل ہوئے حبة فی شعرة . حنطة فی شعرة دانہ بالی میں گندم بالی میں۔

حاصل کلام یہ کہ حکم کی مخالفت کی اور استہزاء کیا جیسے اللہ نے فرمایا

اور (یاد کرو) جب انسے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرلو اور اس میں جہاں جی چاہے، کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حطۃ کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا، ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے، پھر ان ظالموں نے وہ بات بدل ڈالی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب کا ٹکڑا بھیجا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔[2]

اور جب ہم نے (ان سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطۃ کہنا، ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے پھر ان لوگوں نے وہ بات بدل ڈالی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب کا ٹکڑا نازل کیا اس سبب سے کہ وہ فسق کرتے تھے[3]

[4] اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمان الٰہی (اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا) اس سے

---

[1] اعراف ۱۶۱۔۱۶۲ [2] وقد روی البزار من طریق مبارك بن فضالة عن عبدالله بن سعید المقبری، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ نحوه. قال ورواه محمد بن عجلان عن سعید المقبری، قال ورواه قتادة عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی ﷺ [3] البقرہ ۵۸۔۵۹ [4] وقال الثوری عن الاعمش عن المنهال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس...

مراد ہے کہ رکوع جیسی حالت میں یعنی عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے داخل ہونا۔[1]

اور مجاہد، سدی، اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ باب یعنی دروازے سے مراد وہ باب حطہ ہے جو بیت المقدس (شہر) کے بیت ایلیاء کا باب ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ خدائی فرمان کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے سروں کو اکڑا کر بلند کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ تو دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مانند ہی حدیث رسول میں بھی موجود ہے۔ جسکا ذکر ابھی آگے آجاتا ہے۔ تو دونوں باتوں کا مطلب ہوگا کہ وہ سروں کو اٹھائے ہوئے اور سرینوں کے بل (یعنی جسم کے درمیان حصے کو آگے کی طرف اچھی طرح کر کے اور ہاتھ سرینوں) کھلوں پر رکھ کر اکڑتے ہوئے تکبر سے داخل ہوئے۔

اور فرمان باری "وقولو احطة" میں واو حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ تو مطلب ہوگا کہ جھکی حالت میں حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا۔ (اور حِطَّة کا معنی ہے معافی اور بخشش) ابن عباسؓ اور عطاء اور حسن، اور قتادہ اور ربیعؒ فرماتے ہیں کہ انکو حکم کیا گیا تھا کہ مغفرت طلب کرتے ہوئے داخل ہوں۔

بخاری نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا "دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور اس حال میں کہ حطۃ کہتے جاؤ تو ہم تمہاری خطاؤں کی مغفرت کر دینگے" تو انہوں نے بات بدل ڈالی اور اپنی سرینوں کے بل داخل ہوئے اور یہ زبان پر جاری رکھا، حبة فی شعرہ یعنی بالی جو میں یعنی ہم کو گندم سٹے میں چاہیے۔[2]

[3]اور دوسری طریق سے حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

"اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا" دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور رحِطَّة کہتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمہاری خطاوں کو بخش دیں گے۔" تو انہوں نے بات بدل دی اور اپنی سرینوں کے بل یوں کہتے ہوئے داخل ہوئے کہ حبة فی شعرة کہ دانہ بالی میں چاہیے۔[5]

[6]اور محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں انہوں نے تبدیلی کی تھی اس طریق...... کے اعتبار سے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ وہ اس دروازے میں جسمیں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم تھا اپنی سرینوں کے بل یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے حطة فی شعیرة. کہ گندم جو میں یعنی ہمیں گندم اور جو چاہیے۔

اور ایک دوسرے طریق سے[7]...... سے ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمان باری (فبدل الذین

---

[1] رواه الحاكم وابن جرير وابن ابی حاتم ، وكذا روى العوفي عن ابن عباس، وكذاروى الثوري عن بن اسحاق عن البراء [2] قال البخاری حدثنا محمد، حدثنا عبدالرحمن بن مهدی ، عن ابن المبارك ، عن معمر عن همام بن منبه، عن ابی هریرهؓ [3] وكذارواه النسائي من حديث ابن المبارك ببعضه، ورواه عن محمد بن اسماعيل بن ابراهيم عن ابن مهدی به موقوفاً [4] وقد قال عبدالرزاق : انبانا معمر ، عن همام بن منبه انه سمع ابا هريره [5] ورواه البخاری ومسلم والترمذی من حديث عبدالرزاق وقال الترمذی حسن صحيح .

[6] كما حدثنی صالح بن كيسان، عن صالح مولى التوامه عن ابی هريرة و عمن لا اتهم عن ابن عباس

[7] وقال اسباط عن السدی عن مرة عن ابن مسعود

ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم) کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے یہ بات بدل کر کہی تھی (ھطی سقاثاا زمة مزیا) جسکا مطلب ہے کہ ہمیں گندم کے سرخ دانے جن میں سیاہ جو کے دانے ملے ہوں وہ چاہئیں۔

اور آگے اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے کہ انکو اس مخالفت اور گستاخی پر عذاب خداوندی نے گرفت میں لے لیا اور وہ آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ جو طاعون تھا۔ انمیں بری طرح سے پھیل گیا۔ (اور اس طاعون عذاب کی ابتداء بھی ایسے ہی لوگوں سے ہوئی) جیسے کچھ اشارہ درج ذیل حدیث رسول علیہ السلام سے ملتا ہے۔

[1] کہ صحیحین میں ..... اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک یہ بیماری (یعنی طاعون) اس عذاب کا ٹکڑا ہے جسکے ساتھ تم سے پہلی بعض امتوں کو عذاب دیا گیا۔

[2] اور امام نسائی اور ابن ابی حاتم نے بھی دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا طاعون اس عذاب کا ٹکڑا ہے جسکے ساتھ تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا۔

اور ضحاکؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ الوجز (جس کا آیت میں ذکر آیا ہے اس سے مراد) عذاب ہے۔ اور یہی مجاہد اور ابو مالک اور سدی اور حسن اور قتادہ کا فرمان ہے اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ الوجز وہ خدائی غضب ہے اور شعبی فرماتے ہیں الرجز یا تو طاعون ہے یا (برف کے) اولے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے فرمایا یہ طاعون ہے۔

اور جب بنی اسرائیل کا قبضہ بیت المقدس پر مستحکم ہو گیا تو وہ اسی میں بسے رہے۔ اور انکے درمیان اللہ کے پیغمبر یوشع اللہ کی کتاب تورات کے ساتھ فیصلے فرماتے رہے حتی کہ اللہ نے انکو اپنے پاس بلا لیا اور اسوقت انکی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ اور موسیٰؑ کے بعد آپ ستائیس سال حیات رہے۔ یعنی وفات موسیٰؑ کے وقت انکی عمر سو سال تھی۔

---

[1] كماثبت في الصحيحين من حديث الزهري، عن عامر بن سعد، ومن حديث مالك، عن محمد بن منكدر وسالم ابي النضر، عن عاصم بن سعد، عن اسامة بن زيد

[2] وروى النسائي وابن ابي حاتم وهذا لفظه من حديث الثوري عن حبيب بن ابي ثابت، عن ابراهيم بن سعد بن ابي وقاص عن ابيه واسامة بن زيد و خزيمة ابن ثابت قالوا قال رسول ﷺ .... الخ

پراسرار شخصیت

حضرت خضر علیہ السّلام کا قصہ

حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ مبارک

حضرت خضرؑ کے متعلق پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم سے انکے پاس گئے تھے تا کہ جو انکو علم لدنی حاصل ہے وہ سیکھ آئیں۔

اور اللہ عزوجل نے سورہ کہف میں اپنے کلام مقدس میں ان دونوں کا قصہ بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اسکی تفسیر و تشریح ہم پہلے کر آئے ہیں۔ اور اب ہم یہاں اس بات کو ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت خضرؑ کے ذکر کی صراحت آئی ہے۔

حضرت خضرؑ کے نام نسب، نبوت اور اب تک زندگی کے متعلق مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں اللہ نے چاہا تو اسکی قوت و طاقت کے ساتھ ہم انکو یہاں ذکر کریں گے۔

حافظ ابن عساکر نے فرمایا ہے کہ وہ خضرؑ بن آدمؑ ہیں یعنی عین آدمؑ کی پشت سے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر ابن عساکرؒ نے اسپر اس طریق...... [1] سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا خضر بن آدم، آدم کی صلبی اولاد ہیں۔ اور انکی وفات میں مہلت دیدی گئی ہے حتی کہ وہ کذاب دجال کی بھی تکذیب فرمائیں گے۔ یعنی تب تک زندہ رہیں گے۔

اور یہ روایت منقطع اور غریب ہے۔

اور ابو حاتم سہیل بن محمد بن عثمان السجستانی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مشائخ جن میں ابو عبیدہ وغیرہ تھے۔ ان سے سنا ہے کہ اولاد آدم میں سب سے طویل عمر والے حضرت خضرؑ ہیں اور انکا نام گرامی "خضرون بن قابیل ابن آدم" ہے۔

فرمایا: کہ ابن اسحاقؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو خبر دی کہ ایک طوفان انسانوں پر واقع ہوگا۔ اور انکو حکم دیا کہ جب وہ طوفان آئے تو تم کشتی میں میرے جسد (اطہر) کو بھی ساتھ لے لینا۔ اور جو مکان ان کے اترنے کیلئے مقرر ہو وہاں مجھے دفن کر دینا۔ تو جب طوفان آیا تو انہوں نے اپنے ساتھ اس جسد مبارک کو بھی لے لیا تو جب زمین پر اترے تو حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں کو حکم فرمایا کہ جسد اطہر کو جہاں انہوں نے وصیت فرمائی تھی دفن کردو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ زمین انکے جسد اطہر کے ساتھ مانوس نہیں ہے اور جسد اطہر کو وحشت ہوگی۔ تو حضرت نوحؑ نے اسپر انکو ابھارا اور ترغیب دلائی۔ اور بطور شرط فرمایا کہ حضرت آدمؑ نے دعا فرمائی تھی کہ انکو وہ شخص دفن کرے جو سب سے طویل عمر والا ہو تو تب انکا جسد اطہر انکے پاس ساتھ ساتھ رہا حتی کہ خضرؑ نے انکے دفنانے کی ذمہ داری اٹھائی۔ اور اللہ نے انکے وعدے کو پورا فرمایا تو وہ جب تک بھی اللہ چاہیں زندہ ہیں مع

---

[1] ثم روی من طریق الدارقطنی، حدثنا محمد بن الفتح القلانسی، حدثنا العباس بن عبدالله الرومی، حدثنا رواد بن الجراح، حدثنا مقاتل بن سلیمان، عن الضحاك عن ابن عباس

اور ابن قتیبہ نے "المعارف" میں وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ خضرؑ کا نام بلیا تھا اور انکا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے بلیابن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوحؑ اور اسماعیل بن ابی اویس نے فرمایا ہم تک جو روایت پہنچی۔ واللہ اعلم۔ اسکے مطابق تو حضرت خضرؑ کا اسم گرامی المعمر ابن مالک بن عبداللہ بن نصر بن الازد ہے۔

اور انکے علاوہ دوسرے بعض حضرات نے فرمایا وہ خضرون بن عمائیل بن الیفز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیمؑ ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکا اسم گرامی ارمیا بن حلقیا ہے واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون کے صاحبزادے ہیں۔ اور یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں اس روایت کے ناقل ہیں محمد بن ایوب جنھوں نے ابن لہیعہ سے اسکو نقل کیا ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ ابن مالک ہیں اور مالک حضرت الیاسؑ کے برادر ہیں۔ اور اسکے قائل سدیؒ ہیں جسکا ذکر ابھی آجاتا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ بادشاہ ذوالقرنین کے لشکر کے ہراول یعنی شروع کے لشکر پر امیر مقرر تھے۔ اور ایک قول ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے اور انکے ساتھ ہجرت بھی فرمائی انمیں سے کسی کے صاحبزادے ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ بشتاسب بن بہراسب کے زمانے میں پیغمبر رہے ہیں۔

اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ پہلے افریدون بن اثفیان بادشاہ کے زمانے سے تھے اور پھر حضرت موسیٰؑ کے زمانے تک رہے۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے سعید بن المسیبؒ سے نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کی والدہ رومیہ تھی اور ان کے والد فارسی تھے۔

اور پہلے یہ بھی گذر چکا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور فرعون کے زمانے میں تھے۔

اور ابو زرعہ "دلائل النبوۃ" میں اس طریق[1]..... سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انہوں نے نقل فرمایا کہ جب آپ کو ایک رات میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے ایک عمدہ خوشبو پائی تو فرمایا اے جبرئیل یہ کیسی عمدہ خوشبو ہے؟ تو عرض کیا یہ الماشطہ اور اس کے دو بیٹوں اور اسکی بیوی کی قبر ہے۔

اور اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ حضرت خضرؑ بنی اسرائیل کے شرفاء اور بزرگ لوگوں میں سے تھے اور انکی گذرگاہ میں ایک راہب اپنے صومعے میں پڑتا تھا۔ تو راہب انکے پاس آتا اور انکو اسلام سکھاتا۔

جب خضرؑ جوان ہوئے تو انکے والد نے انکی شادی ایک خاتون سے کردی۔ تو حضرت خضرؑ نے اسکو بھی دین سکھایا اور عہد لیا کہ اب یہ باتیں آگے کسی کو نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔ اور چونکہ حضرت خضرؑ عورتوں

---

[1] حدثنا صفوان بن صالح الدمشقي ، حدثنا الوليد ، حدثنا سعيد بن بشير ، عن قتادة ،عن مجاهد، عن ابن عباسؓ عن ابی بن کعب .... الخ

کے قریب نہ جاتے تھے اسلئے آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ پھر والد نے دوسری عورت سے شادی کرادی تو اسکو بھی اسلام سکھایا اور وہی عہد لیا اور پھر طلاق دیدی۔ تو دونوں عورتوں میں سے ایک نے تو راز کو راز میں رکھا دوسری نے راز فاش کر دیا۔

پھر حضرت خضرؑ وہاں سے بھاگ کر سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے۔ تو دو آدمی جو لکڑیاں چن رہے تھے انہوں نے آپکو دیکھ لیا۔ تو ایک نے تو آپکو ظاہر کرنے سے چھپالیا اور دوسرے نے علی الاعلان کہہ دیا میں نے خضر کو دیکھا ہے۔ اس سے پوچھا گیا اور تیرے ساتھ کس نے دیکھا ہے؟ کہا فلاں نے۔ تو فلاں سے پوچھا گیا تو فلاں نے جیسے پہلے چھپایا تھا اب بھی چھپائے رکھا۔ جس سے دوسرا جھوٹا ہو گیا اور اسوقت جھوٹے کی سزا سزائے موت تھی۔ تو اسکو قتل کر دیا گیا اور راز چھپانے والے نے اسی عورت سے شادی کرلی تھی جس نے پہلے حضرت خضر کا راز چھپایا تھا۔

اور یہ فرعون کے محل میں خادمہ تھی۔ تو ایک مرتبہ یہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کر رہی تھی کہ ہاتھ سے کنگھی چھوٹ کر نیچے گر گئی تو اچانک عورت کے منہ سے نکل گیا کہ فرعون تباہ ہو۔ تو لڑکی نے باپ کو خبر دی اور اس خادمہ کے دو لڑکے اور ایک شوہر تھا۔ فرعون نے انکے پاس قاصد بھیجا تو اس نے دونوں میاں بیوی کو انکے دین اسلام سے پھسلانا چاہا لیکن وہ مرتد ہونے سے باز رہے۔

جس پر اس نے کہا کہ میں تم کو قتل کر دوں گا؟ انہوں نے کہا کہ تیرا احسان ہو گا کہ تو اگر ہمیں قتل کرے تو ہم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دے۔ تو اس نے قتل کر کے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔

تو پھر حضرت جبرئیل نے عرض کیا (یارسول اللہ) آپ نے اس سے اچھی خوشبو نہ پائی ہو گی حالانکہ آپ جنت میں بھی داخل ہوئے ہونگے۔ اور یہ انکی قبر سے مہک رہی ہے۔

اور ماشطہ بنت فرعون کا قصہ پہلے گذر چکا۔ اور اس کنگھی وغیرہ کا ذکر حضرت خضرؑ کے قصے میں شاید ابی بن کعب کے کلام سے درج ہوا ہے یا پھر عبد اللہ بن عباس کے کلام سے۔ واللہ اعلم

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت خضرؑ کی کنیت ابو العباس تھی۔ اور زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ "خضر" حضرت خضرؑ کا لقب تھا۔ جو نام پر غالب آگیا۔ واللہ اعلم۔

بخاریؒ فرماتے ہیں[1] کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا "آپکا نام خضر اسوجہ سے پڑا کہ آپ ایک خشک سفید گھاس کی جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو وہ آپکے بعد سر سبز و شاداب لہلہانے لگی۔

اس کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں اسی طرح عبدالرزاق نے معمر سے اسکو روایت کیا ہے۔

پھر عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ فروۃ سے مراد سفید خشک گھاس ہے۔ اور خطابی اور ابو عمرو فرماتے ہیں فروہ سے مراد زمین ہے جس میں گھاس نہ اگتی ہو اور دوسرے بعض نے فرمایا وہ خشک گھاس ہے جس

---

[1] وقال البخاریؒ حدثنا محمد بن سعید الا صبهانی، حدثنا ابن المبارك، عن معمر، عن همام عن ابی هریرةؓ ...... الخ

کو فروۃ کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسی سے فروۃ الراس بولا جاتا ہے اور اس سے مراد ہوتا ہے وہ جلد جس پر بال ہوں۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔

اور تو حبشی کو ہمارے گھروں کے درمیان دیکھے گا ... ن پھرتا ہے جبکہ وہ کسی دن کھانے کی جگہ پالے اور وہ بالکل تنگدست فقیر ہے اور اسکے سر کے فروۃ (یعنی کھال) میں بیج ڈالے جاتے ہیں پھر اسکی دونوں جانبیں مرچیں اگاتی ہیں۔

عجیب شعر ہے۔ اور مراد اس سے ہے کہ یہاں لفظ فروۃ الرس استعمال ہو چکا ہے معنیٰ ہے سر کی وہ کھال جس پر بال اگے ہوں۔

تو یہاں حدیث میں فروۃ سے خشک گھاس مراد ہے جسکو اس سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسپر بال ہوں (اور وہ سفید ہو چکے ہوں)

خطابی کہتے ہیں کہ خضر کو خضر اسوجہ سے کہا جاتا ہے انکے چہرے کی تروتازگی اور حسن و چمک کی بناء پر اور یہ مذکورہ حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی وجہ ہو سکتی ہیں ورنہ حدیث سے کسی طرح بھی منہ نہیں موڑا جاسکتا۔ اور وہی اولی اور اقوی ہے۔ بلکہ اسکے غیر کی طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے ایک دوسرے طریق[1] ..... سے یہ حدیث یوں نقل فرمائی ہے۔

کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

خضر کا نام خضر اسوجہ سے رکھا گیا کہ انہوں نے خشک گھاس پر نماز ادا فرمائی تو وہ سبز لہلہانے لگی۔

اور یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔

اور قبیصہ ثوری سے وہ منصور سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خضر کو خضر اسلئے کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ نماز ادا فرماتے تو انکے اردگرد کی جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔

اور پہلے گذر چکا ہے کہ موسیٰؑ اور حضرت خضر جب نشانات قدم پر واپس لوٹے تو سمندر کے کنارے سرسبز چبوترے پر آپ کو پڑا پایا۔ اور کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور کپڑے کے دونوں سرے سر اور قدم کے نیچے تھے موسیٰؑ نے سلام کیا تو چہرے سے کپڑا ہٹایا اور جواب دیا اور پوچھا کہ یہاں سلام کرنے والا کون آیا کیا آپ موسیٰ ہیں؟ فرمایا ہاں

پھر پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں آپ نے فرمایا جی۔ پھر آگے تمام قصہ ہے جو قرآن میں ذکر ہوا۔ اور اس قصے کی کئی باتیں آپکی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک تو فرمان الہی :-

فوجدا عبداً من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما

پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسکو ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور

---

[1] من طريق اسماعيل ابن حفص بن عمر الابلى : حدثنا عثمان وابو جزى وهمام بن يحى عن قتاده عن عبدالله بن الحارث بن نوفل عن ابن عباسؓ

انکو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔

دوسرا فرمان باری ھل اتبعك علی ان تعلمن الخ آیت ۶۶ تا ۷۰ تک کی آیات مبارکہ۔

جنکا ترجمہ ہے۔ موسیٰ نے ان سے (جنکا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم آپکو (خدا کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہو؟ موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپکے ارشاد کے خلاف نہ کروں گا۔ کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اسکا ذکر تم سے نہ کر دوں۔

تو اگر یہ نبی نہ ہوتے بلکہ صرف ولی ہی ہوتے تو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اسکا یوں کلام نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ بھی ان سے یوں خطاب نہ کرتے۔

اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو انکی خدمت، طلب علم کے لئے بھیجا۔ اور کسی کے پاس نہ بھیجا۔

اور اگر یہ نبی نہ ہوتے تو معصوم نہ ہوتے اور جبکہ حضرت موسیٰ تو واجب العصمۃ تھے۔ تو پھر کیسے یہ ایک ولی جو غیر واجب العصمہ تھے انکے علم میں اس قدر رغبت و طمع فرماتے۔ اور آپ نے انکے پاس جانے کا کتنا اہتمام اور عزم مصمم فرمایا کہ اگر حقب کا زمانہ بھی گذر جائے جو بہت طویل عرصہ ہے تب بھی انکی تلاش میں رہیں گے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔

اور پھر حضرت موسیٰ ملاقات ہونے پر کس قدر انکا اکرام اور ان سے عجز وانکساری برتتے ہیں اور انکی شرائط تسلیم کر کے بھی انکی معیت حاصل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی وحی پہنچتی تھی اور پھر مزید اضافہ کر حضرت خضر کو علم لدنی اور اسرار نبوت کے ساتھ نوازا گیا تھا جن کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کو بھی نہ نوازا گیا تھا، تو ان تمام باتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور قرآنی دو آیتیں اس پر دلالت کے ساتھ گزریں، اس طرح تیسری بات یہ ہے کہ خضرؑ نے ایک بچے کے قتل کا ارتکاب فرمایا اور یہ صرف اللہ کی طرف سے وحی کی وجہ سے تھا اور یہ بھی آپ کی نبوت پر مستقل دلیل ہے اور ان کی عفت پر بالکل ظاہر برہان ہے۔

اسلئے کہ کسی بھی ولی کو اپنے دلی الہام کے ساتھ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

اسلئے کہ اسکا دل واجب العصمہ نہیں ہے۔ کیونکہ بالاتفاق اس سے خطا کا صدور ہو سکتا ہے اور جب خضر نے نابالغ بچے کے قتل کا ارتکاب کیا تو اس علم پر کیا تھا کہ یہ بڑا ہو کر کفر کے نرغے میں پھنسے گا اور اپنے والدین کیلئے بھی خطرہ بنے گا۔ تو یہ آنے والے زمانے کا علم یقینی اللہ کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے اور نیز انکی تائید وحمایت بھی اللہ کی طرف سے تھی۔

اور (ابن کثیرؒ فرماتے ہیں) میں نے شیخ ابو الفرج ابن جوزیؒ کو بعینہ ان دلائل کے ساتھ حضرت خضرؑ کی نبوت پر دلیل پکڑتے دیکھا ہے۔ اور علامہ کرمانی نے بھی اس پر دلیل پکڑی ہے۔

چوتھی دلیل نبوت خضر یہ ہے کہ حضرت خضرؑ نے جب تمام کاموں کا اصل مقصد بتلا دیا تو حضرت موسیٰ

کو بھی بات کھل کر سامنے آگئی تب حضرت خضرؑ نے فرمایا رحمة من ربك وما فعلته عن امری۔
کہ یہ تیرے رب کی رحمت سے ہوا ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا اس سے انکی نبوت صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ولایت خود اس میں آجاتی ہے اور رسالت بھی کوئی منافی نہیں ہے۔ بہر حال فرشتے ہونے کا قول انتہائی غریب ہے۔
اور جب ہماری بات دلائل سے ثابت ہوئی کہ وہ نبی تھے تو اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ولی کبھی غائب کاموں کی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں نہ کہ شریعت کے علم پر۔ تو اسپر کوئی دلیل اور ایسی معتمد بات نہیں جسکے ساتھ اس قول میں سہارا لیا جائے

کیا اب بھی خضرؑ باقی ہیں؟

جمہور فرماتے ہیں خضرؑ اب تک باقی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ انہوں نے طوفان نوح کے بعد آدمؑ کو دفن فرمایا تھا اس لئے انکو والد کی دعا کے طفیل لمبی زندگی ملی۔ اور ایک قول ہے کہ انہوں نے آب حیات نوش فرمایا تھا۔ تو اسوجہ سے زندہ ہیں اور کئی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور انکو ہم آگے انشاء اللہ دوسری روایات کے ساتھ بیان کریں گے۔
اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر جدا ہونے لگے تو خضرؑ نے فرمایا تھا۔
کہا یہ میرے اور آپکے درمیان جدائی (کا وقت) ہے میں عنقریب آپ کو انکی تاویل بتادوں گا جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔
تو اس نصیحت کے بارے میں بہت سی منقطعہ اخبار مروی ہیں بیہقی فرماتے ہیں کہ اس طریق[1] ..... سے منقول ہے کہ جب موسیٰؑ خضرؑ سے فراق فرمانے لگے تو فرمایا کہ مجھے کچھ نصیحت ووصیت فرمایئے۔ فرمایا کہ۔
نفع رساں بن، ضرر رساں مت بن۔ خوش رہا کر، غصے میں مت رہا کر۔ لجاجت وخوشامدی کو چھوڑ دے اور بغیر مقصد (نہ سفر کر) نہ چل۔
اور دوسرے طریق سے یہ زیادتی ہے! سوائے تعجب کے مت ہنسا کر۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں: خضرؑ نے فرمایا: اے موسیٰ۔ لوگ دنیا کے عذابوں میں اسی قدر مبتلا کئے جاتے ہیں جس قدر انکی دنیا کے متعلق فکریں ہوتی ہیں۔
اور بشر بن حارث الحافی فرماتے ہیں: موسیٰؑ نے خضرؑ سے کہا مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ تو فرمایا اللہ تجھ پر اپنی اطاعت کو آسان فرمائے۔
اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث آئی ہے جسکو ابن عساکرؒ نے زکریا ابن یحیٰ الوقاد کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ شخص زکریا۔ بڑے کذابوں میں سے ہے۔ یہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن وہب کو یہ بات بتلائی گئی جبکہ

---

[1] انباء نا ابو سعید بن ابی عمرو، حدثنا ابو عبدالله الصفاء، حدثنا ابو بكر بن ابی الدنیا، حدثنا اسحاق بن اسماعیل، حدثنا جریر، حدثنی ابو عبدالله الملطی قال لما اراد موسی الخ

میں بھی سن رہا تھا کہ ثوری اور مجالد اور ابو الوداک سب کہتے ہیں کہ ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

کہ میرے بھائی موسیٰ نے کہا اے پروردگار..... پھر تمام قصہ ذکر کیا پھر انکے پاس حضرت خضرؑ تشریف لائے اور وہ عمدہ مہکتی خوشبو والے انتہائی سفید کپڑوں والے نوجوان تھے۔ اور آکر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اے موسیٰ بن عمران تیرا رب تجھ کو سلام فرماتا ہے موسیٰ نے فرمایا وہ ہی سلامتی والا ہے اور اسکو بھی سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ رب العٰلمین کیلئے ہیں جسکی نعمتوں کا میں شمار نہیں کر سکتا اور اسکے شکر پر قادر ہو سکتا مگر اسکی مدد سے۔ پھر موسیٰؑ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ آپ مجھے ایسی کوئی وصیت فرمائیں جو مجھے آپکے بعد نفع دے تو خضرؑ نے فرمایا اے طالب العلم کہنے والا (واعظ وغیرہ) اکتاہٹ میں سننے والے سے کم پڑتا ہے۔

پس جب آپ انکو کچھ بیان کریں تو اپنے ہم نشینوں کو تھکاوٹ میں نہ ڈالیں۔

اور جان کہ تیرا دل برتن ہے پس دیکھتا رہ کہ کس چیز سے برتن کو پر کر رہا ہے؟

اور دنیا سے کنارہ کش رہو اور اسکو اپنے پیچھے پھینک دو وہ تیرا گھر نہیں ہے اور نہ اسمیں ٹھکانا ہے اور تجھ کو لوگوں تک پیغام پہنچانے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں سے آخرت کیلئے توشہ لے لو اور اپنے نفس کو صبر پر ثابت قدم رکھو تو گناہوں سے چھٹکارا پا جاؤ گے۔

اے موسیٰؑ اگر آپ علم چاہتے ہیں تو اسکے لئے اپنے کو فارغ کر لو کیونکہ علم اسکا ہے جو اسکے لئے فارغ ہو جائے اور کثرت کلام کرنے والے نہ بنو اور بیکار باتوں سے بچو کیونکہ کثرت گفتگو علماء کو عیب دار کرتی ہے اور کم عقلی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اپنے لئے میانہ روی کو لازم کر لو کیونکہ یہ چیز توفیق الٰہی اور درستگی کی علامت ہے اور جاہلوں اور ٹال مٹول کرنے والوں سے بچو اور بے وقوفوں سے بردباری کرو۔ کیونکہ یہ حکماء کا فعل ہے اور حکماء کی زینت ہے۔ اور جب تجھ کو جاہل گالی دے تو اس سے بردباری کے ساتھ چپ ہو جاؤ اور احتیاط کے ساتھ کنارہ کر لو۔ کیونکہ ابھی بھی جو اسکی جہالت اور گالم گلوچ باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ ہے۔

اے ابن عمران اپنے کو کم علم خیال کرتے رہو۔ بے شک خود سری اور بے راہ روی اپنے کو مشقت میں ڈالنا اور تکلیف میں پڑنا ہے۔

اے ابن عمران ایسے دروازے کو نہ کھول جسکے متعلق آپ نہیں جانتے کہ کس نے اسکو بند کیا ہے اور ایسے دروازے کو بند نہ کرو کہ آپ نہیں جانتے کہ کس نے اسکو کھولا ہے۔

اے ابن عمران جس شخص کی دنیاوی حاجتیں پوری نہ ہوں اور دنیا سے اسکی رغبت ختم نہ ہو، اور اپنی حالت کو حقیر سمجھے یعنی غریب و مفلس سمجھے اور زیادتی مال کی طلب میں رہے اور جو اسکے لئے فیصلہ کر دیا گیا ہے اسمیں خدا سے شکوہ رکھے تو ایسا شخص کیسے زاہد ہو سکتا ہے؟

جسکی خواہش نفسانیہ اسپر غالب آجائے تو کیا وہ شہوات سے بچ سکتا ہے؟ کیا اسکو طلب علم نفع دے سکتا ہے؟ جبکہ جہالت کی تاریکی نے اسکو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ کیونکہ ظاہر میں انکی کوشش تو آخرت میں ہے اور در حقیقت وہ دنیا پر مر مٹا ہے۔

اے موسیٰ: وہی سیکھ جس پر تو عمل پیرا ہونا چاہتا ہے۔ اور اسلئے نہ سیکھ کہ تو اسکے ساتھ تقریر کرے تو پھر ایسا علم تیرے لئے نیکی اور تیرے غیر کے لئے نور ہوگا۔

اے موسیٰ بن عمران زہد اور تقویٰ کو اپنا لباس بنالے۔ اور علم و ذکر کو اپنا کلام بنالے اور نیکیوں کی کثرت کر کیونکہ برائیاں تو خود ہی ہوتی رہتی ہیں اور اپنے دل کو خوف کے ساتھ ساتھ رکھ یہ تیرے رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہوگا۔ اور خیر کر تا رہ اگر تو نے ان باتوں کو محفوظ کر لیا تو نصیحت پا گیا۔ پھر حضرت خضر رخ زیبا لیکر چل دیئے اور موسیٰ رنجیدہ و کرب زدہ روتے رہ گئے۔

یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے میں سمجھتا ہوں یہ زکریا بن یحیٰ الوقاد المصری کی کارستانی ہے اور اسکو کئی علماء کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ حافظ ابن عساکر جیسا انسان اسکے متعلق سکوت اختیار کر گیا ہے۔

ایک عجیب قصہ

[1] اور حافظ ابو نعیم اصبہانی اس طریق ...... سے حضرت ابو امامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا: کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں رسول خدا۔ تو آپ گویا ہوئے

خضرؑ ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جارہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپکو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی: مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپکو برکت دے۔ خضرؑ نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں تو فقیر نے پھر صدا لگائی: میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپکے پاس برکت پہچان لی خضرؑ نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کر دے مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔

حضور نے فرمایا: کہ پھر مسکین نے انکو بازار لے جا کر چار سو دراہم میں فروخت کر دیا۔ اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کیلئے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو۔ حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (بھتر کیا تھا پوری چٹان تھی) تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے

---

[1] وقال ابو نعیم حدثنا سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی ، حدثنا عمرو بن اسحاق بن ابراهیم بن العلاء الحمصی، حدثنا محمد بن الفضل بن عمران الکندی حدثنا بقیة بن الولید عن محمد بن زیاد عن ابی امامةؓ الخ

لئے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اپنے ہی وقت میں منتقل ہو چکا تھا مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر در پیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کیلئے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا آکر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی تو مالک (مارے تعجب کے) گویا ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپکی کیا حقیقت ہے؟

فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جسکے متعلق تو نے سنا ہوگا مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اسکو قدرت دی کہ مجھے فروخت کردے تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اسکے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اسکی ہڈی حرکت کر سکے گی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا۔ خضرؑ نے فرمایا کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپکا راستہ چھوڑتا ہوں۔

تو آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کروں تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا تو خضرؑ نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اسی نے مجھے اس سے نجات دی اور اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں خطا ہے مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس کے راوی ایسے اشخاص ہیں جن کو پہچانا نہیں جاتا واللہ اعلم۔

اور ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "عجالة المنتظر فی شرح حال الخضر" میں اسکو عبدالوہاب بن ضحاک کے طریق سے نقل کیا ہے اور وہ بقیہ سے متروک ہے۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے سدیؒ کی طرف اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ خضر اور الیاسؑ دونوں بھائی تھے اور دونوں کے والد مکرم بادشاہ تھے ایک مرتبہ الیاس نے والد کو کہا کہ میرا بھائی خضر بادشاہی میں کوئی رغبت نہیں رکھتا لہذا اگر آپ انکی شادی کر دیں تو شاید اسکی کوئی اولاد ایسی ہو جائے جو سلطنت کے امور کے محافظ بن سکے اور بادشاہی کا تاج پہن سکے۔ تو بادشاہ نے اپنے بیٹے خضرؑ کی شادی کر دی لڑکی بھی حسین اور کنواری تھی۔ تو خضرؑ نے اسکو کہا کہ مجھے عورتوں کی حاجت نہیں ہے پس اگر تو چاہے تو میں تیرا راستہ چھوڑ دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو میرے ساتھ رہ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہ اور میرے راز پر پردہ پوشی کرتی رہنا۔ تو لڑکی نے کہا ٹھیک ہے اور

پھر اسکے ساتھ رہنے لگی۔ حتی کہ ایک سال کامل بیت گیا۔

پھر بادشاہ نے لڑکی کو بلایا اور کہا کہ تو بھی نوجوان اور عنفوان شباب پر ہے اور میرا لڑکا بھی جوان ہے تو پھر اولاد کہاں ؟ لڑکی نے عرض کیا اولاد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگر وہ چاہے تو ہو جائے اور اگر نہ چاہے تو نہ ہو۔

بادشاہ نے اپنے لڑکے خضر کو حکم دیا کہ اس بیوی کو طلاق دیدے۔ تو خضر نے طلاق دیدی۔ پھر والد نے دوسری ایسی عورت سے شادی کروادی جس سے پہلے اولاد بھی ہو چکی تھی۔ تو خضرؑ نے جب اسکے ساتھ رات بسر کی تو اسکو بھی وہی باتیں کہیں جو پہلی کو کہیں تھیں۔ اور اس نے بھی پہلی کی طرح انکے پاس ٹھہرنے کی خواہش کو مقدم رکھا پھر سال بیت گیا اور بادشاہ نے عورت سے اولاد کے متعلق سوال کیا تو عورت نے کہا کہ آپکے لڑکے کو عورتوں کی طرف خواہش ورغبت نہیں۔ تو والد نے خضرؑ کو طلب کیا تو آپ بھاگ گئے پھر لوگوں کو انکے پیچھے دوڑایا لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا کہا جاتا ہے کہ آپکے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دوسری عورت کو راز فاش کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تھا اور اس وجہ سے بھاگے۔ اور پہلی کو طلاق دیکر خلاصی دیدی۔

پھر یہ عورت جسکو طلاق مل چکی تھی اسی شہر کے مضافات میں رہ کر عبادت خداوندی میں مصروف رہنے لگی ایک مرتبہ اسکے پاس سے ایک شخص کا گذر ہوا لڑکی نے اس شخص سے شادی کر لی اور پھر دونوں کو اللہ نے اولاد سے بھی نوازدیا پھر قدرت سے عورت فرعون کی لڑکی کی ملازمہ بن گئی اور اسکے بالوں میں کنگھی کرنے کی خدمت سپرد ہوئی۔

ایک مرتبہ یہ کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گری تو زبان سے بسم اللہ نکل گیا۔ فرعون کی بیٹی فوراً بولی کیا میرے والد ؟ فرمایا نہیں میرا رب اور تیرا رب اور تیرے باپ کا رب بھی اللہ ہی ہے۔

تو لڑکی نے فرعون باپ کو اطلاع پہنچادی۔ فرعون نے حکم جاری کیا اور پیتل کی بھڑکتی آگ تیار کروائی گئی اور اسمیں مسلمان عورت کو کود جانے کا حکم ملا۔ عورت نے جب آگ کی وحشت ناکی دیکھی تو گھبرا اٹھی لیکن خدا کی قدرت کہ چھوٹا دودھ پیتا بچہ بول اٹھا اماں جان صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں تو پھر عورت نے اپنے وجود کو فوراً آگ کے حوالے کر دیا اور وفات پا گئی رحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے ابوداؤد اعمی نفیع سے روایت کیا ہے (اور یہ شخص کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا ہے) اس نے انس بن مالک سے روایت کی۔ اور اسی طرح کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف (اور یہ بھی کذاب ہے) نے اپنے باپ اور باپ نے دادا کے طریق سے روایت کی ہے کہ کسی شب حضرت خضر تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا اے اللہ مجھے اس چیز پر مدد و قوت دے جو مجھے اس سے بچالے جس سے تو نے مجھے خوفزدہ فرما رکھا ہے (یعنی عذاب سے) اور مجھے صالحین کا وہ شوق عطا فرمائیے جو شوق آپ نے انکو عطا کر رکھا ہے۔

تو خضرؑ نے انس بن مالک کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا اور سلام جواب ہوا پھر خضر نے کہلوایا کہ آپ کو اللہ نے انبیاء پر یوں ہی فضیلت عطا فرمائی ہے جس طرح ماہ رمضان کو تمام مہینوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور آپکی امت کو بھی دیگر امتوں پر یوں ہی فضیلت بخش دی گئی جس طرح یوم الجمعہ کو دیگر ایام پر فضیلت بخش دی گئی۔

اور یہ حدیث متن (یعنی اصل حدیث) اور سند دونوں کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان اور طالب علم بن کر تو آئے لیکن حضور اکرم ﷺ کے سامنے صورت ظاہر نہ کرے۔
اور اہل کتاب اپنی کتب میں اپنے بعض مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ خضرؑ انکے پاس آتے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے اور انکے گھروں اور محلوں کے نام بھی جانتے تھے۔ اور وہ اس سب کے باوجود موسیٰ بن عمران کلیم اللہ کو نہ جانتے تھے۔ جنکو اللہ نے اس وقت تمام لوگوں پر فضیلت کے ساتھ چن لیا تھا حتی کہ حضرت موسیٰ کو اپنا تعارف کروانا پڑا کہ وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ ہیں۔
اور حافظ ابو الحسن بن منادی نے اس مذکورہ حدیث کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اہل حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث منکر الاسناد اور سقیم المتن ہے جس میں من گھڑت ہونے کا اثر ظاہر ہے۔

حدیث تعزیت رسول اکرم ﷺ

حافظ ابو بکر بیہقی نے یوں فرماتے ہوئے حدیث روایت کی کہ ہمیں خبر دی ابو عبداللہ الحافظ نے کہ ہمیں خبر دی ابو بکر بالویہ نے کہ ہمیں محمد بن بشر بن مطر نے بیان کیا کہ ہمیں کامل بن طلحہ نے بیان کیا کہ ہمیں عباد بن عبد الصمد نے انس بن مالکؓ سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔
جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ نے آپکو گھیرے میں لے لیا اور آہ وزاری میں مصروف ہو گئے اتنے میں ایک شخص چمکتی داڑھی بھرے ہوئے جسم والے خوبصورت شکل والے آئے اور اصحاب کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور وہ بھی آہ وزاری میں مصروف ہو گئے پھر اصحاب رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بے شک اللہ کے بارے میں ہر مصیبت سے صبر کرنے والا بہتر ہے اور اللہ کے ہاں ہر فوت شدہ چیز کا ثمرہ اور بدلہ ہے اور ہر جانے والے کے بدلے دوسرا ہے پس اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسی کی طرف رغبت کرو اور اللہ نے تمہاری طرف مصیبت کے متعلق نظر رحمت فرمائی ہے پس تم بھی اسی کی طرف نظر کرو کیونکہ مصیبت زدہ تو وہ ہوتا ہے جسکا نقصان پورا نہ ہو۔ اور پھر وہ شخص چلا گیا۔
آپس میں اصحاب کہنے لگے کیا تم اسکو جانتے ہو؟ کون تھا؟ تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا جی ہاں وہ رسول اکرم ﷺ کے بھائی خضرؑ تھے۔
اس حدیث کو ابو بکر بن ابی الدنیا نے کامل بن طلحہ سے روایت کیا ہے اور اسکے مضمون حدیث میں بیہقی والے (گذشتہ) متن کی مخالفت ہے۔
پھر امام بیہقی جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسکا راوی عباد بن عبد الصمد ضعیف ہے لہذا یہ ایک مرتبہ منکر ہوئی۔ اور بندہ کہتا ہے کہ عباد بن عبد الصمد یہ ابن معمر بصری ہی ہے جس نے انسؓ سے ایک نسخہ نقل کیا ہے۔ ابن حبانؒ اور عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس نسخہ کی اکثر حدیثیں من گھڑت ہیں اور بخاریؒ اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے اور ابو حاتمؒ فرماتے ہیں یہ بہت ہی کمزور حدیث والا اور منکر شخص ہے اور ابن عدیؒ فرماتے ہیں اسکی عام طور پر احادیث حضرت علیؓ کے فضائل میں ہیں اور یہ ضعیف ہے اور غالی شیعہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ جعفر بن محمد سے مروی ہے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن الحسین سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی اور تعزیت کرنے والوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ بے شک اللہ کی رضا میں ہر مصیبت سے صبر کرنے والا ہے اور ہر جانے والے کے پیچھے خلیفہ ہے اور ہر فوت شدہ چیز کا بدل ہے پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی کی طرف رجوع کرو بے شک مصیبت زدہ تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ علی بن الحسین نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون ہے ؟ یہ خضرؑ ہیں۔

اسمیں حضرت شافعی کے شیخ قاسم عمری متروک ہیں۔ احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص قاسم جھوٹا ہے اور امام احمدؒ نے اضافہ فرمایا کہ حدیث بھی وضع کرتا ہے۔ پھر یہ حدیث ہے بھی مرسل یعنی فقط تابعی پر ختم ہے۔ اور یہاں اس جیسی حدیث پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

اور ایک دوسرے ضعیف طریق سے بھی اسکو روایت فرمایا ہے یعنی جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے اور دادا اپنے والد سے وہ علی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ طریق بھی صحیح نہیں ہے۔

اور عبداللہ بن وہب اپنے حدیث بیان کرنے والے سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عجلان سے مروی ہے کہ محمد بن المنکدر سے مروی ہے کہ اس دوران کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جنازہ پر نماز ادا فرمارہے تھے کہ کسی غیبی آواز دینے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا۔

ہم سے آگے نہ بڑھ اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔

تو حضرت عمرؓ نے اسکا انتظار فرمایا حتی کہ وہ صف میں لاحق ہو گیا۔ پھر اس نے میت کیلئے دعا فرمائی۔

اے اللہ اگر آپ اسکو عذاب کریں تو تیرے بہت سے بندے گناہگار ہیں اور اگر تو اسکو بخشش دے تو تیری رحمت کا فقیر ہے۔

اور جب آپ دفن کر دیئے گئے تو وہی شخص کہنے لگا: اے صاحب قبر تجھ کو خوشخبری ہو کہ آپ نہ نجومی یا کاہن تھے اور نہ مال جمع کرنے والے تھے اور نہ خزانچی تھے اور نہ کاتب تھے اور نہ راشی تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اس شخص کو پکڑلو تاکہ ہم اسی سے اسکی نماز اور اسکے کلام کے متعلق پوچھ گچھ کرلیں کہ وہ ہے کون ؟ محمد بن المنکدرؒ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا پھر لوگوں نے دیکھا تو اسکا نشان قدم ایک ہاتھ جتنا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اللہ کی قسم یہ حضرت خضرؑ تھے جو ہمیں رسول اکرم ﷺ کے متعلق بتارہے تھے۔ اور یہ منقطع ہے، حدیث صحیح نہیں اور حافظ ابن عساکرؒ نے ثوری سے اور ثوری نے عبداللہ بن المحرز سے اور عبداللہ نے یزید بن الاصم سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی رات طواف کی غرض سے مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص کعبے کا غلاف تھامے کہہ رہا تھا۔

اے وہ ذات جس کو کسی کا سننا دوسرے کے سننے سے نہیں روکتا (کیونکہ وہ بیک وقت تمام کی آوازیں بخوبی سنتا ہے۔ اور اے جسکو (مختلف سوال و) مسائل غلطی میں نہیں ڈالتے اور اے وہ ذات جسکو اصرار اور الحاح

وزاری کرنے والوں کی الحاح واصرار اکتاہٹ میں نہیں ڈالتی۔ اور نہ سائلین کا سوال اسکو اکتاہٹ میں ڈالتا۔
مجھے اپنے عفو درگذر کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی حلاوت عطا کر۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے اسکو کہا کہ جو تو نے دعا کی ہے وہ دوبارہ مجھے سنا تو اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ سن رہے تھے ؟
میں نے کہا جی ہاں تو اس نے مجھے کہا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں خضر کی جان ہے۔ (یعنی وہ خضر تھے)۔
کہ جو شخص بھی فرض نماز کے بعد ان الفاظ کو کہے تو ضرور اسکی مغفرت کر دی جائے اگر چہ وہ گناہ سمندر کی جھاگوں کے برابر ہوں اور درختوں کے پتوں اور ستاروں کے شمار کے برابر ہوں تو بھی اللہ ان تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔
دعا کے عربی الفاظ درج ذیل ہیں

یا من لا یمنعه سمع عن سمع ، ویامن لا تغلطه المسائل، ویامن لایبرمه الحاح المحلین ولا مسالة السائلین ارزقنی برد عفوك وحلاوة رحمتك

اور یہ عبداللہ بن المحرز کی جہت سے ضعیف ہے کیونکہ وہ متروک الحدیث ہے اور یزید بن الاصم نے علیؓ کو نہیں پایا اور ایسی روایت صحیح قرار نہیں دی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔
اور اسکو ابو اسماعیل ترمذیؒ نے روایت فرمایا ہے کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہمیں صالح بن ابی الاسود نے محفوظ بن عبداللہ الحضرمی سے روایت کی کہ محمد بن یحی سے مروی ہے کہ اس دوران کہ حضرت علی بن ابی طالب کعبہ کا طواف فرما رہے تھے کہ ایک شخص کعبے کے پردے کو پکڑے یوں کہہ رہا تھا۔

یا من لا یشغله سمع عن سمع، ویا من لا یغلطمه السائلون ویا من لا یتبرم بالحاح الملحین ارزقنی برد عفوك وحلاوة رحمتك

(اسکا ترجمہ پہلے گذر چکا)
تو حضرت علیؓ نے اس شخص سے کہا اے اللہ کے بندے اپنی دعا مجھے دوبارہ سنا دے تو اس نے پوچھا کیا آپ نے سنا ہے ؟ فرمایا جی ہاں تو اس شخص نے کہا ہر نماز کے بعد اسکو پڑھا کر بس قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں خضر کی جان ہے اگر تجھ پر گناہ آسمان کے تاروں کے برابر اور آسمان کی بارش کے برابر اور زمین کے کنکر اور اسکی مٹی کے برابر ہوں تو پلک جھپکنے سے بھی پہلے اللہ تیری مغفرت فرما دے گا۔
یہ روایت بھی منقطع ہے اور اسکی اسناد میں غیر معروف راوی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اسکو ابن جوزیؒ نے ..... ابی بکر بن ابی الدنیا کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یعقوب بن یوسف نے بیان کیا کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا اور پھر اس روایت کے مثل الفاظ ذکر کیے۔ پھر علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں اس کی اسناد مجہول اور منقطع ہے اور اسمیں ایسی کوئی بات بھی نہیں جو اس شخص کے خضرؑ ہونے پر دلالت کر سکے۔
اور حافظ ابو القاسم بن عساکر نے فرمایا ہمیں القاسم بن الحصین نے خبر دی کہ ہمیں ابو طالب محمد بن محمد

نے خبر دی کہ ہمیں ابو اسحاق المزکی نے خبر دی کہ ہمیں محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے بیان کیا کہ محمد بن احمد بن یزید نے یہ حدیث بیان کی، اور اسکو انہوں نے ہم پر املا کروایا عباد ان کے ساتھ کہ ہمیں عمرو بن عاصم نے خبر دی کہ ہمیں حسن بن رزین نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ عطاء ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اسکو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہی جانتا ہوں کہ آپ نے فرمایا خضر اور الیاسؑ ہر سال موسم حج میں ملاقات کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کے سر کا حلق کرتے ہیں (یعنی بال مونڈتے ہیں) اور ان کلمات کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

بسم الله ماشاء الله، لا يسوق الخير الا الله، ما شاء الله لا يصرف السوء الا الله ماشاء الله ، ماكان من نعمة فمن الله ، ماشاء الله لاحول ولا قوة الا بالله

راوی کہتے ہیں کہ اور ابن عباسؓ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو صبح و شام تین تین مرتبہ کہہ لے تو وہ غرق ہو جانے جل جانے اور مال چوری ہو جانے سے محفوظ ہو گا اور راوی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا اور شیطان اور بادشاہ (کے ظلم) اور سانپ اور بچھو کے ڈنگ سے بھی محفوظ رہے گا۔

الدار قطنی افراد میں کہتے ہیں کہ ابن جریج کی یہ حدیث غریب ہے اسکو اس شیخ یعنی حسن بن رزین کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا اور محمد ابن کثیر العبدی سے بھی مروی ہے۔ اسکے باوجود حافظ ابو احمد بن عدی کہتے ہیں کہ یہ معروف نہیں ہے۔ اور ابو حافظ جعفر عقیلی کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اسکی حدیث غیر محفوظ ہے۔ اور ابو الحسن بن المنادی کہتے ہیں کہ یہ حسن بن رزین کی عجیب حدیث ہے۔

اور ابن عساکرؒ نے اسی کے مثل اس طریق سے بھی نقل کیا ہے کہ علی بن حسن الجہضمی۔ جو کذاب حدیث ہے۔ ضمرہ بن حبیب المقدسی سے اور ضمرہ اپنے والد سے وہ علاء بن زیاد القشیری سے اور علاء عبد اللہ بن الحسن سے وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر عرفہ کے روز میدان عرفات میں جبرئیل میکائیل، اسرفیل اور خضرؑ اکٹھے ہوتے ہیں اور آگے موضوع حدیث جو طویل ہے ذکر کی ہے جسکو ہم نے قصداً ترک کر دیا ہے۔

ابن عساکرؒ نے اس...... طریق سے نقل کیا ہے کہ الیاس اور خضرؑ رمضان کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور پھر آب زم زم کا ایک مرتبہ پانی پی لیتے ہیں پھر آئندہ سال اس دن میں پیتے ہیں۔

ابن عساکرؒ نے روایت کی ہے کہ ولید بن عبد الملک بن مروان جو بانی جامع مسجد دمشق ہیں۔ انہوں نے ایک رات خواہش کی کہ اس مسجد میں عبادت گذاری کریں۔ تو ولید نے حکم دیا کہ مسجد کو انکے لئے اس رات خالی کروا دیا جائے تو مسجد خالی کروا دی گئی جب رات شروع ہوئی تو ولید جامع مسجد میں داخل ہو گیا۔ تو دیکھا کہ ایک شخص اسکے اور باب الخضراء کے درمیان کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو ولید نے متولیوں کو کہا: کیا میں نے نہ کہا تھا کہ مسجد کو بالکل میرے لئے خالی کروا دو۔

تو وہ کہنے لگے اے امیر المومنین یہ خضرؑ ہیں جو ہر رات آکر یہاں عبادت کرتے ہیں۔

ابن عساکرؒ نے یہ بھی فرمایا ہے[1] ..... کہ رباح بن عبیدہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انکے ساتھ انپر ٹیک لگائے ہوئے چل رہے ہیں پھر میں نے خیال کیا کہ یہ شخص ننگے پاوں ہے پھر نماز پڑھ کر لوٹنے لگے تو میں نے پوچھا کہ جو ابھی آپکے ہاتھ پر ٹیک لگائے آرہا تھا وہ کون تھا؟ کہا کیا اے رباح تو نے اس شخص کو دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا جی ہاں تو فرمایا پھر میں تجھے نیک شخص خیال کرتا ہوں۔ وہ میرے بھائی خضرؑ تھے جو مجھے خوشخبری دے رہے تھے کہ میں برگذیدہ اور عدل والا ہوں۔

شیخ ابو الفرج بن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ رملی پر علماء کے ہاں جرح کی گئی ہے۔ اور ابو الحسن بن المنادی نے ضمرۃ اور سری اور رباح کے بارے میں جرح قدح فرمائی ہے۔ پھر دوسرے طریق سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ خضر کے ساتھ جمع ہوئے ہیں اور تمام طرق ضعیف ہیں۔

اور ابن عساکرؒ نے خضرؑ کے ابراہیم تیمی، سفیان بن عیینہ اور ایک جماعت کے ساتھ جمع ہونے کا ذکر کیا ہے جنکا ذکر طویل ہے۔

اور یہ تمام روایات و حکایات عمدہ دلائل ہیں ان لوگوں کیلئے جو حضرت خضرؑ کی ابتک حیات کے قائل ہیں۔ لیکن یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں انتہائی کمزور ہیں جن سے دین میں دلیل و حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور حکایات میں سے اکثر ضعف اسناد کے ساتھ ہیں۔ اور مختصر یہ ہے کہ اگر کسی صحابی وغیرہ کی طرف صحیح روایت منسوب بھی ہو پھر بھی صحابی وغیرہ معصوم نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے خطا جائز ہے..... واللہ اعلم

اور عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں..... کہ ابو سعید نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ کہ دجال آئے گا (اور اس پر مدینے میں داخل ہونا حرام ہے) تو ایک شخص جو لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا وہ اسکی طرف آئے گا اور دجال کو کہے گا کہ تو وہی دجال ہے جسکے متعلق ہمیں رسول اکرم ﷺ بیان کر چکے ہیں۔ تو دجال کہے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ

اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں پھر دوبارہ زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی تم میرے معاملے میں شک کرو گے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ تو وہ اس شخص کو قتل کر دے گا پھر اسکو زندہ کرے گا۔ پھر وہ زندہ ہوگا تو کہے گا اللہ کی قسم اب میں پہلے سے بہت زیادہ اچھی طرح تجھ کو جان گیا (کہ تو واقعی دجال ہے اور کچھ نہیں) تو دجال دوبارہ قتل کا ارادہ کرے گا مگر پھر اسکے قتل پر قادر و مسلط نہ ہو سکے گا۔

معمر راوی کہتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ دجال کی گردن پر ایک تانبے کی پلیٹ لٹکی ہوگی۔ اور یہ کہ وہ شخص جسکو دجال نے زندہ کیا پھر دوبارہ اسکے قتل پر قادر نہ ہو سکا تو یہ شخص حضرت خضرؑ ہونگے۔

اور یہ حدیث صحیحین میں زہریؒ کی حدیث سے تخریج شدہ ہے۔

---

[1] وروی ابن عساکر من طریق هشام بن خالد عن الحسن بن یحی الخشنی عن ابن ابی رواد قال الیاس ...... الخ

[2] انبا نا ابو القاسم بن اسماعیل بن احمد، انبا نا ابو بکر ابن الطبری، انبانا ابو الحسین بن الفضل انبا نا عبدالله بن جعفر، حدثنا یعقوب، هو ابن سفیان الفسوی، حدثنی محمد بن عبدالعزیز، حدثنا ضمره عن السری بن یحی، عن رباح بن عبیدة

اور ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الراوی، مسلمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ یہ شخص خضرؑ تھے اور معمر وغیرہ کا یہ کہنا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے یہ کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ خواہ حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں پھر دجال ایک بھرپور جوان شخص کے پاس آئے گا اور اسکو قتل کر ڈالے گا۔ اور اسی طرح آخری راوی کا یہ قول کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے بیان کیا۔ یہ مشافہ یعنی روبرو ہونے کو لازم نہیں ہے۔

اور شیخ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضر" میں خضرؑ کے متعلق ایسی احادیث جو مرفوعات منقول ہیں انکے موضوع یعنی من گھڑت ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور جو صحابہ و تابعینؒ سے آثار منقول ہیں تو انکی اسانید میں صاف ضعف ہے یا تو رجال کی جہالت کی وجہ سے یا رجال کی حالت کی جہالت کی وجہ سے۔ اور انکے متعلق اچھی تنقید بھی کی گئی ہے۔

اور کئی حضرات حضرت خضرؑ کے انتقال ہو جانے کا خیال رکھتے ہیں۔ جن میں سے امام بخاریؒ ابراہیم حربی، ابو الحسن بن المنادی، شیخ ابو الفرج ابن جوزیؒ اور شیخ ابن جوزیؒ نے اس بارے میں ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے جسکا نام (عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضرؑ)

اور ان حضرات نے کئی دلائل اسپر قائم فرمائے ہیں جو انکی وفات پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً فرمان الٰہی ہے "وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد" اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے ہمیشگی مقرر نہیں کی۔ لہذا اگر خضرؑ بشر ہیں تو اس عام حکم میں ضرور داخل ہیں۔ اور انکی تخصیص کسی صحیح حدیث کے بغیر صحیح نہیں۔ اور اصل یہی ہے کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں اگر ثابت ہو تو پھر دوسری بات ہے۔ اور یقیناً ایسی کوئی روایت و حدیث کسی معصوم (یعنی نبیؑ) سے منقول نہیں ہے جسکا قبول کرنا واجب ہو۔

اور یہ فرمان باری بھی اس میں معاون ہے۔

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آجائے جو تمہارے ساتھ (موجود کتاب و شریعت) کی تصدیق کرے تو تم اسپر ایمان لانا اور ضرور اسکی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر اپنا عہد دیا؟ تو کہنے لگے ہم اقرار کرتے ہیں تو فرمایا کہ بس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ نے جس کسی نبی کو معبوث فرمایا تو ضرور اس سے عہد لیا ہے کہ اگر وہ زندہ ہو اور اسکی زندگی میں محمد ﷺ معبوث ہوئے ہوں تو وہ اسپر ضرور ایمان لائے اور انکی مدد کرے۔ اور وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر محمد ﷺ انکی زندگی میں تشریف لے آئے تو سب کو انپر ایمان لانا ہوگا اور انکی مدد کرنا ہوگی۔

امام بخاریؒ نے ان سے روایت فرمایا ہے۔

اگر خضرؑ پیغمبر یا ولی ہوتے تو اس عہد کے تحت ضرور داخل ہوتے۔ اور اگر وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو انکی سب سے بڑی عظمت و شرافت یہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کے پاس وقت گذارتے اور آپ پر ایمان لاتے اور مدد کرتے اور دشمنوں سے آپکی حفاظت کرتے۔ کیونکہ اگر وہ ولی ہیں تو صدیق ان

سے افضل ہیں اور اگر نبی ہیں تو حضرت موسیٰؑ ان سے افضل ہیں۔

اور امام احمد اپنی مسند میں فرماتے ہیں..... کہ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انکو میری اتباع کے سوا چارہ کار نہ ہوتا۔

یہ حدیث قطعی طور پر مذکورہ مقصد کا فائدہ پہنچاتی ہے جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس پر گذشتہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے

کہ اگر تمام انبیاء بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ فرض کر لیئے جائیں تو سب کو آپکی اتباع کرنا ضروری ہے اور آپکے احکام اور آپکی شریعت مطہرہ ان سب پر فرض ہوگی۔

اور اسی طرح جب معراج کی رات آئی تو حضور اکرم ﷺ کو سب کے سروں سے اوپر اٹھالیا گیا اور جب آپکو جبرئیلؑ کے ساتھ نیچے اتارا گیا اور بیت المقدس میں لے جایا گیا تو نماز کا وقت قریب ہو گیا اور انبیاء کی صفیں قائم ہو گئیں تو حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے حکم سے حضور اکرم ﷺ کو ہاتھ پکڑ کر آگے فرمادیا کہ آپ تمام انبیاء کی امامت کروائیں۔ تو حضور نے ولیوں کے مقام پر سب کو نماز پڑھائی جس سے معلوم ہوا کہ آپ سب سے بڑے امام ہیں یعنی امام اعظم۔

اور رسول خاتم کی عظمت و شرافت کی بناء پر انکو مقدم کیا گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور معراج ہر مومن کو معلوم ہے اور جب یہ بات ہے تو ضروری طور پر معلوم ہوا کہ اگر حضرت خضرؑ زندہ ہوتے تو وہ امت محمدیہ ﷺ سے ہوتے اور آپکی شریعت کی اقتداء فرماتے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں نازل ہونگے تو وہ بھی اسی شریعت مطہرہ کے مطابق حکم فرمائیں گے اور اس سے نہ نکلیں گے اور نہ اسکے بغیر انکو بھی چارہ کار ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ پانچ بڑے اور اولو العزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں اور بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں۔ اور کسی صحیح نہ کسی حسن حدیث میں منقول ہے کہ حضرت خضرؑ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی جمع ہوئے ہوں۔ اور نہ کسی جنگ میں آپکے ساتھ شرکت کی اور یوم بدر کو صادق مصدوق ﷺ اپنے رب عزو جل سے دعا گو ہوتے ہیں اور مدد و فتح طلب کرتے ہیں اور کافرین کی شکست مانگتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ اس جماعت کو ہلاک ہونے دیں گے تو اسکے بعد روئے زمین پر آپکی عبادت نہ کی جائے گی۔

اور اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار اور ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیلؑ تک دونوں شامل تھے جیسے حسان بن ثابتؓ نے اپنے بدر کے متعلق قصیدے میں فرمایا۔

وبئر بدر اذیرد و جو هم جبریل تحت لوائنا ومحمد

اور مقام بدر میں جب کافروں کے چہروں کو جبرئیل اور محمدؐ دفع فرمارہے تھے اور جبرئیلؑ بھی ہمارے جھنڈے تلے تھے۔

تو اگر حضرت خضرؑ زندہ وحیات ہوتے تو اس دن انکا اس جھنڈے تلے آنا تمام مقامات اور غزوات سے بڑھ کر ہوتا۔

قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین بن الفراء الحنبلیؒ فرماتے ہیں: ہمارے کسی ساتھی سے خضرؑ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ مر گئے؟ تو فرمایا جی ہاں۔ اور پھر خود فرمایا ابو طاہر بن الغباری سے بھی اسی بات کے مثل خبر پہنچی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور فرمایا کہ اگر آپؑ زندہ ہوتے تو حضور اکرم ﷺ کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ ابن جوزی نے عجالہ میں اسکو نقل فرمایا لیکن اگر اشکال و شبہ کیا جائے کہ یہ ان تمام مقامات پر حاضر باش تھے لیکن کوئی انکو دیکھ نہ سکا۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل یہ کہ ان دور کے احتمالات کو نظر انداز کر دیا جائے جس سے عام روایات قرآنیہ وغیرہ کو خاص کرنا لازم آتا ہے اور یہ بھی محض توہمات کی بات ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اور پھر انکے خفیہ رہنے پر کیا شی ابھارتی ہے اور اکساتی ہے؟ بالفرض اگر آپکے بعد زندہ ہوتے تو انکا اہم ترین منصب یہی تھا کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن وحدیث کو نقل کر کے آگے پہنچانے کا اہم فریضہ بجالاتے۔ اور جو احادیث جھوٹی مشہور ہیں اور تبدیل شدہ روایتیں اور آراء و نظریات ہیں انکی تردید فرماتے اور بدعت و معصیت سے لوگوں کو روکتے۔ اور جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ ملکر قتال کرتے۔ اور جمعوں اور جماعتوں میں مسلمانوں کے ساتھ حاضر ہوتے اور مسلمانوں کو نفع رسانی اور کافروں کے ضرر سے ان کو بچانے کی کوشش کرتے۔ اور علماء اور حکام کو درست راہ پر گامزن کرتے اور ادلہ واحکام کو محکم کرتے۔

ہونا تو یہ کچھ چاہیئے تھا مگر انکے متعلق مشہور یہ کیا جاتا ہے کہ انکے لئے شہروں سے چھپار ہنا اور جنگلوں اور دور دراز وادیوں میں بسیرا انکا کام ہے اور اگر ملاقات کرنی ہے تو ایسے لوگوں سے جن میں سے اکثر کے احوال عوام پر مخفی ہیں۔ اور حضرت خضر انکے لئے نگہبان اور انکے حالات کو بیان کرنے والے ہیں۔

اور یہ اعتدال کی گفتگو جو ہم نے آپ کے سامنے عرض کی سمجھ آجائے تو کوئی اسمیں توقف نہ کرے گا بلکہ یقین کے ظرف میں جگہ دے گا۔.. اور اصل تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے راہ یاب فرماتا ہے۔

اور ہماری بات کی دلیل وہ بھی ہے جو صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا۔ کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی؟ بے شک جو شخص بھی آج روئے زمین پر باقی ہے (زندگی کے سانس لے رہا ہے انمیں سے) سو سال تک کوئی بھی ایک زندہ نہ رہے گا۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ ایک پلک جھپکنے کے برابر نہ رہ سکے گا۔ تو یہ سن کر صحابہ کرامؓ اجمعین گھبرا گئے کہ آپ نے اپنے زمانے کے ختم ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

[1] اور مسند احمد میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری حصے میں ایک رات عشاء کی نماز ادا فرمائی تو پھر فرمایا تمہارا اس رات کے متعلق کیا خیال ہے؟ بے شک سو سال کے بعد کوئی شخص باقی نہیں رہتا ان میں سے جو بھی زمین پر بستے ہوں۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم نے بھی زہری کی حدیث سے فرمائی ہے۔

---

[1] قال الامام احمد حدثنا عبد الرزاق، انبأنا معمر عن الزهری قال: اخبرنی سالم بن عبدالله وابو بكر بن سلمان ن ابی حیثمه ان عبدالله بن عمر

لہ مسند احمد میں جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل یا ایک مہینہ قبل فرمایا : کہ کوئی سانس لینے والا نفس۔ یا فرمایا کہ تم میں سے جو بھی آج سانس لے رہا ہے اسپر سو سال نہیں گذر سکتے مگر وہ اسوقت مردہ ہوگا۔

ؔلہ اور مسند احمد ہی میں دوسرے طریق سے جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے (اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل) فرمایا۔

لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں جبکہ اسکا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ آج کوئی روئے زمین پر سانس لینے والا موجود نہیں جسپر سو سال گذر جائیں (اور وہ زندہ ہو۔) ؔ

اور ترمذی میں ؔ بھی ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا روئے زمین پر کوئی نفس سانس لینے والا ایسا نہیں ہے جس پر سو سال گذر سکیں۔ یہ حدیث بھی مسلم کی شرط پر ہے۔ تو علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث صحیحہ حضرت خضرؑ کی حیات کے دعویٰ کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں تو علماء فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضرؑ نے حضور ﷺ کی زندگی کو نہ پایا جو قوی اور تقریباً یقینی بات ہے تو کوئی اشکال نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت خضرؑ نے حضور کے زمانے کو پایا تھا تو یہ اس قدر کثیر مذکورہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اب زندہ نہ ہوں۔ تو لہٰذا اب وہ مفقود ہیں نہ کہ موجود۔ کیونکہ وہ احادیث کے عام حکم میں داخل ہیں۔ اور اب تک کوئی صحیح حدیث ایسی ثابت نہیں ہوئی جو اس عام حکم میں تخصیص کرے، اور اسکا قبول کرنا واجب ہو۔ واللہ اعلم۔

اور حافظ ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب "التعریف والاعلام" میں امام بخاری اور انکے شیخ ابو بکر العربی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضرؑ نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ پائی ہے لیکن ان احادیث کی رو سے اسکے بعد وفات پاچکے ہیں۔

تو امام بخاریؒ کے اس قول میں نظر ہے کہ وہ حضور کے زمانے تک بھی موجود رہے ہیں۔

جبکہ علامہ سہیلیؒ نے تو بڑھ کر انکی اب تک بقاء کو ترجیح دی ہے اور اکثر لوگوں سے اسکو نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ انکے جمع ہونے کو ذکر کیا ہے اور آپکی وفات کے بعد تعزیت کا بھی ذکر کیا ہے اور تعزیت والی احادیث، صحاح کے طریق سے نقل کی ہیں۔ لیکن انکی اسنادیں ذکر نہیں فرمائیں اور اسناد ہی میں ہم پہلے ضعف کو ثابت کر آئے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

ؔ وقال الامام احمد : حدثنا محمد بن ابی عدی ، عن سلیمان التیمی ، عن ابی نضرة ، عن جابر بن عبداللہ قال

ؔ وقال احمد : حدثنا موسی بن داود حدثنا ابن لهیعة ، عن ابی الزبیر ، عن جابر ......

ؔ وهكذا رواه مسلم من طريق ابی نضرة وابی الزبیر : كل منهما : عن جابر بن عبداللہ به نحوه

ؔ وقال الترمذی حدثنا عباد ، حدثنا ابو معاوية ، عن الاعمش عن ابی سفيان ، عن جابر

حضرت الیاس علیہ السّلام کا قصہ مبارک

حضرت الیاس علیہ السّلام کا قصہ مبارک

اللہ عزوجل سورۃ صافات میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے قصے کے بعد فرماتے ہیں

وان الیاس لمن المرسلین ۔ ۱۲۳ تا ۱۳۲

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو؟) اور سب سے بہتر پیدا فرمانے والے کو چھوڑتے ہو؟ خدا کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے انکو جھٹلایا پس وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے۔ صرف خدا کے بندگان خاص (جو موحد رہے مبتلائے عذاب نہ ہونگے) اور ہم نے انکا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاسین پر سلام ہو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

علماء نسب فرماتے ہیں کہ یہ الیاس نشبی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انکا نسب نامہ یوں ہے ابن یاسین بن فنحاص بن العیزار بن ہارون اور ایک قول یہ ہے الیاس بن العازر بن العیزار بن ہارون بن عمران۔

علماء نے فرمایا ہے کہ انکو اہل بعلبک کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور بعلبک دمشق کے غربی جہت کا ایک شہر ہے۔ تو اللہ کے پیغمبر حضرت الیاسؑ نے انکو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ اپنے بتوں کی عبادت ترک کر دیں اور انکا بت بعل نامی تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ ایک عورت تھی جسکا نام بعل تھا۔ واللہ اعلم۔

اور پہلا قول صحیح ہے کہ یہ انکا بت تھا۔ جیسے فرمان الٰہی ہے "کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو (یعنی) اللہ جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء کا رب ہے۔)

بہر حال کافروں نے آپکی تکذیب کی اور مخالفت کی حتی کہ آپکے قتل کی ٹھان بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر آپ بھاگے اور چھپ گئے [1] اور حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ الیاسؑ اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ گئے تھے اور جا کر ایک غار میں جو زیر زمین تھا اسکے اندر رہے۔ اور دس سال کا عرصہ روپوشی میں بسر کر دیا۔ پھر اللہ نے اس بادشاہ کو ہلاک فرمایا اور دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا تو حضرت الیاسؑ اسکے پاس تشریف لے گئے اور اسکو اسلام کی دعوت دی اور اسکی قوم سے اسوقت ایک خلق عظیم مسلمان ہوگئی صرف دس ہزار باقی رہ گئے پھر سب کو قتل کر دیا گیا۔

[2] ابن ابی الدنیا میں ہے کہ حضرت الیاسؑ اپنی قوم سے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں بیس رات روپوش رہے یا چالیس رات پوشیدہ رہے۔ اور اللہ کی غیبی مخلوق انکو رزق پہنچاتی تھی۔

---

[1] قال ابو یعقوب الاذرعی، عن یزید بن عبدالصمد، عن ھشام بن عمار قال وسمعت من یذکر عن کعب الاحبار ..... [2] وقال ابن ابی الدنیا حدثنی ابو محمد القاسم بن ھاشم، حدثنا عمر بن سعید الدمشقی حدثنا سعید بن عبدالعزیز عن بعض مشیخة دمشق [3] ۱۲۳ تا ۱۳۲

اور محمد ابن سعد جو واقدی کے کاتب ہیں نے فرمایا کہ ہمیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے خبر دی کہ انکے والد نے فرمایا پہلے پیغمبر (حضرت آدمؑ کے بعد) ادریسؑ ہیں پھر نوحؑ، پھر ابراہیمؑ پھر اسماعیلؑ اور اسحاقؑ پھر یعقوبؑ پھر یوسفؑ پھر لوطؑ پھر ہودؑ پھر صالحؑ پھر شعیبؑ پھر موسیٰؑ اور ہارونؑ جو عمران کے فرزند تھے پھر ہیں حضرت الیاسؑ نشبی بن عمران بن قاہث ابن لاوی بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ۔

اسی طرح انہوں نے فرمایا لیکن ترتیب میں کچھ نظر ہے۔

اور مکحولؒ نے حضرت کعب سے نقل کیا ہے کہ چار انبیاء زندہ ہیں دو زمین میں وہ الیاس اور خضرؑ ہیں اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰؑ اور ہم پہلے کچھ حضرات کے اقوال اس متعلق بیان کر چکے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ ماہ رمضان میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور اتنا آب زم زم نوش کر لیتے ہیں جو انکو سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور یہ حدیث بھی ذکر ہو چکی ہے کہ وہ میدان عرفات میں ہر سال جمع ہوتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اور پہلے دلائل سے بات صاف ہو گئی کہ حضرت خضرؑ وفات پا چکے ہیں لہذا اسی طرح حضرت الیاسؑ بھی وفات پا چکے ہیں۔

اور وہب بن منبہؒ نے بھی انکے متعلق ایک گفتگو ذکر فرمائی ہے جو نظر سے خالی نہیں اور زیادہ احتمال یہی ہے کہ وہ اسرائیلی روایت ہے جسکی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اسکی صحت بعید ہے واللہ اعلم۔

وہ روایت ملاحظہ فرمایئے۔

کہ حضرت الیاسؑ کی جب تکذیب ہوئی اور انکو لوگ اذیت پہنچانے کے درپے ہو گئے تو انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ انکو اپنے پاس اٹھا لے۔ تو پھر انکے پاس ایک جانور بھیجا گیا جسکا رنگ ناری تھا آپ اس پر سوار ہو گئے اور اللہ نے آپکو ڈاڑھی عطا فرما دی اور آپکو نور سے منور فرما دیا اور آپ سے کھانے پینے کی لذت ختم کر دی اور مخلوط الجنس یعنی بشری بھی اور ملکی بھی بنا دیا اسی طرح ارضی بھی سماوی بھی بنا دیا۔

تو یہ روایت محل اشکال و نظر ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت بھی آئی ہے۔

[1] بیہقی میں ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم ایک جگہ اترے تو وہاں وادی سے ایک شخص کی آواز آ رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

اے اللہ مجھے محمد ﷺ کی امت سے بنا دے جو امت مرحومہ اور مغفورہ ہے اور اسکی توبہ ہو چکی ہے انس کہتے ہیں کہ میں نے وادی میں آواز کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ ایک شخص جسکا قد تین سو ہاتھ سے زیادہ تھا وہ موجود ہے اسی نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا میں انس بن مالک رسول ﷺ کا خادم ہوں اس نے پوچھا کہ وہ

---

[1] اخبر نا ابو عبدالله الحافظ ، حدثنى ابو العباس احمد بن سعيد المعدانى البخارى ، حدثنا عبدالله بن محمود ، حدثنا عبدان بن سنان ، حدثنى احمد بن عبدالله البرقى ، حدثنا يزيد بن يزيد البلوى حدثنا ابو اسحاق الفزارى ، عن الا وزاعى عن مكحول ، عن انس بن مالك

کہاں ہیں ؟ میں نے کہا وہ قریب ہی موجود ہیں تیرا کلام سن رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ انکو جاکر میرا اسلام کہو اور کہو کہ آپکا بھائی الیاسؑ آپکو سلام عرض کر رہا ہے۔ انس کہتے ہیں پھر میں حضور کے پاس آیا تو آپکو ساری خبر دی آپ خود تشریف لائے اور ان سے سلام و معانقہ کیا۔ پھر دونوں بیٹھ کر محو گفتگو ہو گئے۔

الیاسؑ نے کہا یارسول اللہ میں سال میں صرف ایک دن کھاتا ہوں اور یہ میرا کھانے پینے کا دن ہے۔ تو آپ اور میں دونوں ساتھ کھانا کھا لیتے ہیں۔ پھر دونوں کے پاس آسمان سے ایک دستر خوان اترا جس پر روٹیاں اور مچھلی اور اجوائن تھی۔ تو دونوں نے کھانا تناول کیا اور مجھے بھی کھلا دیا اور پھر ہم نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر آپؑ نے انکو الوداع کیا۔ اور میں نے انکو بادلوں میں آسمان کی طرف جاتے دیکھا۔

اور امام بیہقیؒ خود اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث درجہ ضعیف ہے۔

اور بڑا ہی تعجب ہے کہ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے اسکو اپنی مستدرک میں تخریج فرمایا اور وہ بھی صحیحین پر۔

اور ایسی ہی اشیاء کے ساتھ مستدرک سے استدراک (اعراض) کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث موضوع ہے یعنی من گھڑت ہے اور صحیح احادیث کے کئی اعتبار سے مخالف ہے اور اسکے معنی بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلے صحیحین کے حوالے سے گذر چکا کہ آپؑ نے فرمایا

اللہ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا تو انکا قد آسمان میں ساٹھ ہاتھ تھا۔ . . . پھر مخلوق تب سے اب تک گھٹتی جارہی ہے اور پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت الیاسؑ خود تشریف نہ لائے بلکہ حضورؐ ان تک چل کر تشریف لے گئے حالانکہ آپ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اسمیں یہ بھی محل اشکال ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ کھاتے ہیں جبکہ پہلے گذرا کہ اللہ نے ان سے کھانے پینے کی کیفیت کو سلب کر دیا ہے اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ وہ سال میں زمزم کا ایک مرتبہ اتنا پانی نوش کر لیتے ہیں جو آئندہ سال اس دن تک کافی ہو جاتا ہے۔ تو یہ متعارض باتیں ہیں اور سب باطل ہیں جن میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور ابن عساکرؒ نے دوسرے طریق سے اسی حدیث کو نقل کیا ہے اور اسکے ضعف کا اعتراف فرمایا ہے اور یہ آپ کی طرف سے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی حدیث کو ذکر کیا۔ کیونکہ آپ نے یہ اس . . . . . . [1] طریق سے نقل فرمائی ہے کہ ابن الاسقع سے پہلے کی طرح طویل حدیث مذکور ہے۔ اور اسمیں یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ اور اسمیں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو انکے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے آکر جواب دیا کہ وہ ہم سے دو یا تین ہاتھ بڑے قد والے ہیں۔ اور (شاید خود آنے) کی قدرت نہ ہونے کی بناء پر معذرت کی۔ اور اسی میں مذکور ہے کہ جب دونوں اکٹھے ہوئے تو دونوں نے جنتی کھانا تناول کیا۔ اور حضرت الیاسؑ نے فرمایا کہ میں چالیس دن میں صرف ایک لقمے پر قناعت کرتا ہوں۔ اور دستر خوان پر روٹی، انگور، کیلے، اور ترکاریاں اور سبزیاں تھیں اور لہسن و پیاز وغیرہ نہ تھے۔ اور اسی روایت میں

---

[1] من طریق حسین بن عرفه، عن هانی بن الحسن، عن بقیة، عن الاوزاعی، عن مکحول، عن واثلة عن بن الاسقع

یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے حضرت خضرؑ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میری ان سے سال کے شروع میں ملاقات طے ہے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ آپ سے جلد ہی ملاقات کرنے والے ہیں تو آپ ان سے ملاقات کے وقت انکو میرا سلام کہیے گا۔

تو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اگر دونوں بھائی خضرؑ اور الیاسؑ کو موجود فرض کر لیا جائے اور حدیث بھی صحیح فرض کر لی جائے تو تب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی ملاقات حضور سے سب سے پہلے نو ہجری میں ہوئی اور یہ شرعاً درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حدیث من گھڑت ہے جس میں شبہ نہیں۔

اور ابن عساکرؒ نے ایسے لوگوں کے متعلق بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں جنکا حضرت الیاسؑ کے ساتھ جمع ہونا منقول ہے۔ اور وہ تمام غیر درست ہیں کیونکہ یا تو ان کے اسناد میں ضعف ہے یا خود منسوب الیہ مجہول ہے۔ اور ایسی روایتوں میں سے سب سے حسن درج ذیل روایت ہے۔

ابو بکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ... [1] ثابتؒ سے مروی ہے کہ ہم حضرت مصعب بن الزبیرؓ کے ساتھ کوفہ کے سواد مقام پر تھے تو میں ایک باغ میں دو رکعت نماز پڑھنے کیلئے داخل ہوا تو میں نے نماز میں حمٓ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول ۔ کی تلاوت کی ترجمہ حمٓ اس کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب ودانا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا صاحب کرم ہے۔

اتنی تلاوت کی تھی کہ ایک شخص چمکتے خچر پر نمودار ہوا اس پر چادر کے ٹکڑوں کا لباس تھا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ جب تو نے غافر الذنب یعنی گناہوں کو بخشنے والا۔ کہا تو اسکے بعد یہ کہہ یاغافر الذنب اغفرلی اے گناہ بخشنے والے میرے گناہ بخش دے۔ اور جب تو نے کہا قابل التوب توبہ قبول کرنے والا ہے تو اسکے بعد یہ کہہ یا قابل التوب تقبل توبتی۔ اے توبہ قبول فرمانے والے میری توبہ قبول فرما۔ اور جب تو نے کہا شدید العقاب تو اسکے بعد یہ کہہ یا شدید العقاب لا تعاقبنی اے سخت عذاب والے مجھے سزا نہ دے۔ اور جب تو نے کہا ذی الطول تو پھر یہ کہہ یا ذالطول تطول علی بر حمۃ اے صاحب کرم مجھ پر کرم فرما۔

حضرت ثابتؒ فرماتے ہیں میں نے پھر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تو میں وہاں سے نکلا اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس سے ایک سفید خچر پر جسکا لباس یمنی چادر کے ٹکڑوں کا تھا کوئی ایسا شخص گذرا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمارے پاس سے کوئی نہیں گذرا۔ تو اسوقت ہمارے اصحاب کا خیال اور کچھ نہ تھا صرف یہ کہ وہ حضرت الیاسؑ ہی تھے۔

یہ گذشتہ تفصیل تو انکی زندگی وغیرہ کے متعلق تھی۔ اب ملاحظہ فرمایئے کے قرآن میں انکے متعلق کیا آیا ہے؟

"پھر لوگوں نے انکو جھٹلایا تو پس بے شک وہ حاضر کئے جائیں گے" یعنی عذاب کیلئے یا تو دنیا میں یا آخرت میں یا صرف آخرت میں اور پہلی توجیہ کہ دونوں جگہ عذاب آسکتا ہے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اسکو مفسرین

---

[1] ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنی بشر بن معاذ، حدثنا حماد بن واقد، عن ثابت قال کنامع مصعب بن الزبیر

و مورخین نے ذکر فرمایا ہے۔

اور آگے فرمان ہے "سوائے اللہ کے خالص بندوں کے "یعنی جو ایمان لے آئے وہ محفوظ رہیں گے اور آگے فرمایا" اور ہم نے پچھلوں میں اسکو چھوڑ دیا" یعنی انکے اچھے ذکر کو عام کر دیا پس ہر شخص انکا ذکر خیر ہی کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آگے فرمایا" سلام ہو الیاسین پر "یعنی حضرت الیاس پر سلام ہو۔ اور یہاں نون کا اسوجہ سے اضافہ ہوا کیونکہ عرب نون کو بہت سے اسماء کے آخر میں لاحق کر دیا کرتے تھے اور دوسرے حرف کے بدلے اسکو لاتے تھے۔ جیسے اسماعیل کو اسماعین پڑھتے۔ اور اسرائیل کو اسرائین پڑھتے تو الیاس کو الیاسین اسی وجہ سے پڑھا گیا۔ اور اسکی ایک قرآت یہ بھی ہے۔ سلام علی ال یاسین ۔ اس قرآت میں مطلب ہوگا محمد کی آل پر سلام ہو۔ کیونکہ یاسین آپ علیہ السلام کا اسم گرامی ہے، اور ابن مسعودؓ وغیرہ نے اس کو (سلام علی ادریس) بھی پڑھا ہے اور اس طریق سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ الیاس وہ ادریس ہی ہیں یعنی دونوں ایک شخص کے نام ہیں اور ضحاک بن مزاحم نے اسکو اختیار کیا ہے۔ اور قتادہ اور محمد بن اسحاق نے اسکو نقل کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں جدا جدا شخصیت ہیں جیسے گذرا۔ واللہ اعلم۔

سیوولہ امر اشتو التی بے تیں

تمہید و پیش لفظ

ابن جریرؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں۔

کہ اخبار ماضیہ کے اہل علم خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم کے درمیان اس بارے میں بالکل کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے امور کا نگہبان اور انکے پیشوا و مقتدا حضرت یوشعؑ کے بعد کالب بن یوفنا ہی تھے۔ جو موسیٰؑ کے ساتھیوں میں سے تھے اور آپ کی ہمشیرہ مریم کے شوہر بھی تھے اور یہ ان دو شخصوں میں سے ہیں جنکے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ (جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کا انعام تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو تو فتح تمہاری ہی ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان لانے والے ہو؟

تو یہ دو اشخاص حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا تھے۔

تو علامہ ابن جریرؒ نے فرمایا تو حضرت کالب بن یوفنا کے بعد بنی اسرائیل کے پیشوا حضرت حزقیلؑ بن بوزی تھے۔ اور یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے انکی قوم کے مردہ لوگوں کو زندہ فرمادیا جن کو انکے گھروں سے نکال دیا گیا تھا اور وہ کئی ہزار تھے اور موت کے ڈر نے انکو نکالا تھا۔

تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت حزقیل علیہ السّلام کا قصہ

فرمان باری تعالیٰ ہے

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور وہ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے انکو حکم دیا کہ مرجاؤ تو (وہ سب مرگئے) پھر انکو زندہ بھی کردیا۔ بے شک خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے.....[1]

محمد بن اسحاق، وہب بن منبہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشعؑ کے بعد حضرت کالب بن یوفنا کو بھی اپنے پاس بلالیا تو بنی اسرائیل میں ان کا خلیفہ حضرت حزقیل بن بوزی کو نامزد فرمایا اور آپ ایک ضعیف بڑھیا کے بیٹے تھے اور آپ ہی نے اس قوم کے زندہ ہوجانے کے لئے دعا فرمائی تھی جن کا ذکر اللہ نے اپنے قرآن میں فرمایا جو اوپر گزرا "بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں تھے اور وہ اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے تھے۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ایک وباء دیکھی تھی جس میں لوگ مر رہے تھے تو یہ موت کے ڈر سے وہاں سے نکل کر زمین میں کہیں اور منتقل ہوگئے۔ تو اللہ نے انکے متعلق وہاں بھی حکم فرمایا کہ مرجاؤ تو یہ سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے پھر اللہ نے ان کی لاشوں کو درندوں پرندوں کا شکار ہونے سے منع کر دیا۔ اور ان سے حفاظت فرمادی۔ اسی طرح نعشوں پر طویل عرصے گذر گئے تو ایک مرتبہ حضرت حزقیل کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ انتہائی فکر و حیرانی میں ڈوب گئے تو ان سے کہا گیا کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ اللہ انکو زندہ کردے اور آپ دیکھ رہے ہوں؟ عرض کیا بالکل

تو اللہ نے حزقیلؑ کو حکم دیا کہ وہ ہڈیوں کو بلائیں اور کہیں کہ تم اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں تو حضرت حزقیلؑ نے حکم خداوندی سے انکو یوں ہی بلایا اور حکم دیا۔

تو پوری قوم بیک آواز اللہ اکبر کہتی ہوئی زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور اسباط[2]...... کئی صحابہ کرام کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ فرمان باری تعالیٰ کے تحت فرمایا

یہ ایک بستی تھی جسکو داوردان کہا جاتا تھا اور واسط شہر سے پہلے واقع تھی اسمیں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ تو اسکے اکثر باشندے بستی سے نکل کر ایک دوسری بستی میں جابسے تو جو پہلی بستی ہی میں رہ گئے وہ تو طاعون کی وباء ہی سے مرگئے۔ اور بھاگ جانے والے زندہ رہ گئے۔ تو جب طاعون ختم ہوگیا تو یہ لوگ دوبارہ اپنی بستی میں آگئے۔ تو پہلے جو لوگ بستی میں تھے جنکے اکثر مرچکے تھے لیکن ان میں سے پھر بھی کچھ زندہ

---

[1] بقرہ ۲۴۳، [2] وقال اسباط عن السدی عن ابی مالك، وعن ابی صالح، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود وعن الناس من الصحابة

تھے تو وہ ان واپس آنے والوں کو زندہ دیکھ کر حسرت کرنے لگے کہ کاش ہم بھی احتیاط کر کے انکے ساتھ نکل جاتے تو ہمارے اتنے افراد نہ مرتے چلو اب اگر خدانخواستہ طاعون آگیا تو ہم انکے ساتھ نکل جائیں گے۔

پھر خدا کی قدرت کہ دوبارہ آئندہ سال پھر طاعون پھیل گیا تو لوگ نکل نکل کر بھاگے اور تقریباً تیس ہزار سے زائد نکل گئے اور ایک وادی افیح میں اتر گئے۔

تو اب کے خدائی عذاب نے انکو یہاں دوسرے طریقے سے گھیر لیا۔ اور ایک فرشتے نے وادی کے اوپر سے اور دوسرے فرشتے نے وادی کی نچلی جانب سے ایسی سخت پکار دی کہ مر جاؤ...... تو سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے.... حتی کہ جب خالی جسم کے ڈھیر رہ گئے تو ایک پیغمبر حضرت حزقیلؑ کا انکے پاس سے گذر ہوا اور آپ نے انکی یہ عجیب صورت حال دیکھی تو انتہائی فکر و حیرت کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور اپنے جبڑے دبانے لگے اور انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ میں دے کر پریشان صورت میں غور فرمانے لگے۔

تو اللہ نے انکی حالت دیکھ کر وحی فرمائی: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپکو دکھلاؤں کہ میں انکو کیسے زندہ کروں گا؟ عرض کیا جی ہاں بالکل در حقیقت حضرت حزقیلؑ اس غور و فکر اور تعجب کے عالم میں تھے کہ قدرت الٰہی انکو کیسے دوبارہ زندہ فرمائے گی۔

تو انکو حکم ملا کہ انکو آواز دو۔ حزقیلؑ نے آواز دی: اے (بوسیدہ) ہڈیو: اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گوشت پہن لو۔ تو ہڈیاں گوشت سے پر ہونے لگیں اور جسموں میں خون دوڑنے لگا اور پھر وہی لباس بھی از خود زیب تن ہو گئے جنمیں وہ مرے تھے حزقیلؑ کو پھر پکارنے کا حکم ملا تو انہوں نے پکارا اے جسمو: اللہ تمہیں کھڑے ہو جانے کا حکم فرماتا ہے۔ تو وہ کھڑے ہو گئے۔

راوی اسباط فرماتے ہیں: کہ منصور مجاہد سے نقل کرتے ہوئے خیال فرماتے ہیں کہ جب وہ زندہ ہوئے تو انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے۔

سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت

اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں۔ آپکے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر وہ زندہ ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس پہنچے جو انکو مردہ سمجھے ہوئے تھے۔ اور موت کی زردی انکے چہرے پر بھی بر قرار رہی۔ اور وہ کسی بھی کپڑے کو زیب تن کرتے تو وہ پرانا ہو جاتا حتی کہ پھر اپنی اپنی مقررہ موت کے وقت وفات پا گئے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ چار ہزار تعداد میں تھے۔ اور ایک روایت آپ سے آٹھ ہزار کی بھی منقول ہے ابو صالح سے نو ہزار کا شمار منقول ہے اور ابن عباسؓ ہی سے چالیس ہزار کی تعداد بھی مروی ہے۔

اور ابن جریج عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ لوگوں کو سمجھانے کیلئے ظہور پذیر ہوا کہ حذر (احتیاط و تدبیر) قدر سے نہیں بچا سکتی۔

اور جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ روشن ہے۔

[1] مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ شام کو چلے جب مقام سرغ" پر پہنچے تو اجناد

---

[1] وقال الامام حدثنا حجاج ويزيد المثنى قالا حدثنا ابن ابى ذؤيب عن الزهرى عن سالم، عن عبدالله بن عامر بن ربيعة ان عبدالرحمن بن عوف .... الخ

کے امراء اور ابو عبیدۃ بن الجراح اور آپکے ساتھی آپ سے ملاقات کیلئے پہنچے اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب کو خبر دی کہ شام میں وباء پھیل چکی ہے پھر آپس میں مہاجرین وانصار کا مشاورہ ومکالمہ ہوا اور حضرت عمرؓ کے سامنے اختلافی نوعیت پیش آئی پھر عبدالرحمٰن بن عوف تشریف لائے آپ کسی حاجت کی وجہ سے غائب تھے۔ تو آپ نے آکر فرمایا مجھے اسکے متعلق علم ہے میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے۔

جب کسی علاقے پر (وباء) پھیل جائے اور تم اسمیں ہو تو وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو اور جب کسی علاقے کے متعلق سنو کہ وہاں وباء ہے تو وہاں مت جاؤ۔

پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے خدا کی حمد وثنا بجا لائی اور واپس ہو گئے۔

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جب ملک شام میں تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے انکو خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔

کہ یہ بیماری جس کے ساتھ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا۔ لہذا جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اسمیں یہ بیماری ہے تو وہاں داخل مت ہو۔ اور جب کسی زمین میں یہ وباء آجائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر مت نکلو۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ شام سے واپس ہو گئے

شیخین نے مالک عن زہری کی حدیث سے اسی کے مثل تخریج فرمایا ہے۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ حزقیلؑ کے بنی اسرائیل میں ٹھہرنے کی مدت ہم سے بیان نہیں کی گئی ہے۔ الغرض آپ ایک عرصہ بنی اسرائیل میں ٹھہرے پھر اللہ نے انکو اپنے پاس بلا لیا۔ جب یہ اٹھ گئے تو بنی اسرائیل اللہ کے عہد کو بھلا بیٹھے اور نئی نئی چیزیں انمیں پیدا ہونے لگیں حتی کہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے اور ان تمام بتوں میں سے ایک خاص بت "بعل" نامی تھا۔ پھر اللہ نے انکی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہرون بن عمران کو۔

بندہ کہتا ہے کہ ہم نے حضرت الیاس کا قصہ حضرت خضرؑ کے قصے کی وجہ سے تبعاً مقدم کیا ہے۔ کیونکہ اکثر طور پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر ہوتا ہے۔

اور پھر حضرت خضرؑ کا قصہ سورہ صافات میں اللہ نے حضرت موسیٰؑ کے قصے کے بعد فرمایا ہے لہذا ہم نے اس ترتیب کو ملحوظ خاطر وملحوظ کتاب رکھا۔ .... واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ

بنی اسرائیل میں حضرت الیاسؑ کے بعد آپکے وصی حضرت یسع علیہ السلام پیشوا ہوئے۔

حضرت یسع علیہ السّلام کا قصہ

حضرت یسع علیہ السّلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے حضرت یسع علیہ السلام کا ذکر سورۂ انعام میں انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے۔
فرمان باری ہے: اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) فضیلت دی۔ اور سورۂ صؔ میں اللہ نے فرمایا: اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب ہی سب اچھے لوگوں میں سے ہیں۔
ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ... حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت الیاسؑ کے بعد حضرت یسعؑ تھے۔ جب تک اللہ نے چاہا آپ بنی اسرائیل کو حضرت الیاسؑ کے راستے اور شریعت پر بلاتے رہے۔ حتی کہ اللہ نے انکو بھی اپنے پاس بلالیا۔ پھر انمیں خلیفے یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اور بدعتیں بڑھ گئیں ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا اور بنی اسرائیل نے انبیاء تک کو قتل کر ڈالا۔ اور انمیں ایک انتہائی سر کش ظالم جابر بادشاہ تھا کہا جاتا ہے کہ
حضرت ذوالکفل اسی بادشاہ کے لئے اس بات کے کفیل و ضامن بنے تھے کہ اگر وہ توبہ تائب ہو جائے اور اپنی حرکتوں سے باز آجائے تو وہ انکے لئے جنت کے کفیل ہیں۔
تو اسی وجہ سے انکو ذوالکفل کہا جانے لگا۔
محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں: حضرت یسع۔ کے والد کا نام اخطوب تھا۔
اور حافظ ابو القاسم بن عساکر اپنی تاریخ کے حرف یاء میں فرماتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت یسع اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل ہیں۔
اور کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت الیاسؑ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت الیاس بعلبک کے بادشاہ سے چھپ کر جبل قاسیون میں چھپے تھے تو حضرت یسع بھی آپکے ساتھ تھے پھر الیاس اٹھالیے گئے تو حضرت یسعؑ قوم میں انکے خلیفہ ہوئے اور انکو بھی اللہ نے (وحی کی) خبروں سے نوازا۔
[2] اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ اسباط بانیاش میں تھے۔
پھر ابن عساکرؒ یسع کو تخفیف و تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ انبیاء میں سے ایک ہی نبی کا نام ہے بندہ کہتا ہے کہ ہم نے ذوالکفلؑ کے قصے کو ایوبؑ کے قصے کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ وہ ایوبؑ ہی کے فرزند تھے۔
واللہ اعلم۔

---

[1] قال ابن اسحاق : حدثنا بشر ابو حذيفة ، انبانا سعيد، عن قتادة ، عن الحسن ، قال ،
[2] عبد المنعم بن ادريس بن سنان عن ابيه ، عن وهب بن منبه قال وقال غيره

حضرت شموئیل علیہ السلام کا قصہ

یوشع بن نونؑ کی وفات کے بعد حضرت شمویلؑ کی پیغمبری تک بنی اسرائیل کے معاشرے کی کیفیت

ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں کہ پھر بنی اسرائیل کا معاملہ ونظام درہم برہم اور خراب ہوگیا اور انکے درمیان حوادثات اور جرم خوب ہوگئے حتی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ تو اللہ عزوجل جبار وقہار نے انبیاء کے بدلے انپر ظالم جابر بادشاہ مسلط فرمادیئے۔ جو انپر ظلم وستم خوب روا رکھتے اور انکے خون بہانے سے ذرہ بھر دریغ نہ کرتے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ نے دشمنوں کو بھی انپر مسلط فرمادیا۔

اور پہلے پہل جب یہ کسی دشمن سے معرکہ آراء ہوتے تو انکے ساتھ وہ تابوت میثاق بھی ہوتا جسمیں قبۃ الزمان تھا۔

جسکا تفصیلی ذکر گذر چکا۔ تو بنی اسرائیل اسکی برکت سے فتح یاب ہوتے کیونکہ اسمیں اللہ نے سکینت وبرکت اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ متروکہ مال رکھا تھا۔ جسکا قرآن میں ذکر آیا ہے۔

پھر ایک مرتبہ اہل غزہ اور اہل عسقلان سے انکی جنگ چھڑی تو وہ انپر غالب آئے اور زبردستی انہوں نے یہ تابوت ان سے چھین لیا۔ اس طرح یہ عظیم شئی انکے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ اسوقت کے بنی اسرائیل کے بادشاہ کو اسکی خبر پہنچی تو وہ مارے غم کے وفات پا گیا۔

اور بنی اسرائیل بغیر چرواہے کی بکریوں کی طرح رہ گئے۔ حتی کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت انپر متوجہ ہوئی اور انکی سرخروئی کیلئے اللہ نے انمیں ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جسکو شمویل کہا جاتا تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس پیغمبر کو درخواست کی کہ وہ ہمارے لئے بطور بادشاہ بھی ہو جائیں تاکہ ہم آپکے ساتھ ملکر دشمنوں سے معرکہ آراء ہوں۔ پھر وہ واقعہ پیش ہوا جس کا قرآن میں ذکر ہے اور اس کو ہم اب تفصیل سے بیان کریں گے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نونؑ کی وفات کے چار سو ساٹھ سال بعد اللہ نے حضرت شمویل کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور علامہ ابن جریر نے اس درمیان آنے والے بادشاہوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کیا ہے جسکو ہم قصداً ترک کرتے ہیں۔

حضرت شمویل علیہ السّلام کا قصہ

جنکے زمانے میں حضرت داوٗد علیہ السّلام کی ابتداء ہوئی

یہ سمویل، یا شمویل بن بالی بن علقمۃ بن یرخام بن الیھو بن تھو بن صوف بن علقمۃ بن ماحث بن عمو صا بن عزریا ہیں۔

اور مقاتل فرماتے ہیں یہ ہارونؑ کے ورثا میں سے ہیں اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ اشمویل بن ھلفاقا ہیں اور آپ نے آگے نسب کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

سدیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور کئی صحابہ سے نقل کیا ہے اور ثعلبی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ

جب عمالقہ قوم والے بنی اسرائیل پر غزہ اور عسقلان کی سر زمینوں سے غالب آگئے تو عمالقہ نے بنی اسرائیل کی خلق کثیر کو تہ تیغ کیا اور انکے اکثر بیٹوں کو اپنا قیدی بنالیا اور بنو لاوی میں سلسلہ نبوت منقطع ہوگیا۔ اور صرف ایک حاملہ عورت انمیں باقی رہ گئی جس نے دعا کی کہ اسکو مذکر اولاد عطا ہو تو اللہ نے اسکو ایک بچہ عطا فرمایا جسکا نام اس نے اشمویل رکھا اور عبرانی زبان میں اسکا معنی ہے اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

پھر جب وہ کچھ جوان ہوئے تو ماں نے اپنے لخت جگر کو مسجد بھیجا اور مسجد کے ایک صالح شخص کے سپرد کیا تاکہ اس سے تعلیم وعبادت سیکھ لے۔

پھر آپ کچھ جوان ہو گئے تو ایک مرتبہ اپنے استاد کے پاس ہی خوابیدہ تھے کہ مسجد کے کونے سے انکو آواز آنا شروع ہوئی تو یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے شیخ استاد نے سمجھا کہ شاید مجھے بلا رہا ہے شیخ نے پوچھا تو شمویل نے انکو گھبراہٹ میں ڈالنا ناپسند سمجھا اور کہا ہاں بس کچھ نہیں، سو جایئے۔ تو پھر سو گئے۔

حضرت شمویل کو دوبارہ پھر آواز آئی اور پھر وہی معاملہ ہوا پھر تیسری مرتبہ بھی نوبت آئی تیسری مرتبہ دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ انکو پکار رہے ہیں تو حضرت جبرئیلؑ انکے پاس آئے اور فرمایا کہ

اللہ نے آپکو آپکی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر وہی قصہ پیش آیا جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا۔

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا تمام لوگ پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے۔ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں۔ اور اس

کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں پیغمبر نے کہا کہ خدا نے انکو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے۔ اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے وہ بڑا کشائش والا ہے (اور) دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے۔

اس میں تمہاری طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہونگی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

جو شخص اسمیں سے پانی پی لے گا (اسکی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر کے پانی پی لے تو کوئی حرج نہیں تو خیر جب وہ لوگ نہر پر) پہنچے تو چند شخصوں کے علاوہ سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اسکے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اسکے لشکر سے مقابلہ کرنیکی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔ اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے ان کو بادشاہی دی اور دانائی بخشی۔ اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔[1]

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں مذکور اس قوم کے پیغمبر شموئیل تھے۔ اور ایک قول میں شمعون نامی پیغمبر ہیں اور ایک قول ہے کہ دونوں سے ایک ہی مراد ہیں اور ایک قول ہے کہ یوشع ہیں۔ اور یہ بات بعید اور حقیقت سے دور ہے اس قول کے مطابق جو علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ حضرت یوشع کی وفات اور شموئیل کی بعثت کے درمیان چار سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے...... واللہ اعلم۔

الحاصل جب اس قوم کو دشمنوں نے جنگوں میں پچھاڑ کر رکھ دیا اور شکست فاش سے دو چار کر دیا تو یہ اپنے وقت کے پیغمبر سے عرض گذار ہوئے اور یہ درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھی تجویز فرما دیجئے تاکہ ہم اسکے جھنڈے اور فرمانبرداری کے تحت دشمنوں سے جنگ کریں۔ تو پیغمبر وقت نے انکو جواب مرحمت فرمایا جسکو باری تعالیٰ نے نقل فرمایا۔

اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو قریب ہے کہ تم پھر لڑائی سے کنارہ کر جاؤ۔ تو کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم راہ خدا میں لڑائی نہ کریں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے۔

---

[1] بقرہ ۲۴۶-۲۵۱

یعنی ہم کو جنگ نے اپنی چکی میں پیس کر رکھ دیا ہے تو ہمیں لائق اور ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں اور وطن کی حفاظت میں جنگ وجدل کریں۔ فرمان باری ہے: پھر انپر قتال کو فرض کر دیا گیا تو وہ پیٹھ پھیر گئے سوائے انمیں سے چند لوگوں کے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

جیسے کہ قصہ کے آخر میں انکے تھوڑے رہ جانے کی تفصیل ذکر فرمائی ہے کہ بادشاہ کے ساتھ صرف تھوڑے سے لوگ نہر پار کر سکے باقی سب واپس ہو گئے اور لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے۔

فرمان الٰہی ہے اور انکو انکے پیغمبر نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو (بادشاہ بنا کر) بھیجا ہے۔

تو ان طالوت کے نسب کے متعلق علامہ ثعلبی فرماتے ہیں وہ طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔

حضرت عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ طالوت سقہ تھے یعنی پانی پلانے والے تھے۔ اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں دباغ یعنی کھالوں کو خشک کر کے چمڑہ بنانے کا کام کرتے تھے۔ اور اسکے علاوہ بھی اقوال منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی وجہ سے کہ یہ گھٹیا پیشے کے انسان ہیں (انہوں نے کہا یہ ہم پر بادشاہی کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اس سے زیادہ بادشاہی کے حقدار تو ہم ہیں اور انکو تو مال کی وسعت و فراخی بھی نہیں دی گئی۔

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ نبوت آل لاوی میں جاری تھی اور بادشاہت آل یہوذا میں جاری تھی اور یہ طالوت چونکہ آل نبیامین سے تھے تو اس بناء پر انکو اعتراض ہوا اور آپکی امارت میں طعن و تشنیع کرنے لگے اور کہا کہ اس سے تو ہم زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں کیونکہ یہ تو ہے بھی فقیر، مال کی وسعت اسکو نہیں ہے۔ تو یہ ہم جیسوں پر کیسے بادشاہ ہو سکتے ہیں؟

فرمان الٰہی ہے پھر پیغمبر نے (کہا اللہ نے انکو تم پر پسند فرمایا ہے اور اسکو علم و جسم میں کشادگی کے اندر زیادتی فرمائی ہے۔)

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت شمویلؑ کو وحی فرمائی تھی کہ اس ناپ کے بقدر جس شخص کا قد ہو اور وہ فلاں مخصوص سینگ کے حصول میں کامیاب ہو جائے جس میں القدس کا تیل ہے تو وہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ تو تمام لوگ آکر اپنی قسمتیں آزمانے لگے لیکن طالوت کے سوا کوئی ان شرائط پر پورا نہ اتر سکا۔ لہٰذا حضرت شمویلؑ نے انکو بادشاہ نامزد فرمادیا۔

اور بنی اسرائیل کو فرمایا (بے شک اللہ نے اسکو تم پر چن لیا ہے اور اسکو علم و جسم میں زیادتی عطا فرمائی ہے)۔ اور علم سے مراد یا تو جنگوں کے علم کے متعلق زیادہ علم ہے یا مطلقاً علم میں زیادہ ہیں۔ اور جسم میں زیادتی سے مراد یا تو زیادہ قد آور ہیں یا حسن و جاہب میں دوسروں سے آگے ہیں۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر کے بعد علم اور حسن و جمال میں سب سے زیادہ تھے۔ (اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے) اور اللہ کا ہی حکم چلتا ہے اور اسی کی تمام چیزیں مخلوق ہیں اور سب کی تدبیر وانتظام اس کے دست قدرت میں

ہے۔(اور اللہ وسعت والا (اور) خوب علم والا ہے اور انکو انکے پیغمبر نے کہا اسکی بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا اسمیں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہوگی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ متروکہ مال ہوگا اسکو فرشتے اٹھائے ہونگے بے شک اسمیں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔)

اور یہ حضرت طالوت کی برکت تھی کہ انکی بدولت اللہ نے انکی عظیم البرکت چیز واپس پہنچائی جو ان سے دشمنوں نے جبراً و قہراً چھین لی تھی۔ اور اسی کے بدولت انکو ترقی و فتح سے نوازہ جاتا تھا۔

اور اسکے متعلق فرمایا کہ اسمیں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہے ایک قول کے مطابق اس سے مراد ایک سونے کا تشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو دھویا جاتا تھا۔ اور ایک قول ہے کہ اسمیں ایک خاص تیز قسم کی ہوا تھی وہ مراد ہے اور ایک قول ہے کہ اسمیں ایک بلی کی مثل مجسمہ تھا جب وہ جنگ کے وقت چیختا تو بنی اسرائیل اپنی مدد اور فتح یابی کا یقین کر لیتے تھے۔

اور فرمایا کہ آل موسیٰ اور آل ہارون کا متروکہ سامان ہے۔ تو اسکے متعلق ایک قول منقول ہے کہ وہ (تورات کی) تختیوں کے ٹکڑے تھے اور کچھ من تھا یعنی وہ غذا جو انپر میدان تیہ میں خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی اور فرمایا کہ اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہونگے۔ یعنی کھلی آنکھوں تم دیکھو گے کہ فرشتوں نے اسکو اٹھا رکھا ہے اور فرشتے تم کو دکھلائے جائیں گے تاکہ تم اللہ کی نشانی اور اسکی حجت کو اپنے پر یقین کے ساتھ لازم کر لو۔

اور تمہارے نزدیک اس شخص طالوت کی بادشاہی خدا کی طرف سے ثابت ہو جائے۔ اور اسکو اللہ نے یہی فرمایا ہے شک اسمیں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو؟

کہا گیا ہے کہ جب عمالقہ قوم اس تابوت پر غالب آگئی تھی جس میں سکینت خداوندی اور متروکہ آل موسیٰ وآل ہارون تھا اور ایک قول کے مطابق تورات بھی اسمیں تھی۔ تو جب یہ عمالقہ کے ہاتھوں میں آیا تو انہوں نے اسکو اپنے معبود بت کے نیچے رکھ دیا پھر جب دوسرا روز آیا تو پھر تابوت کو اوپر رکھا دیکھا تو جب کئی دفعہ یہ نوبت پیش آئی تو وہ جان گئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پھر انہوں نے تابوت کو وہاں سے نکالا اور اپنی کسی بستی میں دوسری جگہ رکھ دیا اور پھر ایک وباء انمیں پھیلنا شروع ہوئی جو انکی گردنوں پر آئی تھی جب یہ بیماری بہت طول اور شدت پکڑ گئی تو انہوں نے تابوت کو ایک بیل گاڑی کی مانند چیز میں رکھا اور دو بیلوں کو آگے باندھ کر انکو ہنکا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے تو فرشتے اس بیل گاڑی کو ہانک کر بنی اسرائیل کے گروہ کے پاس لے آئے اور بنی اسرائیل نے بالکل اسی طرح مشاہدہ کیا جس طرح انکے پیغمبر نے انکو فرمایا تھا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے کہ فرشتے کس طرح اسکو لائے۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خود تابوت کو اٹھا لائے تھے جیسا کہ آیت کے ظاہر مفہوم سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اگرچہ پہلی صورت کو اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

فرمان باری ہے:-

پھر جب طالوت لشکر لیکر جدا ہوئے تو فرمایا اللہ تمہاری ایک نہر کے ساتھ آزمائش فرمائیں گے پھر جس

نے اس سے پی لیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے نہیں پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے ان کے جنہوں نے ایک چلو ہاتھ سے پی لیا۔

ابن عباس اور دوسرے اکثر مفسرینؒ فرماتے ہیں یہ نہر اردن والی نہر ہے۔ تو اس نہر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ شروع قرآن میں اسکا نام لیا گیا۔ تو خیر پھر طالوت اللہ کے حکم و آزمائش کے ساتھ لشکر لئے پہنچے تو فرمایا کہ جو اس سے ایک چلو سے زیادہ پیے گا وہ میرے ساتھ غزوے میں شرکت نہیں کر سکتا اور جو نہ پیئے گا وہ شرکت کرے گا۔

تو اللہ نے فرمایا پھر انہوں نے نہر سے پانی پی لیا سوائے چند لوگوں کے۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی تو چھتر ہزار نے پانی پی لیا اور صرف چار ہزار آپکے ساتھ باقی رہ گئے۔

اور امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اسرائیل اور زہیرؒ اور ثوریؒ کی حدیث سے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور گفتگو کر رہے تھے کہ بدری صحابہ کی تعداد صرف اصحاب طالوت کے بقدر ہے جنہوں نے نہر پار کی تھی۔ اور آپکے ساتھ صرف تین سو دس سے کچھ زائد تھے۔ جو نہر پار پہنچ گئے تھے۔

لہذا اس کی رو سے حضرت سدیؒ کے لشکر کی اسی ہزار تعداد بیان کرنے میں نظر ہے کیونکہ بیت المقدس میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسی ہزار کا لشکر ٹھہرے اور جنگ کرے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے پھر جب وہ اور اسکے ساتھ کے مومنین نہر پار کر گئے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں آج جالوت اور اسکے لشکر سے (لڑنے) کی طاقت نہیں۔

یعنی جب انکی تعداد کم رہ گئی اور سامنے دشمنوں کی کثیر تعداد نظر آئی تو اپنے آپ کو کم سمجھ کر کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو گئے تو حضرت طالوت نے انکو سمجھایا۔

فرمان باری ہے ان لوگوں نے کہا جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے تھے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یعنی انمیں سے جو شجاع و بہادر اور گھڑ سوار اہل ایمان و یقین اور جنگ و جدل پر صبر کرنے والے تھے انہوں نے مذکورہ بات کہی آگے فرمان ہے (اور جب وہ جالوت اور اسکے لشکریوں کو لئے میدان میں آئے تو دعا کی ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو ثابت کر دیجئے اور کافر قوم پر ہماری مدد کیجئے۔)

یعنی اپنے صبر کے ساتھ ہم کو ڈھانپ لے تاکہ دل مضبوط ہو جائیں اور کھٹکے میں نہ پڑیں اور قدموں کو میدان جنگ اور معرکہ کارزار میں جما دیجئے اور ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری بھرپور مدد کیجئے تو اللہ نے بھی اپنے صابرین بندوں کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا

پھر انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت اور اسکے لشکر والوں) کو شکست دیدی۔

یعنی صرف اللہ کی طاقت و قوت اور اسکی مدد و نصرت کے ساتھ فتح یاب ہو گئے نہ کہ اپنی قوت و تعداد کے

ساتھ کامیاب ہوئے جیسے اللہ نے اصحاب بدر کے متعلق بھی فرمایا۔

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو شاید تم شکر گذار ہو جاؤ۔

اور فرمان الہی ہے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسکو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤدؑ بھی اسی لشکر طالوت میں سپاہی تھے آیت قرآنیہ سے انکی شجاعت و دلیری کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے سب سے بڑے کافر شخص کو قتل کر دیا جس سے اسکا پورا لشکر ہزیمت خوردہ ہو گیا اور لشکری تتر بتر ہو گئے اور یہ عظیم غزوہ تھا کہ صرف بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اسی سبب سے انکے بہت سارے اموال غنیمت کے طور پر حاصل کر لئے اور بڑے بہادروں سرداروں کو قیدی کر لیا گیا اور کلمہ ایمان، کلمہ کفر و معبودان باطلہ پر غالب آیا اور اللہ کے اولیاء کافروں کے سامنے سرخرو ہو گئے اور دین حق دین باطل اور اسکے پرستاروں پر غالب آیا۔

سدیؒ نے اپنی مروی روایت میں ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے اور یہ کل تیرہ تو بھائی تھے۔ حضرت داؤد نے طالوت کی بات سن لی جب وہ بنی اسرائیل کو راہ خدا میں لڑنے کی ترغیب دے رہے تھے اور حضرت طالوتؒ فرما رہے تھے۔

جو شخص جالوت کو قتل کر دے گا میں اپنی دختر نیک کے ساتھ اسکی شادی کر دوں گا اور اپنی سلطنت میں اسکو شریک کر لوں گا۔

اور حضرت داؤدؑ غلیل کے ساتھ بہت تیز پتھر وغیرہ پھینکتے تھے۔ تو یہ بنی اسرائیل کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک پڑے ہوئے پتھر نے انکو آواز دی کہ مجھے لے لے کیونکہ تو میرے ساتھ جالوت کو قتل کر سکتا ہے۔ تو آپ (داؤد) نے اسکو لے لیا اور پھر ایک دوسرے پتھر کے ساتھ یہی ماجرا پیش آیا اسے بھی لے لیا پھر تیسرے کو بھی اسی طرح لے لیا۔ اور تینوں پتھر اپنے تھیلے میں ڈال لیے پھر دونوں صفیں آمنے سامنے ہو گئیں تو سب سے پہلے جالوت نکل کر سامنے آیا اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا تو حضرت داؤدؑ آگے پہنچے تو جالوت نے کہا تو تو واپس چلا جا میں تیرے قتل کو ناپسند کرتا ہوں حضرت داؤد نے جواب دیا کہ مگر میں تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ پھر آپ نے تینوں پتھر لئے اور انکو غلیل کی طرح سے اپنے ہتھیار میں رکھ کر گھمایا تو وہ تینوں پتھر ایک ہو گئے اور پھر جالوت کو مارا تو اسکا سر پھٹ گیا اور اسکا سارا لشکر شکست خوردہ بھاگ پڑا۔

حضرت طالوتؒ نے بھی اپنے وعدے کے مطابق انکی اپنی بیٹی سے شادی کر دی اور اپنی سلطنت میں انکا حکم جاری کروا دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل میں حضرت داؤد کی عظمت بڑھ گئی اور وہ آپ کو پسند کرنے لگے اور طالوت سے بھی زیادہ آپکی طرف مائل ہو گئے۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ پھر طالوت حضرت داؤد پر حسد کرنے لگا حتی کہ آپکے قتل کی سوچ بیٹھا اور ایک حیلہ اختیار کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اور علماء طالوت کو اس سے روکتے رہے حتی کہ طالوت نے غصے میں ان علماء کو بھی قتل کر ڈالا اور کچھ رہ گئے۔

پھر طالوت کو اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو وہ انتہائی نادم و پشیمان ہوا اور اپنے ماضی کے افعال پر انتہائی قلق و

افسوس کرنے لگا اور جنگل کی طرف نکل کر اکثر روتا رہتا حتی کہ زمین اسکے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ایک مرتبہ اسکو آواز آئی۔

اے طالوت تو نے ہمیں قتل کیا اور ہم زندہ تھے اور تو نے ہمیں تکلیف دی تو تب ہم مردہ تھے۔

یہ آواز سن کر طالوت کا گریہ وزاری شدت اختیار کر گیا پھر کسی عالم کے متعلق اس نے پوچھا تاکہ پوچھے کہ کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ تو اس کو کہا گیا کیا تو نے کسی عالم کو چھوڑا ہے؟ حتی کہ ایک عابدہ زاہدہ عورت کا پتہ اسکو دیا گیا تو عورت نے اسکو بلایا اور اسکو لے کر یوشع کی قبر پر چلی گئی۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ عورت نے اللہ سے دعا کی تو حضرت یوشع قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ کیا قیامت ہو گئی ہے؟ عورت نے کہا نہیں لیکن یہ طالوت آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا انکی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو حضرت یوشع نے فرمایا جی ہاں یہ سلطنت سے کنارہ کر لے اور اللہ کے راستے میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔ اتنا کہہ کر حضرت یوشع دوبارہ موت کی حالت میں چلے گئے۔

پھر طالوت نے سلطنت کو داؤدؑ کے سپرد کیا اور خود اپنی ساری اولاد کو لیکر چل دیا اور راہ خدا میں قتل وقتال کیا حتی کہ یہ شہید ہو گئے۔ اور اسی وقت کے متعلق باری تعالٰی کا فرمان ہے۔

اور اللہ نے اس (داؤد) کو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

ابن جریرؒ نے اسی طرح اپنی تاریخ میں سدی کے طریق سے انکی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسکے بعض حصوں میں نظر و اجنبیت ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے جس پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور اس نے طالوت کو توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی وہ یسع بن اخطوب تھے۔

ابن جریرؒ نے بھی اسکو نقل کیا ہے۔

حضرت ثعلبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ وہ عورت حضرت یوشع کی قبر پر آئی تو یوشع نے طالوت کو تنبیہ وسرزنش کی کہ انکے بعد اس نے ایسے ایسے کام کیوں کئے۔ اور یہ روایت زیادہ مناسب ہے اور ہو سکتا ہے کہ طالوت نے نکو خواب میں دیکھا ہو کیونکہ قبر سے اٹھنا معجزہ ہے جو کسی عورت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر ہی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں اہل کتاب کا خیال ہے کہ طالوت کی بادشاہی اسکے اپنی اولاد سمیت قتل ہونے تک چالیس سال رہی۔ واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السّلام کا قصہ

حضرت داؤد علیہ السّلام کا قصہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور فضائل، ایام سلطنت، دلائل نبوت اور علامات کا ذکر مبارک۔
یہ داؤد بن ایشابن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فرص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔
آپ اللہ کے پیغمبر اور بندے اور سرزمین بیت المقدس میں آپکے خلیفہ تھے۔
محمد بن اسحاقؒ بعض اہل علم کے ذریعے حضرت وہب بن منبہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ داؤدؑ کچھ پستہ قد نیلی آنکھوں تھوڑے بال اور پاکیزہ وصاف ستھرے دل کے مالک تھے
پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ اور اس عظیم کارنامے کی بناء پر بنی اسرائیل بادشاہ طالوت کو چھوڑ کر آپکی طرف مائل ہو گئے تھے اور آپ سے محبت کرنے لگے حتی کہ طالوت کے بدلے آپکی سلطنت کے خواہش مند ہو گئے۔ اور پھر جو طالوت اور آپ کے درمیان پیچیدہ معاملات آئے انکو آپ مطالعہ کر چکے جن کے نتائج حضرت داؤدؑ کی بادشاہت پر ثمر آور ہوئے۔ اور پھر اللہ نے انکو اپنے پاس سے دوسرا عظیم مرتبہ نبوت بھی عطا فرمادیا اس طرح دنیاو آخرت کی خیریں آپکے پاس جمع ہو گئیں جبکہ پہلے نبوت ایک خاندان میں اور سلطنت دوسرے خاندان میں چلی آرہی تھی (یعنی نبوت آل لاوی بن یعقوبؑ میں چلی آرہی تھی اور سلطنت یہوذا بن یعقوبؑ میں۔ لیکن اللہ کا فضل وانعام یہاں ایک ہی جامع صفات شخصیت داؤدؑ میں جمع ہو گیا۔
جیسے فرمان الٰہی ہے :-
اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے انکو ملک اور حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور جو چاہا علم سکھایا اور اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتے تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور لیکن اللہ جہاں والوں پر فضل والا ہے۔[1]
آخری ٹکڑے کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ اگر اللہ دنیا پر سلطنت کا نظام جاری نہ فرماتے تو قوی ضعیف کو کھا جاتا اسی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے۔
بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔
اور امیر المومنین عثمان بن عفان نے فرمایا
بے شک اللہ بادشاہ کے ذریعے اس برائی کی بیخ کنی فرمادیتا ہے جسکی قرآن کے ذریعے بھی نہیں فرماتا۔
ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جب جالوت طالوت کے مدمقابل آیا تو طالوت کو کہا۔
تو میری طرف نکل میں تیری طرف نکلتا ہوں (اور زور بازو دکھاتے ہیں)
تو طالوت نے لوگوں کو ترغیب دی تو حضرت داؤدؑ آگے بڑھے اور میدان کارزار میں پہنچ کر جالوت کو اسکی

---

[1] بقرہ ۲۵۱

سرکشی کے ساتھ ٹھکانے لگادیا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت داؤدؑ کی شہرت کا ڈنکا بج گیا اور طالوت کا کہیں نام سننے کو نہ آتا تھا۔ اور پھر لوگوں نے طالوت سے کنارہ کشی کر کے اپنے پر داؤد کو بادشاہ بنالیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام حضرت شمویلؑ کے حکم سے ہوا تھا۔ حتی کہ بعض نے کہا کہ پھر طالوت نے خود جنگ میں شرکت سے پہلے حضرت داؤد کو بادشاہ نامزد کر دیا تھا۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ طالوت نے جالوت کی شکست کے بعد ہی امور سلطنت کا حضرت داؤد کو والی بنادیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکرؒ نے معید بن عبدالعزیزؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے جالوت کو قصر حکیم کے پاس قتل کیا تھا اور جو نہر وہاں قریب موجود ہے اسی کا قرآن میں ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے :-

[1] اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو انکے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اسکا مسخر کر دیا) اور انکے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زر ہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں انکو دیکھنے والا ہوں۔

اور دوسری جگہ فرمایا :-

[2] اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو انکے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انکو تمہارے لئے ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائیں پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیے۔

اللہ عزوجل نے انکو عمدہ زر ہیں بنانا سکھایا اور مزید اضافہ فرمایا کہ لوہے کو انکے لئے موم کی طرح بنادیا تاکہ جیسے چاہیں آسانی سے ہاتھ کے ساتھ موڑ کر زر ہیں بنائیں تاکہ دشمنوں سے اچھی طرح قتل و قتال میں وہ کام آئیں۔

اور اس کے متعلق اللہ نے حکم فرمایا کہ کڑیوں کو درست اندازے سے بناؤ۔

یعنی نہ اتنا باریک کرو کے پھٹ جائیں اور نہ اتنا موٹا کہ وہ بغیر جدا کئے ہی توڑنی پڑیں۔

مجاہد عکرمہ، قتادہ، اور حکمؒ کا یہی قول ہے۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمشؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انکے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا حتی کہ بغیر آگ و بھٹی کے اپنے ہاتھ کے ساتھ اسکو ہر طرح موڑ لیتے تھے۔

اور قتادہؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے شخص جنھوں نے کڑیوں کی انتہائی محفوظ زرہ بنائی وہ داؤدؑ ہیں ورنہ پہلے صاف چادر کی زرہ بنتی تھی ابن شوذبؒ فرماتے ہیں کہ آپ دن میں ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسکو چھ سو درہم کی فروخت کرتے تھے اور حدیث میں ثابت ہے کہ سب سے پاکیزہ کھانا انسان جو کھاتا ہے وہ اسکے ہاتھ

---

[1] سبا ۱۰، ۱۱۔ [2] انبیاء ۷۹۔ ۸۰۔

کی کمائی کا ہے اور اللہ کے نبی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے :-

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو انکے تابع کر دیا تھا کہ صبح شام انکے ساتھ تسبیح کرتے۔ اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کر دیا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور (جھگڑے کی) بات کا فیصلہ (بھی اچھا سکھایا)[1]

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت ذاالأید سے مراد ہے کہ وہ اطاعت خداوندی میں قوت والے تھے قتادہ فرماتے ہیں کہ انکو عبادت میں قوت اور اسلام میں فقہ یعنی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی۔ اور فرمایا کہ وہ رات کو بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے اور دن کو روزہ دار رہتے تھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں نصف شب سوتے پھر تہائی شب بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے پھر چھٹا حصہ دوبارہ سو جاتے تھے۔ اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور جب (دشمن سے) مڈبھیڑ ہوتی تو کبھی راہ فرار اختیار نہ کرتے۔

اور مختلف جگہوں میں پہاڑوں اور پرندوں کے تابع ہونے کا جو ذکر ہے اسکا مطلب ہے کہ شام اور صبح کے وقت یہ آپکے ساتھ تسبیح کرتے تھے اللہ نے آپکو ایسی (سریلی) اور اونچی آواز عطا فرمائی تھی جو کسی کو نہیں ملی کہ جب آپ اپنی کتاب زبور کی تلاوت فرماتے تو عجیب سرور اور لہجہ تھا کہ ہوا میں چلتے پرندے بھی ٹھہر جاتے وہ بھی آپکے ساتھ گنگناتے اور تسبیح کرتے اور اسی طرح پہاڑ آپکی تلاوت کا جواب دیتے اور صبح شام آپکے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عامر نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ کو ایسی عمدہ حسین آواز ملی تھی جو کسی کو عطا نہیں ہوئی حتی کہ پرندے اور وحشی جانور تک بھی آپکے گرد اکٹھے ہو جاتے اور آپکی آواز کے سحر میں ایسے محو ہو جاتے کہ وہیں بھوک و پیاس سے مر جاتے۔ اور نہریں بھی آپ کی آواز سن کر ٹھہر جاتی تھیں۔

اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جو بھی آپکی آواز سن لیتا تو وہ بے خود ہو جاتا اور اسپر اس طرح وجد طاری ہو جاتا جیسے کہ رقص کی حالت ہوتی ہے اور کتاب خداوندی یعنی زبور کی تلاوت ایسی آواز کے ساتھ فرماتے کہ جن وانس اور چرند و پرند آپکی آواز پر منڈلاتے حتی کہ کئی بھوک سے وہیں مر جاتے۔

اور ابو عوانہ الاسفرائینی نے فرمایا۔۔۔[2] کہ حضرت مالک سے مروی ہے کہ !

---

[1] ص ۱۷ ـ ۲۰

[2] وقال ابو عوانه الاسفرائيني : حدثنا ابو بكر بن ابى الدنيا ، حدثنا محمد بن منصور الطوسى سمعت صبيحا ابا تراب رحمه الله قال ابو عوانه : وحدثنى ابو العباس المدنى ، حدثنا محمد بن صالح العدوى حدثنا سيار هو ابن حاتم عن جعفر عن مالك .

داؤد جب زبور کی تلاوت فرماتے تو کنواری عورتوں کے پردۂ بکارت پھٹ جاتے تھے۔

اور یہ روایت غریب ہے۔

اور عبدالرزاق ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ سے گنگناہٹ کے ساتھ قرات کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اسمیں کیا حرج ہے؟ میں نے تو حضرت عبید بن عمیر سے سنا ہے کہ حضرت داؤدؑ سارنگی وغیرہ بجاتے اور پھر تلاوت کرتے اور پھر سریلی آواز بازگشت کرتی اور خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔

[1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت عروہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز سنی تو فرمایا کہ

ابو موسیٰ کو داؤدؑ کی بانسری (جیسی سریلی آواز) دی گئی اور یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس طریق سے انھوں نے اسکو نقل نہیں فرمایا۔

[2] اور مسند احمد ہی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

بے شک ابو موسیٰؓ کو داؤدؑ کی بانسریوں (جیسی آواز سے کافی) حصہ عطا کیا گیا ہے۔ یہ روایت امام مسلم کی شرط پر ہے۔

اور ہم نے ابو عثمان نہدی سے مروی روایت ذکر کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بربط اور بانسری دونوں کو سنا ہے مگر ابو موسیٰ اشعری جیسی حسین آوز کسی سے نہیں سنی۔

لیکن اس کے باوجود حضرت داؤد کتاب زبور کی تلاوت انتہائی تیز فرمالیتے تھے۔ [3] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ داؤد پر قرآت کو آسان و ہلکا کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے جانور پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور اس سے پہلے کہ زین چڑھائی جاتی آپ تلاوت کتاب فرمالیتے تھے۔ اور آپ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اسی طرح امام بخاری اسکی روایت میں عبداللہ بن محمد عن عبدالرزاق کے طریق میں منفرد ہیں اور اس روایت حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

داؤد پر کتاب ہلکی کر دی گئی تھی وہ اپنے جانوروں پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور پھر اس سے پہلے کہ زین کس دی جائے آپ کتاب کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے۔ [4]

روایت میں قرآن کے الفاظ ہیں جسکا مطلب ہے کتاب زبور اور یہی ترجمہ بندے نے ذکر کیا ہے تو یہ آپکا معجزہ تھا کہ باوجود انتہائی سریلی اور عمدہ ترنم والی آواز کے اس قدر جلد پڑھ لیتے تھے۔ فرمان باری ہے۔ اور ہم

---

[1] وقال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة قالت...

[2] وقال احمد: حدثنا حسن حدثنا حماد بن سلمة، عن محمد بن عمرو بن ابی سلمة، عن ابی هریرهؓ... الخ

[3] کما قال احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن همام، عن ابی هریره

[4] ثم قال البخاری ورواه موسی بن عقبة عن صفوان، هوا بن سلیم، عن عطاء بن یسار، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ وقد اسند، ابن عساکر فی ترجمة داودؑ فی تاریخه من طرق عن ابرهیم بن طهمان، عن موسی بن عقبه، ومن طریق ابی عاصم عن ابی بکر السبری، عن صفوان بن سلیم به.

نے داؤد کو زبور دی۔

زبور مشہور کتاب ہے۔اور ہم نے اپنی تفسیر میں امام احمد کی مروی حدیث ذکر کی ہے کہ زبور رمضان کے مہینے میں نازل کی گئی تھی۔اور اسمیں عجیب نصیحتیں اور حکمتیں ہیں اسکے لئے جو اس میں نظر وفکر کرے۔

حضرت داؤدؑ کی زندگی کا شاہی پہلو

فرمان خداوندی ہے۔اور ہم نے اسکی سلطنت کو مضبوط کیا اور ہم نے اسکو حکمت (یعنی نبوت) اور بات کا فیصلہ عطا کیا ہے۔

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ دو شخص ایک گائے کا جھگڑا حضرت داؤدؑ کے پاس لے گئے ایک نے دوسرے پر دعویٰ دائر کیا کہ یہ میری گائے ہے اور اس نے غصب کرلی ہے۔لیکن مدعا علیہ انکار کرتا رہا اور جھگڑے کی بات چیت رات گئے تک چلتی رہی۔پھر اللہ عزوجل نے حضرت داؤدؑ پر وحی فرمائی کہ مدعی کو تم قتل کردو۔صبح ہوئی تو حضرت داؤدؑ نے مدعی کو کہا کہ مجھے حکم باری ہوا ہے کہ تجھے قتل کردوں لہذا سچ سچ بتا کیا ماجرا ہے؟اس نے عرض کیا: اللہ کی قسم اے اللہ کے نبی میں اسپر اپنے دعویٰ کے حق میں بالکل سچا ہوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے پہلے اسکے باپ کو قتل کردیا تھا۔تو حضرت داؤدؑ نے فرمان شاہی صادر فرمایا اور اس قاتل مدعی کو قتل کردیا گیا اس واقع کی بناء پر بنی اسرائیل میں حضرت داؤد کی عزت وعظمت کی ساکھ اور گھر کر گئی۔اور تمام لوگ آپکے لئے عاجزی وانکساری وفروتنی سے پیش آنے لگے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی مطلب ہے اس فرمان الہٰی کا کہ اور ہم نے اسکی بادشاہی کو مضبوط کردیا اور اسکو حکمت عطا کی۔اسکا مطلب ہے نبوت سے نوازا،اور آگے فرمایا اور فیصلہ کن بات دی۔اسکے متعلق شریح شعبیؒ، قتادہؒ ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گواہ اور قسمیں ہیں۔یعنی گواہ مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ہے اور مجاہدؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست فیصلہ اور معاملہ فہمی ہے۔

اور مجاہد نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مراد فیصلہ کن بات کرنا اور حق فرمان صادر کرنا ہے۔

ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار فرمایا۔

اور مذکورہ مطلب حضرت ابو موسیٰ کے فرمائے ہوئے مطلب کے منافی ومتعارض نہیں ہے کہ اس سے مراد امابعد کا قول ہے۔

اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرئیل میں شر وفساد اور جھوٹی شہادتوں کا دور دورہ ہو چلا تو حضرت داؤدؑ کو جھگڑے ومعاملے نمٹانے کیلئے ایک زنجیر عنایت کی گئی جو سونے کی تھی اور آسمان سے بیت

المقدس کی چٹان تک آرہی تھی۔ جب بھی دو آدمیوں کا کسی معاملے میں جھگڑا ہوتا تو جو حق پر ہوتا وہ اس زنجیر تک پہنچ جاتا اور اسکو چھو لیتا اور جو جھوٹا ہوتا وہ رہ جاتا تھا۔ اسی طرح فیصلے نمٹتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک ہیرا دوسرے کے پاس امانت رکھوایا۔ لیکن ادائیگی کے وقت امانت رکھنے والا مکر گیا اور انکار کر دیا اور ایک ڈنڈا لیکر اسمیں کسی طرح ہیرا چھپا دیا۔ جب دونوں چٹان کے پاس پہنچے اور مدعی نے کوشش کی تو وہ زنجیر کو چھو گیا۔ پھر دوسرے کو کہا گیا کہ تو بھی اپنے ہاتھ سے اسکو پکڑ۔ تو اس نے اس ڈنڈے کو جس میں ہیرا تھا مدعی کو پکڑا یا اور کہا

اللھم انک تعلم انی دفعتھا الیہ

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اسکو اسکا حق دیدیا ہے

یہ کہہ کر وہ زنجیر کی طرف لپکا تو آسانی سے اسکو چھو گیا۔ پھر تو معاملہ سخت پیچیدہ ہو گیا کہ مدعی بھی سچا نکلا اور مدعا علیہ بھی۔ بنی اسرائیل بھی خاصے پریشان ہوئے تو تب سے زنجیر انکے درمیان سے اٹھالی گئی۔

یہی قصہ مختلف الفاظ کے ساتھ کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔ اور ابن اسحاق بن بشر نے ادریس ابن سنان سے انہوں نے بھی ابن وہب بن منبہ سے اسکو نقل کیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

بھلا تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے۔ جب وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اسکے (ہاں) ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے (پاس) ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے تاکہ اپنی دنبیوں میں ملالے بے شک تم پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔

ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعہ سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا۔ تو ہم نے ان کو بخش دیا۔

اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

بہت سے متقدمین و متاخرین مفسرینؒ نے اس مقام پر مختلف اسرائیلی قصے اور خبریں نقل کی ہیں جن میں سے کئی ایسے ہیں جو یقیناً قطعاً جھوٹے ہیں لہذا ہم قرآنی بیان شدہ حصے پر اکتفاء کرتے ہوئے اختصار کے پیش نظر انکو ترک کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی جسے چاہے سیدھے رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

ائمہ کرامؒ نے سورہ صٓ کے سجدے میں اختلاف فرمایا ہے کہ کیا یہ سجدہ لازمی ہے یا محض سجدہ شکر ہے؟ اسکے متعلق دو قول منقول ہیں۔

بخاریؒ فرماتے ہیں[1] کہ حضرت عوامؒ سے منقول ہے فرمایا کہ میں نے حضرت مجاہدؒ سے سورہ صٓ کے سجدے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کیا تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ کیا تم یہ فرمان الٰہی نہیں پڑھتے ؟

ومن ذریته داؤد وسلیمان

اور آپ (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ہیں

اور اس سے کچھ آگے ہے : اولٰئك الذین هدی الله فبهدا هم اقتده

یہی لوگ اللہ کی سیدھی راہ پر ہیں پس اے (نبی) انہی کی راہ کی پیروی کر لہذا حضرت داؤدؑ ان لوگوں میں سے ہوئے جنکی پیروی کرنے کا حضور کو حکم ملا۔ اور سورہ صٓ میں حضرت داؤدؑ نے سجدہ فرمایا تھا پھر حضور ﷺ نے بھی سجدہ فرمایا۔

(حضرت ابن عباسؓ کا سجدہ کرنے کے قول پر بہترین استدلال اور نکتہ پورا ہوا۔)

اور مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے سورہ صٓ کے سجدے کی بابت فرمایا۔

یہ لازمی سجدوں میں سے نہیں ہے لیکن میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس مقام پر سجدہ فرماتے تھے۔ لہذا کر لینا بہتر ہے۔

اسی طرح بخاریؒ[2] سمیت صحاح کی کئی کتابوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے : نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے (صٓ) میں سجدہ فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ سجدہ داؤدؑ نے بطور توبہ کے فرمایا تھا اور ہم یہ سجدہ بطور شکرانے کے ادا کریں گے۔[3]

اور ابو داؤد میں[4] ..... ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بر سر منبر سورہ صٓ کی تلاوت فرمائی اور جب آیت سجدہ پر پہنچے تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ فرمایا تو لوگ بھی آپکے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے پھر دوسرے کسی دن اسکی تلاوت فرمائی اور آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے تو آپ نے فرمایا :-

یہ سجدہ (داؤدؑ) پیغمبر کی توبہ کا تھا لیکن میں نے تم کو دیکھا کہ تم (سجدہ کے لئے) اٹھ چکے ہو، لہذا آپ بھی نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا۔[5]

---

[1] قال البخاری حدثنا محمد بن عبدالله ، حدثنا محمد بن عبید الطنافسی عن العوام ،قال سالت مجاهدا فی سجده صٓ ، [2] وکذارواه البخاری وابو داود والترمذی والنسائی من حدیث ایوب وقال الترمذی حسن صحیح .وقال النسائی اخبرنی ابراهیم بن الحسن المقسمی ، حدثنا حجاج بن محمد ، عن عمر بن ذر ، عن ابیه ، عن سعید بن جبیر ، عن ابن عباسؓ ، [3] تفرد به احمد و رجاله ثقات ، [4] وقال ابو داود حدثنا احمد بن صالح ، حدثنا ابن وهب اخبرنی عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی هلال ، عن عیاض بن عبدالله بن سعید بن ابی اسرح عن ابی سعید الخدری

[5] وقال الامام احمد : حدثنا عفان ، حدثنا یزید بن زریع ، حدثنا حمید ، حدثنا بکر ، هوابن عمر وابو الصدیق الناجی انه اخبره ان ابا سعید الخ

اور مسند احمد میں ہے کہ ابو صدیق ناجی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ :-
انہوں نے خواب دیکھا کہ سورہ ص لکھی جارہی ہے پھر جب آیت سجدہ تک پہنچ ہوئی تو دیکھا کہ قلم ودوات اور یہ موجودہ چیزیں سجدہ ریز ہو گئی۔ پھر حضرت ابو سعید نے حضور ﷺ کو یہ ماجرا بیان کیا تو آپ پھر ہمیشہ اسپر سجدہ کرتے رہے۔[1]

اسکی روایت میں امام احمدؒ منفرد ہیں۔

اور ترمذی وابن ماجہ۔۔۔۔ میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے خواب میں دیکھا کہ میں درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں تو میں نے سجدہ کی تلاوت کی تو درخت میرے سجدے کے ساتھ سجدہ ریز ہو گیا پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

اے اللہ اسکے بدلے اپنے ہاں میرے لئے اجر اور ذخیرہ بنادے اور اسکی وجہ سے میرے گناہوں کا بوجھ مجھ سے اتار دے اور اسکو مجھ سے قبول فرما جیسے تو نے اسکو اپنے بندے داؤدؑ کی طرف سے قبول فرمایا تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں پھر میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ یہیں کھڑے ہوئے اور سجدہ کی تلاوت فرمائی۔

اور پھر میں نے حضور کو سجدہ میں وہی الفاظ دہراتے سنا جو اس شخص نے نقل کئے تھے۔

دعا کے الفاظ ملاحظہ ہوں اللهم اكتب لى بها عندك اجراً واجعلها عندك ذخراً وضع عنى بها وزرا واقبلها منى كما قبلت من عبدك داؤد-

اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے اور ہم کو صرف اسی طریق سے یہ ملتی ہے۔

اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ چالیس یوم تک سجدہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ اور اس قول کے قائل مجاہد، حسن، وغیرہ ہیں اور یہ روایت ایک حدیث مرفوع میں بھی آئی ہے لیکن وہ روایت یزید رقاشی کی روایت میں سے ہے اور یہ شخص ضعیف ہے اور اسکی روایت متروک ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،، پھر ہم نے اس چیز کی انکے لئے بخشش کر دی۔ اور بے شک انکے لئے ہمارے پاس قرب کا ذریعہ اور بہترین ٹھکانا ہے۔

یعنی یوم آخرت میں انکو ہمارا قرب نصیب ہوگا اور وہ یہاں بارگاہ عزت وعظمت میں مرتبہ پائیں گے جیسے حدیث میں آیا : کہ منصف لوگ قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہونگے۔ اور رحمٰن کے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں اور بابرکت ہیں۔ اور یہ لوگ وہ ہونگے جو اپنے اہل میں اور اپنے حکم میں اور جو کام بھی انکو سپرد کیا گیا سب میں انصاف برتنے والے ہوں گے۔

---

[1] وروى الترمذى وابن ماجه من حديث محمد بن يزيد بن خنيس عن الحسن ابن محمد بن عبيدا لله بن ابى يزيد، قال قال لى ابن جريج : حدثنى جدك عبيد الله بن ابى يزيد عن ابن عباس

اور مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور اللہ کے سب سے زیادہ قریب نشست میں منصف حاکم ہوگا۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک ناپسند اور سب سے زیادہ عذاب میں گھرنے والا شخص ظالم حاکم ہوگا۔[1]

[2] ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں ..... کہ جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں میں نے مالک بن دینار سے خدا کے اس فرمان اور ہمارے ہاں اسکے لئے قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے،

کا مطلب سنا آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ قیامت کے روز عرش کی تجلی کے پاس کھڑے ہونگے تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے اے داؤد! آج اسی حسین عمدہ آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جسکے ساتھ تم دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے۔

حضرت داؤدؑ عرض کریں گے الٰہی اب کیسے ہو سکتا ہے آپ نے مجھ سے وہ آواز لے لی ہے؟

تو فرمان باری ہوگا آج میں دوبارہ تم کو عطا کر دیتا ہوں

تو پھر حضرت داؤدؑ اہل جنت کی آسودہ حالی کے ساتھ اپنی پوری قوت عمدہ آواز میں صرف کر دیں گے۔

فرمان الٰہی ہے:-

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستہ سے بھٹکتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب (تیار ہے) کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔

یہ اللہ عزوجل کا حضرت داؤدؑ کے ساتھ کلام ہے۔ اور خلیفہ بنانے سے مراد لوگوں کا حاکم اور انکے معاملات کا والی و نگہبان بنانا ہے اور اللہ نے ان آیتوں میں آپکو حق کی اتباع اور عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے اور حق وہ ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور جو اسکے علاوہ ہے وہ خواہش اور نفسانی تقاضے ہیں۔ اور جو انپر چلے گا انکے لئے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اور حضرت داؤدؑ اپنے زمانے میں لوگوں کے مقتدا و پیشوا تھے اور عدل و انصاف اور عبادت و زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ آپ اور آپکے اہل خانہ کا دن رات میں کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گذرتا تھا جیسے فرمان باری ہے۔

(اے) آل داؤد شکر کا کام کرو اور میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔

[3] ابن ابی الدنیا کی روایت ہے کہ ..... ابی جلدؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی دعا میں پڑھا آپ نے دعا کی اے پروردگار: میں تیرا شکر کیسے بجا لاؤں؟ جبکہ میں تیرے شکر کی طرف تیری

---

[1] وھکذا رواہ الترمذی من حدیث فضل بن مرزوق الا عربہ، وقال: لانعرفہ مرفوعاً الا من ھذا الوجہ

[2] وقال ابن ابی حاتم: حدثنا ابو زرعۃ، حدثنا عبداللہ بن ابی زیاد، حدثنا سیار، حدثنا جعفر بن سلیمان، سمعت مالک بن دینار فی قولہ

[3] قال ابو بکر بن ابی الدنیا: حدثنا اسماعیل بن ابراھیم بن بسام، حدثنا صالح المری، عن ابی عمران الجونی، عن ابی الجلد، قال: قرات فی مسالۃ داودؑ

نعمت کے سوا نہیں پہنچ سکتا۔

تو انپر وحی آئی کہ اے داؤد: کیا تجھے پتہ نہیں کہ جو نعمتیں تیرے ساتھ ہیں وہ میری طرف سے ہی تو ہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں باری تعالیٰ پس میں ان کے ساتھ آپ سے خوب راضی ہوں۔

امام بیہقی نے فرمایا... [1] کہ حضرت ابن شہابؒ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ نے باری تعالیٰ کی یوں حمد بیان کی

الحمد لله كما ينبغي لكرم وجهه وعز جلاله

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جیسی اسکی کریم ذات کے مناسب ہوں اور اسکی بزرگی کی عزت کے مناسب ہوں۔ تو حضرت داؤدؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تو نے محافظ فرشتوں کو (اسکے ثواب لکھنے میں) تھکا دیا ہے اور ابو بکر بن ابی الدنیا نے بھی علی بن الجعد کے ذریعے حضرت ثوریؒ سے اسکے مثل نقل کیا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک "الزھد" کتاب میں فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوریؒ نے ایک شخص کے واسطے حضرت وہب بن منبہؒ سے نقل کیا ہے حضرت وہب نے فرمایا کہ آل داؤد کی حکمت میں ہے۔

کہ عقل مند شخص کیلئے لازم ہے کہ وہ چار گھڑیوں میں کبھی غافل نہ رہے۔ ایک وہ گھڑی جس میں اپنے رب سے مناجات کرے اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس کا احتساب کرے۔ ایک وہ گھڑی جس میں اپنے ان استادوں یا مرشدوں یا دوستوں کے پاس جائے جو اسکو اسکے عیوب پر مطلع کریں اور اسکو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کریں اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس و جان کو آرام اور زیب و زینت اور خورد و نوش کا موقع دے۔

کیونکہ یہ آخری گھڑی پہلی گھڑیوں کے کاموں میں معاون اور مددگار ثابت ہوگی۔

اور عقل مند پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے زمانے کو پہچانے۔ اور اپنی زبان کو محفوظ رکھے۔ اور اپنے حالات کی طرف توجہ کرتا رہے اور عقل مند کیلئے ضروری ہے کہ تین مقاصد کے علاوہ سفر نہ کرے یا تو اپنی آخرت سنوارنے کیلئے۔ یا اپنی روزی و معاش کو سنبھالا دینے کیلئے۔ یا حلال چیز کی لذت کیلئے۔ [2]

اور حافظ ابن عساکرؒ نے حضرت داؤدؑ کے حالات زندگی میں بہت سی دلچسپ باتیں ذکر کی ہیں انمیں سے حضرت داؤد کا یہ فرمان بھی ہے۔

کہ یتیم کیلئے شفیق مہربان باپ کی طرح بن جا
اور جان لے کہ جو تو آج بوئے گا کل کو وہی کاٹے گا

---

[1] وقال البيهقي: انبانا ابو عبدالله الحافظ ، ابنا نا ابو بكر بن بالو يه ، حدثنا محمد بن يونس القرشي ، حدثنا روح بن عبادة حدثني عبدالله بن لاحق ، عن ابن شهاب قال .....الخ

[2] وقد رواه ابو بكر بن ابي الدنيا عن ابي بكر بن ابي خيثمه . عن ابن مهدى، عن سفيان ، عن ابى الاعز، عن وهب بن منبه فذكره . ورواه ايضا عن علي بن الجعد ، عن عمر بن الهيثم الرقاشي عن ابي الاعز، عن وهب بن منبه فذكر ه . وابو الا عز هذا هوالذى ابهمه ابن المبارك في رواية . قاله ابن عساكر وقال عبدالرزاق انبا نا بشر بن رافع، جدثنا شيخ من اهل صنعاء يقال له ابو عبدالله ،قال سمعت وهب بن منبه فذ كر مثله . وقد اور د الحافظ ابن عساكر في تر جمة داود عليه السلام.......

اور ایک غریب سند کے ساتھ جو مرفوع ہے مروی ہے کہ حضرت داوٗدؑ نے فرمایا
اے برائیوں کے بونے والے تو ہی انکے کانٹے اور جھاڑ کاٹے گا۔
اور حضرت داوٗدؑ سے یہ نصیحت بھی مروی ہے آپ نے فرمایا۔
کہ مجلس میں احمق خطیب، میت کے سر پر گانے والے کی طرح ہے۔
اور یہ بھی آپ نے عظیم قیمتی بات ارشاد فرمائی۔
کہ مالداری کے بعد فقر و فاقہ اتنا برا نہیں جتنا کہ ہدایت کے بعد گمراہی بری ہے۔
اور آپ نے سنہری حرفوں سے لکھی جانے والی یہ نصیحت بھی ارشاد فرمائی۔
خیال رکھ : کہ جس بات کا ذکر تو اپنے متعلق مجلس میں ہونا ناپسند کرتا ہے تو اسکو خلوت میں بھی نہ کر اور فرمایا کہ
اپنے بھائی سے وہ وعدہ نہ کر جسکو تو وفا نہ کر سکے۔ کیونکہ یہ چیز تیرے اور تیرے بھائی کے درمیان بغض و عداوت کا سرچشمہ ثابت ہوگی۔
[1] ابن سعد فرماتے ہیں.... کہ عفرہ کے غلام عمر سے مروی ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ آپ ﷺ عورتوں سے شادی فرماتے ہیں تو طعن و تشنیع کرنے لگے کہ اس کو دیکھو جو کھانے سے سیر نہیں ہوتا اور عورتوں سے شادی کے سوا اور کوئی کام نہیں۔
تو اس طرح یہود آپکی ازواج مطہرات کی وجہ سے حسد و بغض میں مبتلا ہوئے اور پھر کہنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوتا تو عورتوں میں رغبت نہ کرتا۔ اور یہودیوں میں سب سے زیادہ دشمن و حاسد انکا بڑا حیی بن اخطب تھا تو اللہ نے انکی بد زبانی اور حسد کی مذمت فرمائی اور فرمایا۔
کیا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت (نبوت) دی اور ہم نے انکو عظیم سلطنت عطا فرمائی۔ [2]
یعنی اللہ نے پہلے پیغمبروں کو جو تمہاری قوم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے انکو بھی اسی طرح نعمتیں عطا فرمائیں کہ حضرت سلیمانؑ کی ہزار بیویاں تھیں اور سات سو مہر والی تھیں اور تین سو باندیاں تھیں۔ اور حضرت داوٗدؑ کی سو بیویاں تھیں ایک کا نام اوریا تھا جس سے حضرت سلیمانؑ نے جنم لیا اور آزمائش کے بعد ان سے شادی کی تھی۔
تو یہ محمد ﷺ کی بیویوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور کلبیؒ بھی اسی تعداد کو ذکر کرتے ہیں۔
[3] ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے پرندوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا : کہ (اس بارے میں) میں تمہیں ایک عظیم خزانے کی بات بتلاتا ہوں کہ میں تمہیں حضرت داوٗدؑ کے روزوں کے

---

[1] وقال محمد بن سعد انبانا محمد بن عمر الواقدی، حدثنی هشام بن سعید، عن عمر مولی عفرة، قال: قالت اليهود [2] النساء ٥٤، [3] وروى الحافظ في تاريخه في ترجمة صدقة الدمشقي الذي يروى عن ابن عباس من طريق المفجر ابن فضالة الحمصي، عن ابی هريرة الحمصي، عن صدقة الدمشقي ان رجلا سال ابن عباسؓ ..... الخ

متعلق بتاتا ہوں آپ بہت بڑے روزہ دار اور شب بیدار تھے اور بہت بڑے شجاع ونڈر بہادر بھی تھے جب بھی لڑائی کا موقع آتا تو کبھی پیٹھ نہ دکھاتے تھے۔آپ نے روزہ کی ہمیشہ یہ ترتیب کی کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ اور حضور ﷺ نے یہی فرمایا۔

روزوں میں سب سے بہتر روزے داؤدؑ کے روزے ہیں۔

اور آپ زبور کتاب الٰہی کو ستر لہجوں میں پڑھتے تھے۔ اور آپ رات کی عبادت میں ایک رکعت ایسی ادا فرماتے کہ اپنے نفس کو بھی رلادیتے اور آپکے رونے سے قریب کی ہر چیز پر گریہ وزاری طاری ہو جاتی۔

آپکی آواز (لوگوں کو آخرت کی) فکر میں مستغرق کر دیتی اور لوگوں کے دل و جان گرم ہو جاتے۔

آگے ابن عباسؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو انکے فرزند حضرت سلیمانؑ کے روزوں کے متعلق بھی بتا دیتا ہوں حضرت سلیمانؑ شروع مہینے میں بھی تین دن روزہ دار رہتے گویا ہر مہینے کو روزوں سے شروع کرتے اور درمیان بھی روزہ دار رہتے اور مہینے کے ختم بھی روزوں پر کرتے اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں غیر شادی شدہ کنواری پاکدامن کے بیٹے یعنی عیسیٰ بن مریم کے روزوں کے متعلق خبر دوں آپ ہمیشہ روزہ دار رہتے اور جوع کھاتے اور جانوروں کے بال کا لباس زیب تن رکھتے جو پاتے کھالیتے جو نہ ہوتا اسکے متعلق کبھی سوال نہ کرتے آپکی کوئی اولاد نہ تھی جسکے مرنے (بیمار ہونے وغیرہ) کا اندیشہ ہوتا اور نہ کوئی گھر تھا جسکے ویران ہونے کا خطرہ ہوتا۔ بس جہاں کہیں رات ہو جاتی مصلی قدموں کے نیچے ڈالتے اور بارگاہ خداوندی میں پہنچ جاتے اور کھڑے نماز ادا فرماتے رہتے حتیٰ کہ صبح کر دیتے اور آپ بڑے ماہر شکار کرنے والے تھے آپ جس کا شکار کرتے وہ کبھی نہ بچ سکتا۔ اور بنی اسرائیل کی مجلسوں میں جاتے اور انکی پریشانیوں کو دور کرتے اور انکی ضرورتوں کو پورا کرتے۔

اور اگر تم چاہو تو میں تم کو انکی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران کے روزوں کے متعلق بتا دیتا ہوں آپ ایک دن روزہ رکھتیں اور دو دن بغیر روزے کے رہتیں۔اور اگر تم چاہو تو میں تم کو نبی عربی امی محمد ﷺ کے روزوں کے متعلق بتاؤں آپ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے (اور زیادہ تر تیرہ چودہ پندرہ تاریخ قمری کے۔م) اور فرماتے تھے یہ زمانے بھر کے روزے ہیں[1]

---

[1] وقدروی الامام احمد عن ابی النضر، عن فرج بن فضالہ، عن ابی ھرم عن صدقہ عن ابن عباس مرفوعاً فی صوم داود .. الخ

حضرت داؤد علیہ السّلام کی عمر اور وفات کا تذکرہ

حضرت آدمؑ کے قصے میں آپؑ (حضرت آدم) کی تخلیق کے متعلق وارد احادیث میں پہلے گذر چکا کہ اللہ نے آپکی پشت سے آپکی ساری اولاد کو نکالا تو حضرت آدمؑ نے انبیاء کو بھی انمیں دیکھا اور ایک نبی کو دیکھا جو چمک رہے ہیں تو حضرت آدمؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار یہ کون ہے ؟ تو جواب آیا یہ تیرا فرزند داؤد ہے عرض کیا اے پروردگار اسکی کتنی عمر ہے ؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا پروردگار اسکی عمر میں اضافہ فرما دیجئے فرمان صادر ہوا ایسا نہیں ہو سکتا ہے ہاں کہو تو تمہاری عمر میں سے انکو میں کچھ دے دوں ؟ اور حضرت آدمؑ کی عمر ہزار سال تھی۔ تو آدمؑ نے چالیس سال اپنے بیٹے داؤدؑ کو ہبہ کر دیئے۔ پھر جب حضرت آدمؑ کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں۔

تو حضرت آدمؑ بھول گئے۔ تو اللہ نے آدمؑ کو بھی پورے ہزار سال دیدیئے اور حضرت داؤد کو بھی پورے سو سال عطا فرما دیئے۔ یہ حدیث کئی کتب حدیث میں آئی ہے اور صحیح ہے۔[1]

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ حضرت داؤدؑ کی عمر ستتر سال تھی۔

تو یہ بالکل غلط ہے انپر رد ہے۔ اور اہل کتاب کا یہ کہنا کہ چالیس سال آپکی بادشاہی رہی اسکو ہم قبول کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اسکے منافی و متعارض کوئی روایت نہیں ہے۔

وفات :۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت داؤدؑ میں بہت سخت غیرت و حیا تھی۔ آپ جب باہر جاتے تو باہر سے دروازے بند کر جاتے اور کوئی آپکے آنے تک داخل نہ ہو سکتا۔ تو ایک مرتبہ آپکی بیوی نے اچانک صحن کے بیچ میں کسی کو کھڑے پایا تو اسکو کہنے لگی اللہ کی قسم ہم کو حضرت داؤد رسوا کر دیں گے۔

اتنے میں حضرت داؤد واپس آ گئے پوچھا تو کون ہے ؟ اس شخص نے کہا میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور رکاوٹیں مجھے آنے سے نہیں روک سکتیں تو حضرت داؤد فوراً بولے پھر تو اللہ کی قسم آپ ملک الموت ہو اللہ کے فرمان (موت) کو مرحبا ہو۔ پھر کچھ ٹھہرے اور روح قبض ہو گئی۔ جب غسل و کفن اور دوسرے معاملات سے فارغ ہوئے تو سورج اپنی تپش ڈالنے لگا تو حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کو فرمایا داؤدؑ پر سایہ فگن ہو جاؤ۔ تو پرندوں نے آپ (داؤدؑ) کی نعش مبارک پر سایہ کر لیا حتیٰ کہ رات نے ظلمت طاری کر دی تو پھر حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کو فرمایا پر سمیٹ لو۔

---

[1] رواه احمد عن ابن عباس، والترمذی وصحیحه عن ابی هریره، وابن خزیمة وابن حبان، وقال الحاکم : علی شرط مسلم، وقد تقدم ذکر طرقه والفاظه فی قصة آدم، [2] فقال احمد فی مسنده حدثنا قبیصة، حدثنا یعقوب بن عبد الرحمن بن محمد بن عمرو، عن المطلب، عن ابی هریره ....الخ [3] وقال السدی عن ابی مالك عن ابن مالك، عن ابن عباسؓ ...... الخ

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں ساتھ ساتھ اشاروں سے سمجھا رہے تھے کہ کیسے پرندوں نے پر پھیلائے اور کیسے سمیٹے۔ اور وہ پرندے بڑے پروں والے باز تھے۔ اور یہ کئی تھے جو سایہ فگن تھے اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور سب راوی ثقہ ہیں اور جید سند ہے۔

اور سدیؒ سے...... منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا داؤدؑ شنبہ (ہفتہ) کے دن اچانک وفات پا گئے تھے۔ اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے۔[1]

اور.... [2] حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ داؤدؑ کی وفات سو سال کی عمر میں ہوئی اور چہار شنبہ (یعنی بدھ) کے روز اچانک وفات ہوئی۔ اور ابو السکن ہجریؒ فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی بھی اچانک وفات ہوئی اور حضرت داؤدؑ کی بھی اچانک وفات ہوئی اور آپکے بیٹے سلیمانؑ کی بھی اچانک وفات ہوئی۔ ابن عساکرؒ نے اسکو روایت کیا۔

اور بعض مفسرین سے منقول ہے کہ ملک الموت آپکے پاس تشریف لائے تو آپ (داؤدؑ) اپنی محراب کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو فرشتے نے عرض کیا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ آپکے ساتھ اتروں یا چڑھوں۔ پھر کہا اے اللہ کے نبی سال، مہینے، آثار، روزی سب کچھ ختم ہو گئے ہیں تو حضرت داؤدؑ وہیں سیڑھیوں پر سجدے میں گر گئے اور فرشتے نے سجدے کی حالت میں آپکی روح قبض کر لی۔

[3] اور وہب بن منبہؒ سے منقول ہے کہ عوام الناس حضرت داؤدؑ کے جنازے میں شرکت کیلئے حاضر ہوئے اور دھوپ میں بیٹھ گئے۔ اور صرف چالیس ہزار علماء بنی اسرائیل تھے اور عوام الناس اس کے علاوہ تھے اور علماء نے برانس پہن رکھے تھے اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی وفات کے بعد اب تک اس قدر رنج و غم کسی کی وفات پر نہ ہوا تھا۔ پھر لوگوں کو گرمی و دھوپ نے تنگ کیا تو حضرت سلیمانؑ سے شکوہ کیا کہ کوئی گرمی سے بچاؤ کی تدبیر فرمائیں۔ تو حضرت سلیمان نکلے اور پرندوں کو آواز دی تو پرندے اکٹھے ہو گئے پھر آپ نے انکو لوگوں پر سایہ کرنے کا حکم فرمایا۔ تو وہ لوگوں پر سایہ فگن ہو گئے اور لوگ ایک دوسرے سے چمٹے بیٹھے تھے۔ اور صورت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ پرندے اوپر تھے جس سے ہوا رک گئی تو بنی اسرائیل نے پھر شکوہ کیا تو سلیمانؑ نے پرندوں کو حکم فرمایا کہ ہوا کے رخ سے چھاؤں نہ کریں بلکہ آفتاب کی طرف سایہ ڈالیں۔ تو پرندوں نے فوراً حکم کی بجاآوری کی۔ تو پھر تمام لوگ سائے اور ہوا میں ہو گئے۔ تو یہ پہلی نشانی اور دلیل تھی جو لوگوں نے حضرت سلیمانؑ کی بادشاہی کے متعلق دیکھی۔

اور حافظ ابو یعلی کی روایت..... [1] میں حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا داؤدؑ اپنی امت کے درمیان سے اٹھائے گئے لیکن انکی قوم فتنے میں نہ پڑی اور نہ انہوں نے تبدیلی کی۔ اور حضرت مسیح کے اصحاب مسیح کے طریقے اور ہدایت پر دو سو سال تک رہے۔

یہ حدیث غریب ہے اور اسکے مرفوع ہونے میں نظر ہے۔ اور وضین ابن عطاء حدیث میں ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] وقال السدی ایضاً عن ابی مالک وعن سعید بن جبیر قال مات داؤد علیه السلام ... الخ

[2] وقال اسحاق بن بشر، عن سعید بن ابی عروبه عن قتاده، عن الحسن، ......

[3] وقال اسحاق بن بشر، انبانا وافر بن سلیمان عن ابی سلیمان الفلسطینی عن وهب بن منبه

حضرت سلیمان علیہ السّلام کا قصہ

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ

حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں آپکا نسب نامہ یوں ہے : سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عابر ابن سلمون بن نحشون بن عمیناداب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔

آپکی کنیت ابو الربیع۔ نبی اللہ بن نبی اللہ تھی۔

بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ اور ابن ماکولا نے کہا ہے کہ آپکے نسب فارص نام میں فارص ہے اور فارض غلط ہے۔

اور انہوں نے ایک نسب نامہ پہلے سے مختصر ذکر کیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔ اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ لوگو ہمیں (خدا کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور پرہیزگاری عنایت فرمائی گئی ہے بے شک یہ (اسکا) صریح فضل ہے۔ یعنی حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے نبوت و سلطنت میں وارث و جانشین تھے۔ تو مال کے صرف حضرت سلیمان تنہا وارث کیسے بن سکتے تھے۔ اور اسی بات پر مزید وہ حدیث رسولؐ بھی دلیل ہے جو صحیح میں کئی وجوہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہم اپنے چھوڑے ہوئے کا کسی کو وارث نہیں کر جاتے۔ تو صادق مصدوق محمد ﷺ نے کس قدر وضاحت سے فرمادیا کہ ہم دوسرے لوگوں کی طرح اموال کے وارث کسی کو نہیں کرتے۔

بلکہ ہمارے اموال صدقہ ہو جاتے ہیں اور اعزاء اقرباء اور خاندان کے لوگ اسکو حاصل نہیں کرتے بلکہ فقراء اور ضرورت مند حضرات میں وہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا مع اپنے سازوسامان کے انبیاء کے ہاں اسی طرح ذلیل و حقیر چیز ہوتی ہے جس طرح انکے بھیجنے اور منتخب کرنے والے عظمت و جلال کے پیکر کے ہاں ذلیل و حقیر چیز ہوتی ہے۔

اور فرمان الٰہی ہوا ہے : اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز سکھائی گئی ہے اور (ہر) چیز عنایت فرمائی گئی ہے۔

یعنی حضرت سلیمانؑ تمام پرندوں کی بولیاں سمجھتے جانتے تھے اور لوگوں کو انکا مطلب و ترجمہ بھی بتاتے تھے۔

ابو بکر بیہقی کی روایت ...... [1] میں ابو مالکؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ ایک چڑے کے پاس سے گذرے جو چڑی کے گرد و پیش منڈلا رہا تھا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تمہیں

---

[1] وقال الحافظ ابو بكر البيهقي : انبا نا ابو عبدالله الحافظ ، انبا ناعلي بن حشاد ، حدثنا اسماعيل بن قتيبة ،حدثنا عليّ بن قدامة، حدثنا ابو جعفر الا سواني، يعني محمد بن عبدالرحمن ، عن ابي يعقوب العمي ، حدثني ابو مالك قال....

معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ فرمایئے یہ کیا کہہ رہا ہے۔آپ نے فرمایا یہ چڑیا کو اپنے سے شادی (قریب ہونے) کی دعوت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ شادی کرلو تو میں تمہیں دمشق کے جس بالا خانے میں چاہو گی رہائش دلواوں گا۔ پھر سلیمانؑ نے فرمایا کیونکہ دمشق کے بالا خانے پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور انمیں کوئی نہیں رہ سکتا بلکہ ہر ایسی بات کہنے والا کذاب ہوتا ہے۔(تو گویا یہ چڑا بھی دھوکہ دیکر چڑیا کو مائل کر رہا ہے)

اسکو ابن عساکرؒ نے ابو القاسم زاہر بن طاہر سے انہوں نے بیہقی سے اسکو روایت کیا ہے اسی طرح دوسرے حیوانات اور ہر قسم کی مخلوق کے ساتھ آپکا یہ حال تھا۔ اور اسپر دلیل یہ فرمان باری ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا (اور ہم کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی پوری دنیا کے بادشاہی کی جو بھی ضرورت ہو سکتی ہیں لشکر سامان حرب جن وانس کی جماعات، پرندو چرند انس ووحشی جانوروں کی جماعات

اور انکے متعلق تمام علوم اور تعبیرات اور انکے ساتھ ہمکلام ہونے کی تمام زبانیں الغرض سب کچھ عطا کر دیا گیا تھا۔ اسپر حضرت سلیمان نے فرمایا (بے شک یہ کھلا فضل ہے) یعنی تمام مخلوقات کے خالق کی طرف سے ہم کو عطا کردہ فضل ہے ہمارا اسمیں کمال نہیں ہے۔

اسی کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے :۔ اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور وہ قسم وار کئے گئے۔ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان تک پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اسکے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو تو وہ اسکی بات سے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

اللہ عزوجل اپنے پیغمبر اپنے بندے اور اپنے پیغمبر کے فرزند حضرت سلیمانؑ کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ اپنے جن وانس اور پرندوں کے تمام لشکروں کے ساتھ سفر کیلئے سوار ہوئے۔ تو جن وانس آپکے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے۔ اور اپنے پروں کو پھیلائے گرمی دھوپ اور دوسری چیزوں سے سب کی حفاظت کر رہے تھے اور سب کے سب ایسی منظم ترتیب کے ساتھ صف در صف تھے کہ کوئی پرندہ صف میں اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہ ہوتا تھا اور اسکے باوجود سب ہواوں کے دوش پر محو اڑان تھے چلتے چلتے ایک وادی پر گذر ہوا فرمان باری ہے حتی کہ وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو : اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں تم کو روند نہ ڈالے۔

تو یوں سردار چیونٹی نے اپنی چیونٹیوں کو بچنے اور احتیاط کرنے کا حکم صادر کیا اور اسکے ساتھ ساتھ حضرت سلیمانؑ اور آپکے لشکر سے معذرت کی کہ ہم نے یہ حکم اس لئے جاری کیا ہے کہ ہو سکتا ہے آپ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور ایسی صورت میں آپکا لشکر ہم کو کچل جائے۔ تو اسطرح ظلم کی نسبت کرنے سے چیونٹی نے احتراز کیا۔

وہبؒ فرماتے ہیں کہ آپ ایک فرش پر تشریف فرما طائف کی وادی میں سے گذرے تو یہ حاکم چیونٹی جسکا

556

نام جر ساتھا اور اپنے قبیلہ ہو شیصبان کی سردار تھی اور پاؤں سے لنگڑی تھی۔

اس پوری روایت میں غلطی ہے اسکا طرز بیان بھی اسکے غلط ہونے پر شاہد ہے اسمیں ہے کہ آپ ایک چٹائی پر تشریف فرما ہو کر ہوا کے دوش پر محو سفر تھے۔ جبکہ اس صورت میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عظیم تخت وفرش سب لشکروں اور تمام سامانوں کو اٹھاتا تھا بلکہ یہ سفر جس میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کا احتمال تھا گھوڑوں پر سفر تھا۔ اور اس عظیم تخت وفرش کے متعلق ہم جلد کچھ بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل والمقصود یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ چیونٹی کی بات سمجھ گئے جو اس نے اپنی قوم کو کہی اور وہ بات بڑی درست رائے اور لائق تعریف تھی۔ جس پر حضرت سلیمانؑ نے ازراہ فرح وسرور تبسم فرمایا کہ اللہ نے انکو دوسروں کے علاوہ کس قدر انعام سے نوازا۔

اور وہ بات بالکل غلط ہے جو جاہلوں نے کہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے قبل چرند وپرند انسانوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے پھر حضرت سلیمانؑ نے ان سے عہد وپیمان لیا کہ آئندہ میرے علاوہ کسی سے بولیں گے نہیں۔ تو یہ جہلاء کی بات ہنسی مذاق کے درجے میں ہے اسکو وہی کہہ سکتا ہے جسکو کچھ سمجھ بوجھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت سلیمانؑ کیلئے یہ چیز دوسروں پر اعزاز وفخر کا باعث نہ ہوتی۔ کیونکہ پھر تو تمام لوگ ہی جانتے۔ اور یہ بات کہ آپ نے چرند پرند سے عہد لیا یہ بھی آپ پر بہتان ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت سلیمانؑ عرض کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی اسکا ناقل ہے۔

پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق دے جس سے آپ راضی ہوں۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

پس انہوں نے اللہ عزوجل سے چاہا کہ انکو اپنی عطا کردہ نعمتیں اور خصوصی نوازشات پر بے انتہاء شکر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اسپر عمل صالح کو آسان بنادیں اور جب وفات دیں نیک بندوں کے ساتھ انکا حشر فرمادیں۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نیک بندے کی سب دعائیں قبول کرلیں۔

اور والدین کا جو ذکر ہے اس سے مراد حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی والدہ ماجدہ ہیں وہ بھی انتہائی عبادت گذار نیک خاتون تھیں جیسے کہ سنید بن داؤد نے اس[1] طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ام سلیمان بن داؤد نے فرمایا: اے میرے بچے رات کو نیند زیادہ نہ کر بے شک رات کو زیادہ نیند کرنا بندے کو قیامت کے روز فقیر بنا کر چھوڑے گا۔

ابن ماجہؒ نے اسکے مثل حدیث کو اپنے چار مشائخ سے نقل کیا ہے۔

اور عبدالرزاق، معمر سے اور وہ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن داؤدؑ اپنے

---

[1] قال سنید بن داود عن یوسف بن محمد المنکدر، عن ابیه عن جابر

اصحاب کے ساتھ پانی کی طلب میں نکلے (یعنی دعائے استسقاء وغیرہ کے لئے) تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیروں میں سے ایک پیر کو اٹھائے ہوئے بارش طلب کر رہی ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا پس لوٹ جاؤ تم بارش سے سیراب ہو جاؤ گے کیونکہ اس چیونٹی نے بارش طلب کی ہے اور اسکی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

ابن عساکرؒ نے اسکو مرفوع نقل کیا ہے لیکن اسمیں حضرت سلیمانؑ کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس طریق سے[1] روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ساتھ اللہ سے بارش طلب کرنے کیلئے نکلے وہاں دیکھا کہ ایک چیونٹی ایک پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے تو اس نبی نے فرمایا پس واپس لوٹ جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔

اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں قحط پڑا تو آپ نے لوگوں کو استسقاء کیلئے نکلنے کا حکم دیا وہاں ایک چیونٹی اپنے قدموں پر کھڑی ہاتھوں کو پھیلائے دعا کر رہی تھی۔ اے اللہ میں بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں ہمیں بھی تیرے فضل کے بغیر چارہ کار نہیں۔ تو اللہ نے انپر بارش برسادی۔

فرمان الٰہی ہے۔ اور جب انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا۔ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آموجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جسکی آپکو خبر نہیں اور میں آپکے پاس (شہر) سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اسکا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں۔ اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے۔ پس وہ رستے پر نہیں آتے (اور نہیں سمجھتے) کہ خدا کو جو آسمان اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں۔ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے (سلیمانؑ نے) کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے پھر آ۔ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ دربار والو میری طرف ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے۔ اور سلیمان کی طرف سے ہے۔ اور (مضمون یہ ہے) کہ شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (بعد اسکے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع اور منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ [illegible] دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو اور جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کو فیصل کرنے والی نہیں وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا۔ اس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ

---

[1] من طريق محمد بن عزيز، عن سلامة بن روح بن خالد، عن عقيل، عن ابن شهاب حدثني ابو سلمه عن ابى هريرةؓ

کر دیتے ہیں۔اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ کیا جواب لاتے ہیں جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش ہوتے ہو گے۔ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لیکر حملہ کریں گے جنکے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہونگے۔

اس مقام پر اللہ نے حضرت سلیمانؑ اور ہدہد پرندے کا عجیب قصہ ذکر فرمایا ہے۔پرندے آپکے پاس اپنی اپنی باری پر حاضر ہوتے تھے مثلا کبھی ہدہد پرندوں کی باری ہے تو کبھی دوسری قسم کے پرندوں کی باری ہے اور ویسے بھی آپ جس کو طلب کرتے وہ حاضر ہو جاتے۔اور ہدہد کا کام آپکے ہاں یہ تھا کہ آپ کبھی سفر میں ہوتے اور جنگلوں میں پانی کی ضرورت پیش آتی تو ایک ہدہد کو پانی کی تلاش کیلئے بھیجتے تھے اور اللہ نے ہدہد کو یہ صلاحیت واستعداد عطا فرمائی تھی کہ پانی کو زمین کے نیچے ہونے کے باوجود جان لیتا تھا۔تو پھر یہ پرندہ آپ کو بتا دیتا اور لوگ وہاں کھود کر پانی تلاش کر لیتے۔

تو اسی طرح ایک دن حضرت سلیمانؑ نے ہدہد کو بلوایا تو وہ موجود نہ تھا اور اپنی خدمت کی جگہ نہ ملا۔تو آپ نے فرمایا (کیا ہوا مجھے، میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ ہی غائب ہے) یعنی یا تو وہ موجود ہی نہیں یا مجھے نظر نہیں آرہا اگر موجود نہیں ہے (تو میں اسکو سخت سزا دوں گا) یہاں خاص عذاب کی دھمکی دی جسکی مفسرین نے کئی تفسیریں فرمائی ہیں۔اور مقصود انکے فرمان سے حاصل ہو رہا ہے فرمایا (یا میں اسکو ذبح کر ڈالوں گا یا تو وہ کوئی ظاہر دلیل لیکر آئے (اپنے عذر پر) جو اسکو اس عذاب سے نجات دلوا دے۔اللہ نے فرمایا (پھر تھوڑی دیر ٹھہرا تھا) یعنی ہدہد کو تھوڑی دیر بھی غائب ہوئے نہ ہوئی ہوگی کہ وہ آگیا اور سلیمانؑ سے کہا (میں ایسی چیز کو جان کر آیا ہوں جو آپکو معلوم نہیں اور میں (قوم) سبا کی یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔میں نے ایک عورت کو ان پر سلطنت کرتے ہوئے پایا ہے اور اسکو ہر چیز دی گئی ہے اور اسکا عظیم تخت ہے)

ذکر کیا جاتا ہے کہ سبا ملک یمن کی عظیم سلطنت ہوا کرتی تھی۔اور بادشاہت وہاں ایک خاندان میں چلی آرہی تھی، چلتے چلتے ایک بادشاہ کی بیٹی اسکی خلیفہ بنی اور اسکے علاوہ کوئی اور لڑکا نہ تھا۔تو یہ سلطنت کی بادشاہ بن گئی ثعلبی وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ عورت بلقیس اپنے والد کی وفات کے بعد سلطنت کر رہی تھی ایک دوسری قوم انپر غالب آگئی اور انہوں نے وہاں دنگا فساد برپا کر دیا تو بلقیس نے اسکو پیغام نکاح بھیجا اور اس ظالم بادشاہ نے اس کے ساتھ شادی کر لی تو بلقیس نے اسکو شراب پلادی پھر اسکے سر کو کاٹ کر اپنے دروازے پر لٹکا دیا۔تو لوگوں نے اسکو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔اور یہ بلقیس بنت سیرح تھی۔اور ایک قول انکے نسب کے متعلق یہ ہے شراحیل بن ذی جدن بن سیرح بن الحارث بن قیس بن صیفی ابن سبابن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

اور اس بلقیس کا باپ بڑے بادشاہوں میں سے گذرا تھا اس نے عہد کیا تھا کہ میں اہل یمن کی کسی عورت

سے شادی نہ کروں گا تو پھر اس نے ایک جنی سے شادی کی جس سے یہ لڑکی بلقیس پیدا ہوئی اسکی ماں کا نام ریحانہ بنت سکن تھا۔ اور بلقیس کا صحیح نام تلقمہ تھا۔

اور ثعلبی روایت ۔ ۔ ۔ ۔ [1] کرتے ہیں کہ ابو بکرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنی سردار عورت کو بنالے۔

اس روایت میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہے البتہ مضمون حدیث موید ہے۔

[2] ثعلبی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اسکی سند میں ضعف ہے۔

اور صحیح بخاریؒ میں عوف سے اور وہ حسن سے حسن ابو بکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کے پاس یہ بات پہنچی کہ اہل فارس اپنے پر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنارہے ہیں تو آپ نے فرمایا ایسی قوم ہر گز فلاح کو نہیں پہنچ سکتی جو اپنا والی عورت کو بنادے۔

اور اس حدیث کے مثل کو ترمذی، نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ [3] اور امام ترمذی نے اسکو حسن صحیح فرمایا ہے۔ الغرض ہدہد نے کہا کہ (اسکو ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی بادشاہی کا تخت جو قسم قسم کے ہیروں موتیوں اور سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے۔

پھر پرندے نے انکے کفر باللہ کو ذکر کیا کہ شیطان نے انکو اللہ کی راہ سے بھٹکا رکھا ہے جو زمین کی نباتات کو اگاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور جو بھی لوگ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں سب کو جانتا ہے۔ یعنی ہر محسوس اور معنوی کو خوب جانتا ہے۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا پرودگار ہے) اسکے لئے ہے عرش عظیم تو اسکا مقابلہ پوری مخلوق عرش بنالے وہ بھی نہیں کر سکتی۔ تو انہوں نے یعنی قوم سبا نے اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کو اپنی عبادت بنالیا ہے۔ ہدہد نے یہ خبر سلیمان کو پوری طرح سنائی تو حضرت سلیمانؑ نے ایک خط اسکو بھیجا جو خدا کی طرف دعوت پر مشتمل تھا اور یہ دعوت بھی تھی کہ تم میری سلطنت کے تحت آجاؤ اور عاجزی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کردو۔ جیسے فرمایا (اور مجھ پر بڑائی مت کرو) یعنی میری فرماں برداری سے انحراف نہ کرو بلکہ (اور میرے پاس تابعدار بنے چلے آؤ) یعنی بغیر کسی ششش و پنج میں مبتلا ہوئے فوراً اپنے لئے یہ خیر کا فیصلہ کرلو۔ تو جب پرندہ خط لیکر پہنچا (اور تب ہی سے خط وکتابت کا سلسلہ پرندے کے ذریعے مشہور اور زبان زد ہوا۔ لیکن ثریا ستارے کو ثری نیچے کی مٹی کب پہنچ سکتی ہے کہ وہ خط تو حضرت سلیمان نے پرندے کو دیا اور حضرت سلیمانؑ کی اطاعت پرندے ایسی ہی کرتے تھے جیسے تابع و مطیع انسان اپنے آقا کی کرتا ہے۔

---

[1] وقال الثعلبی: اخبرنی ابو عبدالله بن فنجویة حدثنا ابو بکر بن خرجة حدثنا ابن ابی اللیث حدثنا ابو کریب حدثنا ابو معاویة عن اسماعیل بن مسلم عن الحسن عن ابی بکرة

[2] وقد روی الثعلبی من طریق سعید بن بشیر عن قتادة عن النضر بن انس عن بشیر بن نهیك عن ابی هریرةؓ

[3] وروی الترمذی والنسائی من حدیث حمید، عن الحسن، عن ابی بکرة عن النبی ﷺ بمثله

توالغرض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ وہی پرندہ تھااور وہ خط لے کر بلقیس کے محل تک پہنچا۔ تو پرندے نے دیکھا کہ بلقیس اپنی خلوت گاہ میں بیٹھی ہے تو پرندے نے خط اسکے سامنے ڈال دیااور خود کونے میں کھڑا دیکھنے لگا کہ بلقیس کا کیارد عمل ہوتا ہے اور کیا جواب دیتی ہے۔ تو ہدہد نے دیکھا کہ بلقیس ملکہ نے اپنے امراء و زراء اور تمام ارکان دولت کو اکٹھا کر لیا۔ تاکہ حضرت سلیمانؑ کے حکم پر غور وخوض اور مشاورت کی جائے۔

(کہنے لگی اے جماعت میری طرف ایک کریم خط ڈالا گیا ہے) پھر اس کے عنوان کو پڑھ کر اور اس کے مضمون کو پڑھ کر سنایا کہ (بے شک سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک اللہ کے نام سے ہی شروع کرتا ہوں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے تم لوگ مجھ پر بڑائی نہ کرو اور تابعدار ہو کے میرے پاس چلے آؤ۔) خط سنانے کے بعد مشورہ کیا پھر خود انتہائی ادب و سلیقے سے اپنے امراء و وزراء کو مخاطب ہوئی (کہنے لگی اے جماعت مجھے میرے معاملے میں بتاؤ میں قطعی فیصلہ جب تک نہ کروں گی جب تک کہ تم حاضر نہ ہو۔ یعنی تمہاری رائے کے بغیر میں فیصلہ صادر نہیں کر سکتی (تو وہ کہنے لگے ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں اور معاملہ آپکی طرف سپرد ہے پس آپ دیکھ لیں کہ آپ کیا فیصلہ دیتی ہیں) یعنی اگر جنگ مقصود ہے تو ہم بہت بڑے جنگجو اور طاقت ور بہادر ہیں اور اچھی طرح دشمن سے ٹکر لے سکتے ہیں لیکن اسکے باوجود ہم آپکی اطاعت سے نکلنے والے نہیں ہیں بلکہ جو آپ فیصلہ دیں گی ہم سر تسلیم خم کر لیں گے۔

لہٰذا آپ خود ہی ہماری اور اپنی بہتری کیلئے کوئی راہ جو مناسب و درست معلوم ہو منتخب کر لیجئے پھر بلقیس نے رائے و فیصلہ دیا جو ان کی رائے سے بہت ہی بہتر تھا اور بلقیس جان گئی کہ یہ صاحب خط کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے اور نہ ان سے جنگ میں جیتنا ممکن ہے نہ انکی مخالفت مول لی جا سکتی نہ انکو دھوکا دیا جا سکتا۔

تو تمام پہلوؤں پر غور وخوض کر کے اس نے کہا بے شک بادشاہوں کی ایسی عادت ہے کہ جب وہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تباہ و برباد کرتے ہیں اور اسکے باعزت گروہ کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ کرتے ہیں) یعنی یہ بادشاہ اگر اس مملکت پر غالب آگیا تو معاملے کی سختی اور نتیجہ میری ذات پر ختم ہو گا اور تمام تر سختی و عذاب اور رسوائی زیادہ تر میرے ساتھ پیش آئے گی۔ لہٰذا (اور میں انکی طرف ہدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ قاصدین کس بات کے ساتھ واپس آتے ہیں) یعنی بلقیس نے اپنے اور اہل مملکت کی طرف سے چند تحائف کے بدلے چھٹکارا پانا چاہا کہ شاید اسطرح حضرت سلیمان ٹھنڈے پڑ جائیں اور نرمی اختیار کریں لیکن اسکو یہ پتہ نہ تھا کہ حضرت سلیمان مسلمان ہیں اور وہ اس کافرہ سے کچھ ہدیہ قبول نہ کریں گے چہ جائیکہ آپ کے لشکر کیلئے ان تمام کو زیر کرنا معمولی درجے کی بات تھی۔ اسی وجہ سے (جب قاصد سلیمان کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال کے بدلے مجھے مدد دینا چاہتے ہو جو اللہ نے مجھے دیا وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے کے ساتھ خوش ہوتے ہو گے) حالانکہ یہ تحائف عظیم خزانوں پر مشتمل تھے جنکو مفسرین نے ذکر کیا ہے پھر آپ نے بلقیس کے قاصد کو تمام لوگوں کی موجودگی میں فرمایا (انکے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لیکر حملہ کریں گے جنکے مقابلے کہ ان میں طاقت نہ ہو گی اور انکو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے)

اور ساتھ اپنے یہ تحائف بھی لیتے جاؤ جسکے پاس تم یہ تحائف لاتے ہو اسکو اللہ نے اس سے بہت زیادہ بے انتہاء عطا کیا ہے۔ اور اب ہم تمہارے پاس بڑے زبردست لشکر لے کر آرہے ہیں جن سے مقابلے پر تم میں بالکل سکت نہیں۔ تو جب اللہ کے پیغمبر کی طرف سے یہ فرمان جلالی پہنچا تو انکو سوائے سننے اور اتباع کرنے اور عاجزی وانکساری سے جھک جانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور حضرت سلیمانؑ نے جب انکے آنے کی خبر سنی تو آپ نے جنوں سے ایک پیشکش فرمائی جسکا مفصل ذکر کلام الٰہی میں آیا جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے عنایت فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحفہ سے تم ہی خوش ہوتے ہو گے۔ ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جنکے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔ اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دینگے اور وہ ذلیل ہونگے (سلیمان نے) کہا اے دربار والو تم میں سے کوئی قبل اسکے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آؤ جنات میں سے ایک ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس سے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اسکو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت (بھی حاصل ہے اور امانت دار (بھی) ہوں ایک شخص جس کو کتاب (الٰہی) کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں جب (سلیمان نے) تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے شکر کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے (سلیمان نے) کہا! کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لئے اسکے تخت کی صورت بدل دو دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے جب وہ آپہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے اس لئے کہا کہ گویا یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی) عظمت اور شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔

اور وہ جو خدا کے سوا (اور کسی کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے) اسکو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا) اٹھا کر اپنی پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جسکے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی اور (اب) سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔[1]

تو جب حضرت سلیمانؑ نے جنوں سے بلقیس کا وہ عظیم تخت منگوایا جو اپنے فرمان شاہی کے وقت استعمال کرتی تھی، اور حضرت سلیمان نے تخت سکے بلقیس کے آنے سے پہلے کا حکم فرمایا (تو ایک عفریت جن نے کہا میں اسکو آپکے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے لے آؤں گا) یعنی آپکی مجلس فیصلہ جب تک برخاست ہوگی۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپکی مجلس اور دربار زوال شمس کے وقت برخاست ہوتا تھا تو تب تک میں عرش اتنی دور مسافات سے ضرور لے آؤں گا۔ (اور میں اسپر قوی اور امانت دار ہوں) یعنی میں اسکے تخت کو آپ تک پہنچانے پر پوری طاقت

---

[1] نمل ۳۸ تا ۴۴

رکھتا ہوں اور پھر جو اسمیں ہیرے موتی جڑے ہونگے سب کو بامانت آپکے حوالے کر دوں گا۔ (تو اس نے کہا جسکے پاس کتاب کا علم تھا) یعنی دوسرے جن نے کہا جسکو کتاب الٰہی یعنی نورانی علم سے نوازش ملی تھی۔ اس نے کہا۔ اور یہ کون تھا؟ مشہور یہ ہے کہ یہ آصف بن برخیا تھا اور حضرت سلیمانؑ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس صورت میں یہ انسان تھا۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جنوں میں سے مومن جن تھا اور اسم اعظم جانتا تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ اور ایک انتہائی ضعیف قول یہ بھی ہے کہ آپ خود حضرت سلیمان تھے اور علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ کلام کے ظاہر سے بھی یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک اور قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت جبرئیلؑ تھے۔ تو جو بھی تھے انہوں نے (کہا میں اسکو آپکے پاس آپکی پلک جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا) اسکا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے قاصد کو اپنی نظر کے پہنچنے تک روانہ پھر وہ قاصد آپکے پاس آئے تو اس سے پہلے عرش حاضر ہوگا۔ اور ایک مطلب ہے کہ آپ لوگوں کے مجمع میں جس آخری شخص کو دیکھ رہے ہیں جب تک وہ آپکے پاس پہنچے اس سے پہلے عرش پہنچ جائے گا۔ اور ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آخری شخص پر اپنی نگاہ جمائیں تو نگاہ کے تھک کر جھپکنے سے پہلے تخت حاضر کر دیا جائے گا۔ اور سب سے صحیح ہیں اور راجح قول یہ ہے:

کہ آپ اپنی نگاہ تاحد نگاہ ڈالیں اور فوراً واپس لے آئیں پھر آپ آنکھ بند کریں تو اس سے پہلے پہلے عرش بلقیس اپنی تمام تر دوریوں کے باوجود حاضر خدمت ہوگا۔

آپ نے خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیا کہ (پھر آپ نے اس کو اپنے پاس ٹھیرا دیکھا) یعنی بلقیس کے عرش کو اس پلک جھپکنے کی مدت میں اپنے پاس پالیا حالانکہ یہ عرش یمن کے شہر اور شہر سبا سے بیت المقدس لے جایا گیا تھا۔ اور وہ بھی پلک جھپکنے کی مدت میں تو آپ نے (کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے یعنی اس کا نفع اسی کو ملتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو بے شک میرا رب بے پرواہ کریم ہے یعنی اس کو شکر کرنے والوں کے شکر کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ کافرین کے کفر سے اسکو کوئی ذرہ بھر ضرر پہنچتا ہے۔

پھر حضرت سلیمانؑ نے انکو حکم فرمایا کہ اس عرش کے زیورات کو آگے پیچھے لگا دیا جائے اور کچھ شکل بدل دی جائے تاکہ بلقیس کی عقل و فہم کا اندازہ لگائیں اسی وجہ سے فرمایا (ہم دیکھیں گے کہ وہ درست راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو درست راہ نہیں پاتے تو جب وہ آئی اسکو کہا گیا کیا تیرا عرش ایسا ہے؟)

اس نے کہا گویا وہی ہے، یہ اسکی فطانت و ذہانت تھی کہ اس نے پورے یقینی الفاظ کے ساتھ نہ کہا کہ وہ اس کا ہے کیونکہ اسکو تو وہ اپنی سوچ میں پیچھے چھوڑ کر آئی تھی۔ اور یہ بھی نہ جانتی تھی کہ کوئی اللہ کی طرف سے ایسی قدرت بھی رکھتا ہے جو پلک جھپکنے میں یمن سے بیت المقدس تک اسکو لا سکتا ہے۔ تو اسلئے اس نے کہا اس جیسے ہے اور بالکل اسکے قریب ہے تو گویا وہی ہے۔ آگے فرمان الٰہی ہے جو حضرت سلیمان پر اس تسخیر کی نعمت کو بتلاتا ہے جسکا بلقیس نے اقرار کیا، فرمان الٰہی ہے! اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمت و شان و شوکت کا) علم تھا۔ اور ہم فرماں بردار ہیں اور وہ جو خدا کے سوا (اور کسی کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے)

اسکو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی)

یعنی حضرت سلیمان نے اسکو آفتاب کی پرستش سے روکا اور یہ اپنی قوم کے ساتھ اسکی عبادت کرتی تھی اور یہ دین اسکو اپنے آباء سے ورثے میں ملا تھا۔ اور اسکے علاوہ انکے پاس اپنے خدا کے حق ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

اور اس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک عمارت کی بناء کا حکم فرمایا تھا جو ایسی آبگینے یعنی شیشے کی ہو جس میں پانی چلتا ہو اور چھت شیشے کی ہو نیچے پانی جاری ہو اور پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور ہوں اور یہ تیار ہو چکی تو پھر بلقیس کی آمد پر حضرت سلیمانؑ نے اسکو اس عمارت میں داخل ہونے کا حکم دیا اور حضرت سلیمان پہلے سے اس عمارت میں اپنے شاہی تخت پر جلوہ افروز تھے۔ اور نیچے شیشے کے نیچے سے بالکل پانی ایسی آب و تاب کے ساتھ بہہ رہا تھا کہ شیشہ درمیان میں نظر ہی نہ آتا تھا۔ تو اسکے متعلق فرمان الٰہی ہے بلقیس (نے پھر اسکو دیکھا تو اس کو پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جسکے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تو وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں (اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں)

کہا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے اس وقت یہ خیال کیا تھا کہ کسی طرح بلقیس حضرت سلیمان کو بری لگے اور وہ اپنی پنڈلیاں کھول دے تاکہ اسپر بال نظر آجائیں اور حضرت سلیمان پھر اس سے شادی نہ کریں کیونکہ بلقیس کی ماں جنی تھی۔ اور اگر شادی ہو گئی تو انپر وہ بھی مسلط ہو جائے گی۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اسکے پاؤں جانور کے مانند تھے جو بالکل کمزور بات ہے اور پہلی بات میں بھی نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

اور کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس سے شادی کا ارادہ فرمایا تو پہلے اسکے نچلے بال اتروانے کے متعلق انسانوں سے سوال کیا کہ اسکی کیا ترکیب ہو سکتی ہے جواب دیا کہ بلقیس استرا استعمال کرے لیکن بلقیس اس پر آمادہ نہ ہوئی تو پھر آپ نے جنوں سے سوال کیا تو انہوں نے نورہ بنا کر دیا (یعنی وہ سفوف جو آجکل بھی عورتیں استعمال کرتی ہیں) اور پھر جنوں نے آپکے لئے ایک حمام بھی بنایا۔ آپ اسمیں داخل ہوئے تو اسکی گرمی کو محسوس کر کے منہ سے نکلا اوہ عذاب، اوہ یہ تو عذاب ہے۔

ثعلبی وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس سے شادی کر لی تو اسکو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا اور اسکو واپس لوٹایا پھر آپ ہر مہینے اسکے پاس تین دن ٹھہر کر تخت ہوائی پر واپس آجاتے اور آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ یمن میں تین محل انکے لئے بنائے جائیں جنکے نام غمدان۔ سالحین۔ بیون تھے۔ واللہ اعلم۔

اور ابن اسحاقؒ نے بعض اہل علم کے واسطے سے حضرت وہب بن منبہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ ھمدان کے بادشاہ کے ساتھ اسکی شادی کر دی تھی۔ اور بلقیس کو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا تھا۔ اور ملک یمن کے بڑے زوبعہ جن بادشاہ کو بلقیس کے تابع کر دیا تھا جس نے اسکے لئے مذکورہ تین محل تعمیر کرائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح اور مشہور و ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے :-

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے جب ان کے سامنے خاص قسم کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) ان کو میرے پاس لاؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے اور وہ ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کرو، یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ عطا کئے جانے کا ذکر فرما رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کی تعریف فرماتے ہیں (بہترین بندے تھے بے شک وہ خوب رجوع کرنے والے تھے) یعنی اللہ کی طرف ہر وقت لو لگائے رکھتے تھے اور خوب آہ و زاری کرتے تھے۔ اور پوری اتباع کرتے تھے۔ پھر اللہ نے حضرت سلیمانؑ کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر فرمایا جو صافنات تھے۔ یعنی تین پاؤں پر کھڑے ہو کر چوتھا اٹھائے رکھتے تھے۔ جو انکے عمدہ اور اعلیٰ نسل ہونے اور تیز رفتار ہونے کی نشانی ہے۔

(تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب اپنے) پردے میں چھپ گیا۔ (پھر بولے کہ) انکو میرے پاس لاؤ۔ پھر انکی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اس سے مراد ہے کہ گردنوں اور ایڑی کے اوپر کے پٹھے کو تلوار سے کاٹنے لگے۔

اور پردوں میں چھپ گیا اس سے غروب شمس مراد ہے اور یہی اکثر سلف کے نزدیک راجح ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کے معاملے میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ عصر کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا۔ یہ حضرت علیؓ وغیرہ سے منقول ہے۔ لیکن اس صورت میں ظاہر نظر میں اشکال ہوتا ہے کہ نماز کو بغیر عذر کے چھوڑنا یعنی وقت سے موخر کرنا کیسے صحیح و جائز ہے؟ تو اللہ سے مدد لیتے ہوئے ہم اسکا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ شاید انکی شریعت میں کچھ گنجائش تھی۔ اور آپ سے اسباب جہاد کی وجہ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں نماز مؤخر ہو گئی تھی۔

اور علماء کی ایک جماعت اس قول کی قائل ہے کہ یوم خندق میں نبی ﷺ نے نماز عصر موخر فرمائی تھی اور یہ اسوقت مشروع تھا۔ پھر نماز خوف کے ساتھ اسکو منسوخ کر دیا گیا۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس کے قائل ہیں اور اسکی تقریر و وضاحت ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ نساء میں صلوۃ الخوف کے تحت کر آئے ہیں۔

اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ آپ سے بھول کر یوم خندق کو نماز عصر مؤخر ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت

---

[1] ص ۳۰ تا ۴۰

سلیمانؑ کے فعل کو بھی بھول پر محمول کیا جائے گا...... واللہ اعلم۔

اور یہ تمام تر تفسیر و تفصیل اسی صورت میں ہے جب ہم چھپ جانے سے آفتاب مراد لیں۔

اور بعض حضرات نے اسکے مخالف یہ فرمایا ہے کہ توارت..... کی ضمیر خیل کی طرف لوٹ رہی ہے لہذا آیت کا مطلب ہے کہ گھوڑے چھپ گئے۔ اور نماز کا وقت ختم نہیں ہوا۔ اور اگلا فرمان کہ انکی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا، اس کا مطلب ہوگا کہ گردنوں اور ایڑی کے پٹھوں کے پسینے کو صاف کیا یہ قول حضرت ابن جریرؒ نے اختیار کیا ہے اور والبی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے پسینہ پوچھنے کے متعلق اس کو روایت کیا ہے اور حضرت ابن جریرؒ کے اس قول کو اختیار فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر اپنے مال کو بغیر کسی وجہ اور انکے گناہ کے یوں قتل نہیں کر سکتا لیکن اس دلیل میں کچھ نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ انکی ملت میں جائز ہو۔ جیسے ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنے مویشیوں بکریوں بھیڑ اور بھی دوسرے جانوروں پر دشمن کافرین کے غلبے کا خطرہ رکھتے ہوں تو مسلمان کیلئے انکو ذبح کرنا اور ہلاک کرنا اسوجہ سے جائز ہے تاکہ کافر اسکے ساتھ تقویت حاصل نہ کریں۔

اور حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کا جنگ موتہ میں گھوڑوں کو قتل کروانا اسی وجہ سے تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ ان گھوڑوں کی عظیم تعداد تھی۔ دس ہزار یا بیس ہزار۔ دو قول ہیں۔ اور انہی کے اندر بیس گھوڑے پروں والے بھی تھے۔ یعنی انتہائی تیز رفتار تھے۔

ابو داؤد میں ہے...... [1] کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ کی الماری پر پردہ پڑا ہوا تھا تو ہوا کا جھونکا آیا اور پردے کا گوشہ ہٹ گیا تو سامنے عائشہ کی گڑیاں نظر آئیں آپؐ نے پوچھا اے عائشہؓ یہ..... کیا؟ عرض کیا میری گڑیاں ہیں۔ پھر آپ نے انکے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جسپر کپڑے کے دو پر بھی تھے۔ آپؐ نے پوچھا اور انکے درمیان میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی تھے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپکی ڈاڑھوں کو دیکھ لیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو خدا کی خاطر چھوڑا تو خدا نے انکا نعم البدل عطا فرمایا یعنی وہ ہوا جو آپکو ایک صبح میں مہینے کا سفر کرا دیتی تھی اسی طرح ایک شام میں مہینے کی مسافت طے کرا دیتی تھی۔

جیسے مسند احمد میں [2] ہے ابو دہماء اور ابو قتادہؒ سے مروی ہے یہ دونوں حضرات بیت اللہ کا سفر بہت کیا کرتے تھے تو کہتے ہیں کہ ہم ایک دیہاتی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے علم سکھانے لگے جو اللہ نے آپکو سکھایا تھا۔ اور فرمایا۔ تو کسی بھی چیز کو اللہ کے ڈر سے چھوڑے گا تو اللہ عزوجل تجھے اس سے بہت بہتر عطا فرمائیں گے۔

---

[1] وقد روى ابو داود فى سننه حدثنا محمد بن عوف، حدثنا سعيد بن ابى مريم حدثنا يحى بن ايوب، حدثنى عمارة بن عزية ان محمد بن ابراهيم حدثه عن محمد بن ابى سلمة بن عبدالرحمن، عن عائشه قالت: قدم [2] كما قال الامام احمد: حدثنا اسماعيل حدثنا سليمان بن المغيرة عن حميد ابن هلال عن ابى قتاده وابى الدهماء..... الخ

آگے فرمان الٰہی ہے: اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اسکی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر وہ تائب ہوئے۔
ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس مقام پر بزرگوں سے بہت سے قصے نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر بلکہ تمام اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ اور اکثر میں سخت نکارت (اجنبیت) ہے اور ان پر ہم نے اپنی تفسیر میں تنبیہ کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف آیت کی تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں۔
اور حضرت سلیمانؑ اپنے شاہی تخت سے چالیس دن غائب رہے تھے پھر واپس آگئے تھے اور جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کی بناء کا حکم فرمایا تھا تو پھر اسکی انتہائی مضبوط تعمیر کی گئی تھی۔
اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پہلے شخص جو بانی بیت المقدس ہیں وہ حضرت اسرائیلؑ ہیں یعنی حضرت یعقوبؑ۔ اور یہ بات اس حدیث کے تحت گذر چکی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی فرمایا مسجد حرام۔
پوچھا پھر؟ فرمایا بیت المقدس کی مسجد۔ عرض کیا دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوا فرمایا چالیس سال۔
اور یہ تو ظاہر معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بانی کعبۃ اللہ اور حضرت سلیمانؑ کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ مدت ہے۔ لہذا مطلب ہوگا کہ حضرت یعقوب جو حضرت ابرہیم کے پوتے تھے تو انہوں نے بیت المقدس کی مسجد بنوائی۔
اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی مسجد کی تعمیر کے بعد خدائے عزوجل سے ایسی بادشاہت طلب کی تھی جیسی انکے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے اور اسپر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جسکو کئی کتب حدیث نے ذکر کیا ہے مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم سب نے اپنی سندوں کے ساتھ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے عبداللہ بن فیروز نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ۔
سلیمانؑ نے جب بیت المقدس کی تعمیر فرمائی تو اپنے پروردگار عزوجل سے تین باتوں کا سوال کیا انکو دو عطا کر دی گئیں تھیں ہم چاہتے ہیں کہ تیسری ہمارے لئے قبول ہو جائے انہوں نے ایک دعا کی کہ انکو ایسا حکم و فرمان ملے جو آپکے حکم کی طرح ہو۔ تو یہ بھی قبول ہوئی۔ پھر دعا کی ایسا ملک عطا ہو جو انکے بعد کسی کو نہ ملے یہ بھی مل گیا۔
پھر دعا کی کہ جو شخص بھی اس مسجد بیت المقدس کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے اور اسکا مقصد صرف اس مسجد میں نماز ادا کرنا ہو تو اسکی خطائیں یوں معاف کر دی جائیں جس طرح کہ اس دن وہ گناہوں سے پاک صاف تھا جس دن اسکی ماں نے اسکو جنم دیا۔ تو ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے لئے اس دعا کو قبول کر لیا ہے (یعنی کعبۃ اللہ کی نماز کیلئے)
اور حضرت سلیمانؑ نے پہلی دعا کی تھی کہ ایسا حکم ملے جو اللہ کے حکم کی طرح ہو۔ اسپر اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹا کے متعلق فرماتے ہیں۔
اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی

بکریاں رات کو چرتی تھیں۔ اور ہم انکے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریقہ) سلیمانؑ کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا) [1]

اس آیت سے ایک قصے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جسکے بارے میں قاضی شریحؒ اور دوسرے اسلاف فرماتے ہیں کہ اس قوم کے انگوروں کے بیل کے باغ تھے۔ تو دوسری قوم کی بکریوں نے رات کے وقت انکو چر لیا اور تمام کھا گئیں۔ تو دونوں فریق حضرت داؤدؑ کے پاس فیصلہ لے کر گئے توآپ نے انگور والوں کیلئے قیمت کا حکم فرمادیا: تو یہ نکل کر واپس جارہے تھے تو حضرت سلیمانؑ پر سے انکا گذر ہوا حضرت سلیمانؑ نے پوچھا اللہ کے نبی نے کیسا فیصلہ تمہارے لئے کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایسے ایسے۔ توآپ نے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو یوں کرتا کہ بکریاں باغ والے کو دے دیتا۔ وہ اسکے دودھ اور ہونے والے بچوں کو فائدہ میں رکھتے اور جب تک بکریوں والے انگوروں کی از سر نو فصل کرتے اور موجودہ حالت پر لاتے۔ پھر اپنی بکریاں واپس لے لیتے۔ اور باغ بمع انگوروں کے سپرد کر دیتے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤدؑ کو پہنچا توآپ نے اسی کو نافذ فرمادیا۔

اسی قصہ کی طرح صحیح بخاری و مسلمؒ میں ابو الزناد کی حدیث سے ثابت ہے وہ اعراج سے اعرج حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں آپؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

کہ دو عورتیں اپنے بیٹوں کے ساتھ چلی جارہی تھی کہ بھیڑیئے نے ایک کے بیٹے پر حملہ کر دیا اور اسکو لے گیا۔ پھر دوسرے بچے کے بارے میں دونوں جھگڑ پڑیں (ہر ایک بولی یہ میرا بچہ ہے) بڑی نے کہا: تیرا بیٹا چلا گیا ہے چھوٹی نے کہا بلکہ تیرا بیٹا گیا ہے۔ تو دونوں حضرت داؤدؑ کے پاس فیصلہ لے گئے آپ نے بڑی کیلئے فیصلہ کر دیا۔ پھر دونوں کا حضرت سلیمانؑ کے پاس سے گذر ہوا آپ نے فرمایا مجھے چھری لا کر دو میں اس بچے کے دو حصے کر دیتا ہوں تا کہ ہر ایک آدھا آدھا لے لے۔ یہ سنتے ہی چھوٹی سے نہ رہا گیا وہ بول پڑی اللہ آپ پر رحم کرے وہ اسی کا بیٹا ہے۔ لہذا پورا اسکو عطا کر دیں۔

پھر آپ نے اس چھوٹی ہی کیلئے بچے کا فیصلہ فرمادیا۔ کیونکہ ماں کو بیٹے پر ایسی بات گوارہ نہیں ہو سکتی۔

شاید دونوں حکم انکی ملت میں گنجائش رکھتے تھے۔ لیکن حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا اسی وجہ سے اللہ نے عمدہ فیصلے کے متعلق حضرت سلیمان کی تعریف و توصیف فرمائی اسکے بعد

فرمان الٰہی ہے :- حضرت داؤدؑ کیلئے پہاڑوں کو مسخر کیا جو آپکے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم (ایسا) کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اسکو زرہ کی صنعت گری سکھائی تا کہ وہ تم کو جنگ سے بچائیں تو کیا تم شکر کرنے والے ہو؟ اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی۔ جو انکے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی (یعنی ملک شام) اور ہم ہر چیز سے خبر دار ہیں۔ اور دیوؤں کی جماعت کو بھی انکے تابع کر دیا تھا تا کہ ان) میں سے کچھ انکے لئے غوطے مارتے اور اسکے سوا دوسرے کام بھی کرتے۔ اور ہم انکے نگہبان تھے اور سورہ ص میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق فرمایا۔

پھر ہم نے ہوا کو انکے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے انکے حکم سے وہ نرم نرم چلنے لگتی اور جنوں کو

---

[1] انبیاء ۷۸۔۷۹

(بھی انکے زیر فرمان کردیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔(ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (کہ تم چاہو تو) احسان کرو یا (چاہو تو) روک لو (تم سے) کچھ حساب نہیں۔ اور انکے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

اور جب حضرت سلیمانؑ نے اللہ کی رضا کی طلب کی خاطر گھوڑوں کو چھوڑا تو اللہ نے اس سے زیادہ تیز رفتار چیز یعنی ہوا کو انکے تابع فرماں کردیا۔ جو تیز ہوا کے ساتھ آرام دہ اور طاقت ور چیز تھی فرمایا وہ ہوائیں نرم نرم اسکے حکم سے جہاں چاہتے چلتی تھیں۔

یعنی کسی بھی شہر کا ارادہ کرتے تو آپکا ایک فرش یعنی تخت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا اور وہ ایسا عجیب و عظیم تخت تھا کہ حضرت سلیمان جو سامان بھی چاہتے حتی کہ تعمیر شدہ عمارتیں۔ محلات، خیمے دیگر سازوسامان۔ اور گھوڑے انسان جن چرند پرند سب کچھ اٹھا کر ہوا میں رفتار سے اڑتا تھا۔

پھر کسی سفر یا سیر یا جنگ کا ارادہ ہوتا خواہ کتنا ہی دور علاقہ ہو آپ ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے پہنچ جاتی اور پہلے سے ضرورت کے پورے لشکر کو اوپر اٹھا لیتے۔ پھر ہوا اس تخت کو آسمان وزمین کے درمیان لے جاتی تو پھر آپ (رخاء) نرم ہوا کو حکم دیتے وہ آپکے تخت کو دھیرے دھیرے لیکر اڑتی اور اگر آپ سرعت سفر کے خواہشمند ہوتے تو (عاصفه) تیز ہوا کو حکم کرتے پھر وہ آپ کے تخت کو انتہائی تیز رفتار سے اڑاتی۔ اور جہاں کا ارادہ ہوتا وہاں لے جاکر اتار دیتی۔ آپ بیت المقدس سے شروع دن میں روانہ ہوتے اور ایک مہینے کی مسافت پر شہر اصطخر پہنچ جاتے دن دن میں یہ سارا سفر طے ہو جاتا پھر شام تک ٹھہر کر واپس شام کو بیت المقدس پہنچ جاتے۔

[1] جیسے فرمان الہی ہے: اور (ہم نے) ہوا کو سلیمان کا تابع کردیا تھا اسکی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی۔ اور ان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا۔ اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے انکے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی انمیں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اُسکو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے یہ انکے لئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) ٹب جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں آپ صبح کو دمشق سے روانہ ہوتے تو دوپہر کا کھانا اصطخر میں جاکر تناول فرماتے پھر شام کو وہاں سے روانہ ہوتے تو کابل میں رات بسر کرتے۔ اور دمشق اور اصطخر کے درمیان بھی، اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان بھی ایک ایک مہینے کی مسافت تھی۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ علاقوں اور آبادیوں کے عالم کہتے ہیں کہ اصطخر شہر تو جنوں نے سلیمانؑ کے لئے بنایا تھا۔ اور یہاں قدیم دور سے ملک ترکیہ کا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح دوسرے مختلف علاقے بھی جنوں نے آپکے لئے بنائے تھے جیسے تدمر (یہ شام میں حلب کے قریب ہے) اور بیت المقدس۔ اور باب جیرون اور باب البرید اور یہ دمشق میں ہے۔

آگے فرمان الہی ہوتا ہے کہ ہم نے اسکے لئے تانبے کا چشمہ جاری کردیا۔

---

[1] سبا ۱۲۔۱۳

اسکی بابت حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لفظ قطر سے مراد نحاس یعنی پیتل ہے اور قتادہؒ فرماتے ہیں یہ یمن میں ہوتا تھا۔ جو اللہ نے آپکے لئے جاری کیا سدیؒ فرماتے ہیں کہ عمارتوں اور دوسری جس چیز میں اسکی ضرورت پیش آتی تو صرف تین یوم میں وہ ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

آگے فرمان الٰہی ہے۔ اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے انکے آگے کام کرتے تھے۔ اور جوانمیں سے ہمارے حکم سے سرکشی کرے ہم اسکو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

یعنی اللہ نے حضرت سلیمانؑ کیلئے ایسے جن تابع کر رکھے تھے جو آپکی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے بلکہ جو حکم جس کام کا ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ اور اگر کوئی سرکشی کرتا تو پھر حضرت سلیمانؑ اسکو سزا دیتے اور رسوا و ذلیل کرتے (وہ اس کے لئے عمارتیں (وغیرہ) جو چاہتے بناتے) یہ جن خوبصورت مکان اور صدر مقام بناتے تھے۔

(اور مورتیاں) یہ دیواروں میں کرید کر صورتیں بنائی جاتی تھیں۔ اور انکی ملت و شریعت میں اسکی گنجائش تھی اور بڑے بڑے ٹب تالابوں کی طرح) ابن عباسؓ اسکی یہی تشریح فرماتے ہیں اور ایک قول حوض کا بھی منقول ہے۔

اور یہی مجاہد، حسن، قتادہ، اور ضحاکؒ وغیرہ نے فرمایا ہے

(اور ایک ہی جگہ رہنے والی بڑی دیگیں) عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ اس قدر بڑی ہوتی تھیں کہ جہاں بنائی جاتی تھیں وہاں سے ٹل نہ سکتی تھیں۔ مجاہدؒ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

اور یہ سب کچھ اللہ نے حضرت سلیمان کو مخلوق الٰہی انسان و حیوان پر احسان و انعام کرنے کیلئے مہیا فرمایا تھا۔ پھر اسکے متعلق شکر کا حکم ہوا آگے فرمایا: اے آل داؤد شکر کرو اور میرے بہت تھوڑے بندے شکر کرتے ہیں۔ اور جنوں کے متعلق فرمایا (اور شیاطین کو۔ جو معمار اور غوطہ خور تھے اور کچھ بیڑیوں میں بندھے ہوئے) یعنی بعض حضرت سلیمانؑ کو معماری کا کام دیتے اور بعض پانی میں سے ہیرے موتی وغیرہ نکالنے کا کام دیتے اور کچھ اپنی نافرمانی کی بناء پر بیڑیوں میں بندھے ہوتے۔ الغرض اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان کو یہ تسخیر کائنات کی ایسی ایسی اشیاء سے نوازا تھا جو آپکے بعد کسی بادشاہ کو نہیں عطا ہوئیں۔

[1] بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

ایک عفریت جن نے گزشتہ رات مجھے نماز میں تنگ کیا تاکہ میری نماز خراب کروادے۔ تو اللہ نے مجھے اس پر قدرت دیدی تو میں نے اسکو پکڑ لیا، پھر میں نے ارادہ کیا کہ اسکو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسکو دیکھ سکو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آگئی کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کو مناسب نہ ہو۔ تو اسوجہ سے میں نے اسکو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

اسی طرح مسلم اور نسائی نے بھی اس حدیث کو شعبہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم [2] میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز ادا فرمانے کیلئے کھڑے تھے

---

[1] و قال البخاری: حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبه، عن محمد بن زیادہ عن ابی هریره

[2] وقال مسلم حدثنا محمد بن سلمة المرادی، حدثنا عبداللہ بن وهب عن معاویة بن صالح، حدثنی ربیعةبن یزید عن ابی ادریس الخولانی عن ابی الدرداء قال

تو ہم نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا۔ میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں تجھ سے میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھ کو لعنت کرتا ہوں۔ یہ دعا آپ نے تین مرتبہ فرمائی اور اپنا ہاتھ یوں بڑھایا گویا کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہوں۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے نماز میں آپ سے ایسی بات کرتے سنا جو پہلے نماز میں نہ سنتے تھے؟ اور ہم نے آپکو ہاتھ بھی پھیلائے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ایک آگ کا شعلہ لایا تھا تو اس نے کوشش کی تاکہ وہ شعلہ میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی پھر میں نے تین مرتبہ اللہ کی اسپر پوری لعنت کی۔ پھر تین مرتبہ وہ پیچھے نہ ہوا تو میں نے چاہا کہ اسکو پکڑلوں۔

اللہ کی قسم اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ ابلیس صبح بندھی حالت میں کرتا اور مدینے کے بچے اس سے کھیلتے۔ امام نسائی نے بھی محمد بن سلمہ سے اسکو روایت کیا ہے

مسند احمد میں..... [1] مروی ہے ابو عبید کہتے ہیں میں نے عطا بن یزید اللیثی کو نماز میں کھڑے دیکھا تو میں انکے سامنے سے گذرنے لگا انہوں نے مجھے واپس کیا پھر کہا مجھے ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز ادا کروائی۔ اور میں پیچھے تھا۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی۔ تو آپ پر قرأت میں شبہ ہونے لگا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

تم نے مجھے دیکھا یہاں ابلیس بھی تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا پھر میں برابر اسکی گردن گھونٹتا رہا حتی کہ میں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ کی انگلی میں اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس کی، اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کے ایک ستون سے بندھا ہوا صبح کرتا، پھر اس سے مدینے کے بچے کھیلتے۔

لہٰذا جس سے ہو سکے کہ وہ نمازی اور قبلے کے درمیان نہ ٹھہرے تو وہ ایسا کرے۔

ابو داؤد نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے:-

---

[1] وقال احمد: حدثنا ابو احمد، حدثنا مرة بن معبد، حدثنا ابو عبيد حاجب سليمان، قال رأيت عطاء بن يزيد الليثي قائما يصلي...... الخ

اور کئی بزرگوں نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں سات سو مہر والی اور تین سو بغیر مہر والی یعنی باندیاں۔ اور ایک قول اسکے عکس کا ہے۔ اور آپ کو اللہ نے اسکی بھرپور قوت عطا فرمائی تھی۔

بخاری میں ..... [1] حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا۔
ایک مرتبہ سلیمان ابن داؤد نے کہا آج رات میں ستر عورتوں پر چکر لگاؤں گا پھر ہر ایک مجاہد شہسوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ تو آپ کے ساتھی نے آپکو انشاء اللہ کہا مگر حضرت سلیمان نے نہ فرمایا۔

تو پھر کسی کو بھی حمل نہ ہوا سوائے ایک عورت کے وہ بھی ایسے بچے کے ساتھ حاملہ ہوئی جسکی ایک جانب گری ہوئی تھی پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو سب جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اور شعیب اور ابو الزناد نوے کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اور امام بخاریؒ اس طریق سے اسکی روایت میں متفرد ہیں۔ اور ابو یعلی کی روایت میں [2] ...... حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
سلیمان بن داؤدؑ نے کہا میں آج رات کو سو عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ہر ایک بچے کو جنم دیگی جو اللہ کی راہ میں تلوار چلائیگا۔ اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا۔ تو پھر آپ نے سو عورتوں کے پاس چکر لگایا تو صرف ایک عورت نے آدھا بچہ جنم دیا اور بس۔ آپ ﷺ نے آگے فرمایا اگر آپ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ہر عورت لڑکے کو جنم دیتی جو راہ خدا میں تلوار چلاتے۔

اسکی اسناد، صحیح بخاری کی شرط پر ہے لیکن اس طریق سے ائمہ نے اسکو تخریج نہیں فرمایا۔

[3] مسند احمد میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے آپ نے خود فرمایا کہ سلیمان بن داؤد نے کہا رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک لڑکے کو جنم دے گی جو راہ خدا میں لڑے گا۔ اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تو کسی نے بچہ نہ جنا سوائے ایک عورت کے اس نے بھی بچے کا ایک حصہ جنم دیا۔ آگے آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو سو بچے ہوتے جو راہ خدا میں قتال کرتے۔

امام احمد بھی اسکی روایت میں متفرد ہیں۔

مسند احمد میں اس ...... [4] طریق سے بھی ایک روایت مذکور ہے۔ اور اسی طریق سے صحیحین میں عبدالرزاق کی حدیث سے اسکو تخریج کیا گیا ہے۔

[5] اور اسحاق بن بشر کی روایت میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے موقوفاً مروی ہے کہ حضرت سلیمان کی چار سو آزاد

---

[1] قال البخاری : حدثنا خالد بن مخلد، حدثنا مغيرة بن عبدالرحمن عن ابی الزناد، عن الاعرج، عن ابی هريره

[2] وقال ابو يعلى ، حدثنا زهير ، حدثنا يزيد ، انبانا هشام بن حسان عن محمد ، عن ابی هريره

[3] وقال الامام احمد حدثنا هشيم، حدثنا هشام عن ابن سيرين، عن ابی هريرة

[4] وقال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق انبانا معمر ، عن ابن طاؤس ، عن ابيه، عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... الخ

[5] قال اسحاق بن بشر : انبانا مقاتل، عن ابی الزناد، وابن ابی الزناد ، عن ابيه ، عن عبدالرحمن عن ابی هريرة

اور چھ سو باندی بیویاں تھیں۔ اور آپ نے پوری ہزار کے پاس جانے کا قصد کیا اور وہی بات کہی لیکن صرف ایک عورت نے بچہ جنم دیا وہ بھی آدھا تھا۔ اور حضور نے اس موقع پر پھر وہی بات فرمائی۔

لیکن یہ سند اسحاق بن بشر کی حالت کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ شخص منکر الحدیث تھا خصوصاً اس نے صحاح کی احادیث سے بھی مخالفت کی ہے۔

حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے ملک کے پورے اختیارات عطا کئے تھے اور آپکی سلطنت بھی انتہائی وسیع تھی۔ اور لشکروں کی بھر مار تھی۔ اور ایسے ایسے لشکر مختلف اقسام آپکو عطا ہوئے تھے جو نہ پہلے نہ بعد میں کسی کو ملے۔ جیسے آپ نے فرمایا (اور ہم کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) اور دعا کی۔ (کہا پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی کیلئے نہ ہو بے شک آپ خوب عطا کرنے والے ہیں)

اور خدائے تعالیٰ نے یہ نعمتیں اور احسانات عطا کرنے پر بس نہ فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا یہ ہماری عطا ہے بس آپ احسان کریں یا بغیر حساب کے روک لیں، یعنی جس کو چاہیں عطا کریں جسکو چاہیں منع کریں۔ آپ سے کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔

اور یہ شان بادشاہت ہے ورنہ شان نبوت یہ ہوتی ہے کہ صرف اللہ کی اجازت سے دیا جائے۔

اور ہمارے پیغمبر عظیم المرتبت محمد ﷺ کو ان دونوں منصبوں میں اختیار دیا گیا کہ تو پھر آپ نے صرف عبد اور رسول ہونے کو پسند فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے اشارہ دیا کہ پستی پسند کریں تو آپ نے عبد اور رسول رہنے پر اکتفاء کیا۔ پھر اللہ نے آپکے بعد خلافت کو ہمیشہ کیلئے جاری کر دیا۔

لہٰذا انشاء اللہ ایک گروہ مسلمان ہمیشہ غلبے کے ساتھ رہے گا۔ اللہ ہی کی اسمیں حمد و احسان ہے۔

اور جب اللہ نے دنیا میں حضرت سلیمان کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا تو ساتھ دوسرے جہاں کی کامیابی و سرخروی کو بھی فرما دیا۔

اور بے شک انکے لئے ہمارے ہاں قرب اور بہترین ٹھکانا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام کی وفات اور مدت سلطنت اور حیات کا ذکر

اللہ عزوجل کا فرمان عالی ہے: جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کر دیا تو انکی موت کا پتہ ان (جنوں اور انسانوں) کو زمین کے کیڑے ہی نے بتایا۔ جو انکی لاٹھی کو کھاتا رہا جب آپ گرے تو جنوں پر یہ بات کھلی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ ذلت کے عذاب میں نہ رہتے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیر ہما نے ابراہیم بن طہمان کی حدیث سے ابراہیم نے عطاء بن سائب سے عطاء نے سعید بن جبیر سے آپ نے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کے نبی سلیمانؑ نماز ادا فرماتے تو سامنے ایک درخت اگا دیکھتے آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام ہے؟ وہ کہتا فلاں۔ آپ پوچھتے تو کس فائدے کیلئے ہے؟ نسل بڑھانے کیلئے یا کسی دواء کیلئے۔ تو ایک مرتبہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک درخت کو سامنے دیکھا تو اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا خروب۔ آپ نے پوچھا کس چیز کیلئے ہے تو؟ عرض کیا اس گھر کی خرابی و بربادی کیلئے (یعنی آپکو اشارہ کیا گیا کہ آپکی وفات قریب ہے۔) تو آپ نے دعا کی اے اللہ سال بھر تک جنوں سے میری موت کو مخفی رکھنا تاکہ انسان جان لیں کہ جن غیب کا علم نہیں جانتے۔

پھر آپ نے اس درخت کی عصا بنائی۔ اور اسپر ٹیک لگائی۔ اور ایک سال تک یوں ہی کھڑے رہے اور جن کام کرتے رہے۔ پھر لکڑی کو کیڑے نے کھالیا (تو آپ گرے اور پھر پتہ چلا کہ آپ تو ایک سال سے وفات پا چکے ہیں تو پھر) انسانوں کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب جانتے تو ایک سال تک ذلت کے ساتھ کام میں نہ پھنسے ہوتے۔ ابن عباس نے اسی طرح قرأت فرمائی ہے۔

پھر جنوں نے زمینی کیڑے کا شکر کیا پھر وہ پانی کے ساتھ انکے پاس آنے لگا۔

یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ اور ایک راوی عطاء خراسانی ہیں جنکی حدیث میں نکارت ہے۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے سلمہ بن کہیل۔ عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ کے طریق سے اسکو موقوفاً نقل کیا ہے۔ اور یہی درستی کے زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔

اور حضرت سدیؒ ابو مالک اور ابو صالح کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ اور دیگر کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں ایک ایک دو دو سال اور ایک ایک دو دو مہینے تنہائی میں بسر کرتے تھے اور کبھی اس سے کم وزیادہ مدت بھی رہتے تھے۔ اور اپنا کھانا پانی بھی ساتھ کروا لیتے تھے۔ اور جس مرتبہ آپ نے وفات پائی، آپ اسمیں داخل ہوئے۔ اور وفات کے آثار یوں شروع ہوئے کہ جب بھی آپ صبح کرتے تو بیت المقدس میں کوئی پودا اگا ہوتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام

ہے وہ کہہ دیتا یہ یہ پھر آپ پوچھتے کہ صرف درخت کیلئے یا کسی دوا کیلئے اگایا گیا ہے؟ عرض کرتا فلاں دواء کیلئے تو آپ اسکو اسی طرح دواء کیلئے استعمال کروا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نیا پودا اگا اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا "خروبہ" یعنی خرابی و ویرانی۔ کہ میرے اگنے سے اب اس گھر کی ویرانی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کس کام کیلئے ہے؟ عرض کیا اس مسجد بیت المقدس کی خرابی و ویرانی کیلئے ہوں حضرت سلیمانؑ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور اللہ پاک اس بیت المقدس کو ویران فرمادیں (لہذا اب میری وفات کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے) اور تیرے چہرے پر میری ہلاکت اور مسجد بیت المقدس کی ویرانی لکھی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اس پودے کو اکھیڑا اور اپنے ایک باغ میں اگا دیا۔ پھر آپ دوبارہ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا مبارک کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز میں شروع ہو گئے اور اسی حالت میں کھڑے کھڑے وفات ہو گئی اور حالت ایسی رہی کہ شیاطین و جن کو قطعاً آپکی وفات کا علم نہ ہو سکا۔

اور جن و دیو سب کے سب پہلے کی طرح اپنے اپنے کام میں منہمک رہے کہ کہیں نکال کر سزا نہ دیں۔ کچھ اور شیاطین جن اس دوران آپکی محراب کے قریب گرد و پیش جمع ہو جاتے تھے۔ اور محراب میں آگے بھی پیچھے بھی کھڑکیاں تھی۔

اور شیطان تو شیطان ہوتے ہیں۔ یہ ایک جانب سے داخل ہوتے اور دوسری جانب سے نکل جاتے اگر کسی کی نظر حضرت سلیمانؑ پر پڑ جاتی تو وہ جل کر راکھ بھی ہو جاتا۔ مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ تو ایک شیطان اسی غرض سے داخل ہوا کہ دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ اندر گیا تو حضرت سلیمانؑ کی کوئی آواز یا آہٹ سنائی نہ دی اور نہ ہی جلا تو ہمت کر کے حضرت سلیمانؑ کے اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا دیکھا کہ وہ تو مرے پڑے ہیں تو شیطان فوراً نکلا اور سب کو خبر دی کہ حضرت سلیمانؑ کو تو کب کی موت آچکی ہے لوگوں نے دروازہ کھول کر آپکو نکالا اور دیکھا کہ لاٹھی کو زمینی کیڑا یعنی گھن لگ گیا ہے۔ لیکن اب یہ پتہ نہ چل رہا تھا کہ کتنی مدت سے انکی وفات ہو چکی تو انہوں نے زمینی کیڑے کو ایک دوسری لاٹھی پر رکھا اور وہ کیڑا دن رات اسکو کھاتا رہا پھر حساب سے پتہ چلا کہ تقریباً ایک سال پہلے آپ وفات پا چکے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی یہی قرأت ہے۔ پھر تمام سرکش شیاطین بھی پورے سال تک حضرت سلیمانؑ کی موت کے علم نہ ہونے پر پوری جانفشانی اور تن دہی سے کام کاج میں مصروف رہے اور انسانوں نے بھی یقین کر لیا کہ واقعی شیاطین (جن) کو غیب کا کچھ علم نہیں اگر ہوتا تو یوں بے علمی میں نہ مارے جاتے۔ اور یہی مطلب ہے فرمان الٰہی کا۔

انکو آپکی موت کا کسی نے نہیں بتایا سوائے زمین کے کیڑے کے جو آپکی لاٹھی کو کھاتا رہا پھر آپ گرے تو جنوں نے یقین کر لیا کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

تو اس طرح لوگوں کو بھی علم ہوا کہ شیطان غیب کا علم نہیں جانتے۔ پھر شیطانوں نے زمینی کیڑے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اگر تو کھانا طلب کرے تو ہم سب سے اچھا کھانا تجھے مہیا کیا کریں گے اور اگر کوئی مشروب پسند کرے تو سب سے اچھا مشروب تجھے ملا کرے گا۔ لیکن اتنا تو ہم ضرور کریں گے کہ تیرے پاس

پانی اور مٹی پہنچاتے رہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ تو اب جہاں بھی یہ کیڑا ہوتا ہے تو وہاں اسکو پانی اور مٹی مل جاتی ہے۔ اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھروں میں لکڑی کے بیچ میں درزوں میں مٹی ہوتی ہے تو یہ شیطان ہی انکا شکر ادا کرنے کیلئے مہیا کرتے ہیں۔

لیکن یہ حصہ اسرائیلیات میں سے اس روایت میں داخل کر دیا گیا ہے جسکی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب۔

ابو داؤد شریف میں [1] حضرت خیثمہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیھم السلام نے ملک الموت کو کہا کہ جب تیرا ارادہ میری روح قبض کرنے کا ہو تو مجھے اسکے متعلق بتلا دے۔ ملک الموت نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اسکا علم آپکو بتا سکوں کیونکہ مجھے تب کتاب دیدی جاتی ہے جسمیں مرنے والوں کے نام درج ہوتے ہیں۔

[2] عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے کہ سلیمانؑ نے ملک الموت کو کہا جب تجھے میرے متعلق حکم ملے تو مجھے بتلا دینا۔ تو ملک الموت انکے پاس آئے اور کہا اے سلیمان مجھے آپ کے متعلق حکم ملا ہے اب آپکی عمر سے تھوڑی سی گھڑی رہ گئی ہے۔ تو آپ نے شیاطین کو بلایا اور اپنے گرد ایک شیشے کی عمارت بنوائی جسکا دروازہ نہ تھا۔ پھر آپ اسمیں عصا پر ٹیک لگا کر نماز میں شروع ہو گئے۔ پھر ملک الموت داخل ہوئے اور روح قبض کر لی اور آپ نے یہ فعل یعنی عمارت کا بنوانا موت سے فرار کیلئے نہیں کیا تھا (نعوذباللہ) بلکہ اس کا عظیم مقصد وہی تھا کہ شیطانوں کو علم نہ ہو لہذا شیاطین کام میں لگے رہے اور آپکو دیکھتے اور سمجھتے کہ زندہ ہے۔

پھر اللہ نے گھن لگنے والے کیڑے کو بھیجا جو لاٹھی کو کھاتا رہا حتی کہ اندر سے لاٹھی کھوکھلی ہو گئی اور حضرت سلیمانؑ کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور آپ گر گئے۔ جب جنوں نے یہ صورت دیکھی تو فوراً بھاگ گئے اور کام کاج چھوڑ دیا۔

اور یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان باری کا، انکی موت کا علم انکو کیڑے کے ذریعے ہوا۔ ... الخ

اسحاق بن بشر، محمد بن اسحاقؒ سے اور آپ زہری وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صرف باون سال زندہ رہے اور آپکی بادشاہت چالیس سال رہی۔ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں۔

ہمیں ابو ورق نے عکرمہ سے نقل کر کے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت بیس سال رہی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں حضرت سلیمانؑ کی کل عمر پچاس سے چند سال اوپر تھی۔

اور آپ نے اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں بیت المقدس کی بنیاد کی ابتدا کی۔

اور آپ کے بعد آپکا فرزند رحبعام سترہ سال بادشاہ رہا۔ ابن جریر نے اسکو روایت کیا۔

اور فرمایا اسکے بعد بنی اسرئیل کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔

---

[1] وقال ابو داؤد، فی کتاب القدر، حدثنا ابن ابی شیبہ، حدثنا قبیص حدثنا سفیان، عن الاعمش، عن خیثمہ،

[2] وقال اصبع بن الفرج وعبداللہ بن وھب، عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم قال .... الخ

شعیا بن امصیا علیہ السلام کا قصہ

بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء کے قصے
جنکا زمانہ متعین طور پر معلوم نہیں مگر یہ یقینی ہے
کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد اور حضرت
زکریا علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام سے قبل کے ہیں

شعیا بن امصیا علیہ السلام کا قصہ

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں آپ زکریا اور یحییٰ علیہم السلام سے پہلے تھے۔ اور آپ ان انبیاء میں سے ہیں جنکو حضرت عیسیٰ اور محمد علیہما السلام کی خوشخبری دی گئی۔ اور آپکے زمانے میں حزقیا نامی بادشاہ بیت المقدس کے علاقوں میں بنی اسرائیل کا حاکم تھا۔ اور یہ حضرت شعیاؑ کا تابعدار اور انتہائی نیک شخص تھا۔ اور بنی اسرائیل میں طرح طرح کی بدعتیں جنم لے چکی تھیں۔ اسی پرآشوب دور میں بادشاہ وقت بھی بیمار ہو گیا اور اسکی ٹانگ میں ایک پھوڑا نکلا۔ اس طرح سلطنت میں کچھ دراڑیں پڑیں اور بابل کے بادشاہ سخاریب نے بیت المقدس پر لشکر کشی کی ٹھان لی۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں بابل کا بادشاہ اس قدر کثیر تعداد فوجوں کو لایا تھا کہ چھ لاکھ جھنڈوں تلے اسکا لشکر تھا۔ (اور جھنڈا شاید ہر قبیلے کا جدا تھا تو اس طرح کل تعداد کا شمار کس قدر کثیر ہو گا)

تو بنی اسرائیل انتہائی سخت پریشانی و گھبراہٹ میں پھنس گئے۔ بادشاہ نے پیغمبر شعیاؑ کو کہا سخاریب اور اسکے لشکروں کے متعلق کچھ اللہ نے آپ پر وحی فرمائی ہے؟ فرمایا انکے متعلق مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔ پھر وحی آئی کہ بادشاہ کی موت کا وقت قریب آچکا ہے تو بادشاہ کو آپؑ نے خبر دی بادشاہ نے قبلہ رو ہو کر نماز پڑھی اور خدا کی تسبیح بیان کی اور دعا کی اور خوب گریہ وزاری کی آپ انتہائی خلوص قلب اور پورے توکل و صبر کے ساتھ اللہ سے دعا کر رہے تھے۔

> اے اللہ بادشاہوں کے بادشاہ اور معبودوں کے معبود اے رحمٰن اے رحیم اے وہ ذات جسکو نہ اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند مجھے میرے عمل و فعل اور بنی اسرائیل پر اچھی حکومت کے ساتھ یاد رکھ اور یہ تمام توفیق آپکی ہی طرف سے ہوئی آپ میری دلی خواہش کو خوب جانتے ہیں میرے ظاہر کو بھی میرے باطن کو۔۔۔۔۔

تو اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اللہ نے حضرت شعیاؑ کو وحی فرمائی اور خوشخبری دی کہ اللہ نے بادشاہ کے رونے پر رحم کر دیا ہے اور اسکو عمر میں پندرہ سال کی مدت کا اضافہ فرمادیا ہے اور اسکے دشمن سنحاریب سے نجات دے دی ہے تو حضرت شعیاء نے اسکو خوشخبری دی تو اسکی ساری بیماری و تکلیف جاتی رہی اور دشمن کا شر اور رنج و خوف بھی جاتا رہا اور سجدہ ریز ہو کے عرض گذار ہوئے۔

اے اللہ آپ ہی سلطنت جسے چاہیں دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں اور آپ ہی ہیں جسے چاہیں عزت بخشیں جسے چاہیں ذلت سے دوچار کریں۔ ہر غائب اور حاضر کو جاننے والے ہیں آپ ہی اول بھی ہیں اور آخر بھی اور ظاہر بھی باطن بھی۔ آپ ہی رحم کرتے ہیں اور بے کسوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔

تو اس طرح بادشاہؒ نے بارگاہ اللہ میں گریہ وزاری کر کے سر کو پرا ٹھایا تو اللہ نے حضرت شعیاؑ کو وحی کی کہ تین (انجیر) کا پانی لیکر انکے زخم پر رکھ دیں تو وہ شفایاب ہو کر صحیح ہو جائیں گے تو حضرت شعیاؑ نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے شفا بخش دی۔

ادھر سنحاریب کے لشکروں پر اللہ نے موت کی وباء پھیلادی اور صبح کو کرتے کرتے سب ہلاک ہو گئے سوائے سنحاریب اور اسکے ساتھ پانچ آدمیوں کے۔ انہی پانچ میں بخت نصر بھی تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے بادشاہ سلامت نے انکے پاس لشکر کے کچھ آدمی بھیجے جو انکو پکڑ کر لے آئے اور انکو بیڑیوں میں جکڑ کر رسوائی و ذلت کی خاطر شہروں میں ستر یوم تک گھمایا گیا۔ اور ہر ایک کو ایک دن میں جو کی دو دو روٹیاں کھلائی جاتیں۔ پھر انکو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ پھر اللہ نے حضرت شعیاؑ کو وحی فرمائی کہ بادشاہ کو کہیں کہ انکو چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ واپس جاکر اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔

جسکو آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور خود بھگت چکے ہیں۔ تو یہ سب چھوڑ دیئے گئے واپس جاکر سنحاریب نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے ساری صورت حال بیان کی۔ پھر کاہنوں اور جادوگروں نے کہا۔

> ہم نے پہلے ہی آپ کو انکے رب اور انکے انبیاء کی شان بیان کر دی تھی، مگر آپ نے اطاعت نہیں کی۔ اور یہ ایسی جماعت ہے جب تک رب انکے ساتھ ہے یہ ہلاک نہیں ہو سکتی۔

اور سنحاریب کو اللہ کی طرف سے خوف دلایا گیا۔ پھر سنحاریب نے اپنی زندگی کے بقیہ سات سال پورے کئے اور راہی عدم ہو چلا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں جب بنی اسرائیل کے بادشاہ حزقیاؑ وفات پاگئے تو دوسرے بادشاہ کی حکمرانی میں امور سلطنت درہم برہم ہو گئے اور شر دفساد بڑھ گیا۔ تو اللہ نے حضرت شعیاؑ کو وحی فرمائی تو آپ بادشاہ اور اسکے ارکان سلطنت کے بیچ کھڑے ہو کر وعظ گو ہوئے اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا اسکے عذاب و ذلت سے ڈرایا آپ اپنی بات پوری کر کے فارغ ہوئے تو یہ آپکی طرف دوڑے تاکہ پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ لیکن آپ بھاگ گئے اور ایک درخت کے پاس سے گذرنے لگے تو اس نے پھٹ کر اپنا سینہ آپکی پناہ گاہ کیلئے پیش کر دیا آپ اسمیں داخل ہو گئے لیکن شیطان نے آپکے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا تو باہر سے پتہ چل گیا کیونکہ یہ کپڑا نشانی تھی۔ پھر یہ ظالم لوگ آری لائے اور درخت کے اوپر رکھ کر درخت کو چیرا اور اس طرح ساتھ میں ایک معصوم و خیر خواہ برگزیدہ شخصیت کے جسم کو بھی چیر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ارمیابن حلقیا علیہ السّلام

آپ لاوی بن یعقوب علیہ السّلام
کی آل کے روشن چشم و چراغ ہیں

ارمیاء بن حلقیا علیہ السلام کا قصہ

جو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی ال میں سے تھے

انکے متعلق ایک قول حضرت خضرؑ ہونے کا بھی ہے جسکو ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے لیکن یہ انتہائی غریب (اجنبی) بات ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکرؒ فرماتے ہیں بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ ارمیا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے بعد جاری خون کے پاس گئے (جو رکتا ہی نہ تھا جسکے سبب بہت عذاب آیا) اور اسکو کہا اے خون تو نے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے لہذا اب ٹھنڈا ہو جا۔

تو خون ٹھنڈا ہو گیا اور رک گیا حتی کہ بالکل غائب ہو گیا۔

[1] ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں..... کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ارمیا نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا

اے پروردگار آپکے بندوں میں سے آپکو سب سے محبوب بندہ کون ہے؟ فرمایا کہ جو سب سے زیادہ میرا ذکر کرتے ہوں۔ وہ مخلوق کو چھوڑ کر میرے ذکر ہی میں مشغول رہیں۔

جنکو فنا ہونے کا وسوسہ و خطرہ نہیں اور نہ وہ اپنے دلوں میں بقاء کی خواہش رکھتے ہیں جب انپر دنیا کی عیش طاری ہو تو وہ تنگ دل ہوتے ہیں اور جب ان سے آزاد ہوں تو خوش ہوتے ہیں۔

پس انہی لوگوں کیلئے میں نے اپنی محبت کو لازم کر دیا۔

اور میں انکو انکی خواہش و طلب سے بہت بڑھ کر عطا کروں گا۔

بیت المقدس کی ویرانی کا ذکر افسوسناک

فرمان باری ہے :۔ اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی تھی اور اسکو بنی اسرائیل کیلئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ بس جب پہلے وعدے کا وقت پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو انپر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی۔ اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کیلئے کرو گے۔ اور اگر اعمال بد کرو گے تو (انکا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہو گا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آپہنچا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہاری چیزوں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ

[1] وقال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنی علی بن ابی مریم ، عن احمد بن حباب ، عن عبداللہ بن عبدالرحمن قال

مسجد (بیت المقدس) میں گھس گئے تھے اسی طرح پھر اسمیں داخل ہوں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کردیں۔

امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کروگے تو ہم بھی وہی (پہلا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنایا ہے۔[1]

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی حضرت ارمیاؑ کو وحی فرمائی جبکہ بنی اسرائیل میں گناہ زور پکڑ چکے تھے۔ کہ اے پیغمبر اپنی قوم کے درمیان کھڑے ہو کر انکو کہو۔

کہ انکے دل تو ہیں .... پر وہ سمجھتے نہیں

انکی آنکھیں تو ہیں .... پر دیکھتی نہیں

انکے کان تو ہیں .... پر سنتے نہیں

میں نے انکے آباء واجداد کی صلاح وفلاح کو یاد کیا تو انکے بیٹوں کی کامیابی کی راہ کا خیال آیا۔ لہذا ان سے سوال کرو کے انہوں نے میری اطاعت کے زمانے کو کیسا پایا اور کیا جن لوگوں نے میری نافرمانی کی وہ کامیاب ہو گئے؟

کیا جس نے میری اطاعت کی وہ میری اطاعت کے ساتھ کبھی بدبخت ہوا؟ جانور بھی اپنے گھروں، وطنوں کو یاد کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ اس کام کو چھوڑ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے میں نے انکے آباء واجداد کو عزت بخشی اور ان کی آل اس کے غیر راستے میں عزت وکامیابی کو تلاش کرنے لگی ان کے علماء واحبار نے میرے حق کا انکار کر دیا اور انکے قاری لوگ میرے غیر کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ انکے سمجھدار لوگ اپنے علم سے نفع اندوز نہ ہو سکے۔ اور انکے بادشاہ اور حکمران میرا اور میرے رسولوں کا انکار کرنے لگے۔ انہوں نے فکر وفریب کو اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ اور زبانوں پر جھوٹ امانت رکھ دیا ہے۔ پس۔ پس۔ پس!

میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ انپر ایسے لشکر مسلط کروں گا جو انکی زبان تک کو نہ جانیں گے انکے چہروں کو نہ پہچانیں گے انکے آنسوؤں اور آہ وبکاء پر رحم نہ کریں گے میں انمیں ایسے سخت دل ظالم وجابر بادشاہ بھیجوں گا جس کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کثیر ہونگے۔

انکے جھنڈوں کی پھڑ پھڑاہٹ شاہین پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ کی طرح ہو گی۔ انکے شہسواروں کے حملے عقاب کی طرح ہونگے۔ اور آبادیوں کو بار بار تباہ وبرباد کریں گے۔ اور ہنستی بستیوں کو وحشت زدہ کر دیں گے۔ ہائے افسوس مجھے اور ان بستیوں کے باشندوں کو۔ کیسے میں انکو قتل کیلئے ذلیل وخوار کروں گا۔ اور انپر غلاموں کو مسلط کر دوں گا۔ انکی دلہنوں کی چیخ وپکار بلند ہو نگی۔ ساتھ میں گھوڑوں کے ہنہنانے بھیڑیوں کے بھونکنے کی آوازیں گونجیں گی۔ اور عمدہ اور باعزت محلات کو درندوں کا مسکن بنا دوں گا۔ گرد غبار چیخ وپکار ہر طرف چھا جائیں گے عزت کے بعد ذلت سے دوچار ہونگے۔ نعمت وعیش کے بعد غلامی وذلت میں جئیں گے۔ انکی عورتوں کو میں خوشبو کے بعد مٹی میں بدل دوں گا۔

---

[1] اسراء ۲۔ تا ۸

اور انکے نرم و ملائم گدوں پر دشمن مسلط ہو جائیں گے۔ انکے جسموں کو میں زمین کا خس و خاشاک بنادوں گا۔
انکی ہڈیوں کو آفتاب کی تپش کے حوالے کر دوں گا۔ طرح طرح کے عذاب میں انکو روندوں گا۔ پھر میں آسمان کو حکم کروں گا وہ انکے لئے لوہے کے ٹکڑوں میں بدل جائے گا اور زمین پیتل کی طرح سخت ہو جائی گی۔
نہ ہی آسمان کچھ برسائے گا نہ زمین کچھ اگائے گی۔ اگر اسکی دراڑوں میں کچھ اگاؤں گا تو وہ میں اپنی رحمت سے صرف جانوروں کیلئے اگاؤں گا۔

پھر میں کاشت کے زمانے میں تمام اسباب و عوامل کو روک دوں گا اور کٹائی اور گاہنے کے زمانے میں چھوڑ دوں گا پھر کچھ اگائیں گے تو اسپر تیار فصل پر آفت نازل کروں گا۔ پھر اگر کچھ بچا بھی دوں گا تو اس سے برکت کو کھینچ لوں گا۔

پھر تم پکارو گے تو تب بھی تمہاری پکار نہ سنوں گا۔ اگر سوال کرو گے تو عطانہ کروں گا۔
اگر گریہ وزاری کرو گے تو رحم نہ کروں گا اگر تم تضرع وزاری اور عاجزی وانکساری کرو گے تو اپنا چہرہ تم سے پھیر لوں گا۔

ابن عساکرؒ نے ان الفاظ کے ساتھ اسکو روایت فرمایا ہے۔
اسحاق بن بشرؒ فرماتے ہیں ہمیں ادریس نے خبر دی کہ وہب بن منبہؒ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو انمیں بدعات و گمراہی کا دور دورہ تھا۔ اور وہ گناہوں میں لت پت تھے انبیاء تک کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ تو جب انکی سرکشی و طغیانی حد سے گذر گئی تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو انکے متعلق فتح کرنے کا خواہشمند بنایا اور اسکے نفس و دل میں ڈالا کہ انپر لشکر کشی کرے اور پھر اللہ ان سے انتقام لے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسوقت بنی اسرائیل کیلئے حضرت ارمیاؑ کو وحی فرمائی۔
میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والا ہوں اور ان سے انتقام لینے والا ہوں لہذا آپ بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو جائیں میری وحی اور حکم آپکو پہنچے گا۔ تو حضرت ارمیاؑ اٹھے اور (رنج وفکر سے) اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر خاک ڈالی اور سجدہ ریز گر پڑے اور عرض کیا۔
اے پروردگار میری تمنا تھی کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا کہ آپ نے مجھے بنی اسرائیل کا آخری نبی بنایا پس بیت المقدس اور بنی اسرائیل میری وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں ؟
اللہ نے فرمایا اپنا سر اٹھاؤ حضرت ارمیاؑ نے سر اٹھایا اور پوچھا۔
اے پروردگار آپ انپر کس کو مسلط فرمائیں گے ؟ فرمایا آگ کی پرستش کرنے والوں کو جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں نہ مجھ سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اے ارمیاء کھڑے ہو اور میری وحی سنو میں تمہیں بنی اسرائیل کی اور تمہاری خبر دیتا ہوں۔

میں نے خلیفہ بنانے سے قبل تجھ کو پسند کر لیا تھا اور تیری ماں کے رحم میں تیری صورت بنانے سے پہلے تجھے برگزیدہ کر دیا تھا اور تیری ماں کے شکم سے نکالنے سے پہلے تجھے پاکیزہ کر دیا تھا اور تیری بلوغت سے پہلے تیری پرورش کر دی تھی اور تیرے جوانی کی دہلیز پر پہنچنے سے قبل ہی تجھ کو منتخب کر لیا تھا اور امر عظیم کے

لئے تجھے نامزد کر دیا تھا، پس کھڑا ہو اور بادشاہ کو درست راہ دکھلا اور اس کی صحیح رہنمائی کر۔

تو حضرت ارمیا بادشاہ کو سمجھانے لگے اور وحی بھی اترتی رہی حتی کہ برائیاں ختم نہ ہوئیں اور شر و فساد بڑھ گیا تو وہ بھول گئے کہ اللہ نے کیسے ان کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی کہ سنحاریب اپنے ٹڈی دل لشکروں کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑا تھا تو اللہ نے حضرت ارمیا کو پھر وحی فرمائی کہ کھڑے ہو جو میں ان کو حکم دے رہا ہوں ان کو بیان کر اور ان پر میری نعمتوں کا تذکرہ کر اور ان کی برائیوں پر متنبہ کر، تو حضرت ارمیا نے عرض کیا اے پروردگار اگر آپ مجھے قوت نہ دیں تو میں ضعیف ہوں اور میں عاجز ہوں اگر آپ مجھے سہارا نہ دیں۔ اور میں خطاکار ہوں اگر آپ مجھے ہر درست راہ پر گامزن نہ کریں میں رسوا و ذلیل ہوں اگر آپ میری مدد نہ کریں اور مجھے عزت نہ دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ تمام امور میری مشیت ہی کے ساتھ انجام پاتے ہیں اور تمام مخلوق اور تمام کام میری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تمام قلوب اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں میں جیسے چاہوں ان کو بدل دوں، پس تو میری اطاعت کر میں اللہ ہوں میرے قبل کوئی چیز نہیں ہے میرے کلمے کے ساتھ ہی تمام چیزیں اور آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں موجود ہے سب قائم ہیں اور توحید و قدرت صرف میرے ساتھ خاص ہے، اور جو میرے پاس ہے میرا غیر ان کو نہیں جانتا اور میں وہ ذات ہوں جس نے سمندروں سے بات کی تو وہ میری بات سمجھ گئے اور میں نے ان کو حکم دیا انھوں نے اطاعت کی اور میں نے ان پر حدیں قائم کر دیں پس وہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے اور سمندروں کی موجیں پہاڑوں کی طرح آتی ہیں جب وہ میری حد کے پاس پہنچتی ہیں تو وہ عاجزی و ذلت سے میرے حکم کا لباس پہن لیتی ہیں اور میری بات کا اعتراف اور خوف ان پر طاری ہو جاتا ہے۔

(اے ارمیا) میں تیرے ساتھ ہوں اور کوئی چیز تجھ کو میرے ساتھ نہیں پہنچ سکتی، اور میں نے تجھے ایک خلق عظیم کی طرف بھیجا ہے تاکہ تو میرے احکامات ان کو پہنچائے اس طرح تیرے لئے ہر اتباع کرنے والے کا اجر بھی حاصل ہو جائے اور ان کے اجر سے بھی کچھ کمی نہ ہو پس اپنی قوم کے پاس جا اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو کہہ کہ اللہ عزوجل نے تمہارے آباء واجداد کی نیکی کو یاد فرمالیا ہے تبھی تم کو باقی رکھا ہے اے انبیاء کی اولاد و تمہارے آباء نے میری طاعت کا کیسے فائدہ پایا اور تم نے میری نافرمانی کا کیا سبق پایا؟ کیا تم نے ایسا شخص دیکھا جس نے میری نافرمانی کی اور پھر وہ میری نافرمانی کے ساتھ کامیاب و کامران ہو گیا؟ اور کیا ایسا کوئی شخص ہے جس نے میری اطاعت کی پھر وہ میری اطاعت کے ساتھ نامراد ہوا؟ بے شک چرند پرند بھی اپنے گھروں کو یاد کرتے ہیں تو ان کی طرف واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ قوم تو ہلاکت کی چراگاہوں میں چر رہی ہے اور اس امر کو چھوڑ بیٹھی ہے جس کی بدولت میں نے ان کے آباء کا اکرام و اعزاز کیا اور یہ ان کی اولاد اس کے غیر راستے میں کرامت و عزت کو تلاش کرنا شروع ہوئی ہے۔

اور ان کے احبار (علماء) اور رہبان (تارک دنیا عابد) نے میرے بندوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور میری کتاب کے علاوہ کے ساتھ انھوں نے لوگوں کو جاہل بنا دیا ہے اور میرا ذکر بھلا دیا ہے اور لوگوں کو مجھ سے دھوکے میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے پس میرے بندے جن کو میری عبادت کے سوا

کسی کی عبادت لائق نہ تھی انھوں نے ان کو اپنا عابد و پرستار بنالیا ہے۔

اور ان کے امراء اور ملوک میری نعمتوں کی وجہ سے اکڑ گئے ہیں اور میرے مکر سے مطمئن ہو چکے ہیں اور دنیا نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے اور میری کتاب انھوں نے پھینک دی ہے اور میرے عہد و پیمان کو بھول چکے ہیں میری کتاب میں تحریف و تغیر کر دیتے ہیں اور مجھ سے جرت کرتے ہوئے اور میرے ساتھ فریب میں مبتلا ہوتے ہوئے میرے رسولوں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ میری بزرگی پاک ہے میرا مرتبہ و مکان بلند وبالا ہے میری شان عظیم ہے، کیا کوئی میری سلطنت میں شریک ہو سکتا ہے؟ کیا کسی بشر کے لئے جائز ہے کہ وہ میری معصیت میں کسی کی اطاعت کرے؟ اور کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کروں کہ وہ ساتھ خدا کے شریک ہو جائیں؟ یا میں کسی کو اپنے خلاف کسی کی اجازت دے سکتا ہوں اور ان کے قراء اور فقہاء جو چاہتے ہیں پس وہی پڑھتے ہیں بادشاہوں کے پیچھے لگتے ہیں تو وہ ان کو میرے دین کی بدعت و تحریف میں اکساتے ہیں اور یہ قراء، فقہاء میری معصیت میں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں اور میری عہد شکنی کرتے ہیں، جو جانتے ہیں ان سے پھر بھی جاہل ہیں کیونکہ اس علم سے نفع نہیں اٹھاتے، اور نبیوں کی اولاد قہر و عذاب اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہیں، خوب نکتہ چینی کرتے ہیں اور پھر میری مدد کو اسی طرح چاہتے ہیں جس طرح ان کے آباء پر ہوئی تھی، اور خیال کرتے ہیں کہ بس وہی سب چیزوں کے بغیر سچائی اور عمل کے مستحق ہیں اور ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ان کے آباء نے کیسے کیسے صبر و استقامت سے کام لیا اور جب دھوکہ میں پڑنے والے دھوکے میں پڑ گئے وہ ثابت قدم رہے، انھوں نے تو اپنی جانوں اور خون کا نذرانہ میرے دین اور میرے کام کی عزت میں پیش کر دیا تھا، پس ان کی وجہ سے ان کو میں نے مہلت دی تاکہ یہ مجھ سے شرمسار ہو کر واپس آجائیں، میں نے ان کو ڈھیل دی، اور ان سے درگزر کرتا رہا اور ان کو کثرت سے نوازا اور عمر میں طول دیا تاکہ نصیحت پکڑلیں، اور سب پر میں نے آسمان کی بارشیں برسائیں زمین کو زرخیز کر دیا اور امن و عافیت سے رکھا اور دشمنوں پر غلبہ دیا لیکن پھر بھی طغیانی و سرکشی ہی میں بڑھے اور مجھ سے دور ہوتے چلے گئے پس کب تک یہ صورت حال رہے گی؟ کیا یہ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ میرے درپے ہوتے ہیں؟ مجھے دھوکہ دیتے ہیں؟ مجھ پر جرت و جسارت کرتے ہیں؟ پس میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں میں ان کو ایسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا جس میں بردبار و متحمل مزاج بھی حیران، پریشان ہو جائیں گے اور ذی رائے کی رائے بے رائے ہو جائے گی، حکیم کی حکمت ناکارہ رہ جائے گی، پھر میں ان پر ایسے سخت ظالم جابر بادشاہوں کو مسلط کر دوں گا جن کے دلوں کو رعب و ظلم اور دہشت سے بھر دوں گا اور نرمی اور مہربانی اور رحمت ان کے دلوں سے نکال لوں گا، اور میں نے قسم اٹھائی ہے کہ ان کے پیچھے اتنے عظیم و کثیر لشکر ہوں گے جیسے تاریک رات ہر جگہ چھا جاتی ہے ان کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کثیر ہوں گے، ان کے جھنڈوں کی پھڑ پھڑاہٹ عقاب پرندوں کی طرح ہو گی، اور عقاب کی طرح لوٹ لوٹ کر حملے کریں گے بستیوں کو ویرانیوں میں بدل لیں گے اور آبادیوں کو وحشتوں میں بدل دیں گے اور زمین میں دنگا فساد مچا کر رکھ دیں گے خوب خوب ہلاکت و خونریزی کریں گے ان کے قلوب انتہائی پتھر ہو چکے ہوں گے نہ

سوچیں گے نہ دیر کریں گے نہ رحم کریں گے نہ دیکھیں گے نہ سنیں گے، بازاروں میں چیختے پکارتے زور آور پھریں گے جیسے گرجتے شیر جن کی آوازوں سے جسم کانپ اٹھیں گے اور ان کے سننے سے بردبار لوگ بھی طیش میں آکر زبانوں سے خوب چلائیں گے مگر وہ کسی کی بات نہ سمجھیں گے، اور میری عزت کی قسم میں ان کے گھروں کو اپنی کتاب اور اپنی تسبیح و تقدیس سے خالی کردوں گا اور ان کی مجالس کو اپنی باتوں اور عبرتوں سے خالی کردوں گا اور ان کی مساجد کو ان کے آباد کرنے والوں سے خالی کردوں گا اور ان کے زائرین صرف ایسے لوگ رہ جائیں گے جو اس کی عمارت وغیرہ کو غیر اللہ کے لئے خوب زینت دیں گے اور اس میں شب بسری کریں گے، اور دین کو دنیا کمانے کے لئے سیکھیں گے، اور غیر دینی مقصد کی خاطر فقہ سیکھیں گے اور بغیر عمل کی غرض سے علم حاصل کریں گے میں ان کے بادشاہوں کو عزت کے بدلے ذلت سے دوچار کردوں گا۔

اور امن کے بدلے خوف دامن گیر کردوں گا، اور عیش و عشرت اور مالداری کے بدلے فقر و فاقہ کا لباس پہنادوں گا نعمت کے بدلے بھوک و پیاس لاحق کردوں گا، اور امن و عافیت و سلامتی کے بدلے طرح طرح کے عذابات سے تنگ کردوں گا، اور دیباو حریر کے بدلے اون اور چھوٹے موٹے لباس مہیا کردوں گا، اور عمدہ روحوں اور جسموں کے بدلے مرداروں کی نعشیں سپرد کروں گا، اور تاج و تخت والے لباسوں کے بجائے لوہے اور بیڑیوں اور طوقوں سے مزین وآراستہ کروں گا اور ان کو وسیع محلوں اور محفوظ قلعوں میں رہنے کے بعد ویرانی و بربادی کے سپرد کردوں گا، مضبوط قلعوں اور برجوں کے بجائے درندوں کے علاقے میں رہائش دوں گا اور گھوڑوں کے بجائے بھیڑیوں کی بھوں بھوں سنیں گے اور قندیلوں اور چراغوں کی روشنیوں کے بجائے ہر طرف کی آگ کا دھواں نصیب ہوگا، اور انس و محبت کے بعد وحشت اور ویرانی کو دیکھیں گے اور عورتوں کو کنگن اور زیورات کے بجائے ہتھکڑیوں سے سابقہ پڑے گا، اور موتیوں اور ہیروں کے ہار کے بجائے لوہے کے کڑے بندھے ہوں گے اور عمدہ تیل اور خوشبوؤں کے بعد گرد و غبار اور دھواں سے واسطہ ہوگا، نرم گدوں پر چلنے کی بجائے اپنے شہروں اور بازاروں سے راتوں رات بھاگنا پڑے گا اور پردوں اور زیب و زینت کی بجائے حیران پریشان کھلے چہرے لئے شہروں بازاروں سے راہ فرار اختیار کرنا پڑے گا اور زہریلی ہوائیں ان سے ٹکرائیں گی، پھر میں ان کو مزید طرح طرح کے عذاب سے خوب خوب ذلیل و ویران کر ڈالوں گا حتی کہ اگر ان کا کوئی فرد دور دراز پہاڑ میں تنہا رہتا ہوگا تو یہ تمام عذابات اس کو بھی پہنچاؤں گا، پھر میں آسمان کو حکم کردوں گا وہ ان پر لوہے کے ٹکڑوں میں ہٹ جائے گا اور زمین کو حکم کروں گا وہ ان پیتل کی طرح سپاٹ سطح ہو جائے گی پھر نہ تو آسمان برسے گا نہ زمین کچھ دانہ اگائے گی، اگر اس دوران کچھ آئے گا تو اس پر آفت اتاروں گا، اور جو کچھ بچے گا اس سے برکت نکال لوں گا، اگر وہ مجھے پکاریں گے تو جواب نہ دوں گا اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کریں گے تو ان کو عطا نہ کروں گا، اگر روئیں گے تو رحم نہ کروں گا اگر میری طرف عاجزی و انکساری اور لجاجت اور محتاجگی پیش کریں گے تو اپنا چہرہ ان سے پھیر لوں گا۔

اگر وہ مجھ سے کہیں گے :-

اے اللہ تو نے ہی اپنی رحمت اور اپنے کرم سے ہم کو اور ہمارے آباء کو پیدا کیا، اور آپ نے ہم کو اپنی ذات کے لئے خاص کیا اور ہمارے اندر نبوت کتاب اور مساجد کو رکھ دیا پھر آپ نے ہم کو شہروں میں قدرت دی اور وہاں اپنی خلافت سے نوازا، اور آپ نے ہم کو اور ہمارے آباء کو بچپن سے پرورش اور ترقی سے ہمکنار فرمایا، اور پھر ہم کو اور ان کو اپنی رحمت سے سن رسیدگی تک پہنچایا، بس آپ ہی بھرپور نعمت و رحمت سے نوازنے والے ہیں اگرچہ ہم بدل چکے ہیں اور آپ نہیں بدلے اگرچہ ہم بدلے ہیں اور آپ کی نعمت و احسانات اور فضل و عطا مکمل طور پر ہم پر برسی ہے۔

تو اگر وہ یہ کہیں گے تو میں ان کو کہوں گا۔

میں ہی اپنے بندوں پر اپنی نعمت و رحمت کی ابتداء کرنے والا ہوں پھر وہ قبول کرتے ہیں تو میں نعمت کو تام کرتا ہوں اگر وہ اضافہ چاہتے ہیں تو اضافہ کرتا ہوں اگر وہ شکر کرتے ہیں تو میں مزید بڑھا دیتا ہوں اگر وہ بدل جاتے ہیں تو پھر میں بھی ان کے ساتھ بدل جاتا ہوں اور جب وہ بدلتے ہیں تو میں غضب میں آجاتا ہوں اور جب میں غضب میں آجاؤں تو پھر ان کو عذاب سے دوچار کر دیتا ہوں اور پھر کوئی چیز میرے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

حضرت کعبؓ سے منقول ہے کہ پھر حضرت ارمیا علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت والجلال میں عرض گزار کی اے پروردگار آپ کی ذات بابرکت کے طفیل میں آپ کے سامنے علوم الٰہی سیکھ رہا ہوں اور میرے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے جبکہ میں انتہائی کمزور اور ذلیل بھی ہوں کہ میں آپ کے سامنے منہ کھولوں، لیکن آپ نے ہی اپنی رحمت سے مجھے آج کے دن تک باقی رکھا ہے اور ہر شخص کو آپ کے عذاب سے ڈرنا ضروری ہے اور بنی اسرائیل کا اس نہج تک پہنچ جانا میری کوتاہی کے سبب ہے کہ میں اتنے عرصہ دراز ان میں رہا اور پھر بھی یہ تیری نافرمانی میں منہمک رہے اور میں ان کو روک نہ سکا بدل نہ سکا، پس اگر آپ مجھے عذاب کریں تو میں اسی کا لائق ہوں اور اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو میرا آپ کے ساتھ اس بات کا قوی گمان ہے۔

اے پروردگار...... آپ پاک ہیں ہم آپ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور آپ بابرکت ہیں ہمارے رب اور آپ بہت بلند ذات ہیں...... کیا آپ اس بستی اور اس کے ارد گرد کو تہس نہس فرمائیں گے جبکہ یہ آپ کے انبیاء کے مسکن اور پڑاؤ اور اترنے کا شہر اور قبیلہ ہے اے پروردگار...... آپ پاک ہیں اور ہم آپ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور آپ بابرکت اور بلند ذات و صفات ذات ہیں۔

کیا آپ اس مسجد بیت المقدس اور اس کے گرد و پیش مساجد اور ان گھروں کو ویران فرمائیں گے جن کو آپ نے اپنے ذکر کی بدولت بلند کیا۔

اے پاک ذات...... کیا آپ اس امت کو تباہ و برباد فرمائیں گے اور ان کو عذاب میں گرفتار کریں گے اور یہ آپ کی محبوب شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں آپ کے ہمراز و نیاز حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی امت ہیں اور آپ کے منتخب کردہ عظیم پیغمبر حضرت داؤدؑ کی قوم ہیں؟

اے پروردگار...... پھر کونسی بستی اور شہر اس کے بعد آپ کے عذاب و پکڑ سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ اور

کون سے بندے ان کے بعد آپ کے سطوت و جلال سے بچ سکتے ہیں؟

اے پروردگار کیا آپ اپنے خلیل ابراہیم کی اولاد اور اپنے کلیم موسیٰ کی قوم پر آگ کے پجاریوں کو مسلط فرمائیں گے؟

تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اے ارمیا...... جس شخص نے میری نافرمانی کی وہ میرے عذاب کو اجنبی خیال نہ کرے میں نے ان کے اگلوں کو جو اکرام و اعزاز بخشا وہ صرف میری اطاعت کی بناء پر تھا، اگر انکے بقیہ لوگ میری نافرمانی کریں گے تو میں ان کو نافرمانوں کے گھر ہی میں جگہ دوں گا، اب تک تو میں اپنی رحمت سے ان کو درگزر کرتا رہا۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا...... اے پروردگار آپ نے ابراہیم کو دوست بنایا اور ان کے طفیل آپ نے ہماری محافظت فرمائی، اور موسیٰ کو آپ نے اپنے ساتھ سرگوشی اور راز و نیاز کرنے کا شرف بخشا، پس ہم (ان کے طفیل) آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہماری حفاظت فرمایئے اور ہم پر دشمنوں کو مسلط نہ کیجئے کہ وہ ہمیں اچک لیں۔

تو اللہ نے حضرت ارمیاؑ کو وحی فرمائی اے ارمیا میں نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں ہی پاک کر دیا تھا اور پھر تجھ کو اس دن تک مہلت عطا کی پس اگر تیری قوم یتیموں اور خاک آلود مسکینوں اور فقیروں اور مسافروں کی حفاظت کرتی ان کا خیال رکھتی تو میں ان کو بھرپور سہارے اور طاقت و قوت سے نوازتا۔

اور میرے ہاں ان کا مقام و مکان جنت ہوتی جس کے درخت نرم و نازک اور حسین ہیں اور اس کا پانی پاکیزہ ہے وہ پانی کبھی کم نہیں ہوتا اس کے پھل فروٹ کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ خراب ہوتے ہیں۔

لیکن اے ارمیا میں ہی آپ سے بنی اسرائیل کا شکوہ کرتا ہوں کہ میں ان کے لئے انتہائی محبت کرنے والے شفیق چرواہے کی طرح تھا، ان کو ہر قسم کے قحط اور ہر تنگی اور پریشانی سے بچاتا تھا، اور ان کو سرسبزی و شادابی میں تر و تازہ کر رکھا تھا حتیٰ کہ وہ مینڈھوں کی طرح قوی ہو گئے اور ایک دوسرے کو سینگوں سے مارنے لگے، ان پر افسوس ہے انتہائی افسوس، بے شک میں اس کا اکرام کرتا ہوں جو میرا اکرام کرتا ہے اور میں اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہوں جس کے نزدیک میرا دین ذلیل ہو ان سے پہلی اقوام میری معصیت سے لرزہ بر اندام اور خوفزدہ ہو جاتی تھی اور یہ میری معصیت کو ہٹ دھرمی سے کھلم کھلا کرتے ہیں حتیٰ کہ مساجد میں بھی اور بازاروں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر درختوں کی چھاؤں میں ہر جگہ گناہ سے پر رہتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے گناہ مجھ تک آسمانوں میں بھی بھر گئے ہیں اور زمین بھی بھر چکی ہے، پہاڑ بھی ان کے گناہوں سے عاجز آ چکے ہیں، زمین کے دور دراز کناروں تک چرند پرند ان سے متنفر ہو گئے ہیں، اور یہ کسی جگہ باز نہیں آتے اور میری کتاب سے سیکھے ہوئے سے نفع نہیں اٹھاتے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت ارمیاؑ نے بنی اسرائیل کو ان کے پروردگار کے پیغامات اور سب باتیں پہنچادیں اور انھوں نے وعید و عذاب کو اچھی طرح سن لیا تو آپ کی نافرمانی پر اتر آئے اور آپ کو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کیا اور کہنے لگے آپ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اپنی

سرزمین اور اپنی مساجد اپنی کتاب اپنی عبادت اپنی توحید کو بیکار کر دے گا؟ پھر اس کی کون عبادت کرے گا جب زمین میں کوئی عبادت گزار نہ رہے گا، نہ کوئی مسجد، نہ کوئی کتاب رہے گی؟ تو نے اللہ پر بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا ہے اور تجھ کو جنون لاحق ہو چکا ہے۔

پھر انھوں نے آپ کو پکڑا اور بیڑیوں میں باندھ کر قید کے حوالے کر دیا تب اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر کو بھیجا وہ اپنے ٹڈی دل (انتہائی عظیم لشکر، جس طرح ٹڈیاں فصل پر چھا جاتی ہیں اس طرح کے) لشکر کے ساتھ چلنا شروع ہوا حتی کہ بنی اسرائیل کے علاقوں کے قریب پہنچ گیا پھر ان کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد وہ...... منظر پیش آیا جس کا تذکرہ قرآن نے کیا فرمایا (پھر وہ شہروں کے درمیان گھس گئے) فرمایا جب ان کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو عاجز آ گئے اور بخت نصر کے حکم کو مان لیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے اور مجوسیوں کے لشکر گلی گلی کوچے کوچے میں گھس گئے یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان الٰہی کا (پھر وہ شہروں کے درمیان میں گھس گئے) اور بخت نصر نے جاہلیت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان پر سخت حکم جاری کیے اور سخت گیری کی۔

کہ تہائی بنی اسرائیل کو قتل وغارت گری میں نیست ونابود کر دیا اور تہائی کو اپنی غلامی کی ذلت کا لباس پہنایا اور صرف لنجوں اپاہجوں بوڑھوں بوڑھیوں کو چھوڑ کر ان پر احسان کر دیا۔ اسکے بعد انکو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اور بیت المقدس کو منہدم کر دیا اور بچوں کو ساتھ لے لیا اور عورتوں لڑکیوں کو بازاروں میں برہنہ کھڑا کر دیا اور لڑائی کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالا قلعوں اور محلوں کو ویران کر دیا اور مساجد کو منہدم کر ڈالا اور تورات کو جلا ڈالا۔ پھر بخت نصر نے دانیال کے متعلق سوال کیا جسکے لئے کتاب لکھی گئی تھی تو بخت نصر نے انکو شدت میں پایا۔ اور انکے گھر والوں نے کتاب اسکے حوالے کر دی اور انکے اہل میں دانیال بن حزقیل (اصغر اور میشائیل اور عزرائیل اور میخائیل تھے۔ پھر بخت نصر اپنے عظیم لشکروں کے ساتھ بیت المقدس کے علاقوں میں داخل ہوا اور پورے وسیع وعریض ملک شام کو روند ڈالا اور بنی اسرائیل کی خوب خونریزی کی حتی کہ انکو فنا کر دیا۔ پھر ان سے فارغ ہوا تو واپسی شروع کی اور تمام اموال سمیٹ لئے اور قیدیوں کو آگے لگا لیا ان میں سے بادشاہوں اور احبار (علماء) کے قیدی بچوں کی تعداد نوے ہزار بچوں تک جا پہنچی تھی۔ اور بیت المقدس میں گندگی اور کچرے ڈال کر اسکی توہین کی اور سوروں کو اسمیں ذبح کیا۔ سات ہزار غلام حضرت داؤدؑ کی آل اولاد سے تھے۔ اور گیارہ ہزار حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ اور انکے بھائی بنیامین کی اولاد سے تھے۔ اور آٹھ ہزار ایشی بن یعقوبؑ کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار یعقوب کے دو فرزندان زبانوں اور نفتالی کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ آٹھ ہزار یستاخر بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ دو ہزار زیکون بن یعقوب سے چار ہزار روبیل بن یعقوب اور لاوی بن یعقوب سے اور بارہ ہزار تمام بنی اسرائیل سے الغرض ان تمام کو لیکر بخت نصر چل پڑا حتی کہ اپنی سرزمین بابل میں قدم رکھ لیا۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جب بخت نصر نے جو کچھ کرنا تھا سب کر لیا تو اسکو کہا گیا۔

کہ انکا ایک آدمی تھا جو انکو ان کی اس آفت اور حالت سے ڈراتا تھا اور انکو سمجھاتا تھا اور آپکے متعلق انکو خبر دار

کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ آپ انکے بہادروں کو قتل کریں گے اور بچوں کو قید کر دیں گے انکی مساجد کو منہدم کر دیں گے انکے کنیسوں (عبادت خانوں) کو نذر آتش کر دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے اسکی بات نہ مانی اور اسکو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کر کے مارا اور بیڑیوں میں جکڑ کر قید و بند کے حوالے کر دیا۔

تو بخت نصر نے یہ سن کر حکم جاری کیا پھر حضرت ارمیا کو جیل سے نکالا گیا پھر بخت نصر نے آپ سے پوچھا کیا آپ انکو اس حالت سے ڈراتے تھے؟ فرمایا بالکل۔ پوچھا: آپ کو یہ پہلے ہی کہاں سے معلوم ہو گیا؟ فرمایا اللہ نے مجھے انکے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا تھا لیکن انہوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا پوچھا: اور کیا انہوں نے آپکو مارا پیٹا اور جیل کے حوالے بھی کیا ہے؟ فرمایا جی

کہا بہت بری قوم ہے جس نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اور اپنے رب کے پیغام کو جھٹلایا۔ تو اب کیا آپ میرے ساتھ مل سکتے ہیں؟ میں آپکا اکرام و اعزاز کروں گا اور آپ کی غمخواری کروں گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے وطن بھی چھوڑ دوں گا، اور آپکو امن و امان عطا کروں گا؟ آپ نے فرمایا میں ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہا ہوں اور جب سے میں اللہ کی پناہ اور حکم و تابعداری سے نہیں نکلا تب سے اسی کی امان میں ہوں اگر بنی اسرائیل بھی اسکی تابعداری سے اور اسکی امن و امان سے نہ نکلتے تو وہ کبھی تجھ سے نہ ڈرتے اور نہ تیرے کسی غیر سے ڈرتے اور نہ تو انکا کچھ بگاڑ سکتا تھا۔

بخت نصر نے آپکی بات سنی تو آپ کو چھوڑ دیا پھر آپ واپس اپنے مقام ایلیا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ روایت کچھ غریب ہے اور اس میں حکمتیں و نصائح اور ملیحانہ گفتگو بھی خوب ہے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی فرماتے ہیں۔

بخت نصر نے بہراسب بادشاہ کو روم کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔

اور اس نے بلخ شہر بنایا تھا۔ جسکا لقب حلساء بھی کہا جاتا ہے۔ اور پھر بخت نصر نے لڑکوں سے قتال کیا اور انکو تنگ جگہوں میں محصور کر دیا۔ اور بنی اسرائیل سے شام میں لڑنے کیلئے بھی ایک لشکر روانہ کیا۔ اور اس کا سپہ سالار، فارس کا بادشاہ بہمن کو بنایا تھا جو بشتاسب بن لہراسب کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اور اس لشکر کشی کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے رسولوں پر ظلم و ستم ڈھایا تھا۔

اور ابن جریر نے یونس بن عبد الاعلی.... [1] کے طریق سے حضرت سعید بن المسیبؒ سے نقل کیا ہے کہ بخت نصر نے جب دمشق میں قدم رکھا تو وہاں ایک کوڑے کی جگہ خون جوش مارتا دیکھا۔ بخت نصر نے اسکے متعلق ان سے استفسار کیا تو بتایا گیا کہ ہم اپنے آباء کے زمانے سے اسکو اسی طرح دیکھتے آرہے ہیں اور جب بھی اوپر کچھ تہہ جمتی ہے تو پھر یہ خون جوش مار کر ابلنے لگتا ہے۔

بخت نصر نے اسپر ان سے خوب خونریزی کی حتی کہ انکے ستر ہزار مسلمان وغیرہ قتل کر دیئے پھر کہیں جا کر اس خون کا سلسلہ ختم ہوا۔

روایت کی اسناد سعید بن المسیب تک صحیح ہے۔ اور پہلے حافظ ابن عساکرؒ کے کلام سے گذر چکا ہے کہ یہ

---

[1] عن ابن وهب عن سليمان بن بلال عن يحيى بن سعيد الانصاري عن سعيد ابن المسيب

خون حضرت زکریا بن یحییٰ علیہ السلام کا تھا۔

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریاؑ بخت نصر سے ایک مدت بعد پیدا ہوئے تھے۔ لہذا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور پہلے پیغمبر یا پہلے کسی عظیم ولی اللہ کا خون ہے۔ واللہ اعلم۔

ہشام بن کلبیؒ فرماتے ہیں بخت نصر بیت المقدس آیا تو بیت المقدس کے بادشاہ سے صلح ہو گئی اور بادشاہ حضرت داؤدؑ کی آل سے تھا۔ تو اس نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کرتے ہوئے مصالحت کر لی اور بخت نصر خراج جزیہ وغیرہ لیکر واپس چلا گیا۔ بخت نصر جب طبریہ علاقے میں پہنچا تو اسکو خبر موصول ہوئی کہ بنی اسرائیل نے اسکے مصالحت کنندہ بادشاہ پر ظلم کیا اور اس سے بغاوت کر کے اسکو قتل کر ڈالا ہے۔ اور یہ سب انہوں نے مصالحت کی وجہ سے کیا۔ پھر تو بخت نصر فوراً تمام لشکر و سامان سمیت واپس پلٹا اور پورے شہر بیت المقدس کو انتہائی سخت پکڑ میں لے لیا اور جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے لاشوں کے انبار لگا دیئے انکے بچوں کو قیدی بنالیا۔

رلوی نے مزید فرمایا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ تب بخت نصر نے قید میں حضرت ارمیاؑ کو پایا تھا تو بخت نصر نے آپکو نکلوایا اور آپ نے ساری آپ بیتی دہرائی تو بخت نصر گویا ہوا کہ بڑی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔

پھر بخت نصر نے آپکا راستہ چھوڑ دیا۔ اور آپکے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا پھر بنی اسرائیل کے باقی ماندہ گرے پڑے لوگ آپکے گرد جمع ہو گئے اور پشیمان و نادم ہو کر عرض گذار ہوئے، ہم نے بہت ہی برا کیا اور خود اپنے پر ظلم کیا اب ہم بارگاہ عالی میں اپنی خطاؤں سے توبہ تائب ہوتے ہیں۔

لہذا آپ اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ ہماری توبہ کو شرف قبولیت بخش دے تو حضرت ارمیاؑ نے دعا کی تو اللہ عزوجل نے آپکو وحی فرمائی

کہ یہ اب بھی سچے نہیں ہیں۔ اگر یہ سچے ہیں تو آپکے ساتھ اس شہر میں ٹھہر جائیں۔

آپ نے انکو وحی سنائی تو وہی ہوا کہنے لگے ہم اس شہر میں کیسے ٹھہر سکتے ہیں جب کہ یہ شہر تباہ و ویران ہو چکا ہے اور اللہ اسکے اہلیان پر غضب فرما چکے ہیں

لہذا اس طرح وہ بیت المقدس کی سکونت سے انکار کر گئے۔

ابن کلبیؒ فرماتے ہیں اس زمانے سے اب تک بنی اسرائیل دنیا کے علاقوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ حجاز چلا گیا ایک حصہ یثرب (مدینے) چلا گیا

ایک حصہ وادی قری کوچ کر گیا۔ ایک چھوٹی سی جماعت مصر روانہ ہو گئی۔

تو بخت نصر نے ان تھوڑے سے لوگوں کے لئے شاہ مصر کو پروانہ لکھا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس واپس کر دیا جائے۔ لیکن شاہ مصر نے انکار کر دیا۔

پھر کیا تھا؟ بخت نصر اپنے عظیم لشکر کے ساتھ فوراً روانہ ہوا اور شاہ سے لڑائی کی اور اسپر غلبہ پالیا اور انکے بچوں کو قید کر لیا پھر مغربی علاقوں کی سمت چلا حتی کہ مغرب کے آخری علاقوں تک فتحیابی سے ہمکنار ہوتا ہوا

پہنچ گیا۔

پھر بیت المقدس۔ مصر۔ تمام مغربی علاقوں اور اردن و فلسطین کے قیدیوں کو اور مال و دولت کو واپس لے کر لوٹ پڑا۔

انہی قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ دانیال بن حزقیل اصغر ہیں نہ اکبر اور وہب بن منبہؒ کی روایت بھی اسی کو بتاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆
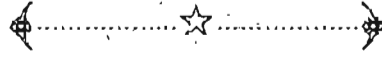
حضرت دانیال علیہ السّلام کا قصہ اور ان کی کچھ خبریں

حضرت دانیال علیہ السلام کا قصہ

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں[1] عبداللہ بن ابی ہذیل سے منقول ہے فرمایا کہ بخت نصر کے ہاتھوں دو شیر لگے تو بخت نصر نے دونوں کو ایک اندھے کنویں میں پھنکوادیا، پھر حضرت دانیالؑ کو بھی ان کے ساتھ ڈال دیا، لیکن شیروں نے آپ کے ساتھ کوئی برا رویہ نہ اختیار کیا، پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ اس کنویں میں رہے اور جو انسانوں کو بھوک پیاس لگتی ہے آپ کو بھی لگی تو اس کا بندوبست اللہ نے یوں کیا کہ یہاں سے کوسوں دور بیت المقدس میں حضرت ارمیاؑ کو وحی فرمائی کہ کھانا وغیرہ تیار کرو تاکہ حضرت دانیالؑ کو کھلایا جائے۔

حضرت ارمیاؑ نے عرض کیا اے پروردگار...... میں یہاں ارض مقدسہ میں ہوں اور کہاں وہ ارض بابل سرزمین عراق میں ؟ فرمایا جو ہم نے تم کو حکم دیا ہے وہ کرو ہم تمہارے لئے سواری کا بندوبست کریں گے، تو آپ نے کھانا وغیرہ تیار کرلیا اور اللہ نے سواری مہیا فرمادی حتیٰ کہ آپ آناً فاناً کنویں کے کنارے کھڑے پائے گئے۔

حضرت دانیال نے آواز دے کر پوچھا کون ہے یہ ؟ فرمایا میں ارمیا ہوں پوچھا کیا چیز آپ کو یہاں لائی فرمایا مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے حضرت دانیال نے فرمایا کیا میرے رب...... نے مجھے...... یاد فرمایا ہے ؟ فرمایا ہاں تو حضرت دانیالؑ نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے امیدوار کو اس کی بات کا جواب دیتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے جو اپنے پر بھروسہ کرنیوالے کو غیر کے حوالے نہیں کرتا۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے جو احسان کا بدلہ (بڑھا چڑھا کر) احسان سے دیتا ہے

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے جو صبر کے بدلے نجات مرحمت فرماتا ہے

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے جو ہمارے کرب و لاذیت کے بعد ہمیں تکلیف سے چھٹکارا دیتا ہے

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہمارا گمان برا ہونے لگتا ہے تو وہ اللہ ہماری حفاظت کو آجاتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہم سے تمام آسرے ٹوٹ جائیں تو وہی ہماری امیدوں کا محور و مرکز ہوتا ہے۔

[2] ابوالعالیہ کہتے ہیں جب ہم نے تستر شہر (جو بصرہ کے قریب ہے اس کو) فتح کیا تو ہم نے ہرمزان بادشاہ کے بیت المال میں ایک تخت پایا جس پر ایک شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے ساتھ ایک مصحف (یعنی کتاب اللہ) تھا۔

---

[1] قال ابن ابی الدنیا حدثنا احمد بن عبدالاعلی الشیبانی قال ان لم اکن سمعته من شعیب بن صفوان حدثنی بعض اصحابنا عنه عن الاحلج الکندی، عن عبداللہ بن ابی هذیل قال

[2] وقال یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن ابی خالد بن دینار، حدثنا ابوالعالیه قال

تو ہم نے مصحف اٹھا کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچایا، آپ نے حضرت کعبؓ کو طلب فرمایا تو آپؓ نے اس مصحف کو عربی زبان میں تبدیل کیا، پھر میں نے اس کو پڑھا اور میں پہلا عربی شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا میں نے اس کو اس اپنے قرآن کی طرح پڑھا تھا۔

ابی خالد بن دینار راوی کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے پوچھا اس میں کیا تھا؟

فرمایا تمہارا چال چلن، دیگر امور، اور تمہارے کلام کی قسمیں وغیرہ اور جو کچھ بعد میں ہونے والا ہے، وہ تھا۔

میں نے پوچھا پھر آپ لوگوں نے اس میت (شخص) کا کیا کیا، فرمایا ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں متفرق جگہوں پر کھودیں، پھر رات کو اس شخص کو ایک قبر میں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو اسی طرح قبر بنا دیا۔

تاکہ لوگوں کو آپ کا پتہ نہ چل سکے اور اس کو نہ کھودیں۔

میں نے پوچھا لوگ اس شخص سے کیا امید رکھتے ہیں؟

فرمایا جب بھی آسمان اپنا پانی روک لیتا ہے تو لوگ اس کی چارپائی کو باہر نکالتے ہیں جس کی برکت سے ان پر بارش برستی ہے۔

پوچھا: آپ اس شخص کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو کہ وہ کون تھا؟ فرمایا اس کو دانیال کہا جاتا تھا۔

پوچھا: آپ کے خیال میں کتنے عرصہ پہلے وہ وفات پایا تھا؟ فرمایا تین سو سال،

پوچھا پھر بھی اسکے جسم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا؟ فرمایا بس گدی پر کچھ بال (بدل گئے تھے) کیونکہ انبیاء کے اجسام کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ ان کو درندے کھا سکتے ہیں۔

اس روایت کی اسناد ابو العالیہ تک صحیح ہے۔

لیکن یہ بات قابل نظر ہے کہ اگر ابو العالیہؒ کی بتائی ہوئی تاریخ وفات یعنی تقریباً تین سو سال کو درست و محفوظ قرار دیا جائے تو پھر یہ شخص نبی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کوئی مرد صالح ہوگا، کیونکہ بخاری کی صاف حدیث کے مطابق حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گزرا۔

اور ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان چار صد سال کا عرصہ ہے، دوسرے قول کے مطابق چھ سو سال اور ایک قول کے مطابق چھ سو بیس سال کا عرصہ دراز ہے، اور حضرت دانیال علیہ السلام کی وفات کو اندازاً آٹھ سو سال کا عرصہ حضور سے پہلے گزر چکا تھا، تو اگر وہ حقیقت میں حضرت دانیالؑ ہی ہیں تو پھر یہ عرصہ مناسب لگتا ہے اور خیال و قرینے کے قریب بھی لگتا ہے کہ یہ حضرت دانیال ہوں کیونکہ ان کو فارس کے بادشاہ نے قید میں ڈال دیا تھا جیسے پہلے گزر چکا۔

اور حضرت ابو العالیہؒ تک صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت دانیالؑ کی ناک کی لمبائی ایک بالشت تھی، اور حضرت انس بن مالکؓ سے ایک جید اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ ان کی ناک کی لمبائی ایک ہاتھ تھی، اس صورت میں احتمال ہے کہ یہ بہت پہلے کے انبیاء میں سے ہوں اور ابو بکر بن ابی الدنیا نے احکام القبور

کتاب میں کہا کہ [1] اشعث الاحمری سے مروی ہے، واللہ اعلم کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت دانیالؑ نے اپنے پروردگار عزوجل سے دعا کی کہ ان کو امت محمدیہ ﷺ دفنائے۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر علاقہ فتح کر لیا تو حضرت دانیالؑ کو ایک تابوت میں پایا جن کی رگیں اور مسام اپنی حالت پر صحیح برقرار تھے اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو دانیال کا پتہ بتائے گا تو تم اس کو جنت کی خوشخبری دیدینا۔

تو جس شخص نے ان کے متعلق اطلاع دی اس کا نام حرقوص تھا، تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو پیغام بھیجا تو آپ نے جواب بھیجا کہ حضرت دانیالؑ کو دفن کردو اور حرقوص کو میرے پاس بھیجدو کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔

یہ روایت اس طریق سے مرسل ہے اور اسکے محفوظ ہونے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

[2] پھر ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت دانیالؑ کے ساتھ ایک مصحف اور مٹکا جس میں چربی تھی اور دراہم اور انگوٹھی پائی، تو حضرت ابو موسیٰ نے ان تمام باتوں کی تفصیل حضرت عمر کو لکھی، حضرت عمرؓ نے جواب مرحمت فرمایا۔

مصحف شریف تو ہمیں روانہ کردو اور چربی میں سے کچھ حصہ ہمارے لئے بھیج دو، اور پہلے کے مسلمانوں کو کہہ دو کہ ان کے ذریعے سے شفاعت مانگیں، اور دراہم ان کے درمیان تقسیم کردو اور انگوٹھی ہم نے آپ کو بطور نفل (انعام) عطا کر دی۔

ابن ابی الدنیا نے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت دانیال کو پایا تو اور لوگوں نے آپکو ذکر کیا کہ یہ حضرت دانیالؑ ہیں تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ انکے جسم کو چمٹ گئے اور گلے لگایا اور بوسہ دیا، اور حضرت عمرؓ کے پاس اس کا پیغام لکھا اور یہ بھی ذکر کیا کہ انکے پاس تقریباً دس ہزار دراہم پائے گئے ہیں اور جو شخص ان میں سے بطور قرض کے کچھ لے جاتا ہے تو اگر وہ لوٹا دے تو اس کیلئے بہتر ہوتا ہے ورنہ وہ مریض ہو جاتا ہے اور انکے پاس ایک صندوق رکھا ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب مرحمت فرمایا کہ حضرت دانیالؑ کی میت کو پانی اور بیری کے پتوں کیساتھ غسل دیا جائے پھر کفن پہنا کر ایسی طرح دفنایا جائے کہ کسی کو ان کی قبر کے متعلق علم نہ ہو اور مال کے متعلق حکم فرمایا کہ بیت المال میں لوٹا دیا جائے اور صندوق میری طرف روانہ کر دیا جائے اور ان کی انگوٹھی آپ کو بطور انعام دے دی گئی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ آپ نے چار قیدیوں کو حکم فرمایا کہ تو انھوں نے ایک نہر کے پانی کو روکا اور کوئی بند لگا کر نہر میں بیچوں بیچ قبر کھودی اور حضرت ابو موسیٰؓ نے وہاں حضرت دانیالؑ کو دفن کروادیا، اور چونکہ دفنانے والے صرف یہ چار ہی اشخاص تھے۔

جب یہ واپس آئے تو آپ نے ان کی گردن اڑادی (چونکہ ویسے بھی کافروں سے جنگ کے نتیجے میں قید

---

[1] حدثنا ابو بلال محمد بن الحارث بن عبدالله بن ابی برده بن ابی موسیٰ الأشعری، حدثنا ابو محمد القاسم بن عبدالله عن الأشعث الأحمری

[2] ثم قال ابن ابی الدنیا، حدثنا ابو بلال، حدثنا قاسم بن عبدالله عن عنبسه ابن سعید و کان عالما

ہوئے تھے، اس لئے ان کا قتل کرنا صحیح تھا) تو اس طرح یہ عظیم راز صرف اور صرف حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سینے میں دفن ہو گیا۔

ابن ابی الدنیا نے کہا[1] ابن ابی الزناد سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے فرزند حضرت ابن ابی بردہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس کے نگینے کا نقش تھا کہ دو شیر ہیں جن کے درمیان میں ایک آدمی ہے اور دونوں شیر اس کو چاٹ رہے ہیں تو حضرت ابن ابی بردہ نے فرمایا یہ اس میت کی انگوٹھی ہے جس کے متعلق اہل شہر کا خیال تھا کہ وہ حضرت دانیالؑ ہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کے دفن کے دن ان سے یہ انگوٹھی لی تھی، ابو بردہ فرماتے ہیں تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی بستی کے علماء حضرات سے پوچھا کہ اس انگوٹھی کا نقش کیا حقیقت رکھتا ہے؟ فرمایا کہ جس بادشاہ کی سلطنت میں حضرت دانیالؑ حیات تھے اس بادشاہ کے پاس اس کے ملک میں نجومی اور دیگر اصحاب علم آئے اور کہنے لگے اے بادشاہ سلامت ایک ایسا بچہ پیدا ہو گا جو تیری سلطنت کو ختم کرے گا اور تیری بادشاہی کے لئے وہ زوال کی علامت ہو گا، تو بادشاہ نے کہا اللہ کی قسم اس رات کوئی بچہ بھی پیدا ہو گا تو میں اس کو قتل کروادوں گا، مگر پھر چند لوگوں نے مل کر حضرت دانیالؑ کو شیروں کی کچھار میں رکھ دیا، تاکہ اس طرف کسی کی توجہ مبذول نہ ہو پھر شیروں اور اس کے بچوں نے حضرت دانیالؑ کو کچھ نقصان نہ پہنچایا بلکہ آپ کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئے اور آپ کو چاٹنے لگے، اور آپ سے کھیل کود میں شروع ہو گئے، تو اس طرح اللہ نے شیروں کے ذریعے حضرت دانیالؑ کو نجات دیدی اور آپ اس عمر تک پہنچ گئے کہ (اپنی حفاظت خود کر سکیں) تو ابو بردہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے فرمایا کہ اس بستی کے علماء نے کہا کہ پھر حضرت دانیالؑ نے اپنی انگوٹھی کا نقش ہی ایسا بنوا دیا تاکہ اس کو جب بھی دیکھیں تو اللہ کی اس نعمت کو یاد کریں اور ان دوستوں کو نہ بھولیں، اس کی اسناد حسن ہے۔

---

[1] وقال ابن ابی الدنیا، حدثنی ابراهیم بن عبدالله، حدثنا احمد بن عمرو بن السرح، حدثنا ابن وهب، عن عبدالرحمن بن ابی الزناد، عن ابیه قال رایت فی ید ...... الخ

بیت المقدس کی ویرانگی وتباہی کے بعد دوبارہ تعمیر اور بنی اسرائیل کے دوبارہ اکٹھے ہونے کا ذکر

اللہ عزوجل جو قائلین میں سب سے سچے ہیں اپنی کتاب مبین میں فرماتے ہیں کیا اس طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جیسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق گزر ہوا تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا، تو خدا نے اس کی روح قبض کرلی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی) بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھادیتے ہیں جب واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ہشام بن کلبی فرماتے ہیں پھر اللہ عزوجل نے حضرت ارمیا کو وحی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں لہٰذا وہاں جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو تو حضرت ارمیا چلے گئے اور وہاں تشریف لے جاکر سکونت اختیار کرلی، اور بیت المقدس ابھی ویرانی کی لپیٹ میں تھا، تو تب آپ نے اپنے دل میں کہا۔

سبحان اللہ...... اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اس شہر میں ٹھہروں اور مجھے اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ وہ اس کو آباد فرمائیں گے پھر کب اللہ اس کی تعمیر کروائیں گے اور کب اللہ اس کو زندہ فرمائیں گے؟

پھر حضرت ارمیا نے سر رکھا اور وادی نیند میں اتر گئے اور آپ کے ساتھ آپ کا گدھا اور کھانے پینے کے سامان کی ٹوکری تھی، پھر آپ ستر سال تک...... مسلسل نیند میں رہے...... حتیٰ کہ...... بخت نصر بھی ہلاک ہو گیا اور اس کے اوپر جو بادشاہ تھا وہ لہراسب تھا اور اس کی سلطنت ایک سو بیس سال تک رہی تھی اس کے بعد بشتاسب بن لہراسب کا فرزند بادشاہ بنا اور بخت نصر کی موت اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہوئی، تو اس بادشاہ کو شام کے شہروں سے خبر موصول ہوئی کہ یہ علاقے خراب و ویران ہو چکے ہیں اور سرزمین فلسطین میں درندوں نے اپنا خوب خوب بسیرا کرلیا ہے اور کوئی ذی روح انسان باقی نہیں رہا ہے، تب اس بادشاہ نے بابل میں پیغام جاری کروایا کہ جو بنی اسرائیل اپنے وطن واپس جانا چاہے اسے اجازت دی جاتی ہے اور پھر بادشاہ نے آل داؤد کے ایک شخص کو ان پر بادشاہ منتخب فرمادیا اور اس کو حکم فرمایا کہ جاکر بیت المقدس کی تعمیر و ترقی کرو اور اس کی مسجد کو تزک و احتشام سے دوبارہ بناؤ اور آباد کرو۔

پھر بنی اسرائیل اپنے وطن واپس ہوئے اور جاکر اس کو آباد کیا، اور شہر اپنی رونقوں میں محو ہو گیا ادھر اب اللہ

عزوجل نے حضرت ارمیاؑ کی آنکھیں کھول دیں اور آپ نے بیدار ہو کر شہر کی طرف نظر دوڑائی تو حیرانگی سے دہشت زدہ رہ گئے کہ یہ آن کی آن میں کیسے آباد ہوا کیسے تعمیر ہوا جبکہ آپ نیند میں سو سال کا عرصہ دراز بسر کر چکے تھے، پھر اللہ نے ان کو اٹھایا اور آپ اس خیال میں تھے کہ صرف چند گھڑیاں آپ نے آرام کیا ہوگا اور اس سے پہلے شہر ویرانی اور تباہی کی سراسیمگی میں تھا، اور ہر طرف ہو کا عالم تھا اور اب اس کو آباد تعمیر شدہ دیکھا تو زبان سے کہا۔

میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سر سبزی و شادابی میں غرق کر دیا اور وہ ہنسی کھیل دوبارہ اپنے وطن میں بس گئے، زمانہ گزرتا رہا حتیٰ کہ پھر ان پر رومیوں نے غلبہ کر دیا اور یہ طوائف الملوکی کا دور تھا، پھر نصاریٰ کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کے لئے کوئی لشکر اور کوئی بادشاہ نہ تھا۔

ابن جریر اسی طرح اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں۔

ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ لہراسب بادشاہ بڑا نیک عادل اور اپنی مملکت کا غمخوار بادشاہ تھا اور اس کی ان خوش خلقیوں کی وجہ سے لوگ اور علاقے اور دیگر بادشاہ اس کی طرف مائل ہو گئے تھے اور یہ بادشاہ شہروں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور جزیہ و ٹیکس وغیرہ کی وصولی میں بھی بڑے عمدہ منصوبے اور اچھی رائے دیتا تھا، پھر جب سو اور چند سال کے عرصہ دراز کے بعد ملک کے کام سنبھالے کچھ عرصہ ہو گیا تو انتہائی فراخدلی کے ساتھ اپنے بیٹے کیلئے جگہ خالی کر دی پھر اس کے زمانے میں مجوسیوں کا (آتش پرست) دین شروع ہوا، اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک شخص جس کا نام زردشت تھا وہ حضرت ارمیاؑ کے ساتھ رہتا تھا اس نے حضرت ارمیاؑ کو ناراض کیا اور غضب آلود کر دیا تو آپ نے اس کے خلاف بددعا کی تو زردشت کو برص کا مرض لاحق ہو گیا، تو وہ وہاں سے کوچ کر کے آزر بائی جان کے علاقے میں منتقل ہو گیا اور بشتاسب کا ساتھی بن گیا، پھر اس نے اپنی سیاہ کاریوں اور نفس کی خواہش پر اپنی طرف سے مجوسیت کا دین شروع کیا اور بشتاسب بادشاہ کو بھی اس کی فہمائش کی تو بشتاسب اس کی باتوں سے گمراہ ہو گیا اور اس دین کو قبول کر لیا اور پھر...... اس قدر میں پر بڑھا کہ لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یہ دین قبول کر لیں اور پھر جن لوگوں نے اس کا انکار کیا جو بہت سے لوگ تھے سب کو تہ تیغ کر کے ختم کر ڈالا۔

پھر بشتاسب کے بعد بہمن بن بشتاسب بادشاہ ہوا اور یہ فارس کے عظیم بہادر اور مشہور بادشاہوں میں سے گزرا ہے۔

اور بخت نصر اللہ اس کا برا کرے اس نے ان تینوں کی نیابت کی اور طویل عمر پائی۔

حاصل کلام یہ کہ ابن جریر کے ذکر کے مطابق اس بستی بیت المقدس پر گزرنے والے شخص حضرت ارمیاؑ ہیں، اس قول کے قائل حضرت وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید بن عمیر وغیرہما ہیں، اور یہ بات پہلی گفتگو کے مطابق قوی ہو گئی ہے۔

جبکہ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ابن عباسؓ، حسنؒ، قتادہؒ، سدیؒ سلیمان بن بردہ وغیرہم اکثر حضرات کا یہ قول ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اور یہی پہلے اور بعد کے اکثر بزرگوں کے نزدیک مشہور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

حافظ ابو القاسم بن عساکرؒ فرماتے ہیں آپکا نسب یوں ہے۔ عزیر بن جردۃ (اور ابن سوریق بھی کہا گیا ہے۔) بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عرئی بن تقی بن اسبوع بن فنحاص بن العاذر بن ہارون بن عمران، اور ایک قول میں کہا گیا ہے آپ عزیر بن سروخا ہیں۔ اور بعض آثار میں آیا ہے آپکی قبر اطہر دمشق میں ہے پھر حافظ ابن عساکر ابو القاسم جو ئی کے اس طریق..... [1] کے ذریعے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

میں عزیر کے متعلق نہیں جانتا کہ آیا وہ........ نبی تھے یا نہیں۔

پھر ابو القاسم ابن عساکر نے اس..... [2] طریق کے ذریعے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسکو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

پھر اسحاق بن بشر کے طریق سے جو متروک ہیں جویبر اور مقاتل کے واسطے ضحاک سے وہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر ان افراد میں سے تھے جنکو بخت نصر نے قید کیا تھا اور جب یہ بچے تھے، جب چالیس سال کو پہنچے تو اللہ نے انکو علم و حکمت سے نوازا۔ اور فرمایا کہ تورات کو جاننے میں اور حفظ میں ان سے کوئی آگے نہ تھا۔ اور انکا ذکر انبیاء میں ہوتا رہا پھر انہوں نے اپنے رب سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے انبیاء کی فہرست سے انکا نام مٹا دیا۔

لیکن یہ روایت غریب ضعیف اور منقطع و منکر ہے اسکا کوئی اعتبار نہیں واللہ اعلم۔

اور اسحاق بن بشر..... [3] کے ایک روایت میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر وہی شخص ہیں جنکو اللہ نے سو سال تک مارے رکھا پھر اٹھایا۔

[4] پھر اسحاق بن بشر کئی طریق سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام حضرات نے مجھے حضرت عزیر کی حدیث بیان کی اور بعض نے کچھ اضافہ بھی فرمایا وہ تمام اپنی اسناد کے ساتھ فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عزیر بڑے دانا نیک شخص تھے ایک دن اپنی زمین کی طرف نکلے واپسی میں ایک ویرانے میں ٹھہر گئے کیونکہ گرمی سخت تھی آپ اپنے گدھے پر سوار اس ویرانے میں داخل ہونے تو گدھے سے اتر گئے اور آپکے ساتھ کھانے کا ٹوکرا تھا جسمیں انجیر تھے اور دوسرے ٹوکرے میں انگور تھے تو آپ اس ویران عمارت

---

[1] عن داؤد بن عمرو، عن حبان بن علي، عن محمد كريب، عن ابيه عن ابن عباس مرفوعا

[2] مؤمل بن الحسن، عن محمد بن اسحاق السجزي، عن عبدالرزاق، عن معمر، عن ابن ابي ذئب، عن ابي سعيد المقبري عن ابي هريرة مرفوعا نحوه۔ [3] وقال اسحاق بن بشر عن سعيد، عن ابي عروبه عن قتاده، عن الحسن، عن عبدالله بن سلام.... [4] وقال اسحاق بن بشر: انبا نا سعيد بن بشير، عن قتاده، عن كعب وسعيد ابن ابي عروبة، عن قتاده عن الحسن ومقاتل وجويبر، عن الضحاك، عن ابن عباس، و عبدالله بن اسماعيل السدي عن ابيه عن مجاهد، عن ابن عباس وادريس عن جده وهب بن منبه، قال اسحاق

میں ٹھہرے پھر اپنے ساتھ موجود پیالہ نکالا اور انگور اسمیں نچوڑے پھر خشک روٹی نکالی اور اسکو مشروب میں ڈال دیا تاکہ کچھ نرم و میٹھی ہو جائے تو کھالیں۔

پھر آپ تھوڑی دیر کیلئے چت دراز ہوئے اور دیوار کی طرف ٹانگیں کر لیں آپکی نظر عمارت کی ویران چھت کی طرف اٹھی تو آپ نے دیکھا کہ یہ عمارت اپنے عرشے پر کھڑی ہے اور اسکے رہنے والے مر کھپ چکے ہیں جنکی بوسیدہ ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ تو آپکی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا

انی یحیی هذه الله بعد موتها ؟

اللہ کیسے انکو موت کے بعد زندہ فرمائے گا ؟

آپ کو یہ شک نہ تھا کہ اللہ انکو زندہ نہ فرمائے گا بلکہ اسکے طریق و کیفیت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا تھا پھر اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل کو انکے پاس بھیجا آپ نے حضرت عزیر کی روح قبض فرمائی۔ اور پھر سو سال تک اللہ نے انکو یوں ہی موت کی نیند سلائے رکھا۔

جب سو سال کامل بیت چکے اور اس درمیان بنی اسرئیل میں بہت سے واقعات اور حادثات رونما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حضرت عزیر کے پاس بھیجا جس نے اللہ کی طرف سے آپکے دل کو بتایا جو سوچ سمجھ کے قابل ہو گیا پھر آنکھوں کو بتایا جو دیکھنے کے لائق ہو گئیں تاکہ آنکھوں سے دیکھ کر دل سے سمجھ لیں کہ کیسے اللہ مردوں کو زندہ فرمائیں گے ؟ پھر تخلیق شروع ہوئی اور آپ ساتھ ساتھ دیکھتے اور سمجھتے جا رہے تھے پہلے اسکی ہڈیوں پر گوشت چڑھا پھر بال ابھرے اور کھال نمودار ہوئی پھر اسمیں روح پھونک دی گئی آپ تمام منظر کو بخوبی دیکھ رہے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے فرشتے نے آپ سے پوچھا کتنا عرصہ ٹھہرے ؟ فرمایا ایک دن یا کچھ دن کا حصہ۔ کیونکہ آپ دن کے شروع میں آرام پذیر ہوئے تھے۔ اور اب سورج غروب ہو رہا تھا۔ تو فرشتے نے کہا نہیں بلکہ آپ سو سال تک ٹھہرے ہیں آپ اپنا کھانا پانی دیکھئے

فانظر الی طعامك وشرابك لم يتسنه

اپنے کھانے پانی کو دیکھئے جو بدلا تک نہیں

ابھی تک خشک روٹی خشک تھی اور انگور کا شیرہ اپنی حالت پر تھا دونوں میں کوئی تغیر نہ ہوا تھا اسی طرح انجیر اور انگور اپنی اپنی حالت پر بر قرار تھے۔ پھر آپکے دل میں اسی مدت کے انکار کا خیال پیدا ہوا تو فرشتے نے کہا آپ میری بات کو بعید اور غلط سمجھ رہے ہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ لیجئے۔ دیکھا تو اسکی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی تھیں اور بالکل بخر ہو چکی تھیں تو فرشتے نے ہڈیوں کو حکم دیا اور ہر طرف سے اکٹھی ہو کر اٹھ اٹھ کر ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں اور جڑ گئیں اور عزیز دیکھتے رہے۔ پھر اسپر رگیں چڑھیں اور پٹھے بنے پھر گوشت چڑھا پھر اسپر کھال اور بال تک آئے۔ پھر فرشتے نے اسمیں پھونک ماری تو گدھا آسمان کی جانب اپنا سر اور کان اٹھائے آوازیں نکالتا ہوا کھڑا ہو گیا اس کا خیال تھا کہ شاید قیامت قائم ہو چکی ہے۔

یہی مطلب ہے فرمان باری کا :-

وانظر الى حمارك ولنجعلك آية للناس وانظر الى العظام كيف ننشزها ثم نكسوها لحما فلما تبين له قال

اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر

اور اپنے گدھے کو دیکھو جو مرا پڑا ہے۔ غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو ہم کیسے انپر گوشت پوست چڑھاتے ہیں جب یہ واقعات انکے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے پھر آپ اپنی اس سواری یعنی گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں واپس تشریف لائے تو لوگوں نے آپکو نہ پہچانا اور آپ بھی اپنا گھر بھول گئے پھر خیال کرتے کرتے چلے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو وہاں ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی تھی جسکی عمر تقریباً ایک سو بیس سال تھی اور یہ وہاں کے رہائشیوں کی والدہ تھی۔ اور آپ جب اس گھر سے نکلے تھے تو یہ بڑھیا اسوقت بیس سال کی جوان لڑکی تھی۔ اسوقت آپکو خوب جانتی تھی۔ تو خیر حضرت عزیرؑ نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ کیا یہ عزیر کا گھر ہے ؟ تو بڑھیا نے کہا جی ہاں اور پھر بڑھیا کے آنسو جاری ہو گئے اور بولی میں نے اتنے سالوں سے کسی کے منہ سے عزیر کا ذکر نہیں سنا اب تو لوگ بھی انکو بالکل ہی بھول گئے ہیں تو حضرت عزیرؑ نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھے سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر مجھے اب اٹھایا ہے بڑھیا نے کہا۔

سبحان اللہ...... بے شک عزیر تو ہم سے سو سال سے گم ہو چکے ہیں اور کسی نے انکے متعلق ہم نے کچھ سنا بھی نہیں (آپ کیسے عزیر ہو سکتے ہیں ؟)

فرمایا میں ہی عزیر ہوں تو بڑھیا بولی عزیر تو مستجاب الدعوات (جنکی ہر دعا قبول ہو ایسے) شخص تھے وہ جس مریض، مصیبت زدہ کیلئے دعا کرتے وہ فوراً صحیح ہو جاتا تھا لہذا اگر آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے میری بصارت لوٹا دے تو میں آپ کو دیکھ کر پھر بتاؤں گی کہ آپ عزیز ہیں یا نہیں تو آپ نے دعا کی اور اپنے دست مبارک کو اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ فوراً صحیح ہو گئی، (اور چونکہ لولی لنگڑی اپاہج تھی اسلئے) آپ نے بڑھیا کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو اللہ نے اسکی ٹانگیں صحیح فرمادیں گویا وہ کسی رسی سے کھل کر آزاد ہو گئی ہو۔ پھر بڑھیا نے آپکو دیکھا اور فوراً پکار اٹھی۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ ہی عزیر ہیں۔

پھر بڑھیا چل کر بنی اسرائیل کے محلے میں انکی ایک محفل میں پہنچی۔ اور حضرت عزیر کا ایک لڑکا ایک سو اٹھارہ سال کی عمر کا تھا اور اسکے بھی پوتے مجلس میں بڑے بزرگ سردار تھے تو بڑھیا نے انکو آواز دی اور بولی یہ عزیر تمہارے پاس آئے ہیں لوگوں نے بڑھیا کو جھٹلایا تو کہنے لگی میں تمہاری فلانی آزاد کردہ ہوں اس عزیر نے میرے لئے اپنے رب سے دعا کی تھی لہذا میری آنکھیں بھی صحیح ہو گئیں اور پاؤں بھی صحیح ہو گئے۔ اور میں بالکل صحیح ہو گئی۔ اور انکا خیال ہے کہ اللہ نے انکو سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر اب اٹھایا ہے تو سب لوگ اٹھ کر آپکو حیرت سے بغور دیکھنے لگے پھر آپکے بیٹے نے آپکو دیکھا تو کہا کہ میرے والد کے دونوں شانوں کے درمیان ایک سیاہ جگہ ابھری ہوئی تھی آپ نے اپنے شانوں کو کھولا تو آپ عزیر ہی نکلے۔ تو پھر بنی اسرائیل نے کہا۔

ہمارے اندر کوئی تورات کا حافظ نہ تھا سوائے حضرت عزیر کے اور بخت نصر نے تورات کے نسخے کو جلا دیا ہے۔ لہذا اب تورات کا صرف اتنا حصہ رہ گیا ہے جو لوگوں نے یاد کر لیا ہے۔

لہذا آپ ہمارے لئے تورات کو لکھ کر دکھایئے؟ اور عزیر کے والد نے تورات کو بخت نصر کے ایام میں دفن کر دیا تھا اور اس جگہ کا علم حضرت عزیر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ لہذا حضرت عزیرؑ انکو لیکر چلے اور ایک گڑھا کھودا اور وہاں سے تورات نکال دی جسکے اوراق بوسیدہ ہو چکے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی پھر آپ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور بنی اسرائیل کے لوگ آپکے گرد بیٹھ گئے۔ اتنے میں آسمان سے دو شعلے سے اترے اور آپکے شکم مبارک میں داخل ہو گئے اور آپکو پوری تورات خوب یاد آگئی پھر آپ نے نئے سرے سے انکو تورات لکھ دی۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اسو جہ سے کہ ایک تو آپ نے انکو تورات ازسر نو لکھ دی۔ اور دوسرا یہ کہ دو شعلوں والی کرامت و معجزہ آپکے ساتھ پیش آیا اور یہ کہ آپ بنی اسرائیل کے تمام کاموں کے نگہبان ہوئے۔

اور آپ نے حضرت حزقیلؑ کے دیر میں جو سرزمین سواد میں ہے وہاں تشریف فرما کر تورات شریف لکھی اور جو بستی مر گئی تھی یعنی اسکے باشندے فنا ہو چکے تھے اسکا نام سایر اباذ تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر اس آیت کی حقیقت اور مصداق بن گئے۔

"اور تاکہ ہم آپ کو لوگوں کیلئے نشانی بنادیں۔"

یعنی بنی اسرائیل کیلئے، اور یہ نشانی اس طرح تھی کہ آپ بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ بیٹھتے وہ تو بوڑھے ہوتے اور آپ بالکل جوان ہوتے کیونکہ آپکی وفات چالیس سال کی عمر میں ہوئی اور جب اٹھے تو پھر بھی وہی عمر تھی۔

اور ابو حاتم سجستانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے فرمان کی روشنی میں چند اشعار فرمائے ہیں جنکا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

عنفوان شباب پر سر سیاہ لئے ہوئے ہیں
اور اسکے بیٹوں کے بیٹے بھی ان سے پہلے بوڑھے ہیں

وہ اپنے بیٹے کو بوڑھا عصا کے سہارا چلتا دیکھتے ہیں
اور خود انکی پشت مبارک سیاہ ہے اور سر سرخ وسیاہ ہے

اور اسکے فرزند کیلئے کوئی بڑھاپے سے چھٹکارے کا حیلہ نہیں
اور نہ کوئی طاقت کھڑا ہوتا ہے تو ایسے جیسے بچہ جو پھر پھسل جائے

لوگوں میں بیٹے کی عمر نوے اور بیس سال شمار ہوتی ہے
جو نہ چل سکتا ہے نہ اکڑ سکتا ہے

اور اسکے باپ کی عمر صرف چالیس سال ہے
جبکہ اسکے پوتے پر نوے برس بیت چکے ہیں

اگر تو جانتا ہے تو یہ سمجھ آنے والی بات نہیں
اور اگر تو نہیں جانتا تو پھر جہالت سے معذور ہے

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت

مشہور یہی ہے کہ حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے اور انکا زمانہ حضرت داؤد و سلیمانؑ کے بعد اور حضرت یحییٰ و زکریاؑ سے پہلے کا ہے۔ اور جب بنی اسرائیل میں کوئی شخص بھی تورات کا حافظہ نہ رہا تو اللہ عزوجل نے تورات انکو الہام فرمائی اور آپ نے حفظ کرلی پھر بنی اسرائیل پر آپ نے تورات پیش کی اور لکھوا دی ابن منبہ نے اس طرح فرمایا ہے! کہ اللہ نے فرشتے کو حکم فرمایا وہ ایک نور لیکر اترے اور پھر حضرت عزیر میں وہ نور منتقل کر دیا۔ تو آپ نے خدا کی رحمت سے تمام تورات حرف بحرف لکھوا دی، اور فارغ ہو گئے۔

ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ آپ (ابن عباسؓ) نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے سوال کیا کہ اس فرمان الٰہی کا کیا مطلب ہے؟

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں

یہ یہود نے کیوں کہا۔؟ فرمایا انہوں نے بنی اسرائیل کی خاطر پوری تورات حفظ کرلی جس پر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ بغیر کتاب کے پوری تورات سنا سکیں اور پیش کر سکیں جبکہ عزیر ہمارے پاس پوری تورات بغیر لکھی اور بغیر کسی کتاب کے لے آئے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے کئی گروہ اسکے قائل ہو گئے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

اسی وجہ سے اکثر علماء نے فرمایا کہ تورات کا تواتر حضرت عزیر کے زمانے میں ختم ہو گیا تھا۔

اور یہ بہت ہی عجیب رائے ہو گی اگر عزیر غیر نبی ہوں جیسے یہ مسلک ہے عطاء بن ابی رباح کا اور حسن بصریؒ کا اور اسحاق بن بشر نے مقاتل بن سلیمان سے بھی اسکو نقل کیا ہے اور عطاء سے بھی منقول ہے۔ اور عثمان بن عطاء الخراسانی بھی اپنے والد سے اسکو نقل کرتے ہیں۔

[1] حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر اور بخت نصر کا زمانہ فترت کا زمانہ تھا (یعنی اس زمانے میں آسمانی وحی کا سلسلہ مبارک منقطع تھا)

اور صحیح بخاری میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ابن مریم کے سب سے زیادہ لائق (دوستی اور قرب و محبت میں) میں ہوں کیونکہ میرے اور انکے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گذرا۔

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گذرے ہیں۔

ابن عساکرؒ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے

---

[1] وقال اسحاق بن بشر: انبانا سعید، عن قتادہ، عن الحسن، قال:

کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت موسیٰ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تھا اور آپ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے تھے۔ کہ سو مرتبہ مرلینا ذلت کی گھڑی سے بہتر ہے۔

اور حضرت عزیرؑ کے اس قول کی روشنی میں بعض شاعر کہتے ہیں۔

آزاد منش انسان تلوار پر بھی صبر کر جاتا ہے

اور رنج وافسوس پر صبر کے ساتھ خود داری کرتا ہے

اور ایسی حالت پر موت کو ترجیح دے دیتا ہے

جس حالت میں وہ عاجز و ناچار ہو کر مہمان کی میزبانی نہ کر سکے

بہر حال مذکورہ بات جسکو ابن عساکرؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ اور نوف البکالی اور سفیان ثوری وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عزیر نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو انکا نام مبارک انبیاء کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تو اس کی حقیقت کیا ہے؟

تو یہ بات غلط ہے منکر ہے اور اسکی صحت میں نظر ہے۔ گویا یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

[1] نوف بکالی سے مروی ہے کہ حضرت عزیر نے اپنی مناجات میں ایک مرتبہ اللہ عزوجل سے عرض کیا۔

اے پروردگار آپ خود اپنی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں پھر جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں گمراہی کے گڑھے میں دھکیلتے ہیں؟ اسکی کیا وجہ ؟

تو آپ کو کہا گیا آپ اس بات کو چھوڑ دیں۔ لیکن آپ نے پھر یہی بات دھرائی تو پھر آپ کو کہا گیا یا تو آپ اس بات سے کنارہ کریں یا پھر ہم آپکے نام کو انبیاء کی فہرست سے خارج کرتے ہیں۔

میں جو کچھ بھی کروں مجھ سے کوئی سوال نہیں کر سکتا اور لوگوں سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ اگر آپ دوبارہ ایسی بات کرتے تو آپکا اسم گرامی انبیاء کی فہرست سے مٹا دیا جاتا مگر آپ نے ایسا نہ کیا اور نام برقرار رہا۔

[2] حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انبیاء میں سے ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے ٹھہرے تو انکو بچھو نے ڈس لیا۔

تو اس پیغمبر نے اسکے پکڑنے کا حکم دیا اور پھر اسکو آگ میں جلوا دیا۔ تو اللہ عزوجل نے آپکو وحی فرمائی کہ کیا ایک چیونٹی کے کاٹنے سے (اتنا عذاب دیا)؟

[3] حضرت مجاہد اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس حدیث میں پیغمبر سے حضرت عزیر علیہ السلام مراد ہیں۔

اور یہی حضرت حسن بصری، ابن عباس، سے مروی ہے کہ یہ عزیر ہیں واللہ اعلم۔

---

[1] وقدروی عبدالرزاق وقتیبه بن سعید ، عن جعفر بن سلیمان ، عن ابی عمران الجونی ، عن نوف البکالی قال

[2] .... وقدروی الجماعه سوی الترمذی من حدیث یونس بن یزید ،عن سعید وابی سلمة ،عن ابی هریرة وکذلك رواه شعیب عن ابی الزناد ،عن الاعرج ،عن ابی هریره

[3] فروی اسحاق بن بشر عن ابن جریج ،عن عبدالوهاب بن مجاهد ، عن ابیه.

حضرت زکریا اور
حضرت یحییٰ علیہما السّلام کا قصہ

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ مبارک

فرمان باری ہے۔

کھیعص (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر شعلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔ اور (اے) میرے پروردگار اسکو خوش اطوار بنائیو۔ اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جسکا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں کس طرح لڑکا پیدا ہوگا۔ جس حال میں میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح وسالم ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو انسے اشارے سے کہا کہ صبح شام (خدا کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے انکو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائینگے ان پر سلام اور رحمت (ہے)

اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالحہ عطا فرما۔ تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ اپنی عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ ہی رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہونگے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (خدا کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہونگے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما خدا نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کو کثرت سے یاد اور صبح وشام تسبیح کرنا۔

تو ہم نے انکی پکار سن لی اور انکو یحییٰ بخشے اور انکی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی

(یاد کرو)۔ یہ سب نیکو کار تھے۔ لے

حافظ ابو القاسم ابن عساکرؒ اپنی مشہور کتاب حافل میں فرماتے ہیں آپ کے والد مکرم کا اسم گرامی برخیا ہے یعنی زکریا ابن برخیا۔ اور ایک قول ہے زکریا بن دان۔ اور تیسرا قول ہے زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعطہ بن ناحو بن شلوم بن بہفاشاط بن ایتا من بن رحیعام بن سلیمان بن داؤد۔ اور آپکی کنیت مبارک ابو یحییٰ نبی علیہ السلام ہے۔

آپ اپنے لخت جگر حضرت یحییٰؑ کی طلب و تلاش میں دمشق کی بستی بثنہ میں پہنچے تھے

اور ایک قول ہے کہ جب آپکا فرزندار جمند حضرت یحییٰؑ شہید کر دیا گیا اسوقت آپ دمشق میں بھی تھے۔

اور حضرت زکریا کے نام میں زکریا یعنی الف کو کھینچا بھی جا سکتا ہے اور مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ایک قول کے مطابق آپ کا نام زکری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ عزو جل نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو حکم فرمایا کہ حضرت زکریا کی خبر لوگوں کو بیان کرو کہ اللہ عزو جل نے انکے بڑھاپے کے باوجود اور انکی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود جبکہ وہ سن رسیدہ اور سفید سر بھی ہو چکی تھیں۔ تب اللہ نے انکو نرینہ اور صالح اولاد سے نوازا۔ لہذا کسی کو بھی اللہ کی رحمت و فضل سے ہرگز نہ مایوس ہونا چاہیے

فرمان الٰہی ہے۔ اپنے پروردگار کی رحمت کو انکے بندے زکریا پر یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز سے پکارا۔

حضرت قتادہؒ اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ عزو جل صاف ستھرے دل کو خوب جانتے ہیں اور پست آواز کو سنتے ہیں۔ اور بعض بزرگ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا رات کے وقت بارگاہ رب العزت میں کھڑے ہوئے اور اپنے پاس موجود لوگوں کے لئے دعا کی۔ اے رب اے رب اے رب۔ اللہ نے فرمایا۔ جی بندے جی بندے جی بندے۔ عرض کیا پروردگار میری ہڈیاں بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میرا سر بڑھاپے میں بھڑک چکا ہے۔

یعنی جس طرح آگ لکڑی میں بھڑک اٹھتی ہے اور بالکل اسکو خاکستر کر کے دم لیتی ہے اسی طرح بڑھاپا مجھ پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور سر کی سیاہی کو جلا کر سفیدی کی راکھ میں تبدیل کر دیا ہے جیسے ابن درید شاعر نے اپنے قصیدے میں کہا۔

کیا تو میرے سر کو نہیں دیکھتا جو اپنے رنگ کو ظاہر کرتا ہے
جیسے تاریکی کے دامنوں میں صبح کی تر وتازگی وروشنی
اور سیاہ مقام میں سفیدی اس طرح بھڑک اٹھی ہے
جیسے جھاؤ کی سوکھی لکڑی میں آگ کا بھڑکنا
اور (جوانی کی) لکڑی خشک وپژمردہ ہوگئی ہے
اسکے بعد کہ وہ ثریا ستارے کی طرح چمک دمک والی تھی

یعنی کمزوری وبڑھاپا حضرت زکریا علیہ السلام کے جسم وجان پر پوری قوت سے حملہ آور ہو چکا تھا۔
یہی مطلب ہے مذکورہ آیت باری کا جس کا مفہوم ہے کہ میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئیں اور سر سفیدی و بڑھاپے میں بھڑک اٹھا ہے۔

اور آگے فرمان باری کہ اور میں آپ سے دعا کرنے میں کبھی ناکام نہ رہا اس کا مطلب ہے کہ میں نے جب بھی آپ سے دعا کی آپ نے فوراً قبول فرمائی ہے اور اس دعا کا اصل محرک اور باعث یہ بنا تھا کہ آپ حضرت مریم بنت عمران بن ماتان کے کفیل تھے اور وہ آپ کی پرورش میں تھی اور جب بھی آپ اس کے پاس جاتے تو وہاں غیر موسمی پھل بغیر کسی کے لائے اور بغیر کسی واسطے کے وہاں موجود ہوتے اور یہ اولیاء کی کرامات میں سے ہے تو یہ چیز دیکھ کر حضرت زکریا کے دل میں طلب و تمنا بیٹھی اور یہ خیال آیا کہ جو غیر موسم میں رزق و پھل عطا کرنے پر قادر ہے وہی ذات بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد کرنے پر بھی بخوبی قادر ہے، اسی وجہ سے فرمان باری کا مفہوم ہے تب زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہا پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے بے شک آپ دعا کے سننے والے ہیں۔

اور فرمایا (اور میں اپنے پیچھے موالی (رشتے داروں) سے خوف کرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ موالی سے مراد عصبہ اولاد ہے یعنی جو رشتہ دار میراث والے ہیں ان سے گویا آپ نے خوف کیا کہ کہیں وہ میرے بعد بنی اسرائیل میں خدائی احکام اور ان کی اطاعت کو چھوڑ کر بنی اسرائیل میں دنگا فساد نہ کریں اس وجہ سے صلبی اولاد عطا کئے جانے کی دعا کی، ایسی اولاد جو متقی و صالح اور رب کے ہاں پسندیدہ شخصیت ہو۔

لہذا عرض کیا مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا کر جو میرا وارث ہو (یعنی نبوت اور بنی اسرائیل کی حکومت میں) اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اس کو راضی رہنے والا بنا۔

یعنی جس طرح آل یعقوب انبیاء ہوتے چلے آتے ہیں اور آپ ان پر اکرام واعزاز کی بارش فرماتے رہے ہیں نبوت ووحی کے ساتھ تو اسی طرح میرے بیٹے کو بھی پیدا فرما کر یہ چیزیں عطا کر، اور یہاں وراثت سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے جیسے کہ شیعوں کا غلط عقیدہ ہے اور ابن جریر نے بھی ان کی اس میں موافقت فرمائی ہے اور ابو صالح سے اس کو نقل کیا ہے، اور یہ مسلک غلط ہونے کی چند وجوہ اور دلائل ہیں۔

پہلی وجہ و دلیل فرمان باری ہے اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے، تو یہاں بھی نبوت اور بادشاہت میں وراثت مراد ہے اسی کے مطابق احادیث سنن اور مسانید میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ہم اپنے چھوڑے ہوئے کا کسی کو وارث نہیں بناتے بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضور نے حضرت صدیق کو منع فرمایا کہ میرا خاص مال کسی کو میرے بعد بطور وراثت نہ عطا کیا جائے اور وارثین آپ کے یہ تھے، حضرت فاطمہ اور آپ کی ازواج مطہرات جو نو تھیں آپ کے چچا عباس۔

ل انعام، ۸۵۔

اور جب حضرت صدیقؓ نے ان کو وراثت سے منع فرمایا تو اسی حدیث سے استدلال لیا تھا اور حضور سے حضرت صدیق کے اس کو روایت کرنے پر حضرت عمر اور عثمان اور علی اور عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف طلحہؓ زبیر اور ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان تمام صحابہ نے موافقت فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو عمومی لفظ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعتیں کسی کو وارث نہیں کرجاتے۔

اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دنیا انبیاء کے نزدیک حقیر چیز ہے لہذا وہ اس کو خزانہ نہیں کرتے نہ اس کی طرف توجہ کرتے اور نہ اس کا کچھ خیال رکھتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے بعد کی اولاد سے اسکو جمع کرنیکی وصیت کریں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ اختیار فرمائے ہوئے تھے اپنے ہاتھ سے کماتے اور کھاتے تھے جیسے حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کیلئے کسی طرح یہ شایان شان نہیں کہ وہ اس قدر کمائیں کہ جو ذخیرہ اندوزی کے قابل ہو سکے اور یہ بات بالکل واضح و روشن ہے۔

[1] مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کیا آپؐ نے فرمایا۔

حضرت زکریا بڑھئی تھے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسلم نے دوسرے طریق سے حماد بن سلمہ سے اس کو روایت کیا ہے۔

اور فرمان باری کہ اے زکریا ہم آپ کو لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

اسی کی تفسیر اور اس سے مراد دوسرا فرمان باری ہے فرمایا بے شک اللہ آپ کو خوش خبری دیتا ہے یحییٰ کی۔

پھر جب حضرت زکریا کو یقین ہو گیا کہ اب اولاد عطا ہو کر رہے گی تو از راہ فرح و تعجب اور خوشی عرض کیا کہا پروردگار مجھے اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ میری عورت بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں) کہا گیا اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ تھی۔

اور فرمایا کہ میری عورت بانجھ ہے چونکہ بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ گئیں تھیں جس میں بچے کی امید کی ہی نہیں جا سکتی اس لئے فرمایا۔

جیسے حضرت ابراہیم خلیل نے بھی از راہ تعجب و فرح عرض کیا تھا۔

کیا تم مجھے خوش خبری دیتے ہو اس کے باوجود کہ مجھے بڑھاپے نے چھو لیا ہے پس کس چیز کے ساتھ تم مجھے خوش خبری دیتے ہو؟

اور حضرت سارہؓ نے عرض کیا تھا، ہائے تعجب کیا میں جنم دوں گی جبکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں؟ یہ تو عجیب چیز ہے تو (فرشتے) کہنے لگے کیا آپ اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہیں؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اے اہل بیت تم پر بے شک وہ حمد کے لائق اور بزرگ ہے۔

اسی طرح حضرت زکریاؑ کو بھی جواب دیا گیا۔

---

[1] قال الامام احمد حدثنا یزید، یعنی ابن هارون، انبانا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن ابی رافع، عن ابی هریرة

اسی طرح ہو کر رہے گا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے پہلے آپ کو پیدا کیا تھا جبکہ آپ کچھ بھی نہ تھے۔

اور فرمایا: پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کیلئے اس کی زوجہ کو بھی درست کیا، بے شک وہ خیرات میں سبقت کرنے والے تھے اور ہم کو رغبت اور خوف ہر طرح سے پکارتے تھے اور ہماری بارگاہ میں وہ خشوع خضوع کرنے والے تھے۔

اور بیوی کو درست کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو حیض (ماہواری) نہ آتا تھا پھر آنے لگا، اور کہا گیا ہے ان کی زبان میں کچھ خرابی تھی وہ دور کر دی گئی۔

تو جب حضرت زکریاؑ کو خوش خبری مل گئی تو (عرض کیا پروردگار میرے لئے اس کی کوئی علامت مقرر فرما دیجئے) یعنی ایسی علامت جس سے پتہ چلے کہ اب میری بیوی مجھ سے اس بچے کے ساتھ متعلق ہو گئی ہے تو (فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ بات نہ کرے تین رات مسلسل) یعنی خدا کی طرف سے آپ کے منہ کو سکوت کا تالا پڑ جائے گا اور آپ صرف اشاروں کے ذریعے بات کرنے پر قدرت رکھیں گے۔

اور اس کے باوجود آپ کی طبیعت وغیرہ صحیح ہی ہو گی۔ اور اس عرصے میں حضرت زکریا کو زبان کے بجائے دل اور توجہ کے ساتھ بکثرت ذکر کرنے کا حکم ملا، فرمایا (پھر ان کی طرف وحی کی کہ صبح شام اللہ کی تسبیح کرو) تو جب آپ کو یہ بشارت عظمیٰ ملی تو آپ اپنی محراب سے سرور خوشی کے ساتھ نکلے، اور لوگوں کو مذکورہ بالا بات اشاروں کے ساتھ سمجھائی کہ اب صبح شام اس کی تسبیح کرنا اور مجھ سے کلام کرنے کی کوشش بے جا نہ کرنا، مجاہد اور سدیؒ فرماتے ہیں (وحی کی) اس سے مراد ہے کتابت کے ذریعے یا مجاہدؒ کے بقول اشارے کے ذریعے اور قتادہ اور وہب کا بھی یہی خیال ہے کہ اشاروں کے ذریعے سمجھایا، اور مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی اور قتادہؒ فرماتے ہیں آپ کی زبان مبارک بغیر کسی مرض کے بند ہو گئی تھی، اور ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی زبان تو کھلی ہوئی تھی اسی وجہ سے آپ تسبیح و قرات کر سکتے تھے مگر کسی شخص سے بات بالکل نہ کر سکتے تھے۔

اور فرمان باری ہے (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں حکم عطا کیا)

یعنی اللہ عزو جل نے حضرت زکریاؑ کو ان کے بچے کے ساتھ ساتھ اس کو کتاب اور حکمت دیئے جانے کی خوش خبری بھی عطا کر دی۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معمرؒ کا کہنا ہے کہ بچوں نے حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ کو بچپن میں کہا آؤ چل کر کھیل کود کریں تو حضرت یحییٰ نے فرمایا ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان کا اور آگے فرمان الٰہی ہے، (وحنانا من لدنا) اور ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی، اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے تو فرمادیا میں نہیں جانتا کہ حنان کیا چیز ہے اور دوسری روایت میں ابن عباسؓ سے اور مجاہد اور عکرمہ اور قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے مروی ہے اس سے رحمت ہی مراد ہے یعنی ہم نے اپنی طرف سے زکریا پر رحمت کی جس کی بناء پر ان کو یہ بچہ ملا، اور عکرمہ سے [illegible] ہے کہ اس سے محبت مراد ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے ہم نے لوگوں کے دلوں میں یا ان کے والدین کے دل میں خوب ان کے لئے محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی، آگے فرمایا (وزکوۃ) اس کا مطلب ہے ہم نے ان کو پاکیزہ خلقت والا

اور عیوب ونقائص سے پاک صاف پیدا کیا، اور اللہ کے تقویٰ سے نوازا۔

پھر آگے والدین کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا ذکر ہے فرمایا (اور وہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سخت اور نافرمان نہ تھے اور ان پر سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مرے اور جس دن اٹھائے جائیں گے) یہی تین وقت انسان کی زندگی میں سب سے اہم اور سخت ہوتے ہیں کہ ہر ایک وقت میں ایک جہاں سے دوسرے جہاں کو منتقل ہوتا ہے اور انہی تینوں وقتوں میں ان کے لئے رحمت مقرر کر دی گئی، پیدائش اور موت کے متعلق کسی شاعر کا کہنا ہے۔ (ترجمہ)

تجھ کو تیری ماں نے جنم دیا تو تو روتا چیختا ہوا پیدا ہوا
اور لوگ تیرے آس پاس خوشی سے ہنس رہے تھے
بس کوشش کر جب لوگ تیرے مرنے کے وقت روئیں گے
تو تو اپنی موت میں خوب ہنسے اور خوش ہو

سعید بن مردویہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ ہی مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے خود اپنے پر سلامتی کی تھی (قرآن کی آیت میں سورۂ مریم کے اندر اس کا ذکر ہے) اور آپ پر تو اللہ نے خود سلام بھیجا (جیسا کہ مذکور ہوا)

اور دوسری آیت میں حضرت یحییٰؑ کے شایان شان فرمایا (اور وہ سردار اور رکنے والے اور صالحین سے اور پیغمبر تھے) رکنے والے سے مراد ایک قول کے مطابق عورتوں سے رکنے والے تھے اور دوسرے قول بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

اور یہ مطلب اس آیت کے متاسب ہے اے رب مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد دے۔

مسند احمد میں[1] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اولاد آدم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے خطا سرزد نہ ہوئی یا (کم از کم) اس نے خطا کا ارادہ نہ کیا ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا کے۔ اور کسی کو لائق نہیں کہ وہ کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن متی سے افضل ہوں[2]، لیکن اس روایت کے ایک راوی علی بن زید جدعان متکلم فیہ ہیں اور ان کی حدیث آئمہ کے ہاں منکر ہوتی ہے۔

[3] ابن شہاب سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن اپنے اصحاب کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا ذکر کر رہے تھے، تو ایک کہنے والے نے کہا موسیٰؑ اللہ کے کلیم (ہم کلام و ہم راز)

---

[1] وقد قال الامام احمد حدثنا عفان، حدثنا حماد، انبانا علی بن زید، عن یوسف بن مهران، عن ابن عباسؓ

[2] علی بن زید بن جدعان تکلم فیہ غیر و احد من الائمۃ ، وهو منکر الحدیث، وقد رواه ابن خزیمه والدار قطنی من طریق ابی عاصم العبادانی، عن علی بن زید بن جدعان به مطولا ثم قال ابن خزیمه ویس علی شرطنا

[3] وقال ابن وهب، حدثنی ابن لهیعة عن عقیل، عن ابن شهاب، قال خرج

ہیں ایک نے کہا حضرت عیسیٰؑ اللہ کی روح اور اس کے کلمے یعنی نشانی ہیں، ایک نے کہا ابراہیمؑ اللہ کے دوست (خلیل) ہیں اور لوگ یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

کہاں گئے شہید ابن شہید جو بالوں کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھا کر گزر بسر کرتے کہ کہیں کوئی گناہ سرزد نہ ہو جائے۔

ابن وہب فرماتے ہیں آپ کی مراد شہید سے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھی۔

(اس روایت کے راویوں میں سے ایک ابن لہیعہ ہیں جن کے متعلق کچھ کلام ہے اور اس روایت کو محمد بن اسحاق نے بھی روایت کیا ہے لیکن انھوں نے یحییٰ بن سعید انصاری [1] سے تدلیس کی ہے اور اس روایت میں ابن العاصؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے ہر آدم کا بیٹا قیامت کے دن آئے گا تو اس کے ساتھ ضرور کوئی گناہ ہو گا سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا کے۔

تو یہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے اور آپ مدلس تھے یعنی جس سے حدیث سنی ان کو چھوڑ کر اس سے اوپر والے کے حوالے سے حدیث کو ذکر کرتے تھے، لیکن یہاں انھوں نے عن سے روایت کی ہے جو مقبول ہے اور حدثنا وغیرہ سے بیان نہیں کی۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ کوئی ایسا شخص نہیں جو اللہ سے بغیر گناہ کے ملاقات کرے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا کے۔ پھر آپ نے یہ فرمان باری تلاوت کیا (اور وہ سید اور رکنے والے) تھے، پھر آپ نے زمین سے کچھ چیز اٹھائی اور فرمایا ان کے ساتھ صرف اتنا سا کچھ (میل گناہ) ہو تو ہو سکتا ہے پھر آپ نے ذبحہ ذبح کیا۔ [3]

[4] اور ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں سوائے دو خالہ زاد (بھائیوں) کے یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے یعنی ان کے سردار نہ ہوں گے۔

[5] ابو نعیم کی روایت میں ہے...... کہ حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام چلے جا رہے تھے کہ حضرت یحییٰ کا ایک عورت سے ٹکراؤ ہو گیا، تو حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا آج آپ

---

[1] عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب حدثنی ابن العاص انه سمع

[2] ثم قال عبدالرزاق، عن معمر، عن قتادة، عن سعید بن المسیب مرسلا، رایت ابن عساکر ساقه من طریق ابی اسامة، عن یحیی بن سعید الانصاری، ثم رواه ابن عساکر من طریق ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی خطیب دمشق، حدثنا محمد بن الاصبهانی، حدثنا ابو خالد الاحمر، عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن المسیب عن عبدالله بن عمرو قال [3] وهذا موقوف من هذا الطریق و کونه موقوفاً اصح من رفعه ......والله اعلم و اورده ابن عساکر من طرق عن معمر من ذلک ما اورده من حدیث اسحاق بن بشر، وهو ضعیف، عن عثمان بن ساج، عن ثور بن یزید، عن خالد بن معدان عن معاذ عن النبی صلی الله علیه وسلم بنحوه.

[4] وروی من طریق ابی داؤد الطیالسی وغیره، عن الحکم بن عبدالرحمن بن ابی نعیم، عن ابیه، عن ابی سعید قال، [5] وقال ابونعیم الحافظ الاصبهانی حدثنا اسحاق بن احمد، حدثنا ابراهیم بن یوسف، حدثنا احمد بن ابی الحواری، سمعت ابا سلیمان یقول.

سے ایسی خطا سرزد ہوگئی کہ میں خیال کرتا ہوں وہ کبھی معاف نہ ہوگی، تو حضرت یحیٰی نے پوچھا اے خالہ زاد وہ کیا ہے؟ فرمایا آپ ایک عورت سے ٹکر گئے فرمایا اللہ کی قسم مجھے تو کچھ پتہ نہیں فرمایا سبحان اللہ..... آپ کا بدن تو میرے ساتھ ہے اور روح کہاں ہے؟ فرمایا وہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور اگر (میری روح وہاں نہ ہوتی بلکہ یہاں ہوتی اور) میرا دل جبرئیل پر بھی مطمئن ہو جاتا تو میں خیال کرتا کہ میں نے اللہ کو پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں جانا۔

لیکن یہ روایت بالکل اجنبی اور غریب ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

اور حضرت اسرائیل حصین سے وہ خیثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحیٰی بن زکریا دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت عیسیٰ اون کا لباس پہنتے تھے جبکہ حضرت یحیٰی جانوروں کے بالوں کا لباس پہنتے تھے اور کسی کے پاس کوئی دینار ور ہم نہ تھا، نہ کوئی غلام، نہ باندی، نہ کوئی ٹھکانہ جس میں کبھی ٹھہر جاتے جہاں کہیں رات آجاتی وہیں ٹھہر جاتے جب بچھڑنے لگے تو حضرت یحیٰی علیہ السلام نے فرمایا مجھے کچھ نصیحت کرتے جایئے فرمایا غصہ مت کرنا، یحیٰی نے فرمایا میں طاقت نہیں رکھتا کہ غصہ نہ کروں تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مال کے دھوکے میں نہ پڑنا، تو فرمایا یہ ہو سکتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ سے اس بات مختلف روایتیں منقول ہیں کہ آیا حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنی موت انتقال ہوا ہے یا وہ شہید ہوئے ہیں۔

عبدالمنعم بن ادریس بن سنان اپنے والد سے وہ وہب بن منبہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا اپنی قوم سے بھاگے اور ایک درخت کے خلاء میں داخل ہوگئے تو آپ کی قوم آئی اور انھوں نے درخت پر آرا رکھ کر چلا دیا، جب آرا آپ کی پسلیوں کو پہنچا تو آپ رو پڑے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی کہ اگر آپ کی آواز بند نہ ہوئی تو میں ارض اور اہل ارض کو الٹ پلٹ کر دوں گا (تاکہ ان کو آپ پر ظلم کی سزا ملے) پھر آپ کا رونا ختم ہو گیا حتیٰ کہ آپ کے دو ٹکڑے ہوگئے۔

اور یہ روایت ایک مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے جس کو عنقریب انشاء اللہ ذکر کریں گے جبکہ اسحاق بن بشر، ادریس بن سنان سے وہ وہب بن منبہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جن کے لئے درخت پھٹا وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور زکریا علیہ السلام اپنی موت مرے تھے، واللہ اعلم

مسند احمد میں[1] حارث اشعری سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحیٰیؑ کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کہ ان پر پوری طرح عمل پیرا ہو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کرو تو قریب تھا کہ آپ ان پر عمل میں سستی کرتے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو فرمایا آپ کو پانچ باتوں کا حکم ملا ہے کہ خود بھی عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل پیرا رہنے کا حکم کرو اب یا تو آپ ان کو یہ باتیں پہنچائیں یا میں پہنچاؤں گا، تو حضرت یحیٰی نے فرمایا اے میرے بھائی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے عذاب میں نہ پکڑ لیا جائے یا مجھے دھنسا دیا جائے پھر حضرت یحیٰی نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور بیت المقدس میں سب کو بلا لیا پھر مسجد لوگوں کے ازدحام سے پر ہو گئی تو آپ شرف و اعزاز کے ساتھ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر

---

[1] وقال الامام احمد، حدثنا عفان، انبانا ابو خلق موسی بن خلف، وکان یعد من البدلاء، حدثنا یحیی بن ابی کثیر عن زید بن سلام، عن جده ممطور عن الحارث الاشعری.

فرمایا اللہ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی عمل کروں اور تم کو بھی ان کا حکم دوں ان پانچ باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو صرف اس تنہا کی عبادت کرو، اس کی مثال ایسی ہے گویا کسی نے کوئی غلام خرید ا اور اپنے مال، سونے یا چاندی کے ساتھ خریدا، پھر وہ غلام کام کر کے محنت مزدوری کا پیسہ دوسرے کو دے دیتا ہے، تو تم بتاؤ کہ کون ایسے غلام کو پسند کرتا ہے؟ اور بے شک اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہی تمہارا روزی رساں ہے لہذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اور میں تم کو نماز کا حکم کرتا ہوں جب تم نماز ادا کرتے ہو تو اللہ عزوجل اپنا رخ اس کی طرف متعین کر لیتا ہے لہذا جب تم نماز پڑھو تو نماز میں کسی اور طرف دھیان مت لگاؤ۔

اور میں تم کو روزوں کا حکم کرتا ہوں اور اللہ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ کسی جماعت میں ایک شخص کے پاس مشک کی پوٹلی ہے، اور بے شک روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور میں تم کو صدقے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا ہے پھر اس کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ باندھ دیئے اور پاؤں بھی باندھ دیئے ہیں تاکہ اس کی گردن اڑا دیں تو وہ قیدی شخص کہتا ہے کیا تمہیں مال کی ضرورت ہے جو میں تم کو دوں اور تم مجھے آزاد کر دو؟ پھر وہ مال دیتا رہتا ہے تھوڑا بھی زیادہ بھی حتی کہ وہ اپنی جان کو رہا کرا لیتا ہے۔

اور میں تم کو اللہ عزوجل کے ذکر کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے پیچھے اس کے دشمن تعاقب میں ہیں اور بہت تیز ہیں تو وہ ایک انتہائی مضبوط قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے، اس طرح بندہ ذکر کے ساتھ قلعہ سے زیادہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

راوی کہتے ہیں پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اور میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا مجھے حکم ملا ہے جماعت کو لازم پکڑنا، اللہ رسول کی بات کو سننا، اس کی فرماں برداری کرنا، ہجرت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔ بے شک جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی نکل گیا تو بے شک اس نے اسلام کا ہار اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ مگر یہ کہ واپس لوٹ آئے، اور جس شخص نے جاہلیت کا دعویٰ کیا وہ جہنمی ہے اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو؟ فرمایا اگرچہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو اور خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے لوگو! مسلمانوں کو ان کے ناموں کے ساتھ پکارو جو اللہ عزوجل نے ان کے نام رکھ دیئے ہیں۔

اس روایت کو ابو یعلی اور ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

[2] حافظ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ ربیع بن انسؓ سے مروی ہے کہ ہمیں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی طرف

---

[1] وهكذا رواه ابو يعلى عن هدبة بن خالد، عن ابان بن زيد، عن يحيى بن ابى كثيرية و كذلك، رواه الترمذى من حديث ابى داؤد الطيالسى و موسى بن اسماعيل، كلاهما عن ابان بن يزيد العطار به، و رواه ابن ماجه عن هشام بن عمار عن محمد بن شعيب بن سابور، عن معاوية بن سلام عن اخيه زيد بن سلام، عن ابى سلام، عن الحارث الاشعرى به! و رواه الحاكم من طريق مروان ابن محمد الطاطرى، عن معاوية بن سلام عن اخيه به ثم قال تفرد به مروان الطاطرى، عن معاوية بن سلام. قلت و ليس كما قال، ورواه الطبرانى عن محمد بن عبدة عن ابى توبة الربيع بن نافع، عن معاوية بن سلام عن ابى سلام، عن الحارث الاشعرى فذكر نحو هذه الرواية

[2] ثم روى الحافظ ابن عساكر من طريق عبدالله بن انس جعفر الرازى، عن ابيه، عن الربيع بن انس

سے یہ روایت پہنچی جو انھوں نے علماء بنی اسرائیل سے سنی تھی۔
کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پانچ کلمات کے ساتھ مبعوث ہوئے پھر پہلی باتیں ذکر کی ہیں اور ان علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام لوگوں سے اکثر جدا رہتے تھے اور جنگل و بیابان سے انس و محبت رکھتے تھے اور درختوں کے پتے کھالیتے پھر نہر پر جاکر پانی نوش کر لیتے اور کبھی کبھار ٹڈی کی غذا استعمال کرتے۔

پھر اپنے کو مخاطب ہوتے اے یحییٰ تجھ سے زیادہ نعمتوں والا کون ہوگا؟

ابن عساکرؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت یحییٰ کے والدین ان کی طلب و تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ بحیرہ اردن کے پاس ہیں جب دونوں ان کے قریب ہوئے تو آپ نے دونوں والدین کو عبادت کے انہماک اور خوف و خشیت خدا سے خوب رلایا۔

[1] مجاہدؒ سے منقول ہے کہ حضرت یحییٰ کا کھانا سبز گھاس ہوتا تھا اور آپ اللہ کے خوف سے اتنا روتے کہ اگر آپ کی آنکھوں پر تارکول ہوتا تو وہ آپ کو جلا ڈالتا۔

[2] ابن شہاب کہتے ہیں ایک دن میں ادریس خوزانی کے پاس جابیٹھا وہ قصہ گوئی کر رہے تھے تو فرمایا کیا میں تم کو لوگوں میں سے سب سے اچھے کھانے والے کی خبر نہ دوں؟ تو لوگ آپ کی طرف دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا یحییٰ بن زکریا لوگوں میں سے سب سے اچھے کھانے والے تھے، آپ جنگل کے وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کے معاش میں نہ مل جل جائیں۔

ابن المبارک، وہیب بن الورد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو تین دن تک گم پایا تو آپ ان کی تلاش میں جنگل کو نکلے دیکھا کہ وہ ایک قبر کھودے اس میں کھڑے ہو کر اپنے آپ پر زار و قطار رو رہے ہیں تو حضرت زکریاؑ نے فرمایا اے بیٹے میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو قبر کھودے اس میں کھڑا رو رہا ہے؟ عرض کی اے ابا جان کیا آپ نے ہی مجھے خبر نہیں دی کہ جنت و جہنم کے درمیان ایسا جنگل ہے جس کو آنسوؤں کے بغیر قطع نہیں کیا جاسکتا، تو زکریاؑ نے فرمایا، اچھا بیٹے روؤ تو پھر دونوں بے تحاشا روئے اسی طرح وہب بن منبہ اور مجاہد نے بھی اسی کے مثل نقل کیا ہے۔

اور ابن عساکرؒ نے ان سے منقول لکھا ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔

اہل جنت نعمتوں کی وجہ سے سو نہیں سکتے، لہذا صدیقین کو چاہئے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی لذت کی وجہ سے نہ سوئیں، پھر فرمایا

کتنا فرق ہے نعمت والوں اور محبت والوں کے درمیان

علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت ہی کثرت سے روتے تھے حتیٰ کہ آپ کی رخساروں پر آنسوؤں کی وجہ سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

---

[1] وقال ابن وهب عن مالك، عن حميد بن قيس عن مجاهد قال

[2] وقال محمد يحيى الذهلي، حدثنا الليث، حدثني عقيل، عن ابن شهاب، قال ......

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا سبب

علماء تاریخ نے ان کے قتل کے کئی اسباب و محرکات بیان کئے ہیں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ کسی بادشاہ دمشق نے اپنی کسی محرم سے شادی کا ارادہ کیا یا کسی بھی ایسی عورت سے جس سے شادی کرنا اس کیلئے حلال نہ تھا، تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کو منع کیا تو یہ بات اور رکاوٹ عورت کے دل میں کھٹکتی رہی، پھر جب بادشاہ اور عورت کے درمیان محبت کا سلسلہ بڑھتا گیا تو عورت نے بادشاہ سے یحییٰ کا خون مانگا تو بادشاہ نے حامی بھر لی اور کسی قتل کرنیوالے کو بھیجا، تو پھر بادشاہ نے معہ قاتل کے حضرت یحییٰ کا سر اور طشت میں ان کا بھرا ہوا خون عورت کے پاس بھیج دیا تو کہا جاتا ہے کہ عورت فوراً اسی گھڑی ہلاک ہو گئی۔

اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے بادشاہ کی بیوی کو حضرت یحییٰ سے محبت ہو گئی تھی اور ان کو بہت پھسلانے کی کوشش کی مگر آپ نے انکار کر دیا تو جب وہ مایوس ہو گئی تو کسی حیلے سے بادشاہ سے اس کا خون مانگا پہلے تو بادشاہ انکار کرتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیئے اور قاتل کو اور آپ کے سر اور آپ کے خون کو طشت میں عورت کے پاس بھجوا دیا اور اسی معنی میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ ......[1] ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب معراج فرمائی تو آسمان میں حضرت زکریا علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نے ان پر سلام کیا اور کہا اے ابو یحییٰ مجھے تم (اور یحییٰ کے) قتل کے متعلق خبر دو کیسے ہوا؟ اور کیوں آپ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا؟ تو عرض کیا اے محمد...... حضرت یحییٰ اپنے زمانے میں سب سے بہتر تھے سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت روشن چہرے والے تھے اور تقویٰ و عزت میں) ایسے تھے جیسا ان کے متعلق خود اللہ نے فرمادیا، (وسیدا و حصورا) وہ سردار اور (گناہوں سے) رکنے والے تھے، اور عورتوں کی ان کو بالکل خواہش نہ تھی، تو ایک عورت کو ان سے محبت ہو گئی جو بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی تھی، اور تھی بدکار، تو اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اللہ نے حضرت یحییٰ کی حفاظت رکھی اور وہ باز رہے اور اس عورت کو قطعاً انکار کر دیا، تو عورت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا تہیہ کر لیا، ان کی ایک عید ہوتی تھی جس میں ہر سال جمع ہوتے تھے اور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ (اس دن) جو وعدہ کرتا تو اس کی خلاف ورزی نہ کرتا اور نہ جھوٹ بولتا تو بادشاہ عید کی طرف نکلا وہاں عورت کھڑی ہو گئی اور بادشاہ کو مائل کیا اور بادشاہ ویسے ہی اس سے محبت رکھتا تھا، لیکن یہ عورت پہلے اس سے اتنی محبت نہ کرتی تھی تو جب عورت نے پھسلایا تو بادشاہ نے کہا مجھ سے کچھ بھی سوال کر لے جو تو سوال کرے گی میں ضرور عطا کروں گا، تو تب عورت بولی میں یحییٰ بن زکریا کا خون مانگتی ہوں، بادشاہ نے کہا کچھ اور سوال کرو عورت نے کہا نہیں بس یہی چاہئے تو بالآخر بادشاہ نے کہا چل وہ تیرے لئے ہوا پھر اپنے جلاد کو یحییٰ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا فرما رہے تھے اور میں (حضرت زکریاؑ) ان کی جانب میں نماز پڑھ رہا تھا تو جلاد نے ایک طشت میں ان کو ذبح کر دیا

---

[1] رواه اسحاق بن بشر في كتابه "المبتداء" حيث قال، انبانا يعقوب الكوفي، عن عمرو بن ميمون، عن ابيه عن ابن عباس ......

(یعنی خون سارا طشت میں گرا) اور پھر سر اور خون اٹھا کر عورت کے پاس لے گیا راوی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا پھر آپ کا صبر کس حد تک تھا؟ تو حضرت زکریاؑ نے فرمایا میں اپنی نماز سے دور نہ ہوا بلکہ برابر پڑھتا رہا، (اور حضرت یحییٰ آپ کے محبوب فرزند تھے) تو جب جلاد نے سر اٹھا کر عورت کے پاس رکھا، تو شام کے وقت بادشاہ (اور اس کی یہ ظالم بیوی اور تمام گھر والے حشم و خدم سب دھنسا دیئے گئے، جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے کہا زکریا کا رب زکریا کے لئے غضب میں آگیا ہے تو لہذا آؤ ہم اپنے بادشاہ کے لئے زکریا پر غصہ نکالیں اور اس کو قتل کر دیں تو وہ میری (زکریا کی) تلاش میں نکلے تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے پاس ایک خبر دینے والا آیا تو میں ان سے بھاگ گیا اور ابلیس انکے آگے آگے ان کو زکریاؑ کا پتہ بتا رہا تھا، جب میں سمجھ گیا کہ اب میں ان سے نہ بچ سکوں گا تو میرے سامنے ایک درخت آگیا اور اس سے آواز آئی میری طرف آؤ، پھر درخت بیچ سے شق ہو گیا اور میں اس میں داخل ہو گیا۔

اور ابلیس آیا اور اس نے میری چادر کا کونا پکڑ لیا اور درخت دوبارہ بند ہو گیا اور چادر کا کنارہ درخت سے باہر ہی رہ گیا، اور بنی اسرائیل آئے تو ابلیس نے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس درخت میں داخل ہوا ہے؟ یہ اس کی چادر کا کنارہ ظاہر ہے، اور وہ اپنے جادو کے زور سے اندر اپنی جگہ بنا گیا ہے، تو وہ کہنے لگے ہم اس درخت کو جلا ڈالتے ہیں تو ابلیس نے کہا تم اس درخت سمیت اس کو آرے سے کاٹ ڈالو، تو حضرت زکریاؑ نے فرمایا پھر مجھے درخت سمیت آرے سے کاٹ دیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زکریاؑ سے پوچھا کہ کیا آپ کو آرے کی تکلیف یا کچھ احساس ہوا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اس درخت نے میری تکلیف کو اللہ کے حکم سے سمیٹ لیا تھا اور اس میں اللہ نے میری روح رکھ دی تھی۔

یہ حدیث انتہائی درجہ غریب ہے اور عجیب ہے اور اس کی حضور تک نسبت کرنا (یعنی مرفوع بیان کرنا) غلط ہے اور اس میں وہ باتیں ہیں جو ہر حال میں غلط ہیں، اور اسراء و معراج کی احادیث میں آسمانوں میں حضرت زکریا سے ملاقات کے وقت یہ باتیں کسی حدیث میں منقول نہیں، بعض صحیح احادیث میں فقط اتنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا پھر میں دو خالہ زاد یعنی یحییٰ اور عیسیٰ کے پاس سے گزرا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کی خالہ کے بیٹے ہیں۔

لہذا جمہور کے قول کے مطابق آیا ہے جو ظاہر حدیث کے بھی موافق ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ اشیاع بنت عمران تھی جو مریم بنت عمران کی حقیقی ہمشیرہ تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اشیاع جو ام یحییٰ ہیں یہ عمران کی بیوی حنہ کی بہن تھیں اس صورت میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے خالہ زاد نہ ہوں گے بلکہ ان کی والدہ مریم کے خالہ زاد ہونگے، واللہ اعلم

پھر حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کی مقتل گاہ کے بارے میں اختلاف ہے آیا وہ مسجد اقصیٰ ہی میں شہید کئے گئے یا دوسری کسی جگہ، تو ثوری، اعمش سے وہ شملہ بن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی چٹان (صخرہ) مقام پر ستر پیغمبر شہید کئے گئے انہی میں سے حضرت یحییٰ بھی ہیں۔

[1] سعید بن المسیبؒ سے منقول ہے کہ بخت نصر دمشق آیا تو وہاں حضرت یحییٰ کا خون جوش مار رہا تھا تو بخت

---

[1] وقال ابو عبيدة القاسم بن سلام حدثنا عبدالله بن صالح، عن الليث عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب

نصر نے اس خون کے متعلق پوچھا لوگوں نے حقیقت حال کی خبر دی (کہ کس طرح ایک مظلوم پیغمبر بے گناہ شہید کر دیئے گئے ہیں) تو بخت نصر نے برائے انتقام ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل و خونریزی سے دوچار کیا۔

اور اس روایت کی اسناد حضرت سعید تک بالکل صحیح پہنچتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام دمشق میں قتل کئے گئے، اور بخت نصر کا قصہ حضرت مسیح کے بعد واقع ہوا جیسے کہ حضرت حسن بصریؒ اور عطاءؒ نے فرمایا۔۔۔۔۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکرؒ نے ولید بن مسلم کے طریق سے زید ابن واقد سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے دمشق کی مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو قبلہ کے ستونوں میں سے جو مشرق کے جانب ہے اس کے نیچے سے حضرت یحییٰؑ کا سر مبارک نکالا گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کھال اور بال وغیرہ اپنی حالت پر بالکل صحیح سالم ہیں کچھ بھی تبدیلی نہیں ہوئی، ایک روایت میں یہ لفظ ہیں گویا کہ ابھی قتل کئے ہیں۔

اور مسجد دمشق کے بناء کے تذکرے میں ہے کہ آپ کا سر مبارک ایک ستون کے نیچے مدفون ہے جس کا نام (عمود السکاسکة) ہے۔

حافظ ابن عساکر کی روایت میں حضرت معاویہ کے غلام قاسم سے منقول ہے کہ دمشق شہر کا بادشاہ ہداد بن ہدار تھا اس نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی اریل جو صید کی ملکہ تھی اس سے کروادی اور اس عورت کی ملکیت میں سے دمشق کا مشہور بادشاہوں والا بازار بھی تھا، اور ایک مرتبہ اس کے شوہر نے اس کے بارے میں تین طلاق کا حلف اٹھایا پھر ندامت ہوئی تو واپسی کی کوئی صورت کے لئے حضرت یحییٰ بن زکریا سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے تب تک آپ سے نکاح نہیں کر سکتی، تو اس سے لڑکی کو حضرت یحییٰ سے کینہ و دشمنی پیدا ہوگئی اس نے بادشاہ سے یحییٰ بن زکریا کا سر مانگا، اور یہ اس نے اپنی ماں کے اشارے پر کیا تھا، لیکن بادشاہ نے اولاً انکار فرمادیا پھر مجبور ہو کر مان بیٹھا، قاتل کو آپ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا فرما رہے تھے اور وہ جبرون کی مسجد تھی، تو جو شخص آپ کا سر مبارک لایا تو سر نے اس کو کہا تیرے لئے نکاح کرنا درست نہیں حتیٰ کہ تو غیر سے اس کا نکاح کروادے تو عورت حضرت یحییٰ کے سر کو طاق میں رکھ کر اپنی ماں کے پاس لے گئی اور آپ کا سر تب بھی یہی بول رہا تھا، جب آپ کا سر اقدس اس بے غیرت ماں کے سامنے رکھا گیا تو زمین نے اس کو قدموں تک نگل لیا پھر سرینوں تک اور اس کی ماں چیخ و پکار کرتی رہی خادمائیں بھی آہ و زاری میں مصروف اپنے چہروں کو تھپڑتی رہیں پھر زمین اس کو شانوں تک نگل گئی تب اس کی ماں نے حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تاکہ سر تو باقی بچ جائے پھر سر تن سے جدا کر دیا گیا، پھر زمین نے اس کے نگلے ہوئے کمینے جسم کو بھی باہر اچھال دیا، اور پھر یہ سب لوگ ذلت و فقر تباہی و فناء میں غرق ہوتے گئے اور پیغمبر کا خون جوش مار مار کر مسلسل انتقام کے لئے لوگوں کو اکساتا رہا، حتیٰ کہ بخت نصر آیا اور اس نے اس کے انتقام میں پچھتر ۷۵ ہزار ظالموں کو قتل کیا، (تب کہیں جا کر خون ٹھنڈا ہوا) سعید بن عبد العزیز اس کے ایک راوی کہتے ہیں کہ یہ نبی کا خون تھا، اور برابر جوش مارتا رہا حتیٰ کہ حضرت ارمیا علیہ السلام اس کے پاس پہنچے اور اس کو کہا اے خون تو نے بنی اسرائیل کو فنا کر دیا ہے اب تو

اللہ کے حکم سے ٹھنڈا ہو جا تو پھر وہ ٹھنڈا ہو گیا، پھر آپ نے تلوار اٹھائی اور جن اہل دمشق نے بھاگنا تھا وہ بھاگ کر بیت المقدس اپنی جان لے گئے لیکن آپ نے وہاں بھی ان کا تعاقب کیا اور ایک خلق کثیر کو قتل کیا جس کی تعداد شمار سے باہر ہے اور بہت کو قیدی بنایا پھر واپس پلٹ پڑے۔

☆
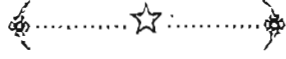
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

جس کو کئی عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے

۱...... مریم بنت عمران کا قصہ

۲...... عیسیٰ بن مریم کی پیدائش

۳...... اللہ کے اولاد سے پاک ہونے کا بیان

۴...... عیسیٰ بن مریم کی تربیت و نشو ونما

۵...... (آسمانی) کتابوں کا نزول اور ان کا زمانہ

۶...... دستر خوان کا قصہ

۷...... حضرت عیسیٰ کے بعض احوال اور ان کے کچھ مواعظ

۸...... حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

۹...... عیسیٰ علیہ السلام کی صفات

۱۰...... حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے کے بعد آپ کے اصحاب کا اختلاف

۱۱...... بیت لحم کی تعمیر کا ذکر

مریم بنت عمران علیہا السلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے سورۂ آل عمران میں شروع کے اندر نصاریٰ پر رد کیا ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدے میں خیال کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے لئے اولاد ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وپاک ہے، اسے کوئی ذرہ بھر اولاد کی حاجت وضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ نجران کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے باطل عقائد کا پرچار کرنے لگے کہ تین خدا تین اقنوم میں ہیں، اور اللہ تین کا تیسرا ہے اور یہ ذات مقدسہ ہے اور عیسیٰ اور مریم، تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کے شروع مین فرمایا کہ عیسیٰ اللہ کے بندہ محض اور رسول مقرب ہیں فقط، اور اللہ نے ان کی بھی مادر رحم میں اسی طرح شکل وصورت بنائی جس طرح دوسرے بندوں کی بنائی، اور آپ کو بغیر باپ بنایا تو پہلے حضرت آدم کو بغیر باپ کیا بغیر ماں کے بھی پیدا فرما چکے ہیں لہذا یہ خدائی کی کوئی دلیل نہیں، اللہ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق (کن) کا حکم فرمایا اور آپ ہو گئے اور آپ کی والدہ نے آپ کو کیسے جنم دیا اور کیسے باامید ہوئیں اس تمام کو اللہ نے بڑے شان اعجاز سے سورۂ آل عمران میں اور دوسری جگہ خصوصاً سورۂ مریم میں بیان فرمایا ہے خدا نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا، ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور خدا سننے والا (اور) جاننے والا ہے (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا، تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی سے قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا، زکریا جب بھی عبادت خانے میں ان کے پاس جاتے تو ان کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ذکر فرمار ہے ہیں کہ انھوں نے آدم علیہ السلام کو چن لیا، پھر آپ کی اولاد میں سے برگزیدہ شخصیات کو منتخب فرمالیا، آگے فرمایا اور آل ابراہیم کو بھی، تو اس میں بنو اسماعیل بھی داخل ہو گئے پھر اس پاکیزہ گھرانے کی تعریف فرمائی یعنی آل عمران کی اور اس عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے والد محترم ہیں۔

---

[1] سورۂ آل عمران آیات ۳۳ تا ۳۷

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں یہ عمران بن ہاشم بن امون بن میشا بن حزقیا ابن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط ابن اشیا بن ایان بن رحبعام بن داؤد ہیں اور ابو القاسم ابن عساکر فرماتے ہیں یہ مریم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اخنز بن صادق بن عیازوز بن الیاقیم بن ایبود بن زریابیل بن شالتال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقیا بن احاز ابن موثام بن عزریا بن یورام ابن یوشافاط بن اشیا بن ایبا بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام، اور یہ پہلے نسب نامے کے مختلف ہے۔

لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت مریم کے والد حضرت عمران اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کے عابد وزاہد شخص تھے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، اور حضرت مریم کی والدہ حنہ بنت فاقود بن قبیل عابدہ خواتین میں سے تھی، اور اس زمانے کے مشہور پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کی بہن کے شوہر تھے، اس بہن کا اسم گرامی اشیاع تھا اور یہ جمہور کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کی خالہ کے شوہر تھے اور اشیاع ان کا نام تھا، واللہ اعلم

اور محمد بن اسحاقؒ وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ بالامید نہ ہوتی تھیں تو ایک دن وہ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک پرندہ اپنے بچے چوزے کو چوگا دے رہا ہے تو ان کے دل میں بھی بیٹے کی خواہش اٹھی اور بیٹے کے لئے دل تڑپ اٹھا تو تب انھوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ ان کو نرینہ لڑکا عطا فرمادے تو اپنے لڑکے کو محرر یعنی بیت المقدس میں اللہ کے لئے وقف کر دیں گی تاکہ وہاں کا خادم بنے۔

تو پھر آپ کو اسی وقت ماہواری آنا شروع ہوگئی پھر پاک ہوئیں تو ان کے خاوند نے ان کے ساتھ تعلقات کئے تب ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ باامید ہوگئیں، آگے فرمان الٰہی ہے پھر اس کو جنم دیا تو کہنے لگی اے پروردگار میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے یعنی بیت المقدس کی خدمت میں۔

اور لوگ اس زمانے میں بیت المقدس کیلئے اولاد کی نذر مانتے تھے، جو بڑے ہو کر وہاں کی خدمت سرانجام دیتے اور حضرت مریم کی والدہ فرماتی ہیں (اور میں نے ان کا نام مریم رکھا ہے) اس سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ پیدائش کے دن ہی بچے کا نام تجویز کر دیا جائے۔

اسی طرح صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے نومولود بھائی کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان کی تحنیک فرمائی (یعنی کوئی میٹھی چیز اپنے منہ مبارک سے چبا کر بچے کو کھلائی اور بطور تبرک کسی بزرگ سے ایسا کروانا سنت ہے) اور پھر حضور ﷺ نے ان کا عبداللہ نام تجویز فرمایا، اور حسن کی حدیث میں سمرۃ سے مرفوعاً مروی ہے کہ

ہر بچہ اپنے عقیقے کے بدلے (بلاء ومصیبت سے محفوظ) گروی ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کر دیا جاتا ہے اور اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے اور اس کا سر مونڈ دیا جاتا ہے۔

امام احمد نے اور اہل سنن نے اس کو روایت فرمایا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور بعض روایتوں میں یسمی کی جگہ یدمی کا لفظ آیا ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ذبیحے کا خون بہایا جائے۔

اور مریم کا یہ کہنا (اور میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے) تو اللہ عزوجل نے جس طرح نذر قبول کی تو اسی طرح یہ دعا بھی قبول کی، لہذا مسند احمد میں ہے[1] کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان ضرور اس کو چھوتا ہے جس سے وہ چیختا ہوا آواز نکالتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو تم بھی حضرت مریم کی مذکورہ دعا کر سکتے ہو عربی الفاظ قرآنیہ یہ ہیں۔

(انی اعیذھابك وذریتھا من الشیطان الرجیم)[2]

مسند احمد میں دوسری روایت[3] کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نومولود کو شیطان اپنی انگلی کے ساتھ چھوتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور اس کے بیٹے کے۔[4]

[5] اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر انسان جس کو اس کی ماں جنم دیتی ہے تو شیطان اس کی گود میں کچو کے لگاتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے کیا تو نہیں دیکھتا بچے کو جب وہ گرتا ہے تو کیسے چیختا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا اسی وقت شیطان اس کو گود میں کچو کے لگاتا ہے۔

یہ روایت مذکورہ مسلم کی شرط پر ہے لیکن مسلم نے اس کو تخریج نہیں فرمایا، اور قیس نے اس کو (کچھ مختلف لفظ کے ساتھ) اعمش سے انھوں نے ابو صالح سے ابو صالح نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جو نومولود ہوتا ہے تو شیطان ضرور اس کو نوچتا ہے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سوائے عیسیٰ بن مریم کے پھر حضور نے اس کی تلاوت فرمائی، وانی اعیذھا.....الخ[6]

اور مسند احمد میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر بنی آدم کو شیطان اسکے پہلو میں جب بھی وہ پیدا ہوتا ہے (انگلی وغیرہ) چبھوتا ہے، سوائے عیسیٰ بن مریم کے جب وہ ان کو چھونے گیا تو بیچ میں پردہ حائل کر دیا گیا، یہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے مگر انہوں نے اس طریق سے اس کی تخریج نہیں کی تو جب حضرت ام مریم نے یہ دعا کی تو پروردگار نے بھی جواب دیا کہ! تو اس کے پروردگار نے اس کی دعا اچھی طرح کر لی اور اس کی اچھی پرورش کی اور زکریا اس کے کفیل بنے۔

---

[1] حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزھری عن ابن المسیب، عن ابی ھریرةؓ الخ

[2] اخرجاہ من حدیث عبدالرزاق ورواہ ابن جریر عن احمد بن الفرج عن بقیة عن عبد اللہ بن الزبیدی عن الزھری عن ابی سلمة، عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ

[3] وقال احمد ایضا : حدثنا اسماعیل بن عمر، حدثنا ابن ابی ذویب، عن عجلان مولی المشمعل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ [4] تفرد بہ من ھذا الوجہ و رواہ مسلم عن ابی الطاھر، عن ابن وھب عن عمر بن الحارث، عن ابی یونس عن ابی ھریرةؓ الخ

[5] وقال احمد حدثنا ھشیم، حدثنا حفص بن میسرة، عن العلاء عن ابیہ عن ابی ھریرةؓ الخ...

[6] وکذا رواہ محمد بن اسحاق، عن یزید بن عبید اللہ بن قسیط، عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصل الحدیث [7] وقال الامام احمد حدثنا عبدالملک حدثنا المغیرة ھو ابن عبدالرحمن الخزامی، عن ابی الزناد، عن الاعرج عن ابی ھریرة...... الخ

اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ان کی ماں نے جب ان کو جنم دیا تو ان کو کپڑوں میں لپیٹ کر مسجد بیت المقدس لے گئیں اور بندوں کے حوالے کر دیا جو وہاں عبادت الٰہی اور خدمت مسجد وغیرہ کے لئے ہمیشہ وقف و مقیم رہتے تھے اور یہ بچی چونکہ ان کے امام و پیشوا کی بیٹی تھی لہذا اس کے متعلق سب جھگڑے کہ میں اس کا کفیل بنوں گا، تو اگرچہ مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے مگر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام مریم نے مریم کو دودھ پلانے کے زمانے کے بعد اور بچپن کی پرورش کے بعد ان کے حوالے کیا ہوگا۔ تو خیر جب ام مریم نے مریم کو ان کے حوالے کر دیا تو اس بابت جھگڑا ہوا کہ کون اس کی پرورش و کفالت کرے ہر کوئی حریص تھا کہ میں تنہا اس کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری اٹھاؤں، اور حضرت زکریا اس زمانے میں پیغمبر بھی تھے اور مزید برآں وہ بچی کے بہنوئی یا خالو بھی تھے تو اس لئے ان کی خواہش و کوشش تھی کہ میں اس کا حقدار ہوں مگر لوگ آپ پر مصر ہوئے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہیں صرف اور آپ بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوں، تو آخر کار سب قرعہ اندازی پر متفق ہوئے اور تقدیر و قسمت نے حضرت زکریا کی یاوری کی اور ان کے نام سے قرعہ نکل گیا اور چونکہ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے اس لئے یہ بہتر ہوا اللہ عزوجل فرماتے ہیں اور زکریا اس کے کفیل بنے۔

یعنی حضرت زکریا چونکہ قرعہ میں ان پر غالب آگئے تھے جیسے آگے فرمایا ہے، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے (اے محمد) آپ کی طرف وحی کی ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ کون ان میں سے اس کا کفیل بنے گا اور آپ اس وقت موجود نہیں تھے، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

اور اس کی صورت یوں ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنا معروف قلم ڈالا پھر ان سب قلموں کو ایک جگہ رکھ دیا گیا اور ایک کمسن نابالغ بچے کو حکم دیا اس نے ایک قلم اٹھایا اور اس طرح حضرت زکریا کا قلم باہر آگیا لیکن لوگوں نے پھر مطالبہ کیا کہ دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے تو پھر قرعہ کیا گیا، اور اس مرتبہ یہ تجویز پیش ہوئی کہ اپنے قلموں کو نہر میں ڈالا جائے پھر جس کا قلم نہر کے پانی کی مخالف سمت چلے تو وہ شخص کامیاب شمار ہوگا، تو ایسا کیا گیا پھر بھی قسمت نے حضرت زکریا کی مدد کی اور آپ کا قلم پانی کی جاری سمت کے مخالف چلا باقی تمام لوگوں کے قلم پانی کے ساتھ بہہ پڑے، لیکن لوگوں کی اب بھی تسلی نہ ہوئی اور پھر مطالبہ کیا چلو ایک آخری مرتبہ اور سہی، اور اس مرتبہ الٹی تجویز ہوگی کہ جس کا قلم مخالف سمت چلا وہ ناکام، پھر قرعہ اندازی کی گئی اور خدا کی شان اب سب کے قلم مخالف سمت چل پڑے اور حضرت زکریا کا قلم پانی کی رو کے ساتھ بہہ پڑا، اور آپ اللہ کے فضل سے حضرت مریم کے کفیل ہو گئے کیونکہ شرعاً و قدراً اور بھی کئی وجوہ کی بنا پر آپ ہی ان کے مستحق تھے۔

آگے فرمایا: جب بھی زکریا اس کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس رزق پاتے تو کہتے اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی یہ اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا نے مسجد کی ایک اچھی جگہ ان کے لئے بنا دی تھی جس میں کوئی اور مریم کے سوا داخل نہ ہو سکتا تھا آپ اس میں خدا کی عبادت میں مصروف رہتی اور باقی جب مکان کی دیکھ بھال

کی ضرورت پڑتی اس کو درست کرتی بقیہ اوقات عبادت الٰہی میں مشغول رہتی، حتیٰ کہ لوگوں میں آپ کی کثرت عبادت مشہور ہوگئی اور آپ کے کریم احوال اور عمدہ صفات و کرامتوں کا بھی لوگوں میں چرچا ہونے لگا ان میں سے ایک یہ تھی کہ حضرت زکریاؑ جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہاں عجیب و غریب میوے اور دوسرے رزق پاتے سردیوں میں گرمی کے پھل اور گرمیوں میں سردی کے پھل پاتے، تو آپ پوچھتے اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتیں اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

تو ایسے موقع پر حضرت زکریاؑ کے دل میں اپنی صلبی اولاد کی خواہش نے جنم لیا اگرچہ آپ انتہائی بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے، تو تب کہا، فرمان الٰہی ہے کہا! پروردگار مجھے بھی اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد دے۔ بے شک آپ دعا قبول کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں آپ نے یوں دعا کی اے وہ ذات جو مریم کو غیر موسمی پھل و رزق عطا کرتی ہے تو مجھے بھی اولاد سے نواز اگرچہ اس کا زمانہ نہیں، تو پھر وہی قصہ پیش آیا جس کا ذکر پہلے زکریاؑ کے قصے میں گزر چکا، اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہاں کی عورتوں میں منتخب کیا ہے، مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا، (اے محمدؐ) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے حکم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیحؑ (اور مشہور) عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا، مریم نے کہا کہ پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں، فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے، اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا، اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی صورت بشکل پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے (سچ مچ) جانور ہو جاتا ہے اور اندھے اور برص والوں کو تندرست کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردوں میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اور اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (قدرت خدا کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو کچھ شک نہیں کہ خدا ہی

میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ عزوجل ذکر فرمارہے ہیں کہ ملائکہ نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری دی کہ اللہ نے ان کو تمام خواتین جہاں میں سے چن لیا ہے [1] تاکہ ان کے بطن مبارک سے ایسی عظیم شخصیت کو جنم دلوائے جو بغیر باپ کے ہو اور وقت کا عظیم پیغمبر ہو، اور وہ گود میں بھی لوگوں سے بات کرے یعنی دودھ پینے کے زمانے میں، اور لوگوں کو اللہ کی عبادت و وحدت کی طرف بلائے اور پھر بڑھاپے میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا (جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے) اور پھر اللہ نے حضرت مریم کو حکم دیا کہ کثرت سے عبادت اور ریاضت اور رکوع و سجود ادا کرو تاکہ تم اس کرامت و شرافت کی اہل بن سکو اور اس کی قدرداں ہو جاؤ تو آپ نے بھی اس قدر اللہ کی عبادت کی آپ کے قدم مبارک پھٹ گئے، اللہ آپ پر آپ کی ماں اور باپ اور آپ کے لخت جگر پر رحم فرمائے۔

اور پہلی آیت کا مطلب ہے اے مریم آپ کو اللہ نے چن لیا ہے اور قبول کر لیا ہے اور آپ کو اخلاق رزیلہ سے پاکیزہ کر دیا ہے اور صفات جمیلہ سے مزین کر دیا ہے اور تمام جہاں والوں یعنی اس وقت کے زمانے کی تمام جہاں والی عورتوں پر فضیلت دیدی ہے جیسے بنی اسرائیل کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو تمام جہاں والوں پر علم کے ساتھ چن لیا ہے اور اس کے باوجود خوب معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑھ کر ہیں اور آپ (محمد ﷺ) دونوں سے افضل و اشرف ہیں اور یہ امت محمد یہ سب امتوں سے افضل ہے تو حضرت مریم کو بھی اسی طرح فرمان الٰہی ہوا، اے مریم اللہ نے آپ کو تمام جہاں والی خواتین پر چن لیا ہے۔

لیکن امام ابن حزم کے قول کو اگر لیا جائے کہ عورت بھی نبیہ ہو سکتی ہے تو اس صورت میں یہ سب عورتوں سے افضل ہوں گی اور ام موسیٰ اور سارہؓ اور ام اسحاقؑ بھی نبیہ ہوں گی، اور حضرت مریم نبیہ اور سب سے افضل ہوں گی اور آیت کے بالکل ظاہری مطلب پر دنیا کی تمام عورتوں سے خواہ ان سے پہلے کی ہوں یا بعد کی یا اس وقت کی سب سے افضل ہوں گی۔

لیکن جمہور علماء اسلام کا قول ہے جسکو امام ابو الحسن اشعریؒ نے نقل کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ نبوت صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور عورتوں میں کوئی پیغمبر نہیں گزری، تو اس لحاظ سے حضرت مریم پیغمبری کے سوا انتہائی اعلیٰ وارفع مقامات پر فائز ہوں گی، جیسے فرمان الٰہی ہے نہیں ہیں مسیح ابن مریم سوائے رسول کے ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ تھی، تو اس صورت میں یہ اپنے مابعد اور ماقبل سب سے بلند رتبہ والی ہوں گی۔

اور ان کا ذکر آسیہ بنت مزاحم اور خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ بنت محمد ﷺ کے ساتھ احادیث میں آیا ہے رضی اللہ عنہن وارضاھن۔

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی کئی طرق سے ہشام بن عروہ سے اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے انھوں نے عبداللہ بن جعفر سے عبداللہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے

---

[1] آل عمران ۴۲ تا ۵۱

روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا کہ معمر نے ہم کو قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تجھے جہاں کی تمام عورتوں میں سے چار عورتیں کافی ہیں مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ۔[1] اور کئی طرق سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

اور مسند احمد میں ہے کہ[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرنے والی ہیں ان میں سب سے بہتر قریش کی صالح خاتون ہیں، اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ شفقت کرنے والی ہیں اور اپنے شوہر کی ان کی ماتحتی میں سب سے زیادہ خیال رکھنے والی ہیں، پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حضرت مریم اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں۔[3] امام مسلم نے بھی اس کو روایت کیا۔

اور مسند احمد ہی میں دوسرے[4] طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوئیں ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ پرورش مہربانی کرنے والی ہیں اور اپنے شوہروں پر قلت مال کے باوجود مہربان ہیں آگے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ جانتے تھے کہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

امام احمد اس میں متفرد ہیں اور یہ صحیح کی شرط پر ہے، اور حضرت ابوہریرہ ہی سے اس حدیث کے کئی دوسرے طرق ہیں۔

[5] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے پھر دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔[6]

---

[1] ورواه الترمذی عن ابی بکر بن زنجویة عن عبدالرزاق به وصححه و رواه ابن مردویه من طریق عبدالله بن ابی جعفر الرازی و ابن عساکر من طریق تمیم بن زیاد کلاهما عن ابی جعفر الرازی، عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران آسیة امراة فرعون، و خدیجة بنت خویلد و فاطمة بنت محمد ﷺ

[2] قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزهری عن ابن المسیب قال کان ابوهریرة ... الخ

[3] ورواه مسلم فی صحیحه عن محمد بن رافع و عبد بن حمید کلاهما عن عبدالرزاق به

[4] وقال احمد حدثنا زید بن الحباب حدثنی موسی بن علی سمعت ابی یقول سمعت ابا هریرة یقول.

[5] وقال ابو یعلی الموصلی حدثنا یونس بن محمد حدثنا دائود بن ابی العزات عن علباء بن احمر، عن عکرمة عن ابن عباس.

[6] و رواه النسائی من طرق عن دائود بن ابی هند

ابن عساکرؒ فرماتے ہیں......[1] کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے تم کو چار عورتیں کافی ہیں جو تمام جہان والی عورتوں کی سردار ہیں، فاطمہ بنت محمد، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم، مریم بنت عمران۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا جب تم رسول اکرم ﷺ سے سرگوشی کی اور پھر تم پہلے رو دیں پھر ہنس دیں اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا انھوں نے مجھے خبر دی کہ آپ اسی مرض میں انتقال فرمائیں گے، تو میں رو دی، پھر میں دوبارہ حضور کی طرف جھکی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں میں سے آپ سے جا ملوں گی، اور میں اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی سوائے مریم بنت عمران کے تو میں یہ سن کر ہنس دی۔

اور یہ حدیث صحیح میں بھی موجود ہے، اور اس کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہے اور اس میں بھی ہے کہ یہ دونوں بقیہ دو پر بھی فضیلت رکھتی ہیں۔

اسی طرح مسند احمد میں [3] ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم بنت عمران کے۔[4]

حاصل کلام یہ کہ مریم اور فاطمہ چار میں سے بھی افضل ہیں پھر حضرت مریم کو حضور نے جدا فرمایا اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم بنت عمران حضرت فاطمہ سے بھی افضل ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں درجے اور فضیلت میں برابر ہوں۔

لیکن پہلے احتمال کو صحیح اور معین کرنے والی ایک حدیث آئی ہے۔ [5] کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جنتی عورتوں کی سردار حضرت مریم بنت عمران ہیں پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔

اگر یہ حدیث مبارک ثم (بمعنی پھر) کے لفظ کے ساتھ محفوظ ہو تو یہ حدیث ایک بات کو متعین کر دیتی ہے کہ حضرت مریم سب سے افضل ہیں پھر حضرت فاطمہؓ ہیں۔

اور پہلی احادیث میں واؤ عاطفہ آئی ہے بمعنی اور تو اس سے کچھ معلوم نہیں ہوتا لیکن ابو حاتم نے دوسرے

---

[1] وقدرواہ ابن عساکر من طریق ابی بکر عبدا بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث حدثنا یحیی بن حاتم العسکری انبأنابشر بن مهران بن حمدان، حدثنا محمد بن دینار، عن داود بن ابی هند عن الشعبی عن جابر بن عبدالله قال.

[2] وقال ابو القاسم البغوی حدثنا وهب بن بقیة، حدثنا خالد بن عبدالله الواسطی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن عائشہ انها قالت.

[3] رواه الامام احمد حدثنا عثمان بن محمد حدثنا جریر، عن یزید، هوابن ابی زیاد، عن عبدالرحمن بن ابی نعم عن ابی سعید قال. [4] اسناده حسن و صححه الترمذی ولم یخرجوه، وقدروی نحوه من حدیث علی بن ابی طالب ولکن فی اسناده ضعف،

[5] قال الحافظ ابو القاسم بن عساکر انبانا ابوالحسین بن الفراء وابو غالب و ابو عبدالله ابنا البنا، قالوا، انبأنا ابو جعفر بن المسلمة، انبأنا ابو طاهر المخلص حدثنا احمد بن سلیمان حدثنا الزبیر هوابن بکار، حدثنا محمد بن الحسن، عن عبدالعزیز بن محمد عن موسی بن عقبة عن کریب عن ابن عباسؓ قال...... الخ

طریق سے اس حدیث کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [1]

اسی مضمون کے مثل ایک حدیث ابن مردویہ شعبہ کی حدیث سے نقل کرتے ہیں شعبہ معاویہ سے وہ اپنے والد قرہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت باکمال گزرے ہیں عورتوں میں سے نہیں گزریں سوائے تین کے مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی، خدیجہ بنت خویلد، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی توڑ کر ملائے ہوئے طعام) کو تمام طعاموں پر فضیلت ہے اسی طرح دوسری حدیث ہے جس کو جماعت نے نقل کیا ہے سوائے ابوداؤد کے، اور کئی طریق سے وہ منقول ہے وہ کئی طرق شعبہ تک جا پہنچتے ہیں شعبہ عمرو بن مرۃ سے وہ مرۃ ہمدانی سے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مردوں میں سے بہت باکمال ہوئے مگر عورتوں میں سے نہ ہوئیں سوائے فرعون کی بیوی آسیہ کے اور مریم بنت عمران کے اور تحقیق عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید سب کھانوں پر۔

یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین نے بھی اس کی تخریج پر اتفاق کیا ہے اور اس کے الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ عورتوں میں کمال صرف مریم اور آسیہ میں منحصر ہو، شاید مراد ان کے اپنے زمانے میں ہو کیونکہ دونوں نے دو نبیوں کی ان کے بچپن میں کفالت و پرورش کی کہ آسیہ نے موسیٰؑ کی اور مریم نے اپنے بچے اللہ کے بندے اور اس کے رسول عیسیٰؑ کی لہذا اپنے علاوہ دوسری امتوں کی باکمال خاتون کے منافی نہیں جیسی کہ اس امت کی خدیجہ اور فاطمہ۔

حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے خدمت فرمائی اور پھر بعثت کے بعد بھی بیس سال سے زیادہ خدمت فرمائی اور آپؓ حضور کیلئے سچی وزیر اور دست راست تھیں اور فاطمہ بنت رسول علیہ السلام اپنی خصوصیات کی بناء پر باقی بہنوں سے فضیلت والی تھیں کیونکہ ان کو حضور علیہ السلام کی وفات کی مصیبت پہنچی جبکہ بقیہ بہنوں کی حضور کی زندگی میں وفات ہوئی اور حضرت عائشہؓ حضور کی ازواج میں سب سے محبوب اور کنواری خاتون تھی، اور محض ان کو یہ فضل و شرف حاصل ہے کہ صرف حضور کے ساتھ زندگی بسر کی، اور کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا، اور علم میں آپ سے بڑھ کر نہ اس امت میں نہ پچھلی امتوں کی کوئی خاتون آپ سے بڑھی، اور جب واقعہ افک میں ان پر جھوٹی تہمت لگی تو اللہ کو بھی ان کی عزت و عظمت اور شرافت و پاکیزگی کی بناء پر غیرت آگئی اور اپنے قرآن کی کئی آیتیں ان کی تطہیر میں ساتویں آسمان سے نازل فرمائیں، اور حضور کے بعد بھی ان کی پچاس سال زندگی رہی اس طویل زمانے میں آپ قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت میں خوب کام کرتی رہیں اور آپ سے افتاء اور اصلاح کا خوب کام جاری ہوا اور یہ امہات المومنین میں سب سے بڑھ کر افضل ہیں حتیٰ کہ حضرت خدیجہؓ سے بھی، ایک قول کے مطابق جس کے قائل علماء سلف و خلف سب ہیں بہتر بات یہ ہے کہ دونوں کے متعلق توقف کیا جائے کہ کون زیادہ اشرف ہے۔

---

[1] وقد روى هذا الحديث ابو حاتم الرازى عن داؤد الجعفرى عن عبدالعزيز ابن محمد وهو الدراوردى عن ابراهيم بن عقبه عن، كريم، عن ابن عباس مرفوعاً فذكره بو الواعطف لا بثم التربيته مخالفه اسناداً ومتنا . والله اعلم

اور یہ بحث اس وجہ سے کی کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر، تو عورتوں سے تمام عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور گذشتہ چار کے علاوہ بھی، اس لئے یہ اختلافی نوعیت پیش کی گئی۔

اب ہم اپنے مقصد اور متعین موضوع کی طرف لوٹتے ہیں یعنی حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی پاکیزگی و طہارت اور فضیلت اللہ نے آپ کو تمام جہاں کی خواتین میں سے چن لیا اور ابھی پوری بحث سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت تمام دنیا کی عورتوں سے ہو خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد میں۔

اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ قیامت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں سے ہوں گی اور آسیہ بنت مزاحم بھی، اور تفسیر میں بعض بزرگوں سے اس مقام پر نقل کیا ہے ثیبات و ابکارا کہ حضور کی غیر شادی شدہ اور شادی شدہ بیویاں ہیں تو ثیبہ حضرت آسیہ ہیں اور کنواری حضرت مریم بنت عمران۔ سورۂ تحریم کے آخر میں اس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

طبرانی [1] میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ اور موسیٰ کی بہن سے میری شادی کروا دی ہے اور ایک روایت [2] میں اضافہ ہے کہ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا مبارک ہو آپ کو یا رسول اللہ

[3] ابو داؤد سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس گئے جبکہ آپ مرض الوفات میں تھیں تو آپ نے ان کو فرمایا اے خدیجہ جو آپ کے ساتھ تکلیف و ناگواری دیکھ رہا ہوں کیا یہ میری طرف سے ہے؟ اور اللہ نے اس تکلیف میں بہت سی بھلائی رکھی ہے کیا آپ نہیں جانتی کہ اللہ نے جنت میں میری شادی کر دی ہے آپ سے اور مریم بنت عمران اور موسیٰ کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کیا اللہ نے یہ آپ کے ساتھ فرمادیا ہے؟ فرمایا جی ہاں عرض کیا آپ کو اولاد کی خوشی اور مہربانی مبارک ہو۔

[4] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور آپ تب مرض الوفات میں تھیں تو آپ نے فرمایا اے خدیجہ جب تو اپنی سوکنوں سے ملے تو میرا اسلام کہنا) عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی شادی کی ہے؟ فرمایا نہیں لیکن اللہ نے مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم اور کلثم موسیٰ کی ہمشیرہ سے میری شادی کروادی ہے۔

[5] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کا

---

[1] قال الطبرانی حدثنا عبداللہ بن ناجیہ، حدثنا محمد بن سعد العوفی، حدثنا ابی، انبأ نا عمی الحسین، حدثنا یونس بن نفیع، عن سعد بن جنادہ، ہو العوفی قال..... [2] رواہ ابن جعفر العقیلی من حدیث عبدالنور بہ وزاد فقلت ..... و ثم قال العقیلی ولیس بمحفوظ. [3] وقال الزبیر بن بکار حدثنی محمد بن الحسن ، عن یعلی بن المغیرہ، عن ابی داؤد، قال ..... [4] روی ابن عساکر من حدیث محمد بن ذکریا الغلابی، حدثنا العباس بن بکار، حدثنا ابوبکر الہذلی عن عکرمہ عن ابن عباس ..... [5] وروی ابن عساکر من طریق سوید بن سعید، حدثنا محمد بن صالح بن عمر عن الضحاک و مجاہد عن ابن عمر، قال

پیغام لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور بیٹھے محو گفتگو تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وہاں سے گزر ہوا حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا اے محمد (ﷺ) یہ کون ہیں ؟ فرمایا یہ میری امت کی صدیقہ ہے حضرت جبرئیل نے عرض کیا میرے پاس ان کیلئے پروردگار عزوجل کی طرف سے ایک پیغام ہے کہ اللہ عزوجل ان کو سلام فرماتے ہیں اور انکو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جو انتہائی وسیع زبر جد مرصع یاقوت ہے اور اس میں کوئی تھکاوٹ اور شور وشغب نہ ہوگا حضرت خدیجہ نے سن کر عرض کیا اللہ سلامتی والا ہے اور اسی سے سلام ہے اور تم دونوں پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اس کی برکتیں ہوں اللہ کے رسول پر، وہ زبر جد کا کیسا گھر ہے ؟ فرمایا عظیم موتی (اس کے اندر گھر ہے) اور وہ گھر مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان ہوگا اور یہ دونوں بھی قیامت کے روز میری بیویوں میں سے ہوں گی۔

صحیح حدیث میں ثابت صرف اللہ کا سلام اور اس کی بشارت ہے حضرت خدیجہ پر اور بشارت بھی ایسی جنت کی جو زبر جد سے بنی ہو، اور وہ یاقوت سے مرصع ہوگی، اور اس جنت میں نہ شور وشغب ہوگا نہ تھکاوٹ لاحق ہوگی، لیکن یہ حدیث ان زیادتیوں کے ساتھ غریب ہے اور ان تمام احادیث کی اسناد میں نظر ہے۔

ابن عساکرؒ کی روایت[1] میں...... ہے کہ کعب احبارؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان سے صخرہ (بیت المقدس کی چٹان) کے متعلق سوال کیا تو آپ (کعب) نے فرمایا صخرہ باغیچے پر ہے اور باغ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے اور باغ کے نیچے حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو اہل جنت کے اشعار کو ترتیب دیتی ہیں حتیٰ کہ قیامت قائم ہو۔

لیکن یہ روایت حضرت کعب احبار کی ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ بعض کی من گھڑت روایت ہے۔[2]

---

[1] وروی ابن عساکر من حدیث ابی زرعة الدمشقی، حدثنا عبدالله بن صالح، حدثنی معاویة عن صفوان بن عمرو عن خالد بن معدان عن کعب الاحبار ان معاویة ساله عن الصخرة یعنی صخرة بیت المقدس فقال

[2] ثم رواه من طریق اسماعیل، عن عیاش، عن ثعلبة بن مسلم، عن مسعود، عن عبدالرحمن عن خالد بن معدان عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ بمثله. وهذا منکر من هذا الوجه بل هو موضوع و قد رواه ابوزرعة عن عبدالله بن صالح عن معاویة عن مسعود بن عبدالرحمن، عن ابن عابد، ان معاویة سال کعبا عن صخرة بیت المقدس فذکره، قال الحافظ ابن عساکر و کونه من کلام کعب ابن احبار اشبه قلت و کلام کعب الاحبار هذا الماتلقاه من الاسرائیلیات التی منها ماهو مکذوب مفتعل وضعه بعض زنا دقتهم اوجها لهم، وهذامنه..... والله اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا، (مریم) بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، انھوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمھیں پاکیزہ لڑکا بخشوں (مریم نے) کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں، (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اُسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (و مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے تو وہ اس (بچہ) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر دور جگہ چلی گئیں، پھر درد زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی، اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتہ نے آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے چشمہ پیدا کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی تو کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے خدا کے لئے روزہ کی منت مانی تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی، پھر وہ اس (بچہ) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف لے آئیں، وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تو نے برا کیا، اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی، تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے کہ ہم اس سے (گود کا بچہ ہے) کیونکر بات کریں؟ (بچے نے) کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے، اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور بے شک خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے، پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (یعنی قیامت کے روز حاضر ہونے سے خرابی ہے۔[1]

زکریا (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو ہی سب سے

---

[1] مریم ۱۶ تا ۳۷

بہتر وارث ہے تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنادیا یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔[1]

اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ نے ان کی پیدائش سے قبل منت مانی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی، اور ان کے بہنوئی یا ان کے خالو ان کے کفیل بنے تھے اور انھوں نے آپ (مریم) کے لئے ایک حجرہ بنادیا تھا جو مسجد کے احاطے میں تھا، اور وہاں حضرت مریم اور حضرت زکریاؑ کے سوا کوئی اور داخل نہ ہو سکتا تھا، اور جب حضرت مریمؑ حد بلوغت کو پہنچ گئیں تو اتنی عبادت و ریاضت و مشقت اور محنت کی کہ حضرت زکریاؑ بھی آپ پر رشک اور تحسین فرمانے لگے اور پھر مزید سب سے بڑی رشک کی بات یہ ہوئی کہ اللہ نے آپ کو تمام عورتوں سے فضیلت عطا فرما کر چن لیا اور ملائکہ کے ذریعے آپ کو اس کی بشارت دی اور مزید خوشخبری دی گئی کہ ان کو عظیم المرتبت بچہ دیا جائے گا اور وہ بغیر باپ کے ہو کر دنیا جہاں کے لئے نشانی ہوگا، اور وہ بچہ آگے چل کر پیغمبر ہوگا تو حضرت مریمؑ کو اس پر انتہائی تعجب ہوا کہ بغیر والد کے یہ کیسے ہوگا کیونکہ ان کا تو شوہر نہیں ہے اور نہ کبھی آپ نے شادی کی، تو اس پر فرشتے نے کہا کہ اللہ عزوجل جو چاہیں سب پر قادر مطلق ہیں اور اللہ کو کن کہنے کی دیر نہیں وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے تو تب حضرت مریمؑ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم فرمائیں لیکن ساتھ میں یہ بھی جانتی تھیں کہ یہ ایک عظیم محنت اور لوگوں کے مونہوں کا سامنا کرنا ہے کیونکہ وہ حقیقت حال سے واقف نہ ہونگے وہ صرف ظاہری حال پر نظر رکھتے ہوں گے۔

اور آپ (مریم علیہا السلام) اپنے ماہواری کے زمانے میں مسجد سے نکلتی تھیں یا کسی بھی اور ضرورت کے لئے مثلاً پانی کے حاصل کرنے کے لئے یا غذاء وغیرہ حاصل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ آپ کسی حاجت کے لئے نکلی تھیں اور پھر مسجد اقصیٰ کے شرقی جانب جدا ہوئیں اور وہاں اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے تشریف فرما تھیں کہ حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام سامنے آگئے اور انسانی شکل صورت میں آئے تو آپ نے دیکھا تو کہنے لگی میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر تو متقی ہے؟

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے یہ اس لئے فرمایا کہ متقی شخص عقل مند اور خیال رکھنے والا ہوتا ہے اس لئے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو مجھ سے دور ہو جا۔

اور یہ بات غلط ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص تھا اس کا نام تقی تھا، آپ نے اس کو سمجھا اور اس کو مخاطب ہو کر یہ کہا، تو یہ قول بالکل غلط ہے، بلادلیل ہے اور انتہائی کمزور قول ہے، تب اس فرشتے نے (کہا اور کچھ نہیں میں تیرے رب کا رسول ہوں) یعنی کوئی انسان نہیں ہوں اور آیا (اس لئے ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بچہ دوں کہنے لگیں مجھے بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں تو (فرشتہ) کہنے لگا اسی طرح ہوگا تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ کو آسان ہے (اور یہ ہم اس لئے کر رہے ہیں) (تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنائیں) کہ حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حواء کو بغیر ماں کے

---

[1] سورۃ انبیاء ۸۹ تا ۹۰

اور اب آپ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیں اور یہ (ہماری طرف سے رحمت ہے) یعنی وہ اپنے بچپن میں لوگوں کے لئے باعث سعادت و رحمت ہوں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروائیں گے اور آگے فرمایا (اور یہ کام ہو چکا ہے) یہ کلام حضرت جبرئیلؑ کا بھی ہو سکتا ہے یعنی اللہ نے اس کا فیصلہ فرمادیا ہے اور اس کو حتمی کر دیا ہے اور یہی محمد بن اسحاق کا مختار قول ہے اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے اور دوسرا قول بھی نقل نہیں فرمایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت جبرئیلؑ کا پھونک مارنا مراد ہو اور اس سے کنایہ ہو جیسے دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے۔

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

کئی بزرگ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی، تو وہ پھونک شرمگاہ تک خود پہنچی اور اس طرح حمل ٹھہر گیا، جیسے کہ بیوی اپنے شوہر سے ہم بستری کے موقع پر باامید ہو جاتی ہے اور یہ قول غلط ہے کہ ان کے منہ میں پھونک ماری اور یہ قول بھی غلط ہے کہ ان سے خطاب ہی کوئی روح کر رہی تھی پھر وہ ان میں منہ کے ذریعے حلول کر گئی، یہ مفہوم قرآنی مفہوم کے منافی اور مخالف ہے، اور آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل امین کو آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اور آپ کو ہی روح الامین کہا جاتا ہے اور آپ انسانی شکل میں تھے اور انہوں نے آپ کے گریبان میں پھونک ماری نہ کہ نعوذ باللہ شرمگاہ کے مقابل ٹھہرے بلکہ وہی پھونک و روح نیچے اندام نہانی تک پہنچ گئی اور فرمایا پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی روح اور پھونک اس میں حلول کر گئی نہ کہ وہ متکلم ہی اس میں حلول کر گیا، اور روح جسم میں حلول کر گئی اور منہ نہیں فرمایا اسی طرح علامہ سدیؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ بعض صحابہ سے نقل کیا ہے۔

آگے فرمان ہے (پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہو گئیں) یعنی بچے کے ساتھ، (پھر اس کو دور جگہ میں لے گئی) اور یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت مریم علیہا السلام جب حاملہ ہوئیں تو تنگ دل ہوئیں کہ لوگ ان کے متعلق غلط الزام عائد کریں گے۔

پس اسی بارے میں ایک قصہ کئی بزرگوں نے ذکر کیا ہے وہب بن منبہ بھی انہی میں سے ہیں کہ جب آپ پر حمل کی علامات ظاہر ہوئیں تو سب سے پہلے بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد شخص کو اس کی جھلک پڑی اس کا نام یوسف بن یعقوب بڑھئی تھا۔

اور وہ آپ کا خالہ زاد بھی تھا، اسکو اس بات سے انتہائی تعجب ہوا کیونکہ وہ آپ کی دیانت و پاکیزگی اور عبادت و زہد کو خوب جانتا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کو حاملہ بھی دیکھ رہا تھا، ایک مرتبہ وہ آپ کے سامنے آکر بات چیت کرنے لگا اور پوچھا اے مریم.... کیا بیج کے بغیر کھیتی اگ سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں بتاؤ کس نے پہلی مرتبہ کھیتی کو پیدا کیا؟ پھر پوچھا کیا بغیر مرد کے اولاد ہو سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں اللہ عز جل نے آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا پھر کہا تو اچھا اپنی خبر بھی دو تو آپ مریم نے فرمایا اللہ نے مجھے خوشخبری دی ہے (اپنی طرف سے ایک نشانی کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا (اور وہ) دنیا و آخرت میں صاحب مرتبہ ہو گا اور مقربین

میں سے ہوگا اور لوگوں سے بچپن میں بھی اور بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا)

اور حضرت زکریا کے متعلق بھی اسی قسم کی بات چیت منقول ہے آپ (زکریا) نے بھی ان سے یہی سوالات کئے تھے اور آپ (مریم) نے یہی جوابات دیئے تھے...... واللہ اعلم

حضرت سدیؒ اپنی اسناد کیساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مریم ایک مرتبہ اپنی بہن کے پاس گئیں تو بہن نے ان کو کہا: کیا آپ کو میں حاملہ لگتی ہوں؟ حضرت مریم نے فرمایا ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں حاملہ ہوں تو پھر اس بہن نے آپ کو گلے لگالیا، اور ام یحییٰ نے آپ مریمؑ و کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ آپ کے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرے گا (یعنی اس کی تعظیم بجالائے گا اور تمہارا بچہ اشرف و افضل ہوگا) اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ (اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے) یعنی حضرت عیسیٰ کی حضرت یحییٰ تصدیق فرمائیں گے۔

ابو القاسم کہتے ہیں کہ حضرت مالک کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں خالہ زاد بھائی تھے، اور دونوں کا حمل اکٹھے ٹھہرا تھا، ام یحییٰ نے حضرت مریم کو کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے شکم والے کو سجدہ کرے گا، حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مردوں کو زندہ کرنے اور لنجوں کو اچھا کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے پر قدرت عطا فرمائی تھی، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کا کہنا تھا کہ جب میں خلوت میں تنہا ہوتی ہوں تو یہ بچہ میرے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور جب جلوت میں ہوتی ہوں تو پیٹ میں خدا کی تسبیح کرتا ہے۔

پھر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی عام خواتین کی طرح نو مہینے تک ان کے ساتھ حاملہ رہی ہوں گی اور اپنے وقت پر وضع حمل ہوا ہوگا کیونکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کو آٹھ مہینے تک حالت حمل رہی، اور ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ آپ جیسے ہی حاملہ ہوئیں تو آپ نے فوراً بچے کو جنم بھی دیدیا اور بعض کہتے ہیں کہ نو گھڑیوں تک آپ حالت حمل میں رہیں پھر آپ نے جنم دیا، اور جلد جنم دینے والی روایات کے راوی اپنے خیال ودرایت پر اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں۔

پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور ایک دور جگہ لے کر چلی گئیں پھر درد زہ ان کو ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔

یعنی فوراً حمل کے ساتھ جنم کی تکالیف پھر جنم کے آثار شروع ہو گئے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر چیز کے بعد جو چیز ذکر کی جائے وہ اپنی شان کے مطابق تقدیم تاخیر کے ساتھ ہوتی ہے جیسے فرمان ہے پھر زمین سرسبز ہو گئی، یعنی ایک زمانے کے بعد اور جیسے فرمایا (پھر ہم نے نطفے کو لو تھڑا پیدا کیا۔)

پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت بنایا پھر گوشت کو ہڈیاں پہنائیں پھر اس کو نئی پیدائش دی بس اللہ بابرکت ہے جو تمام پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

اب یہاں ہر چیز کو فوراً فوراً بیان فرمایا ہے لیکن بدیہی طور پر معلوم ہے ہر حالت کے درمیان چالیس یوم کی مدت ہوتی ہے جیسے متفق علیہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے درمیان یہ بات مشہور اور عام ہوئی تھی کہ حضرت مریم حاملہ ہو چکی ہیں تو جن کا حضرت آل زکریا کے ہاں آنا جانا تھا انھوں نے آپ کے گھر آنا جانا بند کر دیا تھا۔

اور حضرت مریم کو بعض زندیقوں نے اس یوسف کے ساتھ برائی میں متہم و بہتان زدہ کیا تھا جو آپ کے ساتھ مسجد میں عبادت کرتا تھا، پھر حضرت مریم لوگوں سے چھپ کر رہنے لگیں اور ایک دور دراز جگہ میں اپنے کو ڈال لیا (پھر ان کو دردزہ کھجور کے تنے کی طرف لے آیا) یعنی جب آپ کو مخصوص حالت و تکلیف شروع ہوئی تو آپ انتہائی مجبور ہو کر جیسے تنکے کا سہارا لے رہی ہوں اور کوئی آپ کے پاس موجود تو تھا نہیں لہٰذا آپ کھجور کے تنے کو پکڑ بیٹھیں، اور امام نسائی کی روایت جو انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے اس کی اسناد میں کوئی حرج بھی نہیں اور بیہقی نے بھی ایک اسناد کے ساتھ اس کو شداد سے مرفوعاً صحیح قرار دیا گیا ہے کہ وہ کھجور والی جگہ وہی ہے جہاں اب بیت لحم بنا ہوا ہے جو عظیم الشان عمارت ہے اور روم کے کسی بادشاہ نے اسی یادگار میں اس کو بنوایا ہے۔

تو خیر جب آپ وہاں پہنچی تو (کہنے لگی ہائے افسوس کاش کہ میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔)

اس سے انتہائی تکلیف و شدت اور فتنے کے وقت موت کی تمنا (نہ کہ خود کشی) کے جواز کا پتہ چلتا ہے، اور آپ (مریم) نے یہ تمنا اس لئے کی تھی کہ آپ کو پتہ تھا کہ لوگ آپ کو برائی اور بدکاری کی طرف تہمت زدہ کریں گے اور آپ کی بات کو سچ نہ جانیں گے بلکہ جھٹلائیں گے باوجود اس کے کہ آپ ان کے ہاں انتہائی عبادت گزار شب بیدار معتکفہ اور منقطعہ تھیں اور نبوت و دیانت والے گھرانے سے متعلق تھیں تو ان خیالات کی گردش میں آپ نے موت کو گلے لگا لینا چاہا۔

آگے فرمان ہے پھر ان کو اس کے نیچے سے پکارا، آیت ہے (فنا داھا من تحتھا) اب مَن کو مَ کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ پکارنے والا کون تھا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حضرت جبرئیلؑ ہیں عوفی نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ نے تو صرف لوگوں کی موجودگی میں بات چیت فرمائی ہے اور سدی، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، ضحاک، قتادہ کا یہی قول ہے کہ وہ حضرت جبرئیلؑ تھے، باقی مجاہد، حسن، ابن زید اور سعید بن جبیر کی بھی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ تھے، ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے آگے کہنے والا کہتا ہے (یہ کہ تو رنج نہ کر تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا فرما دیا ہے)

جمہور کا قول یہی ہے کہ یہ چشمہ تھا، لیکن اس کے متعلق ایک حدیث آئی ہے جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے اور ابن جریر نے اس کو اختیار کیا ہے اور حسن، ربیع بن انس اور ابن اسلمؒ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ اس سے ان کا بیٹا حضرت عیسیٰ مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے،

کیونکہ آگے فرمان ہے (اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجور جھڑ پڑیں گی پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

کہا گیا ہے کہ کھجور خشک تھی اور ایک قول ہے کہ پہلے سے پھل دار تھی......واللہ اعلم

اور احتمال ہے کہ کھجور کا درخت تو خشک ہی ہو لیکن کرامت سے پھل دار ہو گیا ہو، اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سردی میں ہوئی تھی اور یہ وقت پھل کا نہ تھا، اور یہ بات بطور احسان کے اللہ کے فرمان سے بھی مفہوم ہوتی ہے فرمایا تم پر تازہ تازہ کھجور جھڑ پڑیں گی۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ زچہ عورت کے لئے کھجور خشک ہو یا تازہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔[1] حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی پھوپھی کا کھجور کے ساتھ اکرام کرو کیونکہ وہ مٹی سے پیدا ہوئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کئے گئے ہیں اور درختوں میں سے کوئی درخت سوائے کھجور کے ایسا نہیں کہ اس کے نر کا شگوفہ مادہ میں ڈالا جائے، (لیکن یہ روایت ضعیف ہے سند منقطع ہے کشف الخفاء ۱/۱۹۵) اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی زچہ عورتوں کا اکرام تازہ پکی ہوئی کھجوروں سے کرو پس اگر تازہ پکی ہوئی کھجوریں نہ ہوں تو خشک کھجوریں (یعنی چھوہارے استعمال کرو) اور درختوں میں کوئی درخت اس درخت سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت و اکرام والا نہیں جس کے نیچے حضرت مریم بنت عمران ٹھہریں، (یعنی کھجور)۔ اس حدیث کے ایک راوی ضعیف ہیں۔[2]

آگے فرمان الٰہی ہے (پس اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے لہٰذا میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی) اور یہ بھی پہلے کلام کے متعلق ہے یعنی جس نے نیچے سے آواز دی اسی کا یہ کلام ہے اور کہنے سے مراد ہے اشارے وغیرہ سے سمجھا دے کہ میں نے سکوت اور خاموشی کے روزے کی رحمٰن کے لئے نذر و منت مانی ہے اور یہ روزے ان کی شریعت میں مشروع تھے جس میں طعام کے ساتھ کلام بھی متروک ہوتا تھا، قتادہ سدی، ابن اسلم کا یہی کہنا ہے جبکہ ہماری شریعت محمدی ﷺ میں خاموشی جائز نہیں اس سے روزہ کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ آگے فرمان ہے (پھر وہ اس (بچے) کو لے کر اپنی قوم کے پاس اٹھائے آئی لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو تو انتہائی تعجب و حیرت والا برا کام کر لائی ہے؟ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ بد اطوار آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار عورت تھی؟

اکثر بزرگوں نے اہل کتاب سے منقول ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے درمیان سے حضرت مریم کو کچھ عرصہ گم پایا اور پھر آپ کی تلاش جاری کی تو آپ کے محلے کے پاس سے گزرے تو انوار و رحمت کی بارش نے اس محلے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، پھر اچانک حضرت مریم ان کے سامنے آئیں تو آپ کے ساتھ آپ

---

[1] وقال ابن ابی حاتم حدثنا علی بن الحسن، حدثنا شیبان، حدثنا مسرور بن سعید التمیمی، حدثنا عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی، عن عروۃ بن رویم عن علی بن ابی طالب قال...... [2] وکذا رواہ ابو یعلی فی مسندہ عن شیبان بن فروخ، عن مسروق بن سعید وفی روایتہ مسرور بن سعد، والصحیح مسرور بن سعید التمیمی اورد لہ ابن عدی هذا الحدیث عن الاوزاعی بہ ثم قال، وهو منکر الحدیث ولم اسمع بذکرہ الافی هذا الحدیث وقال ابن حبان، یروی عن الاوزاعی المناکیر الکثیرۃ التی لایجوز الاحتجاج بمن یرویها.

کا بچہ عیسیٰ بن مریم بھی تھا تو تب لوگوں نے اوپر والی بات کہی، کہ تو نے عجیب بری بات پیش کی ہے۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ زچگی کے چالیس یوم بعد ان کو لوگوں کے سامنے لائیں تھیں، پھر آگے اسرائیلی، باپ اور ماں کے ساتھ اس کو مثال دیتے ہیں اور کہا اے ہارون کی بہن، اس ہارون سے مراد ایک قول ہے کہ اس زمانے کا مشہور عبادت گزار اور بہت بڑا زاہد و پارسا شخص تھا اس کا نام ہارون تھا تو عبادت و تقویٰ کی بساط پر اس کو مریم کا بھائی کہہ دیا۔

سعید بن جبیرؒ کا یہی قول ہے۔ اور ایک قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر کبیر حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ عبادت و تقویٰ میں تشبیہ دی تھی، اور اس مقام پر محمد بن کعب قرظی سے خطا سرزد ہوئی ہے کہ انھوں نے رشتے میں ان کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبی ہمشیرہ قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں اور حضرت مریم کے درمیان بہت طویل زمانے حائل ہیں، جو ادنیٰ علم والے پر بھی مخفی نہیں، شاید حضرت محمد بن کعب قرظی کو اس سے دھوکہ ہو گیا کہ تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی بہن مریم نجات کے دن دف بجا رہی تھی، تو اس سے ان کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ مریم وہی مریم ہیں حالانکہ دونوں کی شخصیات جدا جدا ہیں، اور ایک شخصیت ہونے کا قول جو محمد بن کعب کا ہے وہ حدیث اور قرآن کے صریح مخالف ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مریم کا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی ہارون تھا اور حضرت مریم کے قصے کے کسی گوشے میں اس کی نفی نہیں ملتی کہ ان کا کوئی اور بھائی نہیں۔

مسند احمد میں[1]...... حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے منقول ہے کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا انھوں نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ تم (اس) قرآن میں پڑھتے ہو (یاخت ھارون) اے ہارون کی بہن، اور حالانکہ ہارون و موسیٰ حضرت عیسی سے اتنی اتنی مدت پہلے تھے پھر یہ کیسے قرآن میں ہے؟ تو میں نے پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات ذکر کی تو آپ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلادوں کہ وہ لوگ اپنے پہلے انبیاء و صلحاء کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔

یہ حدیث مسلم نسائی، ترمذی میں ہے[2] اور صحیح ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا میں تم کو خبر نہ دوں کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے تھے۔

اور قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہارون نام کثرت سے رکھتے تھے حتیٰ کہ ان کے ایک جنازے میں بہت مخلوق اکٹھی ہوئی اور ان میں جو ہارون نامی تھے وہ کئی ہزار تھے۔[3] واللہ اعلم

حاصل کلام بنی اسرائیل کے لوگوں نے حضرت مریم کو کہا اے ہارون کی بہن اور حدیث کے مطابق ان کے بھائی ہارون نامی عبادت و زہد میں مشہور تھے تو اے اس شخص کی ہمشیرہ تیرا باپ اور تیری ماں تو ایسے نہ تھے یعنی یہ تو پورا گھرانہ ہی پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا، پھر تو نے یہ کیسے بہتان ساتھ لے لیا ہے؟ تو اس طرح

---

[1] وقال الامام احمد، حدثنا عبدالله بن ادريس، سمعت ابي يذكره عن سماك، عن علقمه بن وائل عن المغيرة بن شعبه قال...... [2] وكذارواه مسلم والنسائي والترمذي من حديث عبدالله بن ادريس وقال الترمذي حسن صحيح غريب لانعرفه الامن حديثه وفي رواية [3] كتب ابن كثير حتى قيل انه حضر بعض جنائز هم بشر كثير منهم من يسمى هارون اربعون الفا (ماكتبت في المتن للمحال)

انھوں نے آپ پر الزام تراشی کی اور انتہائی سخت سیاہ جھوٹ کا پلندہ آپ کی بابرکت ذات پر اچھالا۔
ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت زکریاؑ کے ساتھ آپ پر تہمت و جھوٹ باندھا اور پھر حضرت زکریاؑ کے قتل پر اکٹھے ہو گئے آپؑ ان سے بھاگے لیکن وہ آپ کو پہنچ گئے پھر درخت نے آپ کو جگہ دی اور ابلیس لعین نے آپ کی چادر کا کونہ پکڑ لیا، پھر پورا قصہ بیتا۔
اور بعض منافقین نے حضرت مریم کو آپ کے ماموں زاد یوسف بن یعقوب بڑھئی کے ساتھ تہمت لگائی۔
پھر حالت زار تنگ ہو گئی اور کوئی جائے فرار و پناہ نہ رہی۔ اور بات چیت سمجھ بوجھ کا دروازہ بند ہو گیا، اور حضرت مریم کا جلال والے پر توکل و بھروسہ خوب بڑھ گیا اور اس کی اس پر ٹکٹکی بندھ گئی اور عین اخلاص و توکل کا مدار وہی ذات رہ گئی تو تب حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔
یعنی حضرت مریم نے لوگوں کو اشارتاً کہا کہ اس بچے سے بات کر لو تمہارے تمام سوالوں کا جواب اس سے ملے گا تب سرکش لوگوں نے (کہا ہم کیسے اس سے بات کریں جو گود کا بچہ ہے) یعنی تو کیسے ہم کو بچے پر ٹال رہی ہے جو انتہائی دودھ پیتا بچہ ہے اور بات کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا اور کچھ فیصلہ وغیرہ کی اہلیت اس میں نہیں ہے، تو یہ تو ہمارے ساتھ مذاق اور استہزا کر رہی ہے تا کہ تو ہم کو جواب نہ دے اور ہم تیرا پیچھا چھوڑ دیں اور سرکش لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ جو چند ایام کے دودھ پیتے بچے تھے فوراً (بول اٹھے میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں میں ہوؤں مجھے بابرکت بنایا ہے اور اس نے مجھے جب تک میں زندہ رہوں نماز و زکوۃ کی وصیت کی ہے (اور اس نے مجھے بنایا ہے) والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا اور مجھے سخت اور بدبخت نہیں بنایا، اور جس دن میں پیدا ہوا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے اور جس دن میں مروں گا اور جس دن اٹھایا جاؤں گا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے۔
یہ پہلا پہلا کلام تھا جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان اقدس پر جاری ہوا اور سب سے پہلی بات تھی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو سب سے پہلے خود ظالم سرکش عیسائیوں کے اس قول کو دفع و مسترد کر دیا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ نے اپنی ماں پر بہتان والزام کو ختم کیا اس طرح کہ فرمایا (اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے پیغمبر بنایا ہے) اور اللہ ولد الزنا کو اس قدر فضیلت نہیں عطا فرماتا، آپ نے کہا (اور جہاں کہیں میں ہوؤں مجھے بابرکت بنایا ہے) یعنی جہاں کہیں میں ہوں گا تو اللہ کی وحدت اور اس پر عیب اور اولاد اور بیوی سے پاکی کو بیان کروں گا، (اور اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں) اور اس سے بھی مقام بندگی ہی معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف زکوۃ سے بندوں کے ساتھ حسن خلق کی طرف اشارہ ہوتا ہے، الغرض خدا کے ساتھ اور بندوں کے ساتھ بھی اچھے طریقے اور سلوک کی طرف اشارہ فرما دیا۔
پھر فرمایا (اور اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا (ہوں) اور اس نے مجھے سخت و بدبخت نہیں بنایا) کیونکہ آپ کے والد تو تھے نہیں اس لئے پوری خدمت والدہ کے ساتھ صرف کر دی، اور فرمایا میں سخت گو اور سخت خو نہیں ہوں اور مجھ سے کوئی قول و فعل اللہ کی اطاعت کے خلاف سرزد نہیں ہو گا، انشاء اللہ

اور پھر تین اہم مواقع یعنی ماں سے پیدائش کے وقت اور دنیا سے جانے کے وقت پھر اگلے جہان سے اٹھائے جانے کے وقت یعنی ہر عالم میں مجھ پر خدا کی سلامتی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے قصے کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور باطل باتوں کی خوب بیخ کنی فرمادی تو فرمایا (اے محمدؐ) یہ ہم تم کو (خدا کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ انسان ہو گئے (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال معلوم ہو چکی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعاوالتجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک خدا غالب اور صاحب حکمت ہے تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا مفسدوں کو خوب جانتا ہے [1]۔

اسی وجہ سے جب نجران کا ساٹھ سواروں پر مشتمل وفد آیا جنکے اہم آدمی چودہ تھے اور انمیں سے بھی اصل گفتگو کرنے والے تین تھے جو انکے سرداروں کے سردار اور اشراف کے شرفاء تھے اور انکے نام عاقب، سید، اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے۔ تو وہ آکر حضرت عیسیٰ مسیحؑ کے بارے میں مناظرہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انکے متعلق سورہ ال عمران کا شروع والا حصہ نازل فرمایا اور حضرت عیسیٰ مسیح کی ابتداء تخلیق اور ان سے پہلے انکی ماں کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور پھر اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو مباہلے کا حکم دیا اس صورت میں کہ وہ باز نہ آئیں پھر جب نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ انکے سر اور کان اور آنکھیں جھک گئیں ہیں۔ حقائق حقائق ہوتے ہیں۔ تو پھر وہ مباہلے سے باز آگئے اور مصالحت و نرم رویے کی طرف آگئے اور انکے سردار عاقب جو مسیح کا بندہ بنتا تھا اس نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت تم خوب جان چکے ہو کہ محمد (ﷺ) رسول برحق ہیں اور تمہارے ساتھی (عیسیٰ) کے متعلق بھی فیصلہ کن خبر لائے ہیں۔ اور تم خوب جانتے ہو کہ جب قوم نے نبی پر لعنت کی انکے بڑے اور چھوٹے سب تہس نہس کر دیئے جاتے ہیں اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم ہی مغلوب و مقہور ہو کر رہو گے۔ پس اگر تم اس شخص کے دین (محمدی) کو نہیں مان سکتے بلکہ اپنے ہی دین سے الفت اور اپنے دین پر آئے ہو تو پھر چپ کر کے یہاں سے لوٹ پڑو۔

پھر یہ بات انہوں نے تسلیم کی اور رسول اکرم ﷺ سے واپسی کی اجازت طلب کی اور کہا کہ ہم اسلام تو نہیں لائے مگر جزیہ دینے کیلئے تیار ہیں اور آپ ہمارے ساتھ اپنے کسی امانت دار کو بھیج دیجئے تو حضور نے انکے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بھیجا۔

اس قصے کو ہم ال عمران میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

الغرض جب اللہ نے حضرت مسیح کے معاملے کو خوب واضح فرمادیا تو فرمایا۔

یہ عیسیٰ بن مریم ہیں (اور یہی) حق بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔

---

[1] آل عمران ۵۸ تا ۶۳

یعنی یہ خدا کے فرزند نہیں بلکہ خدا کے بندے اور خدا کی ایک بندی کے بیٹے ہیں۔
اسی وجہ سے دوسری جگہ فرمایا
اللہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لے تو صرف اسکو کہتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔
یعنی اسکو کسی چیز کے کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ سب کچھ کن سے کر سکتا ہے اور جسکے متعلق حضرت یحییٰ کا سورہ مریم کے آخر میں یہ فرمان ہے
اور بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس اسکی عبادت کرو یہ سیدھا رستہ ہے۔
یہاں تک سورہ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کا بچپن والا کلام جو گود میں بیٹھ کر کیا وہ پورا ہوتا ہے۔
پھر اللہ تعالیٰ اسکے آگے فرماتے ہیں۔
پھر جماعتیں آپس میں اختلاف کرنے لگیں پس افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ انکو بڑے دن میں حاضر ہونے سے (عذاب و تباہی کی خرابی ہے)
یعنی ان حضرت مسیح کے متعلق کئی گروہ ہو گئے اس زمانے میں بھی اور انکے بعد بھی
یہود نے کہا: یہ زانیہ کے بیٹے ہیں اور ولد الزناء ہیں (نعوذ باللہ) اور وہ اب تک اپنے کفر و عناد پر بضد ہیں پھر کچھ نصاریٰ نے کفر میں ان سے بھی بڑھ کر قدم اٹھایا اور کہا یہ اللہ ہیں دوسروں نے کہا نہیں اللہ کے بیٹے ہیں۔
مومنین نے کہا یہ اللہ کے بندے ہیں اور اسکے رسول ہیں اور اسکی باندی اور بندی کے بیٹے ہیں اور اسکی نشانی ہیں اور اسکی روح (یعنی اسکے حکم سے پیدا ہوئے ہیں بغیر کسی سبب کے)
اور یہی آخری عقائد رکھنے والا گروہ نجات ثواب، اور خدا کی تائید و حمایت پانے والا گروہ ہے اور ان چیزوں میں ان سے جن لوگوں نے بھی اختلاف کیا انکے متعلق ابھی وعید گذر چکی کہ پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو کافر ہوئے بڑے دن کی حاضری سے۔
بخاری میں [1] حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اسکے رسول اور اسکی نشانی ہیں جسکو اللہ نے مریم کی گود میں ڈالا اور اسکی روح (حکم سے پیدا ہونے والے) ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے۔
تو اللہ اسکو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے چاہے وہ جیسے بھی عمل لے کر آئے [2] ولید دوسرے طریق کے ساتھ یہ الفاظ زائد کرتے ہیں۔
کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ [3]
امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

---

[1] قال البخاری حدثنا صدقة بن الفضل، انبانا الولید، حدثنا الاوزاعی، حدثنی عمیر بن ھانی، حدثنا جنادہ بن ابی امیة، عن عبادة بن الصامت ...... الخ [2] قال الولید فحدثنی عبدالرحمن بن یزید بن جابر، عن عمیر، عن جنادة: وزاد ..... [3] وقدرواہ مسلم عن دائود بن رشید، عن الولید، عن جابر بہ ومن طریق اخری عن الاوزاعی بہ

اللہ عزوجل اولاد سے پاک ہیں اور ظالموں کے اولاد والے قول سے بہت ہی بلند و پاک صاف ہیں

اللہ عزوجل اسی سورہ مریم کے آخر میں فرماتے ہیں۔

اور (کافر لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے ...... بے شک تم بری بات لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس افتراء سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کیلئے بیٹا تجویز کیا۔ اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے اس نے ان کو (علم کے احاطے میں) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اسکے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہونگے۔[1]

تو واضح فرمایا کہ خدا کے لئے اولاد کسی طرح شایان نہیں اسلئے کہ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اسکا مالک ہے اور ہر چیز اسکی فقیر و محتاج ہے اور اسکی بارگاہ میں ذلیل و عاجز اور ناچار ہے اور آسمان و زمین کے تمام باشندے اسکے غلام اور باندیاں ہیں جو اسکی بندگی کرتے ہیں وہ ان سب کا رب الارباب ہے اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسکے سوا کوئی رب نہیں جیسے آگے فرمایا

اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اسکا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا۔ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے۔ تو خدا اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ انکو انکا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے (کچھ) زیادہ ہی عنایت کرے گا اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا انکو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور وہ خدا کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔[2]

تو بیان فرمایا کہ وہ تو ہر چیز کا خالق ہے اسکی کیسے اولاد ہوگی کیونکہ اولاد تو دو ایک جیسی چیزوں کے درمیان ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی نظیر و مثال نہیں اور نہ اسکی کوئی شبیہ اور عدیل ہے لہذا نہ اسکی کوئی بیوی ہے تو لہذا اسکی کوئی اولاد بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسے فرمایا۔

---

[1] مریم ۸۸ تا ۹۸ [2] نساء ۱۷۱ تا ۱۷۳

کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اسکے مثل کوئی ایک بھی نہیں (س اخلاص)

اور آگے فرمایا: اور وہی ہے جو آسمانوں سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (ہیں جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں پھر اس سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور ان لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا حالانکہ انکو اسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان میں) اسکے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اسکی نسبت بیان کرتے ہیں۔ پاک ہے اور اسکی شان ان سے بلند ہے (وہی) آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا (ہے) اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اسکی بیوی ہی نہیں۔ (اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے یہی (اوصاف رکھنے والا) خدا تمہارا پروردگار ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو اس کی عبادت کرو وہ ہر چیز پر نگران ہے۔[1]

اللہ عزوجل اہل کتاب اور انکے متبعین کو غلو اور گمراہی سے منع فرما رہے ہیں۔ انپر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق اعتقاد رکھیں کہ وہ صرف اللہ کے بندے اور اسکے رسول اور اسکی پاکباز کنواری نیک بندی مریم کے بیٹے ہیں جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تو اللہ نے انکی طرف جبرئیل کو بھیجا آپ نے مریم پر پھونک ماری تو اللہ نے اسکے واسطے سے انکو حمل ٹھیرا دیا اور حضرت عیسیٰ نے جنم لے لیا۔ اور انکے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے روح ہیں اس سے مراد ہے جیسے بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ عبداللہ۔ جس طرح یہ مخلوق ہیں اور خدا کی طرف نسبت کرنے سے انکی مخلوقیت میں کوئی فرق نہیں بلکہ محض ایک شرافت و کرامت ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بطور شرف اور اعزاز روح اللہ فرمایا اور پھر چونکہ انکا باپ نہ تھا اسلئے عیسیٰ بن مریم کہا جانے لگا اور اسی طرح کلمۃ اللہ فرمایا یعنی اللہ کی نشانی ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

بے شک اللہ کے ہاں عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے انکو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گئے۔[2] اور کہنے لگے اللہ نے بیٹا بنا لیا، وہ تو پاک ہے بلکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے ہر ایک اس کا تابعدار ہے وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ہو جا فرما دیتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔[3]

اور فرمایا: اور یہود کہنے لگے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاری کہنے لگے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ انکے مونہوں کی بات ہے پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے یہ بھی انہی کی پیروی کرنے لگے ہیں خدا انکو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔[4]

---

[1] انعام ۱۰۰ تا ۱۰۳ [2] آل عمران آیت ۵۹، [3] بقرہ ۱۱۶۔۱۱۷، [4] توبہ ۳۰،

تو اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ دونوں فریقوں پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اللہ پر بہتان باندھا اور اسکے متعلق اولاد کا خیال کیا۔ جبکہ اللہ اس سے پاک صاف ہے اور کافروں کے پاس کوئی دلیل نہیں محض اٹکل کی باتیں اور پہلے کفار کی اتباع ہے۔

اسی طرح گمراہ فلاسفہ انپر اللہ لعنت کرے انہوں نے بھی اسی طرح خیال کیا کہ پہلی عقل (اللہ) واجب الوجود سے نکلی جسکو وہ علتوں کی علت اور مبدا اول کہتے ہیں اور اس سے دوسری عقل اور نفس اور آسمان پیدا ہوا پھر تیسری سے چوتھی عقل حتیٰ کہ عقول دس تک پہنچ گئیں اور نفوس نو تک پہنچ گئے اور افلاک بھی نو تک پہنچ گئے۔ اور پھر اسکے متعلق وہ انتہائی جاہلانہ دلیل اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح عرب کے جاہل مشرکین خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور جنوں کی سردار جنیوں سے اللہ نے شادی کی ہے۔ جن سے ملائکہ پیدا ہوئے ہیں۔ توبہ توبہ اللہ ان کی بکواسوں سے بہت ہی بلند و بالا ہے اور انکے شرک سے پاک ہیں اس بارے میں اللہ کا فرمان ہے!

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں بنایا ہے کیا یہ انکی پیدائش کے وقت حاضر تھے عنقریب انکی بات لکھی جائے گی اور سوال کیا جائے گا۔[1]

اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی پھر مچھلی نے انکو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے۔ پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائینگے اسی کے پیٹ میں رہتے پھر ہم نے انکو جبکہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا۔ اور ان پر کدو کا درخت اگایا اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی انکو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے ان سے پوچھو تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کیلئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے دیکھو یہ اپنی بنائی ہوئی جھوٹی (بات) کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو۔ کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔ بھلا تم غور (کیوں) نہیں کرتے یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔ اور انہوں نے خدا میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا۔ حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (خدا کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک ہے۔ مگر خدا کے بندگان خالص (مبتلائے عذاب نہیں ہونگے)۔[2]

اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے وہ پاک ہے (اسکے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جنکو یہ لوگ اسکے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اسکے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔ اور اسکے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ انکے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے۔

اور وہ (اسکے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو۔ اور وہ اسکی ہیبت سے

[1] صافات ١٤٩ تا ١٦٠، [2] انبیاء ٢٦ تا ٢٩

ڈرتے ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ خدا کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ [۱]

سب تعریف خدا ہی کی ہے۔ جس نے اپنے بندے (محمد) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) عذاب سخت سے جو اسکی طرف سے (آنیوالا) ہے ڈرائیے اور مومنوں و جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ انکے لئے (ان کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے۔ ان کو اس بات کا کچھ علم بھی نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو انکے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ [۲]

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا رکھا ہے (اسکی) ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اے افتراپردازو) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے تو تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں بیان کرتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہدو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (انکے لئے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر انکو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم انکو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے۔ [۳]

یہ کئی آیتیں تمام کفار فرقوں کے رد پر مشتمل ہیں فلاسفہ ہوں یا مشرک۔ نصاریٰ ہوں یا یہود (سب) پر لعنت ہے۔ اور جب سے وہ ان باطل باتوں کے قائل ہوئے تب سے قیامت تک انپر اللہ کی لعنت برستی رہے گی۔ اور انکے آپس میں اختلاف و تناقص رہے گا کیونکہ کفر و بطلان بہت سی قسموں والا ہوتا ہے کسی ایک بات پر کفر اکٹھا نہیں ہوتا خلاف حق کے کیونکہ فرمان الٰہی ہے (اور اگر وہ (حق) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اسمیں بہت سا اختلاف پاتے)۔

تو حق متحد و یکجا ہوتا ہے اور باطل مختلف و مضطرب ہوتا ہے جس طرح ایک گمراہ فرقہ کہتا ہے کہ مسیح اللہ ہی ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے معبود کے تیسرے حصے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتے ہیں: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خدا ہیں۔ وہ بے شک کافر ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ بن مریم اور انکی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہ خدا عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ [۴]

تو اس طرح اللہ نے انکے کفر و ضلالت کو واضح فرمادیا کہ اللہ ہی خالق و قادر اور ہر چیز کا کرتا دھرتا ہے اور سب کا رب ہے مالک ہے الہ ہے اور اسی سورت کے آخر میں فرمایا: وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اس کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر

---

[۱] زخرف آیت ۱۹ [۲] کہف ۱ تا ۵، [۳] یونس ۶۸ تا ۷۰ [۴] مائدہ ۱۷

دے گا۔ اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و قواعد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے تھے۔ اور انکی والدہ (مریم خدا کی) ولی (اور سچی فرمانبردار) تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔

تو حق تعالیٰ نے انکے کفر و شرک کو فرمایا اور خبر دی کہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کو خدا کا شریک کرتے ہیں جبکہ وہ خود (مسیح) فرما گئے ہیں کہ وہ انکی طرف صرف اللہ کے رسول ہیں اور بندے ہیں۔ رحم میں انکی صورت بنائی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اسکی توحید کرنے والے ہیں اور خود انہوں نے اسکے خلاف پر جہنم کی وعید بیان کی اور ہمیشگی کے گھر میں ناکامی کی خبر دی اور فرمایا۔

بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو بے شک اللہ نے اسپر جنت حرام کر دی ہے اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اور پھر حضرت مسیح نے فرمایا بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تین کے تیسرے ہیں تو وہ کافر ہوئے اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اللہ کے۔

ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں تین کے تیسرے سے مطلب و مراد ہے کہ نصاریٰ خدائی کو تین حصوں پر تقسیم کرتے تھے جسکو اقانیم ثلاثہ کہتے تھے۔ یعنی خدائی کے تین حصے۔ باپ بیٹا۔ اور درمیانی نشانی بواسطہ یعنی باپ کی طرف سے بیٹے کو جو نشانی ملی۔

اور اس اختلاف کو ہم آگے تفصیل و وضاحت سے بیان کریں گے اور یہ اختلاف انکے درمیان قسطنطین بن قسطس کے زمانے میں ہوا اور یہ حضرت مسیح کے تین سو سال بعد کا واقعہ ہے۔

تو آگے فرمایا اور دھمکی دی (اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا) پس وہ کیوں اللہ کی طرف توبہ و استغفار نہیں کرتے واللہ غفور رحیم۔

پھر آگے مسیح اور انکی ماں کی بشریت والی حالت بیان فرمائی۔

(کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے) یعنی جو معبود ہو وہ کیسے کھانے پینے کی طرف محتاج ہو سکتے ہیں بے شک اللہ انکے باطل عقیدے سے بری و پاک صاف ہیں۔

علامہ سدیؒ فرماتے ہیں کہ اس فرمان باری (بے شک جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے وہ کافر ہوئے) سے مراد ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ اور انکی ماں کے متعلق خدائی کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح انکے اس کفر کو اللہ نے سورہ مائدہ کے آخر میں یوں بیان کیا۔

اور جب اللہ فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود

مقرر کرلو ؟ تو وہ کہیں گے آپ پاک ہیں مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جسکا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کیا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اسکے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو انکا نگہبان تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو انکو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو آپ غالب (اور) حکمت والے ہیں۔ لہ

یعنی اللہ عزوجل بطور اکرام واعزاز کے اور کفار پر اتمام حجت کیلئے اور انکو ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و تنبیہ کیلئے عیسیٰؑ سے سوال کریں گے باوجود اسکے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اسی کو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: جب میں ان میں تھا تو انکا خیال رکھتا تھا آپکے حکم سے اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس اٹھالیا تو پھر پیچھے آپ ہی انکے نگران اور نگہبان تھے۔ اب آپ انکو عذاب دیں یا معاف فرمائیں۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم

اور تفسیر ابن کثیر میں ہم ذکر کرآئے ہیں کہ حضرت ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پوری رات نماز میں اس آیت کو پڑھتے پڑھتے گذار دی۔

اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کیلئے شفاعت کا سوال کیا تھا تو وہ مجھے عطا فرمادیا اور وہ شفاعت ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کیا اور یوں کہا: اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائیگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جسکا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے خوب معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے میں اسے نہیں جانتا بے شک تو علام الغیوب ہے میں نے ان سے کچھ نہیں کہا: اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (بڑی مہربانی ہے۔) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو (مخلوقات) ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو و لعب کیلئے پیدا نہیں کیا اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن و فرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنالیتے، (نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اسکا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسوقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کی (مخلوق اور اسی کا مال) ہیں۔ اور جو (فرشتے) اسکے پاس ہیں نہ وہ اس کی عبادت سے کتراتے ہیں۔ اور نہ اکتاتے ہیں۔ رات دن اسکی تسبیح کرتے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ تھمتے ہیں۔ ؎

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسکو چاہتا انتخاب کرلیتا۔

لہ المائدہ ۱۱۶ تا ۱۱۸ ؎ الانبیاء ۱۶ تا ۲۰

وہ پاک ہے وہی خدا یکتا (اور) غالب ہے اسی نے آسمان و زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہیں گے۔ دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دو اگر خدا کے اولاد ہو تو (سب سے) پہلے (اسکی) عبادت کرنے والا ہوں پاک ہے آسمانوں، زمین اور عرش کا رب اس چیز سے جسکو وہ بیان کرتے ہیں۔[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کی ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اسکی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے اور نہ کوئی اسکا مددگار ہے اور اسکو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دے وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اس کے مثل کوئی ایک بھی نہیں۔[4]

اور صحیح میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ابن آدم گالی دیتا ہے اور یہ اسکو لائق نہیں ہے وہ خیال کرتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں واحد ہوں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے جنم دیا گیا اور کوئی میرے مثل نہیں ہے۔

اور صحیح ہی میں حضور اکرم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں تکلیف پر جو اللہ سنتے ہیں۔ (دیکھو) کافر لوگ اللہ کی اولاد مانتے ہیں اور (جبکہ پھر بھی) اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور ان کو عافیت سے رکھتا ہے۔

اور صحیح ہی میں حضور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب پکڑتا ہے تو پھر وہ اللہ سے بچ نہیں سکتا۔ پھر حضور نے تلاوت فرمائی ترجمہ (اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ کسی بستی کو پکڑتا ہے اور وہ ظالم ہوتی ہے تو بے شک اللہ کی پکڑ سخت دردناک ہے) سورہ ہود۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا۔

(اور کتنی ہی بستی ہیں جنکو میں نے مہلت دی اور وہ ظالم تھی پھر میں نے انکو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹنا ہے) (حج ۴۸)

اور فرمایا (ہم انکو تھوڑا فائدہ دیتے ہیں پھر انکو سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیتے ہیں) لقمان ۲۴

اور فرمایا (کہہ دے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہونگے۔ بس دنیا میں تھوڑا نفع اٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف انکو لوٹنا ہے پھر ہم انکو سخت عذاب چکھائیں گے اس کے بدلے کہ وہ کفر کرتے تھے۔) یونس ۶۹۔۷۰

اور فرمایا (پس کافروں کو مہلت دے انکو تھوڑی مہلت دے) طارق ۱۷

---

[1] زمر ۳ تا ۵ [2] زخرف ۸۱ تا ۸۲ [3] اسراء ۱۱۱، [4] اخلاص مکمل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور بچپن میں انکی تربیت گاہ اور پرورش اور وحی کی ابتداء کا بیان

پہلے گذر چکا ہے کہ آپ بیت اللحم کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ اور وہب بن منبہ کا خیال ہے کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے اور حضرت مریم نے مصر کی طرف سفر کیا تھا اور ساتھ میں یوسف بن یعقوب النجار بھی تھے۔ اور حضرت مریم گدھے پر سوار تھیں اور دونوں کے درمیان پالان کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔

لیکن وہب کا یہ خیال بالکل غلط ہے اور پہلے ایک حدیث گذر چکی اسکی رو سے آپکی جائے پیدائش بیت اللحم ہے جیسے کہ ہم ذکر کر چکے۔ جو اسکے معارض ہو وہ باطل ہے۔

اور وہب بن منبہؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اس دن مشرق و مغرب میں تمام بت گر پڑے تھے اور شیاطین اس بارے میں حیران و پریشان ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ بڑے ابلیس نے اپنے شیاطین کو حقیقت حال کی خبر دی کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی بناء پر ایسا ہوا تھا۔ پھر شیاطین نے دیکھا کہ عیسیٰ اپنی ماں کی گود میں ہے اور ملائکہ اسکے گرد حفاظتی حصار قائم کئے ہوئے ہیں اور آسمان میں اس دن ایک عظیم ستارہ بھی نمودار ہوا اور ملک فارس کا بادشاہ بھی اس ستارے کے طلوع کی وجہ سے خوفزدہ ہو گیا تھا اور اس نے کاہنوں سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ سرزمین میں کوئی عظیم بچہ پیدا ہوا ہے۔ پھر بادشاہ نے اپنے قاصدوں کو سونا اور دوسرے قیمتی ہدیہ دے کر حضرت عیسیٰ کی طرف بھیجا جب یہ قافلہ ملک شام پہنچا تو وہاں کے بادشاہ سے اس کے متعلق سوال کیا اس نے حقیقت حال کی خبر دی کہ ایک بچہ عیسیٰ ایک عابدہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور اس نے گود میں بات چیت کی ہے پھر ملک شام کے بادشاہ نے انکو انکے سامان سمیت اور اپنے کچھ آدمیوں کو ساتھ کر کے حضرت عیسیٰ کے پاس بھیج دیا تا کہ اسکے آدمی بعد میں حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیں لیکن جب قاصدین واپس ہو جائیں تب قتل کریں تو جب یہ لوگ ہدایا و تحائف لیکر حضرت مریم کے پاس پہنچے اور ہدایا وغیرہ دیکر واپس ہو گئے تو پھر کسی نے حضرت مریم کو خبر کر دی کہ ملک شام کے بادشاہ نے اپنے قاصدین اسلئے بھیجے ہیں تا کہ وہ تیرے بچے کو قتل کر ڈالیں۔

تو حضرت مریم اپنے بچے کو لیکر مصر چلی گئیں اور وہیں اقامت پذیر رہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کی عمر بارہ سال ہو گئی اور آپکی کرامات و معجزات مشہور ہونے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جس رئیس کے ہاں آپ (مریم) اور آپکا بچہ ٹھہرے تھے اسکا مال گم ہو گیا اور اسکے گھر میں مریض مسافر اور محتاج فقیر لوگ رہتے تھے۔ اور وہ سب کی کفالت کرتا تھا تو سب پریشان تھے کہ آیا مال کا چور کون ہے؟ کس پر الزام رکھا جائے؟ آخر حضرت عیسیٰ ایک لنگڑے اور ایک اندھے سے مخاطب ہوئے یہ دونوں بھی اسی کے ہاں سکونت پذیر تھے اور جدا رہتے تھے آپ نے اندھے سے کہا اس لنگڑے کو اٹھاؤ اور کھڑے

ہو جاؤ اس نے کہا میں اسکی طاقت نہیں رکھتا آپ نے فرمایا جب تم نے مال چوری کیا تب اسکو کس طرح اٹھالیا تھا؟ اور گھر کی الماری سے مال اس نے نکالا تھا؟ یہ سن کر دونوں دہشت زدہ رہ گئے اور مال لے آئے۔ تب بھی حضرت عیسیٰ لوگوں کی نظروں میں بہت ہی بڑھ گئے۔ جبکہ ابھی بہت ہی چھوٹے بچے تھے۔

اسی طرح ان کے معجزات و کرامات میں یہ بھی آیا ہے کہ

ایک مرتبہ رئیس مالک مکان نے لوگوں کی دعوت کی اور کھانے کے بعد اس زمانے کی رسم کے مطابق شراب دور چلانا چاہا اور شراب کے مٹکے کھولے تو سب خالی پائے۔ تمام لوگ پریشان ہو گئے کہ آخر کس طرح ختم ہو گئی۔ پھر حضرت عیسیٰ کو پتہ چلا تو آپ مٹکوں کے پاس پہنچے اور سب کے مونہوں پر ہاتھ پھیرتے رہے اور آپ جس مٹکے کے منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ عمدہ خالص شراب سے بھر جاتا۔ یہ ماجرا سن کر لوگ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے انتہائی درجہ معتقد ہو گئے اور آپ دونوں حضرات کو لوگوں نے بہت مال ہدیہ دیا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ پھر حضرت مریم اپنے لخت جگر کو لیکر دوبارہ بیت المقدس روانہ ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

[1] اسحاق بن بشر کی روایت میں : حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم پہلے شخص ہیں جس نے اپنے بچپن میں زبان کھولی اور پھر جلد ہی وہ کلام و گفتگو کی اور اللہ کی ایسی بزرگی بیان کی کہ کانوں نے اسکے مثل نہ سنی ہو گی، آپ نے سورج کو چھوڑا نہ چاند کو نہ پہاڑ و دریا کو اور نہ کسی اور چیز کو مگر اسکو اللہ کی تمجید میں بیان کر دیا۔ فرمایا

اے اللہ تو اپنی بلندی میں قریب ہے اور تو اپنی قربت میں بلند ہے۔ ہر اپنی مخلوق پر بلند ہے آپ نے اپنے کلمات کے ذریعے ہوا میں سات آسمان ٹھہرا دیئے جو بالکل برابر ہیں اور وہ پہلے دھواں تھے پھر آپکے حکم کو سن کر خوشی سے اس صورت میں آگئے۔ اسمیں تیرے فرشتے ہیں جو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور انمیں آپ نے تاریکیوں کو توڑنے والا نور رکھ دیا اور دن کو زبردست چمکتا سورج رکھ دیا اور ان میں آپ نے کڑک کو رکھا جو آپکی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ پس آپکی عزت کے طفیل اندھیروں پر روشنیاں غالب آکر ہر چیز کو منور کر دیتی ہیں۔ اور آپ نے آسمانوں میں ایسے چراغ رکھ دیئے ہیں جن کے ذریعے اندوہناک اندھیروں کے مسافر راہ پکڑتے ہیں۔ پس اے اللہ آپ پاک ہیں آسمانوں کی بلندی میں اور زمین کے پانی پر ٹھہرنے میں آپ نے اپنی قدرت سے زبردست موجوں والے پانی پر زمین کو بالکل ساکن کر دیا ہے۔ اور بالکل زمین کو عاجزی اور نکھار بننے والا بنا دیا ہے پس زمین کی سختی تیری اطاعت کی بدولت نرم و پست ہو گئی ہے اور تیرے حکم کی بناء پر شرمسار ہو گئی ہے اور تیری عزت کے روبرو اسکی خطرناک موجیں عاجزی اور پستی اختیار کر گئی ہیں۔

اسمیں سمندروں کے بعد دریا و نہریں بہہ پڑی ہیں اور نہروں کے بعد ندی نالے بہہ پڑے ہیں، انکے بعد پھوٹتے چشمے ابل پڑے ہیں۔ پھر آپ نے زمین سے پھلوں درختوں اور طرح طرح کے نباتات کو نکالا پھر آپ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو ٹھونک دیا اور زمین کے نیچے تک پانی پر ان کیلوں کو گاڑ دیا وہ پہاڑ بھی انتہائی تابعداری کے ساتھ آپکی

---

[1] وقال اسحاق بن بشر : انبانا عثمان بن ساج وغیرہ عن موسی بن وردان ، عن ابی نضرۃ ،عن ابی سعید وعن مکحول عن ابی ھریرۃ قال

اطاعت کرنے والے ہو گئے۔

پس اے اللہ آپ بابرکت ذات ہیں، کون اپنی نعمتوں کے ساتھ آپکی صفات بیان کر سکتا ہے؟ اور کون اپنی صفت کے ساتھ آپکی صفت کو پہنچ سکتا ہے؟ آپ بادلوں کو پھیلاتے ہیں؟ اور گردنوں کو آزاد کرتے ہیں۔ حق دلواتے ہیں اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک صاف ہیں، آپ نے آسمانوں کو لوگوں سے چھپا دیا آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ سے صرف عقلمند لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ایسے معبود نہیں جسکو ہم نے خود بنالیا ہو۔ اور نہ ہی ہماری پیدائش میں آپکی کوئی مدد کرنے والا ہے کہ ہم آپ کے متعلق شک کریں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اکیلے اور بے نیاز ہیں۔

آپ نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ آپکو جنم دیا گیا اور آپکے مثل کوئی نہیں ہے۔

[1] اسحاق بن بشر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم بچپن میں گود میں بات چیت کرنے کے بعد کلام سے رک گئے تھے پھر جب لڑکپن کو چھونے لگے یعنی جس عمر میں بچے بولتے ہیں تو اس عمر میں بولنے لگے۔ اور پھر اللہ نے آپ کی زبان پر حکمت وبیان اور بڑی دانائی کی باتیں جاری کر دی تھیں۔ پھر یہود نے آپ اور آپ کی والدہ کے متعلق طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے حتی کہ وہ آپ کو زانیہ کا لڑکا کہتے تھے۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور انکے کفر اور مریم پر بہتان عظیم کی وجہ (سے ہم نے ان پر لعنت کی)

پھر جب آپ سات سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت مریم نے آپکو درسگاہ میں بھیج دیا۔ معلم جب بھی آپ سے کوئی سوال کرتا آپ اس سے پہلے ہی اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے ایک مرتبہ معلم نے آپ کو "ابا جاد" سکھایا حضرت عیسیٰ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا مجھے بھی علم نہیں تو فرمایا جو خود نہیں جانتے اسکو کیا سکھاؤ گے؟ معلم نے کہا اچھا تم مجھے سکھادو تو فرمایا اپنی جگہ سے اٹھو وہ اٹھا تو آپ اسکی مسند پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اب پوچھو کیا پوچھنا ہے؟ کہا مجھے ابا جاد کے متعلق بتاؤ کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے فرمایا الف سے مراد آلاء اللہ ہے یعنی اللہ کی نعمتیں ہیں اور باء سے مراد بہاء اللہ یعنی اللہ کا حسن ورونق۔ اور جیم سے مراد بہجۃ اللہ یعنی اللہ کی خوبصورتی اور تروتازگی۔

تو یہ سن کر معلم مارے تعجب کے حیران رہ گیا۔ تو آپ پہلے شخص تھے جس نے ابا جاد کی تفسیر کی۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا کہ حضرت عثمان نے رسول اکرم ﷺ سے اسکے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ہر کلمے پر طویل حدیث کے ساتھ جواب دیا۔

یہ حدیث موضوع ہے جسکے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسکو ذکر کیا جا سکتا ہے

ابن عدی نے بھی اسکو اسی طرح روایت کیا ہے مگر پھر اسکے متعلق کچھ کلام [2] کیا ہے اور پھر فرمایا یہ حدیث

---

[1] قال اسحاق بن بشر: عن جویبر ومقاتل، عن الضحاك، عن ابن عباس، ان عیسی بن مریم

[2] وهكذا روى ابن عدى من حديث اسماعيل بن عياش، عن اسماعيل بن يحيى، عن ابن ابى مليكه، عن بن مسعود، عن مسعر بن كدام عن عطية عن ابى سعيد، رفع الحديث فى دخول عيسى الى الكتاب وتعليمه المعلم معنى حروف ابى جادر هو مطول لا يفرح به

باطل ہے، اس اسناد کیساتھ اسماعیل کے علاوہ دوسرا کوئی اسکا راوی نہیں ہے۔

اور ابن لہیعہ نے عبد اللہ بن ہبیرہ سے روایت کی ہے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جب بچے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے تھے تو کسی کو بھی فرماتے تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا تیار کیا ہوگا ؟ اگر کہو تو میں بتادوں ؟ لڑکا کہتا ضرور تو آپ فرماتے یہ یہ چیز۔ تو وہ اپنی ماں کے پاس جاتا اور کہتا کہ مجھے کھلاؤ آپ نے میرے لئے کیا تیار کیا ہے ؟ وہ پوچھتی کیا تیار کیا ہے میں نے تمہارے لئے ؟ تو لڑکا کہہ دیتا یہ یہ تو ماں کہتی کس نے تجھے بتلایا تو وہ بتادیتا عیسیٰ بن مریم نے۔

اسی طرح پھر لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اگر بچے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ رہے تو یہ عیسیٰ سب کو خراب کردے گا پھر لوگوں نے بچوں کو ایک جگہ جمع کردیا اور بند کردیا پھر حضرت عیسیٰ انکی تلاش میں نکلے تو ایک گھر میں انکے شور وغل کی آواز سنی پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا بندر اور خنزیر ہیں تو آپ نے فرمایا اے اللہ یوں ہی ہو۔ تو پھر وہی ہوگیا۔ ابن عساکر نے اسکو روایت کیا ہے۔

اور ابن بشر[1] کی ہی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰؑ اپنے بچپن میں اللہ کی طرف سے الہام کردہ عجائبات کا نظارہ کرتے تھے۔ تو یہ بات یہود میں پھیل گئی اور حضرت عیسیٰؑ بھی بڑے ہوگئے تو بنی اسرائیل نے انکے متعلق غلط منصوبے تراشنے شروع کردیئے تو آپکی ماں مریم آپکو لیکر مصر روانہ ہوگئیں اور یہ اللہ کی حضرت مریم کو وحی ہوئی تھی تب آپ انکو مصر لائیں۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو نشانی بنادیا اور ہم نے انکو اونچی جگہ کی طرف ٹھکانہ دیا جو قرار اور جاری پانی کی جگہ تھی۔

بزرگ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے کہ یہ صفات کچھ عجیب و متضاد سی ہیں کہ وہ اونچی جگہ بھی ہو اور بلندی کے ساتھ اسمیں چشمے بھی ہوں اور وہ بھی جاری ساری ہوں تو کہا گیا ہے کہ مکان سے مراد حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش جو بیت المقدس کا نخلستان ہے وہ ہے اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا۔

اسکو اسکے نیچے سے پکاردی کہ نہ رنج کر و بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ جاری کردیا ہے۔

اور سدی کے قول کے مطابق اس سے چھوٹی نہر مراد ہے اور ابن عباسؓ سے جید سند کیساتھ منقول ہے کہ وہ دمشق کی نہریں تھیں تو شاید دمشق کی نہروں کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہو اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مصر میں تھیں اور یہ اسرائیلی حضرات سے منقول ہے۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے جب عیسیٰ تیرہ سال کی عمر کو پہنچے تو خدائی حکم ملا کہ مصر سے لوٹ کر بیت ایلیا آؤ پھر آپکی ماں کے خالو کے بیٹے آئے اور اس نے دونوں کو گدھے پر سوار کرا کر بیت ایلیا پہنچایا وہاں آپکو اللہ نے انجیل دی اور تورات سکھائی اور مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑیوں کو صحیح کرنے کا معجزہ دیا اور دوسرے معجزات سے نوازا۔

---

[1] وقال اسحاق بن بشر، عن جويبر، ومقاتل، عن الضحاك، عن ابن عباس ..... الخ

کتب اربعہ کے نزول اور اوقات

ابو زرعہ دمشقی کی روایت[1] میں ہے کہ تورات موسیٰ پر چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور حضرت داؤد پر بارہ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور یہ زبور تورات کے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی تھی۔ اور انجیل حضرت عیسیٰ ابن مریم پر اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی۔ اور فرقان مجید قرآن مقدس حضور ﷺ پر چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔

اور قرآن کی آیت (شہر رمضان بقرہ ۱۸۵) کے تحت ہم اپنی تفسیر میں اسکے متعلق وارد شدہ احادیث ذکر کر آئے ہیں اور انہی میں ہے کہ انجیل عیسیٰ پر اٹھارہ رمضان میں نازل ہوئی۔ اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ انجیل جب حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تو حضرت عیسیٰ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ اور پھر سر زمین پر تینتیس سال تک رہے تھے کہ اس تینتیس سال کی عمر میں آپکو آسمان پر اٹھالیا گیا جیسے کہ اس کا بیان و تذکرہ عنقریب انشاء اللہ آجائے گا۔

اور اسحاق بن بشر کی روایت[2] میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا: اللہ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو وحی فرمائی اے عیسیٰ میرے دین میں کوشش کر اور کمزور نہ پڑ۔ اور سن اور فرمانبرداری کر۔ اے پاکیزہ کنواری زاہدہ خاتون کے فرزند تو بغیر مرد کے ہوا ہے۔ اور میں نے تجھے جہاں والوں کیلئے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی بھروسہ کر۔ اور کتاب کو مضبوطی سے تھام، اہل سریانی (زبان) کیلئے اسکی تفسیر کر۔ جو بھی تیرے سامنے آئے اسکو خوب سمجھا دے کہ میں حق ہوں اور زندہ قائم ہوں مجھے کبھی زوال نہیں۔ اور تم سب نبی امی عربی کی تصدیق کرو جو تاج اور اونٹوں کی سواری والا ہے اور زرہ اور نعلین (جوتوں) والا ہے اور شاخ کے عصا والا ہے بڑی اور خوبصورت آنکھوں والا کشادہ پیشانی والا ہے۔ اور صاف اور حسین رخساروں والا ہے۔ گھنگریالے بال ہیں گھنی ڈاڑھی ہے۔ ابرو یں ملی ہوئی ہیں۔ باریک اور دراز خوبصورت ناک ہے، کشادہ دانتوں والا ہے۔

ڈاڑھی کے ساتھ ڈاڑھی بچہ ہے اور اسکی گردن گویا خوبصورت چاندی کی ہے اور گویا سونا اسکی نالیوں میں دوڑ رہا ہے اور سینے کے اوپر سے ناف تک بالوں کی باریک لائن ہے گویا کہ خوبصورت باریک ٹہنی ہے۔ اسکے علاوہ اسکے سینے اور شکم مبارک پر کوئی بال نہیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں پر گوشت ہے۔ اور جب آپ کسی طرف متوجہ ہوں تو پورے حسین سراپا کے ساتھ متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب آپ چلتے ہیں تو گویا چٹان سے قدم اکھاڑ کر نشیبی جگہ اتر رہے ہیں، آپکا سینہ کشادہ ہے، اور چہرے میں گویا موتی جھڑ رہے ہیں اور مشک کی خوشبو اس سے پھوٹ رہی ہے اور الحاصل نہ آپ کے بعد نہ آپ سے پہلے آپ جیسا حسین کوئی دیکھا گیا۔

---

[1] وقال ابو زرعة الدمشقي : حدثنا عبدالله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عمن حدثه قال

[2] وقال اسحاق بن بشر : وا بنانا سعيد بن ابى عروبة ، عن قتاده ، ومقاتل عن قتاده، عن عبد الرحمن بن آدم ، عن ابى هريرة

حسین قامت اور بہترین خوشبو والے ہیں۔ عورتوں سے نکاح فرمانے والے ہیں اور تھوڑی نسل والے ہیں۔ آپکی نسل مبارک کیلئے جنت میں زبرجد اور یاقوت سے مرصع شدہ گھر ہوگا۔ جہاں نہ تھکاوٹ ہو نہ شور وشغب ہو اے عیسیٰ تو انکا (یعنی انکے دین کا) آخری زمانے میں کفیل بنے گا جس طرح زکریا تیری ماں کے کفیل بنے۔ اور اس (محمد علیہ الصلاۃ والسلام) کیلئے اسکی امت کے دو شہید بچے ہونگے اسکے لئے میرے ہاں ایسا مرتبہ ہوگا جو کسی انسان کیلئے نہ ہوگا۔ اسکا کلام قرآن ہوگا اور اسکا دین اسلام ہوگا۔ اور اسکو سلام ہے۔ اور خوشخبری ہے اسکو جو اسکا زمانہ پائے اور اسکے زمانے میں حاضر باش ہو اور اسکے کلام کو سنے۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار..... اور کس کس چیز کی ان کے لئے خوشخبری ہوگی۔ فرمایا ایسے عظیم پاکیزہ درخت کی جسکو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اگایا ہے۔ وہ تمام جنتوں کے لئے ہے اور اسکی جڑ رضوان سے ہے انکا پانی تسنیم شراب سے ہے۔ اور اسکی ٹھنڈک کافور کی سی پیاری ہے اور اسکا ذائقہ انجیر کا ہے اور اسکی خوشبو مشک سے بڑھ کر ہے جس نے اس ایک مرتبہ بھی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار مجھے بھی اس سے پلا دیجئے فرمایا تمام پیغمبروں پر وہ اسوقت تک کے لئے حرام ہے جب تک وہ نبی برحق نہ اس سے پی لے۔ اور تمام امتوں کیلئے وہ حرام ہے جب تک کہ اس پیغمبر کی امت نہ پی لے۔

حضرت عیسیٰ کو اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے اپنے پاس اٹھانے والا ہوں عرض کیا اے پروردگار آپ مجھے کیوں اٹھائیں گے ؟ فرمایا میں تجھے اٹھاؤں گا پھر آخر زمانے میں اتاروں گا تاکہ اس پیغمبر کی امت کے عجائبات دیکھے اور تاکہ تو دجال لعین کے قتل پر انکی مدد کرے۔ میں تجھ کو انکے پاس ایک نماز کے وقت کے بعد اتاروں گا پھر تو انکو (وہ) نماز پڑھائے گا۔ کیونکہ وہ امت مرحومہ ہے اور انکے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔

[1] ہشام کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس امت مرحومہ کے بارے میں خبر دیجئے فرمایا وہ احمد کی امت ہے وہ علماء اور حکماء لوگ ہیں گویا کہ انبیاء ہوں۔ وہ مجھ سے تھوڑے پر راضی ہو جائیں گے اور میں بھی انکے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاؤں گا اور انکو لا الٰہ الا للہ کے ساتھ جنت میں داخل کر دوں گا۔

اے عیسیٰ وہ جنت کے تمام رہائشیوں سے زیادہ تعداد میں ہونگے اسلئے کہ کسی قوم کی زبانیں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ ان سے زیادہ تر نہ ہونگی۔ اور کسی قوم کی گردنیں سجدوں میں اتنی نہ گریں گی جتنی کی انکی گردنیں میرے سجدے میں گریں گی۔ ابن عساکر نے بھی اسکو روایت کیا ہے۔

[2] اور ابن عساکر کی ہی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی طرف اللہ جل شانہ نے وحی فرمائی کہ اپنے فکر کے مطابق مجھ سے اپنی حاجت برآئی کرو اور اپنی قیامت کے لئے مجھے ذخیرہ بنالو۔ اور نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرو میں تم سے محبت کرنے لگوں گا اور میرے غیر کی طرف توجہ مت کرو۔

---

[1] وقال هشام بن عمار، عن الوليد بن مسلم، عن عبدالرحمن بن زيد، عن ابيه، ان عيسى قال

[2] وروى ابن عساكر من طريق عبدالله بن بديل العقيلي، عن عبدالله بن عو سجة قال

اور بلاء و مصیبت پر صبر کر اور قضاء الٰہی پر رضاء رکھو اور میری خوشی کے لئے کام کرو اور میری خوشی اسمیں ہے کہ میری اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ اور مجھ سے قریب رہو اور اپنی زبان کو ذکر کے ساتھ زندہ رکھو اور میری محبت تمہارے سینے میں موجزن رہے۔ غفلت کی گھڑیوں کو بیداری کے ساتھ برتو اور سمجھداری کو لازم پکڑو۔ اور میرے راغب ہو اور مجھے سے راہب رہو اور مجھ سے ڈر دخوف کے مارے اپنے دل کو موت وفناء کے حوالے کر دو اور میری خوشی کیلئے رات کی نگہبانی کرو اور میرے پاس سخت دن کی سیرابی کی خاطر اپنے دلوں کو بھوکا پیاسا رکھو۔

خیرات کے کاموں میں اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دو۔ اور جہاں متوجہ ہو خیر کو لے کر پھیلاؤ اور مخلوق میں میری نصیحت کو پھیلاؤ۔ اور میرے بندوں میں عدل برتو۔ بے شک تم پر سینوں کے وسوسوں سے شفاء نازل کر دی اور نسیان کے مرض کو کافور کر دیا اور آنکھوں کو غفلت کے پردوں سے لپیٹ دیا اور تو سانس لیتا ہو ابھی اپنے آپ کو قبضے میں سمجھ۔

اے عیسیٰ ابن مریم جو مخلوق بھی مجھ پر ایمان لائی تو وہ مجھ سے خوفزدہ ہوئی اور جو مجھ سے ڈرا وہ مجھ سے ثواب کا امیدوار ہوا پس میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ ایسے لوگ میرے عذاب سے مامون ہیں جب تک کہ وہ خود نہ بدلیں یا میری سنت کو نہ بدلیں۔

اے پاکباز زاہدہ کنواری کے فرزند:

زندگی کے سانسوں میں اپنے یہ آنسو بہاؤ جیسے کوئی گھربار سے بچھڑنے والا ہے اور دنیا کو الوداع کہنے والا ہے اور دنیا کی لذتوں کو دنیا والوں کیلئے چھوڑ رہا ہو اور اسکی رغبت اللہ کے ہاں خزانوں پر لگی ہو۔ تو اس شخص کی طرح رہ اور اپنے پر رو۔ اور اس دنیا میں کلام کو نرم رکھ اور سلام کو رواج رکھ اور جب لوگوں کی آنکھیں نیند کی وادی میں چلی جائیں، تو تو اس وقت میں ان آنکھوں کو بیداری کی وادی میں لے چل اور قیامت کی آنے والی ہولناکیوں سے محتاط رہ اور سخت زلزلوں سے محتاط رہ اس سے پہلے پہلے کہ نہ اہل وعیال نفع دیں نہ مال کچھ نفع دے۔ اور جب اکڑباز لوگ ہنسی سے اترائیں تب تم اپنی آنکھوں کو رنج وغم کا سرمہ پہناؤ۔ اور اس میں صبر کرنے والے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھنے والے رہو۔ اور اپنی چیزوں کا صابرین کیلئے وعدہ کیا گیا ہے اگر وہ تم کو ملیں تو تم کو بہت ہی خوشی خبری ہے۔ دنیا کو چھوڑ اور اللہ سے قیامت کے روز ثواب کی امید رکھ اور ایسی چیز چکھ جس کا ذائقہ نہ ہو۔ اور اسکی لذت کیف نہ ہو۔ اور دنیا میں میرا پیغام پہنچا کر خوش رہو۔ اور دنیا کی سخت کھردری چیز پر قناعت کرو۔ تم سب کا بدلہ میرے ہاں آکر دیکھ لوگے۔ اور دنیا میں حساب کتاب کے ساتھ عمل کرو کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا۔ اگر تم وہ چیز ہی دیکھ لو جو میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے تیار رکھی ہیں تو تمہارا دل پگھل جائے اور تمہاری جان (مارے خوشی ومسرت کے) نکل جائے۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں فرماتے ہیں..... بلہ کہ ابن طاؤس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت

---

[1] وقال ابو داؤد فی کتاب القدر: حدثنا محمد بن یحیی بن فارس، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن الزھری، عن ابن طاوس

عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھے ہر گز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو تیرے لئے لکھی جا چکی ہے ؟ ابلیس نے کہا آپ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھیں پھر وہاں سے اپنے آپ کو گرائیں پھر دیکھیں آپ زندہ رہیں گے یا نہیں ؟ تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے بندہ مجھے نہ آزمائے میں جو چاہوں گا کروں گا۔۔۔۔

زہری کہتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کی آزمائش نہیں کر سکتا رب اپنے بندے کی آزمائش کر سکتا ہے۔

ابو داؤد[1] میں حضرت طاوس سے مروی ہے کہ شیطان حضرت عیسیٰ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ اپنے کو سچا خیال نہیں کرتے ؟ لہذا اس روشن دان سے اپنے کو گرا کر دیکھئے۔ فرمایا ہلاکت ہو تجھ پر کیا اللہ نے نہیں فرمایا اے ابن آدم مجھ سے اپنے نفس کی ہلاکت کی (آزمائش اور) سوال نہ کر کیونکہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔

[2] اور خالد بن یزید سے مروی ہے کہ شیطان (کسی انسانی بزرگ کے بھیس میں) حضرت عیسیٰ کے ساتھ دس سال یا دو سال تک عبادت کرتا رہا پھر شیطان ایک پہاڑی کے کنارے پر کھڑا ہو کر حضرت عیسیٰؑ سے کہنے لگا اگر میں اپنے جسم کو نیچے گرا دوں تو کیا خیال ہے کہ مجھے صرف وہی مصیبت پہنچے گی ناں جو میرے لئے رکھی ہوئی ہے ؟ فرمایا

میں وہ شخص نہیں ہوں جو اپنے رب کو آزماؤں بلکہ میرا رب جب چاہے مجھے آزما سکتا ہے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ پہچان گئے کہ یہ شیطان لعین ہے (مجھے گمراہ کرنے آیا ہے) پھر آپ اس سے جدا ہو گئے۔

[3] ابن ابی الدنیا میں ابو عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک جبل کی چوٹی پر نماز ادا فرمارہے تھے کہ ابلیس آپکے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ہی وہ شخص ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر چیز قضاء وقدر کے ساتھ ہوتی ہے فرمایا بالکل جی ہاں تو شیطان نے کہا اپنے نفس کو اس پہاڑ سے گرا دیجئے اور کہیئے کہ یہی تقدیر کا مجھ پر فیصلہ ہے۔ فرمایا اے لعین اللہ بندوں کو آزماتا ہے اور بندے اللہ کو نہیں آزما سکتے۔

[4] ابن ابی الدنیا کی ہی روایت میں حضرت سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی ابلیس نے آپ سے کہا اے عیسیٰ بن مریم تیری پرورش کیسی عظیم ہے کہ تو نے بچپن میں گود کے اندر ہی بات چیت کی اور تجھ سے پہلے ایسا کوئی نہ کر سکا آپ نے فرمایا بلکہ پرورش تو اس نے کی ہے جس نے مجھے قوت گویائی دی پھر وہ مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

شیطان نے کہا آپ بھی تو کس قدر ربوبیت کے درجے میں ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں ؟ فرمایا بلکہ ربوبیت تو اسی ذات کی ہے جو ہمیشہ سے مارتا اور زندہ کرتا ہے اور جسکو میں زندہ کروں (اسکے حکم سے) اسکو بھی مارتا ہے پھر اسکو زندہ کرے گا۔

---

[1] وقال ابو داؤد حدثنا احمد بن عبدة ، ابنانا سفیان ، عن عمرو عن طاوس

[2] وحدثنا ابو توبة الربیع بن نافع، حدثنا حسین بن طلحة، سمعت خالد بن یزید قال

[3] وقال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنا شریح بن یونس، حدثنا علی بن ثابت ، عن الخطاب بن قاسم، عن ابی عثمان ، کان عیسیٰ .

[4] وقال ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنا الفضل بن موسی البصری ، حدثنا ابراهیم بن بشار ، سمعت سفیان بن عیینه یقول ....

پھر شیطان نے کہا اللہ کی قسم آپ آسمان میں بھی معبود ہیں اور زمین میں بھی معبود ہیں۔
پھر حضرت جبرئیلؑ نے اپنے ایک پر کے ساتھ شیطان لعین کو ایسا طمانچہ مارا کہ وہ سورج کے سینگوں تک دور ہو گیا پھر دوسرا ایسا طمانچہ مارا کہ وہ گرم ابلتے چشمے تک پہنچ گیا پھر ایک اور تھپڑ رسید کیا تو اسکو ساتویں سمندر میں دھکیل دیا پھر اسکو وہاں دھنسا دیا۔
اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اسکو وہاں چلایا حتی کہ اس نے وہاں کیچڑ کا ذائقہ چکھا۔ پھر وہاں سے نکلا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے پھر ملاقات ہوئی تو کہنے لگا اے ابن مریم جیسی میں نے تجھ سے ملاقات کی ایسی کسی سے نہیں کی۔ (یعنی آپکی ملاقات سے خوب سزا کھائی)
لہ حافظ ابو بکر خطیب کی روایت میں اسی طرح کے واقعے کو مزید تفصیل واضافہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس میں نماز ادا فرمائی پھر واپس پلٹے۔ کسی گھاٹی کے قریب پہنچے تو شیطان ابلیس سامنے آیا اور آپکو گھیر کر بات چیت کرنے لگا پھر اپنی ہٹ دھرمی پر آیا اور کہتا رہا کہ آپ بندے نہیں ہو سکتے لیکن آپ اسکو دفع کرتے رہے مگر وہ تھا کہ پیچھے پڑا رہا کہ اے عیسیٰ آپ بندے تو نہیں ہو سکتے آخر حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کے ساتھ پناہ مانگی تو حضرت جبرئیلؑ اور میکائیل آئے اور ان کو دیکھ کر ابلیس رک گیا جب دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گھاٹی میں ٹھہرے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابلیس کو پر مارا اور وادی یعنی گھاٹی کے پچھوں بیچ پھینک دیا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس شیطان دوبارہ آگیا اور سمجھا کہ فرشتے بس اتنا ہی کرنے آئے تھے اور پھر حضرت عیسیٰؑ کو کہنے لگا میں آپکو خبر دیتا ہوں کہ آپ کسی کے بندے نہیں ہو سکتے کیونکہ آپکا غصہ بندے کا سا غصہ نہیں ہے۔ اور آپکے غصہ کی بناء پر اب میں نے ایسی اذیت دیکھی۔ لہذا اب میں آپکو آپکے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں بھی شیاطین کو حکم دوں گا وہ آپکے ساتھ ہو جائیں گے اور آپکے غلام ہو نگے آپکی اتباع کریں گے۔ لہذا جب انسان دیکھیں گے کہ شیاطین و جن بھی آپکی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انسان بھی آپکی بندگی کرنے لگیں گے اور میں یہ غلط بات نہیں کہتا کہ آپ ہی تنہا معبود ہیں بلکہ آسمان میں اللہ معبود رہے گا اور زمین میں آپ معبود ہو نگے۔
حضرت عیسیٰؑ نے اسکی یہ بکواسات سنی تو آپ چیخ پڑے اور اپنے رب کو پکار پکار کر فریاد کی تو تب فوراً اسرافیلؑ اترے اور حضرت جبرئیلؑ و میکائیل نے ابلیس کی طرف نظر ڈالی تو ٹھٹھک کر رک گیا پھر جب آپ حضرت عیسیٰؑ فرشتوں کے ساتھ ٹھہرے گئے تو اسرافیل علیہ السلام نے ابلیس کو دوبارہ ایک طمانچہ رسید کیا اور پھر ابلیس تو ابلیس ہے حضرت عیسیٰ کے پاس آکر کہنے لگا آج میں نے آپ کی وجہ سے سخت مشقت و تکلیف اٹھائی ہے فرشتے نے پھر ایک رسید کیا اور سورج تک دے مارا اور پھر ابلیس کو گرم چشمے کے پاس سات فرشتوں نے پایا انہوں نے اسکو خوب اندر غوطے دیئے جب بھی نکلتا پھر غوطہ دیدیتے پھر اللہ کی قسم ابلیس حضرت عیسیٰؑ کے پاس دوبارہ کبھی نہ آیا۔

لہ وقدروی نحو هذا باسط منه من وجه آخر ، فقال الحافظ ابو بكر الخطيب : اخبرني ابو الحسن بن رزقويه ابنا نا ابو بكر احمد ابن سيدي، حدثنا ابو محمد الحسن بن علي القطان، حدثنا اسماعيل بن عيسى العطار ابنا نا علي بن ، عاصم ، حدثني ابو سلمه سويد عن بعض اصحابه ، قال .

راوی کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل عطار نے بیان کیا کہ ہم کو بھی ابو حذیفہ نے بیان کیا فرمایا کہ اس واقعے کے بعد شیطان کی ذریت اسکے پاس اکٹھی ہوئی اور چاپلوسی کرنے لگی کہ اے ہمارے سردار آپ نے آج بہت ہی تکلیف و مشقت اٹھائی۔ تو شیطان نے کہا یہ معصوم بندہ ہے اسپر میرا کوئی بس چلتا ہی نہیں کیا کروں ؟ جبکہ میں نے ان گروں سے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور انمیں مختلف خواہشات کو بھر دیا اور انکو میں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور خود اس عیسیٰ کی قوم کو گمراہ کر دیا اور یہ حضرت عیسیٰ اور اسکی ماں کو معبود بنانے لگ گئے۔

اور اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اے عیسیٰ بن مریم اپنے اور اپنی والدہ پر میری نعمت کو ذکر کر جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری مدد کی تو لوگوں سے گود اور بڑھاپے مین بات کرنے والا ہے۔ اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے پرندوں کی شکلیں بناتا تھا...... الخ۔

یعنی اللہ نے اپنی بہت سی عظیم نعمتیں آپ پر فرمائی جن میں یہ بھی فرمائی کہ شیطان سے جبرئیل کے ذریعے حفاظت کی۔ اور میں نے آپکو مددگار صحابہ حواری عطا کیئے۔

اور عنقریب بنی اسرائیل آپکو کہیں گے ہم نے روزے رکھے مگر ہم سے روزے قبول نہ کیئے گئے اور ہم نے نمازیں پڑھیں مگر قبول نہ ہوئیں ہم نے آہ وبکا گریہ وزاری کی مگر ہم پر رحم نہ ہوا تو تو ان کو کہنا یہ کیا بات ہے کیا چیز مجھ (اللہ) کو اس سے روکتی ہے ؟ کیا میرے ہاتھ کم پڑ گئے ؟ کیا آسمان وزمین کے خزانے میرے ہاتھ میں نہیں ہیں اور میں جیسے چاہوں خرچ نہیں کروں؟ کیا بخل مجھے لاحق ہو گیا ہے ؟ کیا جن سے سوال کیا جائے انمیں میں سب سے زیادہ سخی نہیں ہوں ؟ اور کیا میں دینے والوں میں سب سے زیادہ دینے والا نہیں ہوں ؟ کیا میری رحمت تنگ ہو گئی ہے ؟ یا جبکہ رحم کرنے والے میرے رحم کی بدولت ہی رحم کرتے ہیں۔

(پس اور کچھ نہیں اللہ تمہارے دلوں کے کھوٹ کو خوب جانتا ہے)

اے عیسیٰ ابن مریم .... جو حکمت آپ انکے قلوب میں پھونکتے ہیں اگر یہ اسپر دنیا کو ترجیح نہ دیتے اور آخرت کو پس پشت نہ ڈالتے تو انکو کہاں کہاں سے رزق ملتا اور اور تب یہ جان لیتے کہ انکے نفوس ہی اسکے سب سے بڑے دشمن ہیں (اور تم ہی بتاؤ) میں کیسے انکے روزے قبول کرلوں جبکہ حرام غذاؤں سے یہ روزے رکھتے اور کھاتے ہیں اور میں کیسے انکی نمازوں کو قبول کرلوں جبکہ انکے دل میرے دشمنوں کی طرف جھکے پڑے ہیں جو میرے حرام کردہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور میں کیسے انکے صدقات کو قبول کرلوں جبکہ وہ لوگوں پر ناجائز غصہ کر کے حرام طریقے سے مال کو حاصل کرتے ہیں۔

اے عیسیٰ میں ایسے اعمال کا ایسا ہی انکو بدلہ دوں گا۔

(افسوس افسوس) میں کیسے انکے آہ وبکاء پر رحم کروں جبکہ انکے ہاتھوں سے انبیاء کے معصوم خون کے قطرے ٹپکتے ہیں ؟ بس میں تو انپر غضب وجلال کو ہی زیادہ کروں گا۔

اے عیسیٰ ...... میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو مجھ تنہا کی عبادت کرے گا اور تم ماں بیٹے کے متعلق صرف میری بات ہی کہے گا تو ایسے لوگوں کو میں جنت میں آپکا ساتھی بنا دوں

گا اور منازل وکرامت میں آپکے شرکاء بنادوں گا۔

اور میں نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو تجھے اور تیری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنائے گا تو ان کو میں جہنم کے نچلے نچلے طبقے میں جھونک دوں گا اور میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں ان انبیاء کے اور دین کے سلسلے کو جاری ساری رکھوں گا اور اپنے خاص بندے محمد پر اسکو ختم کروں گا اور انبیاء ورسل کے سلسلے کو انپر تمام کر دوں گا اور انکی جائے پیدائش مکہ ہوگی جائے ہجرت (مدینہ) طیبہ ہوگی اور اسکی سلطنت شام ملک تک وسیع ہو جائے گی۔ وہ سخت نہ ہونگے اور نہ بازاروں میں شور کریں گے اور نہ فحش زیب وزینت اپنائیں گے اور نہ بری بات کے ساتھ منہ کھولیں گے۔ میں ہر اچھے خوبصورت کام میں انکی مدد اور درستگی کروں گا۔ اور ہر کریم عادت واخلاق سے انکو نواز دوں گا تقویٰ کو انکا ضمیر بنادوں گا اور انکا ہر حکم معقول ہوگا اور وفاداری انکی طبعیت وسرشت میں داخل ہوگی۔ عدل وانصاف انکی سیرت ہوگی۔ حق انکی شریعت ہوگی اور اسلام انکی ملت ہوگی انکا نام (آسمانوں میں) احمد ہوگا میں انکو ناواقفی کے بعد ہدایت وسیدھے راستے پر گامزن کردوں گا۔ اور بے علمی کے بعد علم کی دولت سے فیضیاب کردوں گا۔

اور فقر کے بعد غنیٰ سے مالا مال کردوں گا۔ اور انکو رفیع المرتبت کردوں گا۔ اس پیغمبر کے ذریعے میں لوگوں میں ہدایت کی شمع روشن کردوں گا۔ اور بہرے کانوں کو اسکی آواز ہدایت کے ساتھ واکردوں گا۔ بند دلوں کے تالے کھول دوں گا اور مختلف ومتفرق خواہشات سے لوگوں کو اسکی بدولت چھٹکارا ملے گا۔ اسکی امت کو سب سے بہتر امت بناؤں گا جو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے نکالی جائے گی۔ وہ امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کریں گے۔

اور سب میرے نام میں مخلص ہونگے اور میرے پیغمبر کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کریں گے۔ انکی مساجد مجالس وبیوت وٹھکانوں اور ہر ہر جگہ میں انکو تسبیح وتقدیس وتہلیل الہام کردوں گا۔ میرے لئے قیام کی حالت میں رکوع کی حالت میں قعود کی حالت میں سجود کی حالت میں ہر طرح سے نماز پڑھیں گے۔ اور صف در صف اور جھمگھٹوں میں میرے لئے قتال کریں گے۔ انکی قربانیاں، انکا اپنے جانوروں کا صرف خون پیش کرنا ہوگا اور انکی کتاب (قرآن) انکے سینوں میں محفوظ ہوگی۔ انکی قربانی (کے گوشت) انکے شکموں میں ہوگی۔

رات میں راہب ہونگے اور دن میں (کافروں کے روبرو گرجتے) شیر ہونگے۔

یہ میرا فضل ہے جسکو چاہوں میں عطا کروں۔ اور میں عظیم فضل والا ہوں۔

اور ہم سورہ صف اور مائدہ کے تحت اس گفتگو کے کئی زاویئے درست ثابت کرینگے۔ انشاء اللہ العزیز

ابو حذیفہ اسحاق بن بشر اپنی اسنادوں کے ساتھ کعب احبار اور وہب بن منبہؒ اور ابن عباس اور سلیمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں انکی آپس میں بات چیت ہوئی۔

کہنے لگے جب حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا اور آپ انکے پاس کھلے عام دلائل ومعجزات کے ساتھ تشریف لائے تو تب بھی وہ (بدبخت) آپکا مذاق اڑاتے اور تعجب کرتے رہے وہ آپ سے

ازراہ مذاق پوچھتے کہ اچھا بتاؤ فلاں نے گذشتہ رات کیا کھایا اور اپنے گھر میں کیا ذخیرہ کر کے رکھا تو آپ بھی انکو صحیح خبر دیدیتے اس سے مومنوں کا ایمان بڑھ جاتا اور کافروں اور منافقوں کا شر اور کفر بڑھ جاتا۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰؑ کا کوئی گھر نہ تھا جس میں ٹھکانا پکڑتے اللہ کی زمین میں چکر لگاتے رہتے اور آپکی کوئی جائے قرار بھی نہ تھی اور نہ ایسی کوئی جگہ ہی تھی جہاں آپ کو تلاش کیا جاسکے اور سب سے پہلے آپ نے جو مردے کو زندہ فرمایا اسکی صورت یوں بنی کہ ایک مرتبہ آپ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی گریہ وزاری میں مشغول تھی۔ آپ نے اس کو کہا اے خاتون تجھے کیا ہو گیا ہے ؟ عرض کیا میری بیٹی لخت جگر فوت ہو گئی ہے جبکہ اسکے سوا میری کوئی اور اولاد بھی نہیں۔ پس میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ میں اس کی قبر سے جدا نہ ہونگی جب تک کہ یا تو میں بھی وہی چیز (موت) نہ چکھ لوں جو اس نے چکھی ہے یا پھر اللہ انکو میرے لئے زندہ کرے پس آپ ہی دیکھئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہا اگر میں اسکو دیکھوں تو آپ واپس لوٹ جاؤ گی ؟

عرض کیا جی ہاں کہتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر آکر قبر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور آواز دی۔

اے فلانی اللہ رحمٰن کے حکم سے کھڑی ہو جا اور نکل آ تو آپ کا یہ فرمانا تھا کہ قبر میں حرکت شروع ہو گئی آپ نے پھر آواز دی تو قبر اللہ کے حکم سے پھٹ پڑی آپ نے پھر تیسری مرتبہ آواز دی تو وہ لڑکی سر سے مٹی جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

حضرت عیسیٰؑ نے اس سے پوچھا تو نے دیر کس وجہ سے لگائی ؟ عرض کیا جب پہلی مرتبہ آواز آئی تو اللہ نے فرشتے کو بھیجا اس نے میرے اعضاء کو حکم الٰہی سے درست کیا اور میرے جسم کو جوڑا پھر دوسری مرتبہ آواز آئی تو میری جسم میں روح ڈال دی گئی پھر تیسری مرتبہ آواز آئی تو مجھے خوف لگا کہ یہ قیامت کی چیخ تو نہیں اسکے ڈر سے میرا سر سفید ہو گیا۔ اور میری پلکیں اور ابرویں بھی قیامت آنے کے خوف سے فوراً سفید ہو گئیں پھر لڑکی اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا ہائے اماں..... آپکو کس چیز نے برانگیختہ اور مجبور کیا کہ آپ نے مجھے دوبارہ اٹھوایا ہے اماں..... آپ کاش صبر کرتیں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھتیں مجھے دنیا کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

پھر حضرت عیسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئی۔ اے اللہ کے کلمے اور اسکی روح میرے رب سے یہ بھی فریاد کر دیجئے کہ مجھے واپس آخرت کی طرف لوٹادے اور موت کی سختی کو مجھ پر آسان کر دے تو حضرت عیسیٰؑ نے اسکی بات بھی قبول کی اور اپنے رب سے دعا کر دی اور وہ لڑکی واپس موت کی آغوش میں چلی گئی اور زمین اسکو اپنے اندر لے گئی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک عظیم معجزے کا ظہور ہوا اور آپ کی عزت و عظمت کا چاند مزید آب و تاب کے ساتھ منور ہوا اور اسو جہ سے جب یہ ماجرا یہود کے کانوں میں پڑا تو یہود حضرت عیسیٰ پر مزید سخت غضبناک ہو گئے۔

اور اسی مضمون کے موافق ہم حضرت نوحؑ کے قصے کے بعد ذکر کر آئے ہیں کہ بنی اسرائیل نے

حضرت عیسیٰؑ سے سام بن نوح کو دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کا سوال کیا اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا فرمادی پہلے دوگانہ ادا فرمائی پھر بارگاہ اجابت میں ہاتھ اٹھائے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کیلئے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں یہ معجزہ بھی ظاہر فرمادیا اور سام بن نوح زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور پھر انکو حضرت آدمؑ کی کشتی اور اسکے متعلق دیگر باتیں اور خبریں ذکر کیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے دوبارہ بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھائے اور سام بن نوح دوبارہ موت کی وادی میں چلے گئے۔

اسی طرح سدیؒ نے ابو صالح اور ابو مالک کے واسطے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ (حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں) بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ تو اسکو جنازے کی چارپائی پر اٹھا لیا گیا تھا تو اتنے میں حضرت عیسیٰؑ تشریف لے آئے اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو وہ بادشاہ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر تمام لوگوں نے ہیبت زدہ اور عجیب و غریب منظر دیکھ لیا۔

اور اللہ تعالیٰ جو سچوں میں سب سے بڑے سچے ہیں فرماتے ہیں۔

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم اپنے اور اپنی والدہ پر میری نعمت کا ذکر کر جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری تائید کی۔ تو گود اور بڑھاپے میں لوگوں سے بات کرے گا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندوں کی ہیئت بناتا تھا پھر اسمیں پھونکتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اور تو میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتا ہے اور میرے حکم سے مردوں کو (زندہ) نکالتا ہے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو انکے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تھا تو ان میں سے کافروں نے کہا تھا کہ یہ صرف کھلا جادوگر ہے۔ اور جب میں نے حواریین کو وحی کی (یعنی دل میں ڈالا) کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ۔ تو کہنے لگے ہم ایمان لے آئے اور گواہ بن جایئے کہ ہم تابعداری کرنے والے ہیں۔[1]

اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ انپر اپنی نعمت اور احسان ذکر فرمارہے ہیں کہ آپ پر نعمتیں فرمائیں اور آپکی والدہ پر کہ انکو عورتوں میں سب سے اونچا مرتبہ دیا اور کافروں کے بہتان کو آپ سے دور کیا اور حضرت عیسیٰ کو کتاب سکھائی، عطا کئے جانے سے مراد ہے ان کو پڑھنا، لکھنا، سکھانا اور اندھوں کو اچھا کرنا، وہ بھی ایسے اندھوں کو جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوئے ہوں اور کوئی حکیم ڈاکٹر ایسے اندھے کو درست نہیں کر سکتا۔ اور پھر فرمایا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا یعنی جب وہ آپکو سولی پر چڑھانے کیلئے اکٹھے ہوئے تو آپکو اپنے پاس اٹھا لیا۔ اسی طرح سورہ آل عمران کی اڑتالیس سے چون آیات تک حضرت عیسیٰ کی انہی صفات کو ذکر کیا گیا۔

حاصل کلام اللہ نے ہر نبی کو اس زمانے کے مطابق معجزات سے نوازا مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادوگروں کا غلبہ تھا۔

تو انہیں کے مطابق آپکو جادوگروں کا زور توڑنے والے معجزات سے نوازا۔ پھر حضرت یحییٰؑ کا زمانہ حکماء اور اطباء کا تھا تو آپکو ایسے معجزات سے نوازا جو ہر حکیم و طبیب کو انگشت بدنداں کردے کہ کوڑھی کو ہاتھ پھیرا اچھا

[1] مائدہ ۱۱۰ تا ۱۱۱

ہو گیا اور اندھے کو ہاتھ پھیرا اچھا ہو گیا، اسی طرح لولھا لنگڑا اور بھی زندگی کے تمام بڑے مرضوں سے آپکو شفاء عطا کرنے کی اہلیت دی گئی۔

حتیٰ کہ موت کا علاج یعنی انکو زندہ فرمادیتے تھے۔

پھر اسی طرح خاتم النبین حضرت محمد ﷺ فصحاء بلغاء یعنی شیریں زبان زور بیان والوں کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اور اللہ نے آپ پر وہ عظیم کلام پیش کیا کہ تمام عرب کیا، تمام دنیا کے انس، نہیں بلکہ جنات تک بھی، تمام مل کر اسکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہو گئے، چلو پورے قرآن پر نہ سہی پھر دس سورتوں کا چیلنج آیا، پھر ایک سورت کا تکرا تمام انسانیت بھی ایک تین آیتوں کی سورت کے مثل پیش کرنے سے عاجز ہو گئی۔

حاصل مقصود جب حضرت عیسیٰ نے انپر تمام حجت و براہین قاطع قائم فرمادیں تو پھر بھی انکے اکثر لوگ اپنے کفر و ضلالت اور عناد و ہٹ دھرمی پر اڑے رہے لیکن خدا کے کرم سے ان کے درمیان سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مددگار بن گیا آپ پر ایمان یقین لایا۔ اور ایسے وقت میں کافروں نے کسی بادشاہ کے پاس انکی چغلی کھائی پھر وہ حضرت عیسیٰ کے قتل پر متفق ہو گئے۔ لیکن اللہ نے انکے ناپاک عزائم کو تکمیل تک نہ پہنچنے دیا بلکہ انہی قاتل کفار میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی صورت ڈال دی اور وہ اسکو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر بیٹھے بعد میں اللہ نے عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اب تک یہود کا یہی خیال ہے اور کچھ نصاری نے بھی انکی حمایت کی۔ مگر دونوں فریق غلطی میں ہیں اور جھوٹے ہیں اسی کو اللہ نے آل عمران میں فرمایا۔

اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور سب تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا وہ ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی مشن دعوت و تبلیغ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے سورہ صف میں اسکو کافی قدر تفصیل سے بیان فرمارہے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے :۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جنکا نام احمد ہو گا انکی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے ظالم کون کہ بلایا جائے اسلام کی طرف اور وہ خدا پر جھوٹا بہتان باندھے اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر خوش ہی کیوں نہ ہوں وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔ مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں ؟ جو تمہیں عذاب الیم سے خلاصی دے (وہ یہ کہ) خدا اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال کا جہاد کرو۔ اگر سمجھو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور

ایک اور چیز جسکو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) خدا کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب (ہوگی) اور مومنوں کو (اسکی) خوشخبری سناؤ۔ مومنو! خدا کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا (بھلا) کون ہیں جو خدا کی طرف (بلانے میں) میرے لئے مددگار ہوں گے، حواریوں نے کہا کہ ہم خدا کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر کار ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔

اس طرح حضرت عیسیٰ جو بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں انہوں نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر سب انبیاء کے خاتم حضرت محمد ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی۔ تاکہ جب وہ آئیں تو بنی اسرائیل بھی انکی اتباع و پیروی کریں۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے کامیابی و کامرانی ہے۔

جیسے فرمان الٰہی ہے :-

وہ لوگ رسول پیغمبر امی کی اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ وہ انکو امر بالمعروف کرے گا اور نہی عن المنکر کرے گا اور پاکیزہ اشیاء انکے لئے حلال کرے گا خبیث اشیاء انپر حرام قرار دے گا اور ان سے انکے بوجھ اور انپر پڑے طوقوں کو اتار دے گا۔ پس جو شخص اس پر ایمان لائے اور اسکی توقیر کی اور اسکی مدد کی اور اسی نور کی اتباع کی جو اسکے لئے نازل کیا گیا۔ تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں مجھے ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے نقل کیا خالد اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے فرمایا

اے رسول ہمیں اپنے متعلق کچھ خبر دیجئے تو فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی خوشخبری ہوں اور جب میں والدہ کے پیٹ میں آیا تو میری والدہ نے دیکھا گویا ایک نور ان سے نکلا اور اس نے سرزمین شام تک بصری کے محلات کو روشن کر دیا۔

عرباض بن ساریہ اور ابو امامہ حضور اکرم ﷺ سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اسمیں آپ نے فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰؑ کی خوشخبری ہوں۔ اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ جب حضرت ابراہیم نے کعبہ تعمیر فرمالیا تو دعا کی

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم

ہمارے پروردگار ان کے اندر انہی میں سے رسول بھیج دیجئے

اور جب نبوت بنی اسرائیل میں منقطع ہو گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا سلسلہ منتہی ہو گیا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی میں بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر نہ آئے گا بلکہ ایک عربی نبی امی آئیں گے۔ جو خاتم الانبیاء ﷺ ہونگے اور وہ پورے جہاں کیلئے ہمیشہ کے واسطے پیغمبر ہونگے۔ اور وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہونگے اور اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد سے ہونگے۔

مذکورہ آیتوں میں فرمایا جب انکے پاس پیغمبر واضح نشانیاں لے آئے تو کہنے لگے یہ کھلا جادو ہے۔
اس پیغمبر سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں یا پھر حضور اکرم ﷺ مراد ہیں۔ اور آگے ایک جگہ فرمایا ایک گروہ ایمان لایا۔ اور ان میں اہل انطاکیہ بھی تمام شامل ہیں۔ اور آپ (عیسیٰؑ) نے انکی طرف حضرت شمعون کو بھیجا تھا۔ اور یہ قصہ اصحاب رس سے مختلف واقعہ ہے یعنی وہ دوسرا زمانہ تھا اور یہ زمانہ دوسرا ہے سورہ یٰس میں اہل انطاکیہ والے مسلمان نہ ہوئے تھے اور یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور کافروں میں یہود آپ (عیسیٰؑ) پر ایمان نہ لائے تھے۔

☆
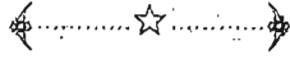
دستر خوان کا قصہ

فرمان الٰہی ہے: جب حوارین نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کرے (تو حضرت عیسیٰ نے) فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو؟ کہنے لگے ہمارا خیال ہے کہ ہم اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اور ہم اسپر گواہ ہو جائیں۔ تو عیسیٰ ابن مریم نے (دعا کرتے ہوئے) کہا اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تاکہ وہ ہمارے اول وآخر کیلئے خوشی ہو اور آپکی طرف سے نشانی ہو اور ہم کو رزق عطا فرمایئے اور آپ بہترین رزق عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا میں اسکو تم پر نازل کروں گا پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو میں اسکو ایسا عذاب دوں گا کہ میں نے جہاں والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت سلیمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بزرگوں سے اس دستر خوان کی تفسیر میں منقول ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حوارین کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب انہوں نے تیس دن پورے کر لئے تو حضرت عیسیٰ سے آسمان سے دستر خوان اترنے کی درخواست کی۔

تاکہ اسی سے کھائیں اور عظیم معجزے کو دیکھیں اور انکے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور پھر یہ انکی عید کا دن ہو اور وہ عظیم دستر خوان ان تمام کیلئے کافی ہو فقیر مالدار اول وآخر سب کے لئے کثیر ہو۔

لیکن حضرت عیسیٰؑ نے انکو منع فرمایا کہ مبادا تم سے اسکا شکر ادا نہ ہو سکے، لیکن نصاریٰ مومن لوگ بھی مصر اور بضد رہے کہ نہیں بس آپ اللہ سے سوال کر دیں۔

تو پھر حضرت عیسیٰ نے مجبوراً اپنی جائے نماز پر کھڑے ہوئے اور باتوں کا فقیرانہ لباس پہن لیا اور سر جھکا لیا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور خوب عاجزی وانکساری سے دعا کی اور عرض کیا کہ انکی مطلوبہ شئی کو اتار دیا جائے۔

پھر اللہ نے آسمان سے دستر خوان نازل فرمایا اور سب لوگ اسکو دو بادلوں کے بیچ میں اترتا دیکھ رہے تھے اور آہستہ آہستہ قریب ہو رہا تھا۔ اور جب بھی کچھ آگے بڑھتا حضرت عیسیٰ دعا کرتے اے اللہ اسکو رحمت بنا عذاب نہ بنا اور اس کو برکت وسلامتی بنا حتیٰ کہ دستر خوان آکر حضرت عیسیٰ کے سامنے ٹھیر گیا اور اسپر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ کھڑے ہوئے اور عرض کر رہے تھے۔

بسم اللہ خیر الرازقین

اللہ کے نام سے جو رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے

---

[1] مائدہ، ۱۱۲ تا ۱۱۵

اور حضرت عیسیٰؑ نے اسکو کھولا تو اسمیں سات مچھلیاں سات روٹیاں اور سر کہ تھا۔ اور کہا جاتا ہے انار اور دیگر پھل تھے اور انتہائی تیز پیاری خوشبو تھی۔ اور اللہ کا اسکو ہو جا کا حکم ملا تھا وہ وجود میں آکر آسمان سے سامنے آگیا۔

پھر حضرت عیسیٰؑ نے انکو کھانے کا حکم فرمایا تو کہنے لگے ہم تب تک نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھالیں تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تم نے سوال کی ابتداء کی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی آگے نہ ہوئے تو آخر کار حضرت عیسیٰؑ نے فقراء محتاج و مساکین اور مریضوں لولے لنگڑوں کو حکم فرمایا وہ تیرہ سو افراد تھے ان سب نے کھایا اور خدا کے فضل سے جسکو بیماری تھی سب ختم ہوگئی۔ اب ان لوگوں نے جنہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا بڑی پشیمانی و ندامت اٹھائی کہ اگر ہم کھالیتے تو ہم بھی صحیح سالم ہو جاتے پھر کہا گیا ہے کہ وہ خوان ہر روز ایک مرتبہ اترتا تھا۔ اور لوگ اس سے کھاتے تھے۔ آخری شخص بھی اسی طرح صاف اور سیر ہو کر کھاتا تھا جس طرح پہلا شخص کھاتا تھا حتی کہ سات ہزار افراد اس سے کھاتے تھے۔ پھر یہ دستر خوان آتا رہا پھر اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو حکم فرمایا کہ اس دستر خوان کو فقراء و مساکین تک رکھو اور مالدار لوگوں کو منع کر دو۔ تو یہ بات منافقین اور بہت سے لوگوں پر شاق گذری اور اسکے متعلق ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ پھر دستر خوان بالکل آنا بند ہو گیا اور جن لوگوں نے اسکے خلاف باتیں کی تھیں وہ خنزیروں سے تبدیل ہو گئے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر کی روایت[1] میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آسمان سے دستر خوان اترا (اور اسمیں) روٹی اور گوشت تھا۔ اور انکو حکم ملا کہ خیانت نہ کریں اور ذخیرہ نہ کریں اور نہ کل کے لئے اٹھا رکھیں۔ لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور اٹھا کر رکھا تو وہ بندروں اور سوروں میں تبدیل ہو گئے[2]۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ عمار پر موقوف ہے اگر مرفوع ہوتی تو یہ قصہ حتمی طے ہو جاتا کہ دستر خوان اترا ہے کیونکہ اسمیں بھی اختلاف ہے کہ آیا دستر خوان پھر اترا بھی تھا یا نہیں۔

جمہور کے نزدیک اترا تھا۔

جبکہ ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد اور حسن ابن ابی الحسن البصری سے نقل کیا ہے دونوں نے فرمایا کہ جب اللہ نے فرمایا کہ اگر تم نے نازل ہونے کے بعد ناشکری کی تو تم کو سخت عذاب دوں گا تو وہ اس ضد سے باز آگئے تھے۔ اسی وجہ سے نصاریٰ کے ہاں اور انکی کتابوں میں دستر خوان کے قصے کی تفصیل نہیں ملتی۔

اور تفسیر میں ہم اسپر مفصل کلام کر آئے ہیں۔

---

[1] ثم رواه ابن جرير عن بندار، عن ابن ابی عدی، عن سعيد، عن قتادة، عن خلاس، عن عمار موقوفاً وهذا اصح وكذا رواه من طريق سماك، عن رجل من بنی عجل، عن عمار موقوفاً وهو الصواب وخلا عن عمار منقطع والله اعلم

[2] وروى ابن ابی حاتم وابن جرير جميعا، حدثنا الحسن بن قزعة الباهلی، حدثنا سفيان بن حبيب، حدثنا سعيد بن ابی عروبه، عن قتادة عن خلاس، عن عمار بن ياسر، عن النبی ﷺ

حضرت عیسیٰؑ کے بعض احوال اور مواعظ

[1] ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے ایک مرتبہ آپکو گم پایا کسی نے کہا وہ سمندر کی طرف گئے تھے تو حواری آپکی تلاش میں ادھر کو نکلے جب سمندر تک پہنچے تو دیکھا کہ آپ سمندر پر چل رہے تھے۔ کبھی کوئی موج آپکو اوپر اٹھاتی پھر کوئی موج آپکو نیچے اتار دیتی۔ اور آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک چادر کی ازار (لنگی) باندھ رکھی تھی۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو ایک نے کہا (ابو ہلال کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ انکا اچھا اور صاحب مرتبہ آدمی تھا اس نے کہا) کیا میں آپکے پاس نہ آجاؤں اے اللہ کے نبی؟ فرمایا کیوں نہیں۔

پھر اس آدمی نے ایک قدم پانی پر رکھا اور دوسرا رکھنے لگا تھا کہ چیخا اوہ :۔ اے اللہ کے پیغمبر میں تو غرق ہو رہا ہوں آپ نے فرمایا مجھے اپنا ہاتھ دے اے کم ایمان شخص اگر ابن آدم کا جَو کے برابر بھی یقین درست ہو تو وہ پانی پر چل پڑے۔[2]

[3] ابن ابی الدنیا ہی میں حضرت فضیل بن عیاضؒ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو کہا گیا اے عیسیٰؑ کس چیز کے ساتھ آپ پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا ایمان ویقین کے ساتھ لوگوں نے کہا پھر ہم بھی ایمان لائے اور یقین کیا۔ تو فرمایا تب تم بھی چلو۔ کہنے لگے ہم موج سے ڈر گئے تھے فرمایا کیا تم موج کے رب سے نہیں ڈرے؟ پھر آپ نے ان کو نکالا پھر زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی اٹھائی پھر ہاتھ کھول دیا تو ایک ہاتھ میں سونا تھا اور دوسرے ہاتھ میں مٹی تھی۔ تو آپ نے پوچھا کہ تمہارے دلوں میں کونسی چیز زیادہ پسندیدہ ہے؟ کہنے لگے سونا۔ فرمایا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں اور ہم یحییٰ بن زکریا کے قصے میں پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بالوں کا لباس پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور آپ کا کوئی گھر تھا نہ اہل نہ مال، نہ آئندہ کل کیلئے کچھ بچا رکھتے بعض کہتے ہیں آپ اپنی ماں کے کاتے ہوئے سوت کی کمائی کھاتے تھے۔

ابن عساکرؒ نے حضرت شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جب قیامت کا ذکر کیا جاتا تو آپ چیخ پڑتے اور فرماتے ابن مریم کیلئے مناسب نہیں کہ اسکے پاس قیامت کا تذکرہ ہو اور وہ بھی خاموش رہے۔

اور عبدالملک بن سعید بن ابحر سے منقول ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کی نصیحت و وعظ کو سنتے تو ایسے چیختے جیسے کسی ماں کا اکلوتا بچہ گم ہو گیا ہو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے کہا ہمیں جعفر بن بلقان نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ دعا کرتے تھے۔

---

[1] قال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنا رجل سقط اسمه ، حدثنا حجاج بن محمد ، حدثنا ابو هلال محمد بن سليمان ، عن بكر بن عبدالله المزنى ،قال : [2] ورواه ابو سعيد بن الا عرابى، عن ابراهيم بن ابى الجحيم ، عن سليمان بن حرب ، عن ابى هلال بن بكر بنحوه [3] ثم قال ابن ابى الدنيا : حدثنا محمد بن على بن الحسن بن سفيان حدثنا ابراهيم بن الا شعث، عن الفضيل بن عياض ، قال

اے اللہ میں تو ایسا ناتواں ہوں کہ اپنی ناپسند چیز کو دفع نہیں کر سکتا اور اپنی پسندیدہ مرغوب چیز کے نفع کا مالک نہیں۔ اور معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور میں اپنے عمل کے بدلے گروی ہوں پس کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں۔ اے اللہ بس مجھ پر میرے دشمن کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھ سے میرے دوست کو رنج و تکلیف نہ پہنچنے دے۔ اور میرے دین میں کوئی مصیبت نہ آنے دے اور مجھ پر ایسے کو مسلط نہ فرما جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

فضیل عن عیاض یونس بن عبید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا حتی کہ دنیا کھانے کی پرواہ نہ کرے۔ فضیل کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے میں نے مخلوقات میں غور فکر کیا تو میں نے ناپید مخلوق کو زیادہ رشک کرنے والا پایا ان سے جو پیدا ہو چکے ہیں۔

اور اسحاق بن بشر، ہشام بن حسان کے واسطے حضرت حسن سے مروی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز زاہدین کے سردار ہو نگے اور گناہوں سے بھاگنے والے لوگ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہو نگے۔

فرمایا ایک دن حضرت عیسیٰؑ ایک پتھر پر آرام فرما تھے اور اسی کو تکیہ بنا رکھا تھا اور نیند کی لذت پا چکے تھے۔ کہ وہاں سے ابلیس کا گذر ہوا اور کہنے لگا اے عیسیٰؑ۔

اے عیسیٰ کیا تو نہیں سمجھتا کہ تو دنیا کی چیز کا خواہش مند نہیں؟ پھر یہ پتھر بھی تو دنیا کی چیز ہے؟ تو حضرت عیسیٰؑ کھڑے ہو گئے اور پتھر لے کر شیطان کو دے مارا اور فرمایا یہ بھی دنیا کے ساتھ تجھے آیا۔

معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے ساتھیوں کے پاس گئے آپ کے جسم پر اون کا جبہ تھا اور ستر کو ڈھانکنے کے برابر شلوار تھی ننگے پاؤں تھے اور رو رہے تھے۔ پراگندہ بال تھے بھوک سے زرد رنگ ہو چکا تھا ہونٹ پیاس سے خشک تھے۔ تو آکر فرمایا السلام علیکم اے بنی اسرائیل:

میں وہ شخص ہوں جس نے دنیا کو اللہ کے حکم سے اسکے مرتبے میں اتار دیا ہے اور اسپر کوئی عجب و فخر نہیں ہے کیا تم جانتے ہو میرا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا اے روح اللہ آپکا گھر کہاں؟ پھر فرمایا میرے گھر مساجد ہیں، میرا واسطہ پانی پر ہے۔ میرا سالن بھوک ہے۔ اور میرا چراغ رات کا چاند ہے اور میرا شعار رب العزت کا خوف ہے۔ میرے ہم نشین اپاہج و مساکین ہیں۔ میں صبح کرتا ہوں اور ان تمام کے باوجود میں دل سے خوش ہوں پراگندہ دل نہیں ہوں۔

تو کون مجھ سے زیادہ مالدار اور نفع مند ہو گا؟

ابن عساکر نے اسکو روایت کیا۔

[1] حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو تا رہ کہیں لوگ تیرے ٹھکانے کو نہ جان لیں پھر تجھ کو تکلیف پہنچے۔ پس میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم میں ہزار حوروں سے تیری شادی کروں گا اور چار

---

[1] وروی فی ترجمة محمد بن الولید بن ابان بن حبان ابی الحسن العقیلی المصری، حدثنا هانی بن المتوکل الاسکندرانی عن حیوة بن شریح، حدثنی الولید بن ابی الولید، عن سفی بن مانع عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ

سو سال تک تیرے ولیمے کی دعوت کروں گا۔

اور لیکن اس حدیث کا مرفوع ہونا (یعنی حضور سے منقول ہونا) غریب ہے اور شعبی بن مانع کی روایت سے موقوف ہو سکتی ہے اور شاید انہوں نے کعب احبارؓ سے نقل کی ہو۔یا کسی اور اسرائیلی سے۔واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ کے واسطے سے خلف بن حوشب سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی حوارین کو فرمایا۔

جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت (ودین) کو چھوڑ دیا ہے اسی طرح تم بھی انکے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

قتادہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مجھ سے پوچھو میں نرم دل ہوں اور اپنے آپ میں بہت چھوٹا کم تر ہوں۔

اسماعیل بن عباس، عبداللہ بن دینار کے واسطے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے حوارین کو فرمایا۔

جو کی روٹی کھاؤ اور خالص پانی پیو اور دنیا سے امن وسلامتی کے ساتھ نکل جاؤ۔اور حق کی قسم میں تم کو بتاتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے۔اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے۔اور اللہ کے بندے نازو نعمت میں نہیں ہوتے۔بے شک جو عالم اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہو تمام لوگ اسکے برابر ہیں۔اور اسی کے مثل حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی منقول ہے۔

ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے اے بنی اسرائیل تم خالص پانی پیو اور سبزی اور جو کی روٹی اپناؤ۔اور گندم کی روٹی سے بچو کیونکہ تم اسکا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

ابن وہب، سلیمان بن بلال کے واسطہ حضرت یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے دنیا سے عبرت پکڑو اور اسکو آباد نہ کرو اور فرماتے تھے دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اور بد نگاہی دل میں شہوت کو پیدا کرتی ہے۔

وہب بن الورد بھی اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور یہ اضافہ فرماتے ہیں

اور بہت سی شہوات اپنے شہوت پرست کو طویل رنج وغم میں مبتلا کر دیتی ہے عیسیٰؑ سے مروی ہے کہ اے کمزور وناتواں ابن آدم تو جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈر اور دنیا میں مہمان بن کر رہ۔اور مساجد کو اپنا گھر بنا۔اور اپنی آنکھ کو رونا سکھا اور اپنے جسم کو صبر سکھا۔اور اپنے دل کو فکر کی عادت ڈال۔اور کل آئندہ کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ خطا ہے۔

اور آپ (عیسیٰؑ) سے مروی ہے فرمایا تم میں سے کوئی اسکی طاقت نہیں رکھتا کہ سمندر کی موجوں کو اپنا گھر بنائے تو وہ پھر دنیا کو بھی جائے قرار نہ بنائے۔

شاعر کہتا ہے

تمہارے گھر تلواروں کے سائے تلے ہیں

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے دل میں اسی طرح اکٹھی نہیں ہو سکتی جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں اکٹھا نہیں ہو سکتا۔

ابراہیم حربی، داؤد بن رشید کے واسطے حضرت ابو عبداللہ صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔

دنیا کا طالب سمندر کے پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جس قدر زیادہ پیئے گا اسی قدر پیاس بڑھے گی حتی کہ اسکو قتل کر ڈالے گی۔ حضرت عیسیٰ سے منقول ہے فرمایا شیطان دنیا کے ساتھ ہے اور اسکا مکر مال کے ساتھ ہے اور اس کی زیب وزینت خواہشات کے ساتھ ہے اور اسکا مکان شہوتوں کے ساتھ ہے۔ اعمش خیثمہ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کے لئے کھانا رکھتے تھے اور ان پر کھڑے ہو جاتے، اور فرماتے اس طرح مہمانوں کا اکرام کرو۔

عیسیٰؑ سے ایک عورت نے کہا آپکو اٹھانے والی گود کو بہت ہی مبارک و خوشخبری ہو اور آپکو دودھ پلانے والے پستان بھی انتہائی بابرکت ہیں، جو اللہ کی کتاب پڑھے اور اسکی اتباع کرے اور آپ نے فرمایا وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جو اپنے گناہوں پر روے اور اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور اسکا گھر اسکے لئے کافی ہو۔

اور آپ نے فرمایا وہ آنکھ بھی خوش نصیب ہے جو سو گئی لیکن گناہ نہ کیا اور پھر بیداری کے بعد بھی گناہوں سے دور رہا۔

مالک بن دینارؒ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آپکے ساتھی ایک مردار کے پاس سے گذرے تو لوگوں نے کہا اسکی بدبو کس قدر سخت ہے آپ نے فرمایا اسکے دانت کس قدر سفید ہیں (مقصود یہ تھا کہ کسی کی برائی مت تلاش کرو اسکی اچھائی تلاش کرو)

ابی الدنیا کی روایت[1] میں زکریا بن عدی سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا

اے حواریین کی جماعت گھٹیا دنیا کے ساتھ راضی ہو جاؤ لیکن دین کی سلامتی چاہو جیسے کہ اہل دنیا گھٹیا دین کے ساتھ دنیا کی سلامتی ہوتے ہوئے راضی ہو گئے

زکریا اس بارے میں یہ اشعار بھی فرماتے ہیں۔

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں.....

لیکن میں نہیں دیکھتا کہ وہ تھوڑی مالی عیش عشرت پر راضی ہوں ......

لہٰذا دین لے کر بادشاہوں کی دنیا سے بے پرواہ ہو جاؤ جیسے بادشاہ اپنی دنیا کے ساتھ دین سے بے پرواہ ہو گئے۔ ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا

اللہ کے ذکر کے بغیر بات زیادہ مت کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور بے شک سخت دل اللہ سے دور ہے لیکن تم کو علم نہیں۔ اور بندوں کے گناہوں میں یوں مت دیکھو کہ تم سردار اور انکے بڑے ہو بلکہ یوں نظر پڑے (اگر پڑے بھی تو) کہ گویا تم غلام ہو۔ کیونکہ تمام لوگ دو قسموں پر ہیں۔

---

[1] وقال ابو بكر بن ابى الدنيا : حدثنا الحسين بن عبدالرحمن ، عن زكريا بن عدى قال :

یا تو اہل معصیت ہیں یا اہل عافیت ہیں اہل مصیبت۔ پر رحم کرو (کیونکہ وہ مبتلائے مصیبت ہیں) اور اہل عافیت پر اللہ کی حمد کرو۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا بے شک ریت کے ساتھ جو کھانے اور کتوں کے ساتھ جانوروں کے باڑوں میں سونے والے کو فردوس طلب کرنے کی گنجائش ہے۔

[1] مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اللہ کیلئے عمل کرو اور اپنے شکموں کیلئے عمل نہ کرو۔ دیکھو ان پرندوں کو صبح شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ گھاتے ہیں پھر بھی اللہ انکو رزق مہیا فرماتا ہے پس اگر تم کہو کہ ہمارے تو پرندوں سے بڑے پیٹ ہیں تو ان وحشی نیل گایوں اور گدھوں کو دیکھ لو یہ بھی صبح شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ گھاتے ہیں پھر بھی اللہ انکو رزق دیتا ہے۔

[2] ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے حواریین نے عرض کیا اے مسیح اللہ آپ اللہ کی مسجد کی طرف دیکھئے کس قدر حسین ہے۔ فرمایا آمین آمین۔ اس حق کی قسم جو میں تم کو کہہ رہا ہوں کہ اللہ ان مسجدوں کے کسی حجرے کو کبھی ہلاک نہ فرمائیں مگر اسکے اہل کے گناہوں کی وجہ سے۔ اللہ عزوجل ان سونے چاندیوں کے ساتھ چیزوں کو نہیں بناتے نہ ہی ان خوبصورت پتھروں کے ساتھ۔ بلکہ اللہ کے نزدیک تو سب سے پسندیدہ چیز پاکیزہ قلوب ہیں۔ انہی کی وجہ سے اللہ زمین کو آباد فرماتا ہے انہی کی خرابی کی وجہ زمین کو برباد فرماتا ہے

[3] ابن عساکر کی روایت میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ ایک ویران بستی کے پاس سے گذرے۔ وہاں کی عمارتیں آپکو پسند آئیں تو دعا کی اے پروردگار اس بستی کو حکم دیجئے کہ میری باتوں کا جواب دے تو اللہ نے بستی کو وحی فرمادی کہ عیسیٰ کی باتوں کا جواب دے تو بستی نے کہا اے عیسیٰ مجھ سے پوچھئے کیا ارادہ ہے آپکا؟ فرمایا تیری نہروں کا کیا ہوا اور ختوں کا کیا ہوا؟ محلات کا کیا ہوا؟ اور تیرے باشندے کہاں ہیں؟ تو بستی گویا ہوئی اے میرے حبیب عیسیٰؑ تیرے رب کا حق وعدہ آگیا تھا۔ جس سے درخت بھی گئے اور نہریں بھی خشک ہوگئیں۔ میرے محلات ویران ہوگئے اور میرے باشندے مرگئے۔ فرمایا پھر تیرے اموال کہاں گئے؟ عرض کیا میرے باشندوں نے وہ اموال حلال حرام ہر طرح سے جمع کئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مجھے تین لوگوں پر تعجب ہے۔

ایک وہ شخص جو دنیا کا طلب گار ہو جبکہ موت اسکی طلبگار ہے۔

دوسرا وہ شخص جو محلات کا بنانے والا ہے جبکہ قبر اسکا ٹھکانا ہے۔

تیسرا وہ شخص جو منہ پھاڑ کر ہنسے جبکہ جہنم اسکے آگے ہے۔

---

[1] وقال عبداللہ بن مبارك : ابنا نا سفیان ، عن منصور ، عن سالم بن ابی الجعد

[2] وقال صفوان بن عمرو : عن شریح بن عبداللہ ، عن یزید بن میسرہ

[3] وقال الحافظ ابو القاسم بن عساکر فی تاریخه اخبرنا ابو منصور بن محمد الصوفی ، اخبرتنا عائشه بنت الحسن بن ابراهیم الور کانیه ، قالت : حدثنا ابو محمد عبداللہ بن عمر بن عبداللہ بن الهیثم املاء حدثنا الولید بن ابان املاحدثنا احمد بن جعفر الرازی ، حدثنا سهیل بن ابراهیم الحنظلی حدثنا عبدالوهاب بن عبد العزیز ، عن المعتمر ، عن مجاهد ، عن ابن عباس ، عن النبی ﷺ

لئن آدم تو نہ زیادہ کے ساتھ سیر ہوتا ہے نہ تھوڑے پر قناعت کرتا ہے۔ بلکہ تو اپنے مال کو ایسے شخص کیلئے جمع کرتا ہے جو تیری تعریف نہ کرے اور تو ایسے رب کے پاس جارہا ہے جو تیری معذرت کو قبول نہ کرے گا۔ تو تو بس اپنے پیٹ اور شہوت کا بندہ ہے۔ تیرا پیٹ تبھی بھرے گا جب تو قبر میں داخل ہوگا اور تو اے ابن آدم اپنا مال غیر کے ترازو میں دیکھے گا۔

یہ حدیث بہت ہی غریب ہے مگر اسمیں عمدہ نصیحتیں ہیں جسکی وجہ سے ہم نے اسکو لکھ دیا۔ ثور بن زید، عبدالعزیز بن ظبیان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور عمل کیا تو وہ آسمان کے فرشتوں میں عظیم شخص پکارا جاتا ہے۔

ابو کریب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جو تجھے (جہنم کی) وادی پار نہ کرا سکے۔

ابن عساکرؒ نے غریب اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

اے حوارین کی جماعت حاکم و فیصل نااہل کو مت بناؤ۔ پھر ظلم کریں اور تم انکو روک نہ سکو پھر در حقیقت تم ہی ظالم ہو گے۔ اور معاملات تین قسم کے ہیں ایک وہ جو بالکل ظاہر ہو تو اسکی اتباع کرو دوسرا معاملہ وہ ہے جو پوشیدہ ہو اس سے اجتناب کرو۔

اور وہ معاملہ جس میں اختلاف ہو تو اسکا علم اللہ کے سپرد کر دو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے خبر دی کہ ایک شخص کے واسطے سے حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہیرے خنزیز کو نہ دو وہ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حکمت ایسے شخص کو نہ دو جو اسکو نہ چاہتا ہو کیونکہ حکمت ہیرے سے بہتر ہے اور جو اسکو نہ چاہتا ہو وہ خنزیر سے بھی بدتر ہے۔ اسی طرح وہب وغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسی نے اپنے اصحاب کو فرمایا تم زمین کا نمک ہو جب تم خراب ہو گئے تو تمہارے لئے کوئی دواء نہیں ہے۔ اور تمہارے اندر جہالت کی دو خصلتیں ہیں ایک بغیر تعجب کے ہنسنا اور بغیر شب بیداری کے صبح کرنا۔

اور آپ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فتنے میں مبتلا شخص کون ہے ؟ فرمایا پھسلا ہوا عالم کیونکہ جب عالم بھی پھسل گیا تو اسکی وجہ سے بہت سا عالم پھسل جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ نے علماء کو ایک مرتبہ فرمایا۔

اے علماء بد تم نے دنیا کو اپنے سر پر رکھ لیا ہے اور آخرت کو اپنے قدموں تلے رکھ لیا ہے تمہارے اقوال تو شفاء ہیں لیکن تمہارے اعمال بیمار ہیں تمہاری مثال ایلوے کی ہے دیکھنے میں اچھا کھانے میں زہر قاتل

وہب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا

اے علماء بد تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہوئے ہو نہ تم خود داخل ہوتے ہو نہ مساکین کو بلاتے ہو کہ وہی داخل ہو جائیں۔ بے شک لوگوں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ عالم ہے جو دنیا کو اپنے علم کے ذریعے

طلب کرے۔

مکحول کہتے ہیں: یحییٰ اور عیسیٰؑ کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰؑ نے ان سے مصافحہ کیا تو وہ ہنس رہے تھے یحییٰ نے پوچھا اے خالہ زاد کیا بات ہے میں آپ کو ہنستا دیکھ رہا ہوں گویا آپ مطمئن ہو چکے ہیں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اور کیا بات ہے کہ میں آپکو ترش رو دیکھ رہا ہوں گویا نا امید ہو چکے ہیں؟ تو اللہ نے دونوں کو وحی فرمائی تم میں میرے قریب زیادہ وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ قرب میں جلدی کرنے والا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک قبر کے پاس کھڑے تھے اور جنازے کو اندر اتار اجارہا تھا لوگ کہنے لگے قبر تنگ ہے فرمایا تم پہلے اس سے بھی تنگ جگہ میں عرصہ گذار چکے ہو وہ تمہاری ماؤں کے رحم تھے۔ تو جب اللہ نے چاہا وسیع کر دیا۔

ابو عمر ضریر کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰؑ موت کا تذکرہ کرتے تو خون آپکے جسم سے ٹپکتا تھا۔ الغرض اس قسم کے وعظ و نصائح حضرت عیسیٰؑ سے بہت منقول ہیں ابن عساکر نے ایک بہت اچھا ذخیرہ انکا نقل فرمایا ہے ہم نے ان سے کچھ آپکے سامنے ذکر کیا ہے۔

واللہ الموفق للصواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ اور سولی کے دعوئ میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹ کا بیان

اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کیلئے خوب چال چلے اور خدا بھی عیسیٰ کو بچانے کیلئے چال چلے اور خدا خوب چال چلنے والا ہی ہے)

اس وقت خدا نے فرمایا عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔ اور جو لوگ تمہاری پیروی کرینگے انکو کافروں پر قیامت تک فائز (و غالب) رکھوں گا پھر تم سب میرے پاس لوٹ آؤ گے۔ تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن میں اسکا فیصلہ کر دوں گا۔

(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو انکے عہد توڑنے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے (دل پر پردے) ہیں خدا نے انکو مردود کر دیا۔ اور انکے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ اور یہ کہنے کہ سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (خدا نے انکو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ انکو انکی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ انکے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ انکے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پیروی کے سواء انکو اسکا مطلق علم نہیں اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ کو قتل

نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے انکو اپنی طرف اٹھایا ہے اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر مرنے سے پہلے ان پر ایمان لے آئیگا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہونگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ انکو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ آپ نیند میں تھے کہ آپکو اٹھالیا گیا۔ اور ان یہود سے آپکو چھٹکارا دلا دیا جو آپکو اذیت و قتل کے درپے تھے اور کس ظالم بادشاہ کی پشت پناہی انکو حاصل تھی؟

حسن بصری اور محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں اس بادشاہ کا نام داؤد بن نورا تھا اس نے آپکے قتل کا حکم جاری کیا تھا پھر لوگوں نے آپکو بیت المقدس میں گھیر لیا اور یہ جمعہ کے دن کی شام تھی۔ اور ہفتے کی رات تھی۔ تو جب انکے دخول کا وقت ہوا تو آپکے ساتھیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰؑ کی شکل وصورت اتار دی گئی۔ اور حضرت عیسیٰؑ اس گھر کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے۔ اور گھر والے آپکو اٹھتا دیکھ رہے تھے۔ پھر بادشاہ کے کارندے اندر داخل ہوئے تو ایک جوان کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں دیکھا تو اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر اٹھالیا اور اسکو سولی چڑھادیا اور کانٹے اسکے سر پر بطور اہانت کے رکھ دیئے۔ اور عام نصاریٰ جنہوں نے حقیقت حال نہ دیکھی تھی وہ بھی یہود کی بات پر متفق ہوگئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی دیدی گئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نہیں ہیں بعض اہل کتاب مگر وہ آپکی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

یعنی جب آپ دوبارہ زمین پر اتریں گے تو حقیقت حال پر ایمان لے آئیں گے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ پہلے سولی نہیں دیئے گئے تھے۔

اور آپ آکر صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور کافروں پر جزیہ واپس کریں گے اور صرف اسلام کو قبول کریں گے۔ اور اس تمام تفصیل کو ہم اپنی تفسیر میں اس سورت کے تحت اسی مذکورہ آیت کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں۔

[1] ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ نے آپکو اپنے پاس بلانا چاہا تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر میں آئے اور آپکے ساتھ بارہ حواری تھے آپ کے سر سے کچھ لال قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم میں سے کون ہے جسکو میری شکل دیدی جائے اور پھر وہ میرے بدلے قتل کردیا جائے تو وہ جنت میں میرے درجے میں میرے ساتھ ہوگا تو ایک نوجوان شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے انکو بٹھایا اور پھر پوچھا لیکن پھر وہی شخص کھڑا ہوا پھر آپ نے فرمایا ہاں آپ ہی وہ ہیں۔ تو پھر اس جوان کی شکل حضرت عیسیٰ والی ہوگئی اور حضرت عیسیٰ گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھالئے گئے۔

پھر یہود آئے اور انہوں نے آپکی شبیہ کو پکڑا قتل کیا اور سولی چڑھادیا پھر ان بارہ میں سے ایک نے آپکو بارہ مرتبہ جھٹلایا اور پہلے یہ ایمان لاچکا تھا۔ اور پھر یہ تین فرقوں میں بٹ گئے ایک نے کہا حضرت عیسیٰ ہم میں رہے جب تک چاہا رہے پھر اللہ نے انکو اٹھالیا یہ یعقوبیہ فرقہ تھا ایک نے کہا وہ ہم میں اللہ کے فرزند تھے جب تک چاہا۔ پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھالیا یہ نسطوریہ فرقہ تھا ایک نے کہا یہ ہمارے اندر اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جب تک

---

[1] قال ابن ابی حاتم ،حدثنا احمد بن سنان ،حدثنا ابو معاویة، عن المنهال بن عمرو ، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس

چاہا رہے پھر اللہ نے انکو اٹھالیا۔ یہ مسلمان فرقہ تھا۔ پہلے دونوں فرقوں نے ملکر انکو قتل کر دیا اور اسلام برابر مغلوب رہا پھر جب اللہ نے محمد ﷺ کو بھیجا تو تب اسلام دوبارہ نو پید ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے

پھر ہم نے ایمان لانے والوں کو انکے دشمنوں پر مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔[1]

اور حضرت عیسیٰؑ اللہ عزوجل سے اپنی عمر بڑھانے کے متعلق سوال کرتے رہے تاکہ دعوت ورسالت کو مکمل کر لیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ دین الٰہی میں داخل ہو جائیں کہا گیا ہے آپکے پاس بارہ حواری تھے۔ پطرس، یعقوب بن زبدا۔ یحنس یعقوب کا بھائی، اندرلوس، فلیپس، ابر ثملا۔ متی، توماس، یعقوب بن حلقیا، تداوس، فتاتیا، یودس کریایوطا، یہی یہود کو حضرت عیسیٰؑ تک لے جانے والا تھا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں انمیں ایک شخص سرجس نامی اور تھا جسکو نصاری نے چھپالیا اور اسی شخص پر حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ ڈالی گئی تھی۔ جسکی بناء پر اسکو سولی چڑھادیا گیا۔ اور بعض نصاری فرماتے ہیں وہ سولی چڑھنے والا شخص یودس بن کریایوطا تھا۔ واللہ اعلم۔

ضحاک ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰؑ نے شمعون کو خلیفہ بنایا تھا اور یودس حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔

احمد بن مروان کہتے ہیں ہمیں محمد بن الجہم نے کہا کہ میں نے فراء کو اس آیت ومکروا ومکر الله .... کے تحت فرماتے سنا کہ حضرت عیسیٰ اپنی خالہ سے ایک زمانہ تک غائب رہے پھر انکے پاس تشریف لائے تو جالوت یہودی سردار حضرت عیسیٰؑ پر احاطہ کر کے کھڑا ہو گیا اور دوسرے اسکے ساتھی بھی اکٹھے ہو گئے پھر انہوں نے دروازہ توڑ ڈالا اور جالوت سردار اندر داخل ہوا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو پکڑے لیکن اللہ نے اسکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ واپس مڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا میں تو انکو دیکھ نہیں سکا اور اسکے ساتھ تلوار ننگی لٹکی ہوئی تھی۔ تو اسکے ساتھیوں ہی نے اسکو پکڑا اور قتل کر کے سولی چڑھادیا اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اور انہوں نے نہ اسکو قتل کیا اور نہ ہی سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے ایک پر شکل ڈال دی گئی تھی۔

[2] ابن منبہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے سترہ ساتھیوں سمیت ایک گھر میں تھے تو کافروں نے آپ سب کا احاطہ کر لیا جب کافر اندر داخل ہوئے تو اللہ نے سب ساتھیوں پر حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ ڈال دی۔ تو وہ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر کہنے لگے کہ تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے اب یا تو اصلی عیسیٰ ہمارے پاس آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔ تو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا آج کون اپنی جان جنت کے بدلے فروخت کرتا ہے ؟ ایک نے کہا میں ہوں۔ تو وہ شخص کافروں کے پاس آیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں اور اسکو اللہ نے حضرت عیسیٰ کی صورت پہنادی تھی۔

---

[1] الصف ۱۴، رواہ النسائی عن ابی کریب ، عن ابی معاویہ بہ نحوہ ورواہ ابن جریر عن مسلم بن جنادہ عن ابی معاویہ . وهکذا ذکر غیر واحد من السلف ، وممن ذکر ذلك مطولا محمد بن اسحاق بن یسار ،

[2] وقال ابن جریر : حدثنا ابن حمید ، حدثنا یعقوب القمی ، عن هارون بن عنترة ، عن وهب بن منبه . قال ابن جریر وحدثنا المثنی ، حدثنا اسحاق ،حدثنا اسماعیل بن عبدالکریم حدثنی عبدالصمد بن معقل انه سمع وهبا یقول

تو کافروں نے اسی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی چڑھا دیا تب سے وہ خوش گمان خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کر دیا جب کہ اللہ نے تب سے انکو اپنے پاس اٹھالیا تھا۔

وہب لئن منبہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے انکی موت کی اطلاع دی تو آپکو سخت رنج والم ہوا آپ نے پھر حوارین کو بلایا اور انکے لئے کھانا تیار کیا اور فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس آؤ تم سے ایک کام ہے۔ تو سب آگئے حضرت عیسیٰؑ نے انکو کھانا کھلایا اور انکی آؤ بھگت کی۔

پھر جب حواری کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کے ہاتھ دھلوائے اور خود ان کو وضو کرایا، اور خود کپڑے کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو صاف کیا، تو یہ بات حواری لوگوں پر شاق گزری اور انھوں نے کچھ ناگواری محسوس کی، تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا جس نے آج رات میری خدمت میں سے کسی کام کو لوٹایا تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور نہ میں اس سے ہوں، پھر جب آپ ان کی خاطر تواضع سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جو کچھ آج رات میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تمہارے ہاتھ دھلوائے کھانا کھلوایا وغیرہ، یہ اس لئے کیا تا کہ تم اس کو اپنا اسوۂ حسنہ بنالو، کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ میں تم میں بہتر ہوں لہذا تم ایک دوسرے پر غصہ مت کرنا، اور ایک دوسرے پر اپنا مال خدمت خرچ کرنا، جیسے میں نے اپنی جان تم پر خرچ کی، اور اصل بات جو میں نے کہا تھا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے وہ یہ ہے کہ میرے لئے تم اللہ کی دعوت و تبلیغ کرو اور خوب گریہ وزاری سے دعا کرو کہ اللہ میری عمر میں اضافہ فرمادے۔

تو سب آپ کے لئے خوب دعا کرنے لگے لیکن ان کو نیند نے پکڑنا شروع کیا اور وہ ست پڑنے لگے مگر آپ ان کو مزید ترغیب دلاتے رہے اور فرماتے سبحان اللہ: کیا تم میرے لئے ایک رات بھی صبر نہیں کر سکتے جس میں تم دعا کر کے میری مدد کرو، تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو علم نہیں کہ ہمارے لئے کیا شئے مفید ہے؟ اللہ کی قسم ہم توراتوں کو قصہ گوئی کرتے تھے اور بہت بہت رات اس میں گزارتے تھے مگر پتہ نہیں آج ہم میں اس کی طاقت کیوں نہیں رہی؟ اور ہم دعا کی کوشش کرتے ہیں تو کوئی شئے ہمارے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا چرواہا جارہا ہے اور بکریاں بکھر رہی ہیں اور آپ اسی قسم کا کلام فرماتے رہے جس کا مطلب تھا کہ میں جارہا ہوں پتہ نہیں میرے بعد تمہارا کیا حال ہو گا؟

پھر فرمایا: بالکل حق اور سچ بات ہے کہ تم میں ایک شخص اس سے پہلے پہلے کہ مرغ تین مرتبہ اذان دے وہ میری تکفیر کرے گا، اور تم میں سے ایک شخص چند تھوڑے سے دراھم کے بدلے مجھے فروخت کر ڈالے گا اور میرے بدلے کے پیسے کھائے گا۔

پھر اصحاب عیسیٰؑ وہاں سے نکلے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے، اور یہود آپ کو طلب و تلاش کر رہے تھے تو انھوں نے آپ کے حواریوں میں ایک شخص شمعون نامی کو پکڑا اور کہنے لگے یہ اس کا ساتھی ہے لیکن شمعون نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوں پھر انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، پھر دوسرے لوگوں نے شمعون کو پکڑا ان کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح انکار کر دیا، اور پھر مرغ کی آواز سنائی دی تو شمعون رو پڑا اور انتہائی رنجیدہ ہوا پھر صبح کی تو حواریوں میں سے ایک شخص یہود کے پاس آیا اور کہا تم مجھے کیا دو گے اگر میں عیسیٰ کا پتہ تمہیں بتاؤں؟ تو یہود نے تیس دراھم مقرر کئے جو اس حواری نے لے لئے اور ان کو

حضرت عیسیٰ کا پتہ بتادیا، پھر اللہ نے ایک پر حضرت عیسیٰ مسیح کی شکل ڈال دی اور یہود نے اسی کو پکڑ لیا اور رسیوں سے باندھ دیا اور پھر گھسیٹنے لگے اور کہتے کہ تو تو مردوں کو زندہ کرتا تھا، شیطان کو جھڑ کتا تھا اور مجنوں بیماروں کو شفاء دیتا تھا اب اپنی یہی رسی کیوں نہیں تڑوا سکتا، پھر یہود اس پر تھوک پھینکنے لگے اور بطور ذلت اس کے سر پر کانٹے پھینکے، پھر ایک لکڑی کے پاس لائے اور اس کو سولی دیدی اور حضرت عیسیٰؑ مسیح کو اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا، اور آپ کی شبیہ والا شخص سات یوم تک سولی پر رہا۔

پھر انکی والدہ اور ایک وہ عورت جس کا حضرت عیسیٰ علاج کیا کرتے تھے اللہ نے اسکو جنون سے بری فرمادیا، پھر وہ دونوں عورتیں روتی ہوئی سولی چڑھے شخص کے پاس آئیں اور حضرت عیسیٰ ان کے پاس (کسی بھی طرح) آئے اور پوچھا کس وجہ سے رو رہی ہو؟ کہا آپ پر فرمایا مجھے اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا ہے اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور یہ شخص میری شکل والا ہوگیا ہے۔

پھر آپ نے اپنے حوارین کو حکم فرمایا کہ مجھ سے فلاں جگہ ملاقات کریں تو سب اس جگہ اکٹھے ہوئے اور یہ گیارہ اشخاص تھے اور ایک حضرت عیسیٰ کا پتہ بتا کر پیسے کمانے والا گم تھا اس کے متعلق پوچھا گیا تو ساتھیوں نے کہا وہ اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہے اور اس نے خود اپنے لیئے اس کی سزا تجویز کی اور گلا گھونٹ کر مر گیا، تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اگر وہ شخص توبہ تائب ہوتا تو اللہ بھی اس کو معاف کردیتا، پھر آپ نے اس لڑکے کے متعلق معلوم کیا جو آپ کے پیچھے رہتا تھا اور اسکو یحییٰ کہا جاتا تھا تو پھر فرمایا وہ تو تمہارے ہی ساتھ ہوگا، پس اب چلو تم میں ہر شخص اس طرح صبح کرے کہ اپنی قوم کی بے وقوفی پر ان کو ڈرائے اور ان کو چھوڑ دے۔

لیکن یہ اسناد عجیب و غریب ہے لیکن یہ اس سے پھر بھی صحیح ہے جس کو ملعون نصاری نے ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت مسیح اپنی والدہ کے پاس آئے آپ رو رہی تھیں اور قریب ایک بچھو اتھا پھر آپ مسیح نے اپنے جسم پر میخوں کے نشانات دکھلائے اور بتایا کہ امی جان میری روح تو پہلے ہی چلی گئی تھی پھر بعد میں صرف میرے جسم کو سولی دیدی گئی۔

اور یہ عظیم بہتان اور کذب و افتراء اور تحریف و تبدل ہے اور انجیل میں باطل زیادتی ہے اور حق کیخلاف بات ہے۔

اور حافظ ابن عساکرؒ نے یحییٰ بن حبیب کے طریق سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام نے مصلوب شخص کے متعلق بادشاہ سے سوال کیا کہ اس کو اتار دیا جائے جبکہ اس کو سات دن ہو چکے تھے اور آپ گمان کر رہی تھیں کہ یہ حضرت عیسیٰ میرے لخت جگر ہی ہیں، تو بادشاہ نے اجازت دیدی اور پھر اس جسم کو دفن کیا گیا، پھر حضرت مریم نے ام یحییٰ کو کہا تم ہمارے ساتھ نہ چلو گی ہم مسیح کی قبر کی زیارت کر آئیں تو دونوں چل پڑیں جب قبر کے قریب ہوئیں تو ام عیسیٰ نے ام یحییٰ کو فرمایا کیا تم پردہ نہیں کرتی اس شخص سے جو قبر کے قریب ہے؟ کہا میں تو کسی کو نہیں دیکھ رہی؟ تو حضرت ام عیسیٰ نے فرمایا تو ہو سکتا ہے یہ جبرئیل ہوں پھر آپ آگے بڑھیں اور ام یحییٰ پیچھے ٹھہر گئیں حضرت جبرئیل نے حضرت مریم سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا۔ مسیح کی قبر کی زیارت کو آئی ہوں فرمایا یہ مسیح کی قبر نہیں ہے مسیح کو تو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا ہے اور اس

جوان پر مسیح کی شکل اتاری گئی تھی، اور اس بات کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص دنیا سے گم ہے، اور دوسری علامت یہ کہ جب فلاں دن آئے تو فلاں جگہ چلی جانا۔

تو پھر حضرت ام عیسیٰ نے واپس آکر حضرت ام یحیٰ کو سب خبر دی اور جب وقت مقررہ آیا تو متعین جگہ پر حضرت عیسیٰ حضرت ام عیسیٰ کو مل گئے حضرت عیسیٰ فوراً آئے اور اپنی ماں کا ماتھا چوما اور ان کے لئے دعا کی اور فرمایا اے ماں مجھے تو اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا ہے اور اب میری آپ کی ملاقات آگئے ہوگی اور موت آپ کے قریب آچکی ہے لہذا صبر کریں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کریں پھر عیسیٰ واپس چلے گئے اور اس کے بعد دنیا میں دونوں کی ملاقات نہ ہوئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ مریمؑ حضرت عیسیٰ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور حضرت مریم کی جب وفات ہوئی تو ان کی عمر ترپین سال تھی، رضی اللہ عنہا وارضا ھا

حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کی عمر جب وہ اٹھائے گئے چوبیس سال تھی، اور حدیث میں ہے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے بدن پر بال نہ ہوں گے (یعنی جس طرح خوبصورت جواں سال لڑکا ہوتا ہے اس طرح ان کے ڈاڑھی مونچھ اور نیچے بدن پر بال نہ ہوں گے) اور جوان لڑکے ہوں گے، سرگیں آنکھیں ہوں گی اور ۳۳ سال کے جواں لڑکے ہوں گے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ عیسیٰ کی عمر اور یوسف کے حسن پر ہو گے۔

اور یہی حضرت حماد بن سلمہ نے علی بن زید کے واسطے سے حضرت سعید بن المسیبؒ سے نقل کیا ہے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے گئے تو آپ کی عمر مبارک تینتیس سال تھی۔

[1] اور مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے خبر دی کہ میرے بعد کوئی نبی ایسا نہ آئے گا جس کو نبوت بعد میں ملے سوائے اس شخص کے جس کی نصف عمر باقی رہ گئی ہے پہلی عمر سے۔

اور حضرت فاطمہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ عیسیٰ بن مریم کی ایک سو بیس سال زندگی ہے اور (اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ساٹھ سال زندگی بیت چکی ہے اور آپ جب اٹھائے گئے تو ساٹھ سال عمر تھی) یہ فسویؒ کے الفاظ ہیں اور حدیث غریب ہے، اس وجہ سے پہلی روایات کے مقابل نہیں۔

چونکہ پھر حضرت ابن عساکر فرماتے ہیں کہ صحیح بات ہے کہ حضرت عیسیٰ اس قدر عمر تک نہیں جے بلکہ آپ کا ارادہ ہوگا حضرت عیسیٰ اپنی امت میں کل اتنی عمر ٹھہرے جیسے سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار کے واسطے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

---

[1] رواه الحاكم في مستدركه و يعقوب بن سفيان الفسوي في تاريخه، عن سعيد بن ابي مريم عن نافع بن يزيد عن عمارة بن غزيه عن محمد ابن عبدالله بن عمرو بن عثمان عن امه فاطمة بنت الحسين حدثة ان عائشته كانت تقول اخبرتني فاطمة

عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیل میں چالیس سال رہے اور یہ منقطع روایت ہے اور جریر اور ثوری اعمش سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی قوم میں چالیس سال ٹھہرے۔

اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بائیس رمضان کی رات کو آسمان پر اٹھالئے گئے، اور تقریباً اسی رات میں حضرت علیؓ نیزہ لگنے کے پانچ دن بعد انتقال فرماگئے اور ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو حضرت عیسیٰ کے پاس ایک بادل آیا اور وہ آپ کے قریب ہوگیا آپ اس پر بیٹھ گئے اور حضرت مریمؑ نے آکر ان کو الوداع کیا اور روئیں اور آپ دیکھتی رہیں اور حضرت عیسیٰ نے اپنا عمامہ اتار کر شمعون پر ڈال دیا اور آپ کی والدہ مریمؑ آپ کو ہاتھ ہلا ہلا کر رخصت فرمانے لگیں حتیٰ کہ آپ ان سے غائب ہوگئے اور مریمؑ آپ سے بہت سخت محبت کرتی تھیں اس لئے کہ ان کو دونوں چاہتوں کی محبت ایک جانب یعنی والدہ کی طرف آگئی تھی اور حضرت مریم آپ سے سفر و حضر میں کبھی جدا نہ ہوئی تھیں۔

اور اسحاق بن بشر، مجاہد بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ یہود نے جب اس شخص کو سولی دی تو جس کو وہ مسیح خیال کر رہے تھے اور اکثر نصاریٰ نے بھی ان کی حمایت کی تھی تو اس کے بعد وہ یہود آپ کے ساتھیوں پر چل پڑے اور ان کو مارا قتل کیا اور قید کیا پھر ان کی خبر روم کے بادشاہ کو پہنچی جو اس وقت ملک دمشق کا بھی بادشاہ تھا تو اس بادشاہ کو کہا گیا کہ یہود نے ایک شخص کے ساتھیوں کو قتل کر دیا وہ شخص انکا رسول تھا۔ مردوں کو زندہ کرتا تھا اور اندھوں اپاہجوں کو بری کرتا تھا اور عجائب عجائب امور اس سے ظہور پذیر ہوتے تھے تو یہود نے اس پر بھی ظلم کیا اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے ساتھیوں کی تذلیل و توہین کی اور ان کو قید میں ڈال دیا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے ان کو پیغام بھیجا اور یہ تمام قیدی بلوائے تو وہ بھیج دیئے گئے ان میں حضرت یحییٰ بن زکریا اور شمعون اور ایک جماعت تھی، بادشاہ نے ان سے مسیح کی خبر پوچھی تو انھوں نے تمام خبر تفصیل سے بتائی، تو بادشاہ کو ان کا دین پسند آیا اور ان لوگوں کی بیعت کی اور ان کے کلمے کو بلند کیا اس طرح دین حق یہود پر غالب آگیا، اور مصلوب شخص کی طرف آدمی بھیجے اس کو اتار آگیا اور اس لکڑی کو بھی منگوایا جس پر ان کو سولی دی گئی پھر لکڑی کی بادشاہ نے انتہائی تعظیم کی اور تب سے نصاریٰ صلیب (یعنی سولی والی لکڑی) کی تعظیم کرتے ہیں اور تبھی سے دین مسیحی روم میں داخل ہوا۔

لیکن اسی روایت میں کئی وجوہ سے نظر ہے۔

اول: یہ کہ حضرت یحییٰ بن زکریا اس بات کے قائل ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی وہ حق کو خوب جانتے ہیں کیونکہ گناہ سے معصوم ذات ہے۔

دوم: اہل روم دین مسیحی میں حضرت عیسیٰ کے تین سو سال بعد داخل ہوئے اور یہ قسطنطین[1] بن قسطن کا زمانہ تھا جس نے قسطنطنیہ شہر بنایا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔

سوم: جب اس شخص کو سولی دیدی گئی پھر کئی دن بعد لکڑی سمیت اس کو نیچے دبادیا گیا اور یہود نے اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا اور یہ جگہ اسی طرح نجاست کا مرکز رہی پھر جب قسطنطین کا زمانہ آیا تو اس

بادشاہ کی ماں ہیلانہ الحرانیہ القند قانیہ نے اس شخص کو اس گندے ملبے کے نیچے سے نکلوالیا اور اعتقاد کیا کہ یہ عیسیٰ مسیح ہے۔

اور ساتھ میں لکڑی بھی پائی تو ذکر کرتے ہیں کوئی بیمار شخص بھی اس کو چھوتا تو وہ شفایاب ہو جاتا واللہ اعلم یہ حقیقت ہوئی ہے یا نہیں کیونکہ یہ شخص خواہ عیسیٰ نہ ہو لیکن تھا صالح مرد یا ہو سکتا ہے یہ تمام باتیں نصاریٰ نے اپنے دین کو پختہ کرنے کے لئے بنائی ہوں حتیٰ کہ اس لکڑی کی انتہائی تعظیم کرنے لگے تب سے نصاریٰ میں صلیب کی نشانی رواج پکڑی ہے۔

تو اس ہیلانہ الحرانیہ نے اس جگہ سے کوڑا کرکٹ اٹھوایا اور اس جگہ کو انتہائی صاف ستھرا کر کے وہاں کنیسہ تعمیر کیا اور خوب شان و شوکت کے ساتھ اس کو آراستہ کیا، اور اب تک اس شہر میں یہ کنیسہ آباد ہے جس کو قمامہ کہا جاتا ہے اس کو قیامت بھی نام رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ اس جگہ میں عیسیٰؑ کا جسد اطہر ہے پھر ام ملک ہیلانہ نے انتقام کی خاطر حکم دیا کہ اب کوڑا کرکٹ اس صخرہ (چٹان) پر ڈالا جائے جو بیت المقدس میں ہے اور یہود کا قبلہ ہے، پھر اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح فرمایا تو وہاں سے تمام کوڑا کرکٹ صاف کروایا حتیٰ کہ خود اپنی چادر سے وہاں کی صفائی کی۔

جہاں رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات نماز ادا فرمائی اور وہ مسجد بیت المقدس ہے۔

✧ ....☆.......... ✧
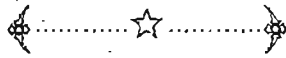
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اور حلیہ مبارک

فرمان الٰہی ہے، نہیں تھے (اور کچھ) مسیح ابن مریم، مگر رسول۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں[1]۔

آپ کو مسیح کیوں کہا جاتا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے زمین میں سیاحت کی یعنی اپنے دین کو لے کر یہود کی شرارتوں سے تنگ آکر دوسری جگہ سیاحت کی اس لئے آپ کو مسیح کہا جاتا ہے۔

یا اس لئے کہ آپ کے قدم کھردرے کپڑوں کی وجہ سے چھل گئے تھے یعنی ممسوح القدمین تھے اس وجہ سے مسیح کہا جاتا ہے لیکن بندہ مترجم کی ناقص رائے ہے کہ مسیح کا معنی ہے چھونے والا، اور چونکہ آپ کے چھونے سے بیمار شفایاب ہو جاتے تھے اس لئے آپ کو مسیح کہا جاتا ہے (الصواب من اللہ والخطاء منی)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

پھر ہم نے ان (رسولوں) کے پیچھے اپنے (دوسرے) رسول بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اس کو انجیل دی[2] اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور روح القدس کے ساتھ ان کی تقویت کی۔[3]

اور صحیحین میں ثابت ہے۔

نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والا مگر شیطان اس کو کوکھ میں کچوکے لگاتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ چیخ کر روتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے، جب یہ ان کو مارنے لگا تو بیچ میں پردہ حائل ہو گیا۔

بخاری کے حوالے سے یہ حدیث بھی پہلے گزری کہ فرمایا :

جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور اس بات کی کہ اللہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کے کلمے (یعنی نشانی) ہیں، جسے اللہ نے مریم کو عطا کیا اور اس کی روح ہیں (یعنی بغیر سبب والد کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے ہیں) اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا خواہ جو بھی عمل لے کر آئے۔

بخاری اور مسلم نے شعبی کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ ابی بردہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر کوئی انسان اپنی باندی کو ادب سکھائے اور اچھی طرح سکھائے اور اس کو علم کے زیور سے بھی مزین کرے اور اچھی طرح تعلیم دلوائے اور پھر اس کو آزاد کر دے اور (مزید یہ کہ اس سے) شادی بھی کر لے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جب کوئی شخص عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لائے پھر مجھ پر ایمان لائے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے اور جب بندہ اپنے رب سے ڈرے اور اپنے مولیٰ کی بھی اطاعت کرے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔

---

[1] مائدہ ۷۵ [2] الحدید ۲۷ [3] بقرہ ۸۷ تا ۲۵۳

اور بخاری[1] ہی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے (آسمانوں پر) لے جایا گیا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، تو وہ متحرک اور جوش و جذبات والے انسان تھے ان کے بال کچھ گھنگھریالے تھے گویا کہ وہ شنوءۃ (قبیلے) کے لوگوں میں سے ہوں۔ اور میں نے عیسیٰؑ سے ملاقات کی درمیانے قد والے سرخ و سپید چہرے والے تھے (اور اس وقت یوں لگ رہے تھے) گویا غسل خانے سے (نہا کر) نکلے ہوں، اور میں نے ابراہیمؑ کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کی شکل و صورت والا ہوں...... (الحدیث)

پھر امام بخاری دوسری[2] حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا، عیسیٰ تو سرخ رنگ کے اور گھنے بالوں والے کشادہ سینے والے تھے اور موسیٰؑ بڑے قد اور اچھی جسامت بھرے ہوئے جسم والے تھے گویا کہ زط (قبیلے) کے لوگوں میں سے ہوں اور حضرت ابن کثیر فرماتے ہیں ہمیں ایک طریق سے یہ روایت پہنچی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن لوگوں کے درمیان دجال کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ

اللہ کانا نہیں ہے، جبکہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے، گویا کہ ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے اور آج کی رات مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ کعبہ کے پاس ایک آدمی ہے گویا وہ تمام لوگوں میں سب سے حسین ہے، اپنے لمبے بالوں کو شانوں کے درمیان ڈالے ہوئے ہے کچھ گھنگھریالے بالوں والا ہے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، ہاتھ پیچھے ڈال رکھے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں میں نے اس کے پیچھے ایک سخت گھنے بالوں والے کو دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور ابن قطن کے ساتھ مشابہ تھا اپنے ایک ہاتھ کو ایک کولہے پر رکھ کر گھر کا چکر لگا رہا ہے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

ابن قطن خزائم قبیلے کا ایک شخص تھا۔

اور بخاری کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔

تو حضرت عیسیٰؑ نے اس کو فرمایا کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہا ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کی۔

یعنی اللہ کی قسم کے سامنے میں اپنی بات سے رجوع کرتا ہوں اور ہو سکتا ہے میری آنکھ نے غلط دیکھا ہو،

ایک روایت میں ... حضرت ابو ہریرۃ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا گود میں فقط تین اشخاص بولے ہیں ایک عیسیٰ علیہ السلام، دوسرا جریج (کا گواہ بچہ) یہ نماز پڑھ رہا تھا اس کی ماں آئی اور اس کو بلانے لگی تو

---

[1] وقال البخاری، حدثنا ابراھیم بن موسیٰ، ابنانا ھشام، عن معمر، وحدثنی محمود، حدثنا عبدالرزاق، ابنانا معمر عن الزھری، اخبرنی سعید ابن المسیب عن ابی ھریرۃؓ. [2] حدثنا محمد بن کثیر، انبانا اسرائیل، عن عثمان بن المغیرۃ، عن مجاھد، عن ابن عمرؓ...... الخ [3] وحدثنا ابراھیم بن المنذر حدثنا ابو ضمرۃ حدثنا موسیٰ بن عقبۃ، عن نافع، قال قال عبداللہ بن عمرؓ...... الخ

اس نے کہا میں نماز کے بعد جواب دوں گا، تو اس کی ماں کے منہ سے نکلا اے اللہ جب تک تو اس کو بدکار عورتوں کے چہرے نہ دکھائے تب تک اس کو موت نہ دینا، تو یہ ایک مرتبہ اپنے عبادت خانے میں تھا کہ ایک عورت آئی اور اس کے قریب ہونے لگی مگر اس نے انکار کر دیا تو عورت ایک چرواہے کے پاس آئی اور اس کو پھسلا لیا، پھر اس کے ایک بچہ ہوا، اس سے پوچھا گیا کس سے ہے؟ کہا جریج سے ہے تو لوگوں نے آکر اس کے عبادت خانے کو توڑ پھوڑ دیا اور اس کو باہر نکال کر گالی گلوچ کی، اس نے وضو کر کے نماز ادا کی پھر بچے کے پاس آیا اور کہا۔

اے بچے تیرا باپ کون ہے؟

تو بچہ بول پڑا کہ فلاں چرواہا۔

پھر تو لوگوں نے جریج سے پوچھا تیرا عبادت خانہ سونے کا بنادیں؟ کہا نہیں بس مٹی کا بناؤ۔

اور تیسرا بچہ جو گود میں بولا۔

(اس کا قصہ یہ ہے کہ) بنی اسرائیل میں ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ ایک شخص بڑی شان و شوکت کے ساتھ سواری پر سوار وہاں سے گزرا تو عورت نے دعا کی۔

اے اللہ میرے بیٹے کو اس کی طرح بنادے۔

بچہ جو پستان سے دودھ پی رہا تھا پستان چھوڑ کر بول پڑا اور بولا

اے اللہ مجھے اس کی طرح نہ بنانا۔

یہ کہہ کر پھر واپس پستان منہ میں لیا اور دودھ پینے لگا۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں گویا میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں جب آپؐ نے اس بات کو فرماتے وقت اپنی انگلی منہ میں لے کر چوسی۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ میں لوگوں میں عیسیٰ بن مریم کے (قربت و تعلق کے اعتبار سے) سب سے زیادہ لائق ہوں، اور سارے انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، اور میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سب انبیاء باپ شریک بھائی ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے اور ان کی باتیں مختلف ہیں، اور لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم کے سب سے زیادہ لائق میں ہوں کیونکہ ہم دونوں کے درمیان اور کوئی نبی نہیں اور وہ اتریں گے جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا، درمیانے قد مائل بہ سرخی و سپیدی ہیں، بھرے جسم والے ہیں گویا سر سے پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ تری نیچے نہ پہنچے، وہ آکر صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے جزیہ ختم کر دیں گے تمام ملتوں کو ختم کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانے میں صرف اسلام رہ جائے گا اور ان کے زمانے میں اللہ مسیح دجال کو بھی (انہی کے ہاتھوں) ہلاک فرمائے گا، اور زمین میں امن و برکت ہو جائے گی، حتیٰ کہ اونٹ اور شیر ساتھ چریں گے اور چیتے اور گائیں ساتھ چریں گی اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور بچے بچیاں سانپوں کے

ساتھ کھیلیں گے، ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا، جب تک اللہ نے چاہا یوں ہی ہوتا رہے گا پھر حضرت عیسیٰ وفات فرمائیں گے تو مسلمان ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفنائیں گے، الحدیث۔

ایک روایت میں ہے کہ چالیس سال ٹھہریں گے۔

اور ایک جگہ آیا ہے آپ دمشق کی جامع مسجد کے سفید منارے پر اتریں گے اور صبح کی نماز کے واسطے اقامت تک ہو چکی ہوگی تو آپ کو امام المسلمین کہیں گے آیئے نماز پڑھایئے اے روح اللہ، آپ کہیں گے نہیں، تم ایک دوسرے پر امراء ہو اور یہ امت اللہ کے ہاں عزت والی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے آپ جواب دیں گے نہیں اقامت آپ کے لئے کہی گئی ہے آپ ہی پڑھائیں پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ سوار ہو کر جہاد کریں گے اور دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔

عبداللہ بن سلام اپنے دادا سے باپ کے واسطے کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ

تورات میں محمد اور عیسیٰ کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور یہ کہ وہ دونوں ایک جگہ دفن ہوں گے اور اب بھی ایک قبر کی جگہ آپ کے روضۂ اطہر میں باقی ہے۔

اور دونوں پیغمبروں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ تو اس میں کئی قول ہیں چھ سو سال، پانچ سو ساٹھ سال، پانچ سو چالیس سال، چھ سو بیس سال قمری۔

ابن حبان کی صحیح میں حضور سے منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے داؤد کو اٹھایا تو ان کی قوم نہ بدلی نہ گمراہ ہوئی اور اصحاب عیسیٰ دو سو سال تک ان کے طریقے پر گامزن رہے۔

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ نے اٹھائے جانے سے پہلے حوارین کو دنیا کے گوشے گوشے میں دعوت کے لئے بھیجا، اور وہ تمام وہاں کی بولیاں بولنے لگے۔

اور کئی حضرات نے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰؑ سے انجیل چار آدمیوں نے نقل کی ہے، لوقا، متی، مرقس، یوحنا لیکن چاروں کے نسخوں میں بہت بہت فرق ہے۔

اور دمشق میں ایک شخص ضینا تھا جو آپ پر ایمان لایا لیکن اس نے ظالم یہودی بولص کے ڈر سے ایمان ظاہر نہ کیا کیونکہ یہ سردار حضرت مسیح سے بڑا بغض رکھتا تھا۔ اور جب ان کا بھتیجا مسیح پر ایمان لایا تھا تو اس نے بطور سزا اس کے سر کے بال کٹوا دیئے تھے، پھر اس کو شہر میں چکر دلوا کر پتھروں سے سنگسار کر دیا تھا تو ایک مرتبہ اس ظالم نے سنا کہ مسیح دمشق آ رہے ہیں تو یہ اپنے خنجروں اور ساز و سامان کے ساتھ ان کے قتل کے ارادے سے نکلا، اور مقام کوکب کے پاس دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو ایک فرشتے نے آکر پہلے ہی بولص کے منہ پر پر مارا اور اس کو اندھا کر دیا۔ یہ حضرت مسیح کی سچائی جان گیا اور جا کر معافی مانگی اور آنکھوں کی واپسی کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ تیرے علاقے میں ضینا ہے اس سے دعا کروا، پھر اس کی آنکھیں صحیح ہوگئیں اور اس نے پھر آپ کے لئے کنیسہ بنوایا جو اب تک بولص کے کنیسے سے دمشق میں مشہور ہے۔

المترجم بالوضاحت، بندہ عاجز و ناچیز احقر العباد محمد اصغر مغل، ولد حاجی عبدالمجید مغل بارگاہ خداوندی میں بصد عجز و نیاز ملتجی ہے کہ اپنی بے پایاں رحمت و نوازش کے دامن میں اس حقیر و ناچار کی خدمت کو شرف

قبولیت بخش دے اور اس کو میرے اور میرے جمیع اہل خانہ کے لئے مغفرت و نجات کا وسیلہ بنا دے اور اپنے تمام پیغمبروں کے صدقے خاتمہ ایمان پر نصیب فرما دے۔

قارئین سے التماس ہے کہ اگر کتاب ہذا سے کچھ نفع ہو تو بندے کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

یارب صل وسلم دائماً ابداً ابداً علی حبیك خیر الخلق كلهم

☆
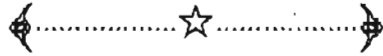
ضمیمہ قصص الانبیاء

حالات و قصص نبی آخر الزماں ﷺ

از :- مولانا محمد اصغر صاحب

امام الانبیاء سید المرسلین سرکار دو جہاں فخر دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ خیر

آنحضرت ﷺ کا شجرۂ نسب :-

محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب (عبد المطلب کا اصل نام شیبہ ہے) بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان[1] بن ادو بن حقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن حضرت اسماعیلؑ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام بن تارح (انہی کو آذر کہا جاتا ہے) بن ناحور بن ساروح بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (اور یہی حضرت ادریس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں) بن یرد بن مہلیل بن قینان بن یانش بن شیث بن آدم علیہما الصلوٰۃ والسلام ہے۔

احقر نے یہ شجرۂ نسب سیرت ابن ہشام سے لیا ہے اور حضرت ابن ہشامؒ فرماتے ہیں یہ شجرہ مجھے زیاد بن عبداللہ بکائی کے ذریعے محمد بن اسحاق مطلبیؒ سے پہنچا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے متعلق فرمان الٰہی ہے۔

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں (الغرض) اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی نشانیاں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔[2]

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر

---

[1] عدنان کے بعد کے اسماء گرامی میں بہت اختلاف ہے، اس لئے صاحب مواہب کا فرمان ہے کہ عدنان کے بعد نسب بیان کرنے سے اجتناب مناسب ہے، اور عدنان سے پہلے تمام اسماء مسلم ہیں۔ [2] سورۂ فتح آیت ۲۹۔

الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ ﷺ کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔[1]

اور کئی جگہ اللہ عزوجل آپ کو اپنی خاص عبدیت کے لقب سے نوازتے ہیں۔ مثلاً

اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔[2]

اور سورۂ توبہ میں اللہ عزوجل بڑی محبت کے انداز میں آپ کی تعریف فرماتے ہیں۔

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں پھر (بھی) اگر یہ لوگ پھر جائیں (اور نہ مانیں) تو (اے پیغمبر) کہہ دے کہ خدا مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔[3]

اور سورۂ قلم میں اللہ عزوجل آپ کی بلند پایہ صفات پر قسم اٹھاتے ہیں فرمان ربانی ہے قسم ہے قلم کی اور اس کی جو (اہل قلم) لکھتے ہیں، کہ (محمد) تم اپنے پروردگار کے فضل سے مجنون نہیں ہو، اور بے شک آپ کے اخلاق (بہت) عظیم ہیں، سو عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے کہ کون تم میں سے دیوانہ ہے؟[4]

آپ کے اخلاق کے متعلق خدائے عزوجل نے جتنی تعریف فرمائی اتنی کسی اور کے لئے نہیں فرمائی۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء میں آپ کا اخلاق ضرب المثل ہے، اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جنت میں اہل جنت کا اخلاق سرکار دوجہاں ﷺ جیسا ہوگا۔

آپ کی نرمی اور مہربانی کے متعلق اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

(اے محمد) خدا کی مہربانی سے تم لوگوں کیلئے نرم ہو گئے ہو، اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، پس ان کے ساتھ معافی کا سلوک کرو اور ان کیلئے مغفرت مانگو، اور اپنے کاموں میں ان سے مشورے لیتے رہا کرو، اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسہ کرو بے شک خدا بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[5]

اور آپ کی ذات تمام مخلوق کیلئے عظیم احسان والی ذات ہے کیونکہ آپ کی بدولت کون و مکان کو وجود عطا ہوا اور پھر تمام انسانوں اور جنوں پر بھی آپ کا عظیم احسان ہے کہ آخرت میں آپ کی شفاعت کبریٰ سے تمام جن و انساں نفع اٹھائیں گے اور روز محشر کی ہولناکیوں سے چھٹکارا پائیں گے اور امت محمدیہ پر تو آپ کا سب سے بڑا احسان ہے، فرمان باری ہے۔

بے شک اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا جب ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ یہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

---

[1] احزاب ۲۱۔ [2] سورۂ جن ۱۹۔ [3] سورۂ توبہ آخری دو آیات
[4] سورۂ قلم ۱تا۵۔ [5] سورۂ آل عمران ۱۵۹

حضور اکرم ﷺ کی عظمت وشان

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں میں سے عربوں کو منتخب فرمایا اور ان تمام عربوں میں سے مجھے منتخب فرمایا۔[1]
اور حضرت وائلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔
اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے حضرت ابراہیمؑ کو منتخب فرمایا اور انہیں اپنا دوست بنایا، پھر حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کا انتخاب فرمایا، پھر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے نزار کا انتخاب فرمایا پھر نزار کی اولاد میں سے مضر کا انتخاب فرمایا پھر مضر کی اولاد میں بنی کنانہ کو منتخب فرمایا پھر بنی کنانہ میں قریش کو منتخب فرمایا، پھر قریش میں بنی ہاشم کو منتخب فرمایا پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔[2] الغرض حضور اکرم ﷺ کل کائنات کا لب لباب اور مقصود اصل ہیں اور آپ کی شرافت و فضیلت کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز پر حاوی ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، ایک روایت ہے جس کو جعفر ابن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا۔
اے محمد: اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا، میں نے دنیا کے مشرق و مغرب اور میدان اور پہاڑوں میں چکر لگایا مگر مجھے مضر کے سوا تمام جانداروں میں کوئی چیز (ان سے بڑھ کر) اچھی اور بہتر نہیں ملی۔
پھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر بنی مضر میں بھی گھوما مگر مجھے کنانہ کے سوا کوئی بہترین انسان نہیں ملا پھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر بنی قریش میں بھی گھوما مگر مجھے بنی ہاشم سے بہتر انسان نہیں ملے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں بنی ہاشم میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں تو مجھے آپ ﷺ سے بہترین کوئی انسان نہ ملا، سبحان اللہ[3] یہاں وحی سے آپ کی فضیلت و برتری کی بلندی معلوم ہوتی ہے۔
اور شفاء میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے اور مجھے ان میں سے بنایا ہے جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔
اصحاب الیمین و اصحاب الشمال[4] دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے اور میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور پھر اصحاب یمین میں سے بھی بہتر ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے ان دو قسموں کی تین قسمیں بنائیں اور میں ان تین قسموں میں سے بھی بہتر ہوں۔ اور یہ تین قسمیں اللہ کے اس فرمان میں ہیں۔

اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون[5]

---

[1] سیرت حلبی۔ [2] سابق [3] سیرت حلبی ۱۰۲۔ [4] [5] سورۂ واقعہ

دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے اور جو پہل کرنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا وہ تو) آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔

پس میں سبقت کرنے والوں میں بھی بہترین ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کو قبائل میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں بہترین قبیلے میں سے بنایا، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وجعلنا کم شعوبا و قبائل اور تمہیں ذاتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم کو آدمی کی پہچان ہو۔

پس میں اولادِ آدم میں سب سے بہترین اور اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ شریف و کریم ہوں اور مجھے اس پر غرور نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو گھرانوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بنایا جو گھرانے کے اعتبار سے سب سے بہترین ہیں اور مجھے اس پر غرور نہیں۔ اور وہ اللہ کا یہ فرمان ہے۔

انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت[1]

اے نبیؐ کے گھر والو اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کردے (شفاء بحوالہ حلیہ)

[1] احزاب ۱۳

حسن کائنات آنحضرت ﷺ کا حلیہ حسن و جمال

حضور اکرم ﷺ کے جمال جہاں آرا کو کماحقہ تعبیر کر دینا اور نور مجسم کی تصویر کشی کرنا طاقت سے باہر ہے۔ لیکن پھر بھی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی ہمت و وسعت کے بقدر اسکو بیان فرمایا۔ لہذا اسمیں سے کچھ پیش نظر ہے۔

ترمذی میں ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ

حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ دراز قد تھے نہ پستہ قد تھے بلکہ میانہ قد تھے اور رنگ میں بہت ہی زیادہ سفید نہ تھے (جو عیب لگتا ہے) نہ بالکل سانولی رنگت کے تھے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن نور اور ملاحت و ملائمت والے تھے) اور حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل گھنے پیچ دار بلکہ ہلکے سے گھنگریالے تھے۔ چالیس سال عمر ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنا نبی بنایا۔ اور دس سال مکہ میں رہے (یا کچھ کم و بیش) اور دس سال مدینہ میں رہے پھر ساٹھ سال کی عمر میں آپکو وفات دی گئی (اس مدت میں کچھ نظر ہے) اور اس عمر میں آپکے سر اور داڑھی میں بیس بال سے زیادہ بھی سفید نہ تھے۔ [1]

اس حدیث میں نبوت ملنے کے بعد دس سال مکہ میں اقامت گزینی مذکور ہے۔ جبکہ یہ مدت تمام روایتوں کے خلاف ہے۔ اسی طرح کل عمر مبارک بھی تریسٹھ سال تھی نہ کہ ساٹھ سال۔ پھر اس حدیث مبارک کی توجیہ کی گئی ہے کہ یہاں دہائی کے بیان کو مقصود نظر رکھا ہے اور کسر کو چھوڑ دیا ہے۔

ترمذی میں ہے کہ ابراہیمؒ بن محمد (جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں وہ) کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ حضور اکرم ﷺ کا حلیہ بیان فرماتے تو یوں فرماتے حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ طویل القامت تھے نہ کوتاہ قامت تھے بلکہ میانہ قامت تھے اور حضور اکرم ﷺ کے بال نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ کچھ گھنگریالے تھے۔ اور آپ فربہ جسم نہ تھے اور نہ ہی آپکا چہرہ بالکل گول تھا۔ بلکہ کچھ گول تھا (جسکو کتابی چہرہ کہتے ہیں) اور آپ کا رنگ سفید مائل سرخی تھا۔

اور آپ کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ (اور سفیدی نہایت سفید) تھی۔ اور پلکیں دراز تھیں بدن کے جوڑوں کی جگہ یعنی پٹھے پر گوشت تھے۔ اور دونوں شانوں کی درمیانی جگہ بھی پر گوشت تھی اور آپ کے بدن مبارک پر زائد بال بالکل نہ تھے بلکہ سینے پر بھی اوپر سے ناف تک صرف بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی اور آپکے دست و پا پر گوشت تھے۔

جب آپ چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے اور ایسا لگتا گویا نشیب میں اتر رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے حسین سراپا کے ساتھ متوجہ ہوتے (یعنی متکبروں کی طرح بے رخی کا انداز نہ

---

[1] ترمذی شریف

(رہا تے)۔اور آپکے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ اور آپ خاتم النبیین تھے۔ سب سے زیادہ فیاض دسخی تھے اور سب سے زیادہ سچے صاف گو تھے سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔

اور آپ کو جو شخص دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا اور جب آپ سے معرفت کے ساتھ ملتا جلتا تو آپ کو سب سے زیادہ محبوب بنالیتا تھا۔ آپکی مدح سرائی کرنے والا کہتا ہے

انکی مثل نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا اور نہ انکے بعد کبھی دیکھا۔ (ترمذی)

حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت :-

ترمذی کی حدیث میں حضرت سائبؓ فرماتے ہیں۔

فنظرت الی الخاتم الذی بین کتفیه فاذا هومثل زرالحجلة کہ پھر میں نے (حضور اکرم ﷺ کے) دونوں مثل زر الحجلة۔ . . شانوں کے درمیان مہر دیکھی جو مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی۔

یعنی مسہری کے پردے کی گھنڈی جیسی تھی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔

اس لفظ کے ترجمہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہاں جو ترجمہ نقل کیا یہ مسلم شریف کے شارح حضرت امام نووی کا مختار ہے۔

اور شمائل ترمذی ہی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو آپکے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی۔ اور مقدار میں کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو ایک یہودی عالم جو مکہ میں رہتا تھا اس نے پوچھا اے فرشتو! کیا تمہارے ہاں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے ؟ تو لوگوں نے کہا ہمیں تو معلوم نہیں تو یہودی نے کہا : میں جو کہتا ہوں وہ اچھی طرح سن لو۔ آج اس امت کا آخری پیغمبر جنم لے چکا ہے اور اسکے مونڈھے کے پاس بطور علامت کے ایک مہر ہے جس میں بہت زیادہ بال ہونگے۔ لوگ اسکی بات سے بڑے حیران ہوئے۔ واپس گھروں کو لوٹے اور اپنے گھر والوں سے پوچھا تو انکو معلوم تھا کہ ہاں آج عبداللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اب یہ قریشی پھر اس یہودی سے ملے جو پہلے ہی بچے کو دیکھنے کیلئے بے قرار تھا۔ تو قریشی اسکو لے کر عبداللہ کے ہاں پہنچے اور یہودی نے حضرت آمنہ سے بچہ منگوایا حضرت آمنہ نے بچے کو کپڑے سے باہر نکالا ان لوگوں نے آپکی کمر دیکھ لی اور یہودی کو جیسے ہی کمر پر مہر نبوت نظر آئی وہ فوراً غم وہیبت کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا جب کچھ ہوش آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا ؟ کہا آج ہم بنی اسرائیل سے نبوت کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش مبارک :-

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی ناف کٹی ہوئی تھی۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو حضرت جبرئیل نے آکر انکی ناف کاٹی پھر

---

[1] تفسیر حلبیہ

انکے کان میں اذان کہی۔ اور پھر انکو ایک سفید کپڑا پہنایا۔

اور جب فخر دو جہاں آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

اور آپکی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور بدن اطہر تمام آلائشوں سے پاکیزہ تھا۔

اور آپ ﷺ کے حمل پڑ جانے سے پہلے سال میں قحط سالی اور فقر و افلاس عرب میں عام تھا۔ مگر جب یہ سنہرا سال آیا تو تمام مصیبتیں عرب سے چھٹ گئیں اور ہر طرف سرسبزی و شادابی نمایاں ہو گئی اور دنیا کی کایا پلٹ گئی، درخت ہرے بھرے ہو کر پھلوں کے بوجھ سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ہر طرف بجلی کی کڑک آ آکر خوشیوں کی گھنٹیاں بجائیں اور گھٹائیں چھاچھا کر آتیں اور پورے زور شور سے برس کر جل تھل کر جاتیں۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ جب عبد المطلب نے اپنا پوتا ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ایا یا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

میرا یہ بیٹا نرالی اور بڑی شان والا ہو گا۔

اور جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپکی مٹھی بند تھی اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی (گویا خدا کی وحدانیت کا اقرار کر رہے ہیں)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھے

گویا پیدا ہوتے ہی سجدہ ریز ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کی ولادت کا دن :-

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت میں بھی بہت اختلاف ہے اول تو اس میں اختلاف ہے کہ رات کے وقت ہوئی تھی یا روز روشن کو۔ اور پھر دن میں ہوئی تو دن کے کون سے وقت میں ہوئی؟ اسی طرح پیدائش کے دن اور مہینے اور سال میں بھی اختلاف ہے اور جائے پیدائش کے متعلق بھی اختلاف ہے۔

تو ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے۔ اور یہ قول اتنا موکد ہے کہ بعض محققین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پیر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں بلکہ جو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن پیدا ہوئے تو خدا کی قسم وہ غلطی پر ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پیر کے دن کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جسمیں میری پیدائش ہوئی۔

اور وقت ولادت کے متعلق زبیر بن بکار اور حافظ بن بکار اور حافظ ابن عساکرؒ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کا وقت صبح سویرے تھا یعنی طلوع فجر کے وقت۔ اس پر حضرت عبد المطلب کا قول تاکید کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں رات اور صبح کے ملنے کے وقت ایک لڑکا پیدا ہوا۔

جبکہ مشہور تابعی کبیر حضرت سعید ابن المسیبؒ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ دن کے وسط یعنی دوپہر کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ اور اب تک ربیع الاول کی گیارہ راتیں بیت چکی تھیں یعنی بارہویں تاریخ تھی۔ اور علامہ شامیؒ بھی

یہی فرماتے ہیں اور وہ اسپر اتفاق نقل کرتے ہیں۔

جبکہ ایک روایت دس تاریخ کی ہے اور اس روایت کو درست قرار دیا گیا ہے اور یہ علامہ دمیاطی کا قول ہے۔ اور اس روایت کے درست ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بارہ تاریخ ابن اسحاقؒ نقل کرنے والے ہیں اور انہوں نے اسکو مسند مقطوع کے ساتھ بلکہ بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور اگر ابن اسحاق اسکی سند کو ذکر بھی کر دیتے تب بھی اسکا اعتبار نہ ہوتا کیونکہ علماء نے انپر جرح و تنقید فرمائی ہے۔ چنانچہ ابن مدینیؒ اور ابن معینؒ نے نقل کیا ہے کہ ابن اسحاق کی روایتیں حجت اور دلیل نہیں بنائی جاسکتی۔ حتیٰ کہ امام مالک نے انکو جھوٹا قرار دیا ہے بہر حال ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سترہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت اٹھارہ ربیع الاول کی ہے، اور تو اور ایک طرف ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپکی پیدائش رمضان کی بارہ تاریخ کو ہوئی اور ایک روایت آٹھ رمضان کی ہے اور اس تاریخ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں بصورت حمل ایام تشریق یعنی عید الاضحیٰ کے ایام یا یوم عاشورہ کو آئے۔ اور پھر پورے نوماہ اپنی والدہ کے شکم مبارک میں رہے لہذا اس اعتبار سے رمضان ہی آپکا دن پیدائش بنتا ہے۔ مگر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔ اور پھر ماہ رمضان میں ولادت کے قائل یہ بھی کہتے ہیں آپ پر ماہ رمضان ہی میں وحی کی ابتداء ہوئی لہذا اسی ماہ میں ولادت تسلیم کی جائے۔

اور ایک روایت آٹھ ربیع الاول کی بھی ہے۔ اور ابن دحیہ فرماتے ہیں یہی روایت صحیح ہے اور کوئی صحیح نہیں ہے اور تمام مورخین بھی اسی پر متفق ہیں اور علامہ قطب قسطلانی کہتے ہیں کہ اکثر محدثین نے اسی پر اتفاق کیا ہے۔ مثلاً حمیدی اور انکے استاد ابن حزم۔

اور ایک روایت دو ربیع الاول کی ہے اور علامہ ابن عبد البر نے اس کو معتبر قرار دیا ہے، الغرض احقر کہتا ہے کہ متعین طور پر بارہ ربیع الاول کو یوم پیدائش قرار دے لینا درست نہیں جبکہ اتنے اقوال اسمیں ذکر کئے اور ابھی اسی قدر مزید اقوال ہیں جنکا ذکر طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔

اور مزید یہ کہ وفات تو بارہ ربیع الاول کو متفق علیہ ہے۔ لہذا یہ یوم پیدائش کا نہیں وفات کا تعین ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی آمد آمد۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے تو دنیا کے تمام بت منہ کے بل گر گئے تھے۔

اور حضور اکرم ﷺ جب اپنی والدہ کے شکم اطہر میں آئے تب بھی تمام بت گرے تھے اور جب آپ نے جنم لیا تب بھی تمام بت گر گئے تھے حضرت عبد المطلب سے روایت ہے کہ میں کعبے میں تھا اچانک میں نے دیکھا کہ کعبہ کے بت اپنی جگہوں سے گر پڑے اور سجدے کی سی حالت میں زمین پر اوندھے ہو گئے، ساتھ ہی میں نے کعبے کی دیوار میں سے ایک آنے والی آواز سنی کہ

خدا کے وہ محبوب پیدا ہو گئے ہیں جنکے ہاتھوں غیر اللہ کے معبود ہلاک ہوں گے اور وہ محبوب مکہ کو بتوں کی پرستش سے پاک کر دیں گے۔ اور وہ لوگوں کو ایک اس خدا کی عبادت کا حکم دیں گے جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ ابن نوفل۔ زید ابن عمرو ابن نفیل، اور

عبداللہ ابن جحش بھی تھے یہ روزمرہ کی طرح اپنے ایک خاص بت کے پاس آئے اور جس رات سرور کائنات کی پیدائش ہوئی اس رات اس بت کو انہوں نے اوندھے منہ گرے پایا۔ انہوں نے اٹھا کر سیدھا کیا مگر وہ تھا کہ دوبارہ گر گیا پھر سیدھا کیا مگر پھر بھی گر گیا۔ اسپر سب کو تعجب ہوا اور کچھ لوگوں نے اشعار پڑھے جن میں بت سے اس کی خاص وجہ پوچھی گئی تو بت کے اندر سے آواز آئی

تردی لمولود اضاءت بنوره

جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب

ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جسکے نور سے تمام مشرق و مغرب کے علاقے روشن ہو گئے۔
اور جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اس رات کعبہ میں زلزلہ آیا جو تین دن تین رات تک رہا اور لرزش میں رہا۔ جسکو قریش نے بھی دیکھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب خدا کا گھر خدا کیلئے خالی ہونے کا وقت آگیا ہے اور انسے پاک ہونے کا وقت آگیا ہے۔
اسی طرح آپکی مبارک پیدائش پر دنیا کی عظیم مملکت (فارس ایران) کے بادشاہ کے زبردست مضبوط محل کے اندر شگاف پڑ گئے اور وہ زلزلے کی زد میں آگیا اور اسکے چودہ ستون گر پڑے۔
اسی طرح اسکے ملک میں جو آگ کے الاؤ بطور معبود کے جلتے رہتے تھے وہ تمام یکلخت فوراً بجھ گئے الغرض یہ دن تمام دنیا کے معبودان باطلہ کیلئے آخری چیلنج تھا۔ اور پھر خاص طور پر ایران میں زیادہ علامتیں ظہور پذیر ہوئیں جیسے کہ گذریں انہی میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس دن فارس کے چشموں کا پانی سوکھ گیا۔
اور ایران فارس میں ان نشانیوں کی وجہ یہ تھی کہ انکو آنے والے عذاب سے ڈرایا گیا تھا کہ کیونکہ مستقبل میں ایران کے بادشاہ کسری پرویز نے حضور کا خط مبارک پھاڑنا تھا اور اسکے بعد اسکی سلطنت کا پارہ پارہ ہونا تھا جسکو تمام دنیا نے دیکھا۔ اور اب سے ہی اسکی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ تاہم ابھی جو بادشاہ تھا وہ نوشیرواں تھا۔ اور اسکے بعد پرویز نے آپ ﷺ کا عہد نبوت پایا اور نافرمانی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوا۔
تفسیر ابن مخلد جسکے متعلق ابن حزم نے فرمایا کہ اس جیسی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اسمیں ہے کہ شیطان اپنی پوری طویل زندگی میں صرف چار مرتبہ نہایت مصیبت اور غم واندوہ سے چیخا ہے پہلی مرتبہ جب چیخا جب اللہ نے اسکو اپنی عالی بارگاہ ہانک دیا اور اسکو ملعون کر دیا دوسری مرتبہ تب چیخا جب اسکو آسمان سے زمین پر اتارا گیا۔ تیسری مرتبہ تب اس نے غم و مصیبت سے چیخ و پکار اور آہ و واویلا جب حضور اقدس ﷺ مبارک نے جنم لیا۔ اور چوتھی مرتبہ تب چیخا جب آپ ﷺ پر سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔
عیون الاثر کے مصنف نے شعر فرمایا

لمولده قد رن ابلیس رنة

فسحقا له ماذا یفید رنینه

آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس بڑے الم و غم کے ساتھ رویا دھاڑا پس وہ تباہ و برباد ہو اسکے چیخنے سے کیا فائدہ ہوگا؟

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے جنم لیا تو شیطان نے ستاروں کو گرتے دیکھا تو اس نے اپنے لشکر سے کہا اس رات کوئی ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو ہماری محنتوں پر پانی پھیر دے گا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جب شیطانوں کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا اور انہیں مار مار کر وہاں سے دفع کر دیا گیا تو شیطانوں نے آکر ابلیس سے ماجرا ذکر کیا تو ابلیس نے کہا معلوم ہوتا ہے آج دنیا میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے پھر ابلیس نے شیطانوں کو حکم دیا کہ زمین کے تمام علاقوں سے تھوڑی تھوڑی مٹی کو اٹھا کر لاؤ۔ پھر ابلیس ہر ہر مٹی سونگھتا رہا حتی کہ اس نے تہامہ یعنی مکہ سرزمین کی مٹی سونگھی تو فوراً پوچھا یہ کہاں کی مٹی ہے؟ کہا گیا تہامہ کی تو بولا یہاں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔

پادریوں اور راہبوں کو بھی آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر تھی چنانچہ حضرت حسان ابن ثابت سے روایت ہے کہ میں آنحضرت کی ولادت کے وقت سات آٹھ سالہ کا لڑکا تھا اور ہوش و حواس سے تھا۔ میں نے اس زمانے میں یثرب میں ایک صبح کو کسی یہودی کو دیکھا کہ وہ اونچے ٹیلے پر چڑھ کر چیخ چیخ کر یہودیوں کو پکار رہا ہے جس سے یہودی لوگ اسکے گرد جمع ہو گئے اور پوچھا تجھے کیا ہو گیا؟ کہا

احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ آج رات آگئے ہیں۔ (کیونکہ بعض قدیم کتب میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات اس ستارے کا طلوع بطور علامت کے درج تھا الغرض حضور اکرم ﷺ کی پیدائش پر پورے عالم میں چہل پہل اور روشنی ہو گئی تھی۔ اور حضرت آمنہ نے بھی بہت سی باتیں ملاحظہ کی تھیں اور جب جناب عبد المطلب انکے پاس آئے تو آمنہ نے ساری خبریں انکو دیں جنکو اختصار کے پیش نظر ترک کیا جاتا ہے پھر حضرت عبد المطلب آپؐ کو گود میں لے جا کر کعبہ مقدس گئے اور اللہ سے دعا کی اور اسکا شکر بجالائے اور واپس آکر مقدس گود کے حوالے کر دیا پھر حضرت آمنہ دودھ پلانے کی خدمت کے متعلق غور و فکر فرمانے لگیں۔

حضور اکرم ﷺ کا دودھ پینا:۔

پیچھے مہر نبوت کے تذکرے میں ایک یہودی عالم کا تذکرہ ہوا اس نے جب آپ ﷺ کی مہر نبوت کے متعلق بات کی تھی تب آپکی ایک علامت اور ذکر کی تھی جسکو وہاں موضوع کی عدم مناسبت کے تحت چھوڑ دیا گیا وہ علامت اس یہودی عالم نے یہ ذکر کی کہ

دوسری علامت اس بچے کی یہ ہے کہ وہ دو رات تک دودھ نہ پئے گا۔

اور یہ بات کئی روایتوں میں آئی ہے کہ آپ نے دو یا تین دن رات تک دودھ نہ پیا اور یہ کسی بیماری کی وجہ سے تھا۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسکو ذکر فرمایا ہے۔

پھر جب آپ نے دودھ پینا شروع کیا تو حضرت آمنہ نے اپنے لخت جگر کو سب سے دودھ پلایا۔ علامہ قفاعی کی کتاب عیون المعارف میں ہے کہ حضرت آمنہ نے آپکو سات دن دودھ پلایا اور ایک روایت ہے آپ نے اپنی والدہ کا نو دن دودھ پیا۔

انکے بعد ثوبیہ جو ابولہب کی باندی تھی اسنے آپکو دودھ پلایا۔ ام ایمن عزیزہ کہتی ہیں کہ سب سے پہلے (یعنی

آپکی والدہ کے بعد) آپکو دودھ پلانے والی ثویبہ ہیں۔ جب ثویبہ نے حضور کی پیدائش کی خبر اپنے آقا ابو لہب کو دی تو اس نے آپ کو آزاد کر دیا۔ ثویبہ کو دودھ انکے اپنے بچے مروح کی وجہ سے تھا اور ثویبہ نے اس سے پہلے آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابو سفیان کو بھی دودھ پلایا تھا اس طرح مروح اور ابو سفیان آپکے رضاعی بھائی ہوئے۔ اور ابو سفیان کے متعلق کئی علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے بچپن کے دوست تھے مگر جب اسلام کا آغاز ہوا تو تب سے مفارقت ہو گئی پھر فتح مکہ پر ابو سفیان نے اسلام لا کر بھائی سے دوبارہ دوستی کر لی۔

اور ان دونوں سے چند سال پہلے ثویبہ نے حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا اس طرح یہ بھی آپکے رضاعی بھائی کہلائے۔ اسی طرح بنی سعد کی ایک اور عورت جو حلیمہ کے سوا ہیں اس نے بھی حمزہ اور حضور ﷺ دونوں کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس طرح کہ اصل میں تو وہ حمزہ کو دودھ پلایا کرتی تھیں ایک مرتبہ حضرت حلیمہ نے اس عورت کو حضور پکڑا دیئے تو اس نے آپکو بھی دودھ پلا دیا۔ اس طرح دو ماؤں کے واسطے سے حضور حضرت حمزہ کے رضاعی بھائی ہوئے۔

اور حضور اکرم ﷺ کو کئی عورتوں نے دودھ پلایا ہے بعض نے آٹھ تک تعداد لکھی ہے ایک روایت ہے کہ آپکا یہ معجزہ تھا کہ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے اپنے اپنے پستان آپکے آگے منہ میں دیئے تو خدا کی برکت سے انکی دودھ کی دھاریں نکل کر آپکے مبارک دہن میں پہنچ گئیں اور ان تینوں کا نام عاتکہ تھا اور حضور کا بھی فرمان ہے میں بنی سلیم کی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔

اور پھر حضور اکرم ﷺ کے والد کی باندی ام ایمن تھیں ایک روایت کے مطابق اس نے بھی آپکو دودھ پلایا۔ لیکن یہ دایہ تو تھی۔ اور یہ بات حتمی ہے مگر رضاعی ماں ہونے میں اختلاف ہے۔

اور سب سے زیادہ اور طویل مدت تک دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ سعدیہؓ ہیں اور یہ ابو ذؤیب کی بیٹی تھیں اور انکا لقب ام کبشہ تھا کیونکہ کبشہ انکی بیٹی تھی۔ اور حلیمہ سعدیہ قبیلہ بنی ہوازن کی تھیں اور حضرت حلیمہ کا نسب نامہ یہ ہے حلیمہ بنت ابی ذؤیب عبد اللہ بن حرث بن شجنہ بن جابر بن ازام بن ناصرہ بن تصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن فصفہ بن قیس بن صیلان ہے۔ اور انکے شوہر اخرث بن عبد العزی بن رفاعہ تھے۔

اور ابن اسحاق کہتے ہیں آپکے رضاعی بہن بھائی حضرت حلیمہ کی طرف سے یہ ہیں۔

عبد اللہ بن حرث، انیسہ بن حرث خذامہ بنت حرث اور اسی خذامہ کا نام شیمہ ہے [1]

اور اس نے بھی حضور کی پرورش میں کافی حصہ لیا ہے۔ اور یہ آپکے ساتھ انتہائی محبت کرنے والی تھی انکے آپ کے متعلق عمدہ اور دلچسپ اشعار ہیں۔

---

[1] اس کے لئے بندہ مترجم کی کتاب پڑھئے عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین۔ قصہ حضرت حلیمہ،

حضور ﷺ کی برکات

۱۔ حضرت حلیمہ آپکی رضاعت کی خدمت کا حال درد بھرے انداز میں بیان فرماتی ہیں۔
سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابن اسحاق سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حلیمہ اپنے چھوٹے دودھ پیتے بچے (غالباً عبداللہ) کو لیکر اپنے دیہات سے اپنے خاوند کے ہمراہ چل پڑیں اور بنی سعد کی دوسری عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ اور یہ قافلہ اسی غرض سے نکلا تھا کہ شہر سے شیر خوار بچوں کو گود لائیں گی اور انکی اجرت سے گذر بسر کا سامان کریں گی۔
اور وہ سال خشک سالی کا تھا سب لوگ باران رحمت کی آس میں تھے۔ خود حلیمہ کہتی ہیں میں اپنی گدھی پر سوار تھی وہ بھی بھوک پیاس سے ایسی نڈھال تھی کہ بمشکل قدم اٹھاتی تھی اور میرے پستانوں میں بھی دودھ بالکل خشک ہو گیا تھا جسکی وجہ سے میرا دودھ پیتا بچہ بھوک کی وجہ سے سوتا نہ تھا۔ اور ہمارے ساتھ دودھ دینے والی اونٹنی بھی بوڑھی لاغر ہو چکی تھی اور دودھ سے بھاگ چکی تھی کہ چلو اسی کا دودھ سہارا بن سکتا۔ الغرض ہزار خرابیوں کے باوجود میں مکہ پہنچی اور میرے ساتھ کی جو عورتیں تھیں وہ سب مجھ سے پہلے جا کر بچوں کو گود لے آئیں۔ مگر ادھر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی یہی حال تھا کہ آپ یتیم تھے جسکی بناء پر کسی عورت نے انکو قبول نہ کیا کہ اجرت دینے والا عام طور پر باپ ہوتا ہے اور اس کے سائے یہ بچہ محروم ہے تو اجرت کہاں سے ملے گی حلیمہ کہتی ہیں پہلی بار تو میں بھی اسی خیال سے حضور کو چھوڑ آئی تھی۔ مگر میں نے رات کو اپنے خاوند سے مشورہ کیا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ صبح کو ہمارا قافلہ جانے والا ہے اور سب کے ساتھ بچے ہیں اور خدا کی قسم ہم اسی یتیم بچے کو لائیں گے تاکہ ہمیں ہمراہیوں سے شرمندگی نہ ہو میرے شوہر نے بھی حمایت کی ہاں ضرور اسی یتیم کو ہی لے آؤ اور مجھے توی امید ہے کہ اسکی برکت سے ہمارے ہاں خیر و برکت ہو جائے گی۔
حلیمہ کہتی ہیں میں نے جیسے ہی حضور کو گلے لگایا میری چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور حضور ﷺ نے خوب سیر ہو کر پیا اور آپکا رضاعی بھائی بھی آپکی برکت سے شکم سیر ہو گیا۔ اور دونوں نے بڑے راحت و آرام سے رات بسر کی۔ اور حلیمہ فرماتی ہیں اسی طرح ہمارا دودھ دینے والا جانور بھی دودھ سے تھلا تھل بھر گیا۔
اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے جب حضرت عبدالمطلب سے حضور کو گود لیا اور اپنی سہیلیوں کے ہمراہ واپس ہوئیں تو اسی واپسی کے سفر کی داستان حضرت حلیمہ سناتی ہیں کہ میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور حضور میری گود میں تھے تو وہ گدھی اس قدر تیز رو ہو گئی کہ تمام قافلے سے آگے نکل گئی تو میری ساتھ کی عورتیں یہ دیکھ کر کہنے لگیں اے حلیمہ : کیا یہ وہی گدھی نہیں ہے جس پر تو آتے وقت سوار تھی ؟ میں نے کہا کیوں نہیں بالکل وہی ہے تو کہنے لگیں اب تو یہ بہت تیز ہو گئی ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں غرض اسی برکت سے اور فرحت کے ساتھ ہم اپنے وطن پہنچے اور وہاں پہلے سے ایسی خشک سالی تھی کہ گھاس کا کوئی پتا تک ہرا نہ تھا لیکن حضور کے تشریف لانے سے ہماری بکریاں خشکی کے باوجود جنگل سے خوب سیر ہو کر شکم بھرے آتی تھیں اور خوب دودھ دیتی تھیں۔ جبکہ ساری قوم کی بکریاں جنگل سے بھوکی لوٹتی تھیں اور دودھ کا قطرہ تک نہ دیتی تھیں تو لوگ چرواہوں سے کہتے تم بھی بکریاں وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں لیکن اسکے باوجود بھی انکی بکریاں خالی پیٹ اور میری بکریاں شکم سیر واپس آتی تھیں۔

حضور کی تیزی سے پرورش :-

فرماتی ہیں غرضیکہ اسی طرح ہم نے بہت سی خدا کی برکتیں ور حمتیں مشاہدہ کیں۔ اور زمانہ اسی طرح امن و محبت وسلامتی سے بیتار ہا حتی کہ کامل دو سال ہنسی خوشی بیت گئے اور اس عرصے میں حضور کی پرورش ایسی تیز تھی کہ کوئی بچہ آپکی برابری نہ کر سکتا تھا۔ اور جب دو سال کے ہوئے تو خوب ہوش و حواس والے ہو گئے۔

آپ دودھ پینے کے زمانے میں ہمیشہ دائیں چھاتی سے دودھ پیتے اور اپنے بھائی کے لئے دوسرے پستان کا دودھ چھوڑ دیتے، اماں حلیمہ کوشش بھی کرتی تو تب بھی نہ پیتے قربان جایئے ابھی شیر خواری کا زمانہ ہی ہے، مگر ابھی سے دوسرے کا اکرام شروع ہے۔ یہ ہے اخلاق کی انتہاء حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں جب آپ دو ماہ کے ہوئے تو ہر طرف چلنے پھرنے لگے۔ اور جب آپ آٹھ ماہ کے ہوئے تو آپ بولنے لگے اور آپکی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور نویں ماہ میں تو بالکل صاف گفتگو فرماتے تھے۔ اور دس ماہ کی عمر میں بڑے بچوں کے ساتھ تیر چلا لیتے تھے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ پر روزانہ ایک ایسی روشنی اور نور اترتا تھا جیسا سورج کی تیز روشنی ہوتی ہے پھر وہ نور اوجھل ہو جاتا۔

اسی طرح برکات ور حمتوں کا ظہور ہوتا رہا اور آپکا دودھ پینے کا زمانہ چلتا رہا۔

جب دودھ چھڑایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آپ کا سب سے پہلا کلام یہ تھا۔

الله اکبر کبیر او الحمدلله کثیر ا وسبحان الله بکرة واصیلا

اللہ سب سے بڑے ہیں اور اللہ کی تعریفات بہت ہیں اور صبح و شام اللہ ہی کی تسبیح (کرتا ہوں)

اور آنحضرت ﷺ بچپن ہی سے کسی بھی چیز کو بغیر بسم اللہ کے نہ چھوتے تھے۔ اماں حلیمہؓ فرماتی ہیں جب سے میں رسول علیہ السلام کو اپنے گھر لائی تھی تب سے ہمارے قبیلے بنی سعد کا کوئی گھر ایسا نہ رہا تھا جس سے مشک کی خوشبو نہ آتی ہو۔ اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں حضور کی محبت اور برکت کا اعتقاد خوب بڑھ گیا۔ حتی کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو تا یا بدن پر کوئی زخم پھوڑا پھنسی نکل آتی وہ آکر آپکا ہاتھ وہاں لگواتا۔ اور پھر خدا اپنے پیغمبر کے دست رحمت کو خالی واپس نہ کرتا بلکہ وہ بیمار زدہ بندہ فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ اسی طرح بیمار مویشی جانور بھی آپکے دست رحمت سے ملوایا جاتا اور وہ صحیح ہو جاتا۔

سینہ نبوت کی چاکی :-

حضرت حلیمہ فرماتی ہی جب آپکی عمر کے دو سال ہو گئے تو میں (معاہدہ کے مطابق) آپکو لیکر واپس مکہ پہنچی اور

دل نہ چاہ رہا تھا کہ حضور کو واپس کر آؤں لہذا اسی پریشانی کے پیش نظر میں نے انکی والدہ حضرت آمنہ سے خوب اصرار اور ضد کی کہ آپ مزید ایک سال کیلئے اس بچے کو دوبارہ میرے ساتھ کر دیجئے کیونکہ مجھے یہاں اسپر مکہ کی بیماریوں کے پڑنے کا اندیشہ ہے۔

آخر کار حضرت آمنہ نے تسلیم کر لیا اور میں حضور کو لیکر واپس آگئی۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں خدا کی قسم مجھے حضور اکرم ﷺ کو ابھی لائے ہوئے چند ماہ ہی کا عرصہ گذرا تھا کہ ایک روز آپ اپنے رضائی بھائی کے ساتھ ہماری بکریوں کے پیچھے گئے تھے کہ آپکا بھائی یعنی میرا بیٹا دوڑ آیا اور کہنے لگا میرے بھائی یعنی حضور کو دو آدمی سفید کپڑوں والوں نے اٹھالیا اور وہ لے گئے ہیں اور آپ کو لٹا کر سینہ بھی چاک کر دیا ہے یہ سن کر ہمارے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

حلیمہ کہتی ہیں میں اور میرا خاوند دونوں دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے دیکھتے کیا ہیں؟ کہ آپ تو بالکل نارمل کھڑے ہیں صرف چہرے پر خوف کے اثرات ہیں ہم دونوں نے آپکو فوراً اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا اور پوچھا اے لخت جگر تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا دو سفید پوشاک والوں نے آکر مجھے لٹایا اور میرا سینہ چاک کر دیا اور پھر کچھ تلاش کرنے لگے پتہ نہیں وہ کیا ڈھونڈ رہے تھے؟

حلیمہ کہتی ہیں پھر تو میں اور میرا شوہر مستقل آپکے ساتھ ساتھ رہنے لگے کہ مبادا کوئی ناگہانی مصیبت اس لخت جگر پر نہ ٹوٹ پڑے۔

پھر میرے شوہر نے مجھے کہا اے حلیمہ اس بچے کو اس کے گھر پہنچا دینا مناسب ہے کیونکہ اسکے یہاں رہنے سے ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی آفت نہ اسکو پہنچ جائے جسکی جوابدہی ہمیں کرنا ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کی دوبارہ مکہ مکرمہ واپسی :۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں پھر میں فوراً آپکی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے پوچھا اے حلیمہ تم کیسے آئیں؟ جبکہ تم اسکو رکھنے پر بہت بضد اور حریص تھیں۔

میں نے کہا ہاں یہ تو سچ ہے مگر اب میں اپنا حق ادا کر چکی اور اب مجھے زمانے کے حوادثات سے اندیشہ ہے چنانچہ میں آپکے بچے کو صحیح سالم آپکے سپرد کرتی ہوں جیسا کہ آپ چاہتی تھیں۔ حضرت آمنہ نے فرمایا سچ سچ کہو حقیقت کیا ہے؟ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضرت آمنہ اس قدر بضد و مصر ہوئیں کہ آخر کار مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور پھر میں نے سارا ماجرا سنا ڈالا۔ جس پر حضرت آمنہ نے مجھے پوچھا کیا تم کو اسپر شیطانوں کا ڈر ہے؟ کہا ہاں فرمایا یہ تمہارا خوف بے اعتبار اور لا حاصل ہے۔ اس پر شیطان کا کچھ اختیار نہیں چل سکتا۔ یہ میرا فرزند شان والا ہے جب اسکا مجھے حمل ہوا تو میرے اندر سے ایسا نور نکلا تھا جس سے مجھے شہر بصری تک کے محلات دکھائی دینے لگے اور انکے حمل کا بوجھ مجھ پر بالکل نہ تھا بس معمولی سی کیفیت تھی۔ جسکی مجھے کوئی مشقت معلوم نہ ہوتی تھی۔ اور جب یہ فرزند ارجمند پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے ہاتھ زمین پر رکھے اور سر آسمان کی طرف بلند کر لیا۔

لہذا اے حلیمہ تم اسکو یہاں چھوڑ دو اور خوشی واپس چلی جاؤ۔

گمشدگی اور واپسی :-

حلبی میں ہے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب شق صدر کے بعد آپکو اماں حلیمہ واپس لا رہی تھیں تو مکے کے بالائی حصے میں آپ ان سے کھو گئے۔ دائی حلیمہ سخت پریشانی اور غم کے عالم میں مکہ آئیں اور آکر حضرت عبدالمطلب کو خبر دی۔ حضرت عبدالمطلب فوراً کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مل جانے کی دعا کی کتاب مرآۃ زمان میں ہے کہ عبدالمطلب نے اس وقت یہ شعر پڑھ کر دعا مانگی تھی۔

یا رب رذولدی محمدا

اردده ربی واصطنع عندی یدا

اے پروردگار میرے فرزند محمد کو واپس لوٹا دے اسکو لوٹا کر میرے لئے دست و بازو بنا دے۔

جب آپ نے یہ شعر پڑھ کر دعا مانگی تو آسمان سے آواز آئی

لوگو! پریشان مت ہو محمد کا پروردگار موجود ہے وہ اسکو نہ رسوا کرے گا نہ ضائع ہونے دے گا۔ عبدالمطلب نے پوچھا انکو ہمارے پاس کون پہنچائے گا؟ فرمایا گیا وہ تہامہ کی وادی میں شجر یمنی کے پاس ہیں عبدالمطلب اسی وقت سوار ہو کر چل دیئے انکے پیچھے ورقہ ابن نوفل بھی گئے۔ دیکھا کہ ایک گھنا درخت خوب شاخوں والا ہے جسکے نیچے آپ کھڑے ہیں عبدالمطلب نے پوچھا بچے : تم کون ہو؟ تو آپ نے فرمایا میں محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اس پر عبدالمطلب نے لپک کر آپکو اٹھالیا اور ساتھ ہی کہا تم پر میری جان قربان ہو۔ پھر عبدالمطلب نے آپکو اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھایا اور مکہ لے آئے۔ یہاں آکر بکریاں اور گائیں ذبح کر کے دعوت تیار کی اور مکہ والوں کو کھلائی۔

والدہ ماجدہ کا انتقال :-

پھر جب حضور علیہ السلام واپس آگئے تو اب اپنے دادا سردار عبدالمطلب اور اپنی شفیق ماں آمنہ کے زیر سایہ بڑی تیزی سے پرورش پاتے رہے اور اللہ آپکو خوب ترقی عطا فرماتا رہا کیونکہ آپ سے دنیا کا سب سے عظیم مقصد پورا کروانا تھا۔ پھر جب آپکی عمر تقریباً چھ سال کو پہنچی آپکی والدہ حضرت آمنہ نے وفات پا کر آپکو اپنے سے جدا کر دیا۔ ابن ہشام میں ہے کہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو آپکی عمر مبارک چھ سال تھی۔ اور انکا خاندان بنی نجار تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں عبدالمطلب کی والدہ بھی سلمی بنت عمرو بخاریہ تھیں لہذا یہ کنبہ آپکا دونوں طرف سے تھا۔

دادا کی پرورش :-

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابن اسحٰق کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہتے تھے۔ اور حضرت عبدالمطلب کے واسطے خانہ کعبہ کے سائے میں مسند اعظم بچھائی جاتی تھی۔ جس پر حضرت عبدالمطلب کے سوا کوئی اور نہ بیٹھ سکتا تھا اور اسپر کسی اور کے بیٹھنے کو بے ادبی اور گستاخی تصور کیا جاتا تھا۔ اور عبدالمطلب کے فرزندان (اور دیگر اہل قریش) اسکے ارد گرد بیٹھا کرتے تھے (جیسے شمع پروانوں کے درمیان) لیکن آپ ﷺ بے دھڑک اسپر جلوہ افروز ہو جاتے مگر آپکے چچا آپکو منع کرتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے میرے اس بیٹے کو یہاں

بیٹھنے سے نہ روکا کرو کیونکہ یہ بڑی شان والا بنے گا۔ پھر حضرت عبدالمطلب اپنا دست شفقت انکی کمر پر پھیرتے اور آپکی حرکات کو دیکھ کر خوش وخرم ہو جاتے۔

اور سیرت حلبیہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ اور والد کے بعد دادا کا پرورش کرنا پھر چچا کا پرورش کرنا یہ پہلی کتابوں میں آپکی نبوت کی علامات میں سے لکھا ہے تو خیر جب عبدالمطلب نے لوگوں کو آپکے روکنے سے منع کر دیا تو آپ اپنے دادا کی مسند اعظم پر بیٹھ جاتے خواہ دادا ہوں یا نہ ہوں۔

بنی مدلج کے کچھ اشخاص جو قیافہ شناس (یعنی علامتوں سے حقیقت تک پہنچ جانے والے) تھے انہوں نے عبدالمطلب سے کہا۔

اس (محمد) بچے کی حفاظت کیا کرو کیونکہ مقام ابراہیم پر جو حضرت ابراہیم کا قدم ہے اسکی شباہت اس بچے کی قدم سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ اور کسی کا قدم اسکے مشابہ نہیں ہے۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ ایک روز حضرت عبدالمطلب بیت اللہ میں حجر اسود کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اس وقت انکے پاس نجران کے عیسائیوں کا سب سے بڑا پادری بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اور دونوں آپس میں محو کلام تھے۔

پادری: ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامتیں ہیں جو اسماعیل کی اولاد میں سے ہوگا۔ یہ شہر (مکہ) اسکی جائے پیدائش ہوگی اور اسکی یہ یہ نشانیاں ہونگی۔

اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کوئی حضور ﷺ کو ادھر ہی لے آیا، پادری کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی وہ فوراً ہڑبڑا کر چونک گیا اور آپکی آنکھوں اور پیروں اور شانہ اقدس کو ٹٹول کر دیکھا اور فوراً بول پڑا۔

وہ وہ...... نبی یہی ہے یہ تمہارے کیا لگتے ہیں اے عبدالمطلب ؟۔

عبدالمطلب : یہ میرا بیٹا ہے۔

پادری : یہ کیسے..... ؟ جبکہ ہم نے اپنی کتابوں میں پایا ہے کہ اس عظیم پیغمبر کا باپ زندہ نہ ہوگا ؟

عبدالمطلب ! یہ میرا پوتا ہے۔ اسکے والد اسی وقت اگلے جہاں کو سدھار گئے تھے جب ابھی یہ اپنے ماں کے شکم ہی میں تھا۔

پادری : یہ بالکل سچ ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔

پھر عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا تم اسکی پوری طرح حفاظت کرو کیونکہ تم اسکے متعلق سنتے جارہے ہو کیا کیا کہا جاتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب جب بھی کھانا تناول فرماتے تو اپنے اس فرزند کو اپنے ساتھ یا اپنی عظمت والی گود میں بٹھا لیتے تھے اور پھر عمدہ عمدہ کھانا چن کر آپکو خود کھلاتے۔

اور جب کبھی آپ ادھر ادھر ہو جاتے تو ام ایمن باندی وغیرہ کو ڈانٹتے کہ میرے فرزند کی پوری نگہداشت رکھا کرو۔

رقیقہ بنت ابو سیفی حضرت عبدالمطلب کی بیوی تھیں ابو سعد اور ابن حبان نے انکے متعلق لکھا ہے کہ یہ شرف اسلام پا گئی تھیں جبکہ ابو نعیم کی روایت اسکے خلاف ہے۔

توان رقیقہ سے روایت ہے کہ
قریش پر ایک بار کئی سال بڑے سخت اور خشک بے آب وگیاہ والے گذرے۔ حتی کہ مال ومتاع ختم ہو گیا اور جانوں کے لالے پڑ گئے میں نے اسی زمانے میں خواب میں ایک شخص کو یوں کہتے سنا۔
خاندان قریش: تم میں جو نبی ظاہر ہونے والا ہے اسکے ظہور کا وقت آ گیا ہے اسکے ذریعے تم کو خوب بارش اور سرسبزی وشادابی عطا ہو گی لہذا تم اپنے معزز لوگوں میں سے ایسا شخص تلاش کرو جو بڑے ڈیل ڈول کا ہو رنگ گورا ہو بھویں ابرو سے ملی ہوں دراز پلکیں، حسین وخوبصورت رخسار ہوں استواں ناک ہو ناک کا بانسہ باریک ہو وہ شخص اپنی اولاد کے ساتھ نکلے اور تم میں سے ہر خاندان کا ایک ایک فرد نکلے سب پاک صاف ہو کر خوشبو میں بس کر اور حجر اسود کو بوسہ دے کر جبل ابو قبیس پر اکٹھے ہو جائیں اور پھر اسپر چڑھ کر وہ مذکورہ شخص خدا سے پانی کی فریاد کرے اور تم سب اسپر آمین کہو۔
تو تم کو سیراب کر دیا جائے گا صبح ہوئی تو رقیقہ نے اپنا پورا خواب قریش کے سامنے بیان کیا تو سب نے ملکر اس مذکورہ موصوف شخص کو پہچانا اور عبدالمطلب ہی کے متعلق تمام کی رائے حتمی ہو گئی پھر سب نے شرائط کے مطابق تیاری کی اور دعا وفریاد کیلئے جا پہنچے حضرت عبدالمطلب نے دعا کرائی اور ساتھ میں حضور ﷺ نو عمری میں موجود تھے۔
اے اللہ یہ سب تیرے غلام اور تیرے غلاموں کی اولاد ہیں اور تیری باندیاں اور تیری باندیوں کی اولاد ہیں ہم پر جو کڑا وقت آن پڑا ہے تو خوب دیکھ رہا ہے ہم مسلسل قحط سالی کا شکار ہیں۔ اب اونٹ گائیں۔ گھوڑے۔ خچر۔ گدھے سب ختم ہو چکے ہیں اور خود ہماری جانوں پر بن آئی ہے پس اب یہ خشک سالی ختم فرما کر ہمیں سرسبزی وشادابی عطا فرما۔
ابھی وہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ آسمان پھٹ پڑا اور زور شور سے بارش ہوئی اور وادیاں بہہ پڑیں۔
اسی طرح حضور کی برکات اور رحمتوں کے ساتھ عرب خدا سے مدد لیتے رہے اور ساتھ عرب کا اعتقاد انتہائی درجے تک بڑھتا چلا گیا۔ اور حضرت عبدالمطلب کی نوازشیں آپ پر دھواں دھار بارش کی طرح برستی رہیں اور دونوں دادا اور پوتے میں جدائی نہ ہوتی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کو انکا نظر سے اوجھل ہونا گوارا نہ ہوتا تھا۔ لیکن تقدیر اٹل ہے اور پھر جب حضور آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔
ابن ہشام میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے خاص ابو طالب کو حضور کی پرورش کے متعلق وصیت کی تھی کیونکہ آپکے والد عبداللہ اور ابو طالب ایک ماں کے تھے اور انکی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھا اور پھر ابو طالب نے بھی باپ کی وصیت پر جان نثاری سے عمل کیا اور ویسے بھی خود سگے چچا تھے اور پوری شفقت پدری عروج پر تھی۔ اور آپ کیلئے مر مٹنے پر تیار تھے۔ اور حضور اکرم ﷺ کیلئے تمام کفار سے زبردست ڈھال تھے۔ جو پوری طرح حضور کی حفاظت پر ہر دم جھکی رہتی۔

بحیرا کا قصہ :-

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر ابو طالب کو شام کا سفر درپیش ہوا اور اسکی تیاری میں مصروف ہو گئے آپ نے بھی

ساتھ چلنے کا اشتیاق ظاہر کیا! حضرت ابو طالب آپکی تمنا کو مسترد نہ کر سکتے تھے کیونکہ دل میں آپکی محبت اپنے حقیقی فرزندوں سے بھی کہیں بڑھ کر تھی۔ لہذا فوراً فرمایا خدا کی قسم میں تم کو اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گا کیونکہ میں تم سے جدائی برداشت نہیں کر سکتا اور نہ تم میرے بغیر رہ سکتے۔ اور پھر ابو طالب اپنے چہیتے بھتیجے کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے جب انکا قافلہ شام کی سرحد پر شہر بصری میں پہنچا تو وہاں بحیرا نامی ایک پادری اپنے عبادت خانے میں رہتا تھا اور یہ علم نصرانیت سے پوری طرح واقف تھا۔ اور اس عبادت خانے میں اس سے پہلے سات پادری گذر چکے تھے جنکا پورا علم یہ لئے ہوئے تھا۔

جب یہ قافلہ سعادت اس راہب کے قریب پہنچا تو راہب نے انکی پر تکلف کھانے کی دعوت دی۔ جبکہ پہلے بھی بارہا قافلہ اسکے پاس سے گذرا تھا مگر اس نے ذرہ بھر بھی توجہ نہ دی تھی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ جب قافلہ اسکے قریب اترا تو اسکی نظر سرور کائنات ﷺ پر پڑی جس پر وہ فوراً چونک گیا تھا کہ خاص آپ پر بادل کا ٹکڑا سایہ فگن ہے نیز پھر آپ ایک ایسے درخت کے نیچے جا ٹھہرے جسکے نیچے اور کوئی نہ جاتا تھا اور پھر اس درخت کی شاخیں آپ پر جھک گئیں اور ہر ایک آپ پر اپنا سایہ ڈالنے کی سعی میں تھی۔

راہب یہ صورت حال دیکھتے ہی اپنے عبادت خانے سے نکلا اور کھانا تیار کروا کر قافلے کی دعوت کی اور کہلوا بھیجا کہ اے قریش کی جماعت: میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سب چھوٹے بڑے، آزاد غلام سب میری دعوت میں شریک ہوں کوئی باقی نہ رہے۔ قافلہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا اے راہب آج تم ایسا کام کر رہے ہو جو پہلے کبھی تم سے نہ ہوا بحیرا نے کہا تم نے سچ کہا میری ایسی ہی عادت ہے مگر تم لوگوں کے متعلق آج میرا جی چاہا کہ تمہاری دعوت کر دوں لہذا سب نے قبول کیا مگر حضور سرور عالم ﷺ کم عمری کی وجہ سے قافلے کے سامان کے ساتھ باہر ٹھہرے رہے اور بقیہ تمام لوگ اندر جا کر دعوت میں شریک ہوئے۔

راہب نے سب لوگوں کو یکے بعد دیگرے خوب ٹٹولا مگر حضور کو نہ پایا تو گویا ہوا اے قریش: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میں سے کوئی چھوٹا یا بڑا پیچھے نہ رہے قریش نے کہا ہم تمہاری منشاء کے موافق سب موجود ہیں صرف ایک بچہ ہے جو نو عمری کی وجہ سے متاع کارواں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ راہب نے کہا یہ تم نے غلطی کی اسکو بھی بلاؤ تاکہ شریک طعام ہو۔

پس قریش میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ بہت برا ہے کہ عبداللہ کا فرزند ہمارے ساتھ شریک نہ ہو۔ لہذا وہ جا کر حضور کو ساتھ لے آیا۔ پھر بحیرہ حضور کو بارہا دیکھتا اور آپکے جسم کے بعض حصوں کو بغور دیکھتا اور اپنے ذہن ذہن میں اپنے پاس موجود نبی آخر الزمان کی علامتوں کے ساتھ مطابقت کرتا جاتا۔ حتی کہ لوگ جب کھانے سے فارغ ہو گئے اور جانے لگے تو بحیرا نے حضور سے کہا اے لڑکے میں لات اور عزی کے واسطے تم سے (یہ دریافت کرتا ہوں اور ان بتوں کا واسطہ اس لئے دیا کہ عرب انہی کے نام پر قسم اٹھاتے تھے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا مجھے لات و عزی کا واسطہ مت دو کیونکہ یہ میرے لئے دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔ پھر راہب نے کہا اچھا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے سوالات کا جواب دیتے رہو۔ تو پھر حضور نے ہاں کی اور اجازت مرحمت فرماتے رہے اور وہ اپنے پاس موجود علامتوں کے ساتھ مطابقت کرتا رہا۔ حتی

کہ اس نے آخر میں مہر نبوت کی زیارت کی جو ابھرے ہوئے بڑے بٹن کی طرح تھی۔ پھر راہب آپ کی طرف سے دلجمعی کر کے آپکے چچا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے ابو طالب یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ فرمایا میرے فرزند ہیں۔ راہب چونک پڑا........ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ پھر ابو طالب نے فرمایا یہ بھتیجے ہیں پوچھا انکے والد کا کیا ہوا؟ فرمایا جب یہ ابھی اپنی ماں کے شکم میں ہی تھا کہ وہ وفات پا گئے تھے راہب نے کہا تم سچ کہتے ہو: اب تم یہ بات بھی اچھی طرح ذہین نشین کر لو یہودیوں سے انکی حفاظت کرنی ہے اگر وہ بھی اس طرح انکو پہچان گئے تو وہ ضرور آپ کی ایذاء رسانی کے درپے ہونگے۔

چنانچہ جلد ہی پھر ابو طالب نے آپکی واپسی کا سامان کیا

اور آپ ﷺ تیزی سے بچپن کی منازل کو عبور کرتے ہوئے عنفوان شباب کی طرف جا رہے تھے اور اللہ عزوجل راہ کے دشمنوں کے کانٹوں سے آپکی حفاظت فرماتے رہے اور راستے کی جہالت کی ہر ناپاکی سے آپکو پاکیزہ و مطہر رکھا حتی کہ آپ بالغ ہوئے تو نہایت بلند پایہ اخلاق کے لباس میں زیب تن تھے۔ نہایت بامروت صاحب اخلاق، رحیم و کریم راست گو۔ اور صاحب امانت اور بڑے زبردست تحمل مزاج اور بردبار تھے۔ الغرض ہر عمدہ اخلاق اللہ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔

حضور اکثر اپنے بچپن کے واقعات سناتے رہتے تھے ایک مرتبہ فرمایا کھیل میں تمام بچے پتھر اٹھا رہے تھے اور اسکے لئے انہوں نے اپنی اپنی تہبند کھول کر اسمیں پتھر اٹھانے شروع کر دیئے مگر ابھی میرے دل میں انکی پیروی کا خیال اٹھا ہی تھا کہ غیب سے میرے طمانچہ لگا جس سے مجھے تکلیف لاحق ہوئی اور آواز آئی کہ اپنا تہبند مضبوطی سے باندھ کر رکھو۔ پھر میں نے تہبند کو اپنی جگہ کس دیا اور گردن پر پتھر اٹھانے لگا اور سب تہبند میں پتھر اٹھا رہے تھے میں اکیلا اپنی گردن پر بغیر تہبند کھولے پتھر اٹھا رہا تھا۔

جب آپ ﷺ جوانی کی عمر میں چودہ یا پندرہ سال کو پہنچے تو فجار جنگ پیش آئی جو آپکے قریش قبیلے اور بنی کنانہ کی بنی قیس سے تھی۔ آپ اسمیں اپنے چچاؤں کی حفاظت میں آئے اور جنگ میں شرکت کی اور اپنے اعزاء کے لیئے زبردست ڈھال بنے۔ ابن اسحاق کے مطابق اسوقت آپکی عمر اکیس سال تھی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے نکاح مبارک :-

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب آپکی عمر مبارک پچیس سال ہوئی تو مشیت خداوندی سے حضرت خدیجہ کے ساتھ آپکا عقد نکاح ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کا نسب یہ ہے خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔ ابن ہشام کہتے ہیں یہ سلسلہ مجھ سے کئی اہل علم نے ابو عمر مدنی کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ خدیجہ بنت خویلد ایک تاجر عورت تھیں اور شرافت اور مالداری میں بڑھ کر تھیں اور اپنا مال لوگوں کو دے کر تجارت کرواتی تھیں اور انکا حصہ منافع میں رکھ دیتی تھیں اور قریش کے بھی سب لوگوں کا تقریباً یہی پیشہ تھا۔

تجارت اور شام کا سفر :-

جب خدیجہ کو رسول اکرم ﷺ کی صدق گفتار اور اعلیٰ کردار اور امانت داری وغیرہ اخلاق معلوم ہوئے تو آپ نے حضور سے اپنے مال کے تجارت کرنے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ اپنا غلام بھی دینے پر آمادگی کی۔ تو حضور تیار ہو گئے اور پھر حضرت خدیجہ نے دوسروں کی نسبت آپکا نفع زیادہ رکھا۔ پھر آپ اس میسرہ نامی غلام کے ساتھ ملک شام کی طرف محو سفر ہوئے اور جب سرحد شام میں داخل ہو گئے تو وہاں ایک راہب کے صومع کے قریب کسی درخت کی چھاؤں میں جلوہ افروز ہوئے تو اس راہب نے آپکے غلام میسرہ سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے ؟ کہا یہ اہل حرم میں سے ہیں اور اہل قریش سے انکا تعلق ہے تو راہب بولا اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بیٹھا کرتا۔

بہر حال آپ نے وہاں خرید و فروخت کی اور واپس آکر دوسرا سامان مکہ میں فروخت ہوا تو خدیجہؓ کو دوگنا نفع ہوا۔

اس سفر میں میسرہ نے کئی عجیب مشاہدے کئے تھے جن کو اس نے حضرت خدیجہ کے پیش خدمت کر دیا۔ ایک تو یہ کہ جس وقت سخت گرمی ہوتی تھی حضور پر بادل کا ٹکڑا سایہ فگن رہتا تھا۔ خدیجہ یہ سب سن کر سمجھ گئیں کیونکہ یہ پاک طینت عقل مند شرافت سے مزین تھیں اس لئے تمنا کی کہ وہ حضور سے شادی کر لیں تو بہت نفع مند رہے گا۔ لہذا اسی سوچ کے پیش نظر خدمت میں پیغام بھیجا کہ اے میرے چچازاد چونکہ ہمارا آپس میں برادری کا تعلق بھی ہے اور آپ سچائی اور امانت داری اور اخلاق حسنہ سے موصوف ہو لہذا میری تمہاری طرف رغبت ہے۔

اور حضرت خدیجہؓ قریش کی عورتوں میں سب سے شریف و بزرگ اور سب سے مالدار تھی۔ اسی لئے ہر ایک آپ سے شادی کا خیال رکھتا تھا۔

جب پیغام مذکور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کیا اور انکے سامنے معاملہ سپرد کر دیا۔ تو حضرت حمزہؓ آپکو لیکر حضرت خدیجہ کے والد خویلد کے پاس لے گئے اور آپکی طرف سے بھی پیغام دیا اور انہوں نے قبول کر کے شادی کر دی۔

ابن ہشام کے قول کے مطابق انکا مہر بیس اونٹ تھے۔ اور حضور کی سب سے پہلی زوجہ خدیجہ تھیں اور سوائے ابراہیم کے تمام اولاد انہی سے ہوئی۔

حضور علیہ السلام کی اولاد :-

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے سوا آپکی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہوئی جن میں سے تین لڑکے تھے قاسم، طیب، طاہر۔ اور پہلے قاسم کے ساتھ آپکی کنیت مشہور ہے یعنی ابو القاسم ﷺ۔ اور دختران میں چار لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے بڑی رقیہ ان سے چھوٹی زینب ان سے چھوٹی ام کلثوم سب سے چھوٹی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہن و عنہم اجمعین۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ آپکے تینوں صاحبزادے زمانہ نبوت سے پہلے وفات پا گئے تھے جبکہ صاحبزادیوں

میں سب نے اسلام کا زمانہ پایا اور پھر ہجرت بھی کی۔

ابن ہشام کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن وہب کے ذریعے ابن لہیعہ سے روایت پہنچی کہ انکی والدہ حضور کی باندی تھیں۔ مقوقس شاہ مصر نے انکو بطور ہدیہ کے حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو :۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کو پہنچ گئی تو اس سال قریش نے کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا اور اسکو نئے سرے سے بنا کر چھت ڈالنا مقصد تھا مگر کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کعبہ کی قدیمی دیواریں آدمی کے قد سے کچھ ہی زیادہ ہونگی اب قریش اسکو از سر نو بلند کر کے چھت ڈالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ پہلے کعبہ کے اندر کعبہ کا خزانہ تھا جو چرالیا گیا تھا اور اسکے علاوہ بھی سامان چرا لیا گیا تھا جس میں کچھ دو ئیک نامی شخص کے پاس دیکھا گیا تھا اور یہ شخص بنی ملیح بن عمرو کا غلام تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ قریش نے اس غلام کا ہاتھ اس چوری کی پاداش میں کاٹ دیا تھا۔

اور پھر تعمیر کے سلسلے میں قریش نے ایک کشتی کے تختے استعمال کرنے کا سوچا تھا۔ اور یہ کشتی جدہ کے ساحل سمندر سے دریافت ہوئی تھی جو کسی رومی سوداگر کی کبھی غرق ہو چکی تھی۔ اور اسکو قریش کعبہ کی چھت میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اور مزید انکو ایک بڑھئی بھی مل گیا تھا جو لکڑی کے کام سے خوب واقف تھا۔ اور اس نے اقرار کیا تھا کہ میں کعبہ کی چھت کو ضرور تیار کر دوں گا۔

پھر ابھی قریشی لوگ اسی کشمکش میں تھے کہ آخر کس طرح بیت اللہ کو شہید کیا جائے اور یہ اتنی جرات کس میں ہے کہ اسکو شہید کرے اور پھر کہیں خدا ناراض نہ ہو؟

اب غیبی امداد سے ایک عجیب واقعہ رونما ہوا کہ خانہ کعبہ کے اس تہ خانے میں جو نذر و نیاز کے واسطے بنایا گیا تھا ایک سانپ رہتا تھا جو اکثر اوقات وہاں سے نکل کر کعبے کی دیواروں پر پھن پھیلائے پھرتا رہتا تھا جس کی دہشت کی وجہ سے کوئی اس کے قریب بھی نہ بھٹکتا تھا ایک روز یہ سانپ نکل کر حسب عادت دیواروں پر پھرنے لگا۔ تو اللہ نے ایک پرندہ بھیجا جس نے آکر اسکو اٹھایا اور اڑ گیا یہ عجیب واردات دیکھ کر قریش مطمئن ہو گئے اس واقعے سے لگتا ہے خدا ہمارے اس کام سے راضی ہے تبھی اس نے اس موذی کے دفع کرنے کا بندوبست خود ہی فرما دیا۔ اور پھر خدا نے ہمیں اسکی تعمیر کا سب سامان بھی مہیا کر دیا ہے اور ایک کاریگر بھی موجود ہے۔

آخر کار سب کے سب کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے پر مستعد ہو گئے۔ اور پھر ایک شخص ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخدوم کھڑا ہوا۔

اور اس نے دیوار منہدم کرنے کیلئے ابتداء کرتے ہوئے ایک پتھر نکالا مگر وہ پتھر انکے ہاتھ سے فوراً از خود نکل کر دوبارہ اپنی جگہ فٹ ہو گیا پھر اس شخص نے قریش کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کیا۔

اے قریش تعمیر کعبہ میں تم کو ان باتوں کا لحاظ کرنا ہو گا کہ تم اپنا صرف حلال پیسہ اسمیں خرچ کرو اور حرام

خواہ سود ہو یا کسی طرح کا ظلم کا پیسہ وہ اسمیں نہ لگاؤ۔

بعض لوگ اس کلام کو ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور ابو وہب مذکورہ حضور علیہ السلام کا رشتے دار تھا ابن اسحاق کہتے ہیں یہ حضور کے والد کا ماموں تھا اور نہایت شریف بزرگ تھا اور عرب نے اسکی تعریف و توصیف میں بہت قصیدے کہے ہیں۔

الغرض قریش نے کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں مختلف کام اور حصے تقسیم کر لئے دروازے کی سمت عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آئی اور رکن اسود سے رکن یمانی تک بنی مخزوم اور دیگر چند قبائل کے حصے میں آئی اور کعبہ کی پست بنی جمع اور بنی سہم کے حصے میں آئی اور حجر اسود کی طرف عبد الدار بن قصی اور بنی اسد بن عزیٰ بن قصیٰ اور ابن عدی اور ابن کعب بن لوئی کے حصے میں آئی اور یہی سمت حطیم والی ہے۔

مگر اب بھی کہ تمام تیاری کے ساتھ تقسیم کار بھی ہو چکی تھی مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کعبہ کو منہدم کریں اور سب خوف زدہ تھے آخر ولید بن مغیرہ نے کچھ ہمت کی اور آگے بڑھے اور کہا میں پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں اور پھر کدال لے کر آگے بڑھے سب سہم کر اسکو تکنے لگے اور اس نے جا کر اول دعا کی۔

اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ ہمارا ارادہ خیر کا ہے نہ کہ شر کا۔

اور پھر یہ کہہ کر اس نے دونوں رکنوں کی طرف سے کعبہ کو منہدم کرنا شروع کر دیا اور سب لوگ خوفزدہ دیکھ رہے تھے۔ اور کوئی اسکے ساتھ شرکت نہ کر رہا تھا حتی کہ اس پورے دن کسی دوسرے نے ہاتھ تک نہ لگایا اور رات بھی لوگوں نے اس انتظار میں گذار دی کہ دیکھیں اگر ولید بخیر رہے تو ہم کام کریں گے اور پتہ چل جائے گا کہ خدا ہمارے کام سے راضی ہے اور اگر انکو کوئی آفت دبوچ لیتی ہے تو ہم اس کام سے کنارہ کر لیں گے پھر اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی تو سب نے ولید کو صحیح سالم پایا تو سب کے دلوں میں ہمت کی ڈھارس بندھ گئی۔ اور سب مستعد ہو گئے اور سب نے کعبۃ اللہ کو منہدم کرنا شروع کر دیا جب حضرت ابراہیم کی بنیاد تک پہنچے تو سبز پتھر نکلے جو باہم جڑے ہوئے تھے جب انپر کدال پڑی تو مکہ میں بھونچال آگیا تو سب ٹھٹھک کر رک گئے اور کہا بس اس سے زائد نہ کھودو۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں جب قریش کعبہ کے انہدام سے فارغ ہو گئے تو ہر ہر قبیلے نے جدا جدا پتھر جمع کرنا شروع کر دیئے اور جب تعمیر مقام رکن تک پہنچی تو ہر ایک قبیلے نے کہا کہ اسکی تکمیل ہمارے ہاتھوں ہو گی اور اس جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ سب آپس میں خونریزی تک پر آمادہ ہو گئے بنو عبد الدار نے خون سے بھر کر ایک پیالہ بھی درمیان میں رکھ لیا اور انکے سب ساتھیوں نے اسمیں ہاتھ ڈبو لئے (جو لڑائی اور جنگ کی حتمی علامت تھی) اور عہد کیا کہ ہم جان دیدیں گے مگر اس شرف و فضیلت کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیں گے۔

حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ :-

اور ان دنوں میں قریش کا سب سے سن رسیدہ اور بزرگ ابو امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخدوم تھا۔ اسنے کہا اے قریش تم ایسا کرو کہ اب جو شخص مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہو اسی کو اپنا ثالث اور فیصلہ دینے والا بنالو۔ یہ بات سب کو پسند آئی اور سب متفق ہو گئے اور سب دروازے کو نظر جما کر بیٹھ گئے۔ اور

قدرت خداوندی کہ اسی وقت رسول اکرم ﷺ کا خوشنما سراپا مبارک دروازے سے ظاہر ہوا۔ اور قریش بھی تمام دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو گئے اور کہنے لگے بے شک بیشک یہ شخص امانت دار ہے جو یہ فیصلہ کریں گے ہمیں خوشی تسلیم ہے۔ حضور جب انکے پاس پہنچے تو سب نے آپکو ساری روداد سنا کر حکم یعنی ثالث بنانے کی درخواست کی لہذا آپ ہمارا فیصلہ فرمادیجئے۔

حضور اکرم ﷺ قربان جایئے فرمایا میرے پاس چادر لاؤ لوگ فوراً ایک چادر لے آئے پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کپڑے کے درمیان میں رکھا ہر قبیلے کے بڑے سردار نے چادر کا ایک ایک گوشہ تھام لیا اور حضورؐ نے فرمایا سب نے شرکت کر کے اپنی اپنی تمنا اور دلی مراد پالی اور پھر حضور نے پتھر اٹھا کر اسکو دیوار میں نصب فرمادیا۔ اور پھر اسکے اوپر سے تعمیر جاری ہو گئی۔

رسول اکرم ﷺ کے ظہور کی بشارتیں :۔

ابن ہشام میں ہے کہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ کے علماء اور عرب کے کاہن حضور کی خبریں بیان کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی بعثت قریب تھی۔ یہود و نصاری تو اپنی کتابوں سے نقل کر کے بیان کرتے تھے۔ عرب کے کاہن اپنے شیاطین سے نقل کرتے تھے کیونکہ ان کا ابھی تک آسمانوں پر جانا بند نہ کیا گیا تھا اور بعثت کے بعد انکے لئے شہاب ثاقب مارنے کیلئے رکھ دیئے گئے یہاں تک کہ پھر جنات میں طاقت نہ رہی کہ عالم بالا سے کسی بات کو چرا لائیں اور تب انہوں نے سوچا کہ ضرور زمین پر کوئی بڑا واقعہ رونما ہوا ہے۔ اور پھر جلد ہی انکو حقیقت حال معلوم ہو گئی۔

عبداللہ بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ فرمایا خدا کی قسم ایک روز میں قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ ایک بت کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نے اس بت کے نام پر بچھڑا ذبح کیا تھا ہم ابھی اسکی تقسیم کے منتظر تھے کہ یکایک میں نے اس بت کے اندر سے ایک آواز سنی جو کبھی نہ سنی تھی کہ آواز آئی۔

ایک شخص صاف گو ہے وہ : لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے

اور یہ واقعہ ظہور اسلام سے ایک ماہ پہلے کا ہے

بعثت نبوی پر یہود کا اعتقاد :۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عاصم بن عمرو نے کہا کہ بعثت نبوی سے پہلے یہود و نصاریٰ کے درمیان جنگ ہوتی تو یہود کہتے اب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے جب وہ آجائے گا تو ہم اسکے ساتھ مل کر تم کو شکست دیں گے پھر جب آپ ظاہر ہو گئے تو ہم نے پہل کر لی اور یہود حسد کی بناء پر منکر ہو گئے۔

ابن اسحاق حضرت سلمہ بن وقش سے پہنچی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں سلمہ بدری صحابی تھے فرماتے ہیں کہ ہمارے قریب بنی عبد الاشہل کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا اور ان ایام میں سب سے زیادہ نو عمر تھا ایک چادر اوڑھے رہتا تھا اس یہودی نے ایک مرتبہ آکر قیامت کا حساب کتاب جنت جہنم کا تذکرہ کیا لوگوں نے پوچھا اسکی علامت کیا ہے کہا ایسا ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے لوگوں نے پوچھا کب تک تو اس یہودی نے

میری طرف اشارہ کیا اور کہا اگر یہ بچہ زندہ رہا تو نبی کو ضرور پالے گا۔

پھر ابھی وہ یہودی بھی زندہ تھا کہ حضور نے پیغمبری کا اعلان کر دیا اور ہم ایمان لے آئے ہم نے یہودی کو کہا ہم تو تیرے کہنے پر ایمان لائے ہیں تو کیوں نہیں لاتا تو کہا ہاں مگر یہ وہ نبی نہیں ہے۔ الغرض یہود آپ کے متعلق پورا یقین و اعتقاد رکھتے تھے مگر بنی اسرائیل میں نبوت ہونا اور عرب قریش کی طرف اس سعادت کا چلے جانا ان کو گوارہ نہ تھا اسی حسد نے انکو ایمان سے روک رکھا تھا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام لانے کا عجیب واقعہ :-

سیرت ابن ہشام میں مصنف فرماتے ہیں ابن اسحاق کہتے کہ مجھے عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت سند کے ساتھ پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے مجھ سے حضرت سلیمان نے اپنا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ

میں ملک فارس کے شہر اصفہان کے اضلاع میں سے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا جسکا نام حنی ہے میرا باپ اس گاؤں کا رئیس تھا اور وہ سب چیزوں سے زیادہ مجھے محبوب رکھتے تھے حتی کہ وہ مجھے گھر سے باہر نہ نکلنے دیتے تھے لڑکیوں کی طرح اندر بند رکھتے تھے۔ اور مجھے اپنے مذہب آتش پرستی سے ایسی محبت تھی کہ کبھی آگ کا بجھنا مجھے گوارانہ تھا میں ہمیشہ اسکو دہکائے رکھتا تھا میرے باپ کی بڑی جاگیر تھی وہ ایک مرتبہ وہاں ایک مکان بنانے میں مصروف تھے مجھ سے ایک روز کہنے لگے کہ اے فرزند! آج میں اس تعمیری کام میں مصروف ہوں لہذا آج تم فلاں کام کو راستے میں نصرانیوں کا ایک گرجا تھا جس میں وہ نماز ادا کر رہے تھے میں ابھی نماز کا تماشہ دیکھنے کیلئے اندر جا پہنچا مجھے انکی نماز کی ہیئت و انداز پسند آیا اور دل نے کہا کہ یہی طریقہ اپنانا چاہئے اور یہ مذہب آتش پرستی سے زیادہ بہتر ہے۔ اور پھر اسمیں ایسی لگن ہوئی کہ واپس جانا بھول گیا سارا دن اس گرجے میں خرچ ہو گیا۔

شام کو اپنے والد کے پاس گئے تو پتہ چلا کہ انہوں نے بہت سے آدمی میری تلاش میں بھیجے ہوئے ہیں اور خود بھی انتہائی پریشانی کے عالم میں بے تاب ہیں۔ میں نے اصل بات کہہ ڈالی کہ اس اس طرح دیر ہو گئی آخر میں یہ بھی کہا کہ مجھے تو نصاری کا دین بھلا معلوم ہوتا ہے باپ نے فوراً تنبیہ کی ایسا خیال ہی نہ کرو میرے فرزند آتشی مذہب سب سے اچھا ہے پھر انکو میرے متعلق مذہبی اندیشہ ہو گیا اور انہوں نے مجھے گھر میں بیڑیاں باندھ کر ڈال دیا۔

میں نے اس گرجے کے نصاری کے پاس کسی طرح پیغام بھیجا کہ جب تمہارے ہاں شام کے سوداگروں کا قافلہ آئے تو مجھے اطلاع دینا۔ پس جب قافلہ آیا تو انہوں نے مجھے پیغام دیدیا پھر میں نے کہلوایا کہ اب جب یہ واپسی کوچ کرنے لگے تو مجھے اطلاع دینا لہذا شام کو کوچ کے وقت انہوں نے مجھے اطلاع پہنچا دی۔ تو میں نے کسی طرح پاؤں سے بیڑیاں نکال دیں اور چھپ کر انکے ساتھ جا ملا۔ اور اس طرح میں مذہب حق کی خاطر اپنے وطن اور سب خاندان کو خیر آباد کہہ کر پردیس میں چل پڑا جب ہم ملک شام پہنچے تو لوگوں سے دریافت کیا تمہارا اس سے بڑا پادری کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں۔ میں اسکے پاس پہنچا اور دینی تعلیم کی خواہش ظاہر کی اس نے مجھ اپنے پاس رکھ لیا لیکن کچھ عرصے میں مجھے اسکی بد طینی اور بد باطنی کا علم ہو گیا وہ لوگوں سے

صدقات وصول کر کر کے اپنے مٹکے بھر تا رہتا جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اسکے کفن دفن کا انتظام کرنا چاہا تو میں نے کہا تمہارا یہ پادری تو بڑا برا آدمی تھا پوچھا کیسے ؟ پھر میں نے انکو اسکے خزانے کی جگہ دکھلائی کہ سات مٹکے روپوں سے بھرے پڑے ہیں میں نے کہا تم سے وصول کر کر کے بھر تا رہتا تھا اور خود کبھی بھی خرچ نہ کرتا تھا۔

ان لوگوں کو طیش آگیا اور انہوں نے اس پادری کو سولی پر لٹکا دیا اور خوب پتھر برسائے اسکے بعد اسکا جانشین گرجے میں آیا جو ہر وقت نماز روزے میں رہتا اور اسکی طرح خزانہ جمع نہ کرتا تھا مجھے اس سے بہت محبت ہوئی۔ لیکن اس عظیم شخص کے ساتھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اسکا وقت آخر قریب آگیا میں نے اس سے پوچھا تم مجھے وصیت فرماتے جاؤ کہ اب میں کس کی رہنمائی اور ماتحتی پکڑوں۔ تو اس نے کہا اے فرزند جو حق لوگ تھے وہ گزر بسر گئے اور جو ہیں انہوں نے دین کو بدل دیا ہے بس ایک شخص میری نظر میں تمہارے لئے مناسب رہے گا جو میرا دوست ہے موصل میں رہتا ہے وہ بھی میرے طریقے پر قائم ہے۔

چنانچہ یہ انتقال کر گیا تو اسکے بعد میں اس فلاں شخص کے پاس حسب وصیت جا پہنچا اور اسکے پاس صورت حال عرض کی اس نے مجھے خوشی رکھا اور میں نے اسکو بھی اس پہلے کی طرح خوب نیک پایا اور پھر اسکا بھی وقت آخر آگیا اور میں نے اس سے وصیت چاہی۔ اور حق رہنمائی چاہی تو اس نے کہا۔

اے سلمان خدا کی قسم میں اس حالت کے موافق صرف ایک شخص کو پاتا ہوں جو نصیبین میں ہے تم اسکے پاس چلے جانا۔

چنانچہ میں اسکے پاس پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا اور وہاں رہنے لگا اسکو بھی میں نے انتہائی رحمدل اور نیک شخص پایا مگر چند روز ہی میں وہ قریب المرگ ہو گیا اور اسکی عمر نے وفاداری نہ کی میں نے اس سے بھی عرض کیا کہ مجھے آگے کیلئے اسی کی وصیت فرماتے جاؤ اس نے کہا۔

اے فرزند سوائے ایک شخص کے جو روم کے شہر عموریہ میں رہتا ہے اسکے سوا میں کسی کو اس منصب کے لائق نہیں جانتا۔ لہذا تم وہاں کوچ کر جانا وہ بھی ہمارے طریقے کا ہے۔

لہذا میں اسکی وفات کے بعد عموریہ پہنچا اور اس سے مل کر سارا واقعہ گوش گذار کیا اس نے کہا تم شوق کے ساتھ میرے پاس رہو میں وہاں رہنے لگا اور اس دفعہ میں نے کچھ کما کر گائیں اور بکریاں جمع کر لیں۔ اور تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ یہ نیک شخص بھی سفر آخرت پر روانہ ہونے کو ہو گیا میں نے پوچھا میرے واسطے کیا حکم ہے ؟ میں فلاں فلاں کے پاس ایسے ایسے وقت گذار چکا ہوں حتی کہ اب آپکی خدمت میں آیا ہوں ؟ اس نے فرمایا اے بیٹے : اب میں کوئی شخص اس حق راستے کا مسافر نہیں جانتا جسکا میں تجھے حکم کروں مگر اب ایک عظیم پیغمبر کے ظہور کا وقت آچکا ہے جو دین ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آئیں گے اور زمین عرب میں سے ہو گا اور کھجور کے درخت ہونگے اور ظاہر علامات رکھتے ہوں گے وہ ہدیہ کو قبول کریں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے انکے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی۔

پس اے بیٹے اگر تجھ سے ہو سکے تو وہاں ضرور چلے جانا۔ سلمان فرماتے ہیں پھر وہ عظیم خیر خواہ بھی وفات پا گیا

اور اسکے بعد میں ایک عرصے تک اسی کے شہر عمودیہ میں رہا۔

عرب کا سفر :-

پھر اہل عرب میں سے بنی کلب کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا۔ میں تو اسی تلاش میں تھا فوراً انکے پاس پہنچا اور کہا میں یہ ساری پونجی بکریاں گائیں اور سب سامان تم کو دیتا ہوں بس تم مجھے عرب لے چلو۔ انہوں نے قبول کر لیا اور میں انکے ساتھ روانہ ہو چلا۔ حتی کہ جب ہم وادی القری مقام پر پہنچے تو انکے دلوں میں موجود خیانت ابل پڑی اور انہوں نے میرا مال تو لے لیا تھا پھر مجھ پر مزید ظلم کیا حتی کہ مجھے ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا۔

میں غلامیت کی زندگی بسر کرتا رہا اسکے ہاں بھی کھجوریں تھیں میں نے پہلے تو خیال کیا شاید یہ وہی علاقہ ہو جسکا مجھے بتلایا گیا تھا لیکن میرا دل نہ مانا۔ پھر اس یہودی کے پاس مدینے کے بنی قریظہ کا ایک یہودی آیا جو اس کا چچازاد تھا اس نے اسکے ہاتھ مجھے بیچ دیا جو مجھے مدینے لے آیا یہ شہر دیکھتے ہی میرے دل میں فوراً پختہ خیال جم گیا کہ بس یہ وہی شہر ہے جو میری منزل مقصود تھی۔

پھر میں مدینے رہنے لگا۔ اور حضور اکرم ﷺ مکہ میں مبعوث ہو گئے اور مجھے اس کی ذرہ بھر خبر نہ ملی اور پھر ایک عرصہ وہاں رہے۔

ایک مرتبہ میں یہودی آقا کے کام میں مصروف تھا کہ کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجور توڑ رہا تھا اور میرا آقا بھی میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں اسکے ایک چچازاد بھائی نے آکر بڑی حیرانی میں خبر دی کہ اے فلاں اللہ کرے بنی قیلہ غارت ہو جو ایک شخص کے پاس جمع ہیں اور وہ شخص اپنے کو نبی کہلواتا ہے۔

حضرت سلمان فرماتے ہیں نبی کا نام میرے کان میں پڑتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جسم کانپ اٹھا حتی کہ مجھے خیال ہوا کہ اب میں آقا پر ہی نیچے گر جاؤں گا۔ پھر بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپکو سنبھال کر جلدی سے نیچے اتارا اور زمین پر آنے والے سے پوچھا تم نے کیا واقعہ بیان کیا ہے؟ اس پر یہودی آقا بھڑک اٹھا اور اس نے مجھے زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ اور چیخا تجھے ان باتوں سے کیا۔

جا تو اپنا کام کر۔ میں نے پژمردہ ہو کر کہا مجھے اور تو کچھ غرض نہیں تھی صرف ایک بات پوچھتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری :-

سلمانؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے پاس کچھ مال جمع کر رکھا تھا میں نے اس سے کچھ خریدا اور حضور کی خدمت میں جا پہنچا اور آپ اس وقت مسجد قبا میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک سیرت آدمی ہیں اور آپکے ساتھ آپکے غرباء رفقاء ہیں اسلئے میں نے سوچا کہ کچھ صدقہ لے کر آپکی امداد کروں۔ لو یہ لیجئے :

تو حضور نے لیکر اپنے صحابہ کے آگے رکھ دیا اور فرمایا تم لوگ کھاؤ اور آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور کچھ نہ تناول فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ ایک نشانی تو صحیح بیٹھی۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا اور پھر دوبارہ کچھ جمع کرنا شروع کر دیا اور حضور کی خدمت میں اس کو لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں

استعمال کرتے اس لئے میں نے یہ ہدیہ آپکے لئے تیار کیا ہے تو آپ نے اسکو قبول فرمایا اور کھانا شروع کر دیا اور اصحاب کو بھی شریک کر لیا۔ اب میں نے خیال کیا کہ چلو دو نشانیاں صحیح ہو گئیں ہیں۔

پھر میں نے ایک مقام بقیع غرقد (یعنی جنت البقیع) میں دیکھا کہ آپ کسی جنازے کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما ہیں میں نے آپکو سلام کیا اور پھر آپکی پشت کی طرف آگیا آپ مجھے پیچھے آتا دیکھ کر سمجھ گئے اور آپ نے خود اپنی کمر سے چادر ہٹادی جس کے سبب میں نے مہر نبوت کو دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر حق ہے چنانچہ میں اس مہر پر جھک گیا اور اسکو بوسہ دے کر رونے لگا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور شروع سے اپنا سارا ماجرا سناڈالا۔

اے عباس کے فرزند جس طرح میں نے تم کو یہ واقعہ بیان کیا ہے (اور جس طرح قارئین آپ مطالعہ کر رہے ہیں) اسی طرح میں نے حضور کو سارا سنایا جس سے حضور بہت خوش ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت :-

محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں جب حضور ﷺ کی عمر شریف چالیس سال ہوئی تو اللہ عزوجل نے آپکو تمام جہانوں کیلئے رحمت اور لوگوں کو بشارت دینے والا بنا کر بھیجا۔ اور اللہ تعالی نے آپ سے پہلے ہر نبی و رسول پر ایمان لانے اور آپکے مقابلوں میں آپکے مخالفین سے لڑنے کا عہد لیا تھا۔ اور ان سے یہ بھی عہد لیا تھا کہ وہ اپنی امتوں سے عہد لیں گے کہ سب حضور پر ایمان لائیں۔

جسکو اللہ عزوجل نے اپنے کلام مقدس میں یوں فرمایا۔

اور جبکہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا کہ ہم تم کو جو کتاب اور حکمت دیتے ہیں پھر تمہارے پاس رسول آئے اور وہ تمہارے ساتھ کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم اس پر ایمان لانا اور اسکی ضرور مدد کرنا۔

کیا تم نے اقرار کیا ؟ (سب نے) کہا بالکل ہم نے اقرار کیا فرمایا پس تم (اپنے) عہد پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ پہلے پہل حضور کو سچے خواب دکھائی دینے لگے اور آپ جو خوابوں میں دیکھتے وہ حقیقت میں صبح کی سفیدی کی طرح کھل کر سامنے آجاتا۔

اور نبوت سے پہلے آپکو خلوت (تنہائی) بہت پسند ہو گئی تھی اور سب چیزوں سے آپکو خلوت اچھی لگتی تھی۔

ابن اسحاقؒ کو سند کے ساتھ یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور کے ساتھ اللہ نے جب اپنی نبوت و کرامت کا ارادہ کیا تو آپکی یہ حالت تھی کہ آپ جس شجر و حجر کے پاس گذرتے وہ گویا ہو جاتا اور بول اٹھتا۔

اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔

آپ ادھر ادھر دیکھتے مگر آس پاس سوائے شجر و چرند پرند کچھ نہ دکھائی دیتا۔

اور آپ کے ساتھ ایسے معجزات و کرامات پیش آتے رہے حتی کہ آپ غار حرا میں تھے کہ اللہ نے آپکے پاس حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا اور رمضان کا مہینہ تھا۔

وحی کی ابتدا :-

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق .اقراء وربك الاکرم
الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم .

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی سے کہا اے عبید ہم سے بیان فرمایئے کہ حضور کے پاس وحی کی ابتداء کیسے ہوئی ؟ تو عبید بن عمیر نے یہ واقعہ بیان کرنا شروع کیا جبکہ حضرت عبداللہ بن زبیر بھی سامنے موجود تھے (راوی کہتے ہیں میں بھی اسوقت موجود تھا) فرمایا۔
حضور ہر سال میں ایک مہینہ غار حرا کے اندر خلوت کے واسطے تشریف لے جاتے تھے اور جو مسکین آپؐ کے پاس آتا اسکو کھانا کھلاتے تھے اور جب مہینہ پورا کر کے شہر میں آتے تو سب سے پہلے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے یہاں تک کہ جب یہ مبارک مہینہ یعنی رمضان اس بار پیش آیا
اور یہ عظیم رات بھی آہی گئی جس میں نبوت سے فیضیاب ہونا تھا تو میں سو رہا تھا کہ جبرئیل تشریف لائے اور انکے پاس ریشمی کپڑے میں ایک کتاب لپٹی ہوئی تھی انہوں نے مجھ سے فرمایا اقراء پڑھیئے۔
میں نے کہا : میں نہیں پڑھ سکتا یعنی میں ان پڑھ ہوں
اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر دبایا۔ تو مجھے اسپر موت کا گمان وخطرہ ہونے لگا پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھیئے اسپر میں نے کہا کیا پڑھوں تب انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھیں۔
جنکا ترجمہ یہ ہے
پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسانوں کو منجمد خون (یعنی لوتھڑے) سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا رب بڑی شان والا ہے جس نے قلم کے ساتھ سکھلایا (اور) انسان کو وہ باتیں سکھلائیں جو وہ نہ جانتا تھا۔
پھر حضور گھبرا گئے اور حضرت خدیجہ کو پورا حال سنایا تو وہ ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں وہ یہ بات سن کر چیخ پڑے۔
القدوس القدوس
بے شک یہ وہی ناموس (عزت والا فرشتہ ہے) ہے جو موسیٰ کے پاس آتا تھا بے شک یہ پیغمبر ہیں انکو کہہ دو کہ اپنے قدم مضبوط کر لیں۔

نزول قرآن کریم :-

ابن اسحاق کہتے ہیں قرآن شریف کے نزول کی ابتداء رمضان شریف میں ہوئی جیسے خود خدا نے فرمایا۔
رمضان کا مہینہ (ایسا عظیم الشان ہے) جس میں (اول اول) قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور اسمیں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور یہ (حق کو باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ (بقرہ، ۱۸۵)
پھر دوسری جگہ سورہ قدر نازل فرمائی جسکا مضمون بھی یہی ہے۔
اور تیسری جگہ فرمایا :-

قسم ہے کتاب روشن کی بے شک ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا ہے (جو شب قدر ہے) پھر وحی کا سلسلہ کچھ وقت تک موقوف رہا جس پر حضور کو بہت گرانی ہوئی اور کفار نے بھی طرح طرح کے اعتراضات شروع کردیئے جسکی وجہ سے آپ غمگین ہوئے تو اللہ نے پھر دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع فرمایا جس میں پہلی دفعہ سورہ ضحیٰ نازل کی جس میں قسم ہے روشن دن کی جب وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پرودگار نے آپکو نہ چھوڑا ہے نہ (آپ سے) دشمنی کی ہے.... الخ سورہ ضحیٰ۔

مختلف حضرات کا قبول اسلام :-

درحقیقت سب سے پہلے اسلام لانے والی شخصیت تو خاتون کی ہے یعنی حضرت خدیجہؓ باقی جنسی اعتبارات سے لڑکوں میں سب سے پہلے ابن اسحاق کے مطابق حضرت علیؓ پہلے مسلمان ہیں آپ کی عمر جب دس سال کی تھی۔

پھر حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزی بن لوئی القیس کلبی اسلام لائے جو حضور کے غلام تھے

پھر حضرت ابو بکر بن ابی قحافہ اسلام لائے آپکا نام عتیق ہے لیکن آپ کنیت سے مشہور ہوئے اور آپکے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر ہے۔

لیکن ابن ہشام کے مطابق آپکا عبداللہ نام ہے اور عتیق نام ابن اسحاق نے فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے میں نے جسکو دعوت اسلام دی اس کو تردد ہوا سوائے ابو بکر بن ابی قحافہ کے وہ فوراً اسلام لے آئے۔

حضرت ابو بکر نے اس دعوت کو اپنے ہم نشینوں کے درمیان پھیلایا اور آپ جلد ہی کئی حضرات کو اسلام کے سائے میں لانے میں کامیاب ہو گئے آپ کی دعوت سے درج ذیل اولاً اسلام لائے۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	عشرہ مبشرہ
زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	عشرہ مبشرہ
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	عشرہ مبشرہ
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	عشرہ مبشرہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	عشرہ مبشرہ

پانچ یہ اور تین پہلے یہ تمام مل کر حضور کے ساتھ نماز ادا فرماتے پھر ان کے بعد ابو عبیدہ اسلام لائے یہ بھی عشرہ مبشر میں سے ہیں ان کا مفصل نام ہے ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال، اور ابو سلمہ بھی ایمان لائے ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال ہے پھر ارقم بن ابی ارقم اسلام لائے۔

اور پھر الحمد للہ یہ سلسلہ پھیلتا گیا اور اسلام اپنے گہوارے میں لوگوں کو بلاتا رہا۔

اعلانیہ دعوت اسلام :-

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین

اے رسول جو آپ کو حکم ملا ہے آپ اس کے ذریعے (حق و باطل میں) فرق کر دیجئے اور مشرکوں کی

تکذیب کی کچھ پرواہ مت کیجئے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں تین سال تک اسلام پوشیدہ رہا پھر مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے کھلم کھلا اعلان فرمایا۔

اور یہ حکم بھی نازل ہوا جس کی وجہ سے آپ کو علی الاعلان دعوت کا حکم ملا

وانذر عشیر تك الا قربین

اور اپنے اقرباء کو (خصوصاً) عذاب الٰہی سے ڈرایئے۔

اور جس طرح اسلام مخفی رہا تو مخالفت بھی مخفی رہی اب دونوں طرف سے کھلم کھلا ٹکراؤ تھا تمام قریش آپ کے پیچھے پڑگئے اور طرح طرح سے آپ کو لالچ دیا اور جب ہر ہتھیار ناکام رہا تو پھر لڑائی اور تکالیف دینے پر اتر آئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر تو روز بروز مکہ کے اندر قریش میں اسلام ترقی کرنے لگا حالانکہ قریش سے جہاں تک ممکن تھا وہ لوگوں کو اسلام لانے سے باز رکھتے تھے ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے سند کے ساتھ ابن عباس سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ تمام سرداران قریش جو درج ذیل ہیں اکٹھے ہوئے۔

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرث نصر بن حرث اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبداللہ بن امیہ اور عاص بن وائل حجاج کے دو فرزند نبیہ ومنبہ، امیہ بن خلف اور بھی ان کے ساتھ چند سردار تھے۔

یہ سب ایک روز بعد مغرب کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور حضور کو بلوایا اور سب نے یک ہو کر کہا۔

اے محمد: ہم نے تم کو بات چیت کے واسطے بلایا ہے کیونکہ خدا کی قسم ہم عرب میں کسی ایسے شہر کو نہیں جانتے جس نے اپنی قوم کو ایسی آفت میں مبتلا کیا ہو جیسا تم نے ہم کو کیا ہے تم ہمارے باپ دادا کو برا بھلا کہتے ہو ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو، ہماری جماعت کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، کوئی ایسی خرابی نہیں جو تم نے چھوڑی ہو۔

بس اب سن لو کہ اگر تم مال کا خیال رکھتے ہو تو ہم تم کو سب سے امیر بنا دیتے ہیں۔

اگر سردار بننا چاہتے ہو تو ہم آپ کی سرداری اپنے پر بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اگر بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم آپ کو بادشاہ بنا دیں گے۔

اگر تمہارے پاس کوئی جن یا آسیب آتا ہے تو ہم اس کا علاج کروا دیں گے۔

حضور کا جواب :۔

جو باتیں تم نے کہیں مجھے ان میں سے کچھ بھی نہیں نہ میں شرف چاہتا ہوں نہ سلطنت چاہتا ہوں مجھ کو تو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے واسطے بشیر و نذیر بن جاؤں اگر تم ان باتوں کو قبول کرو گے تو دونوں جہاں میں تمہاری کامیابی ہے ورنہ میں اس وقت تک صبر کئے ہوئے ہوں جب تک خدا ہم دونوں فریق کے بارے میں فیصلہ نہیں فرما دیتا۔

ہجرت حبشہ :۔

اور پھر کفار نے بہت ہی مظالم و مصائب کا سلسلہ شروع کر دیا محمد بن اسحاق کہتے ہیں جب آپ نے ان مصائب کو دیکھا تو اپنے اصحاب کو فرمایا اگر تم حبشہ کو چلے جاؤ تو بہت بہتر ہوگا کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم روا نہیں رکھتا اور وہ صدق و راستی کی سرزمین ہے یہاں تک کہ خدا کشادگی فرمادے اور اس سختی و مصیبت کو ہم سے دور کر دے چنانچہ اصحاب رسول نے حبشہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا اور یہ سب سے پہلی اسلام میں ہجرت تھی۔

ان میں حضرت عثمان سر فہرست تھے جو آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ جو حضرت عثمان کی بیوی تھیں ان کے ہمراہ تشریف لے گئے، اور جعفر بن ابی طالب بھی پیش پیش تھے کل یہ تراسی آدمی تھے علاوہ چھوٹے بچوں کے، اور حضرت عمار بن یاسر بھی غالباً ان میں تھے پھر قریش کو اس پر بھی صبر نہ آیا بلکہ اپنا ایک وفد شاہ نجاشی کو ورغلانے کے لئے روانہ کیا جن پر خصوصاً عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھے مگر ان کے مقابلے پر حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے سامنے زبردست فصیحانہ تقریر کی اور قرآن میں سورۂ مریم کا دوسرا رکوع پڑھ کر سنایا جس میں مریمؑ کا ذکر ہے نجاشی اس کو سن کر رو پڑے اور کہا یہ حق ہے پھر قریش کے وفد کو نامراد واپس کر دیا۔

ہجرت مدینہ کا کچھ تذکرہ :۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ پھر مکہ ہی میں رسول اکرم ﷺ کو معراج کا واقعہ پیش اس وقت قریش اور مکہ میں جگہ جگہ اسلام پھیل چکا تھا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ اپنے اصحاب کی تکالیف کے متعلق پریشان رہتے تھے اور آپ حکم الٰہی سے صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم فرما چکے تھے اور خود اپنے متعلق منتظر تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ علیہ السلام ہر روز حضرت ابو بکر کے گھر صبح یا رات کو تشریف لاتے تھے ایک مرتبہ آپ دوپہر کے وقت آئے تو ابو بکر سمجھ گئے آج ضرور کوئی نئی بات ہے اور ابو بکر نے آپ کو اپنے تخت پر بٹھایا اور اس وقت میں (عائشہ) اور میری بہن اسماء ادھر موجود تھے آپ نے فرمایا ان کو ہٹادو تاکہ میں کچھ بات کروں ابو بکر نے فرمایا: یہ میری لڑکیاں ہیں آپ ان سے خطرہ نہ کریں تو حضور نے فرمایا۔

مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔

آپ کے اس فرمان سے ابو بکر مارے خوشی کے رونے لگے، اور عرض کیا میں نے اسی دن کے لئے دو اونٹنیاں تیار کر رکھیں ہیں۔

اور پھر رسول اکرم ﷺ کے ہجرت فرمانے کی خبر مکہ میں لوگوں کو بالکل معلوم نہ ہوئی سوائے ابو بکر کے اہل کے اور حضرت علی کے) ان کو آپ نے امانتیں واپس کرنے کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

پھر آپ گھر کی پشت کی کھڑکی میں سے دونوں نکل کر غار ثور جا ٹھہرے اور ابو بکر نے اپنے فرزند عبد اللہ سے فرمایا تم لوگوں کی باتیں سنو وہ ہمارے متعلق کیا کہتے ہیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ سے فرمایا تم بکریوں کو

چرانے کے لئے شام کو ہمارے قریب لے آیا کرو تاکہ ہم ان کا دودھ پیتے رہیں اور حضرت اسماء کھانا پکا کر لاتی رہیں اس طرح تین دن آپ دونوں نے غار میں بسر کر دیئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام اور ابوبکر رات کے وقت غار میں داخل ہوئے تھے اور پہلے ابوبکر اندر داخل ہوئے تھے تاکہ کوئی موذی چیز اندر ہو تو اس کو ہٹا دیں۔

اور ادھر قریش نے سارا مکہ چھان مارا اور اعلان کر دیا کہ جو محمد کا پتہ بتلائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، عبداللہ بن ابی بکر یہ ساری خبریں لے کر رات کو غار میں پہنچے، اور عامر بکریوں کو ہانک لاتا اور اسماءؓ کھانا تیار کر لاتیں جبکہ یہ ابھی چھوٹی بچی تھیں، اور پھر اسی طرح تین دن بسر ہو گئے اور لوگوں کا شور و غوغا کم ہو گیا تو آخری دن سامان باندھنے کی تیاری ہوئی مگر اسماء ساتھ کوئی کپڑا وغیرہ سامان باندھنے کے لئے نہ لائیں تھیں جس کی وجہ سے انھوں نے اپنا نطاق پھاڑا اور دو ٹکڑے کئے ایک میں مشکیزہ دوسرے میں دیگر سامان باندھ دیا جس پر آپ نے ان کو جنتی نطاقیں کی خوشخبری دی اور ان کا تب سے ذات النطاقین نام پڑ گیا۔

مدینہ میں تشریف آوری :-

ابن اسحاق کہتے ہیں رسول علیہ السلام قباء میں پیر، منگل بدھ اور جمعرات تک رہے اور یہاں کی مسجد قبا کو آپ نے مستحکم فرمایا پھر جمعہ کے دن یہاں سے بنی سالم بن عوف میں آئے اور جو مسجد وادی رانوناء میں ہے اس میں پہلا جمعہ ادا فرمایا۔

اور آپ مدینہ کو چل پڑے، عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ یعنی بنی سالم کے چند لوگ پہلے سے آپ کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا ہمارے ہاں یہیں تشریف فرما ہوں ہمارا سارا قبیلہ آپ کی خدمت و حفاظت کیلئے حاضر ہے آپ نے اونٹنی کے ارادے پر چھوڑ دیا۔

جب بنی بیاضہ کے محلے میں پہنچی تو وہاں کے سردار زیاد بن بعید اور فروہ بن عمرو اپنی قوم کے ساتھ آئے اور ان کے ساتھ بھی وہی گفتگو ہوئی، پھر بنی ساعرہ تک پہنچے تو سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر اپنے لوگوں کے ساتھ حاضر ہوئے مگر ان کو بھی وہی جواب مرحمت فرمایا یہاں تک اونٹنی بنی حرث بن خزرج سے ہوتی بنی عدی بن نجار میں پہنچی یہ آپ کا ننھیال تھا یہاں بھی وہی ہوا۔

حضرت ایوب انصاری کی خوش بختی :-

حتیٰ کہ جب مالک بن نجار کے ہاں تک پہنچے تو جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے وہاں اونٹنی بیٹھ گئی اور یہ زمین مذکورہ ایک شخص کے دو یتیم لڑکوں سہل و سہیل کی تھی، اور یہ دونوں معاذ بن عفراء کی تربیت و پرورش میں تھے لیکن ابھی آپ اترے نہ تھے کہ اونٹنی دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی اور آگے چلی پھر واپس آ کر پہلی جگہ پر بیٹھ گئی اور یہاں ابو ایوب انصاری کا گھر قریب تھا وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے اور لوگوں کا جم غفیر ساتھ تھا جو اپنے دلوں میں بڑی حسرت لئے ہوئے تھے، پھر حضرت ایوب نے خود لکڑی کا پالان اونٹنی سے اتارا اور اپنے گھر رکھ دیا اور آپ ان کے مکان میں ٹھہر گئے۔

غزوۂ بدر :-

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت ابن اسحاقؒ سے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے کانوں میں اطلاع پڑی کہ ابو سفیان ملک شام سے قریش کا بہت بڑا تجارتی قافلہ لے کر آرہا ہے جس میں تیس یا چالیس افراد بہت سارا مال لارہے ہیں حضور نے صحابہ کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا، اور ادھر ابو سفیان کو بھی کسی کے ذریعے علم ہو گیا کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا ہے اس نے فوراً قاصد کو مکہ دوڑایا جس نے جا کر سرداران قریش کو خطرے کی اطلاع دی اور وہاں سے لشکر جرار اسلحے سے لیس ہو کر آگیا، ادھر حضور علیہ السلام اپنے قافلے کو لے کر روانہ ہو گئے اور آپ کو بھی ان کے لشکر کی روانگی کا علم ہو گیا اس طرح قریش کفار کے دو لشکر تھے ایک مال والا دوسرا جنگ والا۔

فرمان الٰہی ہے :-

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں ایک گروہ تمہارا ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بغیر ہتھیار والا ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر (پھینک) دے تاکہ سچ کو سچ کردے اور جھوٹ کو جھوٹ کردے خواہ مشرک ناخوش ہی ہوں جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کرلی تھی کہ ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے اور اس مدد کو خدا نے صرف بشارت بنایا تھا تاکہ تمہارے دل اس سے اطمینان میں ہوں اور مدد تو اللہ ہی کی ہے، بے شک خدا غالب حکمت والا ہے، جب اس نے تسکین کے لئے تم پر نیند کی چادر اڑھادی اور تم پر آسمان سے پانی برسایا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کردے اور تم سے شیطانی نجاست کو دور کردے اور اس لئے بھی کہ تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور تمہارے قدم مضبوط کردے، جب تمہارا رب فرشتوں کو فرماتا تھا میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب وہیبت ڈالتا ہوں، بس تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور ان کے پورے پورے تک کاٹ ڈالو، یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور وہ شخص خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو خدا بھی سخت عذاب دینے والا ہے یہ چکھو اور کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

اللہ عزوجل نے یہ ساری صورت حال غزوۂ بدر کے متعلق فرمائی ہے جس میں بیان ہے کہ اللہ نے دراصل مومنوں سے ایک قافلے کو فتح کرادینے کا وعدہ فرمایا تھا مال والے یا جنگ والے، پھر مومنوں کے دل میں مال والے کی خواہش پیدا ہوئی تو اللہ نے دوسرے کو آگے کردیا اور اس کی وجہ اللہ نے خود فرمائی کہ اس سے مقصود تھا تاکہ کافروں کو نیست و نابود کرکے ان کی جڑ اکھیڑی جائے اور مال والے قافلے کو اللہ نے اس طرح بچادیا کہ ابو سفیان اپنے قریب کنویں کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہاں کوئی آیا تھا تو وہاں موجود شخص نے کہا جی یہاں دو اونٹ سوار آئے تھے ابو سفیان نے ان کی مینگنیوں کو کرید کر دیکھا تو اس میں سے گٹھلیاں نکلیں تو وہ سمجھ گیا کہ یہاں یثرب کے آدمی آئے تھے اور جاسوسی کر کے گئے ہیں لہذا یہاں ابھی نبی کا لشکر آئے گا لہذا وہ

اپنے قافلے کو لے کر جلد وہاں سے نکل گیا۔

اور پھر ہتھیار سے لیس لشکر سے مسلمانوں کی لڑائی طے پائی مسلمانوں کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر تھی اور کفار نو سو سے زائد تھے۔

اور دونوں لشکروں نے بدر میں پڑاؤ ڈال دیا صبح کو آمنا سامنا ہوا کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ اس کا لڑکا ولید بن عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ پہلے پہل نکل کر آئے اور ھل من مبارز کا نعرہ لگایا کہ کوئی ہے تو ہمارے مقابلے پر آئے، ان کے مقابلے میں انصار کے تین اشخاص عوف، معوذ، اور ایک تیسرا آدمی جو شاید عبداللہ بن رواحہ تھے آئے عتبہ والوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا ہم انصاری ہیں کہا ہم تم سے نہیں لڑتے پھر انھوں نے آواز دی اے محمد ہمارے ساتھ کے ہماری قوم کے لوگ سردار اور بہادر بھیجو (ان کے ساتھ تو لڑنا ہماری توہین ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اے حمزہؓ کھڑے ہو اے علی کھڑے ہو، اے عبیدہ کھڑے ہو، لہٰذا یہ تینوں فوراً اٹھے اور میدان میں لپک کر پہنچے انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو تو انھوں نے شیروں کی طرح گرج کر کہا میں علی ہوں میں حمزہ ہوں میں عبید ہوں تو وہ کہنے لگے ہاں اب برابری ہے۔

پھر عبیدہ نے عتبہ بن ربیع سے مقابلہ کیا حمزہ نے شیبہ سے علیؓ نے ولید سے حمزہؓ اور علیؓ نے تو سر کاٹ کر رکھ دیا اور سارا غرور خاک میں ملا دیا جبکہ عتبہ اور عبیدہ دونوں ایک دوسرے سے زخمی ہو گئے حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے پھر اپنے اپنے مد مقابل سے نمٹ کر عتبہ کا کام تمام کر دیا اور عبیدہ کو لشکر میں اٹھا لائے پھر کفار غیظ و غضب سے بھڑک گئے اور دونوں گروہوں میں گھمسان کا رن پڑا اور حضور دعا کرتے کرتے اونگھ نے پکڑ لیا اٹھے تو خوش تھے فرمانے لگے وہ دیکھو جبرئیل لشکر کے ساتھ آئے ہیں۔

اور اسی جنگ میں کافر ملعون ابو جہل کو معاذ اور معوذ دو بچوں نے جہنم واصل کر دیا اور اس کے علاوہ تقریباً بڑے بڑے کافر سردار مارے گئے اور کافروں کی ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھر گئیں۔

اور پھر الحمدللہ تمام جنگوں میں اسلام کا پرچم بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ مکہ بھی فتح ہو گیا، اس کے بعد حجۃ الوداع کا واقعہ پیش آیا۔

حجۃ الوداع

حج کی تیاری :-

ابن اسحاق کہتے ہیں جب ذیقعدہ کا مہینہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا اور لوگوں کو تیاری کے لئے حکم دیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچیسویں ذی قعدہ کو حج کے لئے سفر کیا اور مدینہ میں ابو دجانہ ساعدی اور بقول بعض سباع بن عرفطہ غفاری کو حاکم مقرر فرمایا۔

حضرت عائشہ اور مناسک حج :-

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب مقام سرف میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس قربانی نہ ہو وہ عمرہ کا احرام باندھ لے اور یہیں مجھ کو ایام آگئے پس رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی اور انھوں نے کہا اے عائشہؓ! کیا ہوا؟ تم کو ایام آگئے؟ میں نے کہا ہاں فرماتی ہیں اس وقت میں یہ کہہ رہی تھی کہ کاش اس سفر میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ آتی، آنحضرتؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو جو حاجی کرتے ہیں وہی تم بھی کرنا فقط بیت اللہ کا طواف نہ کرنا کہتی ہیں جب لوگ مکہ میں آئے تو جنھوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا سب نے احرام کھول دیئے اور نبی پاکؐ کی عورتوں نے بھی عمرہ ہی کیا تھا۔

پھر جب قربانی کا دن ہوا تو گائے کا بہت سا گوشت میرے گھر آیا میں نے دریافت کیا یہ کیسا ہے؟ لانے والے نے کہا آنحضرتؐ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی ہے پھر جب لیلۃ الحجبہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو میرے پاس مقام تنعیم سے عمرہ کے لئے بھیجا اس عمرہ کے بدلہ میں جو مجھ سے فوت ہو گیا تھا، حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب کہتی ہیں نبی کریمؐ نے اپنی عورتوں کو عمرہ کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! احرام کھولنے میں آپ کو کیا چیز مانع ہے؟ فرمایا میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ لایا ہوں ان کو ذبح کر کے احرام کھولوں گا۔

حضرت علیؓ کی یمن سے واپسی :-

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا تھا وہاں سے واپس آتے ہوئے حضرت علیؓ مکہ میں آئے رسول کریم ﷺ حج کے لئے پہلے سے آئے ہوئے تھے، حضرت علیؓ اپنی زوجہ حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے ان کو دیکھا تو انھوں نے احرام کھول دیا تھا حضرت علیؓ نے پوچھا اے رسول خدا کی صاحبزادی تم نے ابھی سے احرام کھول دیا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا ہاں آنحضرتؐ نے ہم کو عمرہ کا حکم دیا تھا ہم نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا پھر حضرت علیؓ حضورؐ کے پاس آئے اور جب اپنے سفر کے حالات بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو رسول پاکؐ نے فرمایا تم جا کر طواف کر دو اور جیسے اور لوگوں نے احرام کھول دیا ہے تم بھی کھول دو حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے یہ نیت کی تھی کہ اے اللہ! میں وہ احرام باندھتا ہوں جو تیرے نبی اور تیرے بندہ اور رسول محمد ﷺ نے باندھا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے پاس قربانی بھی

ہے، حضرت علیؓ نے عرض کیا قربانی تو نہیں ہے، پس نبی کریم ﷺ نے اپنی قربانی میں ان کو شریک کیا، اور یہ اسی احرام کے ساتھ رہے، اور آنحضرتؐ کے ساتھ احرام کھولا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی اور اپنی دونوں کی طرف سے قربانی کی تو اس طرح حضور نے حج قران فرمایا۔

حضرت علیؓ کے خلاف شکایت

یزید بن رکانہ کہتے ہیں جب حضرت علیؓ رسول اللہؐ سے ملنے کے لئے مکہ میں آئے تو لشکر کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور ایک شخص کو اس پر حاکم مقرر کیا تھا اس شخص نے توشہ خانہ میں سے ایک ایک نفیس نفیس کپڑا نکال کر سارے لشکر میں تقسیم کر دیا کہ اس کو اوڑھ لیا جائے جب یہ لشکر اس صورت سے مکہ کے قریب پہنچا تو حضرت علیؓ ملنے کے لئے تشریف لائے اور ان کپڑوں کو دیکھ کر اس شخص سے جس کو حاکم کیا تھا پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے یہ کپڑے اس لئے تقسیم کئے ہیں تا کہ یہ لشکر لوگوں میں اپنی عزت ظاہر کرے حضرت علیؓ نے فرمایا تجھ کو خرابی ہو یہ کپڑے ان لوگوں سے لے کر توشہ میں آپؐ کے پاس پہنچنے سے پہلے داخل کر، چنانچہ وہ کپڑے سارے لشکر سے لے کر داخل کئے گئے لشکر کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت علیؓ کے اس برتاؤ کی شکایت کی، رسول مقبول ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! علیؓ کی شکایت تم نہ کرو، علیؓ خدا کے معاملے میں بہت مضبوط ہے اس کی شکایت کرنی لائق نہیں ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع:۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور لوگوں کو مناسک حج یعنی حج کے قاعدے اور طریقے بتلائے پھر آپ ﷺ نے ایک طویل خطبہ پڑھا اور بہت سے احکامات امت کے لئے بیان فرمائے چنانچہ حمد و ثناء کے بعد فرمایا "اے لوگو" میری بات غور سے سنو شاید آئندہ میں تم سے اس جگہ کبھی ملاقات نہ کروں اے لوگو تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے جا ملو اسی طرح جیسے اس دن کی حرمت ہے اور اس مہینے کی حرمت ہے، اور بے شک تم اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال کرے گا اور میں سب باتیں تم کو بتا چکا ہوں پس جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اس کی امانت ادا کر دے اور کوئی شخص اپنے قرضدار سے بجز راس المال کے سود نہ لے کیونکہ سود ساقط کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ فرما دیا ہے اور عباس بن عبد المطلب کا سود بھی ساقط اور جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے سب ختم ہیں اور سب سے پہلے جو خون زمانہ جاہلیت کا میں ختم کرتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ بن حرث بن عبد المطلب کا ہے جس کو بنی ہذیل نے قتل کیا تھا، پس یہ جاہلیت کے خون معاف کرنے میں میں ابتدا کرتا ہوں اور اے لوگو! اس تمہارے ملک میں شیطان اپنی پرستش کئے جانے سے ناامید ہو گیا ہے، یعنی ملک عرب میں کبھی اس کی پرستش نہ ہو گی مگر ہاں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ راضی ہو گیا ہے جن کو تم بڑے گناہوں میں شمار نہ کرو گے پس تم کو اپنے دین کی شیطان سے

حفاظت لازم ہے، اے لوگو! نسیئی کی بدعت جو کفار نے ایجاد کی تھی یہ کفر کی زیادتی میں شمار ہے یعنی حرام مہینوں کو حلال مہینوں کے بدلہ میں حلال مہینوں کو حرام کر لینا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے بارہ مہینے رکھے ہیں جن میں سے چار حرام ہیں، تین پے در پے یعنی ذی قعدہ ذی الحج اور محرم اور ایک رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان میں ہے اور اے لوگو! تمہاری عورتیں تمہارا فرش کسی بھی ایسے شخص کے لئے نہ لگائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور کوئی فحش بات ظاہراً نہ کریں پس اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم ان کو اپنے سے جدا سلاؤ اور اس طرح مارو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو پھر اگر وہ ان باتوں سے باز آجائیں تو ان کا کھانا کپڑا حسب حیثیت تمہارے ذمہ ہے۔

اے لوگو! عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو وہ تمہاری مددگار ہیں اور اپنے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتیں اور تم نے ان کو خدا کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور خدا کے کلام کے ساتھ ان کو حلال کیا ہے پس اے لوگو! میرے ان احکام کو خوب سمجھو اور میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو تم مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت اے لوگو! میری ان باتوں کو سنو اور خوب سمجھ لو اور جان لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں پس مسلمان کے مال میں سے دوسرے مسلمان کو کوئی چیز حلال نہیں ہے سوا اس چیز کے جو وہ اپنی خوشی سے بخش دے۔ بس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! کیا میں نے تیرے احکامات بندوں کو پہنچا دیئے سب حاضرین نے عرض کیا ہاں بے شک آپؐ نے احکامات الٰہی ہم کو پہنچا دیئے آپؐ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔"

حکمرانوں کی طرف ایلچی :۔

ابن اسحاق کہتے ہیں آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو نامے دے کر مختلف بادشاہوں کے پاس روانہ کیا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں مجھ کو معتبر روایت پہنچی ہے کہ حدیبیہ کے سفر سے واپس آکر ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا! اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے پس تم میرے اوپر ایسا اختلاف نہ کرنا جیسا حواریوں نے عیسیٰ بن مریم پر اختلاف کیا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر کیا اختلاف کیا تھا؟ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اسی بات کی طرف بلایا تھا جس کی طرف اب تم کو بلاتا ہوں یعنی بادشاہوں کی طرف ایلچی بنا کر بھیجنے کے لئے پس جن لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام نے قریب کے ملکوں میں بھیجا تھا وہ تو خوشی خوشی چلے گئے، جن کو دور دراز ملکوں میں بھیجا تھا وہ سست ہو گئے اور ان کو جانا ناگوار گزرا عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانیں اس ملک کی کر دیں جس کی طرف عیسیٰ علیہ السلام نے بھیجا تھا اور اسی زبان میں یہ لوگ بولنے لگے۔

رسولؐ اللہ کے قاصد :۔

راوی کہتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے مکتوب لکھ کر اپنے اصحاب کو عنایت کئے اور ان کو بادشاہوں کے پاس روانہ کیا چنانچہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر بادشاہ روم کے پاس اور عبداللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ بادشاہ فارس کے پاس روانہ کیا اور عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی بادشاہ حبش کی طرف اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس بادشاہ

مصر کے پاس اور عمرو بن عاص سہمی کو جلندی کے دونوں بیٹوں حیفر اور عیاذ کی طرف بھیجا یہ دونوں قوم ازد سے عمان کے بادشاہ تھے اور سلیط بن عمرو عامری کو یمامہ کے بادشاہوں ثمامہ بن اثال اور ہودہ بن علی کے پاس بھیجا اور علاء بن حضرمی کو بادشاہ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے پاس روانہ فرمایا اور شجاع بن وہب اسدی کو حسرث بن ابی شمر غسانی بادشاہ سرحد شام کی طرف روانہ کیا۔

ابن ہشام کہتے ہیں :- شجاع بن وہب کو رسول اللہ ﷺ نے جبلہ بن ایہم غسانی کی طرف اور مہاجر بن امیہ مخزومی کو حرث بن عبد کلال حمیری کی طرف روانہ فرمایا، ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے یزید بن ابی حبیب مصری نے بیان کیا کہ ان کو ایک کتاب ملی جس میں رسول اقدس ﷺ کے بادشاہوں کی طرف ایلچیوں کے روانہ فرمانے کا ذکر تھا اور جس طرح کہ اوپر لکھا گیا ہے سب اس کتاب میں مندرج تھا۔

غزوات و سرایا :-

غزوات کا اجمالی ذکر : ابن اسحاق کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ بذات خود ستائیس غزوات میں تشریف لے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے سب سے پہلے غزوہ ابواء پھر غزوہ بواط مقام رضوی کی طرف، پھر غزوہ عشرہ شہر ینبوع کی طرف، پھر غزوہ بدر لولی کرز بن جابر کی تلاش میں پھر بدر کا وہ غزوہ جس میں اللہ تعالیٰ نے سرداران قریش کو قتل کرایا پھر غزوہ بنی سلیم جس میں آپؐ مقام کدر تک تشریف لے گئے تھے پھر غزوہ سویق ابوسفیان کی تلاش میں پھر غزوہ غطفان جس کو ذی امر کا غزوہ بھی کہتے ہیں پھر غزوہ بحران، خاص حجاز میں پھر غزوہ احد پھر غزوہ حمراء الاسد پھر غزوہ بنی نضیر پھر غزوہ ذات الرقاع مقام نخل میں پھر غزوہ بدر اخری پھر غزوہ دومتہ الجندل پھر غزوہ خندق پھر غزوہ بنی قریظہ پھر غزوہ بنی لحیان ہذیل سے پھر غزوہ ذی قرد پھر غزوہ بنی مصطلق خزاعہ سے پھر غزوہ حدیبیہ جس میں جنگ کا قصد نہیں تھا اور مشرکوں نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تھا پھر غزوہ خیبر پھر عمرۃ القضاء پھر غزوہ فتح مکہ پھر غزوہ حنین پھر غزوہ طائف پھر غزوہ تبوک، ان سب غزووں میں سے کل نو غزوات میں جنگ ہوئی، بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح، حنین، اور طائف میں۔

سرایا کا اجمالی ذکر :- سب چھوٹے اور بڑے اڑتیس لشکر نبی پاک ﷺ نے مختلف اطراف میں روانہ فرمائے جن کی تفصیل یہ ہے، (۱)...... عبیدہ بن حرث کا لشکر ثنیہ ذی المروہ کی طرف۔ (۲)...... اور حضرت حمزہؓ کا لشکر ساحل بحر کی طرف اور بعض لوگ حضرت حمزہؓ کے لشکر کی روانگی عبیدہؓ کے لشکر سے پہلے بیان کرتے ہیں۔ (۳)...... پھر سعد بن ابی وقاص کا غزوہ مقام خرار میں۔ (۴)...... اور عبداللہ بن جحش کا غزوہ نخلہ میں۔ (۵)...... اور زید بن حارثہ کا غزوہ مقام قردہ میں۔ (۶)...... اور محمد بن مسلمہ کا غزوہ کعب بن اشرف یہودی سے۔ (۷)...... اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کا غزوہ رجیع میں۔ (۸)...... اور منذر بن عمرہ کا غزوہ بیرٔ معونہ میں (۹)...... اور ابوعبیدہ بن جراح کا غزوہ عراق کے راستہ میں۔ (۱۰)...... اور عمرؓ بن خطاب کا غزوہ بنی عامر سے۔ (۱۱)...... اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کا غزوہ یمن میں۔ (۱۲)...... اور غالب بن عبداللہ کلبی کا غزوہ بنی ملوح سے۔

دیگر سرایا :- (۱۳)...... حضرت علیؓ بنی عبداللہ بن سعید اہل فدک پر جہاد کرنے تشریف لے گئے۔

(۱۴)......اور ابو عوجاء سلمی نے بنی سلیم پر جہاد کیا اور یہ ان کے سب ساتھی شہید ہوئے۔(۱۵)......اور عکاشہ بن محصن نے عمرہ پر جہاد کیا۔(۱۶)......اور ابو سلمہ بن عبد الاسد نے نجد کی طرف بنی اسد سے ایک چشمہ پر جس کا نام قطن تھا جنگ کی اور وہیں مسعود بن عروہ شہید ہوئے۔(۱۷)......اور محمد بن مسلمہ حارثیؓ نے مقام قرطاء میں ہوازن سے جنگ کی۔(۱۸)......اور بشر بن سعد بن مرہ نے فدک پر جہاد کیا۔(۱۹)......اور بشیر بن سعد ہی نے خیبر کی ایک جانب جہاد کیا۔(۲۰)......اور زیدؓ بن حارثہ نے مقام جموم میں جو بنی سلیم کا ملک ہے جہاد کیا۔(۲۱)......اور زیدؓ بن حارثہ ہی نے جذام پر ملک حسمٰی میں جہاد کیا۔

وصال کا دن :-

انسؓ بن مالک کہتے ہیں جب دوشنبہ کا روز ہوا جس میں آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو جس وقت صبح کی نماز ہو رہی تھی، آپؐ پردہ اٹھوا کر حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور مسلمان نماز میں آپؐ کی تشریف آوری کو دیکھ کر خوشی کے مارے بے چین ہو گئے آپؐ نے مسلمانوں کو نماز میں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ انسؓ کہتے ہیں اس وقت سے زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کی صورت بارونق اور اچھی نہیں دیکھی تھی پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ واپس حجرہ میں تشریف لے گئے اور لوگ سمجھ گئے کہ اب آپ کو مرض سے افاقہ ہو گیا۔

مسجد میں تشریف آوری :-

ابن اسحاق کہتے ہیں پیر کے روز صبح کے وقت رسول اللہؐ سر کو باندھے ہوئے تشریف لائے لوگوں نے آنحضرتؐ کی آہٹ سن کر صف میں جگہ چھوڑ دی ابو بکرؓ لوگوں کی آہٹ سے سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے صف میں یہ حرکت ہوئی ہے حضرت ابو بکرؓ پیچھے کو ہٹے آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ ابو بکر ﷺ کی پشت پر رکھ کر اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور خود رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ایسی بلند آواز سے فرمایا جو مسجد سے باہر تک جا رہی تھی کہ اے لوگو! آگ روشن ہو گئی اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آ گئے ہیں اور خدا کی قسم! میں نے تمہارے لئے وہی چیز حلال کی ہے جو قرآن نے حلال کی ہے اور وہی چیز میں نے تم پر حرام کی ہے جو قرآن نے حرام کی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ جب اس گفتگو سے فارغ ہوئے تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ نے اللہ کے فضل اور نعمت کے ساتھ صبح کی ہے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں اور آج کا دن بنت خارجہ کا دن ہے کیا میں اس کے پاس سے ہو آؤں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں! پھر رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ میں داخل ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ اپنے گھر چلے گئے۔

رسولؐ اللہ کا وصال :-

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اسی روز جب رسول اللہ ﷺ مسجد سے واپس تشریف لائے تو میری گود میں لیٹ رہے اور ابو بکرؓ کے گھر والوں میں سے ایک شخص سبز مسواک لئے ہوئے میرے پاس آیا رسول کریمؐ نے اس مسواک کی طرف دیکھا میں سمجھ گئی کہ آپؐ اس مسواک کو لینا چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا

آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ مسواک آپ کو دیدوں آپؐ نے فرمایاہاں، پس میں نے وہ مسواک لے کر چبائی اور نرم کر کے آنحضرتؐ کو دے دی آپؐ نے خوب مسواک کی پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا بدن بھاری ہو گیا اور یکایک آپؐ نے اوپر نگاہ کر کے فرمایا، بل الرفیق الاعلی من الجنۃ میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا کہ آپ کو اختیار دیا گیا اور آپؐ نے اختیار کر لیا فرماتی ہیں پھر رسول اقدس کا وصال ہو گیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کا میری گود میں وصال ہوا اور میری کم عمری اور ناواقفیت کی یہ بات تھی کہ میں آپ کا سر مبارک تکیہ پر رکھ کر عورتوں کے ساتھ اپنا منہ پیٹنے لگی۔

حضرت عمرؓ کی کیفیت :-

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں جس وقت رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے منافقوں میں سے چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا حالانکہ خدا کی قسم آپؐ کا وصال نہیں ہوا ہے بلکہ آپؐ خدا کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ اللہ کے پاس گئے تھے اور چالیس روز کے بعد تشریف لے آئے اور ان کے جانے کے بعد لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئیں گے، جو یہ کہے گا آپؐ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالوں گا۔

حضرت ابو بکرؓ کا صبر واستقامت :-

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں اسی وقت ابو بکرؓ آئے اور عمرؓ کی گفتگو کی طرف کچھ متوجہ نہ ہوئے۔ اور سیدھے حجرہ کے اندر داخل ہو گئے رسول اللہ ﷺ کے اوپر ایک یمنی چادر ڈال رکھی تھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول پاکؐ کا چہرہ مبارک کھول کر بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے لکھی تھی اس کو آپؐ نے چکھ لیا اب اس کے بعد آپؐ کو موت نہ پہنچے گی پھر ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کا چہرہ ڈھک دیا، اور باہر آئے عمرؓ لوگوں سے وہی گفتگو کر رہے تھے، ابو بکرؓ نے کہا اے عمرؓ پیچھے ہٹو اور خاموش رہو مگر عمرؓ خاموش نہ ہوئے جب ابو بکرؓ نے دیکھا عمرؓ خاموش نہیں ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے لوگوں نے جب حضرت ابو بکرؓ کی گفتگو سنی تو سب ان کے پاس آگئے اور حضرت عمرؓ کو چھوڑ دیا حضرت ابو بکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر کہا، لوگو! جو لوگ محمدؐ کی عبادت اور پرستش کرتے تھے تو سن لیں کہ محمدؐ تو انتقال فرما چکے ہیں اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ بے شک زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں ہے پھر حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی۔

وما محمد الا رسول..... الخ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت پڑھی تو لوگ ایسے ہو گئے کہ گویا انھوں نے کبھی یہ آیت سنی ہی نہ تھی اور اس وقت لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اس آیت کو یاد کیا، عمرؓ کہتے ہیں جس وقت میں نے ابو بکرؓ سے یہ آیت سنی مجھ کو معلوم ہوا کہ گویا میرے پیر کٹ گئے اور میں کھڑا نہ رہ سکا اسی وقت زمین پر گر پڑا اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا۔

ختم شد